بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا ۔ چودہ پلانے والے ہیں پرواہ ہے مجھ کو کیا

بتلاتے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتہ ۔ بطحا د کاظمین و خراسان و سامرا

خورشید مدعا مرا برج شرف میں ہے

اک کربلا میں اک مرا ساقی نجف میں ہے

چودہ ستارے

یعنی

حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

تاج المتکلمین نجم الواعظین مؤرخ یگانہ، فخر العلما حضرت مولینا مولوی سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی واعظ

ناظم اعلیٰ پاکستان شیعہ مجلس علماء خطیب شیعہ پشاور (پاکستان)

حسب فرمائش

منیجر شیعہ جنرل بک ایجنسی، انصاف پریس ریلوے روڈ۔ لاہور

پیش لفظ

ہوتے نہ گر ازل میں "چودہ ستارے" ہادی
مٹی خراب ہوتی آدمؑ سے رہنما کی

چودہ ستارے سے مراد حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں جن میں سرخیلِ انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشفیع روزِ جزا خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور بارہ امام شامل ہیں۔ یہ وہ ذوات ہیں جو خالقِ کائنات کی طرح بے مثل و بے نظیر ہیں یہ جب عالمِ نور میں تھے انہوں نے ملائکہ کو تسبیح و تمجید کا سبق دیا جبرئیلؑ کو علم و معرفت سے بہرہ ور کیا۔ آدم و حوا جو گرے ہوئے آنسوؤں کی طرح بے وقعت ہو چکے تھے انہیں شرف انسانیت میں توبہ کے ذریعہ سے عروج و فروغ بخشا۔ اور جب عالم ظہور میں آئے تو عقولِ انسانی کو علم و معرفت کی جلا دے کر چمکا دیا۔ گمراہوں کو رہبری کا جادۂ مستقیم بتایا۔ جنت میں جانے کا راستہ دکھایا۔

ان کی مدح سرائی کے وئے زبانِ قدرت ناطق۔ ان کے وضاحت حالات کے لئے اوراقِ قرآن شاہد۔ انسان کی کیا مجال کہ ان کے کشفِ حالات کے لئے قلم اٹھا سکے۔ حالات و اوصاف ان کے لکھے جا سکتے ہیں جن کی کنہ معلوم اور حقیقت آشکار ہو اور جس کو دنیا میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہو۔ یہ وہ ذوات ہیں جن کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر اور رہم انسانی معذور ہے۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے دعائے توفیق اور کتب کی مدد سے لکھا ہے۔ مجھے ہرگز اس کا دعوےٰ نہیں کہ میں ان حضرات کے حالات کا ایک شمہ بھی لکھ سکتا ہوں۔ بہرحال ایک دوست کی خواہش تھی کہ میں ان کے حالات قلم بند کروں۔ اس لئے قلم اٹھایا اور کچھ نہ کچھ لکھ دیا۔

میں نے اس کی پوری سعی کی ہے کہ واقعات صحیح اور حالات درست لکھے جائیں۔ تاریخ ولادت و شہادت کی صحت پر بھی پوری قوت صرف کی جائے اور میں نے اس کی سعی بلیغ میں بھی دریغ نہیں کیا کہ صحیح تاریخ منظر عام پر آ جائے۔ میں نے اپنے بساط کے مطابق اس کی بھی کوشش کی ہے کہ جو واقعات بعض معاصرین نے غیر مناسب لکھ دیئے ہیں۔ وہ بھی صاف ہو جائیں اور اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔ میں نے ایسا بھی کیا ہے کہ جن معصومین کے کوائف و حالات مشہور ہیں انہیں زیادہ اختصار سے لکھا ہے اور جن کے زیادہ حالات پردہ خفا میں ہیں۔ ان کی قدرے وضاحت کی ہے۔

میں نے اس کتاب کو حضرت حجت علیہ السلام سے منسوب کیا ہے کیونکہ آپ وارث الانبیاء و الاوصیاء ہونے کے ساتھ ساتھ حاضر و ناظر اور حیاتِ ظاہریہ سے بہرہ مند ہیں۔

تشکر: عالیجناب فخر الواعظین حضرت علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ لکھنوی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب پر تقریظ لکھ کر میری ہمت افزائی فرمائی۔ نیز خاقانی سرحد حضرت جگر کاظمی اور فرزدقِ سرحد حضرت کوکب تبریزی اور حضرت شوق جے پوری کا متشکر ہوں کہ انہوں نے قطعات تاریخ سے کتاب کو مزین فرمایا۔ والسلام

سید نجم الحسن کراروی
کوچہ مولانا صاحب۔ پشاور سٹی

ملتِ اسلام کے خزانہ میں ایک بہترین اضافہ

از قلم خفیفت فخر الواعظین حضرت علامہ مولانا مرزا یوسف حسینؒ صاحب قبلہ مدظلہ لکھنوی (مہاتوالی مغربی پاکستان)

میرے مکرم اور عزیز دوست عالی جناب مولانا سید نجم الحسنؒ صاحب قبلہ کراروی صدر الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ سے پاکستان و ہندوستان میں شاید ہی کوئی فرد ہو جسے شرف تعارف حاصل نہ ہو۔ آپ کی خداداد قابلیت انداز تحریر کی پختگی۔ دلچسپ اور دل آویز طرز نگارش، حقائق کی تلاش اور مبالغہ یا غلو سے پرہیز اور اس کے ساتھ ساتھ کہنہ مشقی۔ یہ ان کے وہ خصوصیات ہیں جن کا ہر صاحب نظر و انصاف کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

آپ نے حال ہی میں اپنی کد و کاوش سے ایک نہایت جامع کتاب (چودہ ستارے) کے نام سے تالیف فرمائی ہے جس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سوانح حیات اس اختصار اور جامعیت اور دلچسپ طریقہ سے درج فرمائے ہیں۔ جس سے اہل علم اور عوام مساوی طور پر لطف اندوز اور مستفیض ہو سکتے ہیں۔ کتاب حقائق اور خاص تحقیقات سے مملو اور حوالوں سے مرصع ہونے کے علاوہ اس قدر صاف اور سادہ اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہے کہ ایک نظر پڑ جانے کے بعد جب تک ختم نہ ہو جائے۔ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ کتاب کیا ہے گلشن رسول و آل رسول ہے۔ کتب کے حوالے مکمل موجود ہیں۔ مگر عربی عبارات بالکل نہیں ہیں۔ جن کے پڑھنے میں عوام کو الجھن ہو۔

اگرچہ اس موضوع کے لئے پانچ سو صفحات بہت کم ہیں۔ مگر یہ بھی آپ کا معجزہ تحریر ہے کہ سمندر کو کوزہ میں سمو دیا ہے۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے۔

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میری دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو اس سے بھی بہتر خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور فرزندان اسلام کو اس چشمۂ فیض سے مستفیض ہونے کا موقع بخشے۔ اور ہمارے دوسرے اہل علم کو بھی ایسے ہی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ تاکہ اسلام کا خزانہ مدح اہل بیت سے مالا مال ہوتا رہے۔ آمین۔

حررّہ

احقر مرزا یوسف حسین عفی عنہ

اِنتسابُ

میں اپنی اس حقیر تالیف کو حجت یگانہ ، امام زمانہ ، ناخدائے کشتیٔ اسلام ، صاحب العصر والزمان حضرت امام محمد مہدی علیہ السّلام کے وجود مقدس اور نام نامی واسم گرامی سے معنون ومنسوب کرتا ہوں ۔

احقر الزمن السیّد نجم الحسن
مؤلف کتاب ہٰذا

کتاب چودہ ستارے

شجرہ

مصدقہ حضرت فخر المحققین آقائے ملت

اسمائے معصومین	مشہور لقب	کنیت	امہات	تعداد اولاد	تاریخ ماہ و سنہ ولادت
پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ	مصطفےٰؐ	ابوالقاسم	حضرت آمنہ بنت وہب	فاطمۃ الزہراؑ طیبؑ طاہرؑ و قاسمؑ و ابراہیمؑ	۱۷ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل
ام الائمہ جناب فاطمہؑ	زہرا	ام الحسنین سیدۃ النساء	حضرت خدیجۃ الکبریٰ	حسنؑ و حسینؑ و زینبؑ و ام کلثوم و اسقاط محسنؑ	۲۰ جمادی الثانیہ سنہ ۵ بعثت
ابوالائمہ حضرت علیؑ	امیرالمومنین	ابوالحسن۔ ابوتراب	حضرت فاطمہ بنت اسد	۱۱ پسر ۱۶ دختر	۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل یوم جمعہ
حضرت امام حسنؑ	مجتبےٰؑ	ابومحمدؑ	حضرت فاطمہ زہراؑ	۸ پسر ۷ دختر	۱۵ رمضان سنہ ۳ھ
حضرت امام حسینؑ	سیدالشہداء	ابوعبداللہ	حضرت فاطمہ زہراؑ	۶ پسر ۴ دختر	۳ شعبان سنہ ۴ھ (بنا بر مشہور)
حضرت امام علیؑ	زین العابدین	ابومحمدؑ	حضرت شہربانو بنت یزدجرد بادشاہ ایران	۱۱ پسر ۴ دختر	۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۳۸ بقولے ۱۵ جمادی الاول سنہ ۳۸
حضرت امام محمدؑ	باقر	ابوجعفر	فاطمہ بنت امام حسنؑ	۵ پسر ۲ دختر	یکم رجب سنہ ۵۷ھ
حضرت امام جعفرؑ	صادق	ابوعبداللہ ابواسمٰعیل	ام فروہ بنت قاسم بن محمد ابن ابی بکر	۷ پسر ۳ دختر	۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ
حضرت امام موسےٰؑ	کاظم	ابوالحسن ابوابراہیم	حمیدہ خاتون	۱۹ پسر ۱۸ دختر	۷ صفر المظفر سنہ ۱۲۸ھ
حضرت امام علیؑ	رضا	ابوالحسن	ام البنین	امام محمد تقیؑ فقط	۱۱ ذی قعدہ سنہ ۵۳ھ
حضرت امام محمدؑ	تقی	ابوجعفر	خیزران خاتون (ریحانہ)	۲ پسر ۲ دختر	۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ھ
حضرت امام علیؑ	نقی	ابوالحسنؑ	سمانہ خاتون	۵ پسر	۵ رجب سنہ ۲۱۴
حضرت امام حسنؑ	عسکری	ابومحمد	حدیثہ خاتون	حضرت صاحب الامرؑ	۱۱ ربیع الثانی سنہ ۲۳۲ھ
حضرت امام محمدؑ	مہدی الحجۃ القائم صاحب الزماں	ابوالقاسم	نرجس خاتون	العلم عند اللہ	۱۵ شعبان سنہ ۲۵۵ بقولے ۲۵۶

ایک نظر میں

طیبہ

مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی

جائے ولادت	وفات تاریخ ماہ و سنہ	مدت حیات	بادشاہ وقت	سبب شہادت	جائے دفن
شعب ابی طالب (مکہ معظمہ)	۲۸ر صفر سنہ ۱۱ھ	۶۳ سال	د- نوشیرواں عادل ش- ہرقل بادشاہ قیصر روم	زہر یہودیہ بمقام خیبر	مدینہ طیبہ
مکہ معظمہ	۳ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۱ھ	۱۸ سال ۹ ماہ ۱۵ دن	د- یزدجرد ش- ابوبکر	افتادن در پہلو شکستن بحکم خلیفہ دوم	جنت البقیع (مدینہ)
درمیان خانہ کعبہ	۲۱ر رمضان سنہ ۴۰ھ	۶۳ سال	د- شہریار ش- معاویہ	ضربت ابن ملجم بہ سازش امیر شام بمقام مسجد کوفہ	نجف اشرف (عراق)
مدینہ منورہ	۲۸ر صفر سنہ ۵۰ھ	۴۷ سال	د- یزدجرد ش- معاویہ	زہر دادن جعدہ بنت اشعث ہمشیر زادی خلیفہ اول بحکم امیر شام (معاویہ)	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ	۵۷ سال	د- یزدجرد ش- یزید	زخم ہائے بے شمار بمقام کربلا و خنجر شمر لعین	کربلائے معلیٰ (عراق)
مدینہ منورہ	۲۵ر محرم سنہ ۹۵ھ	۵۷ سال	د- بادشاہ دین و دنیا امیر المومنین حضرت علی ش- یزید	زہر دادن ولید بن عبد الملک بن مروان	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۷ر ذوالحجہ سنہ ۱۱۴ھ	۵۷ سال	د- معاویہ ش- ہشام	زہر ابراہیم بن ولید بحکم ہشام بن عبد الملک	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۵ر شوال المکرم سنہ ۱۴۸ھ	۶۵ سال	د- عبد الملک بن مروان ش- منصور	زہر منصور دوانقی	جنت البقیع (مدینہ)
(ما بین مکہ و مدینہ)	۲۵ر رجب سنہ ۱۸۳ھ	۵۵ سال	د- مروان الحمار ش- ہارون الرشید	زہر ہارون الرشید عباسی بذریعہ سندی ابن شاہک	کاظمین (عراق)
مدینہ منورہ	۲۳ ذی قعدہ سنہ ۲۰۳ھ	۵۰ سال	د- منصور دوانقی ش- مامون رشید	زہر مامون الرشید عباسی	مشہد مقدس (خراسان)
مدینہ منورہ	۲۹ر ذی قعدہ سنہ ۲۲۰ھ	۲۵ سال ۳ ماہ ۱۲ یوم	د- محمد الامین عباسی ش- معتصم باللہ عباسی	زہر معتصم بذریعہ ام الفضل بنت مامون رشید	کاظمین (عراق)
حوالی مدینہ منورہ	۳ر رجب سنہ ۲۵۴ھ	۴۰ سال	د- مامون رشید ش- معتز باللہ	زہر معتز باللہ	سرمن رائے (عراق)
مدینہ منورہ	۸ر ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ	۲۸ سال ۲ ماہ	د- واثق باللہ ش- معتمد باللہ	زہر معتمد باللہ	سرمن رائے (عراق)
سرمن رائے (عراق)	بحکم خدا زندہ ہیں	ماشاء اللہ	د- معتمد باللہ	* *	جائے غیبت سرمن رائے

چودہ ستارے

ترتیبِ مضامین

تقریظ

(جناب ثقۃ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری دام ظلہ العالی)
چیئرمین علماء بورڈ مدرسۃ الواعظین لاہور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الحمد لاہلہٖ والصلوٰۃ علیٰ اھلہا۔ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے متعلق اردو میں ابھی تک بہت کم کام ہوا ہے ایک حد تک ایک حد تک ابھی تو ابتدا ہی کہی جاسکتی ہے بہت کچھ کرنا اور ہونا باقی ہے جو حسب توفیق صاحبان علم و اہل دل کرتے رہیں گے تاہم جو کچھ ان ذوات مقدسہ کے متعلق اب تک لکھا گیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے مولانا سید اولاد حیدر صاحب مرحوم فوق بلگرامی نے اردو کو ان پاکیزہ احوالی تذکروں سے باوقار و باوزن بنانے کی ابتدا کی مولانا سید مظہر حسن صاحب مرحوم سہارنپوری ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فاروقی اور جناب مولانا الحاج سید ظفر حسن صاحب امروہوی نے اپنے اپنے رنگ میں خوب خوب داد خامہ فرسائی دی اور اب فخر العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی صدر الافاضل نے چودہ ستارے لکھ کر نور کے ٹکڑوں کو یکجا کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب کراروی صاحب نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے فریضۂ تذکرہ معصومین علیہم السلام ادا کیا ہے لیکن جناب الحاج ملک صادق علی صاحب عرفانی مدیر اخبار شیعہ نے جو ایک تجربہ کار صحافی بھی ہیں چودہ ستارے میں مختلف شہرت یافتہ اہل علم صاحبان قلم کے شاہکاروں کو بھی شامل کرکے نہ صرف ایک جدت کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر افادۂ عام اور عوام کے لئے ایک کارنامہ انجام دیا ہے ——

ان اہل قلم کاروں میں جانی پہچانی شخصیتیں ہیں جو تجربۂ تحریر کے ساتھ علمی منزلت و وقار کے مالک بھی ہیں۔ جناب الحاج ملک صادق علی صاحب عرفانی کی اس جودت طبع اور جدت طرازی نے چودہ ستارے کو چار چاند لگا دیئے اور اب اس کتاب کی عظیم افادیت کا اعلان یقین کے ساتھ کیا جا سکتا ہے ——

میں جناب عرفانی صاحب کو اس اہم اور مفید خدمت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور اہل ایمان سے توقع کرتا ہوں کہ وہ انصاف پریس لاہور کی طبع کردہ چودہ ستارے نامی کتاب کو زیادہ سے زیادہ خرید کر خود بھی مطالعہ کریں گے اور اپنے احباب کو استفادہ کا موقعہ دیں گے۔

مجھے بجا طور پر امید ہے کہ ہر مومن کے گھر میں یہ کتاب حصول برکت کے لئے موجود رہے گی۔ پڑھے لکھے خود پڑھیں گے اور ناخواندہ لوگوں کو سنایا جائے گا تاکہ ہر کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ حالات معصومین علیہم السلام معلوم ہو جائیں اور اتباع حضرات طاہرین کے امکانات موثر صورت میں ظہور پذیر ہو سکیں۔

والسلام علی المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محمد بشیر انصاری
چیئرمین علماء بورڈ مدرسۃ الواعظین لاہور
۲۲ر جون ۱۹۷۴ء

ترتیب — حصّہ اوّل

حصّہ دوم

اضافہ کے ساتھ

حصہ دوم کے لکھنے والے علماء کرام

آیتہ اللہ علامہ الحاج السید محمدؐ کاظم شریعتمدار العمر مدظلہ

الحاج علامہ سید شمیم السبطین قبلہ

علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ صدر مجلس مکمل علماء پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خاندانی حالات

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اہواز۔ بابل یا عراق کے ایک قریہ "کوثا" میں طوفانِ نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر ۸۶ سال کی ہوئی تو آپ کے یہاں بطن جناب ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اور ۹۰ سال کی عمر میں جناب سارہ سے حضرت اسحاقؑ متولد ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دونوں بیویوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر سارہ کو مع اسحاق شام میں چھوڑ کر ہاجرہ کو مع اسماعیل حجاز کے شہر مکہ میں پہنچا آئے۔ اسحاق کی شادی شام میں اور اسماعیل کی مکہ میں قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے ہوئی۔ اس طرح اسحاق کی نسل شام میں اور اسماعیل کی نسل مکہ میں بڑھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی ہوئی اور جناب ہاجرہ کا انتقال بھی ہو گیا، تو آپ مکہ تشریف لائے اور اسماعیل کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ تعمیر ہجرت نبوی سے ۲۷۹۳ سال قبل ہوئی ہے۔ پھر ایک خواب کے حوالہ سے بحکم خدا اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنا چاہا۔ جس کے ردعمل میں خدا نے فرمایا کہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ابراہیم سنو! ہم نے تمہارے فدیہ (اسماعیلؑ) کو ذبح عظیم امام حسینؑ سے بدل دیا ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے کے ۳۴۲۵ سال بعد کا ہے۔

اس کے بعد چند باتوں میں آپ کا امتحان لیا گیا۔ جس میں کامیابی کے بعد آپ کو درجہ امامت پر فائز کیا گیا۔ آپ نے خواہش کی کہ یہ عہدہ میری نسل میں مستقر کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا بہتر ہے لیکن تمہاری نسل میں جو ظالم ہوں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ تھا۔ اور آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحب شریعت تھے اور خدا کی بارگاہ میں آپ کا یہ درجہ تھا کہ خاتم الانبیاء کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے ۱۷۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقام قدس جلیل میں دفن کئے گئے۔ وفات سے قبل آپ نے اپنا جانشین حضرت اسماعیلؑ کو قرار دیا۔

مؤرخین فرنگ کا کہنا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت جناب مسیحؑ سے ۱۹۱۱ سال قبل ہوئی تھی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے یہ خصوصی امتیازات ہیں کہ (۱) انہیں کی وجہ سے مکہ آباد ہوا (۲) چاہ زمزم برآمد ہوا (۳) حج کعبہ کی

عبادت کا آغاز ہوا۔ ۱۰ رذی الحجہ کو عید قربان کی سنت جاری ہوئی۔ آپ کا انتقال ۱۳۷ سال کی عمر میں ہوا۔ اور آپ حجر اسمٰعیل (مکہ) کے قریب دفن ہوئے۔ آپ نے بارہ فرزند چھوڑے۔ آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی و دیگر خدمات آپ کے فرزند ہی کرتے۔ ان فرزندوں میں قیدار کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ غرضکہ اولاد اسماعیل مکہ معظمہ میں بڑھتی اور نشوونما پاتی رہی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص فہر نامی پیدا ہوا جو انتہائی باکمال تھا۔ اس فہر کی نسل سے پیغمبر اسلام متولد ہوئے۔ علامہ طریحی کا کہنا ہے کہ اسی فہر یا اس کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بحر الہند سے اس نے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو قریش کہا جاتا تھا اور اسے لاکر مکہ میں رکھ دیا تھا جسے لوگ دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ لفظ فہر عبرانی ہے اور اس کے معنی پتھر کے ہیں۔

قصی

پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ فہر کی نسل سے گذرے ہیں جن کا نام "قصی" تھا۔ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ انہیں قصی کو قریش کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ قصی کا اصل نام زید اور کنیت ابو المغیرہ تھی۔ ان کے باپ کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد اور بیوی کا نام عاتکہ بنت خالخ بن ملیک تھا۔ یہ نہایت ہی نامور بلند حوصلہ۔ جواں مرد عظیم الشان بزرگ تھے انہوں نے زبردست عزت و اقتدار حاصل کیا تھا۔ یہ نیک چلن با مروت سخی اور دلیر تھے۔ ان کے خیالات پاک اور بے لوث تھے۔ ان کے اخلاق بلند، شائستہ اور مہذب تھے۔ ان کی ایک بیوی حبی بنت خلیل خزاعی تھیں۔ یہ خلیل بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ اس نے وفات کے وقت خانہ کعبہ کی تولیت حبی کو سپرد کر دینا چاہا۔ اس نے اپنی کمزوری کے حوالے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے اپنے ایک رشتہ دار ابو غبشان خزاعی کے سپرد کی۔ اس نے اس اہم خدمت کو قصی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس طرح قصی ابن کلاب اس عظیم شرف کے بھی مالک بن گئے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی مرمت کرائی اور دار الندوہ بنوایا۔ رفاہ عام کے سلسلہ میں بیشمار خدمات کیں۔ مکہ میں کنواں کھدوایا جس کا نام حجون تھا قصی کا انتقال ۴۸۰ھ میں ہوا۔ مرنے کے بعد انہیں مقام حجون میں دفن کیا گیا۔ اور ان کی قبر زیارت گاہ بن گئی۔ قصی اگرچہ نبی یا امام نہ تھے لیکن حامل نور محمدیؐ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان فضیلت کے آفتاب بن گئے۔

عبدمناف

قصی کے چھ بیٹے تھے جن میں عبد الدار سب سے بڑا اور عبد المناف سب سے لائق تھے۔ انہوں نے مرتے وقت بڑے بیٹے کو تمام مناصب سپرد کئے لیکن عبد مناف نے اپنی لیاقت کی وجہ سے سب میں شہرت حاصل کر لی۔ یہ قریش کے مسلم الثبوت سردار بن گئے۔ عبد مناف کا اصل نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی اور ماں کا نام حبی بنت خلیل تھا۔ انہوں نے عاتکہ بنت مرہ سلمیہ بن ہلال سے شادی کی۔ انہیں حسن و جمال کی وجہ سے "قمر" ماہتاب کہا جاتا تھا۔ "دیار بکری" کا کہنا ہے کہ عبد مناف کو مغیرہ کہتے تھے۔ وہ تقویٰ اور صلہ رحم کی تلقین کیا کرتے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی عقیدہ پر تھے اور انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ یہ بھی اپنے باپ قصی کی طرح مناقب بے حد اور فضائل بیشمار کے مالک اور نور محمدیؐ کے حامل تھے۔

انہوں نے ملک شام کے مقام غزہ میں انتقال کیا۔

عبد مناف کے جیتے جی تو کوئی جھگڑا اٹھا نہیں۔ ان کے بعد ان کی اولاد جن میں ہاشم مطلب، عبد شمس اور نوفل نمایاں حیثیت رکھتے تھے، میں یہ جذبہ ابھر پڑا کہ عبد الدار کی اولاد سے وہ مناصب لے لینے چاہئیں جن کے وہ اہل نہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بنی عبد الدار سے مناصب کی واپسی یا تقسیم کا سوال کیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جنگ کا میدان ہموار ہو گیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہو گئی کہ رفادہ، سقایہ، قیادت بنی عبد مناف کے قبضہ میں رہیں اور حجابت اور لواء برادری کا منصب بنی عبد الدار کے پاس رہے ——— اور دار الندوہ کی صدارت مشترکہ ہو۔

ہاشم آپ کا نام عمرو کنیت ابو نضلہ تھی۔ آپ کے والد عبد مناف اور والدہ عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھیں۔ آپ کو علو مرتبہ کی وجہ سے عمرو العلا بھی کہتے تھے۔ آپ اور عبد الشمس وہ دونوں اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے پاؤں کا پنجہ عبد الشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا جسے تلوار کے ذریعہ سے علیحدہ کیا گیا اور بے انتہا خون بہا جس کی تعبیر نجومیوں نے باہمی خونریز جنگ سے کی جو بالکل صحیح اتری اور دونوں خاندانوں کے درمیان ہمیشہ جنگ متوارث رہی جس کا اختتام ۱۳۲ھ میں ہوا۔ بنی عباس (ہاشمی) اور بنی امیہ (شمسی) میں ایسی خونریز جنگ ہوئی جس نے بنی امیہ کی قوت وطاقت اور بلندی اقبال کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔

آپ فطرتاً سیر چشم اور فیاض تھے۔ دولت مندی میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ حجاج کی خدمت آپ کی زندگی کا کارنامہ تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ کو ہاشم اس لئے کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شدید قحط کے موقع پر اپنی ذاتی دولت سے شام جا کر بہت کافی کیک خریدا تھا اور اسے لا کر تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ اسے شوربا میں توڑ کر کھاؤ۔ ہشم کے معنی توڑنے کے ہیں۔ لہذا ہاشم کہے جانے لگے۔ آپ نے اپنی شادی اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے کی جس سے صرف اسد پیدا ہوئے۔ دوسری شادی خزرجیوں کے ایک مشہور قبیلہ بنی عدی ابن نجار یثرب (مدینہ) کی نجیب الطرفین دختر سے کی۔ اسی کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا۔ جو آگے چل کر عبد المطلب شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ عبد المطلب ابھی دودھ ہی پیتے تھے کہ جناب ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی اولاد کے متعلق حضرت جبرئیل کا کہنا ہے کہ میں نے مشرق ومغرب کو چھان کر دیکھا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر کوئی نہیں ہے اور بنی ہاشم سے بہتر کوئی خاندان نہیں ہے۔ جناب ہاشم نے ۵۱۱ء میں بمقام غزہ شام میں انتقال فرمایا۔

جناب اسد آپ حضرت ہاشم کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کی ولادت ۴۹۷ء سے قبل ہوئی تھی۔ آپ میں انسانی ہمدردی بحد کمال پہنچی ہوئی تھی۔ فخر الدین رازی کا بیان ہے کہ جناب اسد نے ایک دن اپنے ایک دوست کو سخت بھوکا پا کر (جو بنی خزوم سے تھا) اپنی والدہ سے کہا کہ اس کے لئے کھانے کا بندوبست کرو۔ انہوں نے پنیر اور آٹا کافی مقدار میں اسکے گھر بھجوا کر اسے سکون بخشا۔ پھر اسی واقعہ

سے متاثر ہوکر جناب ہاشم نے اہل مکہ کو جمع کیا اور ان میں تجارت کا جذبہ و شوق پیدا کیا۔ اسد کے معنی شیر کے ہیں۔
ابنِ خالویہ کا یہ کہنا ہے کہ "شیر" کے پانچ سو نام ہیں جن میں ایک اسد بھی ہے۔ شیر بھوک اور پیاس پہ صابر ہوتا ہے
علامہ طریحی کا کہنا ہے کہ شیر کے اولاد کم ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت اسد کے اولاد کم تھی بلکہ اولادِ ذکور مفقود
اور غالباً صرف فاطمہ بنت اسد ہی تھیں جو بعد میں حضرت علیؑ کی والدہ گرامی قرار پائیں۔

جناب عبدالمطلب

آپ حضرت ہاشم کے نہایت جلیل القدر صاحبزادے تھے ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا انتقال بچپنے میں ہی ہو چکا تھا۔ پرورش کے فرائض آپ کے چچا مطلب کی کنار عاطفت میں ادا ہوئے اور خوش قسمتی سے آخر میں عرب کے سب سے بڑے سردار قرار پائے۔
آپ کے والد ہی کی طرح آپ کی والدہ بھی (جن کا نام سلمیٰ تھا) شرافت و عظمت میں انتہائی بلندی کی مالک تھیں۔
ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ وہ وقارِ خاندانی کی وجہ سے اپنے نکاح کو اس شرط سے مشروط کرتی تھیں کہ جب چاہیں گی گھر چلی جائیں گی۔ علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ وہ یہ شرط بھی لگاتی تھیں کہ تولید کے موقع پر اپنے میکے میں رہوں گی جناب عبدالمطلب کا ایک نام شیبۃ الحمد بھی تھا کیونکہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے سر پر سفید بال تھے اور شیب سفیدی سر کو کہتے ہیں۔ حمد سے اسے مضاف اس لئے کیا کہ آگے چل کر بے انتہا ممدوح ہونے کی ان میں علامتیں دیکھی جارہی تھیں۔ آپ سنِ شعور تک پہنچتے ہی جناب ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ آپ نے اپنے پر شراب حرام کر رکھی تھی اور غارِ حرا میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ کا دسترخوان اتنا وسیع تھا کہ انسانوں کے علاوہ پرندوں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبر گیری ان کا خاص شیوہ تھا۔ آپ نے بعض ایسے طریقے رائج کئے جو بعد میں مذہبی نقطۂ نظر سے انسانی زندگی کے اصول بن گئے مثلاً ایفائے نذر۔ نکاحِ محارم سے اجتناب دختر کشی کی ممانعت، خمر و زنا کی حرمت اور قطع ید سارق۔ عبدالمطلب کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے چاہ زمزم کو جو مرورِ زمانہ سے بند ہو چکا تھا۔ پھر کھدوا کر جاری کیا۔
آپ کے عہد کا ایک اہم واقعہ کعبہ معظمہ پر لشکر کشی ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ابرہۃ الاشرم یمن کا عیسائی بادشاہ تھا۔ اس میں مذہبی تعصب بے حد تھا۔ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت دیکھ کر آتش حسد سے بھڑک اٹھا اور اس کے وقار کو گھٹانے کے لئے مقام "صنعا" میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا۔ مگر اس کی لوگوں کی نظر میں خانہ کعبہ والی عظمت نہ پیدا ہو سکی تو اس نے کعبہ کو ڈھانے کا فیصلہ کیا اور اسود بن مقصود حبشی کی زیر سرکردگی ایک عظیم الشان لشکر مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ قریش، کنانہ، خزاعہ اور ہذیل پہلے تو لڑنے کے لئے تیار ہوئے لیکن لشکر کی کثرت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور مکہ کی پہاڑیوں میں اہل و عیال سمیت جا چھپے۔ البتہ عبدالمطلب اپنے چند ساتھیوں سمیت خانہ کعبہ کے دروازے میں جا کھڑے ہوئے اور کہا۔ مالک تیرا گھر ہے اور صرف تو ہی بچانے والا ہے۔ اسی دوران میں لشکر کے سردار نے مکہ والوں کے کھیت سے مویشی پکڑے جن میں عبدالمطلب کے دو اونٹ بھی تھے۔ الغرض ابرہہ نے حناط حمیری کو مکہ والوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم تم

سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ صرف کعبہ ڈھانے کا ہے۔ عبدالمطلب نے پیغام کا یہ جواب دیا کہ ہمیں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور اس کے بعد عبدالمطلب نے ابرہہ سے ملنے کی درخواست کی۔ اس نے اجازت دی۔ یہ داخل دربار ہوئے۔ ابرہہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور ان کے ہمراہ تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھا۔ عبدالمطلب نے دوران گفتگو میں اپنے اونٹوں کی رہائی کا سوال کیا۔ اس نے کہا کہ تم نے اپنے آبائی مکان "کعبہ" کے لئے کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیا "انا ربّ الابل والبیت ربٌ سیمنعہ" "میں اونٹوں کا مالک ہوں اپنے اونٹ مانگتا ہوں۔ جو کعبہ کا مالک ہے اپنے گھر کو خود بچالے گا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ان کو مل گئے۔ اور وہ واپس آگئے اور قریش کو پہاڑوں پر بھیج کر خود وہیں ٹھہر گئے۔ غرضیکہ ابرہہ عظیم الشان لشکر لے کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھا اور جب اس کی دیواریں نظر آنے لگیں تو ڈھا اول دینے کا حکم دیا۔ خدا کا کرنا دیکھئے کہ جیسا ہی گستاخ و بے باک لشکر نے قدم بڑھایا۔ مکہ کی غربی سمت سے خداوند عالم کا ہوائی لشکر "ابابیل" کی صورت میں نمودار ہوا۔ ان پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی۔ انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانا شروع کیں۔ چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے بڑی بڑی گولیوں کا کام کرکے سارے لشکر کا کام تمام کردیا۔ ابرہہ جو محمود نامی سرخ ہاتھی پر سوار تھا زخمی ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن راستہ ہی میں واصل جہنم ہوگیا یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔

چونکہ ابرہہ ہاتھی پر سوار تھا اور عرب نے اس سے قبل ہاتھی نہ دیکھا تھا نیز اس لئے کہ بڑے بڑے ہاتھیوں کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی ننھی ننھی کنکریوں سے بحکم خدا تباہ کرکے خدا کے گھر کو بچا لیا تھا۔ اس لئے اس واقعہ کو ہاتھی کی طرف منسوب کیا گیا اور اسی سے سنہ عام الفیل کہا گیا۔ مہندی کا خضاب عبدالمطلب نے ایجاد کیا ہے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط مامون رشید کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ علامہ مجلسی اور مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور مقام حجون میں دفن ہوئے۔ میرے نزدیک آپ کا سن وفات ۵۷۸ عیسوی ہے۔

جناب عبداللہ

آپ جناب عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ کنیت ابواحمد تھی۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے کئی بھائی تھے۔ جن میں ابوطالب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جناب عبداللہ ہی وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن کو ہمارے نبی کریم ؐ کے والد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نہایت متین، سنجیدہ اور شریف طبیعت کے انسان تھے اور نہ صرف جلالتِ نسب بلکہ مکارم اخلاق کی وجہ سے تمام جوانانِ قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل مطبوع میں فرد تھے۔ حرکاتِ موزوں اور لطفِ گفتار میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ جناب عبدالمطلب آپ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے دیئے تو میں ان میں سے ایک راہِ خدا میں قربان کردوں گا اور اس کی تکمیل میں عبداللہ کو ذبح کرتے چلے۔ لوگوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ آپ قربانی کے لئے قرعہ ڈالیں چنانچہ بار بار عبداللہ کے ذبح پر ہی قرعہ نکلتا۔ عبدالمطلب نے منت

اصرار کے ساتھ انہیں ذبح کرنا چاہا لیکن اونٹوں کی تعداد بڑھا کر قرعہ کے لئے سو تک لے گئے۔ بالآخر تین بار عبداللہؑ کے مقابلہ میں ۱۰۰ اونٹوں پر قرعہ نکلا اور عبداللہ ذبح سے بچ گئے۔ اس کے بعد آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب ابن عبد مناف کی صاحبزادی "آمنہ" سے ہوگئی۔ شادی کے وقت جناب عبداللہؑ کی عمر تقریباً ۱۸ سال کی تھی۔ آپ نے ۲۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ مکہ سے بسلسلہ تجارت مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ مقام ابوا میں دفن کئے گئے۔ آپ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور لونڈی چھوڑی جس کا نام "برکت" اور عرف ام ایمن تھا۔

حضرت ابوطالبؑ

آپ حضرت ہاشم کے پوتے، عبدالمطلب کے بیٹے اور جناب عبداللہؑ کے سگے بھائی تھے۔ آپ کی مادر گرامی فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں۔ شمس العلماء نذیر احمد کا کہنا ہے۔ آپ عبدالمطلب کے اولاد ذکور میں سب سے زیادہ باوقار اور عقل مند تھے۔ عبدالمطلب کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی پرورش آپ نے شروع کی اور تاحیات ان کی نصرت وحمایت کرتے رہے۔ مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب کا یہ طریقہ تازیست رہا کہ آنحضرت کو اپنے ساتھ سلاتے تھے اور جہاں جاتے تھے ساتھ لے جاتے تھے۔ کفار قریش اور اشرار یہود سے آپ نے آنحضرتؐ کی حفاظت کی اور انہیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچنے دیا۔ مؤرخ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سفر شام کے موقع پر ایک راہب کی نظر آپؐ پر پڑی۔ اس نے ان میں بزرگی کے آثار دیکھے اور ابوطالب سے کہا کہ انہیں جلد واپس وطن لے جاؤ۔ مبادا انہیں یہود قتل کر ڈالیں۔ ابوطالب نے اپنا سارا سامان تجارت فروخت کر کے وطن کی راہ لی۔ مؤرخ دیار بکری کا کہنا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ جناب ابوطالب کی تحریک سے جناب خدیجہ کا مال برائے فروخت شام کی طرف لے جایا کرتے تھے۔ چند دنوں میں خدیجہ نے شادی کی خواہش کی اور نسبت ٹھہر گئی۔ جناب ابوطالب نے آنحضرت کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھا اور خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے پڑھا۔ ابوطالب کے خطبہ کی ابتدا ان لفظوں سے ہے الحمد للّٰہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم چار سو دینار سرخ پر عقد ہوا۔ عقد نکاح کے بعد فرحاً مشہدیداً حضرت ابوطالب بہت ہی خوش ہوئے۔ علامہ طریحی کا بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السلام کہنا ہے کہ ابوطالب ایمان کے تحفظ میں اصحاب کہف کے مانند تھے۔ شمس العلماء نذیر احمد کا کہنا ہے کہ عبدالمطلب اور ابوطالب دین فطرت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ "ان آباء النبی لم یکن فیھم مشرک" آنحضرت کے آباؤ اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا۔ ابوطالب کے متعلق شمس العلماء نذیر احمد کا کہنا ہے کہ وہ دل سے پیغمبر کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے۔ شمس العلماء شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب مرتے وقت بھی کلمہ پڑھ رہے تھے۔ لیکن بخاری کی ایک ایسی مرسل روایت کی بنا پر جس میں مسیب شامل ہے۔ انہیں غیر مسلم کہا جاتا ہے جو قابل صحت لائق تسلیم نہیں ہے۔ غرضیکہ آپ کے مومن اور مسلمان ہونے پر مؤرخین کا اتفاق ہے۔ ابوطالب کے دو شعر قابل ملاحظہ ہیں۔

ودعوتنی وعلمت انک صادق | ولقد صدقت فکنت قبل امینا
ولقد علمت بان دین محمد | من خیر ادیان البریۃ دینا

(ترجمہ) اے محمد! تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً سچے ہو کیونکہ تم اس عہد نبوت کے اظہار سے قبل بھی لوگوں کی نظر میں سچے رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتے ہوئے ہوں کہ اے محمد! تمہارا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد تھیں جو سنہ بعثت میں ایمان لائیں اور سنہ ۴ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا اور خود آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ ۱۰ بعثت میں ہوا۔ آپ کے انتقال کے سال کو رسول اللہ نے "عام الحزن" سے موسوم کر دیا۔

جناب عباس

آپ جناب عبد المطلب کے بیٹے اور پیغمبر اسلام کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ فتیلہ تھیں۔ آپ رسول خدا صلعم سے ۲ یا ۳ سال بڑے تھے۔ آپ کا قد لانبا اور بدن خوب صورت تھا۔ آپ ہجرت سے قبل اسلام لائے تھے۔ آپ بڑے صاحب الرائے تھے۔ آپ نے فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شرکت کی تھی۔ آپ کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۸۸ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۲ رجب سنہ ۳۲ھ بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا۔ اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

جناب حمزہ

آپ جناب عبد المطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت صلعم کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو کہ جناب آمنہ کی چچازاد بہن تھیں۔ آپ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی اور بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے آپ جنگ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور زبردست نبرد آزمائی کی۔ ۳۱ کافروں کو قتل کرنے کے بعد آپ کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑے۔ جس کی وجہ سے پشت سے زرہ ہٹ گئی اور موقع پا کر ایک وحشی نامی حبشی نے تیر مار دیا اور آپ اسی دن بلکہ اسی وقت بتاریخ ۵ شوال سنہ ۳ھ شہید ہو گئے۔ کافروں نے آپ کو مثلہ کر ڈالا۔ اور امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے آپ کا جگر نکال کر چبا ڈالا۔ اسی لئے امیر معاویہ کو "ابن الکلبۃ الاکباد" کہتے ہیں۔ آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ نماز جنازہ رسول خدا نے پڑھائی تھی۔

"تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ سنہ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہ نے نہر کھدوائی تو شہداء احد کی قبریں کھد گئیں اور اسی سلسلہ میں ایک تیشہ جناب حمزہ کے پیر پر لگا جس سے خون تازہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابو طالب کے بیٹے

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ (۱) طالب (۲) عقیل (۳) جعفر (۴) حضرت علی۔ ان میں چھٹائی بڑائی دس سال کی تھی۔ دیار بکری کا کہنا ہے کہ دو بیٹیاں تھیں۔ ام ہانی اور جمانہ۔

طالب نے جنگ بدر میں مسلمانوں سے نہ لڑنے کے لئے اپنے کو سمندر میں گرا کر ڈبو دیا۔ ان کے کوئی

اولاد نہیں تھی۔

عقیل۔ آپ ۵۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ حدیبیہ کے موقع پر اسلام ظاہر کیا اور ۸ھ میں مدینہ آ گئے۔ آپ نے جنگ موتہ میں بھی شرکت کی تھی۔ آپ زبردست نساب تھے آپ نے ادائے قرض کے لئے معاویہ سے ملاقات کی تھی اور بروایت ابن قتیبہ تین لاکھ اشرفیاں حاصل کر لی تھیں۔ آپ بڑے حاضر جواب تھے۔ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۹۶ سال کی عمر میں ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء انتقال کیا۔

جعفر۔ آپ صورت و سیرت میں رسولؐ سے بہت مشابہ تھے۔ آپ شروع ہی میں ایمان لائے۔ آپ نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شرکت کی ہے۔ آپ کو جمادی الاول ۸ھ میں جنگ موتہ کے لئے بھیجا گیا۔ آپ نے علم لے کر زبردست جنگ کی۔ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ علم دانتوں سے سنبھالا۔ آپ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں ان کے ہاتھوں کے عوض خدا نے جنت میں دو زمردین پر عطا فرمائے ہیں۔ اور آپ فرشتوں کے ساتھ اڑا کرتے ہیں۔ آپ کے شہید ہوتے ہی پیغمبر اسلام اور فاطمہ زہرا، اسماء بنت عمیس کے پاس ادائے تعزیت کے لئے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ جعفر کے گھر کھانا بھیجو۔ آپ نے ۴۱ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپ کے جسم پر ۹۰ زخم تھے۔ آپ نے آٹھ بیٹے چھوڑے۔ جن کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ جن میں عبداللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر زیادہ نمایاں تھے۔ یہی عبداللہ حضرت زینب کے اور محمد حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کے شوہر تھے۔

حضرت علیؑ۔ آپ کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

ابُوالقاسِم
حضرت محمّد مصطفیٰ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم
پیغمبرِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابو القاسم

حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے نور کے پتلے تجھے کیا خاک سے نسبت
احساں ترا ہے جو زمیں پر اتر آیا!

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کائنات عالم میں منتخب، قبیلہ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی جناب آمنہ تھا۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض مسلمان ۲ بعض ۶ بعض ۹ اور بعض ۱۲ ربیع الاول بتاتے ہیں لیکن جمہور علمائے اہل تشیع اور بعض علمائے اہل تسنن ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۵۷۰ء کو ترجیح دیتے اور صحیح سمجھتے ہیں۔ آپ کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر تکبیر کہی اور حمد خدا بجا لائے۔ شیخ محمد صبان کا بیان ہے کہ آپ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے ہیں اور پیدائش کے وقت ایک ایسا نور آپ سے ساطع ہوا کہ ساری دنیا روشن ہوگئی۔ نیز یہ کہ فارس کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے متواتر روشن تھی وہ گل ہوگئی اور سادہ کا دریا خشک ہوگیا اور قصر کسریٰ میں ایسا زلزلہ آیا کہ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور بت سربسجود ہوگئے۔ آپ کو آپ کی والدہ اور دو معزز خاندان کی عورتوں ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ آپ کے والد اسی وقت انتقال فرما گئے تھے جب کہ آپ بطن مادر میں تھے اور والدہ نے اس وقت انتقال فرمایا جب کہ آپ کی عمر ۶ سال تھی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ جناب آمنہ آنحضرت کو لے کر جناب عبد اللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں اور ایک ماہ کے بعد جب واپس آئیں تو بمقام ابواء (جو مکہ سے ۲۳ میل دور واقع ہے۔) انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی، تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بھی انتقال فرمایا۔ عبد المطلب کے انتقال کے بعد سے فرائض تربیت جناب ابو طالب

اور ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد نے اپنے ذمے لیئے اور کس شان سے تربیت کی کہ دنیا نے آپ کی ہمدردی اور خلوص کا لوہا مان لیا۔

میدانِ تجارت میں پہلا قدم

جب آپ کی عمر ۹ سال کی ہوئی، تو آپ ابو طالب کے ساتھ پہلے پہل بارادہ شام نکلے۔ بصرے سے چھ میل اس طرف جب آپ "قریہ کفر" میں پہنچے اور بحیرہ راہب میں اترے تو ایک عیسائی راہب نے کہا کہ ہماری مذہبی کتابوں میں جو نقشہ بتایا گیا ہے اس کی رُو سے یہ شخص سید المرسلین ہو گا۔ اے ابو طالب اسے یہودیوں کے شر سے بچانا مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ اتنا مبارک سفر تھا کہ ابو طالب کا سارا مال بصرہ میں ہی فروخت ہو گیا۔ اور شام جانے کی ضرورت نہ رہی۔

آپؐ کی حکمت عملی

آپ کے عہد نبوت سے پہلے قریش نے از سر نو تعمیر کعبہ کا فیصلہ کیا۔ تکمیل عمارت کے بعد جب حجر اسود کے نصب کا وقت آیا تو قریش میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ اس شرف سے مشرف ہونا چاہتا تھا۔ بالآخر طے یہ پایا کہ کل صبح حرم میں جو سب سے پہلے داخل ہو گا۔ اسی کو نصب حجر کا ثالث قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آنحضرت داخلِ حرم ہوئے۔ اور ثالث و حکم مقرر ہو گئے۔ آپ نے انتہائی حکمت عملی سے ایسا فیصلہ کیا کہ سب راضی و خوشنود ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک سردار منتخب کیا جائے۔ جب سردار کا انتخاب ہو چکا تو آپ نے ایک چادر منگوا کر اس میں حجر اسود رکھا اور تمام سرداروں سے کہا کہ سب مل کر اٹھائیں۔ چنانچہ دیوار کعبہ کے قریب حجرِ اسود پہنچا دیا گیا۔ اس وقت حضور صلعم نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے نصب فرما دیا۔ آپ کی اس حکمتِ عملی سے ایک فتنۂ عظیم کا سدّباب ہو گیا۔

آپؐ کی شادی

جب آپ کی عمر ۲۵ سال ہوئی اور آپ کے حسنِ سیرت، راست بازی، صدق اور دیانت کی عام شہرت ہو گئی تو جناب خدیجہ بنت خویلد نے جو انتہائی پاکیزہ نفس خوش اخلاق اور خاندانِ قریش میں سب سے زیادہ دولت مند تھیں۔ اپنی شادی کا ایسے حال میں پیغام پہنچایا جب آپ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ پیغام عقد منظور ہوا۔ اور جناب ابو طالب نے نکاح پڑھا۔ یہ واقعہ غالباً ۵۹۴ء کا ہے۔

کوہِ حرا میں عبادت گذاری

۳۸ سال کی عمر میں آپ نے کوہِ حرا جسے جبل نور بھی کہتے ہیں، کو اپنی عبادت گذاری کی منزل قرار دیا۔ اور اس کے ایک غار میں بیٹھ کر جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈیڑھ ہاتھ تھی۔ عبادت کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر لذت محسوس کرتے تھے۔ یوں تو اکثر دو دو چار چار شبانہ روز وہاں رہا کرتے تھے۔ لیکن ماہِ رمضان سارے کا سارا وہیں گذارتے تھے۔

آپ کی بعثت

آپ بعثت سے قبل عوام الناس کی طرف سے "امین" کا خطاب پا چکے تھے۔ ۴۰ سال کی عمر میں خدا نے آپ کو مبعوث برسالت کیا، ۲۷ رجب کو جب کہ آپ غارِ حرا میں مشغولِ عبادت تھے جبریل نے نویدِ بعثت سنائی اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے قرآن مجید کا آغاز کیا۔ پھر وضو کی ترکیب بتائی۔ نماز کے اصول سکھائے۔ حضرت نے نماز پڑھنی شروع کی۔ حضرت خدیجہ اور حضرت علیؑ نے اظہار ایمان کے بعد آنحضرت کے ہمراہ نماز جماعت ادا کی ۱۲؁ بعثت کی ۲۷ رجب کو ام ہانی کے گھر سے جو مکہ میں صفا اور مروہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ کو معراج ہوئی۔ میرے نزدیک واقعہ معراج ہجرت کے بعد کا نہیں ہے۔ کیونکہ جس سورہ میں اس کی تفصیل ہے وہ مکی ہے (تاریخ خضری جلد ۱ صفحہ ۱۳۴)

اعلانِ رسالت و وزارت

بعثت کے بعد سے آپ نے تین سال تک نہایت رازداری اور پوشیدگی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی فرمائی۔ اس کے بعد حکم خدا آگیا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ "کہ تمہیں جو حکم دیا گیا ہے۔ اسے واشگاف لفظوں میں بندوں تک پہنچا دو۔ اور دیکھو سب سے پہلے اپنے قوم و قبیلہ والوں کو راہِ راست پر لاؤ۔ حکم آیا۔ پیغمبر نے ابوطالب کے گھر میں یا کوہِ صفا پر ۴۰ افراد خاندان کی دعوت کی۔ جب سب جمع ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسا دین لایا ہوں جو تمہاری اخروی نجات کا ضامن ہے۔ یہ سن کر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے اور پیغمبر اسلام کو تبلیغ کا موقع نہ ملا۔ آپ نے دوسرے دن پھر دعوت کا انتظام کیا اور کھانے سے فراغت پا کر فرمایا کہ میں دنیا و آخرت کی بہتری تمہارے لئے لایا ہوں۔ تم میں کون ایسا ہے جو تبلیغ خداوندی میں میری مدد کرے اور میرا بھائی اور وزیر بن کر خوشنودی خدا کا مالک بن جائے۔ اس ارشاد پر کسی نے کان نہ دھرا۔ البتہ علی ابن ابی طالب جن کی عمر اس وقت ۱۳ سال کی تھی۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی مولا۔ اس فریضہ کا میں حقدار ہوں۔ تعمیل حکم میں کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ کی مدد کروں گا اور دشمنوں کی آنکھیں نکال لوں گا۔ آپ نے تین بار دعوت نصرت دی اور تفویض خلافت کا حوالہ دیا۔ مگر علی کے سوا کسی نے لبیک نہ کہا۔ بالآخر آنحضرت نے علی کو قریب بلایا، سینے سے لگایا اور ان سے بیعت لے کر انہیں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۔ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶۔ گبن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹۔ کارلائل صفحہ ۶۱۔ ایرونگ صفحہ ۳۷۔ اوکلی صفحہ ۱۵۔ ڈیون پورٹ صفحہ ۵۔ حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۱۶۔ لباب جلد ۲ صفحہ ۳۷۱۔ معالم جلد ۵ صفحہ ۱۰۵ وغیرہ۔

ہجرت حبشہ

اعلان نبوت کے بعد عرب کی زمین اور عرب کے آسمان یعنی اپنے پرانے دشمن ہو گئے۔ ان دشمنوں میں ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب نمایاں تھے۔ آپ پر گندگی ڈالنا اور ساحر و مجنوں کہہ کر ستانا اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ دشمنوں نے ایک دفعہ تو کمبل اوڑھا کر جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس قسم کے مصائب و آلام سے جب آنحضرت اور آپ

کے پیرو دوچار ہوئے اور آپ نے محسوس کرلیا کہ مسلمان کی حیثیت سے مکہ میں زندگی کے ایام گذارنا مشکل ہیں تو ہجرت حبشہ کا فیصلہ کرکے اپنے اصحاب کو ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ ۵ھ بعثت میں ۱۰۰ مرد اور عورتوں نے ہجرت کی اور حبش پہنچ گئے۔ حبش کا بادشاہ نجاشی تھا جو نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اس نے ان لوگوں کا خیرمقدم کیا۔ مگر دشمنوں نے وہاں پہنچ کر کوشش کی کہ یہ لوگ ٹھہرنے نہ پائیں۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے بعد آپ کوہِ صفا پر ارقم کے مکان میں جا چھپے اور موقع بہ موقع تبلیغ کرتے رہے۔ ایک دن دشمنوں نے ابوطالب سے کہا کہ محمدؐ کو منع کرو۔ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا نہ کہیں۔ ورنہ ہم انہیں قتل کردیں گے۔ ابوطالب نے محمد مصطفےٰؐ سے ذکر کرنے کے بعد جواب دیا کہ جب تک ابوطالب زندہ ہے محمدؐ کو کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

رسول کریمؐ شعب ابوطالب میں

محرم ۷ھ بعثت میں جناب ابوطالب آنحضرت صلعم کو چالیس مسلمانوں سمیت اپنے شعب میں لے گئے اور تین سال تک انہیں وہیں محفوظ رکھا۔ شعب "جو اس خاندان کا موروثی درہ تھا" میں لے جانے کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکمل بائیکاٹ کردیا تھا۔ شعب میں جیسی زندگی گذری وہ ازحد تاسف انگیز ہے۔ تین سال کے بعد ۱۰ھ بعثت میں پانچ قریشیوں کو ترس آیا اور انہوں نے آنحضرت کی مدد کرکے انہیں آزاد کرایا اور یہ لوگ مکہ واپس آگئے۔ اس کے بعد ہی بعض حبشہ کے مہاجرین بھی آپہونچے۔

ہجرت مدینہ

۱۴ھ بعثت مطابق ۶۲۲ء میں حکم رسول کے مطابق مسلمان چوری چھپے مدینہ کی طرف جانے لگے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اچھی منزل حاصل کرلی۔ قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ میں اسلام زور پکڑ رہا ہے تو "دارالندوہ" میں جمع ہوکر یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کسی نے کہا۔ محمدؐ کو ہمیں قتل کردیا جائے۔ تا کہ ان کا دین ہی ختم ہوجائے۔ کسی نے کہا۔ جلاوطن کردیا جائے۔ ابوجہل نے رائے دی کہ مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوکر بیک ساعت ان پر حملہ کرکے انہیں قتل کردیں تاکہ قریش خون بہانہ لے سکیں۔ اسی رائے پر بات ٹھہر گئی اور سب نے مل کر آنحضرت کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت جبرئیل کی ہدایت کے مطابق آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور ایک مٹھی دھول لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہیں۔ اور آج رسول اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے، تو علیؑ کو سوتا ہوا پایا۔ پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ جواب دیا۔ جہاں ہیں خدا کی امان میں ہیں۔ طبری میں ہے کہ علیؑ تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے۔ اور سب گھر سے نکل بھاگے ـــــ احیاء العلوم غزالی میں ہے کہ علیؑ کی حفاظت کے لئے خدا نے جبرئیل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں

ساری رات علیؑ کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے۔ حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ مجھے شب ہجرت جیسی نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اسی موقع کے لئے آیتہ "ومن الناس من یشری" نازل ہوئی ہے الغرض آنحضرت کے روانہ ہوتے ہی حضرت ابوبکر نے ان کا پیچھا کیا۔ آپ نے رات کے اندھیرے میں یہ سمجھ کر کہ کوئی دشمن آ رہا ہے اپنے قدم تیز کر دئے۔ پاؤں میں ٹھوکر لگی۔ خون جاری ہو گیا۔ پھر آپ نے محسوس کیا کہ ابن قحافہ آ رہے ہیں۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے دو سو درہم کی خریدی ہوئی اونٹنی آنحضرت کے ہاتھ نو سو درہم کی فروخت کی۔ اس کے بعد یہ دونوں غار ثور تک پہنچے۔ یہ غار مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ۱/۲ ۲ میل جنوب کو واقع ہے۔

یہ حضرات غار میں داخل ہو گئے۔ خدا نے ایسا کیا کہ غار کے منہ پر ببول کا درخت اگا دیا۔ مکڑی نے جالا تنا۔ کبوتری نے انڈا دیا۔ اور غار میں داخلہ کا شبہ نہ رہا۔ جب دشمن اس غار پر پہنچے تو وہ یہی سب کچھ دیکھ کر واپس ہو گئے (عجائب القصص صفحہ ۲۵ میں ہے کہ اسی موقع پر حضرت نے کبوتر کو خانہ کعبہ پر آ کر بسنے کی اجازت دی۔

مختصر یہ کہ یکم ربیع الاول ۱۴ بعثت یوم پنجشنبہ بوقت شب قریش نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاول یوم جمعہ کو غار ثور میں پہنچے۔ یوم یکشنبہ ۴ ربیع الاول تک غار میں رہے۔ حضرت علی آپ لوگوں کے لئے رات میں کھانا پہنچاتے رہے۔ چوتھے روز ۵ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آ پہونچے۔ اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہؐ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر لائے گا یا آپ کا سر کاٹ کر لائے گا تو (۱۰۰) سو اونٹ انعام دئے جائیں گے۔ اس پر سراقہ ابن مالک آپؐ کی کھوج لگاتا ہوا غار تک جا پہونچا۔ اسے دیکھ کر حضرت ابوبکر رونے لگے تو حضرت نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ "خدا ہمارے ساتھ ہے" سراقہ قریب پہنچا ہی تھا کہ اس کا گھوڑا تا بزانو زمین میں دھنس گیا۔ اس نے معافی مانگی۔ حضرتؐ نے معافی دے دی۔ گھوڑا زمین سے برآمد ہو گیا۔ وہ جان بچا کر بھاگا اور کافروں سے کہہ دیا کہ میں نے بہت تلاش کی مگر محمدؐ کا سراغ نہیں ملتا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں "یا زمین میں سما گئے یا آسمان پر اڑ گئے"

حضرت کا مقام قبا میں پہنچنا

۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ بوقت دوپہر آپ مقام قبا میں پہنچے، جو مدینہ سے ۲ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے آپ کا ناقہ اس مقام پر خود بخود ٹھہر گیا اور آگے نہ بڑھا۔ آپ اتر پڑے۔ وہاں کے باشندوں نے جوش مسرت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپؐ نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔

اسی مقام پر حضرت علی بھی مکہ سے امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد آ پہنچے

آپ کے ہمراہ عورتیں اور بچے تھے۔ عورتیں اور بچے ناقوں پر سوار تھے اور حضرت علی پیادہ تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے پیروں پر ورم تھا اور بقول ابن خلدون آپ کے پیروں سے خون جاری تھا۔ آنحضرتؐ کی نظر جب علیؑ کے پیروں پر پڑی تو آپ رونے لگے اور لعاب دہن لگا کر اچھا کر دیا۔

مدینہ میں داخلہ مقام قبا میں ۴ یوم قیام کے بعد آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۶ ربیع الاوّل یوم جمعہ داخل مدینہ ہو گئے محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا۔ آپؐ نے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب بھی مسجد نبوی ہے۔

مسجد نبوی مدینہ میں داخلہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو کمال سادگی کے ساتھ تیار کی گئی۔ اس کی زمین ابو ایوب انصاری نے خریدی اور اس میں مزدور کی حیثیت سے دیگر اصحاب کے ساتھ آنحضرتؐ کام کرتے رہے مسجد کے ساتھ ساتھ حجرے بھی تیار کئے گئے۔ اور ایک مسقف چبوترہ جسے صفہ کہتے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں نومسلم ٹھہرائے جاتے تھے۔ انہیں لوگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا اور ان کی پرورش صدقہ وغیرہ سے کی جاتی تھی۔

نماز مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نماز کی رکعتوں کی بھی مکمل تعیین کر دی گئی۔ یعنی پہلے مغرب کے علاوہ سب نمازیں دو رکعتی تھیں۔ پھر سترہ (۱۷) رکعتیں معین کر دی گئیں۔

سنہ ۱ ہجری کے اہم واقعات

اذان و اقامت سنہ ۱ ہجری میں جناب جبرئیلؑ کی تعلیم کے مطابق اذان مقرر کی گئی جسے حضرت علیؑ نے حکم رسولؐ سے بلال کو تعلیم کر دی اور وہ مستقل مؤذن قرار پائے۔

عقد مواخات ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد مہاجرین مکہ کی دلبستگی کے لئے آنحضرتؐ نے پچاس مہاجر و انصار میں باہمی اخوت (بھائی چارہ) قائم کر دی۔ جس طرح ایک بار مکہؐ میں کر چکے تھے۔ تاریخ خمیس اور ریاض النضرہ میں ہے کہ وہاں حضرت ابوبکر کو عمر کا۔ طلحہ کو زبیر کا۔ عثمان کو عبدالرحمٰن کا۔ حمزہ کو ابن حارثہ کا اور علیؑ کو خود اپنا بھائی بنایا تھا۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے اتحاد، مذاق طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو بھائی بنایا تھا۔ مذاق نبوت کا اتحاد فطرت امامت ہی سے ہو سکتا تھا۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے ہر مرتبہ اپنا بھائی علیؑ کو ہی منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ علیؑ سے فرمایا کرتے تھے:۔

"اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ"

۲ سنہ ہجری کے اہم واقعات

جناب سیدہ کا نکاح

۱۵ رجب ۲ سنہ ہجری کو جناب سیدہ کا عقد حضرت علی علیہ السلام سے ہوا۔ اور ۱۹ ذی الحجہ کو آپ کی رخصتی ہوئی۔ سیرۃ النبی میں ہے کہ جب حضرت سیدہ کی شادی کی سلسلہ جنبانی ہوئی، تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر نے پیغام بھیجا دکنز العمال کے صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ ان پیغامات سے آنحضرت غضب ناک ہوئے اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ریاض النظر جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے خود فرمایا کہ اے علی! مجھے خدا نے کہہ دیا ہے کہ فاطمہ کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ کیا تمہیں منظور ہے۔ عرض کی "بے شک" الغرض عقد ہوا اور شہنشاہ کائنات نے سیدہ عالمیان کو ایک بان کی چارپائی، ایک چمڑے کا گدا۔ ایک مشک۔ دو چکیاں۔ دو مٹی کے گھڑے دے کر رخصت کیا۔ اس وقت علیؑ کی عمر ۲۴ سال اور فاطمہؑ کی عمر ۱۰ سال تھی۔

تحویل کعبہ

ماہ شعبان ۲ سنہ ھ میں بیت المقدس کی طرف سے قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا۔ قبلہ چونکہ عالم نماز میں بدلا گیا۔ اس لئے آنحضرتؐ کا ساتھ حضرت علی کے علاوہ اور کسی نے نہیں دیا کیونکہ وہ آنحضرت کے ہر فعل و قول کو حکم خدا سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ مقام فخر میں فرمایا کرتے تھے " انا مصلی القبلتین " میں ہی وہ ہوں جس نے ایک نماز بیک وقت دو قبلوں کی طرف پڑھی۔

جہاد

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسولؐ اسلام بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گئے اور ان کا مذہب دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنے لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں۔ اس کے نتیجہ میں حضرت کو مشرکین قریش اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی دفاعی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جن میں سے اہم موقعوں پر حضرت خود فوج اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ایسی مہموں کو غزوہ کہتے ہیں اور جن موقعوں پر آپ اصحاب میں سے کسی کو فوج کا سردار بنا کر بھیجا کرتے ان کو "سریہ" کہا جاتا ہے۔ غزوات کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔ جن میں بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں۔ اور سریوں کی تعداد چھتیس (۳۶) تھی۔ جن میں سب سے مشہور " موتہ " ہے جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے۔

جنگ بدر

مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اور سننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس سواروں کے

ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لا رہا ہے۔ اس طرح سے مسلمان دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں گے۔ حضرت رسولِ خدا تین سو تیرہ (۳۱۳) ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور مقام بدر پر جا اترے۔ قریش نو سو پچاس (۹۵۰) آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کو روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی۔ خدا نے مسلمانوں کو مدد دی، جس سے یہ فتحیاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے۔ ۷۰ ہی اسیر ہوئے۔ چھتیس (۳۶) کافروں کو حضرت علی نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اس کا بھائی عاص اور عتبہ شیبہ ولید بن عتبہ نیز اسلام کے بہت پرانے دشمن مارے گئے۔ اس پہلی اسلامی جنگ کے علمبردار حضرت علی تھے۔ قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دئے گئے۔ اور باقی لوگوں کو زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ بن گیا اور مقتولین کے انتقام کا جذبہ مکہ کے پیر و جواں میں پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں اُحد کا معرکہ رونما ہوا۔

یہ جنگ ماہِ رمضان ۲ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اسی ۲ھ میں روزے فرض کئے گئے اور عیدالفطر کے احکام نازل ہوئے۔

۳ھ کے اہم واقعات

جنگ اُحد جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے ابوسفیان نے تین ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا عکرمہ ابن ابی جہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ آنحضرت کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ احد پر چڑھائی ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے آنحضرت نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ کامیابی کے بعد بھی پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی ہی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ جس کے سر کنے کی ممانعت تھی۔ خلاف حکم خدا اور رسولؐ مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ جس کے نتیجہ میں فتح و کامرانی شکست و نامرادی سے بدل گئی۔ حضرت حمزہ "اسداللہ" شہید ہو گئے۔ میدان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بڑے بڑے مدعیانِ شجاعت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور کسی نے رسولِ اسلام کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک شخص نے گوپھن میں رکھ کر آنحضرت کی طرف پتھر مارا۔ جس کی وجہ سے آپ کے دو دانت شہید ہو گئے اور پیشانی مبارک مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے ستر زخم بھی آئے اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جب سب بھاگ رہے تھے۔ حضرت علی محوِ جہاد تھے اور تحفظ رسالتؐ بھی کر رہے تھے۔ بالآخر کفار کو ہٹا کر آنحضرتؐ کو پہاڑی پر لے گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن صبح کے وقت مدینہ کو روانگی ہوئی۔ اس جنگ میں ستر مسلمان مارے گئے اور ستر ہی زخمی ہوئے اور کفار صرف تیس قتل ہوئے جن میں بارہ کافر علیؑ کے قتل کئے

ہوئے تھے۔ اس جنگ میں بھی علمبرداری کا عہدہ شیر خدا حضرت علیؑ کے ہی سپرد تھا۔
مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی محو جنگ رہے۔ آپ کے جسم پر سولہ ضربیں لگیں اور آپ کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ آپ بہت کافی زخمی ہونے کے باوجود تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو الٹتے جاتے تھے۔ (سیرۃ النبی جلد اصفحہ ۲۷۷) اسی دوران میں آنحضرتؐ نے فرمایا "علیؑ! تم کیوں نہیں بھاگے" عرض کی "مولا کیا ایمان کے بعد کفر اختیار کر لوں۔ مجھے تو آپ پر قربان ہونا ہے۔ اسی موقعہ پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی۔ اور ذوالفقار دستیاب ہوئی تھی۔ "ناد علی" کا نزول بھی ایک روایت کی بنا پر اسی جنگ میں ہوا تھا۔
مؤرخین کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کے زخمی ہوتے ہی کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلعم شہید ہو گئے۔ اس خبر سے آپ کے فدائی مقام اُحد پر آپہنچے جن میں آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہؑ بھی تھیں۔
کثیر تواریخ میں ہے کہ دشمنان اسلام کی عورتوں نے مسلم اموات کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ امیر معاویہ کی ماں نے مسلمان لاشوں کے ناک کان کاٹ لئے اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ اور امیر حمزہ کا جگر نکال کر چبایا۔ اسی لئے مادر معاویہ "ہندہ" کو جگر خوارہ کہتے ہیں۔

مدینہ ماتم کدہ بن گیا

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گذرتے تھے۔ گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا "اما حمزۃ فلا بواکی لہ" افسوس حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ لفظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کریں۔ آنحضرت نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان کی بھیڑ تھی۔ اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۸۳)
یہ جنگ یوم سہ شنبہ ۱۵ ار شوال ۳ھ میں واقع ہوئی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور غزوہ حمرالاسد کے لئے آپ برآمد ہوئے۔ حضرت علیؑ علمبردار تھے۔

۴ھ ہجری کے اہم واقعات

محرم ۴ھ میں بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ جسے رد کرنے کے لئے آپ نے ابوسلمہ کو بھیجا انہوں نے دشمنوں کو مار بھگایا پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا جس کے مقابلہ کے لئے عبداللہ ابن انیس بھیجے گئے۔

واقعہ بیر معونہ

صفر ۴ھ میں ابو براکلابی کی درخواست پر آنحضرتؐ نے ستر انصار کو تبلیغ کے لئے انہیں کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام بیر معونہ پر ٹھہرے اور ایک شخص حرام بن ملحان کو عامر

بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس نے قاصد کو قتل کر دیا۔ پھر ایک بڑا لشکر بھیجکر تمام صحابہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

غزوہ بنی نضیر

عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دئیے تھے اور ان کا خون بہا اب تک باقی تھا۔ بروایت طبری آنحضرت اس کے مطالبہ کے لئے چند اصحاب کے ہمراہ بنی نضیر کے پاس گئے انہوں نے مطالبہ تو قبول کر لیا لیکن آپ کو قتل کر دینے کا یہ خفیہ پروگرام بنایا کہ ایک شخص کو مٹھے پر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے۔ حضرت کو اس کی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔
بنی نضیر ایک قلعہ میں رہتے تھے جس کا نام زہرہ تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔
حضرت نے اس کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ دس یوم کے اندر یہ مقام خالی کر دو۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی خزرج منافق کے ورغلانے سے سرتابی کی۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بالآخر وہ لوگ چھ یوم میں مفرور ہو گئے۔

غزوہ ذات الرقاع

اسی ۴ھ ماہ جمادی الاول قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ اصحاب کو لے کر ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے لیکن وہ سامنے نہ آئے اور بھاگ نکلے۔ اسی ۴ھ میں غزوہ بدر ثانی بھی پیش آیا۔ لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ اس جنگ میں بھی حضرت علی علیہ السلام علمبردار تھے۔

۵ ہجری کے اہم واقعات

جنگ خندق

اس جنگ کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں یہ جنگ ذیقعد ۵ھ میں واقع ہوئی ہے اس کی تفصیل کے متعلق ارباب تواریخ لکھتے ہیں کہ مدینہ سے نکالے ہوئے بنی نضیر کے یہودی جو خیبر میں سکونت پذیر تھے وہ شب و روز اور صبح و شام مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے اسکیمیں بنایا کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے جس سے مسلمانوں کا تخم تک نہ رہے چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ مکہ چلے گئے اور ابوسفیان کو ملا کر بنی غطفان اور قیس سے رشتۂ اخوت قائم کر لیا اور ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلے کے سورما اکھٹے ہو کر مدینہ پر حملہ کریں تاکہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا قلع قمع ہو جائے۔ اسکیم مکمل ہونے کے بعد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ابوسفیان چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا اور یہود کے دیگر قبائل نے چھ ہزار کے لشکر سے پیشقدمی کی۔ غرضیکہ دس ہزار کی جمعیت نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔
آنحضرت کو اس حملہ کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ اسی لئے آپ نے مدینہ سے نکل کر کوہ سلع کو پشت پر لے لیا اور جناب سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدائی اور خندق کھودنے میں خود بھی کمال جانفشانی کے ساتھ لگے رہے۔ اس جنگ میں اندرونی خلفشار اور منافقوں کی ریشہ دوانیاں بھی جاری رہیں

جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ اندرونی حالات کے تحفظ کے لئے آنحضرتؐ نے جناب ابوبکر پھر عمر کو بھیجنا چاہا لیکن ان حضرات کے انکار کر دینے کی وجہ سے حضرت نے حذیفہ کو بھیجا (در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)

خندق کی کھدوائی کا کام چھ روز تک جاری رہا۔ خندق تیار ہوئی ہی تھی کہ کفار کا لشکر عظیم آپہنچا لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کے اوسان خطا ہونے لگے۔ کفار یہ ہمت تو نہ کر سکے کہ دفعتاً حملہ کر کے مسلمانوں کو تباہ کر دیتے لیکن اکّا دکّا خندق پار کر کے حملہ کرنے کی کوشش کرتا رہا اور یہ سلسلہ بیس روز تک جاری رہا۔ ایک دن عمرو ابن عبدوُد جو عرب میں ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا خندق پھاند کر لشکر اسلام تک آپہنچا اور "ھل من مبارز" کی صدا دی۔ عمرو بن عبدوُد کی آواز سنتے ہی عمر بن خطاب نے کہا کہ یہ تو ایک ہزار قذاق کا اکیلا مقابلہ کرتا ہے یعنی بہت ہی بہادر ہے یہ سن کر مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ پیغمبر اسلام نے اس کی صدائے مبارزت پر لشکر اسلام کو مخاطب کر کے مقابلہ کی ہمت دلائی۔ لیکن ایک نوجوان بہادر کے علاوہ کوئی نہ سنکا۔ تاریخ خمیس، روضۃ الاحباب اور روضۃ الصفا میں ہے کہ تین مرتبہ آنحضرت نے اپنے اصحاب کو مقابلہ کے لئے نکلنے کی دعوت دی مگر حضرت علیؑ کے سوا کوئی نہ بولا۔ تیسری مرتبہ آپؐ نے علیؑ سے کہا کہ یہ عمرو ابن عبدوُد ہے۔ آپ نے عرض کی "میں بھی علی ابن ابی طالب ہوں"۔

الغرض آنحضرت نے حضرت علی کو میدان میں نکلنے کے لئے تیار کیا۔ اپنی زرّہ پہنائی۔ اپنی تلوار کمر میں حمائل کی۔ اپنا عمامہ اپنے ہاتھوں سے علیؑ کے سر پر باندھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر عرض کی۔ خدایا! جنگ بدر میں عبیدہ کو، جنگ اُحد میں حمزہ کو دے چکا ہوں۔ پالنے والے اب میرے پاس صرف علیؑ رہ گئے ہیں۔ مالک ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دعا کے بعد علیؑ کو پیادہ روانہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا۔ "برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ" آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۲۳۸ و سیرۃ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

الغرض آپ روانہ ہو کر عمرو کے مقابلہ پر پہنچے۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ نے عمر سے پوچھا۔ کیا کیا واقعۃً تیرا یہ قول ہے کہ میدان جنگ میں اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک ضرور قبول کرتا ہے اس نے کہا "ہاں!" آپ نے فرمایا کہ اچھا، اسلام قبول کر۔ اس نے کہا "ناممکن ہے"۔ پھر فرمایا "اچھا، جنگ گاہ سے واپس جا"۔ کہا "یہ نہیں ہو سکتا"۔ پھر فرمایا "اچھا، اُتر آ۔ اور مجھ سے نبرد آزما ہو۔ وہ اتر پڑا۔ لیکن کہنے لگا۔ مجھے امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے کوئی شخص بھی مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ مگر دیکھو۔ میں تمہاری جان لینا نہیں چاہتا ہوں۔ غرض جنگ شروع ہو گئی اور سنر داروں کی نوبت آئی۔ بالآخر اس کی تلوار علی کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو ابن عبدود زمین پر لوٹنے لگا۔ مسلمانوں کو اس دست بدست لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دعائیں مانگ رہا تھا جب عمرو سے حضرت علیؑ لڑ رہے تھے۔ تو خاک اس قدر اڑ رہی تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ گرد و غبار میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی۔ ہاں تکبیر کی آواز

سن کر مسلمان سمجھے کہ علیؑ نے فتح پائی۔

عمرو ابن عبدود تو مارا گیا اور اس کے ساتھی خندق کود کر بھاگ نکلے۔ خبر فتح جب حضرت تک پہنچی، تو آپ خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ اسلام کے تحفظ اور علی کی سلامتی کی مسرت میں آپ نے فرمایا "ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین" آج کی ایک ضربت علی میری امت کی تمام عبادتوں سے بہتر ہے۔

بعض کتابوں میں ہے کہ عمرو ابن عبدود کے سینے پر حضرت علیؑ نے سوار ہو کر سر کاٹنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے چہرۂ اقدس پر لعاب دہن سے بے ادبی کی۔ حضرت کو غصہ آ گیا۔ آپ یہ سوچ کر فوراً سینے سے اتر آئے کہ کار خدا میں جذبہ نفس شامل ہو رہا تھا۔ جب غصہ فرو ہوا تب سر کاٹا اور زرہ اتارے بغیر خدمت رسالتمآب میں جا پہنچے۔ آنحضرت نے علیؑ کو سینے سے لگا لیا۔ جبرئیل نے بروایت سلیمان قندوزی آسمان سے انار لا کر تحفۃً عنایت کیا۔ جس میں سبز رنگ کا رومال تھا اور اس پر "علی ولی اللہ" لکھا ہوا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ سے کامیاب و کامران واپس ہوئے اور عمرو ابن عبدود کی بہن بھائی کی لاش پر پہنچی اور کہا "ماقتلہ الا کفو کریم" اسے کسی بہت ہی معزز بہادر نے قتل کیا ہے اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے عمرو، اگر تجھے اس قاتل کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا تو میں ساری عمر تجھ پر گریہ کرتی۔ معارج النبوۃ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ فتح کے بعد جب حضرت علی واپس ہوئے تو حضرت ابو بکر و عمر نے اٹھ کر آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک

آنحضرت کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ اسے روکنے کے لئے ۲ شعبان ۵ھ کو ان کی طرف بڑھے۔ حضرت علی علمبردار لشکر تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی مسلمان کامیاب ہوئے۔ واپسی کے موقع پر حضرت عائشہ اسی جنگل میں رہ گئیں جو بعد میں ایک شخص صفوان ابن معطل کے ساتھ ناقہ پر بیٹھ کر آنحضرت تک پہونچیں۔ آنحضرت نے اسے محسوس کیا اور لوگوں نے شکوک کا چرچا کر دیا۔ بروایت تاریخ آئمہ آنحضرت کو بھی شک ہو گیا تھا اور آپ کچھ عرصہ کشیدہ رہے۔ پھر فرمایا۔ مجھے جہاں تک معلوم ہے۔ میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی اور کچھ نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان ابن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں۔ میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں پاتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا۔ مگر ہمیشہ میرے حضور میں (امہات الامہ صفحہ ۱۶۶)

اسی ۵ھ میں غزوہ بنی قریظہ۔ سریہ سیف البحر۔ غزوہ بنی عیان بھی واقع ہوئے ہیں اور تیمم کا حکم بھی نازل ہوا ہے اور بقول محی الدین عربی اسی ۵ھ میں بموقع حفر خندق آنحضرت نے خود اذان میں "حی علی خیر العمل" کا حکم دیا ہے۔ کبریت احمر برحاشیہ الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۴۲ ۔ ومسلم ترجمہ مسلم صفحہ ۵۲۸ و کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۶۶۔

صلح حدیبیہ اور اسلام کا دور جدید

سنہ ۶ ہجری

ذیلقعد سنہ ۶ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں آنحضرت حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چلے۔ قریش کو خبر ہوئی تو جانے سے روکا۔ حضرت ایک کنوئیں پر جس کا حدیبیہ نام تھا۔ رک گئے اور صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب شجرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قریش کے ایلچی "عروہ" نے کہا کہ امسال حج سے باز آئیں اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے ہمراہ ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو اوباش ہیں اور جنگ سے بھاگ نکلیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے "بظر آلات" چوسنے کی گالی دی۔ اس کے بعد آنحضرت نے بروایت ابن اثیر حضرت عمر کو قریش کے پاس اس لئے بھیجنا چاہا کہ وہ انہیں سمجھا بجھا کر حج کرنے پر راضی کرلیں لیکن وہ نہ گئے اور حضرت عثمان کو بھیجنے کی رائے دی۔ حضرت عثمان جو ابوسفیان کے بھتیجے تھے۔ ان کے پاس گئے۔ ان کی اچھی طرح آؤ بھگت ہوئی لیکن اخیر میں گرفتار ہو گئے۔ اور جلد ہی چھوٹ کر چلے آئے۔ آخر میں عمرو قریش کی طرف سے پیغام صلح لایا اور حضرت نے صلح کرلی صلحنامہ حضرت علیؑ نے لکھا۔ طرفین سے شہادتیں لے لی گئیں۔ اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے اور مکہ میں بلا مزاحمت قرآن پڑھا جانے لگا۔ کیونکہ امن قائم ہو گیا اور رسول کا نام لینا جرم نہ رہا۔ ایک دوسرے سے ملنے لگے اور اسلام کا نیا دور شروع ہو گیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ اور درمنثور جلد ۶ صفحہ ۷۷ میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا مجھے آج شک ہوا ہے۔ کبھی نہیں ہوا تھا۔ تاریخ اسلام احسان اللہ عباسی میں ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے راہ میں سورہ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" نازل ہوئی۔ اسی سال غزوہ ذی قرد۔ سریہ دومۃ الجندل، سریہ فدک، سریہ وادی القریٰ سریہ عرنیہ بھی واقع ہوئے ہیں۔

جنگ خیبر

سنہ ۷ ہجری

خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً پچاسی میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بستی تھی۔ اس کے باشندے یونہی اسلام کے عروج و اقبال سے جل بھن رہے تھے کہ مدینہ میں جلاوطن یہودیوں نے ان سے مل کر ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ انہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کے بھروسہ پر مدینہ کو تباہ و برباد کر ڈالنے کا منصوبہ باندھا۔ اور اس کے لئے مکمل فوجی تیاریاں کرلیں۔ جب آنحضرت کو ان کے عزم و ارادہ کی خبر ہوئی، تو آپ ۱۴ صفر ۷ ہجری میں چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لے کر فتنہ کو فرو کرنے کے لئے مدینہ سے برآمد ہوئے اور خیبر میں پہنچ کر قلعہ بندی کرلی اور مسلمان انہیں محاصرہ میں لے کر ان سے مسلسل

لڑتے رہے لیکن قلعہ قموص فتح نہ ہوسکا۔

تاریخ طبری و خمیس اور شواہد النبوۃ صفحہ ۸۵ پر ہے کہ آنحضرت نے فتح قلعہ کے لیے حضرت عمر کو بھیجا پھر حضرت ابوبکر کو روانہ کیا۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر کو حکم جہاد دیا۔ لیکن یہ حضرات ناکام واپس آئے۔ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳ میں ہے کہ تیسری مرتبہ جب علم اسلام پوری حفاظت کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں پہنچ رہا تھا۔ لشکر والوں نے سپہ سالار کی بزدلی پر احتجاج کر لیا اور سالار لشکر، لشکریوں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ان حالات کے دیکھتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا۔ کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو مرد ہوگا اور بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہوگا۔ اور کسی حال میں بھی میدان جنگ سے نہ بھاگے گا۔ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک میدان سے نہ پلٹے گا جب تک خداوند عالم اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے گا۔

پیغمبر اسلام کے اس زمانے سے اہل اسلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی اور ہر ایک کے دل میں یہ امنگ آموجود ہوئی کہ کل علم اسلام کسی صورت سے مجھ ہی کو ملنا چاہیئے۔ طبری جلد ۳ کے صفحہ ۹۳ پر ہے۔ کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ مجھے سرداری کا حوصلہ آج کے روز سے زیادہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ تمام اصحاب نے انتہائی بے چینی میں رات گذاری اور علی الصباح اپنے کو آنحضرت کے سامنے پیش کیا۔ اصحاب کو اگرچہ توقع نہ تھی لیکن بتائے ہوئے صفات کا تقاضا تھا کہ علی کو آواز دی جائے کہ ناگاہ زبان رسالت نے "این علی ابن ابی طالب" کی آواز بلند کی۔ لوگوں نے کہا۔ حضور! وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ حکم ہوا کہ جاکر کہو، رسول خدا بلاتے ہیں۔ پیغامبر نے آواز رسالت گوش امیرالمومنین میں پہنچائی اور آپ اٹھ بیٹھے اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے علی کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ اور بخار اتر گیا۔ لعاب دہن لگایا۔ آشوب چشم جاتا رہا۔ حکم ہوا۔ علی میدان جنگ میں جاؤ اور قلعہ قموص کو فتح کرو۔ علیؑ نے روانہ ہوتے ہی پوچھا۔ حضور! کب واپس ہوں۔ فرمایا۔ جب تک فتح نہ ہو۔

حکم رسول پاکر علی میدان میں پہنچے۔ پتھر پر علم نصب کیا۔ ایک یہودی نے پوچھا۔ آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "علی ابن ابی طالب" اس نے اپنوں سے کہا کہ توریت کی قسم۔ یہ شخص ضرور فتح کرلے گا۔ کیوں کہ اس فاتح کے جو صفات توریت میں بیان کئے گئے ہیں بالکل درست ہیں۔ الغرض حضرت علی کے مقابلہ کے لئے لوگ نکلنے لگے اور فنا کے گھاٹ اترنے لگے۔ سب سے پہلے حارث نے زور آزمائی کی اور ایک دو واروں کی رد و بدل میں ہی واصل جہنم ہوگیا۔ حارث چونکہ مرحب کا بھائی تھا۔ اس لئے مرحب نے جوش میں آکر رجز کہتے ہوئے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کے تین بھالے والے نیزے کے وار کو روک کے ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ اس کے آہنی خود، سر اور سینے تک دو ٹکڑے ہوگئے۔ مرحب کے مرنے سے اگرچہ ہمتیں ختم ہوگئی تھیں لیکن جنگ جاری رہی اور عنتر۔ ربیع۔ یاسر جیسے پہلوان میدان میں آتے اور موت کے گھاٹ اترتے

رہے۔ آخر میں بھگدڑ مچ گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ دورانِ جنگ میں ایک شخص نے آپ کے دست مبارک پر ایک ایسا حملہ کیا کہ سپر چھوٹ کر زمین پر گر گئی اور ایک دوسرا یہودی اُسے لے بھاگا۔ حضرت کو جلال آ گیا۔ آپ آگے بڑھے اور قلعہ خیبر کے آہنی در پر بایاں ہاتھ رکھ کر زور سے دبایا۔ آپ کی اُنگلیاں اس کی چوکھٹ میں اس طرح در آئیں جیسے موم میں لوہا در آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جھٹکا دیا اور خیبر کے قلعہ کا وہ دروازہ جسے چالیس آدمی حرکت نہ دے سکتے تھے۔ جس کا وزن بروایت مدارج النبوۃ آٹھ سو من اور بروایت روضۃ الصفا تین ہزار من تھا۔ اکھڑ کر آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپ کے اس جھٹکے سے قلعہ میں زلزلہ آ گیا اور صفیہ بنت حیٔ ابن اخطب منہ کے بل زمین پر گر پڑی۔ چونکہ یہ عمل انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا "میں نے درِ قلعہ خیبر کو قوتِ ربانی سے اکھاڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسے سپر بنا کر جنگ کی اور اسی دَر کو پل بنا کر لشکر اسلام کو اُس پار اتار لیا۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ میں ہے کہ جب مکمل فتح کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے تو پیغمبر اسلام آپ کے استقبال کے لئے نکلے اور علی کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اے علیؑ۔ خدا اور رسول، جبرئیل و میکائیل، غرضکہ فرشتے تم سے راضی اور خوش ہیں۔ علامہ شیخ قندوزی کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اے علی! انہیں خدا نے وہ فضیلت دی ہے کہ اگر میں اسے بیان کروں تو لوگ تمہاری خاکِ قدم بطور تبرک اٹھا کر رکھتے۔ تاریخ میں ہے کہ فتح خیبر کے دن حضورؐ کو دوہری خوشی ہوئی تھی۔ ایک فتح خیبر کی اور دوسری حبش سے مراجعت جعفر طیار کی۔ تاریخ میں مرقوم ہے، کہ اسی موقع پر ایک عورت زینب بنت حارث نامی نے آنحضرتؐ کو بھنے ہوئے گوشت میں زہر دیا تھا اور اسی جنگ سے واپسی میں بمقام صہبا رجعت شمس ہوئی تھی (شواہد النبوۃ صفحہ ۸۶ - ۸۷)

تبلیغی خطوط

حضرت کو ابھی صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے سکون نصیب ہوا ہی تھا کہ آپ نے ۷ھ میں ایک مُہر بنوائی۔ جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ کرایا۔ اس کے بعد شاہان عالم کو خطوط لکھے۔ ان دنوں عرب کے اردگرد چار بڑی سلطنتیں قائم تھیں (۱) حکومت ایران جس کا اثر وسط ایشیا سے عراق تک پھیلا ہوا تھا۔ (۲) حکومت روم جس میں ایشیائے کوچک، فلسطین، شام اور یورپ کے بعض حصے شامل تھے (۳) مصر (۴) حکومت حبش جو مصری حکومت کے جنوب سے لے کر بحیرہ قلزم کے مغربی ساحل پر حجاز و یمن کے متوازی قائم تھی اور اس کا اثر صحرائے اعظم افریقہ کے تمام علاقوں پر تھا۔ حضرت نے بادشاہ حبش، نجاشی۔ شاہِ روم قیصر ہرقل، گورنر مصر جریح ابن مینا قبطی عرف مقوقس۔ بادشاہِ ایران خسرو پرویز اور گورنر یمن باذان، والی دمشق حارث وغیرہ کے نام خطوط روانہ فرمائے۔

آپ کے خطوط کا مختلف بادشاہوں پر مختلف اثر ہوا۔ نجاشی نے اسلام کو قبول کر لیا۔ شاہِ ایران نے

آپ کا خط پڑھ کر غیظ و غضب کے تحت خط کے ٹکڑے اڑا دئے۔ قاصد کو نکال دیا اور گورنر یمن کو لکھا، کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرت ص) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دو سپاہی مدینہ بھیجے تا کہ حضور ص کو گرفتار کریں۔ حضرت نے فرمایا۔ جاؤ! تم کیا گرفتار کرو گے۔ تمہیں خبر بھی ہے تمہارا بادشاہ انتقال کر گیا۔ سپاہی جو یمن پہنچے، تو سنا کہ شاہ ایران داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہے۔ آپ کی اس خبر دہی سے بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ قیصر روم نے آپ کے خط کی تعظیم کی۔ گورنر مصر نے آپ کے قاصد کی بڑی مدارات کی۔ اور بہت سے تحفوں سمیت اسے واپس کر دیا۔ ان تحفوں میں ماریہ قبطیہ (زوجہ آنحضرت ص) اور ان کی ہمشیرہ شیریں (زوجہ حسان بن ثابت) ایک دُلدل نامی جانور برائے حضرت علی، یعفور نامی دراز گوش یا لور نامی خواجہ سرا شامل تھے۔

حصول فدک

فدک نواح خیبر میں ایک قریہ ہے۔ فتح خیبر کے بعد آنحضرت ص نے علی ع کو فدک والوں کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں دعوت اسلام دے کر مسلمان کریں۔ ان لوگوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین آنحضرت کو دے دیں اور نصف پر خود قابض رہیں۔ حضرت نے اسے منظور فرما لیا (طبری جلد ۴ صفحہ ۹۵) میں ہے کہ چونکہ یہ فدک بلا جنگ و جدال ملا تھا۔ اس لئے آنحضرت کا خالصتاً قرار پایا۔ دُرِ منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ میں ہے کہ فدک کے قبضہ میں آتے ہی حکم خدا نازل ہوا وآتِ ذا القربیٰ حقہٗ اپنے قرابت دار کو حق دے دو۔ شرح مواقف کے صفحہ ۷۳۵ میں ہے کہ آنحضرت نے اعطا فاطمۃ فدک فخلتہ فاطمہ زہرا کو بطور عطیہ فدک دے دیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۷۷۔ معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ہے کہ آنحضرت نے تحریری تصدیق نامہ یعنی بذریعہ دستاویز جائداد فدک جناب سیدہ ع کے نام ہبہ کر دی۔ معجم البلدان میں اس زمین کو بہت زرخیز بتلایا ہے اور کہا گیا ہے۔ یہ زمین بہت سے چشموں سے سیراب ہوتی تھی۔ اس میں کافی نخلستان بھی تھے۔ ابوداؤد کے کتاب خراج میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار "اشرفی" سالانہ لکھی ہے۔

ایک واقعہ

اسی سال مسلمانوں کے مشہور واضع حدیث ابوہریرہ مسلمان ہوئے۔ یہ اسلام لانے سے قبل یہودی تھے۔ تین سال عہد رسالت میں زندگی بسر کی۔ آپ نے ۵۳۷۴ حدیثیں نقل کی ہیں۔ مسلم نودی صفحہ ۳۷۷ مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۰۹۔ الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۔ میزان الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ اور حضرت علی انہیں جھوٹا مانتے تھے۔ اسی سال مقام صہبا سے واپسی میں غزوہ وادی القریٰ واقع ہوا۔ یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔

۸ھ ہجری

منبر نبوی کی ابتدا

اب سے پہلے آنحضرت کے لئے مسجد میں کوئی منبر نہ تھا اور ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے لئے عائشہ انصاریہ نے تین درجہ کا منبر اپنے

رومی غلام سے جو بخاری کا کام جانتا تھا۔ بنوا دیا۔

جنگ موتہ جنگ موتہ اس مشہور جنگ کو کہتے ہیں جس میں اسلام کے تین سپہ سالار پے در پے شہید ہوئے ہیں جن میں نمایاں درجہ حضرت جعفر طیار کو حاصل تھا۔ اس جنگ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے اسلامی دعوت نامہ دیگر سلاطین اور رؤسا کی طرح شام کے حاکم عیسائی بصرای شرجیل بن عمرو غسانی کے پاس بھیجا۔ اس نے حضورؐ کے قاصد حارث ابن عمیر کو بمقام موتہ قتل کر دیا۔ چونکہ اس نے اسلامی توہین کے ساتھ ساتھ دنیا کے بین الاقوامی قانون کے خلاف کیا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے تین ہزار کی فوج دے کر اپنے غلام زید کو روانہ کیا اور یہ پروگرام بنا دیا کہ جب یہ قتل ہو جائیں تو جعفر طیار، ان کے بعد عبداللہ ابن رواحہ علمبرداری کریں۔ میدان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کا لشکر آیا ہے۔ حکم رسول تھا۔ زید نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر طیار نے عَلَم سنبھالا اور انتہائی بہادری اور بے جگری کے ساتھ لڑنے لگے۔ فوج میں ہلچل ڈال دی لیکن سینے پر نوے (۹۰) زخم کھا کر تاب نہ لاسکے اور زمین پر آگرے۔ عبداللہ ابن رواحہ نے عَلَم سنبھالا اور مشغول تبرد آزمائی ہوئے۔ بالآخر انہوں نے بھی شہادت پائی اور ایک بہادر نے علم سنبھالا۔ کامیابی کے بعد مدینہ واپسی ہوئی۔ مسلمانوں خصوصاً آنحضرتؐ کو اس جنگ میں تین سپہ سالاروں کے قتل ہونے کا سخت ملال ہوا۔ جعفر طیار کے لئے آپؐ نے فرمایا "خدا نے انہیں جنت میں پرواز کے لئے دو زمرد کے پَر عطا کئے ہیں۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اسی لئے آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ آنحضرت جب جعفر کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو محو گریہ دیکھ کر اپنے گھر پہنچے تو فاطمہؑ کو روتے دیکھا۔ حضورؐ نے سب کو تسلی دی اور جعفر طیار کے گھر کھانا پکوا کر بھیجا۔ یہ جنگ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں واقع ہوئی ہے۔

ذات السلاسل اسی جمادی الآخر ۸ھ میں یہ سریہ ذات السلاسل بھی واقع ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے تین سو سپاہیوں کے ہمراہ عمرو عاص کو قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے تو ابو عبیدہ ابن جراح کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے کامیابی حاصل کی۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کی رُو سے دس سال تک باہمی جنگ وجدل ممنوع ہونے کے باوجود قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے آنحضرت کے حلیف بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی اور قریش کی مدد سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر حالات سے مجبور ہو کر بنی خزاعہ نے آنحضرت سے مدد مانگی۔ آنحضرت نے دس ہزار پر مشتمل لشکر تیار کر کے مکہ کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان نے جب یہ تیاری دیکھی تو یہ درخواست پیش کرنے کے لئے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسول کے گھر گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر اُسے بستر رسولؐ سے ہٹا دیا کہ تو کافر و مشرک ہے۔ پھر آنحضرت کے پاس گیا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی۔ پھر حضرت علی سے ملا۔ انہوں نے بھی منہ

نہ لگایا۔ پھر حضرت فاطمہ کے پاس پہنچا اور امام حسن علیہ السلام کے واسطہ سے امان مانگی۔ انہوں نے بھی کوئی سہارا نہ دیا۔ اس کے بعد مسجد میں تجدید صلح کا اعلان کر کے واپس چلا گیا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری توجہ کے ساتھ جنگ کی خفیہ تیاریاں کر لیں۔ مگر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے۔ اسی خفیہ تیاری کی اسکیم کے ماتحت آپ نے مکہ کی آمد و رفت مطلقاً بند کر دی تھی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر مکہ والوں کو قبل از وقت اطلاع مل جائے گی تو کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ مگر ایک جنبل خور صحابی حاطب ابن بلتعہ نے جن کے بچے مکہ میں تھے۔ ایک عورت کے ذریعہ سے حملے کا مکمل حال لکھ بھیجا۔ وہ تو کہئے، حضرت کو اطلاع مل گئی۔ آپ نے علیؑ کو تعاقب میں بھیج کر خط برآمد کر لیا۔

الغرض ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ غیر معروف راستوں سے اچانک مکہ پہنچے اور مکہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر "مر الظہران" پر پڑاؤ ڈالا۔ لشکر کی کثرت کا چرچا ہو گیا۔ ابو سفیان، حضرت عباس کے مشورے سے مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت نے اس کے لئے یہ رعایت کر دی کہ جو اس کے گھر میں فتح مکہ کے موقع پر پناہ لے اسے چھوڑ دیا جائے۔ ابو سفیان مکہ واپس گیا اور اس نے آنحضرت کی طرف سے اعلان کر دیا کہ جو مکہ میں یا میرے مکان میں پناہ لے گا محفوظ رہے گا۔ جو ہتھیار لگائے بغیر سامنے آئے گا اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مکہ پر قبضہ ہو گیا۔ سپہ سالار لشکر حضرت علی تھے۔ آنحضرت ناقہ قصویٰ پر سوار مکہ میں داخل ہوئے اور زبیر کے لگائے ہوئے اسلامی جھنڈے کے قریب جا کر اترے۔ خیمے نصب ہوئے آپ نے قریش سے فرمایا۔ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ سب نے متفق اللفظ کہا۔ آپ کریم ابن کریم ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیں۔ آپ نے معافی دی اور آپ سات مرتبہ طواف کے بعد داخل کعبہ ہو گئے اور ان تمام بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا جو نیچے تھے اور اونچے بتوں کے توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنے کندھے پر چڑھایا۔ علیؑ نے تمام بتوں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ گویا پتھر کے خداؤں کو خاک میں ملا دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس جگہ مہر نبوتؐ تھی اور جہاں معراج کی شب خدا نے کتف رسول پر ہاتھ رکھا تھا اسی جگہ علیؑ نے پاؤں رکھ کر بت شکنی کی۔ ان کا بھی بیان ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار کیا اور جبریل نے بت شکنی کے بعد اپنے ہاتھوں سے اتارا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶) عجائب القصص صفحہ ۲۷۸ میں ہے کہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔

دعوت بنی خزیمہ

مکہ معظمہ فتح ہو جانے کے بعد آنحضرت نے چند افراد کو تبلیغ اسلام کے لئے بعض اطراف میں بھیجا۔ جن میں خالد بن ولید بھی تھے۔ یہ لوگ جب بنی خزیمہ کے پاس پہنچے۔ تو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔ لیکن ابن ولید نے کوئی پرواہ نہ کی اور ان پر غیر اسلامی ظلم کیا۔ آنحضرت نے جب اس تعدی کی خبر سنی تو آپ نے اپنے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا اور حضرت علیؑ کو بھیج کر ہر قسم کا تاوان ادا کیا۔ اور خون بہا دیا۔

(طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)

جنگ حنین

حنین مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ کی خبر سے بنی ھوازن، بنی ثقیف، بنی جشم اور بنی سعد نے باہمی اجماع میں فیصلہ کیا کہ سب مل کر مسلمانوں سے لڑیں۔ انہوں نے اپنا سردار لشکر مالک ابن عوف نضری اور علمبردار" ابو جرول" کو قرار دیا۔ اور وہ اپنے ہمراہ درید ابن صمہ نامی ۱۲۰ برس کا تجربہ کار سپاہی برائے مشورہ لے کر پانچہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر سمیت حنین اور طائف کے درمیان مقام" اوطاس" پر جمع ہو گئے۔ جب آنحضرت کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ بارہ یا سولہ ہزار کا لشکر لے کر جس میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے ۱۰ شوال ۸ھ کو دُلدل پر سوار مکہ سے نکل پڑے حضرت علی حسب معمول علمبردار لشکر تھے۔ میدان میں پہنچکر حضرت ابو بکر نے کہا کہ ہم اتنے کثیر ہیں کہ آج شکست نہیں کھا سکتے۔ میدانِ جنگ میں اس قسم کے منصوبے باندھے ہی جا رہے تھے کہ وہ دشمن جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے نکل آئے اور تیروں، نیزوں اور پتھروں سے حملے کئے کہ بزدلوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔ سب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ کسی کو رسول خدا کی خبر نہ تھی۔ وہ پکار رہے تھے۔ اے بیعت رضوان والو، کہاں جا رہے ہو؟ لیکن کوئی نہ سنتا تھا۔ غرضکہ ایسی بھگدڑ مچی کہ اصولی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت علی۔ حضرت عباس، ابن حارث اور ابن مسعود کے علاوہ سب بھاگ گئے۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹) اس موقع پر ابو سفیان کہہ رہا تھا کہ ابھی کیا ہے۔ مسلمان سمندر پار بھاگیں گے حبیب السیّر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد ابن ولید بھاگے۔ ان کے پیچھے قریش کے نو مسلم چلتے۔ پھر ایک ایک کر کے مہاجر و انصار نے راہِ فرار اختیار کی۔ اسی دوران میں دشمنوں نے آنحضرت پر حملہ کر دیا جسے جاں نثاروں نے رد کیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر رسول اللہ خود لڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر حضرت عباس نے گھوڑے کی لجام تھام لی اور مسلمانوں کو پکارا۔ آپ کی آواز پر سو مسلمان واپس آ گئے اور دشمن بھی سب کے سب مقابل ہو گئے۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ ابو جرول علمبردار لشکر نے مقابل طلب کیا۔ حضرت علی علمبردار لشکر اسلام مقابلہ میں تشریف لائے اور ایک ہی وار میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھے اور کامیاب ہو گئے۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ میں ہے کہ اس جنگ میں چار مسلمان اور ۷۰ کافر قتل ہوئے جن میں سے ۴۰ حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے۔

اس کے بعد مقام اوطاس میں جنگ ہوئی اور وہاں بھی مسلمان کامیاب ہوئے۔ ان دونوں جنگوں میں کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اوطاس میں حضرت کی رضاعی بہن اسماء بنت حلیمہ سعدیہ بھی ہاتھ آئیں۔

حلیمہ سعدیہ کی سفارش جنگ حنین کی بچی ہوئی فوج طائف میں پناہ گزین ہو گئی۔ آپ نے شوال ۸ھ میں اس کے محاصرہ کا حکم دیا اور ۲۰ یوم تک محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور مقام جعرانہ پر چلے گئے وہاں ۵ ذیقعد کو بنی ہوازن کی طرف سے درخواست آئی

کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں آپ ہماری عورتیں اور مال واپس کر دیجئے۔ بنی ہوازن کی سفارش میں جناب حلیمہ سعدیہ جو آپ کی رضاعی بہن تھیں۔ آئیں۔ آنحضرت نے ان کی تعظیم کی اور سفارش منظور فرمائی۔

۹ سنہ ہجری

فلس کی تباہی

قبیلہ بنی طے جس میں مشہور سخی حاتم طائی پیدا ہوا تھا "فلس" نامی بت کو پوجتا تھا۔ فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد آنحضرت نے ڈیڑھ سو سواروں سمیت ربیع الاولی ۹ سنہ ھ میں اس کی طرف حضرت علی کو بھیجا۔ عدی ابن حاتم جو سردار قبیلہ تھا۔ معزور ہو گیا۔ بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت علی نے انسان اور مال لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ اور عدی کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی "سفانہ" کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں پہنچایا۔ اس نے شرافت خاندان کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا اور زاد سفر دے کر اس کو اس کے بھائی عدی کے پاس بھجوا دیا۔ آپ کے اس حسن اخلاق سے عدی بہت متاثر ہوا اور ۱۰ سنہ ھ میں آکر مسلمان ہو گیا۔

غزوہ تبوک

تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان بارہ چودہ منزل پر تھا۔ حضرت کو اطلاع ملی کہ نصارے شام نے ہرقل بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے حفظ ماتقدم کے پیش نظر پیش قدمی کی۔ مدینہ کا نظام حضرت علی کے سپرد فرمایا اور تیس ہزار فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے روانگی کے وقت حضرت علی نے عرض کی۔ مولا۔ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ فرمایا۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اسی طرح اپنا جانشین بنا کر جاؤں جس طرح جناب موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو بنا کر جایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی) اے علی خدا کا حکم ہے کہ مدینہ میں میں رہوں یا تم رہو (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۷۸) غرضکہ آپ روانہ ہو کر منزل تبوک تک پہنچے۔ آپ نے وہاں دشمنوں کا ۲۰ یوم انتظار کیا لیکن کوئی بھی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ دوران قیام میں اطراف وجوانب سے دعوت اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر واپس تشریف لائے۔ یہ واقعہ رجب ۹ سنہ ہجری کا ہے۔

واقعہ عقبہ

تبوک سے واپسی میں ایک گھاٹی پڑتی تھی جس کا نام عقبہ ذی فتق تھا۔ یہ گھاٹی سواری کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ کہیں ناقہ کا پاؤں پھسل نہ جائے کہ حضرت کو گزند پہنچے۔ اسی بنا پر منادی کرا دی گئی کہ جب تک حضرت کا ناقہ گذر نہ جائے۔ کوئی بھی گھاٹی کے قریب نہ آئے غرضکہ روانگی ہوئی۔ حضرت سوار ہوئے۔ حذیفہ نے مہار پکڑی۔ عمار ہنکاتے ہوئے روانہ ہوئے۔ یہ حضرات سمجھ رہے تھے کہ نہایت پرامن جا رہے ہیں۔ ناگاہ بجلی چمکی اور ان کی نظر بارہ چودہ ایسے سواروں پر پڑی جو چہروں کو کپڑے میں

چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے حذیفہ، تم نے پہچانا۔ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے سب کے نام بتا دئے اور کہا۔ کسی سے کہنا نہیں، ورنہ فساد ہوگا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ اکابر صحابہ تھے۔

تبلیغ سورۂ برائت

۹ھ میں آنحضرت نے تین سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر کو حج اور تبلیغ سورۂ برائت کے لئے بھیجا۔ ابھی آپ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ واپس بلا لئے گئے اور یہ سعادت حضرت علی کے سپرد کر دی گئی۔ حضرت ابوبکر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ کہ مجھے خدا کا یہی حکم ہے کہ میں جاؤں یا میری آل میں سے کوئی جائے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ شیخین دونوں کے دونوں مامور تھے۔ مگر معزول کئے گئے (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۳۸۔ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۲۶۔ دُرِ منثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۰۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔ قرۃ العین صفحہ ۲۳۴)

جنگ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے ۵ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں عربوں کی ایک بڑی جمعیت نے مدینہ پر شبخون مارنے اور اچانک شہر پر قبضہ کر کے اسلامی قوت کو پاش پاش کر دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرت کو جونہی اطلاع ملی آپ نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجدیا اور علمبرداری حضرت ابوبکر کے سپرد کی۔ انہیں ہزیمت ہوئی۔ پھر حضرت عمر کو علمدار بنایا۔ وہ بھی خیر سے گھر کو آگئے پھر عمرو بن عاص کو روانہ کیا۔ وہ بھی شکست کھا گئے۔ جب کامیابی کسی طرح نہ ہوئی، تو آنحضرت نے حضرت علی کو علم دے کر روانہ کیا۔ خدا نے حضرت علی کو شاندار کامیابی عطا کی۔ جب علی واپس ہوئے تو آنحضرت نے خود حضرت علیؑ کا استقبال کیا۔ (حبیب السیر۔ معارج)

وفود

۹ھ میں وفود آنا شروع ہوئے اور آنحضرت کی وفات سے پہلے تقریباً عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی سن میں حکم نجاست مشرکین بھی نازل ہوا۔

وصولی صدقات

اسی ۹ھ میں بنی طے سے عدی بن حاتم طائی، بنی حنظلہ سے مالک ابن نویرہ بنی نجران سے حضرت علیؑ جزیہ و صدقات وصول کرنے گئے اور رمال بھجوا دیا۔

۱۰ سنہ ہجری

یمن میں تبلیغی سرگرمیاں

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت نے خالد بن ولید کو تبلیغ دین کے خیال سے یمن بھیجا یہ وہاں جا کر چھ ماہ تک ادھر ادھر پھرتے رہے اور کوئی کام نہ کر سکے یعنی ان کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہو سکا تو حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے زور علم اور سلیقہ تبلیغ کی وجہ سے سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان کر لیا۔ اس کے بعد اہل یمن مسلسل داخل اسلام ہونے لگے۔ جب آنحضرت کو یہ شاندار کامیابی معلوم ہوئی، تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کے لئے دعا کی اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)

یمن کا نظام حکومت ۱۰ھ ہجری میں باذان حاکم یمن نے انتقال کیا۔ اس کی وفات کے بعد یمن کو مختلف حصوں میں مختلف حاکموں کے سپرد کر دیا گیا (۱) صنعا کا گورنر باذان کے بیٹے کو (۲) ہمدان کا عامل عامر ابن شہر ہمدانی کو (۳) مآرب کا حاکم ابوموسیٰ اشعری کو (۴) جند کا افسر یعلی ابن امیہ کو (۵) علک واشعریین طاہر ابن ابی ہالہ کو (۶) نجران بن عمر ابن حزم کو (۷) نجران، زمع، زبید کے درمیان سعید ابن عاص کو (۸) سکاسک وسکون میں عکاشہ ابن ثور کو مقرر کر دیا گیا۔

اصحاب کا تاریخی اجتماع اور تبلیغ رسالت کی آخری منزل حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلاق عالم نے انتخاب خلافت کو اپنے لئے مخصوص رکھا ہے اور اس میں لوگوں کا دسترس نہیں ہونے دیا۔ فرماتا ہے "ربك یخلق من تشاء ویختار ما كان لهم الخیرة سبحان الله تعالیٰ عما یشركون" تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے (نبوت وخلافت) کے لئے منتخب کرتا ہے" یاد رہے کہ انسانوں کو نہ انتخاب کا کوئی حق ہے اور نہ وہ اس میں خدا کے شریک ہو سکتے ہیں (پ ۲۰ رکوع ۹) یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے تمام خلفاء آدم سے خاتم تک خود مقرر کئے ہیں اور ان کا اعلان اپنے نبیوں کے ذریعہ سے کرایا ہے (روضۃ الصفا۔ تاریخ کامل۔ تاریخ ابن الوردی۔ عرائس ثعلبی وغیرہ) اور اس میں تمام انبیاء کے کردار کی موافقت کا اتنا لحاظ رکھا ہے کہ تاریخ اعلان تک میں فرق نہیں آنے دیا۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ تمام انبیائے خلافت کا اعلان ۱۸ ذی الحجہ کو کیا ہے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۸ ذی الحجہ کو بمقام غدیر خم حکم خدا سے حضرت علی کے جانشین ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

حجۃ الوداع ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ ہجری کو حج آخر کے ارادے سے روانہ ہو کر ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی تمام بیبیاں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ روانگی کے وقت ہزاروں صحابہ ساتھ روانہ ہوئے اور بہت سے مکہ ہی میں جا ملے۔ اس طرح آپ کے اصحاب کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو گئی۔ حضرت علی یمن سے مکہ پہنچے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ تم قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ اس حج کے موقع پر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھا اور معرکۃ الآرا خطبے سنے۔ جن میں بعض باتیں یہ تھیں (۱) جاہلیت کے زمانہ کے دستور کچل ڈالنے کے قابل ہیں (۲) عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں (۳) مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں (۴) غلاموں کا خیال ضروری ہے (۵) جاہلیت کے تمام خون معاف کر دئے گئے (۶) جاہلیت کے تمام واجب الادا سود باطل کر دئے گئے۔

غرضکہ حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ کے ارادہ سے ۱۴ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار

اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔ حجفہ کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی آیہ بلغ کا نزول ہوا۔ آپ نے پالان شتر کا منبر بنایا اور بلال کو حکم دیا کہ "حی علیٰ خیر العمل" کہہ کر آواز دیں۔ مجمع سمٹ کر نقطۂ اعتدال پر آ گیا۔ آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی افضلیت کا اقرار لیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے میرے اہلبیت۔ اس کے بعد علی کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل ظاہر ہو گئی۔ پھر فرمایا "من کنت مولاہ فہذا علیؑ مولاہ" جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ خدایا علی جدھر مڑیں حق کو اسی طرف موڑ دینا۔ پھر علی کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا۔ لوگوں نے مبارک بادیاں دینی شروع کیں سب آپ کی جانشینی سے مسرور ہوئے۔ حضرت عمر نے بھی نمایاں الفاظ میں مبارک باد دی۔ جبرئیل نے بھی بزبان قرآن اکمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ سنایا۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ یہ جانشینی ۱۸ ذی الحجہ کو واقع ہوئی ہے۔

نور الابصار صفحہ ۷۸ میں ہے کہ ایک شخص حارث بن نعمان فہری نے حضرت کے فعل پر اعتراض کیا، تو اسی وقت آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا۔ اور وہ مر گیا۔

واقعہ مباہلہ نجران یمن میں ایک مقام ہے۔ وہاں عیسائی رہتے تھے اور وہاں کا ایک بڑا کلیسا تھا۔ آنحضرت نے انہیں بھی دعوت اسلام بھیجی۔ انہوں نے تحقیق حالات کے لئے ایک وفد زیر قیادت عبد المسیح عاقب مدینہ بھیجا۔ وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آ کر ٹھہرا۔ حضرت سے مباحثہ ہوا۔ مگر وہ قائل نہ ہوئے۔ حکم خدا نازل ہوا فقل تعالوا ندع ابناء نا الخ اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ دونوں اپنے بیٹوں، اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لا کر مباہلہ کریں۔ چنانچہ فیصلہ ہو گیا اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو پنجتن پاک بددعا دینے کے لئے نکلے۔ نصاریٰ کے سردار نے جونہی ان کی شکلیں دیکھیں۔ کانپنے لگا اور مباہلہ سے باز آیا۔ خراج دینا منظور کیا۔ جزیہ دے کر رعایا بننا قبول کیا۔

سرور کائنات کے آخری لمحات زندگی

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ خیبر میں دئے ہوئے زہر کی کروٹ لینے سے ابھرا کرتی تھی۔ مستمر ہو گئی۔ آپ اکثر علیل رہنے لگے۔ بیماری کی خبر کے عام ہوتے ہی جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہونے لگے جن میں مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلیحہ۔ سجاح زیادہ نمایاں تھے لیکن خدا نے انہیں ذلیل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہی ہے آپ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حملہ نہ کر دیں۔ اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ علی کے علاوہ اعیان مہاجر و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ

تک فرمایا "لعن اللہ من تخلف عنها" جو اس جنگ میں نہ جائے گا۔ اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔
اس کے بعد آنحضرت نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کیا۔ انہوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام
جرف میں کیمپ لگایا اور اعیان صحابہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ لوگ نہ گئے۔ مدارج النبوت جلد ۲
صفحہ ۴۸۸ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر و
حضرت عمر بھی تھے۔ مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ میں ہے کہ آخر صفر میں جب کہ آپ کو شدید درد سر تھا
آپ رات کے وقت اہل بقیع کے لئے دعا کی خاطر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے سمجھا کہ میری باری میں
کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ اس پر وہ تلاش کے لئے نکلیں تو آپ کو بقیع میں محو دعا پایا۔
اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوتا اے عائشہ کہ تم مجھ سے پہلے مرجاتیں اور میں تمہاری اچھی طرح
تجہیز و تکفین کرتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں۔ میں مرجاؤں تو آپ دوسری شادی کرلیں۔ اسی کتاب
کے صفحہ ۴۹۵ میں ہے کہ آنحضرت کی تیمارداری آپ کے اہلبیت کرتے تھے۔

واقعہ قرطاس

حجۃ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے۔ اب آخری
وقت میں آپؐ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اسے دستاویزی شکل دے دوں۔
اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات اور کاغذ دے دو۔ تاکہ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمہیں گمراہی
سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لئے کافی ہو۔ یہ سن کر اصحاب میں باہمی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگوں کے رجحانات
قلم دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا "ان الرجل لیهجر حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے
کتاب خدا کافی ہے (صحیح بخاری پ ۳۰ صفحہ ۱۰) علامہ شبلی کہتے ہیں۔ روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی
ہذیان کے ہیں... حضرت عمر نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (الفاروق صفحہ ۱۴) لغت
میں ہذیان کے معنی "بیہودہ گفتن" یعنی بکواس کے ہیں (صراح جلد ۲ صفحہ ۵۲۳) شمس العلماء مولوی نذیر احمد
دہلوی لکھتے ہیں "جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انہوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی
چٹکیوں میں اڑا دیا۔ اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کافی ہے۔ اور چونکہ
اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس بجا نہیں ہیں۔ کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں۔ خدا جانے، کیا کیا
لکھوا دیں گے (امہات الامۃ صفحہ ۹۲) اس واقعہ سے آنحضرت کو سخت صدمہ ہوا۔ اور آپ نے جھنجھلا کر
فرمایا۔ اٹھ کر چلے جاؤ۔ نبی کے روبرو شور و غل انسانی ادب نہیں ہے۔ علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ
میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر۔ ابوعبیدہ۔ عبدالرحمن۔ سالم غلام حذیفہ نے متفقہ عہد و پیمان
کیا تھا کہ "لا ندیر هذا الامر فی بنی هاشم" پیغمبر کے انتقال کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے
دیں گے۔ میں کہتا ہوں۔ کون یقین کرسکتا ہے کہ جیش اسامہ میں ایسے رسول سے سرتابی کرنے والوں جس
میں لعنت تک کی گئی ہے اور واقعہ قرطاس میں حکم کو بکواس بتلانے والوں کو رسول خدا نے نماز کی

امامت کا حکم دے دیا ہوگا۔

وصیت اور انتصار

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری وقت آپ نے فرمایا۔ میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے اپنے باپ ابوبکر پھر عمر کو بلایا۔ انہوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علی کو بلا بھیجا۔ آپ نے علی کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے (ریاض النضرہ صفحہ ۱۸۰) مورخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ اور حسنین کو طلب فرمایا اور حضرت علی کو بلا کر وصیت کی اور کہا جیش اسامہ کے لئے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا۔ اسے ادا کر دینا۔ اور اے علی تمہیں میرے بعد سخت صدمات پہنچیں گے۔ تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم دین اختیار کئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۹۔ مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۱۱۔ تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۱۹)

رسول کریمؐ کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمانے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ حضرت فاطمہؑ کے زانو پر سر مبارک رسالت مآب تھا۔ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذن حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا۔ اور کہا کہ اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔ اس وقت واپس چلا جا۔ اس نے کہا کہ میری واپسی ناممکن ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرت کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ، اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ فاطمہ نے اجازت دے دی اور وہ داخل خانہ ہوئے پیغمبر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی، مولا! یہ پہلا دروازہ ہے۔ جس پر میں نے اجازت مانگی ہے اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت نہ طلب کروں گا (عجائب القصص علامہ عبد الواحد صفحہ ۲۸۲)

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسول کریم نے بتاریخ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ میں یوم دوشنبہ بوقت دوپہر ظاہری خلعت حیات اتار دیا (مودۃ القربیٰ صفحہ ۴۹ م ۱۴ طبع بمبئی سنہ ۱۳۱۰ھ۔ اہلبیت کرام میں رونے کا کہرام مچ گیا۔ حضرت ابوبکر اس وقت اپنے گھر محلہ سنح گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمر نے واقعہ وفات کو مشتہر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابوبکر آگئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور انہیں کے ساتھ ابو عبیدہ بھی چلے گئے جو غسال تھے غرضیکہ صحابہ کی اکثریت رسول خدا کی لاش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت میں جا شریک ہوئی اور حضرت علی نے غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ حضرت علی غسل دیتے ہیں، فضل ابن عباس حضرت کا پیراہن اونچا کرنے میں۔ عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ و شقران پانی ڈالنے میں مصروف ہو گئے اور انہیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ ابوطلحہ نے قبر کھودی حضرت ابوبکر و حضرت عمر آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرت کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۔ ارجح المطالب صفحہ ۶۷

المرتضیٰ صفحہ ۳۹۔ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴) وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۵۲)

وفات کا اثر

سرورِ کائنات کی وفات کا اثر یوں تو تمام لوگوں پر ہوا۔ اصحاب بھی روئے اور حضرت عائشہ نے بھی ماتم کیا۔ لیکن جو صدمہ حضرت فاطمہ کو پہنچا۔ اس میں وہ منفرد تھیں۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سے عالم علوی اور عالم سفلی بھی متاثر ہوئے اور ان میں جو چیزیں ہیں ان میں بھی اثرات ہویدا ہوئے۔ علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت نے ام معبد کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ کے وضو کے پانی سے ایک درخت اگا جو بہترین پھل لاتا رہا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کے پتے جھڑے ہوئے ہیں اور میوے گرے ہوئے ہیں۔ وہ حیران ہوئی کہ ناگاہ خبرِ وفاتِ سرورِ عالم پہنچی۔ پھر تیس سال بعد دیکھا گیا کہ اس میں تمام کانٹے اگ آئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت علی نے شہادت پائی۔ پھر مدت جدید کے بعد اس کی جڑ سے خون تازہ ابلتا ہوا دیکھا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے شہادت پائی ہے۔ اس کے بعد وہ خشک ہو گیا (عجائب القصص صفحہ ۲۵۹ بحوالہ)

ازواج

چند کنیزوں کے علاوہ جن میں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں۔ آپ کے گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی۔ اور نو (۹) بیویوں نے آپ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔ آنحضرت کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) خدیجۃ الکبریٰ (۲) سودہ (۳) عائشہ (۴) حفصہ (۵) زینب بنت خزیمہ
(۶) ام سلمیٰ (۷) زینب بنت جحش (۸) جویریہ بنت حارث (۹) ام حبیبہ
(۱۰) صفیہ (۱۱) میمونہ

اولاد

آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ جناب ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ سب بچے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ حضور کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت قاسم طیب آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲۔ جناب عبداللہ جو طاہر کے نام سے مشہور تھے۔ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

۳۔ جناب ابراہیم سنہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۰ھ میں انتقال کر گئے۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا آپ پیغمبر اسلام کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کے شوہر حضرت علی اور بیٹے امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے۔ آں جنابہ کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف نصیب ہوا۔ اور وہ قیامت تک "سید" کہی جائے گی۔

حضرت فاطمۃ الزھراء

اُمّ الآئمہ

حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

خاتونِ جنّت

زَھْرَاء = منہ سبز کلی
زُھُوا = ستارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

جلوہ نمائے شمع حقیقت ہیں فاطمہؑ آئینہ کمال نبوت ہیں فاطمہ
یہ مانتا ہوں کہ ان کو رسالت نہیں ملی لیکن شریک کار رسالت ہیں فاطمہ

حضرت فاطمہ، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی اکلوتی بیٹی حضرت علی کی رفیقہ حیات اور امام حسن و حسین، جناب ام کلثوم و زینب کی مادر گرامی اور نو اماموں کی جدہ ماجدہ تھیں۔ آپ کی مشہور کنیت ام الائمہ۔ ام الحسنین اور ام السبطین تھی۔ مشہور القاب زہرا و سیدۃ النساء تھے۔

آپ کی ولادت

آپ کا نور وجود نور رسالت کے ساتھ خلقت کائنات سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کے ظاہری نمود و شہود کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ آپ معراج رسالتمآب کے بعد ۵ بعثت میں بتاریخ ۲۰ جمادی الثانی یوم جمعہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا سال ولادت عام الفیل کے لحاظ سے ۴۶ء اور عیسوی نقطہ نگاہ سے ۶۱۵ء تھا۔ آپ کی ولادت کے وقت جنت سے حوروں اور آسیہ بنت مزاحم۔ مریم بنت عمران۔ صفورا بنت شعیب، کلثوم ہمشیرہ موسیٰ کا آنا کتابوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کا بیان ہے کہ چونکہ میں نے اپنے قبیلہ کے منشاء کے برخلاف سرور کائنات سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے میری قوم نے میرا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسب دستور اطلاع دی لیکن کوئی نہ آیا۔ اللہ کی رحمت شامل حال حوروں اور پاک بیبیوں نے قابلہ اور دایہ کا کام کیا۔ بچی پیدا ہوئی۔ رحمۃ للعالمین کا گھر بقعہ نور بن گیا۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۱۳، دمعہ ساکبہ صفحہ ۵۲)

آپ کا اکلوتی بیٹی ہونا

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب خدیجہ کے ساتھ جب آنحضرت کی شادی ہوئی تو آپ باکرہ تھیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ قاسم عبد اللہ اور فاطمہ زہرا بطن خدیجہ سے رسول اسلام کی اولاد تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ ام کلثوم آنحضرت کی لڑکیاں تھیں یا نہیں۔ یہ مسلم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہور اسلام سے قبل کافروں، عتبہ، عتیبہ پسران ابولہب اور ابو العاص ابن ربیع کے ساتھ بیاہی تھیں۔ یہ مانا نہیں جا سکتا کہ رسول اسلام اپنی

لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے۔ پس یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عورتیں ہالہ بنت خویلد ہمشیرہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے باپ کا نام ابوالہند تھا۔ جیسا کہ علامہ معتمد بدخشانی نے مرجان الالئس میں لکھا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لڑکیاں زمانہ کفر میں ہالہ اور ابوالہند میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہ کے زیر کفالت اور تحت تربیت رہیں اور ہالہ کے مرنے کے بعد مطلقاً انہیں کے ساتھ ہوگئیں۔ اور خدیجہ کی بیٹیاں کہلائیں۔ اس کے بعد بذریعہ جناب خدیجہ آنحضرت سے منسلک ہو کر اسی طرح رسول صلعم کی بیٹیاں کہلائیں جس طرح جناب زید بمحاورہ عرب کے مطابق رسول کے بیٹے کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک ان عورتوں کے شوہر مطابق دستور عرب داماد رسول کہے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں مانا جا سکتا، کہ یہ رسول کی صلبی بیٹیاں تھیں کیونکہ حضور سردار دو عالم کا نکاح جب بی بی خدیجہ سے ہوا تھا تو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو چکا تھا اور حضور سرکار دو عالم کا نکاح ۲۵ سال کے سن میں خدیجہ سے ہوا اور تیس سال کے سن تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سن میں آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ اور ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے آپ کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ کے فرزند بھی پیدا ہونا اور یہ تین لڑکیاں پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے جیسا کہ مدارج النبوت میں تفصیل موجود ہے۔ بھلا غور تو کیجئے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہو گئیں اور اتنی عمر بھی ہو گئی کہ نکاح مشرکوں سے ہو گیا۔ کیا یہ عقل و فہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا۔ اور حضرت عثمان سے بھی ایک لڑکی کا نکاح حالت شرک ہی میں ہو گیا۔ جیسا کہ مدارج النبوت میں مذکور ہے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور صلعم کی نہ تھیں بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھی کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا تھا۔ (سوانح حیات سیدہ صفحہ ۳۴)

بچپن اور تربیت

جناب سیدہ میں بچپن کے وہ آثار ہی نہ تھے جو عام لڑکیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ ام سلمیٰ سے کہا گیا کہ فاطمہ کو اصول تہذیب سکھائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں مجسمہ عصمت و طہارت کو اخلاق و عادات کی کیا تعلیم دے سکتی ہوں۔ میں تو خود اس کم سن بچی سے تعلیم اصول حاصل کیا کرتی ہوں۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا بچپن عبادت اور خدمت والدین میں گذرا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ صحن کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابوجہل کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی گر بھری پشت حضور پر رکھ دی۔ فاطمہ کو خبر ملی۔ آپ دوڑی ہوئی آئیں اور پشت رسالت سے اوجھڑی اٹھالی اور پشت مبارک پانی سے دھو ڈالی رسول کریم نے فرمایا۔ بیٹی! ایک دن یہ دشمن بھی مغلوب ہوں گے اور خدا میرے دین کو انتہائی بلندی عطا کرے گا۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت خدیجہ کسی کی شادی میں جانے کے لیے

تیار ہوئیں اور کپڑے پہننے لگیں تو پتہ چلا کہ جناب سیدہ کے لئے نئے کپڑے نہیں ہیں۔ ماں اسی تردد میں تھیں کہ بیٹی کو احساس ہوگیا۔ عرض کی مادرِ گرامی! میں پرانے ہی کپڑوں میں چلوں گی۔ کیونکہ بابا جان فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمان لڑکیوں کا بہترین زیورِ حیات تقویٰ ہے اور بہترین آرائش شرم وحیا ہے۔

فاطمہ زہرا کا سارا بچپن فقر وفاقہ اور تنگی ومصائب میں گذرا۔ آپ کو جن حضرات سے تربیت ملی۔ وہ یہ ہیں (۱) خدیجۃ الکبریٰ (۲) سرورِ کائنات (۳) فاطمہ بنت اسد (۴) ام الفضل زوجہ عباس (۵) اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیار (۶) ام ہانی ہمشیرہ جناب ابوطالب (۷) ام ایمن (۸) صفیہ بنت جناب حمزہ۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت رسولِ اکرم جناب سیدہ کو اکثر اپنی آغوش میں بٹھالیا کرتے تھے اور ان کے لبوں کو بوسہ دیتے تھے۔ اس پر حضرت عائشہ نے کہا کہ جناب فاطمہ کے بوسے دیتے ہیں اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے دیتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ تمہیں معلوم نہیں۔ جب میں معراج پر گیا تھا۔ جبریل نے مجھے ایک سیب جنت دیا تھا۔ میں نے اسے کھایا تھا اور اسی سے فاطمہؑ کا نقطہ وجود قائم ہوا تھا۔ اے عائشہ جب میں جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہ کی خوشبو سونگھتا ہوں اور دہن فاطمہؑ سے میوۂ جنت کا لطف اٹھاتا ہوں۔ (مدارج صفحہ ۱۹۲ - اعلام الوریٰ صفحہ ۹)

آپ کی عصمت

عصمت کوئی ایسی صفت نہیں جو کسی عمل پر موقوف ہو۔ یہ خدا کا عطیہ ہوتا ہے اور بید و فطرت میں عطا ہوا کرتا ہے۔ ملائکہ، انبیاء، اور اوصیاء خاص کے علاوہ یہ پاکیزہ صفت جن اہم شخصیتوں کو عطا ہوئی۔ ان میں حضرت فاطمہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء اور بارہ امام دنیا میں ہدایت خلق کے لئے بھیجے گئے۔ اور سب معصوم تھے۔ اسی طرح صنف نازک کے لئے حضرت مریم اور حضرت فاطمہ زہرا تشریف لائیں اور یہ دونوں بیبیاں معصوم تھیں اور دونوں کی عصمت پر قرآن گواہ ہے۔

آپ کی والدہ کی وفات

آپ کی والدہ جناب خدیجۃ الکبرایٰ تھیں۔ حضرت فاطمہ کو پانچ سال ماں کی آغوش میں تربیت نصیب رہی۔ جناب خدیجہ کی علالت سے جناب سیدہ کو بیحد رنج ہوا۔ آپ ان کی تیمار داری میں شب و روز لگی رہتی تھیں اور ان کے چہرہ پر نظر جمائے انہیں کو دیکھا کرتی تھیں۔ ماں کا چہرہ بحال دیکھا تو خوش ہوگئیں۔ ماں کی شکل پژمردہ دیکھی۔ رنجیدہ ہوگئیں۔ یہی طرز عمل رہا کہ ایک دن خدیجہ نے فاطمہ کو اپنے سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بیٹی نے پوچھا۔ اماں جان۔ آج آپ کے رونے کا انداز کچھ نرالا ہے فرمایا بیٹی! میں تجھ سے رخصت ہورہی ہوں۔ افسوس تجھے دلہن نہ دیکھ سکی۔ ماں بیٹی میں المناک گفتگو جاری تھی کہ ماتھے پر موت کا پسینہ آگیا اور خدیجہ ۱۰ رمضان ۱۰ بعثت

کو انتقال فرما گئیں۔ موت کے وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ آپ کو مقبرہ حجون میں دفن کیا گیا۔ خدیجہ کے انتقال سے فاطمہ زہرا کو انتہائی رنج پہنچا اور آپ سے زیادہ سرور کائنات کو صدمہ ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے اس سال کو عام الحزن کہا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱۴ میں ہے کہ آنحضرت جناب خدیجہ کی یاد میں گوسفند ذبح کر کے ان کی سہیلیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عائشہ نے کہا۔ کہ اس بڈھی عورت کو جس کے منہ میں دانت بھی نہ تھے۔ کب تک یاد کرتے رہو گے۔ یہ سن کر آنحضرت غضب ناک ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اس سے بہتر مجھے کوئی عورت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت ایمان لائیں جب کہ سب کافر تھے اس وقت میری تصدیق کی۔ جب سب جھٹلاتے تھے اور اس وقت پر میرے لئے مال صرف کیا۔ جب لوگ مجھے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ حیات القلوب میں ہے۔ حضرت ابوطالب اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا تھا۔

ہجرت فاطمہ ع

سنہ ۱۴ بعثت شب جمعہ یکم ربیع الاول کو آنحضرت صلعم نے ہجرت فرمائی اور ۱۲ ربیع الاول یوم جمعہ کو داخل مدینہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو ۵ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ، فاطمہ بنت اسد۔ ام المومنین سودہ اور ام ایمن وغیرہ کو لے آئیں۔ چنانچہ یہ بیبیاں چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئیں۔ آپ کے عقد میں صرف دو بیبیاں تھیں۔ ایک سودہ اور دوسری عائشہ۔ سنہ ۲ ہجری میں آپ نے ام سلمیٰ سے عقد کیا۔ ام سلمیٰ نے نگہداشتِ فاطمہ کا بیڑا اٹھایا۔ اور اس انداز سے خدمت گذاری کی کہ فاطمہ زہرا سے ماں کو بھلا دیا۔

حضرت فاطمہ زہرا ع کی شادی

پیغمبر اسلام نے علی کی ولادت کے وقت علی کو زبان دے دی تھی اور بعد میں فرمایا تھا کہ میری بیٹی کا کفو خانہ زاد خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ حالات کا تقاضا اور نسلی و خاندانی شرافت کا مقتضا یہ تھا کہ فاطمہ کی خواستگاری کے سلسلہ میں علی کے سوا کسی کا تذکرہ تک نہیں آتا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا اس اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمہ کے سن بلوغ تک پہنچتے ہی لوگوں کے پیغامات آنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے پھر حضرت عمر نے خواستگاری کی اور ان کے بعد عبدالرحمٰن نے پیغام بھیجا۔ حضرت شیخین کے جواب میں رسولِ اکرم غضب ناک ہوئے اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) اور عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ فاطمہ کی شادی حکم خدا سے ہوگی۔ تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے۔ وہ افسوسناک ہے۔ تمہاری درخواست قبول نہیں کی جا سکتی (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴) اس کے بعد حضرت علی نے درخواست کی تو آپ نے فاطمہ

کی مرضی دریافت فرمائی۔ وہ چپ ہو رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہار رضا مندی تھا (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۶۱) بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خود علی سے فرمایا کہ اے علی! مجھے خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی لخت جگر کا عقد تم سے کروں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟ عرض کی "جی ہاں!" اس کے بعد شادی ہوگئی۔ (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ طبع مصر) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ پیغام محمود نامی ایک فرشتہ لے کر آیا تھا (بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۵) بعض علماء نے جبرئیل کا حوالہ دیا ہے۔

غرضکہ حضرت علی نے ۵۰۰ درہم میں اپنی زرہ عثمان غنی کے ہاتھوں فروخت کی۔ اور اسی کو مہر قرار دے کر بتاریخ یکم ذی الحجہ ۲ھ ہجری حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ عقد کیا۔ مذکورہ رقم آج کل کے لحاظ سے ایک سو سات روپے ہوتی ہے۔

نکاح کے تھوڑے عرصہ بعد ۱۹/ ذی الحجہ کو حضرت سیدہ کی رخصتی ہوئی۔ سرور کائنات نے اپنی اکلوتی اور چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

۱ ایک قمیص قیمتی سات درہم ۲ ایک مقنع ۳ ایک سیاہ کمبل ۴ ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ۵ دو موٹے ٹاٹ ۶ چمڑے کے چار تکیے ۷ آٹا پیسنے کی چکی ۸ کپڑا دھونے کی لگن ۹ ایک مشک ۱۰ لکڑی کا بادیہ ۱۱ کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک برتن ۱۲ مٹی کے دو آبخورے ۱۳ ایک مٹی کی صراحی ۱۴ چمڑے کا فرش ۱۵ ایک سفید چادر ۱۶ ایک لوٹا۔

جلوس رخصت

کھانے پینے کے بعد جلوس روانہ ہوا۔ اشہب نامی ناقہ پر حضرت فاطمہ سوار تھیں۔ سلمان ساربان تھے۔ ازواج رسول ناقہ کے آگے آگے تھیں۔ بنی ہاشم ننگی تلواریں لئے جلوس میں تھے۔ مسجد کا طواف کرایا اور علی کے گھر میں فاطمہ کو اتار دیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے فاطمہ سے ایک برتن میں پانی منگایا۔ کچھ دعائیں دم کیں اور اسے فاطمہ کے اور علی کے سر سینے اور بازو پر چھڑکا۔ اور بارگاہ احدیت میں عرض کی۔ بارالہا! انہیں اور ان کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۸۴) اس کے بعد فاطمہ سے کہا۔ دیکھو، علی سے بے جا سوال نہ کرنا۔ یہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے لیکن دولت مند نہیں ہے اور علی سے کہا کہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اسے ملال ہو۔

فاطمہ کا نظام عمل

شوہر کے گھر جانے کے بعد آپ نے جس نظام زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ طبقہ نسواں کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ جھاڑو دینا۔ کھانا پکانا۔ چرخہ چلانا۔ چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا۔ یہ سب کام اور اکیلی سیدہ عالم۔ لیکن نہ کبھی تیوری پر بل آئے اور نہ کبھی شوہر سے اپنے لئے مددگار یا خادمہ کی فرمائش کی پھر جب ۷ھ میں پیغمبر خدا نے ایک خادمہ عطا کی جو فضہ کے نام سے مشہور رہیں تو رسول اللہ کی ہدایت

کے مطابق سیدہ عالم فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ ایک عزیز رفیق کا رجیسا برتاؤ کرتی تھیں۔ اور ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور ایک دن فضہ سے کام لیتی تھیں اور اس طرح خادمہ کو خادمہ ہونے کا تصور پیدا نہ ہونے دیتی تھیں۔

فاطمہ زہرا اور پردہ

آپ نے عورتوں کی معراج پردہ داری کو بتایا ہے اور خود بھی ہمیشہ اس پر عامل رہی ہیں اور اتنی سختی کے ساتھ کہ مسجد رسول سے بالکل متصل قیام رکھنے اور مسجد کے اندر گھر کا دروازہ ہونے کے باوجود کبھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نماز جماعت میں شرکت یا آپ کے موعظہ سننے کے لئے بھی مسجد میں تشریف نہیں لائیں۔ ایک مرتبہ پیغمبر نے ممبر پر یہ سوال پیش فرمادیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ یہ بات سیدہ تک پہنچی۔ آپ نے جواب دیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ نہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر پڑے اور نہ کسی غیر مرد کی اس پر۔ رسولؐ کے سامنے یہ جواب پیش ہوا، تو آپ نے فرمایا۔ کیوں نہ ہو، فاطمہ میرا ہی ایک جزو ہے۔

سیدہ کا جہاد

اسلام میں عورت کا جہاد مرد سے مختلف ہے۔ اس لئے سیدہ نے کبھی میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھا۔ مگر رسول جب کبھی زخمی ہو کر گھر واپس تشریف لائے، تو پیغمبرؐ کے زخموں کو دھلانے والی اور علی جب خون میں ڈوبی ہوئی تلوار لے کر آتے تھے تو ان کی تلوار کو صاف کرنے والی فاطمہ زہرا ہی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ نصرت اسلام کے لئے میدان میں گئیں۔ مگر اس پُرامن معاملہ میں جو نصاریٰ کے مقابلہ میں ہوا تھا اور جس میں صرف روحانی فتح کا سوال تھا اس جہاد کا نام مُباہلہ تھا اور اس میں پردہ داری کے تمام امکانی تقاضوں کی پابندی کے ساتھ سیدہ عالم باپ بیٹوں اور شوہر کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتی تھیں (وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۶۱)

حضرت فاطمہ اور امور خانہ داری

عورتوں کا جوہر ذاتی شوہروں کی خدمت اور امور خانہ داری میں کمال حاصل کرنا ہے۔ فاطمہ زہرا نے علی کی ایسی خدمت کی کہ مشکل سے اس کی کوئی مثال مل سکے گی۔ ہر مصیبت اور تکلیف میں فرمانبرداری پر نظر رکھی۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح جناب خدیجہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت میں اسی طرح بنت رسولؐ نے اسلام اور علی کی خدمت کی یہی وجہ ہے کہ جس طرح رسول کریم نے خدیجہ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا حضرت علی نے بھی فاطمہ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا (صواعق محرقہ صفحہ ۸۵ و مناقب صفحہ ۸) حضرت علیؑ سے کسی نے پوچھا کہ فاطمہ آپ کی نظر میں کیسی تھیں۔ فرمایا "خدا کی قسم! وہ جنت کا پھول تھیں۔ دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی میرا دماغ ان کی خوشبو سے معطر ہے۔

امور خانہ داری میں جناب سیدہ آپ ہی اپنی نظیر تھیں ۸ھ تک آپ کے پاس کوئی کنیز نہ تھی۔ کنیز نہ ہونے کی صورت میں گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ جھاڑو دیتیں پانی بھرتیں چکی پیستیں، آٹا چھانتیں

آٹا گوندھتیں۔ تنور روشن کر کے روٹی پکاتی تھیں۔ حضرت علی سویرے اُٹھ کر مسجد چلے جاتے تھے۔ اور وہاں سے مزدوری کی فکر میں لگ جاتے۔ فضّہ کے آجانے کے لیے کام تقسیم کرلیا گیا تھا۔ بلکہ باری باندھی تھی۔ ایک دفعہ سرورِ عالم خانۂ سیّدہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیّدہ گود میں بچے کو لئے چکّی پیس رہی ہیں فرمایا۔ بیٹی ایک کام فضّہ کے حوالے کردو۔ عرض کی۔ بابا جان! آج فضّہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب صفحہ ۱۴)

ساس بہو کے تعلقات

فاطمہ زہرا کی شادی کے وقت جناب فاطمہ بنت اسد زندہ تھیں۔ ساس بہو کے تعلقات اکثر وبیشتر ناخوشگوار ہوجایا کرتے ہیں۔ لیکن فاطمہ نے ایسا دستور اور رویّہ اختیار کیا کہ کبھی بھی تعلقات میں کشیدگی پیدا نہ ہونے پائی۔ فاطمہ بنت اسد کے سپرد اعزا و اقربا کی ملاقات، شادی اور غمی میں شرکت وغیرہ قرار دیا اور اپنے ذمہ امورِ خانہ داری، مثلاً چکی پیسنا۔ روٹی پکانا وغیرہ رکھ لیا تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کی باہمی کشیدگی کا سراغ نہیں ملتا۔

آپ کی اولاد

آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں ۱۵ رمضان ۳ھ کو امام حسن علیہ السلام اور ۳ شعبان ۴ھ کو امام حسین علیہ السلام اور ۵ھ میں حضرت زینب اور ۹ھ میں جناب ام کلثوم اور ۱۱ھ میں اسقاطِ محسن ہوا۔ علماء نے لکھا ہے کہ زینب کا عقد عبداللہ بن جعفر سے اور ام کلثوم کا عقد محمد بن جعفر سے ہوا تھا۔ ابن ماجہ ابوداؤد۔ ابن حجر اور اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار صفحہ ۸۰ طبع مصر ملاحظہ ہو۔

آپ کی عبادت

آپ بے شمار نمازیں شب و روز پڑھا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ۱۰ھ میں آخری حج فرمایا تھا۔

فاطمہ زہراؑ پیغمبر اسلامؐ کی نظر میں

فاطمہ زہرا کی فضیلت اور ان کے مدارج کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود ہیں میں اس وقت چند احادیث اور پیغمبر اسلام کے بعض طرزِ عمل پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں۔ تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ جس نے آپ کو ایذا دی۔ اس نے رسولؐ کو ایذا دی۔ خدا نے آپ کی بدولت آپ کے ماننے والوں کو جہنم سے چھڑا دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مردوں میں بہت لوگ کامل گذرے ہیں لیکن عورتوں میں صرف چار عورتیں کامل گذری ہیں (۱) مریم (۲) آسیہ

(۳) خدیجہ (۴) فاطمہ۔ اور ان میں سب سے بڑا درجہ کمال فاطمہ کو حاصل ہے۔

علماء کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام آپ سے انتہائی محبت رکھتے تھے اور کمال عزت بھی کرتے تھے۔ محبت کے مظاہروں میں سے ایک یہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں فاطمہ سے رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہرا کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے اور عزت و احترام کا مظاہرہ یہ تھا کہ کانت فاطمۃ اذا دخلت علی رسول اللہ قام الیہا نقبلہا و اجلسہا فی مجلسہ، جب حضرت فاطمہ آتی تھیں تو آپ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ طبع مصر۔ مطالب السؤل صفحہ ۲۲ طبع لکھنؤ مختلف کتب صحاح میں موجود ہے کہ آنحضرت نے فرمایا فاطمہ میرا جزو ہے جو اسے اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت پہنچائے گا۔ مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ نزول آیہ تطہیر کے بعد سرور دو عالم درِ فاطمہ پر ۹ ماہ مسلسل بوقت نماز صبح جا کر آواز دیا کرتے اور فرط مسرت میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے تمہیں ہر طرح کی گندگی سے پاک و پاکیزہ کیا ہے (زاد العقبیٰ ترجمہ مودۃ القربیٰ۔ مودت ۱۱ صفحہ ۱۰۰)

فاطمہ عہد رسالت میں

پیغمبر اسلام کے عین حیات فاطمہ زہرا کی قدر و منزلت، عزت و توقیر کی کوئی حد نہ تھی۔ انسان تو درکنار ملائکہ تک کا یہ حال تھا کہ آسمانوں سے اتر کر زمین پر آتے اور فاطمہ کی خدمت کرتے تھے۔ کبھی جنت کے طبق لاتے، کبھی حسینؑ کا جھولا جھلا کر فاطمہ کی اعانت کی۔ اگر ان کے منہ سے عید کے موقعہ پر نکل گیا کہ بچو! تمہارے کپڑے درزی لائے گا تو خازن بہشت کو درزی بن کر آنا پڑا۔ حد ہے کہ ملک الموت بھی آپ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے تھے۔ علامہ عبدالمومن حنفی لکھتے ہیں کہ سرور کائناتؐ کے وقت آخر فاطمہ کے زانو پر سر رسالت مآب تھا۔ ملک الموت نے دق الباب کیا اور اذن حاضری چاہا۔ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ ملک الموت دروازے پر رک گئے لیکن مکان میں داخل ہونے پر اصرار کرتے رہے۔ فاطمہ کے متواتر انکار پر ملک الموت نے قدرے لہجہ بدل کر آواز دی۔ فاطمہ رو پڑیں۔ آپ کے آنسو رخسار رسالت پر گرے پیغمبرؐ نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ آپ نے واقعہ بتایا۔ حکم ہوا۔ اجازت دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ الخ عجائب القصص ص ۲۸۲)

فاطمہ زہرا رسولِ اسلام کے بعد

۲۸ صفر سنہ ۱۱ ھ کو رسول اسلام کا انتقال ہوا۔ آپؐ کے انتقال کے بعد آپ کے اہلبیت پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ اس درجہ متاذی ہوئیں کہ اپنی کشتی حیات

پچھتر دن سے زیادہ نہ کھینچ سکیں۔ آپ کے سر پر پٹی بندھی رہا کرتی تھی اور آپ شب و روز گریہ و زاری فرمایا کرتی تھیں۔ آپ کے لئے سرور کائنات کی وفات ہی کا صدمہ کیا کم تھا کہ اس پر مستزاد یہ کہ دنیاداروں نے آماجگاہ آلام بنا دیا۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد کفن و دفن کی مصیبت سے دکھ درد کی ماری ہستی کو بے نیاز کر دیا جاتا۔ اور سارا نظام وقت سنبھال کر اس فریضہ تدفین و تکفین کو بحسن طریق انجام دیا جاتا۔ لیکن افسوس! اس کے برعکس دنیا والوں نے رسول کی میت یوں ہی گھر میں چھوڑ دی۔ اور خدا اور رسول کی منشا کے خلاف اپنی حکومت کی بنیاد مستحکم کرنے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ رسول کی میت پڑی رہی۔ بالآخر آل محمدؐ اور دیگر چند ماننے والوں نے اس فریضہ کو ادا کیا۔ یہ واقعہ بھلانے کے قابل نہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ بن کر اور حضرت عمر خلیفہ بنا کر واپس لوٹے تو سرور کائنات کی لاش مطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا تھا۔ ان حضرات نے اس طرف توجہ نہ کی اور کسی ملال کا اظہار نہ کیا اور سب سے پہلے جس چیز کی کوشش شروع کی وہ حضرت علی سے بیعت لینے کی تھی۔ حضرت علی اور اعیان و اکابر صحابہ جن میں کل بنی ہاشم۔ زبیر۔ عتبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید مقداد بن عمر۔ سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار یاسر۔ براء بن عازب۔ ابی بن کعب اور ابوسفیان قابل ذکر ہیں (تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۳۷۵)

چونکہ حضرت علی خلافت منصوصہ کے مقابل سقیفائی خلافت کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ لہٰذا خانہ فاطمہ میں گوشہ نشین ہوگئے۔ اس پر حضرت عمر آگ اور لکڑیاں لے کر آئے اور کہا کہ گھر سے نکلو۔ ورنہ ہم آگ لگا دیں گے۔ یہ سن کر فاطمہ دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا کہ اس گھر میں رسول کے نواسے حسنین بھی موجود ہیں۔ کہا ہونے دیجیئے (تاریخ طبری و الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۱۲) اس کے بعد برابر شور و غل ہوتا رہا اور علی کو گھر سے باہر نکالنے کا مطالبہ ہوتا رہا۔ مگر علی نہ نکلے۔ فاطمہ کے گھر کو آگ لگا دی گئی۔ جب شعلے بلند ہونے لگے تو فاطمہ دوڑ کر دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا۔ ارے میرے باپ کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ سن کر فاطمہ کے اوپر دروازہ گرا دیا گیا۔ جس کے باعث معصومہ کے شکم پر ضرب لگی اور فاطمہ کے بطن میں محسن نامی بچہ شہید ہوگیا۔ (کتاب الملل والنحل شہرستانی طبع مصر صفحہ ۲۰) علامہ ملا معین کاشفی لکھتے ہیں کہ بداں مرض فاطمہ از جہاں رحلت فرمود۔ فاطمہ اسی ضرب حضرت عمر سے رحلت کر گئیں۔ ملاحظہ ہو معارج النبوۃ رکن چہار باب ۳ صفحہ ۲۴ ۔ اس کے بعد یہ لوگ حضرت فاطمہ کے گھر میں داخل ہوگئے اور علی کو گرفتار کر کے ان کے گلے میں رسی باندھی (ابن ابی الحدید) اور لے کر دربار خلافت میں پہنچے اور کہا کہ بیعت کرو۔ ورنہ خدا کی قسم، تمہاری گردن مار دیں گے۔ حضرت علی نے کہا "تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور کس قاعدہ اور کس بنیاد پر مجھ سے بیعت لے رہے ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا" (الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۱۳) اس کے بعد حضرت فاطمہ کو اطلاع ملی کہ آپ کی وہ جائیداد جس کا نام

فدک تھا جو بحکم خدا بدست رسول ہاتھ آئی تھی اور جس کی آمدنی فقراء و مساکین پر ہمیشہ سے خرچ ہوتی آئی ،
جس کا محل وقوع مدینہ منورہ سے شمال کی طرف دو سو میل ہے پر خلیفہ وقت نے قبضہ کر لیا ہے (معجم البلدان
صحیح بخاری۔ الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۸۸) یہ معلوم کر کے آپ حد درجہ غضبناک ہوئیں (بخاری)
اور یہ معلوم کر کے اور زیادہ رنجیدہ ہوئیں کہ ایک فرضی حدیث غصب فدک کے جواز میں گھڑلی ہے۔ الغرض
آپ نے دربار خلافت میں اپنا مطالبہ پیش کیا اور انکار ہبہ بطور ثبوت حضرت علی حضرت امام حسن امام حسین
ام ایمن۔ ام کلثوم اور رباح کو گواہی میں پیش کیا۔ لیکن سب کی گواہیاں مسترد کر دی گئیں (کتاب
الاکشاف۔ انسان العیون صواعق صفحہ ۳۲) ایک روایت کی بنا پر حضرت ابوبکر نے ہبہ کا تصدیق نامہ
لکھ کر فاطمہ کو دے دیا۔ وہ لے کر جانے ہی والی تھیں کہ ناگاہ حضرت عمر آ گئے۔ پوچھا۔ کیا ہے؟ کہا
تصدیق ہبہ نامہ۔ آپ نے وہ خط ہاتھ سے لے کر چاک کر ڈالا اور بروایتے زمین پر پھینک کر اس پر
تھوک دیا اور پاؤں سے رگڑ ڈالا (سیرت حلبیہ صفحہ ۱۸۵) اور مقدمہ خارج کرا دیا (انسان العیون جلد ۳ صفحہ ۴۰۰
طبع مصر) اسی سلسلہ میں آپ کا خطبہ لمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے تھوڑے دن بعد حضرت ابوبکر
اور حضرت عمر امیر المومنین حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے فاطمہ کو ناراض کیا ہے
ہمارے ساتھ چلیے۔ ہم ان سے معافی مانگ لیں۔ حضرت علی ان کو ہمراہ لے کر آئے اور فرمایا۔ اے
فاطمہ۔ یہ دونوں پہلے آئے تھے اور تم نے انہیں اپنے مکان میں گھسنے نہیں دیا۔ اب مجھے لے کر آئے
ہیں۔ اجازت دو کہ داخل خانہ ہو جائیں۔ حکم علی سے اجازت تو دے دی جب یہ داخل خانہ ہوئے، تو
فاطمہ نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب تک نہ دیا۔ اور فرمایا۔ خدا کی قسم! تا زندگی نماز کے بعد تم
پر بددعا کرتی رہوں گی۔ غرض کہ فاطمہ نے معاف نہ کیا۔ اور یہ لوگ مایوس گئے (الامامت والسیاست مؤلفہ
ابن ابی قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ جلد ا صفحہ ۱۴) امام بخاری کہتے ہیں کہ فاطمہ نے تاحیات ان لوگوں سے کلام
نہیں کیا اور غضبناک ہی دنیا سے رحلت کر گئیں۔

آپ کی علالت

ہم اوپر بحوالہ علامہ شہرستانی و علامہ کاشانی تحریر کر آئے ہیں کہ حضرت عمر نے سیدۃ النساء
حضرت فاطمہ پر دروازہ گرا دیا تھا۔ اور شکم مبارک پر ضرب لگائی تھی جس کی وجہ سے اسقاط حمل ہوا تھا اور
اسی سبب سے آپ علیل ہوئیں اور بالآخر وفات پا گئیں۔ اب آپ کی خدمت میں ڈپٹی نذیر احمد کی
تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

جو شخص (وفات رسول) سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال کر چکی
تھیں اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب ہی تھے۔ اور باپ بھی کیسے دین و دنیا کے

بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھنا، اس پر حضرت علی کی خلافت سے محروم رہنا، ترکہ پدری، فدک کا دعوےٰ کرنا اور مقدمہ ہار جانا...... انہیں رنجوں میں گھل گھل کر انتقال فرما گئیں (روپائے صادقہ) آپ اس قدر روئیں کہ اہل محلہ متاذی ہونے لگے۔ بالآخر حضرت علیؑ نے آپ کے رونے کے لئے مدینہ سے باہر "بیت الاحزان" بنوا دیا تھا۔ (انوار الحسینیہ صفحہ ۴۴ طبع بمبئی)

حالات سے متاثر ہو کر حضرت سیدہ نے اپنے والد بزرگوار کا جو مرثیہ کہا ہے اسکا ایک شعر یہ ہے۔

صبت علی مصائب لو انها صب علی الایام صرن لیالیا

ترجمہ:۔ ابا جان آپ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبت پڑی کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں، تو مثل شب کے تاریک ہو جاتے (نور الابصار صفحہ ۴۶ و مدارج جلد ۲ صفحہ ۵۲۴)

آپ کی وصیت

فاطمہ زہرا نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ اے اسماء مجھے مسلمانوں کی عورتوں کی میت لے جانا پسند نہیں ہے۔ یہ تختے پر لٹا کر کپڑا ڈال کرے جاتے ہیں اسماء نے کہا میں حبشہ میں بہت اچھا تابوت دیکھ آئی ہوں۔ فرمایا۔ اس کی نقل بنا دو۔ اسماء نے تابوت بانس کی قمچیوں سے تیار کیا۔ فاطمہ خوش ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو بلایا اور وصیت کی۔ آپ نے کہا۔ مجھے خود غسل دینا۔ کفن پہنانا۔ میرا جنازہ رات کو اٹھانا۔ جن لوگوں نے مجھے ستایا ہے۔ اُن کو میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دینا۔ میرے بعد شادی کرنا، تو ایک رات میرے بچوں کے پاس اور ایک رات اپنی بیوی کے پاس گذارنا۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ فاطمہ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنا چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا۔ اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں۔ (امہات الامۃ صفحہ ۹۹) علامہ عبد البر لکھتے ہیں کہ فاطمہ کی یہ وصیت تھی کہ عائشہ بھی شریک جنازہ نہ ہونے پائیں (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۲)

آپؑ کی وفات

دنیائے اسلام کے قدیم مورخ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ سرور کائناتؐ کی وفات کے بعد صرف ۷۵ دن زندہ رہ کر انتقال فرما گئیں (الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۴) علامہ بہائی کا جامع عباسی صفحہ ۷۹ میں بیان ہے کہ سنو دن بعد انتقال ہوا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات یوم یکشنبہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ھ ہے (انوار الحسینیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹ طبع نجف) آپ کے واقعہ وفات کے متعلق حضرت ابن عباس صحابی رسول کا بیان ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کی وفات کا وقت قریب آیا تو نہ معصومہ

کو بخار آیا اور نہ درد سر عارض ہوا۔ بلکہ آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ہاتھ پکڑے اور دونوں کو لے کر قبر رسولؐ پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر دونوں کو اپنے سینہ سے لگایا اور لپٹ کر فرمایا۔ اے میرے بچو! تم دونوں ایک ساعت اپنے باپ کے پاس بیٹھو۔ امیر المومنین اس وقت مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں سے گھر آئیں اور آنحضرت کی چادر اٹھائی۔ غسل کر کے حضرت کا بچا ہوا کفن یا لباس پہنا۔ بعد ازاں زوجہ حضرت جعفر طیار (اسماء) کو آواز دی۔ اسماء نے عرض کی۔ بی بی حاضر ہوتی ہوں۔ جناب فاطمہ نے فرمایا۔ اسماء تم میرے سے الگ نہ ہونا۔ میں ایک ساعت اس گھر میں لیٹنا چاہتی ہوں۔ جب ایک ساعت گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو مجھ کو تین آوازیں دینا۔ اگر میں جواب دوں تو اندر چلی آنا ورنہ سمجھ لینا، کہ میں رسول خدا سے ملحق ہو چکی ہوں۔ بعد ازاں رسول خدا کی جگہ پر کھڑی ہوئیں اور دو رکعت نماز پڑھی پھر لیٹ گئیں اور اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ سیدہ نے سجدہ ہی میں وفات پائی۔ الغرض جب ایک ساعت گذری تو اسماء نے جناب سیدہ کو آواز دی۔ اے حسنؑ و حسینؑ کی ماں اے دختر رسول خدا! مگر کچھ جواب نہ ملا۔ تب اسماء اس حجرہ میں داخل ہوئیں۔ کیا دیکھتی ہوں کہ وہ معصومہ رحلت کر چکی ہیں۔ اسماء نے اپنا گریبان پھاڑ لیا اور گھر سے باہر نکل پڑیں۔ حسنؑ و حسینؑ آپہنچے۔ پوچھا۔ اسماء ہماری اماں کہاں ہیں۔ عرض کی۔ حجرہ میں ہیں۔ شاہزادے حجرے میں پہنچے، تو دیکھا کہ مادر گرامی انتقال فرما چکی ہیں۔ شاہزادے روتے پیٹتے مسجد میں پہنچے۔ حضرت علی کو خبر دی۔ آپ صدمہ سے بے حال ہو گئے۔ پھر وہاں سے باحال پریشان گھر پہنچے۔ دیکھا کہ اسماء سرہانے بیٹھی رو رہی ہیں۔ آپ نے چہرہ انوار کھولا۔ سرہانے ایک رقعہ ملا جس میں شہادتین کے بعد وصیت پر عمل کا حوالہ تھا اور تاکید تھی کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن پہنانا۔ رات کے وقت دفن کرنا اور دشمنوں کو میرے دفن کی خبر نہ دینا۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی ان تمام اولادوں (سادات) کو سلام کرتی ہوں جو قیامت تک پیدا ہوں گی۔

جب رات ہوئی تو حضرت علی نے غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ نماز پڑھی اور جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا (زاد العقبیٰ ترجمہ مودۃ القربیٰ علی ہمدانی شافعی صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۹ طبع لاہور) ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسول کے درمیان دفن کیا گیا (انوار الحسنیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹) کتب مقاتل میں ہے کہ غسل کے وقت حضرت علی نے پشت و بازوئے فاطمہ پر دُرّہ عمری کا نشان دیکھا تھا اور چیخ مار کر روئے تھے صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت علی نے فاطمہ کو رات کے وقت دفن کر دیا ولم یوذن بہا ابابکر وصلی علیہا۔ ابوبکر وغیرہ کو شرکت جنازہ کی اجازت نہیں دی۔ پھر دفن کی بھی اطلاع نہیں دی اور نماز خود پڑھی۔ علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضرت علی نے جناب فاطمہ کی وصیت کے مطابق کیا تھا۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر وغیرہ سے ناراض ہو گئیں اور ان

نے ترک تعلق کر لیا اور مرتے دم تک بیزار رہیں۔ امام ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ خلفاء کو فاطمہ کی ناراضی کا علم تھا۔ وہ کوشش کرتے رہے کہ راضی ہو جائیں۔ ایک دفعہ معافی مانگنے کے لئے بھی گئے "فاستاذنا علی فاطمہ فلم تاذن" اور اذن حضوری چاہا۔ آپ نے ملنے سے انکار کر دیا اور ان کے سلام تک کا جواب نہ دیا۔ اور فرمایا۔ تا زندگی تم پر بد دعا کروں گی اور بابا جان سے تمہاری شکایت کروں گی۔

(و الامامت و السیاست جلد ۱ صفحہ ۱۴ طبع مصر)

آپ کا جنازہ

غسل و کفن کے بعد حضرت علی اپنی اولاد اور اپنے اعزا سمیت جنازہ لے کر روانہ ہوئے۔ بحار الانوار کتاب الفتن میں ہے کہ راستہ دیکھنے کے لئے ایک شمع ساتھ تھی۔ اور حضرت زینب جو کافی کمسن تھیں سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی اس سایہ میں چل رہی تھیں جو شمع کی وجہ سے تابوت کے نیچے زمین پر پڑ رہا تھا۔ مودۃ القربیٰ صفحہ ۱۲۹ میں ہے کہ حضرت علی جب جنت البقیع میں پہنچے تو ایک سمت سے آواز آئی اور کھدی کھدائی قبر نمایاں ہو گئی۔ حضرت علی نے اسی قبر میں حضرت فاطمہ کی لاش مطہر دفن کی۔ اور اس طرح زمین برابر کر دی کہ نشان قبر معلوم نہ ہو سکے۔ دلائل الامامۃ میں ہے کہ چونکہ قبر فاطمہ کے ساتھ بے ادبی کا اندیشہ تھا۔ اس لئے چالیس قبریں بنائی گئیں۔ اس کے باوجود لوگوں نے قبر کھود کر نماز جنازہ پڑھنے کی سعی کی۔ جس کے رد عمل میں حضرت علی ننگی تلوار لے کر زرد لباس پہنے ہوئے قبر پر جا بیٹھے۔ اس وقت آپ ع کے منہ سے کف جاری تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور آگے نہ بڑھ سکے۔ وفات کے وقت جناب سیدہ طاہرہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

نتیجہ

وفات رسول کے بعد جناب سیدہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا۔ اس پر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد ایل ایل ڈی مترجم قرآن مجید نے اپنی کتاب "رویائے صادقہ" میں نہایت مفصل اور مکمل تبصرہ فرمایا ہے جس کے آخری جملے یہ ہیں۔

"سخت افسوس ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب و لحاظ ہونا چاہیئے تھا اس میں ضعف آ گیا اور رشدہ رشدہ منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ چہ خوش فرمود شخصے ایک لطیفہ ۔ کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

آپ کے روضہ کا انہدام

علماء کا بیان ہے کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد آپ کی قبر مبارک پر روضہ کی تعمیر عمل میں آئی۔ میں کہتا ہوں کہ اب سے تقریباً ۳۰ سال قبل ابن سعود امیر سعودیہ عربیہ نے آپ کے روضہ مبارک کو جذبہ وہابیت سے متاثر ہو کر منہدم کر ڈالا۔ شیخ العراقین محمد رضا کا بیان ہے کہ ابن سعود نے مکہ میں ۹ اور مدینہ میں ۱۹ مقدس مقامات کو منہدم کرایا۔ جن میں خانہ سیدہ، روضہ سیدہ اور بیت الاحزان بھی تھے۔ ملاحظہ ہو انوار الحسینیہ جلد ۱ صفحہ ۵۴ طبع بمبئی ۱۳۴۶ھ

اَبُوالحَسَن

حضرت علی علیہ السلام

اَمیرُالمومنین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت علیؑ علیہ السّلام

اوصاف علی بہ گفتگو ممکن نیست، گنجائش بحر در سبو ممکن نیست!
من ذات علیؑ بواجبی کے دانم الّا دانم کہ مثل او ممکن نیست،

مولود کعبہ حضرت علی علیہ السّلام، ابو الایمان حضرت ابو طالب وجناب فاطمہ بنت اسد کے بیٹے، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ کے سہیم نور، داماد، بھائی، جانشین اور فاطمہ کے شوہر۔ امام حسنؑ وحسینؑ، زینب وام کلثوم کے پدر بزرگوار تھے۔ آپ جس طرح سرور کائنات کے نور میں شریک تھے۔ اسی طرح کار رسالت میں بھی شریک تھے۔ یوم ولادت سے لے کر تا بحیات پیغمبر اسلام مدار الہام کی حیثیت سے کارپرداز رہے۔ امور مملکت ہوں یا میدان جنگ۔ آپ ہر موقع پر تاجدار دو عالم کے پیش پیش رہے، عہد رسالت کے صحیح فتوحات کا سہرا آپؑ ہی کے سر رہا ہے۔ اسلام کی پہلی منزل (دعوت ذوالعشیر) سے لے کرتا ارتحال رسول آپ نے وہ کارہائے نمایاں کیئے۔ جو کسی صورت سے بھلائے نہیں جا سکتے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کا گوشت پوست رسول کا گوشت پوست تھا اور علی پیدا ہی کئے گئے تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے لئے۔

آپ کی ولادت

آپ کی نوری تخلیق، خلقت سرور کائنات کے ساتھ ساتھ پیدائش عالم وآدم سے بہت پہلے ہو چکی تھی لیکن انسانی شکل وصورت میں آپ کا ظہور و نمود ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء یوم جمعہ بمقام خانہ کعبہ ہوا۔ آپ کی ماں فاطمہ بنت اسد اور باپ ابو طالب تھے۔ آپ دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔ مؤرخین عالم نے آپ کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کے متعلق کبھی کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ "لم یولد قبلہ ولا بعدہ مولود فی بیت الحرام" آپ سے پہلے کوئی نہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوا ہے نہ ہو گا۔ اس کے بارے میں علماء نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے (مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳) تواریخ اسلام میں واقعہ ولادت یوں بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو جب درد زہ کی تکلیف محسوس ہوئی تو آپ خانہ کعبہ کے قریب ہو گئیں اور اس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے

ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں اور بارگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگیں۔ خدایا، میں مومنہ ہوں۔ تجھے ابراہیم خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے پیٹ میں ہے۔ میری مشکل آسان کر دے۔ ابھی دعا کے جملے ختم نہ ہونے پائے تھے کہ دیوار کعبہ شق ہو گئی اور فاطمہ بنت اسد داخلِ کعبہ ہو گئیں اور دیوار جوں کی توں ہو گئی۔ (مناقب صفحہ ۱۳۲، وسیلۃ النجات صفحہ ۶۰) ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ علی پیدا تو ہوئے لیکن انہوں نے آنکھ نہیں کھولی۔ ماں سمجھی کہ شاید بچہ بے نور ہے۔ مگر جب تیسرے دن سرورِ کائنات تشریف لائے۔ اور اپنی آغوشِ مبارک میں لیا تو حضرت علی نے آنکھیں کھول دیں اور جمالِ رسالت پر پہلی نظر پڑی۔ سلام کر کے تلاوتِ صحفِ آسمانی شروع کر دی۔ بھائی نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر اے علی جب تم ہمارے ہو تو میں بھی تمہارا ہوں فوراً منہ میں زبان دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں" وازز بان مبارک دوازدہ چشمہ کشودہ شد" زبان رسالت سے دہن امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے اور علی اچھی طرح سیراب ہو گئے۔ اسی لئے اس دن کو "یوم الترویہ" کہتے ہیں کیونکہ ترویہ کے معنی سیرابی کے ہیں (کشف الغمہ صفحہ ۳۲)

الغرض حضرت علی خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے اور اس کے در پر علی کے نام کا بورڈ نصب کر دیا گیا جو ہشام ابن عبد الملک کے زمانہ تک لگا رہا۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر اور مختون پیدا ہوئے۔ آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور آپ کی پیشانی کبھی بت کے سامنے نہیں جھکی۔ اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" لکھا جاتا ہے (نور الابصار صفحہ ۷۶، صواعق محرقہ صفحہ ۷۲)

آپ کا نامِ نامی

مورخین کا بیان ہے کہ آپ کا نام جناب ابوطالب نے اپنے جد اعلیٰ جامع قبائل عرب "قصی" کے نام پر "زید" اور ماں فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر "اسد" اور سرورِ کائنات نے خدا کے نام پر "علی" رکھا۔ نام رکھنے کے بعد ابوطالب اور بنت اسد نے کہا۔ حضور! ہم نے ہاتف غیبی سے یہی نام سنا تھا (روضۃ الشہدا اور کفایۃ الطالب) آپ کا ایک مشہور نام حیدر بھی ہے جو آپ کی ماں کا رکھا ہوا ہے جس کی تصدیق اس رجز سے ہوئی ہے جو آپ نے مرحب کے مقابلہ میں پڑھا جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؏ انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ اس نام کے متعلق روایتوں میں یہ ہے کہ جب آپ جھولے میں تھے۔ ایک دن ماں کہیں گئی ہوئی تھیں۔ جھولے پر کالا سانپ جا چڑھا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کو پکڑ لیا اور کلہ کو چیر پھینکا۔ ماں نے واپس ہو کر یہ ماجرا دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھیں۔ یہ میرا بچہ حیدر ہے۔

کنیت و القاب

آپ کی کنیت و القاب بے شمار ہیں۔ کنیت میں ابوالحسن اور ابوتراب اور القاب میں امیر المومنین۔ المرتضیٰ۔ اسد اللہ۔ ید اللہ۔ نفس اللہ۔ حیدر کرار نفس رسول اور ساقی کوثر مشہور ہیں۔

آپ کی پرورش و پرداخت

آپ کی پرورش رسولِ اکرمؐ نے کی پیدا ہوتے ہی گود میں لیا۔ منہ میں زبان

دی اور دودھ کے بجائے لعاب دہن رسول سے سیراب ہو کر "لحمک لحمی" کے حقدار بنے (سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۸) اسی دوران میں جب کہ آپ سرور کائنات کے زیر سایہ عارضی طور پر پرورش پا رہے تھے۔ مکہ میں شدید قحط پڑا۔ ابو طالب کے ہاں چونکہ اولاد زیادہ تھی۔ اس لئے حضرت عباس اور سرور کائنات ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو راضی کر کے حضرت علی کو اپنے پاس مستقل لے آئے اور عباس نے بھی جعفر طیار کو لے لیا۔ حضرت علی سرور کائنات کے پاس رات دن رہنے لگے۔ حضور اکرم نے جملہ نعمات الٰہی سے بہرہ ور کر دیا اور ہر قسم کی تعلیمات سے بھرپور بنا دیا۔ یہاں تک کہ علی تمام خداوقت بازوئن کریم بعثت ۲۷ رجب کو کل ایمان کی صورت میں ابھرے اور حضور کی تائید کر کے اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔

اظہار ایمان

مسلمانوں میں اکثر یہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا۔ اور اس سلسلہ میں حضرت علی کا نام بھی آجاتا ہے۔ حالانکہ آپ موضوع بحث سے خارج ہیں کیونکہ زیر بحث وہ لائے جا سکتے ہیں جو یا تو مسلمان ہی نہ رہے ہوں اور تمام عمر شرک و بت پرستی میں گذاری ہو۔ جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان وغیرہم۔ یا تو مسلمان تو رہے ہوں اور دین ابراہیم پر چلتے بھی رہے ہوں لیکن اسلام ظاہر نہ کر سکے ہوں جیسے حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار اور ابو ایمان حضرت ابو طالب وغیرہم۔ ایسی صورت میں اوّل الذکر حضرات کو کہا جائے گا کہ اسلام قبول کیا اور آخر الذکر کے لئے کہا جائے گا کہ اسلام ظاہر کیا۔ اب رہ گئے حضرت علی۔ یہ کعبہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوئے کل مولود یولد علی مطہرۃ الاسلام رسول اسلام کی گود میں آنکھ کھولی۔ لعاب دہن رسول سے پرورش پائی۔ آغوش رسالت میں پلتے رہے۔ بڑھے۔ دس سال کی عمر میں بوجہ ضرورت اعلان ایمان کیا۔ رسول کے داماد قرار پائے۔ میدان جنگ میں کامیابیاں حاصل کر کے "کل ایمان" بنے۔ پھر امیر المومنین کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

فاضل معاصر تاریخ آئمہ میں لکھتے ہیں کہ علمائے محققین نے بتصریح لکھا ہے کہ حضرت علی تو کبھی کافر رہے ہی نہیں کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسول خدا کی کفالت میں اسی طرح رہے جس طرح خود حضرت کی اولاد رہی تھی اور کل امور میں حضرت کی پیروی کرتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام کی طرف بلایا جاتا اور جس کے بعد کہا جاتا کہ آپ مسلمان ہو جائیں (سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹) مسعودی کہتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے رسول کے تابع تھے۔ خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ آپ کے لئے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۶۸) حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے اس امت میں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی اور سب سے پہلے آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴) پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے چشم زدن کے لئے بھی کفر اختیار نہیں کیا (سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)

حلیہ مبارک

آپ کا رنگ گندمی۔ آنکھیں بڑی۔ سینہ پر بال۔ قد میانہ۔ ڈاڑھی بڑی اور دونوں شانیں کہنیاں اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپ کے پاؤں کے پٹھے زبردست شیر کے کندھوں کے مانند آپ کے کندھوں کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ آپ کی گردن صراحی دار اور آپ کی شکل نہایت پُر صنعت اور حسین تھی۔ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے۔

آپ کی شادی خانہ آبادی

آپ کی شادی ۲ھ میں حضور اکرم کی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ زہرا سے ہوئی۔ آپ کے گھر میں لونڈی غلام اور خدمت گار نہ تھے۔ باہر کا کام آپ خود اور آپ کی والدہ محترمہ کرتی تھیں اور امور خانہ داری کے فرائض جناب فاطمہ زہرا انجام دیتی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ رشتہ عام رشتوں کی حیثیت سے دیکھا جائے لیکن درحقیقت اس میں ایک اہم قدرتی راز مضمر ہے اور اس کا انکشاف اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ علی کے علاوہ فاطمہ کا ساری دنیا میں رہتی دنیا تک کفو نہیں ہو سکتا۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی کے ساتھ کر دوں اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہر نبی کی نسل اس کے صلب میں ہوتی ہے لیکن میری نسل صلب علی میں قرار دی گئی ہے (صواعق محرقہ ص۷۴) ان تمام اقوال کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علی اور فاطمہ کا رشتہ نسل نبوت کی بقا اور دوام کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ پیغام رشتہ دے کر کامیاب نہیں ہو سکے۔ جن کی بنیاد نجاست کفر پر استوار ہوئی۔ اور جن کی انتہا گندگی نفاق پر ہوئی۔

سرداری اور سیادت علی کی صفت ذاتی ہے

سرور کائنات سے اتحاد ذاتی اور اشتراک نوری کی بنا پر حضرت علی کی سیادت مسلم ہے جو مدارج کرم حضور اکرم کو نصیب ہوئے انہیں سے ملتے جلتے حضرت علی کو بھی ملے۔ سیادت جس طرح سرور کائنات کے لئے ذاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کے لئے بھی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ غدیر کے موقع پر خطبہ سے فراغت کے بعد امیر المؤمنین حضور اکرم کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا۔ مرحبا بسید المسلمین وامام المتقین اے مسلمانوں کے سردار اور اے پرہیزگاروں کے امام تمہیں جانشینی مبارک ہو۔ اس ارشاد پر اظہار خیال کرتے ہوئے علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں لکھا ہے، کہ حضرت کی سیادت مسلمین اور امامت متقین جس طرح صفت ذاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کے لئے صفت ذاتی ہے۔ خدا نے اپنا نفس قرار دے کر رسول نے اپنا نفس فرما کر علی کی شرف سیادت کو بام عروج پر پہنچایا۔ کیونکہ جس طرح اصلیہ نبویہ میں نفس نبوت مشارک ہے۔ اسی طرح اصلیہ سیادت میں بھی نفس شریک ہے۔ اس لئے حضور اکرم حضرت علی کو سید العرب، سید المومنین، سید المرسلین فرمایا کرتے تھے (مطالب السؤل صفحہ ۵۶/۵۰) اور حضرت فاطمہ کو سیدۃ النساء العالمین اور ان کے فرزندوں کو سید شباب اہل الجنۃ کے الفاظ سے

یاد کیا کرتے تھے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ علی وفاطمہ کی باہمی مناکحت و مزاوجت نے صفت سیادت کو دائمی فروغ دے دیا ہے یعنی جو بنی فاطمہ ہیں۔ ان کا درجہ اور ہے۔ اور جو اولاد علی ہیں۔ ان کی حیثیت اور ہے کیونکہ بنی فاطمہ سلسلہ نسل نبوت کی ضمانت ہیں۔

ماں کی وفات

آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ بنت اسد نے ۱ بعثت میں اظہار اسلام کیا۔ آپ ۱ھ میں شرف ہجرت سے مشرف ہوئیں ۲ھ میں آپ نے اپنے نور نظر کو رسول کی لخت جگر سے بیاہ دیا اور ۴ھ میں انتقال فرما گئیں۔ آپ کی وفات سے حضرت علی بے انتہا متاثر ہوئے اور آپ سے زیادہ رسول اکرم کو رنج ہوا۔ رسول کریم حضرت علی کی والدہ کو اپنی ماں فرماتے تھے اور اکثر ان کے ہاں جا کر رہا کرتے تھے۔ انتقال کے بعد آپ نے قبر کھودنے میں خود حصہ لیا۔ اپنی چادر اپنے کرتے کو شریک کفن کیا اور قبر میں لیٹ کر اس کی کشادگی کا اندازہ کیا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۷ فصول مہمہ صفحہ ۱۵ و صابہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰۔ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۱۵

آپ کے والد ماجد کا انتقال

آپ کے والد ماجد ابوالایمان حضرت ابوطالب ۵۳۵ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ آپ کی بنیاد دین فطرت پر تھی۔ (امہات الامۃ صفحہ ۱۴۷) آپ نے حضرت علی کو ہدایت کی تھی کہ رسول کا ساتھ نہ چھوڑنا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶۰) آپ ہی کی ہدایت سے حضرت جعفر طیار نے حضور اکرم کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کی تھی (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) عبدالمطلب کے انتقال کے وقت ۵۷۸ء میں جب کہ رسول کریم کی عمر ۸ سال تھی۔ آپ نے ان کی پرورش اپنے ذمہ لے لی اور ۴۵ سال کی عمر تک محو خدمت رہے۔ اسی عمر میں غالباً ۵۹۴ء میں آپ نے رسول کریم کی شادی جناب خدیجہ سے کر دی اور خطبہ نکاح خود پڑھا (سنی المطالب صفحہ ۴۳ طبع مصر، تاریخ خمیس مواہب لدنیہ) آپ کا انتقال ۱۵ ارشوال ۱۰ بعثت میں بعمر ۸۰ سال ہوا۔ آپ کے انتقال سے حضرت علی کو بے انتہا رنج ہوا۔ اور رسول اللہ بھی بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے انتہائی تاثر کی وجہ سے اس سال کا نام "عام الحزن" رکھا ابوطالب کو اسلامی اصول پر دفن کیا گیا (تاریخ خمیس سیرت حلبیہ)

حضرت علی کے جنگی کارنامے

علماء کا اتفاق ہے کہ علم اور شجاعت جمع نہیں ہو سکتے لیکن حضرت علی کی ذات نے اسے واضح کر دیا کہ میدان علم اور میدان جنگ، دونوں پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انسان میں وہی صلاحیتیں ہوں جو قدرت کی طرف سے حضرت علی میں ودیعت کی گئی تھیں ۲ھ سے لے کر عہد وفات پیغمبر اسلام تک نظر ڈالی جائے تو علی کے جنگی کارنامے اوراق تاریخ پر روشن نظر آئیں گے جنگ احد ہو یا بدر، جنگ خندق ہو یا خیبر۔ حنین ہو یا اور کوئی معرکہ ہر منزل میں، ہر موقع پر علی کی ذوالفقار چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ شاھد ہے کہ علی کے مقابلہ میں کوئی بہادر ٹکا ہی نہیں۔ آپ کی تلوار نے مرحب و عنتر، عمر ابن عبدود جیسے بہادر دل

کو دم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا (جنگ کے واقعات گذر چکے ہیں) باور کرنا چاہیئے کہ علی سے مقابلہ جس طرح انسان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح آپ سے نبرد آزمائی جنوں کے بھی بس میں نہ تھی۔

جنگ بیر العلم

مناقب ابن آشوب جلد ۲ صفحہ ۹۰ و کنز الواعظین صالح برغانی میں بحوالہ امام المحققین الحاج محمد تقی النقوی بتوسل حضرت امام حسن عسکریؑ وابو سعید خدری و حذیفہ یمانی مرقوم ہے کہ رسول خدا صلعم جنگ سلاسل سے واپسی میں ایک آباد وادی سے گذرے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے۔ عمر بن امیہ ضمری نے کہا اسے وادی کثیب ازرق کہتے ہیں۔ اس جگہ ایک کنواں ہے جس میں وہ جن رہتے ہیں جن پر جناب سلیمان کو قابو نہیں حاصل ہو سکا۔ ادھر سے تبع یمانی گذرا تھا۔ اس کے دس ہزار سپاہی انہیں جنوں نے مار ڈالے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر ایسا ہے تو پھر یہیں ٹھہر جاؤ۔ قافلہ ٹھہرا۔ آپ نے فرمایا کہ دس آدمی جا کر جنوں کے کنوئیں سے پانی لائیں۔ جب یہ لوگ کنوئیں کے قریب پہنچے تو ایک زبردست عفریت برآمد ہوا۔ اور اس نے ایک زبردست آواز دی۔ سارا جنگل آگ کا بن گیا۔ دھرتی کانپنے لگی۔ سب صحابی بھاگ نکلے لیکن ابو العاص صحابی پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اتنے میں جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے سرور کائنات سے کہا کہ کسی اور کو بھیجنے کے بجائے آپ "علم" دے کر ابن ابی طالب کو بھیجئے۔ علی روانہ ہوئے۔ رسول نے دست دعا بلند کیا۔ علی پہنچے۔ عفریت برآمد ہوا اور بڑے غصہ میں رجز پڑھنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ میں علی ابن ابی طالب ہوں، میرا شیوہ، میرا عمل سرکشوں کی سرکوبی ہے۔ یہ سن کر آپ پر اس نے زبردست کرتی حملہ کیا۔ آپ نے وار خالی دے کر اسے ذوالفقار سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے بعد آگ کے شعلے اور دھوئیں کے طوفان کنوئیں سے برآمد ہوئے اور زبردست شور مچا اور بے شمار ڈراؤنی شکلیں سامنے آگئیں۔ علیؑ نے "کُونِی بَرْدًا سلامًا" کہا اور چند آیتیں پڑھیں۔ آگ بجھنے لگی۔ دھواں ہوا ہونے لگا۔ حضرت علی کنوئیں کی جگت پر چڑھ گئے اور ڈول ڈال دیا۔ کنوئیں سے ڈول باہر پھینک دیا گیا۔ حضرت علی نے رجز پڑھا اور کہا کہ مقابلہ میں آجاؤ۔ یہ سن کر ایک عفریت برآمد ہوا۔ آپ نے اسے قتل کیا۔ پھر کنوئیں میں ڈول ڈالا وہ بھی باہر پھینک دیا گیا۔ غرضیکہ اسی طرح سے تین بار ہوا۔ بالآخر آپ نے اصحاب سے کہا کہ میں کمر میں رسی باندھ کر کنوئیں میں اترتا ہوں تم رسی پکڑے رہو۔ اصحاب نے رسی پکڑ لی اور علی کنوئیں میں اترے۔ تھوڑی دیر بعد رسی کٹ گئی اور علی واصحاب کے مابین رشتہ منقطع ہو گیا۔ اصحاب سخت پریشان ہوئے اور گریہ کرنے لگے اتنے میں کنوئیں سے چیخ و پکار کی آواز آنے لگی اس کے بعد یہ صدا آئی اعطنا الامان اے علی ہمیں پناہ دو۔ آپ نے فرمایا کہ قطع و برید اور ضرب شدید کلمہ پر موقوف ہے۔ کلمہ پڑھو، امان لو۔ غرضیکہ کلمہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد رسی ڈالی گئی۔ اور امیر المومنین ۲۴ ہزار جنوں کو قتل کر کے ۴۴ ہزار قبائل کو مسلمان بنا کے کنوئیں سے برآمد ہوئے۔ اصحاب نے مسرت کا اظہار کیا اور سب کے سب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرمؐ نے علیؑ کو سینے سے لگایا۔ ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور مبارکباد سے ہمت افزائی فرمائی۔ پھر ایک رات قیام کے بعد مدینہ کو

روانگی ہوئی (دمعہ ساکبہ صفحہ ۶، طبع ایران وشواہد النبوت علامہ جامی رکن ۶ صفحہ ۱۶۵ طبع لکھنؤ ۱۹۰۲ء)

اسلام پر علیؑ کے احسانات

اسلام پر علی کے احسانات کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہے کہ ہم اسے اس مختصر مجموعہ حالات میں لکھ سکیں۔ تاہم "مشتے زخروارے" لکھے دیتے ہیں (۱) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جس جگہ رسول اکرم کو تقریر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے ایسی جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا کہ پیغمبر اسلام کامیاب ہو گئے اور آپ نے اسلام کا ڈنکا بجا دیا (۲) شب ہجرت فرش رسول پر سو کر اسلام کی قسمت بیدار کر دی۔ اور جان جوکھم میں ڈال کر غار میں تین یوم کھانا پہنچایا (۳) جنگ بدر میں جب کہ مسلمان صرف ۳۱۳ اور کفار بے شمار تھے۔ آپ نے کمال جرأت وہمت سے کامیابی حاصل کی (۴) احد میں جب مسلمان سرور عالم کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس وقت آپ ہی نے رسول اکرم کی جان بچائی اور اسلام کی عزت محفوظ کر لی تھی (۵) کفار جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی عمرو بن عبدود جیسے بہادر کو لے کر میدان میں آپہنچے اور اسلام کو چیلنج کر دیا۔ پیغمبر اسلام پریشان تھے اور مسلمانوں کو بار بار ابھار رہے تھے کہ مقابلہ کے لئے نکلیں لیکن علی کے سوا کسی نے ہمت نہ کی۔ بالآخر رسول اللہ کو کہنا پڑا کہ آج علی کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے بہتر ہے (۶) اسی طرح خیبر میں کامیابی حاصل کر کے آپ نے اسلام پر احسان فرمایا (۷) میرے خیال کے مطابق حضرت علیؑ کا اسلام پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ وفات رسول کے بعد روح فرسا واقعات اور جان لیوا حالات کے باوجود آپ نے تلوار نہیں اٹھائی۔ ورنہ اسلام منزل اول پر ہی ختم ہو جاتا۔

دنیا حضرت علی کی نگاہ میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دنیا اور امور دنیا سے حد درجہ بیزار تھے۔ آپ نے دنیا کو مخاطب کر کے بارہا کہا ہے کہ "اے دنیا غزی غیری" جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے۔ میں نے تجھے طلاق بائن دے دی ہے جس کے بعد رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی نے جابر ابن عبداللہ انصاری کو لمبی سانس لیتے ہوئے دیکھا، تو پوچھا۔ اے جابر! کیا یہ تمہاری ٹھنڈی سانس دنیا کے لئے ہے۔ عرض کی مولا! ہے تو ایسا ہی، آپ نے فرمایا۔ جابر سنو! انسان کی زندگی کا دارومدار سات چیزوں پر ہے اور یہی سات چیزیں وہ ہیں جن پر لذتوں کا خاتمہ ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے (۱) کھانے والی چیزیں (۲) پینے والی چیزیں (۳) پہننے والی چیزیں (۴) لذت نکاح والی چیزیں (۵) سواری والی چیزیں (۶) سونگھنے والی چیزیں (۷) سننے والی چیزیں۔ اے جابر۔ اب ذرا ان کی حقیقتوں پر غور کرو کھانے میں بہترین چیز شہد ہے۔ یہ مکھی کا لعاب دہن ہے اور بہترین پینے کی چیز پانی ہے۔ یہ زمین پر مارا مارا پھرتا ہے۔ بہترین پہننے کی چیز دیباج ہے یہ کیڑے کا لعاب ہے اور بہترین منکوحات عورت ہے۔ جس کی حد، پیشاب کا مقام ہوتا ہے دنیا اس کی جس چیز کو اچھی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ وہی ہے جو اس کے جسم میں سب سے گندی ہے۔

اور بہترین سواری کی چیز گھوڑا ہے جو قتل و قتال کا مرکز ہے اور بہترین سونگھنے کی چیز مشک ہے جو ایک جانور کے ناف کا سوکھا ہوا خون ہے اور بہترین سننے کی چیز غنا (گانا) ہے جو انتہائی گناہ ہے۔ اے جابر ایسی چیزوں کے لئے عاقل کیوں ٹھنڈی سانس لے۔ جابر کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد سے میں نے کبھی دنیا کا خیال تک نہیں کیا (مطالب السئول صفحہ ۱۹۱)

کسب حلال کی جدوجہد

آپ کے نزدیک کسب حلال بہترین صفت تھی جس پر آپ خود بھی عمل پیرا تھے۔ آپ روزی کمانے کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور مزدوری کو نہایت اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محدث دہلوی کا بیان ہے کہ حضرت علی نے ایک دفعہ کنوئیں سے پانی کھینچنے کی مزدوری کی اور اجرت کے لئے فی ڈول ایک خرمہ کا فیصلہ ہوا۔ آپ نے ۱۶ ڈول پانی کے کھینچے اور اجرت لے کر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے مل کر تناول فرمایا۔ اسی طرح آپ نے مٹی کھودنے اور باغ میں پانی دینے کی بھی مزدوری کی ہے۔ علامہ محب طبری کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت علی نے باغ سینچنے کی مزدوری کی اور رات بھر پانی دینے کے لئے جو کی ایک مقدار طے ہوئی۔ آپ نے حسب فیصلہ ساری رات پانی دے کر صبح کی اور جو حاصل کرکے آپ گھر تشریف لائے۔ جو فاطمہ زہرا کے حوالے کئے انہوں نے اس کے تین حصے کر ڈالے اور تین دن کے لئے علیحدہ علیحدہ رکھ لیا۔ اس کے بعد ثلث حصہ کو پیس کر شام کے وقت روٹیاں پکائیں۔ اتنے میں ایک یتیم آگیا اور اس نے مانگ لی۔ پھر دوسرے دن ثلث کی روٹیاں تیار کی گئیں مسکین نے سوال کیا اور سب روٹیاں لے گیا۔ پھر تیسرے دن روٹیاں تیار ہوئیں۔ اس نے آواز دی۔ اور لے گیا۔ یہ سب کے سب تینوں دن بھوکے ہی رہے۔ اس کے انعام میں خدا نے سورہ ھل اتیٰ نازل فرمائی (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۷)

حضرت علی اخلاق کے میدان میں

آپ نہایت خوش اخلاق تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ روشن رو اور کشادہ پیشانی رہا کرتے تھے۔ یتیم نواز تھے۔ فقیروں میں بیٹھ کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ مومنوں میں اپنے کو حقیر اور دشمنوں میں اپنے کو بارعب رکھتے تھے۔ مہمانوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ کار خیر میں سبقت کرتے تھے جنگ میں دوڑ کر شامل ہوتے تھے۔ ہر مستحق کی امداد فرماتے تھے۔ ہر کافر کے قتل پر تکبیر کہتے تھے۔ جنگ میں آپ کی آنکھیں خون کی مانند ہوتی تھیں۔ عبادت خانہ میں انتہائی خضوع اور خشوع کی وجہ سے بے حس معلوم ہوتے تھے۔ ہر رات کو وہ ہزار رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔ اپنے عیال و اطفال کو امور خانہ داری میں مدد دیتے تھے ضروریات خانگی بازار سے خود خرید کر لاتے تھے۔ اپنے لباس کو بدست خود پیوند لگاتے تھے۔ اپنی نیز رسول کریم کی جوتی خود ٹانکتے تھے۔ ہر روز دنیا کو تین طلاق دیتے تھے۔ ستر من آرد جو نو غلام اپنی مزدوری سے خرید کر آزاد کرتے تھے (جنات الخلود) کتاب ارجح المطالب صفحہ ۲۰۱ میں ہے کہ حضرت علی حضور اکرم کی طرح

کشادہ رُو ہنسنے والے اور خوش طبع تھے اور مزاح بھی فرمایا کرتے تھے ۔

حضرت علیؑ خلاّقِ عالم کی نظر میں

(۱) خلاق عالم نے خلقت کائنات سے قبل نور علوی کو نور نبوی کے ساتھ پیدا کیا (۲) پھر مسجود ملائکہ قرار دیا (۳) پھر جبریل کا استاد بنایا (۴) پھر انبیاء کے ساتھ اپنی طرف سے مددگار بنا کر بھیجا (حدیث قدسی و مدینہ معاجز صفحہ ۹ طبع ایران (۵) اپنے مخصوص گھر خانہ کعبہ میں علی کو پیدا کیا (۶) عصمت سے بہرہ ور فرمایا (۷) آپ کی محبت دنیا والوں پر واجب قرار دی (۸) رسول اکرم کا خود جانشین بنایا (۹) معراج میں اپنے حبیب سے انہی کے لہجہ میں کلام کیا (۱۰) ہر اسلامی جنگ میں ان کی مدد کی (۱۱) آسمان سے علی کے لیئے ذوالفقار نازل فرمائی (۱۲) علی کو اپنا نفس قرار دیا (۱۳) علم لدنی سے ممتاز کیا (۱۴) فاطمہ کے ساتھ عقد کا خود حکم دیا (۱۵) مبلغ سورۂ برات بنایا (۱۶) مدح علی میں کثیر آیات نازل فرمائی (۱۷) علی کو انتہائی صبر و ضبط دے کر رسول کے بعد فوری تلوار اٹھانے سے روکا ۔

علیؑ کی شان میں مشہور آیات

(۱) آیۃ تطہیر (۲) آیۃ صالح المومنین (۳) آیۃ ولایت (۴) آیۃ مباہلہ (۵) آیۃ نجویٰ (۶) آیۃ واعطیہ (۷) آیۃ اطعام (۸) آیۃ بلغ ۔

تفصیل کے لیئے روائح القرآن ملاحظہ ہو ۔

حضرت علیؑ رسولِ خداؐ کی نگاہ میں

فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کے کعبہ میں پیدا ہوتے ہی منہ میں اپنی زبان دی ۔ (۲) علی کو اپنا لعاب دہن چوسایا (۳) پرورش و پرداخت خود کی (۴) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جب کہ علی کی عمر ۱۳ سال تھی ۔ اپنا وصی جانشین اور خلیفہ بنایا (۵) دامادی کا شرف بخشا بت شکنی کے وقت علیؑ کو اپنے کندھوں پر سوار کیا (۷) جنگ خندق میں آپ کے کل ایمان ہونے کی تصدیق کی ۔ علم و حکمت سے بہرہ ور کیا ۔ (۸) امیر المومنین کا خطاب دیا (۹) آپ کی محبت ایمان اور آپ کا بغض کفر قرار دیا (۱۰) علی کو اپنا نفس قرار دیا ۔ (۱۱) شب ہجرت آپ کو جگہ دی اور آپ پر پورا بھروسہ کر کے فرمایا کہ امانت وغیرہ تم ادا کرنا (۱۲) علی کو مخصوص قرار دیا کہ وہ غار میں کھانا پہنچائیں (۱۳) ۱۸ ذی الحجہ کو آپ کی خلافت کا ایک لاکھ ۲۴ ہزار اصحاب کے مجمع میں بمقام غدیر خم اعلان فرمایا (۱۴) وفات کے قریب جانشینی کی دستاویز لکھنے کی سعی کی (۱۵) آپ کی مدح و شان میں بے شمار احادیث فرمائیں (۱۶) آپ کو حکم دیا کہ میرے بعد فوری جنگ نہ کرنا ۔

علی کی شان میں مشہور احادیث

(۱) حدیث مدینہ (۲) حدیث سفینہ (۳) حدیث نور (۴) حدیث منزلت (۵) حدیث خیبر (۶) حدیث خندق (۷) حدیث طیر (۸) حدیث ثقلین (۹) حدیث غدیر (تفصیل کے لئے عبقات الانوار ملاحظہ ہو۔

نیابت رسولؐ

ہر عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ منیب و مناب میں توافق ہونا چاہیئے یعنی جو صفات نائب بنانے والے میں ہوں اسی قسم کی صفتیں نائب بننے والے میں بھی ہونی چاہئیں۔ اگر نائب بنانے والا نور سے پیدا ہو تو جانشین کو بھی نوری ہونا چاہیئے۔ اگر وہ معصوم ہو تو... اسے بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ اگر اسے خدا نے بنایا ہو تو اسے بھی بحکم خدا ہی بنایا گیا ہو۔ حضرت علی چونکہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے جانشین تھے۔ لہٰذا ان میں نبوی صفات کا ہونا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن صفات کے حامل سرور کائنات تھے انہیں صفات سے حضرت علی بھی بہرہ ور تھے۔

جانشین بنانے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے

قرآن مجید کے پارہ ۲۰ رکوع ۱۰/۷ میں بصراحت موجود ہے کہ خلیفہ اور جانشین بنانے کا حق صرف خداوند کریم کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام انبیاء کا تقرر خود کیا اور ان کے جانشین کو خود مقرر کرایا۔ اپنے کسی نبی تک یہ حق نہیں دیا کہ وہ بطور خود اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ چہ جائیکہ امت کو اختیار دیتا کہ اجماع سے کام لے کر منصب الٰہیہ پر کسی کو فائز کرے اور یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ تمام امت خطا کار رہے اور خطا کاروں کا اجماع نہ صواب بن سکتا ہے اور نہ خاطیوں کا مجموعہ معصوم ہو سکتا ہے۔ اور جانشین رسول کا معصوم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ رسول معصوم تھے یہی وجہ ہے کہ خدا نے رسول کریم کا جانشین حضرت علی اور ان کی گیارہ اولاد کو مقرر فرمایا دیا ینابیع المودہ صفحہ ۹۴ جس کا سنگ بنیاد دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رکھا اور آیۂ ولایت اور واقعہ تبوک (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۲) سے استحکام پیدا کیا پھر "اذا فرغت فانصب" سے حکم کے نفاذ کا فرمان جاری کیا اور آیۂ "بلغ" کے ذریعے سے اعلان عام کا حکم نافذ کیا۔ چنانچہ رسول کریم نے یوم جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم ایک لاکھ ۲۴ ہزار اصحاب کی موجودگی میں حضرت علی کی خلافت کا اعلان عام فرمایا، روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ میں ہے کہ مجمع کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے جو اعلان ہوا تھا وہ "حی علی خیر العمل" کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ کتب تواریخ و احادیث میں موجود ہے کہ اس اعلان پر حضرت عمر نے بھی مبارک باد ادا کی تھی۔

۱۸ ذی الحجہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اس تاریخ کو یوم عید قرار دیا ہے۔ رئیس العلماء حضرت علامہ بہاؤالدین عاملی تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم کی ولادت سے ۴۰ سال بعد ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو حضرت علی کی جانشینی عمل میں آئی اور آپ کے امام الانس والجن ہونے کا اعلان کیا گیا اور اسی تاریخ ۳۵ھ میں عثمان قتل ہوئے اور حضرت علی کی بیعت کی گئی۔ اسی تاریخ حضرت موسیٰ ساحروں پر غالب آئے اور حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات ملی اور اسی تاریخ کو حضرت موسیٰ نے جناب یوشع ابن نون کو حضرت سلیمان نے جناب آصف ابن برخیا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اسی تاریخ کو تمام انبیائ نے اپنے جانشین مقرر فرمائے ہیں الخ (جامع عباسی پانزدہ بابی صفحہ ۵۸ طبع دہلی ۱۹۱۴ء)

دستاویز خلافت

سرور کائنات علیہ السلام نے ابتداء اسلام سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک حضرت علی کی جانشینی کا بار بار مختلف انداز و عنوان سے اعلان کرنے کے بعد بوقت وفات یہ چاہا کہ اسے دستاویزی شکل دے دیں لیکن حضرت عمر نے بنی بنائی اسکیم کے ماتحت رسول کریم کو کامیاب ہونے نہ دیا اور ان کے آخری فرمان (قلم و دوات کی طلبی) کو بکواس اور ہذیان سے تعبیر کر کے انہیں مایوس کر دیا جس کے متعلق آپ کا خود بیان ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت میں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانا چاہا۔ تاکہ علی کے نام کی صراحت کر دیں۔ تو خدا کی قسم! میں نے آنحضرت کو منع کر دیا۔ اور آنحضرت علی کے نام کو تحریراً ظاہر نہ کر سکے (تاریخ بغداد و شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۵۱ طبع طہران) امام غزالی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنی وفات سے قبل اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات کاغذ دے دو" لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لبعدی قال عمر دعو الرجل فانہ لیھجر" تاکہ میں تمہارے لئے امارت و خلافت کی مشکلات کو تحریراً دور کر دوں اور بتادوں کہ میرے بعد امارت و خلافت کا کون مستحق ہے۔ مگر حضرت عمر نے اس وقت یہ کہہ دیا کہ مرد کو چھوڑ دو۔ یہ ہذیان بک رہا ہے اور بکواس کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو (سیر العالمین طبع بمبئی صفحہ ۹ سطر ۱۵۔ کتاب الشفا قاضی عیاض طبع بریلی صفحہ ۲۰۸ و نسیم الریاض، شرح شفا، شرح مشکوٰۃ محدث دہلوی و مدارج النبوت حبیب السیر روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۰ بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۵۴۔ الفاروق ۱۲ صفحہ ۴۸)

خلیفہ کا تقرر اور تواریخ فرنگ

مورخین اسلام کے علاوہ مورخین فرنگ نے بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت اور نمایاں طور پر خلیفہ مقرر کئے جانے پر مکمل روشنی ڈالی ہے۔ ہم اس موقع پر مسٹر ڈیون پورٹ کی تحریر کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ ان دونوں فرقوں سنی اور شیعہ میں سے ایک نے محمد کے چچازاد بھائی اور داماد علی سے جیسا کہ مقتضائے انصاف حمیت ہے تولا رکھا کیونکہ آنحضرت علانیہ طور پر ان سے محبت و الفت رکھتے تھے اور کئی بار ان کو اپنا خلیفہ مع

کیا تھا۔ خصوصاً دو مواقع پر (۱) ایک جب آنحضرت نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علی نے
باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان ظاہر کیا۔ حضرت نے اپنی باہیں اس جوان کے گلے میں ڈال کر
چھاتی سے لگایا اور بآواز بلند کہا۔ دیکھو میرے بھائی، میرے وصی اور میرے خلیفہ کو (۲) دوسرے جب
آنحضرت نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا بحکم خدا جس کو جبریلؑ آنحضرت کے پاس لائے تھے
اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبر، میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے
پیرووں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سنا دیجئے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے۔ خدا آپ کو ان کے
شر سے بچائے گا۔ خدا کے حکم کے مطابق آنحضرت نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کریں جس میں آنحضرت کے
پیرو اور یہودی و نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں۔ یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے
غدیر خم کہتے ہیں جو نواح شہر جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پہلے اس مقام کو صاف کیا گیا اور
۱۰ اراپریل ۶۳۱ء کو آنحضرت ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لئے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ
حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ ایک خطبہ حضرت نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے
پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے "تمام حمد و ثنا اس خدائے یکتا کے لئے ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم
ماضی، حال اور مستقبل کو شامل ہے اور اس کو انسانوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم ہیں کیونکہ اس سے کوئی
چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ بے انتہا بعید اور بالکل قریب ہے۔ وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین
اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو خلق کیا۔ وہ غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت اور
اس کے اختیار کے تابع ہے۔ اس کی رحمت اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے۔ وہ جو کرتا ہے
مصلحت سے کرتا ہے۔ وہ نزول عذاب میں ٹال مٹول کرتا ہے۔ اس کا سزا دینا رحمت سے
خالی نہیں ہے۔ اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام
سماوی اسی کے علم سے اپنی راہ پر جو اسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں۔ بعد حمد خدا واضح ہو کہ میں خدا
کا صرف ایک بندہ ہوں مجھے خدا کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال ادب و خشوع جھکاتا
ہوں سنو، تین بار جبریلؑ میرے پاس آچکے ہیں اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے تمام
پیروؤں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علی میرے خلیفہ اور میرے وصی اور تمام
امت کے امام ہیں اور میرے گوشت و پوست ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰ کے ہارون تھے
اور میری وفات کے بعد وہی تمہاری ہدایت کریں گے اور ہادی ہوں گے۔ جب میں اس دنیا سے رحلت
کر جاؤں تو میرے پیرووں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہیئے جیسے اطاعت میری کرتے تھے جب کہ میں
تم میں موجود تھا۔ سنو۔ جس نے علی کی نافرمانی کی۔ اس نے درحقیقت خدا و رسول کی نافرمانی کی۔ اے دوستو
یہ خدا کے احکام ہیں سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں۔ علی نے مجھ سے سیکھ لی ہیں جو اس کا

حکم نہ مانے گا اور علی کا حکم نہ بجا لائے گا۔ اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کی ہر سورۃ میں علی کی تعریف کی ہے۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علی میرے چچا زاد بھائی اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عطا کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسن اور حسین ان کے جانشین ہوں گے۔

اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر، عمر، عثمان، ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علی کے ہاتھ چومے۔ اور ان کو رسول کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارک باد دی اور اقرار کیا کہ ان کے کل احکام کو سچے طور سے بجا لائیں گے۔ ۶۳۲ء میں صرف تین دن قبل اپنے انتقال سے آنحضرت نے پھر اپنے تابعین کو۔۔ ان عقیدوں کی مزید تاکید کر دی۔ اور اس بات پر زور دیا کہ آپ کی آل سے خصوصیت کے ساتھ محبت رکھیں اور ان کی عزت و توقیر کریں۔ آپ نے بڑے شدومد سے یوں فرمایا کہ جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علی کو بھی اپنا مولا سمجھے، اللہ تائید کرے اس کی جو دوستی رکھے علی سے اور غضب ناک ہو اس پر جو اُن کا دشمن ہو۔ ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خود رسول کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک و شبہ بالکل دُور رہا۔ مگر آخر میں سب کو مایوسی ہو گئی۔ کیونکہ ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرت کی دوسری زوجہ عائشہ نے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرا لیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرت کا عائشہ کے حجرے میں جانا، خواہ آپ کی مرضی سے ہوا یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے لئے مفید مطلب ہو گئی کہ آنحضرت کا حکم دربارہ خلافت علی لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پس علے العموم یہ سمجھا گیا کہ رسول نے بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کئے ہوئے انتقال کیا۔ اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تینوں خلیفوں نے راج کیا قبل اس کے کہ علی اپنے حق کو پہنچیں جس کا وہ مکمل استحقاق رکھتے تھے نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت فاطمہ دختر رسول بلکہ بلحاظ ان بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو انہوں نے اسلام کی کیں۔ ہو سکتا ہے کہ بی بی عائشہ نے اپنی باپ کی لڑکی ہونے کی وجہ سے ان کی یہ خدمت کی ہو کہ انہیں خلیفہ بنا دیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عائشہ کو علی کی طرف سے پرانا بغض و کینہ تھا جو واقعہ فدک کے موقع پر پیدا ہو گیا تھا۔۔۔۔ کیونکہ اس موقع پر علی نے یہ رائے پیش کی تھی کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کرائی جائے۔ بی بی عائشہ اس چیز کو کبھی نہ بھولیں اور درگذر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ علی کو ستایا کرتیں اور ایسا انتقام لیا جو اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد۲ صفحہ ۲۵) آنریبل مسٹر ٹا ٹیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "محمد نے خود اپنے داماد علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا (ملاحظہ ہو ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری صفحہ ۲۲۹ طبع ۱۸۵۱ء انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ ہے کہ "رسول کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علی کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔ مسٹر ڈیوٹ نے لکھا ہے کہ "اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علی کے موافق مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے

پیدا ہی نہ ہوتے۔ جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا (اسپرٹ آف اسلام مسٹر سڈیو از تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۶

حضرت علیؑ کے فضائل

امیر المومنین حضرت علی کے فضائل کا قلمبند کرنا طاقت بشریہ سے بالا ہے۔ خود سرور کائنات نے اس کے محال ہونے پر نص فرمادی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "اگر تمام دنیا کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہوجائیں اور جن وانس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں" تب بھی علی ابن ابی طالب کے فضائل کا احصے نہیں کرسکتے (کشف صفحہ ۵۳) علماء اسلام نے بھی اکثریت فضائل کا اعتراف کیا ہے اور اکثر نے احاطہ فضائل سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ علامہ عبدالبر کتاب استیعاب ج ۲ کے صفحہ ۴۷۰ پر تحریر فرماتا ہے فضائلہ لا یحیط بہا کتاب آپ کے فضائل کسی کتاب میں جمع نہیں کئے جاسکتے۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ اور منح مکیہ میں لکھتے ہیں کہ مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تحصی حضرت علی کے مناقب وفضائل دائرہ احصے سے باہر ہیں۔ اور صواعق صفحہ ۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل علی "وھی کثیرۃ عظیمۃ شہیدۃ حتی قال احمد ما جاء لاحد من الفضائل ما جاء لعلی" بے شمار ہیں۔ بیش بہا ہیں اور مشہور ہیں۔ احمد ابن حنبل کا کہنا ہے کہ علی کے لئے جتنے فضائل ومناقب موجود ہیں کسی کے لئے نہیں ہیں۔ قاضی اسماعیل۔ امام رضائی اور ابو علی نیشاپوری کا کہنا ہے کہ "کسی صحابی کی شان میں عمدہ سندوں کے ساتھ وہ فضائل وارد نہیں ہوتے۔ جو حضرت علی کی شان میں وارد ہوئے ہیں۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی تحریر فرماتے ہیں کہ علی کے جو فضائل ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ نے آپ کو "رایۃ الھدیٰ" منار الایمان اور امام الاولیاء فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ علی کا دوست میرا دوست ہے اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے (مطالب السئول صفحہ ۷۵) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں "یاایھا الذین امنوا" آیا ہے وہاں ایمان والوں سے مراد لئے جانے والوں میں علی کا درجہ سب سے پہلا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اصحاب کی مذمت آئی ہے لیکن حضرت علی کے لئے جب بھی ذکر آیا ہے خیر کے ساتھ آیا ہے اور علی کی شان میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ صفحہ ۷۶ طبع مصر) یہی وجہ ہے کہ امام الانس والجن حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اس امت میں سے کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہیں کیا جاسکتا اور ان لوگوں کی برابری جن کو . . . . . برابر نعمتیں دی گئیں ان افراد سے نہیں کی جاسکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے۔ آل رسول دین کی نیو اور یقین کے کھمبے ہیں (سلسبیل فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ صفحہ ۲۷ بے شک حضور ولایت کا یہ فرمانا بالکل

درست ہے کہ آلِ محمد کی برابری نہیں کی جاسکتی کیونکہ حضور رسول کریمؐ نے نص فرمادی کہ میری آل میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے اور حدیث کفو فاطمہ نے اس کی وضاحت کردی ہے کہ آلِ رسول کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے۔ ان ہی حضرات کی محبت کا حکم خداوندعالم نے قرآن مجید میں دیا ہے اور ان کی محبت سے سوال کیا جانا مسلم ہے۔ ان کے لئے دنیا کی مسجدیں اپنے گھر کے مانند ہیں (در منثور و مطالب السؤل صفحہ ۵۹) اہل بیت میں حضرت علی کا پہلا درجہ ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جو فضیلت حضرت علی کی ہے اس میں تمام آئمہ مشترک ہیں۔ آپ کو خدا نے قسیم النار والجنۃ بنایا ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۷۵) آپ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا عبادت ہے (نور الابصار ینابیع صفحہ ۹۰ وصواعق محرقہ ۷۳) آپ کے حکم کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جاسکتا۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص بھی صراط پر سے گذر کر جنت میں نہ جاسکے گا جب تک علی کا دیا ہوا پروانہ جنت اس کے پاس نہ ہوگا (صواعق محرقہ صفحہ ۷۵ طبع مصر) آپ کو حق کے ساتھ اور حق کو آپ کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ آپ کو رسول اکرمؐ نے بموقعہ مواخات اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ آپ کے لئے دو بار آفتاب پلٹا۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۷ میں ہے کہ جنگ خیبر کے سلسلہ میں بمقام صہبا جب وحی کا نزول ہونے لگا اور سر رسول علی کے زانو پر تھا اور آفتاب غروب کر گیا تھا۔ اس وقت آپ نے علی کو حکم دیا کہ آفتاب کو پلٹا کر نماز ادا کریں۔ چنانچہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پلٹا اور علی نے نماز ادا کی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۷۶ا پر ہے کہ وفات رسول کے بعد حضرت علی بابل جاتے وقت جب فرات کے قریب پہنچے تو اصحاب کی نماز عصر قضا ہوگئی۔ آپ نے آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آئے چنانچہ وہ پلٹا اور اصحاب نے نماز عصر ادا کی۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا ایک ذاکر آپ کے ذکر میں مشغول تھا کہ نماز عصر قضا ہوگئی۔ اس نے کہا۔ اے آفتاب پلٹ آکہ میں اس کا ذکر کر رہا ہوں جس کے لئے تو دو بار پلٹ چکا ہے۔ چنانچہ آفتاب پلٹا اور اس نے نماز عصر ادا کی۔ شواہد النبوت کے صفحہ ۲۱۹ میں ہے کہ علی مجسم حق تھے اور ان کی زبان پر حق ہی جاری ہوتا تھا۔

مولوی ظفر علی خاں کی رد

مولوی ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر زمیندار لاہور کا ایک عجیب و غریب شعر ایک درسی کتاب (ہماری اردو) مصنفہ ہارون رشید میں ہماری نظر سے گذرا۔ شعر یہ ہے ؎

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر و عثمان علی

ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اس شعر میں اگر مشعل سے مراد نبیؐ کی ذات لی گئی ہے تو اصحاب ثلاثہ کا ان کی کرن ہونا انتہائی بعید ہے کیونکہ وہ نوری اور جوہری تھے اور یہ مادی ہیں۔ وہ مجسم ایمان تھے اور ان لوگوں نے ۴۰۔ ۳۹۔ ۳۰ سال

کفر میں گزارے ہیں۔ انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور انہوں نے اپنے عمر کے بڑے حصے بت پرستی میں گذار کر اسلام قبول کیا تھا اور اگر مثل سے مراد نبوت لی گئی ہے اور اس کی کڑیں ان کی امامت اور خلافت کو قرار دیا ہے۔ تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ رسول کی نبوت منجانب اللہ تھی اور ان کی خلافت کی بنیاد اجماع ناقص پر قائم ہے۔

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں چاروں کو "ہم مرتبہ" کہا گیا ہے اور رسول کا یار بتایا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تینوں حضرات رسول کے یار رہے ہوں لیکن حضرت علی ہرگز رسول کے یار نہ تھے بلکہ داماد اور بھائی تھے۔ اب رہ گیا چاروں کا ہم مرتبہ ہونا۔ یہ تو ہوسکتا ہے اور تھا بھی کہ تینوں حضرات ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے برابر تھے لیکن حضرت علی کا ان کے برابر ہونا یا ان کا آپ کے ہم مرتبہ ہونا سمجھ سے باہر ہے کیونکہ یہ چالیس سال بت پرستی کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور علی پیدا ہی مومن اور مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں نے مدتوں بت پرستی کی اور علی نے ایک سیکنڈ کے لئے بت نہیں پوجا۔ اسی لئے کرم اللہ وجہہٗ کہا جاتا ہے۔ یہ فاطمہ کے شوہر تھے۔ ان میں سے کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ وہ لوگ عام انسانوں کی طرح سے خلق ہوئے اور علی مثل نبی نور سے پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ خود خداوند عالم نے علی کے افضل ہی ہونے کی نہیں بلکہ بے مثل ہونے کی نص فرما دی ہے۔ ملاحظہ ہو (احیاء العلوم غزالی تفسیر ثعلبی و تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۳) امام فخر الدین رازی نے حضرت علی کو انبیاء کے برابر اور تمام صحابہ سے افضل تحریر کیا ہے (اربعین فی اصول الدین و ارجح المطالب صفحہ ۵۵۸) سرور کائنات نے علی کو اپنی نظیر بتایا ہے (ارجح المطالب صفحہ ۵۴۸) انہیں وجوہ کی بنا پر علی کو معیار ایمان قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ترمذی اور امام نسائی نے بغض علی سے منافق کو پہچاننے کا اصول بتایا ہے اور بعض نے افضلیت علی پر اعتقاد ضروری قرار دیا ہے اور علامہ عبدالبر نے استیعاب میں صحابہ تابعین وغیرہ کی فہرست پیش کی ہے جو علی کو افضل صحابہ مانتے تھے اور شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تمام لوگ جانتے تھے کہ خداوند عالم نے علی کے سوا کسی کے قلب کو ایمان کی کسوٹی پر نہیں کسا (ازالہ الخفا مقصد دوم صفحہ ۲۵۶)

حضرت علیؑ کی علمی حیثیت

حضرت علی کا نفس اللہ ہونا مسلمات سے ہے اور اللہ اس واجب الوجود ذات کو کہتے ہیں جو علم قدرت سے عبارت ہے یہ ظاہر ہے کہ جو نفس اللہ ہوگا اسے فطرتاً تمام علوم سے بہرہ ور ہونا چاہیئے حضرت علی کے لئے یہ مانی ہوئی چیز ہے کہ آپ دنیا کے تمام علوم سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم لدنی سے بھی مالامال تھے۔ آپ کے علوم کا احصے ناممکن ہے۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں :-

"ومکانتہ فی العلم والفہم ... تحمل مجلدات" آپ کے علم وفہم وغیرہ کے لئے بہت سی جلدیں درکار ہیں۔ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام المفسرین جناب ابن عباس کا کہنا ہے کہ علم وحکمت کے دس درجوں میں سے نو حضرت علی کو ملے ہیں اور دسویں میں تمام دنیا کے علماء شامل ہیں اور اس دسویں درجہ میں بھی علی کو اول نمبر حاصل ہے۔ ابو الفدا کہتے ہیں کہ حضرت اعلم الناس بالقرآن والسنن تھے یعنی تم لوگوں سے زیادہ انہیں قرآن اور حدیث کا علم تھا۔ خود سرور کائنات نے آپ کے علمی مدارج پر بار بار روشنی ڈالی ہے کہیں انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فرمایا کہیں انا دار الحکمۃ وعلی بابھا۔ ارشاد فرمایا کسی مقام پر "اعلم امتی علی ابن ابی طالب" حضرت علی نے خود بھی اس کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے میرا درجہ کیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ رسول اللہ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب پیدا کر لئے ہیں ایک مقام پر ارشاد فرمایا "زقنی رسول اللہ زقاً زقا" مجھے رسول اللہ نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچے کو دانا بھراتا ہے ایک منزل پر کہا کہ "سلونی قبل ان تفقدونی" میری زندگی میں جو چاہے پوچھ لو ورنہ تمہیں علمی معلومات سے کوئی بہرہ ور کرنے والا نہ ملے گا۔ ایک مقام پر فرمایا کہ آسمان کے بارے میں مجھ سے جو چاہے پوچھو۔ مجھے زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستوں کا علم ہے۔ ایک دن فرمایا کہ اگر میرے لئے مسند قضا بچھا دی جائے تو میں توریت والوں کو توریت سے انجیل والوں کو انجیل سے، زبور والوں کو زبور سے اور قرآن والوں کو قرآن سے اس طرح جواب دے سکتا ہوں کہ ان کے علماء حیران رہ جائیں۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "خدا کی قسم مجھے علم ہے کہ قرآن کی کون سی آیت کہاں نازل ہوئی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ خشکی میں کونسی نازل ہوئی ہے اور تری میں کون سی آیت نازل ہوئی۔ کون سی دن میں اور کون سی رات میں نازل ہوئی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک شب ابن عباس نے علی سے خواہش کی کہ بسم اللہ کی تفسیر بیان فرمائیں۔ آپ نے ساری رات بیان فرمایا اور جب صبح ہوگئی تو فرمایا اے ابن عباس! میں اس کی تفسیر اتنی بیان کر سکتا ہوں کہ ۷۰ راونٹوں کا بار ہو جائے بس مختصر یہ سمجھ لو کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۂ حمد میں ہے اور جو سورہ حمد میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ "بائے بسم اللہ" میں ہے اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ نقطہ بائے بسم اللہ میں ہے "وانا النقطۃ التی تحت الباء" اے ابن عباس میں وہی نقطہ ہوں جو بسم اللہ کی ب کے نیچے دیا جاتا ہے شیخ سلیمان قندوزی لکھتے ہیں کہ تفسیر بسم اللہ سن کر ابن عباس نے کہا کہ خدا کی قسم! میرا اور تمام صحابہ کا علم علی کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ۔ کمیل ابن زیاد سے حضرت علی نے فرمایا کہ اے کمیل میرے سینے میں علم کے خزانے ہیں۔ کاش کوئی اہل ملتا کہ میں اسے تعلیم کر دیتا۔ محب طبری تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم آدم، فہم نوح، حلم ابراہیم، زہد یحییٰ، صولت موسیٰ کو

ان حضرات سمیت دیکھنا چاہیئے فلینظر الی علی ابن ابی طالب اسے چاہیئے کہ وہ علی ابن ابی طالب کے چہرۂ انور کو دیکھے۔ ملاحظہ ہو (نور الابصار شرح مواقف، مطالب السئول صواعق محرقہ، شواہد النبوت۔ ابو الفدا، کشف الغمہ، ینابیع المودۃ، مناقب ابن شہر آشوب، ریاض النضرہ، ارجح المطلب، انوار اللغۃ) علماء اسلام کے علاوہ مستشرقین فرنگ نے بھی آپ کے کمال علمی کا اعتراف کیا ہے "مصنف انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لکھتے ہیں۔ علی علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب المثال اور اشعار کے ان سے منسوب ہیں خصوصاً مقالات علی" جس کا انگریزی ترجمہ ولیم یول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام ٹونبرا شائع کرایا ہے (مہذب مکالمہ صفحہ ۳۴) مسٹر ایرونگ لکھتے ہیں۔ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت فرمائی۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا ذوق تھا اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے اور ضرب الامثال اس وقت تک لوگوں کے زبان زد ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے (کتاب خلفاء رسول صفحہ ۱۷۰) مسٹر اوکلی لکھتے ہیں "یہ تمام مسلمانوں میں باتفاق علی کی عقل و دانائی کی شہرت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے صد کلمات ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے اس کے علاوہ آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے جس کا نام انوار الاقوال ہے اور بوڈلین لائبریری میں آپ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب (نہج البلاغہ) موجود ہے۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف جفر و جامعہ ہے جو ایک بعید الفہم خط میں اعداد و ہندسہ پر مشتمل ہے۔ یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک ہونے والے واقعات بتلاتے ہیں۔ یہ آپ کے خاندان میں ہے اور پڑھی نہیں جا سکتی۔ البتہ امام جعفر صادق اس کے کچھ حصے کی تشریح و تفسیر میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس کو مکمل بارھویں امام کریں گے الخ (تاریخ عرب اوکلی صفحہ ۳۳۲) مؤرخ گلن لکھتے ہیں۔ آپ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علم و فن اور کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے۔ ۔ ۔ ۔ آپ کا قلب و دماغ ہر شخص سے خراج تحسین حاصل کرتا رہے گا ۔ ۔ ۔ آپ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی دانائی اور پر مغز نکتہ سنجی ضرب الامثال کے ایجاد ہیں۔ آپ کی فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی (تاریخ عرب گلن صفحہ ۲۸۶) بمبئی ہائی کورٹ کے جج مسٹر ارفولڈ ایڈووکیٹ جنرل ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں:۔ شجاعت، حکمت، ہمت، عدالت، سخاوت، زہد اور تقویٰ میں علی کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ (لا رپورٹ جلد ۱۲ - اعجاز التنزیل صفحہ ۱۶۶)

حضرت علی کی تصنیفات

علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مصنف حضرت علی ہیں۔ علامہ رشید الدین ابن شہر آشوب کتاب معالم العلماء میں اور علامہ سید محسن صدر نے کتاب الشیعہ و فنون الاسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ "اول من صنف فی الاسلام امیر المؤمنین" اسلام میں سب سے پہلے حضرت علی نے

تصنیف کی ہے۔ آپ کی کتاب کا نام "کتاب علی" اور جامعہ تھا۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے کہ اس کتاب میں تمام دنیا کے ہونے والے واقعات وحالات مندرج تھے، یہ بھی مسلّم ہے کہ سب سے پہلے جامع قرآن مجید بھی حضرت علی ہی ہیں۔ ملاحظہ ہو (نور الابصار امام شبلنجی صفحہ ۷۱، طبع مصر) آپ کی علمی حیثیت پر نظر ڈالنے کے لیے کتاب نہج البلاغہ، کتاب الدر الغرر، دعائے صحیفہ علویہ، اور دیوان علی وغیرہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

آپ کی علمی مرکزیت

علامہ ابن ابی الحدید، علامہ ابن شہر آشوب، علامہ ابن طلحہ شافعی اور علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں کہ "اشرف العلوم" علم الٰہی ہے اور یہ حضرت علی ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے اور آپ ہی اس کی ابتدا اور انتہا ہیں۔ عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہیں۔ ان میں معتزلہ بھی ہے۔ اس فرقہ کا بانی واصل ابن عطا ہے جو ابو ہاشم کا شاگرد تھا اور وہ اپنے باپ محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا۔ اور محمد حضرت علی کے شاگرد تھے۔ دوسرا فرقہ اشعریہ ہے جو ابو الحسن اشعری کی طرف منسوب ہے اور شاگرد تھا ابو علی جبائی کا جو مشائخ معتزلہ سے تھا۔ اس کی انتہا بھی حضرت علی تک قرار پائی، تیسرا فرقہ امامیہ زیدیہ ہے۔ اس کا حضرت علی کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے۔

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے اور اسلام کا ہر فرقہ مجتہد حضرت علی ہی کا شاگرد ہے۔ چنانچہ اہل سنت میں چار فرقے ہیں۔ مالکی۔ حنفی۔ شافعی اور حنبلی۔ مالکی فرقہ کے بانی امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ الرائی کے اور وہ شاگرد تھے عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے ابن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے۔ دوسرے فرقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہ تھے امام محمد باقر کے اور امام جعفر صادق کے یہ شاگرد تھے امام زین العابدین کے اور امام عابد شاگرد تھے امام حسینؑ کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے۔ تیسرے فرقہ کے بانی، امام شافعی شاگرد تھے امام محمد کے اور وہ شاگرد تھے امام ابو حنیفہ کے، چوتھے فرقہ کے بانی امام احمد حنبل شاگرد تھے امام شافعی کے۔ اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علی کا شاگرد ہوا۔ اس کے علاوہ صحابہ کے فقہاء و حضرت عمر و عبداللہ ابن عباس تھے اور دونوں نے علم فقہ حضرت علی ہی سے سیکھا۔ ابن عباس کا شاگرد حضرت علیؑ ہونا واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو معلوم ہے کہ بکثرت مسائل میں ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ و تدبیر بند ہو جایا کرتی تھی تو وہ حضرت علی کی طرف رجوع کرتے اور حضرت علی سے ہی مشکل کشائی کی درخواست کیا کرتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کی بھی مشکل کشائی علی سے کرایا کرتے تھے۔ ان کا بار بار "لولا علی لھلک عمر" اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا، کہنا اور یہ فرمانا کہ "خدا وہ وقت نہ لائے کہ میں کسی علمی مشکل

مبتلا ہو جائیں اور علی موجود نہ ہوں تو اس کے علاوہ یہ کہنا کہ جب علی مسجد میں موجود ہوں، تو کوئی فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے، یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر کی فقہی حد حضرت علی تک منتہی ہوئی ہے حضرت علی ہی وہ ہیں جنہوں نے اس عورت کے مقدمہ میں منصفانہ فتوے دیا جس نے چھ مہینہ میں بچہ جنا تھا اور زنا کار حاملہ عورت کے معاملہ کو طے فرمایا تھا اور مسئلہ منبریہ جیسے دقیق امر کو دم دن میں طے فرما دیا تھا۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآنی کا علم بھی ہے۔ یہ علم بھی حضرت علی ہی سے حاصل کیا گیا ہے۔ جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اسے آسانی سے اس دعویٰ کی صحت معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علی اور عبداللہ ابن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبداللہ ابن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا مشہور و معروف ہے۔ لوگوں نے عبداللہ ابن عباس سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے؟ فرمایا جتنا ایک بحر زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت اور اصول تصوف بھی ہے اور تم کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ اس فن کے جملہ علماء و ماہرین اپنے کو حضرت کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور حضرت ہی تک اپنے سلسلہ منتہی قرار دیتے ہیں۔ اس کی صراحت ان لوگوں نے بھی کی ہے جو فرقہ صوفیہ کے امام اور پیشوا مانے گئے ہیں جیسے شبلی، جنید، سری، ابویزید بسطامی، معروف کرخی، صوفی خرقہ صوفی کو علی ہی کا شعار قرار دیتے ہیں۔

علوم عربیہ میں علم نحو بھی ہے۔ دنیا کے ماہرین کو علم ہے کہ اس علم کے بانی حضرت علی ہیں آپ نے اس کی ایجاد کی ہے۔ آپ ہی نے اس کے قواعد و ضوابط مدون فرمائے ہیں۔ آپ نے اس علم کے اصول و جوامع کی تعلیم ابوالاسود دئیلی کو دی اور اس کے قوانین ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا۔ حضرت نے جو مختصر اور جامع اصول بتائے ان میں کلام، کلمہ اور اعراب تھے، آپ نے کہا کہ کلام، اسم فعل، حرف کو کہتے ہیں اور کلمہ معرفہ اور نکرہ ہوتا ہے اور اعراب رفع نصب جر اور جزم میں منقسم ہوتا ہے۔ حضرت کے ان مختصر اصول و ضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۷، مطالب السئول صفحہ ۹۸۔ کشف الغمہ صفحہ ۵۴ مناقب جلد ۲ صفحہ ۶۷)

اس کے علاوہ علم القرأت، علم الفرائض، علم الکلام، علم الخطابت، علم الفصاحت والبلاغت — علم الشعر، علم العروض والقوافی، علم الادب، علم الکتابت، علم تعبیر خواب۔ علم الفلسفہ، علم الہندسہ علم النجوم، علم الحساب، علم الطب، علم منطق الطیر وغیرہ میں آپ کو انتہائی کمال حاصل تھا (مناقب جلد ۲ صفحہ ۶۷) اور علم لدنی، علم الغیب میں بھی آپ کو ید طولے حاصل تھا (نور الابصار صفحہ ۷۶، ارجح المطالب صفحہ ۲۱۳) ابن شہر آشوب نے مناقب میں حضرت علی کے صوت ناقوس کی تفسیر بیان

فرمانے کی تفصیل لکھی ہے اور علامہ محمد باقر نے دمعہ ساکبہ کے صفحہ ۱۸۱ پر ابن ابی الحدید کے حوالہ سے ۲۲ سطروں پر مشتمل حضرت کا ایک نہایت فصیح و بلیغ ایسا خطبہ نقل کیا ہے جس میں "الف" نہیں ہے۔

آپ کا زہد و تقویٰ

مصر کے مشہور مورخ علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ علی کی حالت کیا بیان ہو۔ زہد اور تقویٰ کے آپ کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے ہر قول و فعل میں نہایت شریف و آزاد تھے۔ جعل فریب، دھوکا، مکر کو آپ جانتے تک نہیں تھے اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال، حیلہ، غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رُخ نہیں کیا۔ آپ کی تمام تر ہمت محض دین کے متعلق رہتی تھی اور آپ کا کل اعتماد، اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے جس وقت رسول کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی سوائے دنبہ کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں شب کو پڑ کر سو رہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ملازم بھی نہیں تھا جو آپ کی خدمت کرتا، آپ کی خلافت ظاہریہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اصفہان کے (خراج) کا مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ آپ ایسے کپڑوں کا لباس پہنتے تھے جو سردی سے ذرا بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درم میں خریدا تھا۔ یہ دیکھ کر عرض کی۔ اے امیرالمؤمنین! یہ ہمیں دے دیں تاکہ ہم پہنچا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے عیال ہیں انہیں کو ان کا بوجھ اٹھانا چاہیئے۔ آپ کے زریں اقوال سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے ان کے پیٹ ہلکے رہیں اور اتنا کم پئیں کہ پیاس سے ان کے پیٹ سوکھے رہیں اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں (تاریخ تمدن اسلامی جلد ۴ صفحہ ۳۷ و تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۴)

آپ کی اصابت رائے

آپ کی رائے اتنی صائب تھی کہ کبھی لغزش نہیں ہوئی جس کو جو مشورہ دے دیا وہ اٹل ثابت ہوا۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں سے زیادہ حضرت علی کی رائے صائب اور محکم و صحیح ہوا کرتی تھی اور آپ کی تدبیر تمام لوگوں کی تدبیروں سے بلند و برتر ہوتی تھی البتہ آپ اسی معاملے

میں رائے دیتے تھے جو شریعت کے مطابق اور اسلام کی روشنی میں ہو یعنی غلط امور میں آپ کا کوئی مشورہ نہ تھا۔

آپ کی سیاست

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں "کان شدید السیاسۃ خشنا فی ذات اللہ" آپ بے نظیر سیاسی تھے۔ آپ کی سیاست ان لوگوں جیسی نہ تھی جو دین اور خدا کو پہچانتے نہیں۔ آپ کی سیاست حکم خدا اور رسول کا پرتو ہوا کرتی تھی۔ آپ اللہ کی ذات کے بارے میں نہایت ہی سخت اور شدید العمل تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کبھی اپنے بھائی تک کی پرواہ نہیں کی، عقیل اور ابن عباس کی ناراضی مشہور ہے (صواعق محرقہ)

علم، صداقت، عدل

خالد ابن یعمر کا بیان ہے کہ میں علی کو تین باتوں کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں (۱) یہ کہ جب وہ خفا ہوتے تھے تو مکمل حلم کا استعمال کرتے تھے (۲) جو بات کہتے تھے سچ کہتے تھے (۳) جو فیصلہ کرتے تھے پورے عدل کے ساتھ کرتے تھے۔ معقل ابن یسار کا بیان ہے کہ سرور کائنات نے ایک دن فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ میں نے تمہاری شادی بہت بڑے عالم اور امت میں سب سے بڑے ایمان دار اور عظیم ترین حلم کرنے والے (علی) سے کی ہے (ارجح المطالب صفحہ ۲۰۲)

آپ کی سایۂ رحمت سے محرومی

حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۲۸ صفر ۱۱ھ یوم دوشنبہ انتقال فرمایا (مودۃ القربی) حضرت علی آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مشورہ ہائے باطل کے لئے بنایا گیا تھا (غیاث اللغات) چلے گئے اور کافی رسہ کشی کے بعد حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لائے۔ حضرت علی جو نکہ رسول کریم کو ان کی واپسی سے قبل دفن کر چکے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ نے ہماری واپسی کا انتظار کیوں نہیں کیا حضرت نے فرمایا کہ رسول کریم بمقام غدیر خم خلیفہ مقرر کر چکے تھے آپ کس جواز سے وہاں گئے اور کس اصول سے مسئلہ خلافت کو زیر بحث لائے اور کیا وجہ تھی کہ ہم رسول کا لاشہ بے گور و کفن رہنے دیتے اس کے بعد انہوں نے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت علی نے اپنا حق فائق ہونا اور اپنے کو منصوص خلیفہ ہونا ظاہر کر کے ان کے مطالبہ کے خلاف احتجاج کیا اور فرمایا کہ مجھ سے بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر انہوں نے شدید اصرار کیا اور آپ سے بیعت لینے کی ہر ممکن سعی کی۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ اسی سلسلہ میں فاطمہ کا گھر جلایا گیا۔ فاطمہ کے دُرّے لگائے گئے۔ علی کی گردن میں رسی باندھی گئی اور آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی گئی اور وراثت رسول سے فاطمہ اور اولاد فاطمہ کو محروم

کر دیا گیا۔ باغ چھینا گیا۔ علیؑ حسنینؑ اور اُم ایمن کو گواہی فدک میں جھوٹا قرار دیا گیا۔ ان حالات سے آلِ محمدؐ کو جتنا متاثر ہونا چاہیئے۔ اس کا اندازہ ہر با فہم کر سکتا ہے۔ حضرت علی جو سایہ رحمت رسول سے محروم ہو کر مصائب و آلام کی چکی کے دونوں پاٹ میں آ گئے۔ انہوں نے اپنے خطبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے حالات کی وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو خطبہ شقشقیہ!

وفات رسول کے بعد علی کا خطبہ

کتاب نہج البلاغۃ جلد ا صفحہ ۴۳۲ طبع مصر میں ہے "بزرگانِ اصحاب محمد صلعم نے جو حافظ (قرآن وسنت نبوی تھے) جان لیا تھا کہ میں کبھی ایک ساعت کے لیئے بھی فرمانِ خدا و رسول سے دُور نہیں ہوا اور پیغمبر اکرم کی خاطر کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ جب دلیروں نے راہ فرار اختیار کی اور بڑے بڑے پہلوان پیچھے ہٹ آئے۔ اس شجاعت اور جوانمردی کے باعث جو خداوند نے مجھے عطا کی ہے اور رسولِ خدا کی قبض روح اس حالت میں ہوئی کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔ ان کی جان میرے ہی ہاتھوں پر بدن سے جُدا ہوئی۔ چنانچہ (بہ جہت تبرک و تیمن) میں نے اپنے ہاتھ (روح نکلنے کے بعد) اپنے چہرہ پر ملے۔ میں نے ہی آنحضرت کے جسد اطہر کو غسل دیا اور فرشتوں نے (اس کام میں) میری مدد کی۔ پس بیت نبوی اور اس کے اطراف سے گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی۔ فرشتوں کا ایک گروہ جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ ان کی نماز جنازہ کا ہمہما میرے کانوں سے جُدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔ پس آنحضرت کی حیات و ممات میں ان سے میرے مقابلہ میں کون سزاوار تھا؟ جو کوئی اس کا ادعا کرتا ہے وہ صحیح نہیں کہتا الخ (ترجمہ نہج البلاغۃ رئیس احمد جعفری جلد ا صفحہ ۱۲۰۰ طبع لاہور) اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۰۳ پر ہے "میرے ماں باپ آپ پر قربان اے رسول خدا۔ آپ کی وفات سے نبوت احکام الٰہی اور اخبار آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو دوسرے (پیغمبروں) کی دفات پر (کبھی) نہیں ہوا تھا آپ کی خصوصیت اور یگانگت یہ بھی تھی کہ دوسری مصیبتوں سے آپ نے تسلّی دے دی (کیونکہ آپ کی مصیبت ہر مصیبت سے بالاتر ہے) اور دنیا سے رحلت فرمانے کی بناء پر آپ کو یہ عمومیت حاصل ہے کہ آپ کے "ماتم" میں تمام لوگ یکساں دردمند (اور سینہ فگار) ہیں۔ الخ

رفیقہ حیات کی جدائی

رسول کریم کے انتقال پُر ملال کو ابھی ۰۰ا دن بھی نہ گذرے تھے کہ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت فاطمہ زہرا نے اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے صدمے وغیرہ سے بتاریخ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۱ھ ہجری انتقال فرما گئیں۔ حضرت علی نے وصیت فاطمہ کے مطابق حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عائشہ وغیرہم کو شریک جنازہ نہیں ہوتے دیا اور شب کے تاریک پردے میں حضرت فاطمہ زہرا کو سپرد خاک فرما دیا اور زمین سے مخاطب ہو کر کہا "یا ارض استودعک ودیعتی هٰذہ بنت رسول اللہ" اے زمین میں اپنی امانت تیرے سپرد کر رہا ہوں۔ اے زمین یہ رسو

کی بیٹی ہیں۔ زینب نے جواب دیا "یا علی انا ارفق بھا منک" اے علی۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ سے زیادہ نرمی کروں گی (مودۃ القربیٰ ۴۲ صفحہ ۲۹) تمام واقعات کی تفصیل گذر چکی ہے۔

حضرت علی کا خطبہ زینب سے مخاطبہ کے بعد آپ نے سرور کائنات کو مخاطب کر کے کہا۔ یا رسول اللہ! اللہ کو میری جانب سے اور آپ کی پڑوس میں اترنے والی اور آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یا رسول اللہ! آپ کی برگزیدہ بیٹی کی رحلت سے میرا صبر و شکیب جاتا رہا۔ میری ہمت و توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن آپ کی مفارقت کے حادثہ عظمیٰ اور آپ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر و شکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا۔ جب کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا۔ اور اس عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اب یہ امانت پلٹا لی گئی۔ گروی رکھی ہوئی چیز چھڑا لی گئی لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی۔ یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لئے بھی اس گھر کو منتخب کرے جس میں آپ رونق افروز ہیں (یا رسول اللہ) وہ وقت آ گیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی امت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لئے ایکا کر لیا۔ آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال و واردات دریافت کریں! یہ ساری مصیبتیں ان پر بیت گئیں۔ حالانکہ آپ کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں۔ آپ دونوں پر میرا سلام رخصتی ہو۔ نہ ایسا سلام جو کسی ملول و دل تنگ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لئے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لئے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں۔ جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے۔" نہج البلاغۃ مترجمہ مفتی جعفر حسین جلد ۲ صفحہ ۴۰۰، ۱۳۴۲ھ طبع لاہور)

حضرت علیؑ کی گوشہ نشینی

پیغمبر اسلام کے انتقال پُرملال اور ان کے انتقال کے بعد کے حالات نیز فاطمہ زہرا کی وفات حسرت آیات نے حضرت علی کو اس اسٹیج پر پہنچا دیا جس کے بعد مستقبل کا پروگرام بنانا ناگزیر ہو گیا یعنی ان حالات پر حضرت علی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب آئندہ زندگی کس اسلوب اور کس طریقہ سے گذاریں بالآخر آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ (۱) دشمنان آل محمد کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے (۲) گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیئے (۳) حتی المقدور موجودہ صورت میں بھی اسلام کی ملکی و غیر ملکی خدمت کرتے رہنا

چاہیئے۔ چنانچہ آپ اسی پر کاربند ہوگئے۔
حضرت علی نے جو پروگرام مرتب فرمایا وہ پیغمبر اسلام کے فرمان کی روشنی میں مرتب فرمایا۔ کیوں کہ انہیں ان حالات کی پوری اطلاع تھی اور انہوں نے حضرت علی کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں "ان اللہ تعالیٰ اطلع نبیتہ علی مایکون بعدہ مما ابتلی بہ علی" کہ خداوند عالم نے اپنے نبی کو ان تمام امور سے باخبر کردیا تھا جو ان کے بعد ہونے والے تھے۔ اور ان حالات وحادثات کی اطلاع کردی تھی جس میں علی مبتلا ہوگئے (صواعق محرقہ صفحہ ۷۲) رسول کریم نے فرمایا تھا کہ اے علی! میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے۔ تمہیں چاہیئے کہ اس وقت تم دل تنگ نہ ہو اور صبر کا طریقہ اختیار کرو اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کرلی ہے اور تم آخرت اختیار کئے رہنا (روضۃ الاحباب جلد ا صفحہ ۵۵۹ ومدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۱۱) یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے تمام مصائب وآلام نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ مگر تلوار نہیں اٹھائی۔ اور گوشہ نشینی اختیار کرکے جمع قرآن کی تکمیل کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اپنے مشوروں سے اسلام کی کمر مضبوط فرماتے رہے۔

غصب خلافت کے بعد تلوار نہ اٹھانے کی وجہ

بعض برادران اسلام یہ کہہ دیتے ہیں کہ جب علی کی خلافت غصب کی گئی اور انہیں مصائب وآلام سے دوچار کیا گیا تو انہوں نے بدر و اُحد، خیبر و خندق میں چلی ہوئی تلوار کو نیام سے باہر کیوں نہ نکال لیا اور صبر پہ کیوں مجبور ہوگئے لیکن میں کہتا ہوں کہ علی جیسی شخصیت کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام کے عہد اول میں جنگ کیوں نہیں کی کیونکہ ابتداء عمر سے تا حیات پیغمبر علی ہی نے اسلام کو پروان چڑھایا تھا۔ ہر معرکہ میں اسلام ہی کے لئے علی لڑے تھے۔ علی نے اسلام کے لئے کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی تھی۔ بھلا علی سے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ رسول کریم کے انتقال کے بعد وہ تلوار اٹھا کر اسلام کو تباہ کردیتے اور سرور کائنات کی محنت اور اپنی مشقت کو اپنے لئے تباہ و برباد کردیتے۔ استیعاب عبدالبرج ا صفحہ ۱۸۳ طبع حیدر آباد میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ دیکھو! رسول اللہ کا انتقال ہوچکا ہے اور خلافت کے بارے میں مجھ سے کوئی تنازع نہ کرے کیونکہ ہم ہی اس کے وارث ہیں لیکن قوم نے میرے کہنے کی بھی پرواہ نہیں کی۔ خدا کی قسم! اگر دین میں تفرقہ پڑجانے اور عہد کفر کے پلٹ آنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ساری کارروائیاں پلٹ دیتا (فتح الباری، شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴) کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اسی طرح چشم پوشی کی جس طرح کفر کے پلٹ آنے کے خوف سے حضرت رسول کریم منافقوں اور مولفۃ القلوب کے ساتھ کرتے تھے کنزالعمال

جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں ہے کہ آنحضرت منافقوں کے ساتھ اس لئے جنگ نہیں کرتے تھے، کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔

کتاب المعالم التنزیل صفحہ ۲۱۴، ۲۱۴، احیاء العلوم جلد ۴ صفحہ ۸۸ سیرت محمدیہ صفحہ ۳۵۶ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۶۸۶ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۳۹، سیرت حلبیہ صفحہ ۳۵۶ شواہد النبوت فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۹۸ میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے عائشہ "لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت" اگر تیری قوم تازی کفر سے مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں اس کے ساتھ وہ کرتا جو کرنا چاہیئے تھا۔

حضرت علی اور رسول کریم کے عہد میں کچھ زیادہ بُعد نہ تھا جن کی وجوہ کی بنا پر رسول نے منافقوں سے جنگ نہیں کی تھی انہیں وجوہ کی بنا پر حضرت علی نے بھی تلوار نہیں اٹھائی۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۹۔ کتاب الفتن خصائص سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸، روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۳۶۳۔ ازالۃ الخفا جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ وغیرہ میں مختلف طریقہ سے حضرت کی وصیت کا ذکر ہے اور اس کی وضاحت ہے کہ حضرت علی کے ساتھ کیا ہونا ہے اور علی کو اس وقت کیا کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے اس حوالہ کے بعد کہ میری جنگ سے اسلام منزل اوّل ہی میں ختم ہو جائے گی۔ میں نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس وقت کا بہت زیادہ خیال رکھا کہ رسولِ خدا نے مجھ سے عہدِ خاموشی وصبر لے لیا تھا (تاریخ اعثم کوفی جلد ۱ صفحہ ۸۳) طبع بمبئی میں حضرت علی کی وہ تقریر موجود ہے جو آپ نے خلافت عثمان کے موقع پر فرمائی ہے۔ ہم اس کا ترجمہ اعثم کوفی اُردو طبع دہلی کے صفحہ ۱۱۳ سے نقل کرتے ہیں "خدائے جلیل کی قسم اگر محمد رسول اللہ ہم سے عہد نہ لیتے اور ہم کو اس امر سے اطلاع نہ کر چکے ہوتے تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا اور کسی شخص کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔ اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے اس قدر کوشش بلیغ کرتا کہ حصول مطلب سے پہلے معرض ہلاکت میں پڑنے کا بھی خیال نہ کرتا۔ ان تمام تحریروں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی نے جنگ کیوں نہیں کی اور صبر کو کیوں ترجیح دی۔

حضرت علی کا قرآن پیش کرنا

نور الابصار امام شبلنجی میں ہے کہ حضرت علی رسول کریم کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کر کے آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا (جلد ۱ صفحہ ۴۳)، صواعق محرقہ صفحہ ۷۶ میں ہے کہ جب آپ کو بیعت ابوبکر کے لئے مجبور کیا گیا اور کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع نہ کر لوں گا ردا نہ اوڑھوں گا۔ اتقان سیوطی صفحہ ۷۶، وحبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۴ میں ہے، کہ علی کا قرآن تنزیل کے مطابق تھا۔ بحار الانوار، ومناقب جلد ۲ صفحہ ۶۶ میں ہے کہ امیر المومنین نے

پورا قرآن جمع کرنے کے بعد اسے چادر میں لپیٹا اور لے کر مسجد میں پہنچے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ یہ وہ قرآن ہے جسے میں نے تنزیل کے مطابق جمع کیا ہے اور جو آنحضرت کی نظر سے گذر چکا ہے۔ اسے لے لو اور رائج کر دو۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے آنحضرت نے حکم دیا تھا کہ اتمام حجت کے لئے پیش کرنا۔ کتاب فصل الخطاب میں ہے کہ انہوں نے جواب دیا کہ اسے واپس لے جاؤ۔ ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۸۴ میں ابن سیرین کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن قبول کر لیا گیا ہوتا تو لوگوں کو بے انتہا فائدہ پہونچتا۔

حضرت علی کے محافظ اسلام مشورے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی حضرات خلفاء کو غادر، خائن، کاذب، آثم سمجھتے تھے (صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۹۱ طبع نولکشور) اور ان کی سیرت سے اس درجہ بیزار تھے کہ بموقع تقرر خلافت حضرت عثمان، سیرت شیخین کی شرط کی وجہ سے تخت چھوڑنا گوارہ کیا تھا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی اپنے ذاتی جذبات پر خدا اور رسول کے جذبات مقدم رکھتے تھے۔ عمر بن عبدوُد نے جب جنگ خندق میں آپ کے چہرہ مبارک کے ساتھ لعاب دہن سے بے ادبی کی تھی اور آپ کو غصہ آگیا تھا تو آپ سینے سے اتر آئے تھے تاکہ کار خدا میں اپنا ذاتی غصہ شامل نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ دل تنگ اور ناراض ہونے کے باوجود، تحفظ وقار اسلام کی خاطر خلفاء کو اپنے مفید مشوروں سے نیازتے رہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو (۱) قیصر روم نے خلیفہ دوم سے سوال کر دیا کہ آپ کے قرآن میں کون سا ایسا سورہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں سات حروف تہجی کے نہیں ہیں۔ اس سوال سے عالم اسلام میں ہلچل مچ گئی۔ حفاظ نے بہت غور و فکر کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو بلوا بھیجا اور یہ سوال سامنے رکھا۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وہ سورہ حمد ہے۔ اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور اس میں ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف نہیں ہیں (۲) علماء یہود نے خلیفہ دوم سے اصحاب کہف کے بارے میں چند سوالات کئے۔ آپ اس کا جواب نہ دے سکے اور آپ نے علی کی طرف رجوع کی حضرت نے ایسا جواب دیا کہ وہ پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ حجر اسود کے بوسہ دینے پر حضرت علی نے جو بیان دیا ہے اس سے حضرت عمر کی پشیمانی، بدور سافرہ سیوطی میں موجود ہے (۳) عہد اول میں نیز عہد ثانی کی ابتدا میں شراب پینے پر ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر کہ اس حد سے رُعب نہیں جمتا اور لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں۔ حضرت علی سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چالیس کے بجائے اسی کوڑے کر دئے جائیں اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ جو شراب پیتا ہے، نشہ میں ہوتا ہے۔

اور جس کو نشہ ہوتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جو ہذیان بکتا ہے وہ افترا کرتا ہے وعلی المفتری ثمانون اور افترا کرنے والے کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں۔ لہٰذا شرابی کو بھی ۸۰ کوڑے مارنے چاہئیں۔ حضرت عمر نے اسے تسلیم کر لیا (مطالب السئول صفحہ ۱۰۴) (۴) ایک حاملہ عورت نے زنا کیا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ زنا عورت نے کیا ہے لیکن وہ بچہ جو پیٹ میں ہے اس کی کوئی خطا نہیں لہٰذا عورت پر اس وقت حد جاری کی جائے جب وضع حمل ہو چکے۔ حضرت عمر نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا "لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" (۵) جنگ روم میں جانے کے متعلق حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا (۶) جنگ فارس میں بھی خود شریک جنگ ہونے کے متعلق حضرت علی سے مشورہ لیا۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر کو خود جنگ میں جانے سے روکا اور فرمایا کہ آپ شہید ہو جائیں گے، تو کسر شان اسلام ہوگی .... الخ حضرت علی کے مشورہ پر حضرت عمر بہادروں کے مسلسل زور دینے کے باوجود جنگ میں نہ تشریف لے گئے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے ہی صائب مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر اور خیبر، خندق کے واقعات و حالات سے واقف تھے۔ اگر خدانخواستہ میدان چھوٹ جاتا تو یقیناً کسر شانِ اسلام ہوتی۔ اگر شہادت سے کسر شان اسلام کا اندیشہ ہوتا تو حضرت علی علیہ السلام سرور کائناتؐ کو بھی مشورہ دیتے کہ آپ کسی جنگ میں خود نہ جائیے۔ تاریخ میں ہے کہ وہ برابر جاتے اور زخمی ہوتے رہے۔ اُحد میں تو جان ہی خطرہ میں آ گئی تھی (۷) مسٹر امیر علی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے مشورہ سے زمین کی پیمائش کی گئی اور مالگذاری کا طریقہ رائج کیا گیا۔ (۸) آپ ہی کے مشورے سے سنہ ہجری قائم ہوا۔

مشوروں کے متعلق علماء اسلام کی رائیں

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم و ایران میں جائیں تو حضرت علی ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ اور وہ اپنے ارادہ سے باز رہے اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دئیے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں حوادث و آفات کا سامنا کرنا نہ پڑتا۔ عبیداللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ تمام مورخین متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر سے زیادہ کوئی خلیفہ مدبّر پیدا نہیں ہوا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر ہر باب میں حضرت علی سے مشورہ لیتے تھے (ارجح المطالب صفحہ ۲۲۰) مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہِ عام کے ہوئے ہیں۔ وہ سب حضرت علی کے صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے (تاریخ اسلام)

مشوروں کے علاوہ جانی امداد

حضرت علی نے صرف مشوروں ہی سے عہد گوشہ نشینی میں اسلام کی مدد نہیں کی بلکہ جانی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ مثال کے لئے عرض ہے کہ جب فتح مصر کا موقع آیا تو حضرت علی نے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا اور ان کے ذریعہ سے جنگی خدمات انجام دیں۔ شیخ محمد ابن محمد بن معر مملکت مصر میں مسلمانوں کی فتوحات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ مبارک باد کے قابل ہیں۔ حضرت علی کے بھتیجے اور داماد مسلم بن عقیل اور ان کے بھائی جنہوں نے محاذ مصر میں سخت جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہوئے کہ خون ان کی زرہ پر سے جاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹ کے جگر کے ٹکڑے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب فتوحات صفحہ ۱۴۴ طبع بمبئی ۱۲۸۶ھ) اسی طرح فتح شوشتر کے موقع پر ۱۷ھ میں آپ کے بھتیجے محمد ابن جعفر اور عون بن جعفر شہید ہوئے۔ تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۸۱ بحوالہ تاریخ کامل و استیعاب اور عہد عثمانی میں فتح طبرستان کے موقع پر امام حسن و امام حسین نے شرکت فرمائی (الخضری جلد ۲ صفحہ ۴۲ طبع مصر)

اسلام میں سڑکوں کی تعمیری بنیاد حضرت علیؑ نے قائم کی

حضرت علی بذات خود صراط مستقیم تھے اور آپ کو راستوں سے زیادہ دل چسپی تھی آپ فرماتے تھے کہ زمین و آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔ حافظ حیدر علی قلندر سیرت علویہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جزیہ کا مال و روپیہ لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتا تھا اور جو اس سے بچ رہتا تھا وہ سڑکوں پلوں کی تیاری اور سررشتہ تعلیم کے کام میں آتا تھا (احسن الانتخاب صفحہ ۴۸۸ طبع لکھنؤ ۱۳۵۱ھ) اسی سیرت علویہ کی روشنی میں فقہی کتابوں میں سڑک کی تعمیر کی طرف (لفظ فی سبیل اللہ) سے اشارہ کیا گیا ہے (شرائع الاسلام طبع ایران ۱۳۰۰ھ) میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مخصوص جنگی اخراجات ہیں۔ اور ایک قول ہے کہ اس میں راستوں اور پلوں کی تعمیر، زائروں کی امداد اور مسجدوں کی مرمت بھی شامل ہے اور مجاہد کو چاہے وہ اپنے معاملات میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔ امداد دینی ضروری ہے۔ سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور اس کی اضافت اللہ کی طرف دینے سے بحوالہ مذکورہ ثابت ہوتا ہے کہ سڑک کی تعمیر کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے حضرت علی نے سڑک کی تعمیر میں پورے انہماک کا ثبوت دیا ہے۔ علامہ ہاشم بحرینی کتاب المعاجز کے صفحہ ۹۷ پر بحوالہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے ۷ میل تک اپنے ہاتھوں سے زمین ہموار کی، اور سڑک تعمیر فرمائی اور ہر میل پر پتھر نصب کر کے ان پہ (ھذا میل علی) تحریر فرمایا۔ چونکہ اس زمانہ میں نقل و حمل کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے ان وزنی پتھروں کو جنہیں بڑے قوی ہیکل

لوگ اٹھا نہ سکتے تھے۔ حضرت علی خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور نصب کرتے تھے اور اٹھانے کی شان یہ تھی کہ دو پتھروں کو ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور ایک کو پیروں کی ٹھوکروں سے آگے بڑھاتے تھے۔ اس طرح تین تین پتھر لے جا کر ہر میل پر سنگ میل نصب کرتے تھے۔ علامہ شبلی نے حضرت عمر کے محکمہ جنگی کی ایجاد کو "الفاروق" میں بڑے شدومد سے لکھا ہے لیکن حضرت علی کی اس اہم رفاعی خدمت کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت علی کی یہ وہ بنیادی خدمت ہے جس کا جواب ناممکن ہے۔

حضرت عثمان کی خلافت اور وفات

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرات شیخین کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت پھر زیر بحث لایا گیا اور حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیجئے تو آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خدا اور رسول اور اپنی صائب رائے پر عمل کروں گا لیکن سیرت شیخین پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس فرمانے کے بعد لوگوں نے اسی کے اقرار کے حوالہ سے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں خویش پروری، اقربا نوازی کی۔ بڑے بڑے اصحاب رسول کو جلا وطن کیا۔ بیت المال کے مال میں بے جا تصرف کیا۔ اپنی لڑکی کے لیے محل تعمیر کرائے۔ مروان حکم کو اپنا داماد اور وزیر اعظم بنا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ اسے شہر بدر کر چکے تھے اور شیخین نے بھی اسے داخل مدینہ نہیں ہونے دیا تھا۔ فدک اس کے حوالے کر دیا۔ بعض معزز اصحاب کو پٹوایا۔ گذرے ہوئے عہدوں میں جو قرآن رائج تھے انہیں جمع کر کے جلوا دیا۔ جن اصحاب نے اپنے قرآن نہ دیئے انہیں مسجد میں اتنا پٹوایا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ حضرت عائشہ ام المومنین کا وظیفہ بند کر دیا اور حضرت محمد ابن ابی بکر کو قتل کر دینے کی پوری سازش کی۔ انہیں حالات کی وجہ سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ نے لوگوں کو حکم دیا، کہ "اقتلوا نعثلا" اس لمبی داڑھی والے کو قتل کر دو (روضۃ الاحباب جلد ۲ صفحہ ۱۲-۲۰ مجمع البحار صفحہ ۲،۳ نہایہ ابن اثیر صفحہ ۱۶۶) اس فرمانے کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئیں۔ آپ کے جانے کے بعد لوگوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا۔ جب آپ کو مکہ میں قتل عثمان کی اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ پر حضرت علی مدینہ میں ہوتے کے باوجود نماز جنازہ نہیں پڑھ سکے۔ آپ کی لاش کوڑے پر ڈال دی گئی (تاریخ اعثم کوفی) الغرض آپ ۸ ارذی الحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ کو ۸۸ سال کی عمر میں قتل ہو کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری

پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد سے حضرت علی گوشہ نشینی کے عالم میں فرائض منصبی ادا فرماتے رہے

یہاں تک کہ خلافت کے تین دور اسلام کی تقدیر کے چکر بن کر گذر گئے اور ۳۵ھ میں تخت خلافت خالی ہو گیا۔ ۲۳، ۲۴ سال کی مدت حالات کو پرکھنے اور حق و باطل کے فیصلہ کے لئے کافی ہوتی ہے بالآخر اصحاب اس نتیجہ پر پہنچے کہ تخت خلافت حضرت علی کو بلا شرط حوالہ کر دینا چاہیئے چنانچہ اصحاب کا ایک عظیم گروہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس گروہ میں عراق، مصر، شام، حجاز، فلسطین اور یمن کے نمائندے شامل تھے۔ ان لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔۔۔ حضرت علی نے فرمایا مجھے اس کی طرف رغبت نہیں ہے۔ تم کسی اور کو خلیفہ بنا لو۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے اسلام کے انجام سے حضرت کو ڈرایا، تو آپ نے رضا ظاہر فرمائی۔ نہج البلاغۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں خلیفہ ہو جاؤں گا تو تمہیں حکم خداوندی ماننا پڑے گا بہرحال آپ نے ظاہری خلافت قبول فرمائی۔ مصنف بریف سروے نے لکھا ہے کہ علی ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے جو حقیقت کے لحاظ سے رسول کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۲۶) روضۃ الاحباب میں ہے کہ خلافت ظاہریہ قبول کرنے کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ پڑھا۔ اس کی ابتدا ان لفظوں سے تھی "الحمد للّٰہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ" خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ احسان ہے کہ اس نے حق کو اپنے مرکز اور مکان پر پھر لا موجود کیا۔ تاریخ اسلام اور جامع عباسی میں ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ کو حضرت علی نے خلافت ظاہریہ قبول فرمائی اور ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ کو بیعت عامہ عمل میں آئی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ جب محمدؐ صاحب نے انتقال فرمایا تو علیؑ میں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق موجود تھے۔ لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علیؑ بلقب یہ خلیفہ نہ ہوئے لیکن بعد عثمان ۶۵۶ء میں علیؑ خلیفہ ہو گئے۔ علی کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ و زبیر کی بغاوت کو فرو کرنا تھا جنہیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہ، علی کی سخت دشمن تھیں اور خاص کر انہیں کی وجہ سے علی اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے (مہذب مکالمہ صفحہ ۴۲) علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ "اگر حضرت عمر کے زمانہ میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور سچا تدین قائم تھا۔ حضرت علی مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی۔ اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آپ کے پاس خلافت کی خدمت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی اور اصولی حکومت کے متعلق والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع پیدا ہو گئی تھی اور ان سب سے زیادہ طماع اور مکار معاویہ ابن ابی سفیان تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی حکومت جمانے کے لئے لوگوں کو دھوکا فریب دے کر، ان کے ساتھ مکر و حیلہ کر کے اور مسلمانوں

کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۴ صفحہ ۲۷ طبع مصر)

فاضل معاصر سید ابن حسن جارچوی لکھتے ہیں کہ "اگر علیؑ رسولؐ کے بعد ہی خلیفہ تسلیم کر لیے جاتے، تو دنیا منہاج رسالت پر چلتی اور راہوار سلطنت و حکومت دین حق کی شاہراہ پر سرپٹ دوڑتا۔ مگر مصلحت اور دُور اندیشی کے نام سے جو آئین و رسوم حکمران جماعت کا جزو زندگی اور اوڑھنا بچھونا بن گئے تھے۔ انہوں نے علی کی پوزیشن ناہموار اور ان کا مُوقف نا استوار بنا دیا تھا۔ پچھلے دَور کی غیر اسلامی رسموں اور امتیاز پسند ذہنیتوں کی اصلاح کرنے میں ان کو بڑی دقّت ہوئی اور پھر بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ طبیعتیں عدم مساوات کی خوگر اور معاشرتی عدل سے کوسوں دُور ہو چکی تھیں۔ علی نے بیعت کے دوسرے روز بیت المال کا جائزہ لیا اور سب کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔ حبشی غلام اور قریشی سردار دونوں کو دو دو درہم ملے۔ اس پر پیشانی پر سلوٹیں پڑنے لگیں۔ بنی امیہ کو اس دَور میں اپنی دال گلتی نظر نہ آئی۔ کچھ معاویہ سے جا ملے۔ کچھ ام المومنین عائشہ کے پاس مکے جا پہنچے۔ اعثم کوفی کا بیان ہے کہ عائشہ حج سے واپس آ رہی تھیں کہ انہیں قتل عثمان کی خبر ملی۔ انہوں نے نہایت اشتیاق سے پوچھا کہ اب کون خلیفہ ہوا۔ کہا گیا کہ "علی" یہ سن کر نہایت خاموش ہوئیں۔ عبداللہ ابن سلمہ نے کہا۔ کیا آپ عثمان کی مذمت اور علی کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔ اب ناخوشی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا۔ آخر وقت میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ اب اس کا قصاص چاہتی ہوں۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ عائشہ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اسلام کی ہمدردی کرتا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو۔ وہ آئے۔ اسے سواری دی جائے گی۔ برلیف سروے آف ہسٹری کا قول ہے کہ عائشہ جو علی کی پرانی اور ہمیشہ کی دشمن تھی۔ عداوت میں اس قدر بڑھ گئیں کہ ان کے معزول کرنے کے لئے ایک فوج جمع کر لی۔

حضرت علی کو ایک دوسری دقّت یہ درپیش تھی کہ سارا عالم اسلام ان اموی عاملوں اور حاکموں سے تنگ آ گیا تھا جو حضرت عثمان کے عہد میں مامور تھے۔ اگر علی ان کو بدستور رہنے دیتے تو حکومت کے باوجود جمہور کو چین نہیں ملتا اور اگر ہٹاتے ہیں تو مخالفوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں۔ حکام و عمال مدت سے خود سری کے عادی اور بیت المال کو ہضم کرنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ اکثر ان میں ایسے تھے، جن کے باپ دادا یا عزیز و اقربا علی کی تلوار کا نشانہ بن چکے تھے یا علی کے کھرے اور بے لوث عدل و انصاف کا تماشہ دیکھ چکے تھے۔ ان کو نظر آ رہا تھا کہ علی ہیں تو ہم نہیں رہ سکتے اور رہے بھی تو من مانی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے وہ کمین گاہ تلاش کی جہاں بیٹھ کر وہ داماد رسول پر تیر چلا سکیں۔ اور وہ مورچے بنائے اور گھاٹیاں کھودیں جن کی آڑ میں چھپ کر وہ نئی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکیں۔ طلحہ و زبیر جو خود حکومت کے خواہاں اور خلافت کے آرزو مند تھے اور حضرت عائشہ کی حمایت

اور مدد ان کو حاصل تھی۔ پہلے تو علی سے بیعت کر بیٹھے۔ پھر لگے ان کے خلاف سازشیں کرنے، ایک دن آئے اور بصرہ و کوفہ کی حکومت طلب کرنے لگے۔ حضرت علی نے کہا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ مدینہ میں رہو اور روزمرّہ کے کاروبار حکومت میں میری مدد کرو۔ دوسرے دن وہ مکہ جانے کی اجازت مانگنے آئے سو اشنگٹن ایرونگ لکھتا ہے، ایسی حالت میں کہ لب پر تقویٰ اور دل میں مکر تھا۔ یہ عائشہ سے جا ملے جو مخالفت کے لیے تیار تھیں۔ یہی مورخ لکھتا ہے۔

"علی خلیفہ ہو گئے لیکن دیکھتے تھے کہ ان کی حکومت جمی نہیں ہے۔ گذشتہ خلیفہ کے زمانے میں بہت سی بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں جن میں اصلاح کی ضرورت تھی اور بہت سے صوبے ان لوگوں کے ہاتھ میں تھے جن کی وفاداری پر ان کو مطلقاً اعتماد نہ تھا۔ انہوں نے اصلاح عام کا ارادہ کیا پہلی اصلاح یہ تھی کہ گورنر ہٹا دیے جائیں۔ لوگوں نے ان کے اس عمل کی موافقت نہ کی۔ مگر علی نے نہ مانا . . . . . .

گورنروں کی تقرری

اور گورنروں کی تقرری فرما دی۔ آپ نے حالات حاضرہ کے پیش نظر اس عہدہ پر زیادہ ان لوگوں کو فائز کیا۔ جن پر آپ کا کامل اعتماد تھا اور جو عہد سابق میں اپنے حقوق سرداری سے محروم رکھے گئے تھے۔ آپ نے عبداللہ کو یمن کا، سعید کو بحرین کا، سماعہ کو تہامہ کا، عون کو یمامہ کا، قثم کو مکہ کا، قیس کو مصر کا عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ کو کوفہ اور سہل کو شام کا گورنر مقرر فرما دیا۔

حضرت علی کو صلاح دی گئی کہ وہ معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دیں۔ . . . مگر علی نے ایسی صلاحوں پر توجّہ نہ کی اور قسم کھائی کہ میں راستی سے منحرف امور پر عمل نہ کروں گا۔ احسان اللہ عباسی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں۔ علی نے سیدھے طور پر جواب دیا کہ میں امت رسول پر بُرے لوگوں کو حکمران نہیں رکھ سکتا۔

علامہ جرجی زیدان تاریخ تمدن اسلامی میں لکھتے ہیں۔ یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ابوسفیان اور اس کی اولاد نے محض مجبوری کے عالم میں اسلام قبول کیا تھا۔ کیونکہ ان کی اپنی کامیابی سے یاس ہو چکی تھی۔ اس لیے معاویہ کو خلافت کی آرزو محض دنیاوی اغراض کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قریش کے چند چیدہ چیدہ سرداران کے پاس جمع ہو گئے۔ اغراض نفسانی کی بنا پر منصب خلافت کا خاندان بنی ہاشم میں جاتا ان کو بہت شاق گذر رہا تھا۔

عامل ہٹتے گئے اور کچھ معاویہ کے پاس شام میں اور کچھ اُم المؤمنین عائشہ کے پاس مکہ میں جمع ہونے گئے۔ طلحہ و زبیر مکہ جا کر ام المؤمنین سے ملے اور "انتقام عثمانؓ" کے نام سے ایک تحریک اٹھائی۔ عبداللہ ابن عامر اور یعلیٰ ابن امیہ نے جو معزول گورنر تھے اور بیت المال کا روپیہ لے کر بھاگ آئے تھے۔ مالی امداد دی (تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ میں ہے) کہ بروایت صاحب روضۃ الاحباب

ابن خلدون وابن اثیر لیلی نے جناب عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار جو چھ لاکھ درہم ہوتے ہیں اور چھ سو اونٹ اس غرض سے دئے کہ علی سے لڑنے کی تیاری کریں۔ انہیں اونٹوں میں ایک نہایت عمدہ عظیم الجثہ اونٹ تھا جس کا نام "عسکر" تھا اور جس کی قیمت بروایت مسعودی دوسو اشرفی تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اسی اونٹ پر سوار ہوکر جناب ام المومنین عائشہ داماد رسول زوج بتول حضرت علی علیہ السلام سے لڑیں۔ اور اسی اونٹ کی سواری کی وجہ سے اس لڑائی کو "جنگ جمل" کہا گیا۔

جنگ جمل

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی قتل عثمان کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ قتل عثمان کی تحقیقات سے متعلق تھا۔ نائلہ زوجہ عثمان اگرچہ کوئی شہادت نہ دے سکیں اور کسی کا نام نہ بتا سکیں نیز ان کے علاوہ بھی کوئی چشم دید گواہ نہ مل سکا جس کی وجہ سے فوری سزائیں دی جائیں لیکن حضرت علی تحقیقات یقینیہ کا عزم صمیم کر چکے تھے۔ ابھی آپ کسی نتیجہ پر نہ پہونچنے پائے تھے کہ مکہ میں سازشیں شروع ہو گئیں۔ حضرت عائشہ حج سے فراغت کے بعد مدینہ کے لئے روانہ ہو چکی تھیں اور خلافت علی کی خبر پانے کے بعد پھر مکہ میں جاکر فروکش ہو گئی تھیں۔ انہوں نے چار یاران، طلحہ، زبیر، عبداللہ، ابویعلی کے مشورے سے "انتقام خون عثمان" کے نام سے ایک سازشی تحریک کی بنیاد ڈال دی اور قتل عثمان کا الزام حضرت علی علیہ السلام پر لگا کر لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کا اعلان عام کرا دیا کہ جس کے پاس علی سے لڑنے کے لئے مدینہ جانے کے واسطے سواری نہ ہو۔ وہ ہمیں اطلاع دے۔ ہم سواری کا بندوبست کریں گے۔ اس وقت علی کے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ کسی کو آپ سے بغض للہی تھا۔ کوئی جنگ بدر میں اپنے کسی عزیز کے مارے جانے سے متاثر تھا۔ کسی کو پروپگنڈے سے متاثر کر دیا گیا تھا غرضیکہ ایک ہزار افراد حضرت عائشہ کی آواز پر مکہ میں جمع ہو گئے اور پروگرام بنایا گیا کہ سب سے پہلے بصرہ پر چھاپہ مارا جائے۔ چنانچہ آپ انہیں مذکورہ چاروں افراد کے میمنہ اور میسرہ پر مشتمل لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ آپ کے ساتھ ازواج نبی میں سے کوئی بھی بی بی نہ گئی۔ حضرت عائشہ کا یہ لشکر جب مقام "ذات العرق" میں پہنچا تو مغیرہ اور سعید ابن عاص نے لشکر سے ملاقات کی اور کہا کہ تم اگر خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو طلحہ اور زبیر سے لو۔ کیونکہ عثمان کے یہی قاتل ہیں۔ اور اب تمہارے طرفدار بن گئے ہیں۔ تواریخ میں ہے کہ روانگی کے بعد جب "مقام حواب" پر حضرت عائشہ کی سواری پہنچی اور کتے بھونکنے لگے تو ام المومنین نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے۔

کسی نے کہا اسے حواب کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ام سلمہ کی یاد دلائی ہوئی حدیث کا حوالہ دے کر کہا کہ میں اب علی سے جنگ کے لئے نہیں جاؤں گی کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری ایک بیوی پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ حق پر نہ ہوگی لیکن عبداللہ ابن زبیر کے قصد کرنے سے آگے بڑھیں۔ بالآخر بصرہ جا پہونچیں اور وہاں کے علوی گورنر عثمان بن حنیف پر شبخون مارا اور چالیس آدمیوں کو مسجد میں قتل کرا دیا اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کر کے ان کے سر، داڑھی، مونچھوں، بھویں اور پلکوں کے بال نچوا ڈالے اور انہیں چالیس کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔ ان کی مدد کے لئے حکیم ابن جبلہ آئے تو انہیں بھی ستر آدمیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بیت المال پر قبضہ نہ دینے کی وجہ سے ستر (۷۰) آدمی اور شہید ہوئے۔ یہ واقعہ پچیس ربیع الثانی ۳۶ھ کا ہے۔ (طبری)

حضرت علی کو جب اطلاع ملی تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ ابھی آپ بصرہ کی طرف روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ مکہ سے ام المؤمنین حضرت ام سلمیٰ کا خط آگیا جس میں لکھا تھا کہ عائشہ حکم خدا و رسول کے خلاف آپ سے لڑنے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں عورت ہوں حاضر نہیں ہو سکتی۔ اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمیٰ کو بھیجتی ہوں۔ اس کی خدمت قبول پائے۔ (اعثم کوفی)

حضرت علی آخر ربیع الاوّل ۳۶ھ میں اپنے لشکر سمیت مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے لشکر کی علم داری محمد حنفیہ کے سپرد کی اور میمنہ پر امام حسنؑ اور میسرہ پر امام حسینؑ کو متعین فرمایا اور سواروں کی سرداری عمار یاسر اور پیادوں کی نمائندگی محمد ابن ابی بکر کے حوالہ کی اور مقدمۃ الجیش کا سردار عبداللہ ابن عباس کو قرار دیا۔ مقام ربذہ میں آپ نے قیام فرمایا اور وہاں سے کوفہ کے والی ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ فوج روانہ کرے لیکن چونکہ وہ عائشہ کے خط سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے فرمان علوی کو ٹال دیا۔ حضرت کو مقام ذی قار پر حالات کی اطلاع ملی۔ آپ نے اسے معزول کر کے قرظہ ابن کعب کو امیر نامزد کر دیا اور مالک اشتر کے ذریعہ سے دارالامارہ خالی کرا لیا (طبری) اس کے بعد امام حسنؑ کے ہمراہ ۷ ہزار کوفی اور مالک اشتر کے ہمراہ ۱۲ ہزار کوفی چھ دن کے اندر ذی قار پہونچ گئے۔ اسی مقام پر اویس قرنی نے بھی پہونچ کر بیعت کی۔ اسی مقام پر ان خطوط کے جواب آئے جو ربذہ سے حضرت نے طلحہ و زبیر کو لکھے تھے جن میں ان کی حرکتوں کا تذکرہ کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ اپنی عورتوں کو گھر میں بٹھا کر ناموس رسول کو جو در بدر پھرا رہے ہو۔ اس سے باز آجاؤ۔ جوابات میں اسکیم کے ماتحت قتل عثمان کی رٹ تھی۔ اس کے بعد امام حسن نے ایک خطبہ میں طلحہ و زبیر کے قاتل عثمان ہونے پر روشنی ڈالی۔ حضرت ابھی مقام ذی قار ہی میں تھے کہ مظلوم عثمان بن حنیف آپ کی خدمت میں جا پہونچے حضرت نے عثمان کا حال دیکھ کر بے حد افسوس کیا اور فوراً بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مصنف تاریخ آئمہ لکھتے ہیں کہ عائشہ کے لشکر کی آخری تعداد ۳۰ ہزار اور حضرت علی کے لشکر کی تعداد ۲۰ ہزار تھی۔ صفحہ ۲۶۵ علامہ عباسی لکھتے ہیں کہ حضرت علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ کے تمام حالات پرکھ رہے تھے لیکن یہی چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو۔ جب بصرہ کے قریب آپ پہونچے تو قعقاع ابن عمرو کو ان لوگوں کے پاس بھیجا اور صلح کی پیش کش کی۔ قعقاع نے جو رپورٹ واپس ہو کر پہنچائی۔ اس سے وہ لوگ تو متاثر ہوئے جو زیر قیادت عاصم ابن کلیب علی کے پاس بطور سفیر آئے ہوئے تھے اور ان کی تعداد سو تھی لیکن عائشہ وغیرہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ عاصم وغیرہ نے علی کی بیعت کر لی اور اپنی قوم سے جا کر کہا کہ علی کی باتیں نبیوں جیسی ہیں۔ غرضیکہ دوسرے دن علی بصرہ پہونچ گئے اس کے بعد جمل والے بصرہ سے نکل کر مقام زابوقہ یا خریبہ میں جا ٹھہرے۔ اور وہاں سے علی کے مقابلہ کے لئے حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر خود نکل پڑیں۔ حضرت علی نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ عائشہ اور ان کے لشکر پر نہ حملہ کریں۔ نہ ان کا جواب دیں۔ غرضیکہ وہ جنگ کی کوشش کر کے واپس گئیں اور اس کے بعد علی نے زید ابن صوحان کو ام المومنین کے پاس بھیج کر جنگ نہ کرنے کی خواہش کی۔ مگر کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا۔

۱۵ رجمادی الآخر ۳۶ھ یوم پنجشنبہ بوقت شب طلحہ و زبیر نے شبخون مار کر حضرت علی کو سوتے میں قتل کر ڈالنا چاہا۔ لیکن علی بیدار تھے اور تہجد میں مشغول تھے۔ حضرت کو حملہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے حکم جنگ دے دیا۔ اس طرح جنگ کا آغاز ہوا۔

میدان کارزار

حضرت عائشہ کو طلحہ و زبیر لوہے اور چمڑے سے منڈھے ہوئے ہودج میں بٹھا کر میدان میں لائے اور علم داری کا منصب بھی انہیں کے سپرد کیا۔ اور اس کی صورت یہ کی کہ ہودج میں جھنڈا نصب کر کے مہار ناقہ، عسکر لیلی کے سپرد کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رسول اللہ کے گھوڑے (دلدل) پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان آ کھڑے ہوئے اور زبیر کو بلا کر کہا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ اب بھی سوچو اور اس پر غور کرو کہ رسول اللہ نے تم سے کیا کہا تھا۔ اے زبیر! کیا تمہیں مجھ سے جنگ کرنے کے لئے منع نہیں کیا تھا۔ یہ سن کر زبیر شرمندہ ہوئے اور واپس چلے آئے لیکن اپنے لڑکے عبداللہ کے بھڑکانے سے عائشہ کی طرف داری میں نبرد آزمائی سے باز نہ آئے۔

الغرض حضرت علی نے جب دیکھا کہ یہ جمل والے خونریزی سے باز نہ آئیں گے تو اپنی فوج کو خدا ترسی کی تلقین فرمانے لگے۔ آپ نے کہا (۱) بہادرو! صرف دفع دشمن کی نیت رکھنا (۲) ابتداء بہ جنگ نہ کرنا (۳) مقتولوں کے کپڑے نہ اتارنا (۴) صلح کی پیش کش مان لینا اور پیش کش کرتے والے کے ہتھیار نہ لینا (۵) بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا (۶) زخمی بیمار اور عورتوں و بچوں پر ہتھیار نہ اٹھانا۔

(۷) فتح کے بعد کسی کے گھر میں نہ گھسنا۔
اس کے بعد عائشہ سے فرمانے لگے تم عنقریب پشیمان ہو گی اور اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ تم میں کون ایسا ہے جو قرآن کے حوالہ سے انہیں جنگ کرنے سے باز رکھے۔ یہ سن کر مسلم نامی ایک جانباز اس پر تیار ہوا۔ اور قرآن لے کران کے مجمع میں جا گھسا۔ طلحہ نے اس کے ہاتھ کٹوا دیئے پھر شہید کرا دیا۔
حضرت علی کے لشکر پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ بروایت طبری آپ نے فرمایا۔ اب ان لوگوں سے جنگ حلال ہو گئی ہے۔ آپ نے محمد بن حنفیہ کو حکم دیا۔ محمد کافی لڑ کر واپس آئے۔ علی نے علَم لے کر ایک زبردست حملہ کیا۔ اور کہا۔ بیٹا۔ اس طرح لڑتے ہیں پھر علَم محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ ہاں بیٹا آگے بڑھو۔ محمد حنفیہ انصار لے کر آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ہودج تک مارتے ہوئے جا پہونچے۔ بالآخر سات دن کے بعد حضرت علی خود میدان میں نکل پڑے اور دشمن کو پسپا کر ڈالا۔
مروان کے زہر آلود تیر سے طلحہ مارے گئے اور زبیر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ راستہ میں وادی السباع کے قریب عمر بن جرموز نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ ۱۲ ہزار جرار سمیت آخری حملہ کے لئے سامنے آگئیں۔ علوی لشکر نے اس قدر تیر برسائے کہ ہودج پشت ساہی کی مانند ہو گیا۔ حضرت عائشہ نے کعب ابن اسود کو قرآن دے کر حضرت علی کے لشکر کی طرف بھیجا۔ مالک اشتر نے اسے راستہ ہی میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد عائشہ کے ناقہ کو پے کر دیا گیا۔ اونٹ ہودج سمیت گر پڑا۔ اور لوگ بھاگ نکلے۔ حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ہودج کے پاس جا کر اس کی حفاظت کریں۔ اس کے بعد خود پہنچ کر کہنے لگے۔ عائشہ تم نے حرمت رسول برباد کر دی۔ پھر محمد سے فرمایا کہ انہیں عبداللہ ابن حنیف خزاعی بصری کے مکان میں ٹھہرائیں حضرت نے کشتوں کو دفن کرنے کا حکم دیا اور اعلان عام کرایا کہ جس کا سامان جنگ میں رہ گیا ہو تو جامع بصرہ میں آکر لے جائے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں تیرہ (۱۳) ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار حضرت علی کے لشکر والے مارے گئے (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) مورخین کا بیان ہے کہ فتح کے بعد عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے حضرت علی کی بیعت کر لی۔ مسعودی اور اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے عائشہ کو متعدد آدمیوں سے کہلا بھیجا کہ جلد سے جلد مدینہ واپس چلی جاؤ۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر میں بروایت روضۃ الاحباب وحبیب السیر واعثم کوفی، امام حسن کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اگر تم اب جانے میں تاخیر کرو گی، تو میں تمہیں زوجیت رسول سے طلاق دے دوں گا۔ یہ سن کر وہ مدینہ جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ حضرت علی نے چالیس عورتوں کو مردوں کے سپاہیانہ لباس میں حضرت عائشہ کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا۔ اور خود بھی

بصرہ سے باہر کئی میل تک پہونچانے گئے (الخضری جلد ۲ صفحہ ۹۰ اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ انہیں منزل مقصود تک جاکر پہنچاؤ۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کی امید ہوسکتی تھی لیکن وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن پر اپنی شان دکھاتا۔ انہوں نے عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علی نے بصرہ کے بیت المال کا جائزہ لیا۔ چھ لاکھ دُرِ آبدار برآمد ہوئے۔ آپ نے سب اہل معرکہ پر تقسیم کر دیا اور عبداللہ ابن عباس کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے یوم دوشنبہ ۱۶ ار رجب ۳۶ھ کو کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا اور دورانِ قیام میں کوفہ، عراق خراسان، یمن، مصر اور حرمین کا انتظام کیا۔ غرض شام کے سوا تمام ممالک اسلامی پر حضرت کا تسلط ہوگیا۔ اور قبضہ بیٹھ گیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ معاویہ عراق پر قبضہ نہ کر لے۔ کوفہ کو دارالخلافہ بنا لیا۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی۔ حضرت نے ربعی ابن کاس عنبری کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔

خراسان پر حضرت علی کی تاخت اور جناب شہربانو کا لایا جانا

تواریخ اسلامی میں ہے کہ عہد عثمانی میں اہل فارس نے بغاوت و سرکشی کر کے عبداللہ ابن معمر والئے فارس کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکر اسلام کو نکال دیا۔ اس وقت فارس کی لشکری چھاؤنی مقام اصطخر تھا۔ ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ اہل فارس کے ساتھ تھا۔ حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کرے۔ اس نے تعمیل ارشاد کی حدود اصطخر میں زبردست جنگ ہوئی۔ مسلمان کامیاب ہوگئے اور اصطخر فتح ہوگیا۔

اصطخر کے فتح ہونے کے بعد ۳۱ھ میں یزدجرد مقام رَے اور پھر وہاں سے خراسان اور خراسان سے مَرو جا پہونچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے۔ مَرو میں وہ خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا اور شاہانِ عجم کے گورستان اصطخر میں دفن کر دیا گیا۔

جنگ جمل کے بعد ایران خراسان کے اسی مقام مَرو میں سخت بغاوت ہوگئی۔ اس وقت ایران میں بروایت ارشاد مفید روضۃ الصفا "حریث ابن جابر جعفی" گورنر تھے۔ حضرت علی نے مَرو کے قصبہ نامرضبہ کو ختم کرنے کے لئے امدادی طور پر خلید ابن قرۃ یربوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی اور حریث ابن جابر جعفی نے، یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ (جو عہد عثمانی میں مارا

جا چکا تھا) کی دو بیٹیاں عام اسیروں میں حضرت علی کی خدمت میں ارسال کیں۔ ایک کا نام "شہر بانو" اور دوسری کا نام "کیہان بانو" تھا حضرت نے شہر بانو امام حسین کو اور کیہان بانو محمد بن ابی بکر کو عطا فرمائیں۔ ملاحظہ ہو۔ ارشاد مفید جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۵۴۳۔ عمدۃ الطالب صفحہ ۱۷۱۔ جامع التواریخ صفحہ ۱۴۹۔ کشف الغمہ صفحہ ۸۹ مطالب السئول صفحہ ۲۶۱۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ نور الابصار صفحہ ۱۲۶۔ تحفہ سلیمانیہ شرح ارشادیہ صفحہ ۳۹۱ طبع ایران

جنگِ صفّین

صفّین نام ہے اس مقام کا جو فرات کے غربی جانب برقہ اور بالس کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان صفحہ ۳۷۰) اسی جگہ امیر المومنین اور معاویہ میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ کے متعلق علماء و مورخین کا بیان ہے کہ بانی جنگ جمل عائشہ کی مانند معاویہ بھی لوگوں کو قتل عثمان کے فرضی افسانہ کے حوالہ سے حضرت علی کے خلاف بھڑکاتا اور ابھارتا تھا۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علی کے شام پر مقرر کئے ہوئے حاکم سہل ابن حنیف نے کوفہ آکر حضرت کو خبر دی کہ معاویہ نے اعلان بغاوت کر دیا ہے اور عثمان کی کٹی ہوئی انگلیوں اور خون آلود کرتا لوگوں کو دکھا کر اپنا ساتھی بنا رہا ہے اور یہ حالت ہو چکی ہے لوگوں نے قسمیں کھالی ہیں اور خون عثمان کا بدلہ لئے بغیر نہ نرم بستر پر سوئیں گے نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے عمرو عاص وہاں پہنچ چکا ہے جو اسے مدد دے رہا ہے۔ حضرت علی نے معاویہ کو ایک خط مدینہ سے دوسرا کوفہ سے ارسال کر کے دعوت بیعت دی۔ لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ معاویہ جو جمع لشکر میں مشغول و مصروف تھا۔ ایک لاکھ ۲۰ ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر مقام صفین میں جا پہونچا حضرت علی علیہ السلام بھی شوال ۳۶ھ میں نخیلہ اور مدائن ہوتے ہوئے مقام رقہ میں جا پہنچے حضرت کے لشکر کی تعداد ۹۰ ہزار تھی۔ راستہ میں لشکر سخت پیاسا ہو گیا، تو ایک راہب کے اشارہ سے حضرت نے زمین سے ایک ایسا چشمہ بر آمد کیا جو نبی اور وصی کے سوا کسی کے بس کا نہ تھا (اعثم کوفی صفحہ ۲۱۲ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۹۲) حضرت نے اپنے لشکر کو سات حصوں میں تقسیم کیا اور معاویہ نے بھی سات ٹکڑے قرار دیئے۔ مقام رقہ سے روانہ ہو کر آپ فرات عبور کیا۔ حضرت کے مقدمہ الجیش سے معاویہ کے مقدمہ نے مزاحمت کی اور وہ شکست کھا کر معاویہ سے جا ملا۔ حضرت علی کا لشکر جب وارد صفین ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہے اور علوی لشکر کو پانی دینا نہیں چاہتا۔ حضرت نے کئی پیغامبر بھیجے اور بندش آب کو توڑنے کے لئے کہا مگر سماعت نہ کی گئی۔ بالآخر فوج نے زبردست حملہ کر کے گھاٹ چھین لیا۔ مورخین کا بیان

ہے کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے والوں میں امام حسین اور حضرت عباس ابن علی نے کمال جرأت کا ثبوت دیا تھا ملاحظہ ہو (ذکر العباس صفحہ ۲۶ مولفہ) حضرت علی نے گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اعلان کرا دیا کہ پانی کسی کے لئے بند نہیں ہے۔ مطالب السئول میں ہے کہ حضرت علی بار بار معاویہ کو دعوت مصالحت دیتے رہے لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار ماہ ذی الحجہ میں لڑائی شروع ہوئی اور انفرادی طور پر سارے مہینہ ہوتی رہی محرم ۳۷ھ میں جنگ بند رہی اور یکم صفر سے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ علی کو اپنی مرضی کے خلاف تلوار کھینچنی پڑی ... چار مہینے تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں معاویہ کے ۴۵ ہزار آدمی کام آئے اور علی کی فوج نے اس سے آدھا نقصان اٹھایا۔
ذکر العباس صفحہ ۲۷ میں ہے کہ امیرالمؤمنین اپنی روایتی بہادری سے دشمن اسلام کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔ عمرو بن العاص اور بسر ابن ارطاۃ پر جب آپ نے حملے کئے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر برہنہ ہو گئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا۔ یہ اٹھ کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو عاص پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ "در پناہ عورت خود گریختی" تو نے اپنی شرم گاہ کے صدقہ میں جان بچا لی۔ مورخین کا بیان ہے کہ یکم صفر سے سات شبانہ روز تک جنگ جاری رہی۔ لوگوں نے معاویہ کو رلائے دی کہ علی کے مقابلہ میں خود نکلیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ ایک دن جنگ کے دوران میں علیؑ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اے جگر خوارہ کے بیٹے۔ کیوں مسلمانوں کو کٹوا رہا ہے۔ تو خود سامنے آجا۔ اور ہم دونوں آپس میں فیصلہ کن جنگ کر لیں۔ بہت سی تواریخ میں ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں وقوع میں آئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا قیام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے اور ۱۳ صفر ۳۷ھ کو معاویہ کی چال بازیوں، اور عوام کی بغاوت کے باعث فیصلہ حکمین کے حوالہ سے جنگ بند ہو گئی۔ تواریخ میں ہے کہ :-
حضرت علی نے جنگ صفین میں کئی بار اپنا لباس بدل کر حملہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ ابن عباس کا لباس پہنا۔ ایک بار عباس ابن ربیعہ کا بھیس بدلا۔ ایک دفعہ عباس ابن حارث کا روپ اختیار کیا اور جب کریب ابن صباح حمیری مقابلہ کے لئے نکلا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عباس کا لباس بدلا اور زبردست حملہ کیا۔ ملاحظہ ہو مناقب اخطب خوارزمی صفحہ ۱۹۶ قلمی) لڑائی نہایت تیزی سے جاری تھی کہ عمار یاسر جن کی عمر ۹۳ سال تھی۔ میدان میں آ نکلے اور ۱۸ شامیوں کو قتل کر کے شہید ہو گئے حضرت علیؑ نے آپ کی شہادت کو بے حد محسوس کیا ... ایرونگ لکھتا ہے کہ عمار کی شہادت کے بعد علی نے بارہ ہزار سواروں کو لے کر پُرغضب حملہ کیا اور دشمنوں کی صفیں توڑ دیں اور مالک اشتر نے بھی زبردست بے شمار حملے کئے۔ دوسرے دن صبح کو حضرت علی نے پھر لشکر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ لوگو! سن لو کہ احکام خدا معطل کئے جا رہے ہیں اس لئے مجبوراً لڑ رہا ہوں۔ اس کے بعد حملہ شروع

کر دیا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

لیلۃ الہریر

جنگ نہایت تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ میمنہ اور میسرہ عبداللہ اور مالک اشتر کے قبضہ میں تھا۔ جمعہ کی رات تھی۔ ساری رات جنگ جاری رہی۔ بروایت اعثم کوفی ۳۶ ہزار سپاہی طرفین کے مارے گئے ۹۰۰ آدمی حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ لشکر معاویہ سے الغیاث الغیاث کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور دوپہر تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مالک اشتر دشمن کے خیمہ تک جا پہونچے۔ قریب تھا کہ معاویہ زد میں آجائے اور لشکر بھاگ کھڑا ہو کہ ناگاہ عمرو بن عاص نے ۵۰۰ قرآن نیزوں پر بلند کرا دیئے اور آواز دی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے۔ وہ لوگ جو معاویہ سے رشوت کھا چکے تھے فوراً تائید کے لئے کھڑے ہو گئے اور اشعث ابن قیس، مسعود ابن فدک، زید ابن حصین نے عوام کو اس درجہ ورغلایا کہ وہ لوگ وہی کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئے جو عثمان کے ساتھ کر چکے تھے۔ مجبوراً مالک اشتر کو بڑھتے ہوئے قدم اور چلتی ہوئی تلوار روکنا پڑی۔ مؤرخ گبن لکھتا ہے کہ امیر شام بھاگنے کا تہیہ کر رہا تھا لیکن یقینی فتح فوج کے جوش اور نافرمانی کی بدولت علیؑ کے ہاتھ سے چھین لی گئی۔ جرجی زیدان لکھتا ہے کہ نیزوں پر قرآن شریف دیکھ کر حضرت علیؑ کی فوج کے لوگ دھوکا کھا گئے۔ ناچار علیؑ کو جنگ ملتوی کرنی پڑی۔ بالآخر پبلک نے معاویہ کی طرف سے عمرو عاص اور حضرت کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کر کے ماہ رمضان میں بمقام "ذومۃ الجندل" فیصلہ سنانے کو طے کیا۔

حکمین کا فیصلہ

الغرض ماہ رمضان میں بمقام "أذرح" چار چار سو افراد سمیت عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری جمع ہوئے اور اپنا وہ باہمی فیصلہ جس کی رُو سے دونوں کو خلافت سے معزول کرنا تھا۔ سنانے کا انتظام کیا۔ جب منبر پر جا کر اعلان کرنے کا موقع آیا تو ابوموسیٰ نے عمرو بن العاص کو کہا کہ آپ جا کر پہلے بیان دیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ بزرگ ہیں پہلے آپ فرمائیں۔ ابوموسیٰ منبر پر گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں علیؑ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اتر آئے۔ عمرو بن العاص جس سے فیصلہ کے مطابق ابوموسیٰ کو یہ توقع تھی کہ وہ بھی معاویہ کے عزل کا اعلان کر دے گا۔ لیکن اس مکار نے اس کے برعکس یہ کہا کہ میں ابوموسےٰ کی تائید کرتا ہوں اور علی کو حکومت سے ہٹا کر معاویہ کو خلیفہ بناتا ہوں۔ یہ سن کر ابوموسےٰ بہت خفا ہوئے لیکن تیر ترکش سے نکل چکا تھا۔ یہ سن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ علیؑ نے مسکرا کر اپنے طرفداروں سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ دشمن فریب دینے کی فکر میں ہے۔

جنگ نہروان

حکمین کے مہمل لغو اور مکارانہ فیصلہ کو حضرت علی اور ان کے طرف داروں نے مسترد کر دیا اور دوبارہ اعلےٰ پیمانہ پر فوج کشی کا فیصلہ اور تہیہ کر لیا۔ ابھی

اس کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ خوارج کی بغاوت کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ وہ لوگ جو صفین میں جنگ روکنے کے خلاف تھے۔ اب حضرت کے سخت مخالف ہو کر مقام "حرورا" میں آ رہے ہیں پھر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بغداد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر بمقام نہروان بتاریخ ۱۰ ارشوال ۳۷ھ جا پہونچے ہیں اور وہاں مسلمانوں کو ستا رہے ہیں۔ حضرت نے مجبوراً ان پر چڑھائی کی بارہ ہزار میں سے کچھ کوفہ اور مدائن چلے گئے اور کچھ تے بیعت کر لی لیکن چار ہزار آمادہ پیکار ہوئے۔ بالآخر لڑائی ہوئی اور نو آدمیوں کے علاوہ سب مارے گئے۔ اسی جنگ میں مشہور منافق و خارجی ذوالشدیہ بھی مارا گیا۔ جس کا اصل نام موزج تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کی جگہ لمبا سا پستان بنا ہوا تھا۔ اسی لئے اسے ذوالشدیہ کہا جاتا تھا۔

محمد ابن ابی بکر کی عبرت ناک موت

محمد ابن ابی بکر مصر کے گورنر تھے۔ معاویہ نے چھ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کو محمدؐ سے مقابلہ کے لئے مصر بھیج دیا۔ محمد نے حضرت علیؑ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فوراً جناب مالک اشتر کو ان کی کمک میں مصر روانہ کر دیا۔ معاویہ کو جب مالک اشتر کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے مقام عریش یا قلزم کے زمیندار کو خفیہ خط لکھ بھیجا کہ مالک اشتر مصر جا رہے ہیں۔ اگر تم انہیں دعوت وغیرہ کے ذریعہ سے قتل کر دو تو میں تمہارا اخراج ۲۰ سال کے لئے معاف کر دوں گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ جب مالک اشتر پہنچے تو اس نے دعوت دی اور آپ کے لئے افطار صوم کا انتظام کیا اور دودھ میں زہر ملا کر دے دیا۔ جناب مالک اشتر شہید ہو گئے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۱۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴) ادھر مالک اشتر ادھر عمرو عاص نے جناب محمد ابن ابی بکر پر مصر میں حملہ کر دیا۔ آپ نے پورا پورا مقابلہ کیا لیکن نتیجہ پر گرفتار ہو گئے۔ آپ کو معاویہ ابن حدیج نے معاویہ ابن ابی سفیان کے حکم سے گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس عبرت ناک موت کی خبر ملی تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئیں اور تا حیات معاویہ اور عمرو عاص کے لئے ہر نماز کے بعد بددعا کرنے کو وطیرہ بنا لیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ احیوۃ الحیوان وغیرہ) اس واقعہ سے امیر المومنین کو بے حد رنج پہونچا اور معاویہ کو خوشی ہوئی (طبری ابن خلدون مسعودی) یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے (تاریخ اسلام جلد صفحہ ۲۱۶)

امام زین العابدین کی ولادت

اسی سال ۳۸ھ کے جمادی الثانی کی پندرہ تاریخ کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جناب شہر بانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ شاہ ایران کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حضرت علیؑ کی طرف سے ہندوستان پر پہلا حملہ

یوں تو حضرت علی کے لئے فتوحات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کو خلافت ظاہری ملی ہی تھی اس وقت جب کہ لوگوں کے دلوں میں امور شریعت سے نفرت اور بغاوت کے جذبات عہد گذشتہ کے طرز عمل سے پیدا ہو چکے تھے۔ تاہم آپ چونکہ نظام ملکی اور سیاست اسلامی میں کمال رکھتے تھے اس لئے حدود شرع میں فتوحات سے بھی گریز نہیں کیا اور کئی ممالک فتح کئے۔ میری نظر میں آپ کا ہندوستان پر پہلا حملہ اور اس کو فتح کرنے کی بنیاد ڈالنی قابل تذکرہ ہے۔ ابن اثیر اور مورخ بلاذری اور صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں قاسم بن محمد کی ماتحتی میں ایک متعدبہ فوج روانہ کی گئی جو ۳۸ھ کے اوائل میں سندھ کی فتوحات میں مصروف ہوئی۔ اس نے چند مقامات سندھ پر قبضہ کیا۔ قاسم کے بعد ۳۸ھ کے آخیر میں حارث ابن مرہ عبدی ایک دوسری فوج کے ساتھ دارالخلافہ علوی سے روانہ کئے گئے اور انہوں نے ممالک میں بہت مقامات فتح کئے۔ بہت سے سندھی گرفتار کئے گئے اور کثیر التعداد مال غنیمت ہاتھ لگا۔ جو براہ راست دارالخلافہ کو روانہ کیا گیا اور ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کئے گئے۔ حارث بن مرہ عبدی جو جنگ صفین میں ایک قبیلہ کے لشکر کے سردار تھے۔ فتح سندھ کے بعد مدت تک ان بلاد پر قابض رہے۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۵۲ و روضۃ الصفا وغیرہ۔

حضرت علیؑ کی شہادت

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت　　　بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

صفین کے سازشی فیصلہ حکمین کے بعد حضرت علی علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک فیصلہ کن حملہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے تیاری شروع فرمادی اور صفین و نہروان کے بعد ہی سے آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حملہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دس ہزار فوج کا افسر امام حسین علیہ السلام کو اور دس ہزار فوج کا سردار قیس ابن سعد کو اور دس ہزار کا ابو ایوب انصاری کو مقرر کیا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کی جو مکمل فہرست تیار ہوئی۔ اس میں چالیس ہزار آزمودہ کار سترہ ہزار رنگروٹ اور آٹھ ہزار مزدور پیشہ شامل تھے۔ لیکن کوچ کا دن آنے سے پہلے ابن ملجم نے کام تمام کر دیا۔ مقدمہ نہج البلاغت عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۴۰، میں ہے کہ فیصلہ تو ڈھونگ ہی تھا مگر صفین کی جنگ ختم ہو گئی اور معاویہ حتمی تباہی سے بچ گئے۔ اب امیرالمومنین نے کوفہ کا رخ کیا اور معاویہ پر آخری ضرب لگانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساٹھ ہزار فوج آراستہ ہو چکی تھی۔ اور

یلغار شروع ہی ہونے والی تھی کہ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے دغا بازی سے حملہ کر دیا۔ حضرت امیرالمومنین شہید ہو گئے۔ ابن ملجم کی تلوار نے حضرت علی کا کام تمام نہیں کیا۔ بلکہ پوری امت مسلمہ کو قتل کر ڈالا۔ تاریخ کا دھارا ہی بدل ڈالا۔ ابن ملجم کی تلوار نہ ہوتی تو خلافت منہاج نبوت پر استوار رہتی۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۷۰ میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ علیؑ کی ڈاڑھی سر کے خون سے رنگین ہو گی۔ تاریخ الفخری صفحہ ۷۳ میں ہے کہ حضرت علی ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور شیخین انہیں دیکھنے کے لئے گئے تو حالت سقیم دیکھ کر آنحضرت سے کہنے لگے کہ شاید علی نہ بچیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی علی کو موت نہیں آئے گی۔ علیؑ دنیا کے تمام غم و رنج اٹھانے کے بعد تلوار سے شہید ہوں گے۔ صواعق محرقہ صفحہ ۸۰ میں ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ میرے سر اور میری داڑھی کو خون سے جو رنگین کرے گا، وہ دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت ہو گا۔ شرح ابن ابی الحدید جز ۱۳ صفحہ ۱۰۷ میں ہے کہ خالد بن ولید بعض امور شجاعت کی وجہ سے علیؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ بخاری جلد ۵۔ حالات غزوہ طائف صفحہ ۲۹ میں ہے کہ رسول اللہؐ خالد ابن ولید پر تبرا کرتے تھے۔ تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں ہے کہ خالد نے عہد ابوبکر میں مالک ابن نویرہ کی بیوی سے زنا کیا تھا۔ تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۳۴ و تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کر دیا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴ و کامل وغیرہ میں ہے کہ ۳۸ھ میں امیر معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کرا دیا۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ میں ہے، کہ معاویہ نے حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد کو گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا تھا۔ جس کا حضرت عائشہ کو سخت رنج تھا۔ اور وہ معاویہ کو بددعا کیا کرتی تھیں۔ تواریخ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت عائشہ کو کنوئیں میں گرا کر زندہ دفن کر دیا۔ ذکر العباس صفحہ ۱۵ میں مختلف تواریخ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ ۲۸ صفر ۵۰ ہجری کو واقعہ شہادت حضرت علی کے ۱۰ سال بعد امام حسن کو زہر سے معاویہ نے شہید کرایا تھا۔ کشف الغمہ صفحہ ۶۱ میں ہے کہ حضرت علی نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ امیر شام کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ میرے سر اور میری داڑھی کو خون آلود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا۔ کتاب تذکرہ محمد و آل محمد جلد ۲ صفحہ ۸۸ میں ہے کہ ابن ملجم خارجی تحریک کی اس جماعت کا ممبر تھا جو کسی مضبوط ہاتھ کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ عین اس وقت جب علیؑ شام کے حملہ کے لئے روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابن ملجم کا وار کرنا یہ بتا رہا ہے کہ اس کی تہ میں کوئی بڑی سازش تھی۔ تاریخ الامامت والسیاست جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں ہے کہ معاویہ نے عہد عثمان میں حضرت عثمان سے قتل علی کی اجازت مانگی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ کتاب مناقب مرتضوی کے صفحہ ۲۷۷ میں بحوالہ حدیقۃ الحقائق "حکیم ثنائی" ہے کہ امیرالمومنین کے قتل کے انتظامات ابن ملجم کے

ذریعہ سے امیر معاویہ نے کئے تھے جس کا اقرار خود ابن ملجم نے ان الفاظ میں کیا ہے سے

کہ مرا ایں معاویہ فرمود　　　کار کردم کنون نہ دارد سود

میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا۔ ملاحظہ ہو ذکر العباس صفحہ ۲۰۔ کتاب ارجح المطالب صفحہ ۶۵۳، وطبری جلد ۴ صفحہ ۵۹۹ و روضۃ الاحباب میں ہے کہ عبد الرحمن ابن ملجم نے کوفہ پہونچ کر ایک ہزار درہم کی ایک تلوار خریدی اور اسے زہر میں بجھالیا اور موقع کی تلاش میں کوفہ کی گلیوں کے چکر کاٹنے لگا۔ اسی دوران میں ایک دن اس کی نظر ایک حسین عورت پر جا پڑی جس کا نام قطامہ بنت بحنیہ تھا اور جو معاویہ کی رشتہ دار ہوتی تھی۔ ابن ملجم اس عورت کا بے دام غلام بن گیا اور اس سے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ بالآخر بات ٹھہری اور عقد کا فیصلہ ہوگیا۔ جب مہر کی گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ تین ہزار اشرفیاں اور حضرت علیؑ کا سر لوں گی کیونکہ انہوں نے اسلامی جنگوں میں میرے باپ اور بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ ابن ملجم نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے "لقد قصدت لقتل علی وما اقدمنی ھذا المصر غیرذ الک" خدا کی قسم تو نے ایسی چیز مانگی ہے جس کے لئے میں خود اس شہر میں بھیجا گیا ہوں۔ البتہ تجھے بھی اپنے وعدہ کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ اس عہد و پیمان اور وعدہ وعید کے بعد ابن ملجم تگ و دو سعی و کوشش اور جدوجہد میں مشغول ہوگیا۔ صواعق محرقہ صفحہ ۸۰ میں ہے کہ ابن ملجم کی امداد کے لئے شبیب ابن بحیرہ الشجعی بھی تھا۔ روضۃ الشہدا صفحہ ۱۸۰ میں ہے کہ قطامہ نے اور کئی اشخاص اس کی مدد کے لئے معین و مہیا کر دیئے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ قطامہ نے ایسا مہر مانگا جس کی مثال عرب و عجم میں نہیں ہے۔ تاریخ احمدی صفحہ ۲۱۰ میں بحوالہ روضۃ الاحباب مرقوم ہے کہ حضرت علی نے زمانہ شہادت قریب ہونے پر کئی بار اپنی شہادت کا اشارہ اور کنایہ میں ذکر فرمایا تھا۔ منقول ہے کہ ایک دن آپ خطبہ فرما رہے تھے۔ ناگاہ امام حسنؑ دوران خطبہ میں آگئے۔ حضرت علی نے پوچھا۔ بیٹا آج کون سی تاریخ ہے۔ اور اس مہینے کے کتنے دن گذر چکے ہیں۔ آپ نے عرض کی۔ باباجان ۱۳ دن گذر چکے ہیں پھر حضرت نے امام حسینؑ کی طرف رخ کر کے پوچھا۔ بیٹا! اب مہینہ کے ختم ہونے میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ امام حسینؑ نے عرض کی باباجان سترہ دن رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ عنقریب قبیلہ مراد کا ایک نامراد میری داڑھی کو سر کے خون سے رنگین کرے گا۔ اخبار صحیحہ میں وارد ہے کہ حضرت علی کا اصول یہ تھا کہ آپ ایک ایک دن اپنے بیٹوں کے ہاں افطار فرمایا کرتے تھے اور صرف ایک لقمہ تناول کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی ام کلثوم سے فرمایا کہ میں عنقریب تم لوگوں سے رخصت ہو جاؤں گا یہ سن کر وہ رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ بیٹی! میں نے آج رات کو خواب میں سرورِ عالمؐ کو دیکھا ہے

کہ وہ میرے سر سے غبار صاف کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم تمام فرائض ادا کر چکے۔ اب میرے پاس آجاؤ۔ جمہور مورخین کا اتفاق ہے کہ جس رات کی صبح کو آپ شہید ہوئے اس رات میں آپ سوئے نہیں۔ یہ رات آپ کی اس طرح گذری کہ آپ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مصلے سے اٹھ کر صحن خانہ میں آتے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے کہ میرے آقا سرور کائنات نے سچ فرمایا ہے کہ میں شہید کیا جاؤں گا۔ لکھا ہے کہ جب نماز صبح کے ارادے سے باہر نکلے، تو صحن خانہ میں بطوں نے دامن تھام لیا اور شور مچانے لگیں۔ کسی نے روکا تو آپ نے فرمایا مت روکو۔ یہ مجھ پر نوحہ کر رہی ہیں۔ پھر آپ دولت سرا سے برآمد ہو کر داخل مسجد کوفہ ہوئے اور گلدستہ اذان پر جا کر اذان کہنے لگے۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب آپ سجدۂ اوّل میں گئے نامراد ابن ملجم مرادی نے سر اقدس پر تلوار لگادی۔ یہ تلوار اسی جگہ لگی جس جگہ جنگ خندق میں عمرو بن عبدوُد کی تلوار لگ چکی تھی۔ ضرب کے لگتے ہی آسمان سے آواز آئی " الا قتل امیرالمومنین" آگاہ ہو کہ امیرالمومنین قتل ہو گئے۔ اس کے بعد آپ زمین پر لوٹنے لگے اور زخم پر مٹی ڈال کر بولے "فزت برب الکعبہ" خدا کی قسم میں نے حیات ابدی پائی۔ ضرب لگانے کے بعد ابن ملجم بھاگا۔ لوگوں نے تعاقب کیا۔ کتاب ذکر العباس صفحہ ۴۰ میں ہے کہ آپ کو خون میں نہایا ہوا دیکھ کر اولاد و اصحاب نے گریہ کرنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بس رو چکو اور مجھے گھر لے چلو۔ یہ سن کر حضرت امام حسن، امام حسین اور حضرت عباس نے ایک گلیم میں ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا۔ کتاب الکرار صفحہ ۲۰۴ میں ہے کہ گھر پہنچ کر آپ نے صبح کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو گواہ رہنا کہ میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور خدا و رسولؐ کی کوئی مخالفت مجھ سے نہیں ہوئی۔ تاریخ احمدی صفحہ ۲۱۲ میں ہے کہ کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور آپ کی وفات کا وقت آپہنچا (تاریخ الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ آپ کو ایسی زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا تھا کہ سارے اہل مصر کے لئے کافی تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ انتقال کے وقت آپ نے نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جو تقویٰ، پرہیزگاری، عبادت، صلہ رحم وغیرہ سے متعلق تھیں۔ پھر ایک نوشتہ لکھ کر دیا۔ کتاب اخبار ماتم صفحہ ۱۲۴ میں اور بعض کتب تواریخ میں ہے کہ آپ کی خدمت میں شربت پیش کیا گیا، تو آپ نے تھوڑا سا پی کر قاتل کو بھجوا دیا۔ کشف الانوار ترجمہ بحار جلد ۹ صفحہ ۲۱۷ میں ہے کہ آپ نے آخری وقت اپنے سب بیٹوں کو بلا کر امام حسن اور امام حسین کی اطاعت اور امداد کا حکم دیا اور فرمایا۔ کہ یہ فرزندان رسول ہیں۔ اصول کافی صفحہ ۱۴۱ میں ہے کہ جن بیٹوں کو ہدایت دی گئی۔ ان کی تعداد بارہ تھی "مرقات الایقان" جلد ا صفحہ ۱۴۰ میں ہے کہ آپ نے اپنی تمام اولاد و ازواج کو امام حسنؑ کے سپرد فرمایا۔ مائتین صفحہ ۲۴۱ میں ہے کہ حضرت عباس کو امام حسین کے حوالہ کر کے فرمایا کہ یہ تمہارا غلام ہے کربلا میں کام آئے گا۔ کتاب عقد الفرید میں ہے کہ آپ نے امر خلافت امام حسن کے سپرد فرمایا۔ کتاب وسیلۃ النجات میں ہے کہ

امام حسنؑ حضرت علیؑ کی وصیت کے مطابق امام برحق اور خلیفۂ وقت قرار پائے۔ تاریخ کامل ابن اثیر بحارالانوار اعلام الوری ذکر العباس صفحہ ۳۸ میں ہے کہ آپ نے ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کتاب جامع عباسی صفحہ ۹۵ میں ہے کہ شب ۲۱ رمضان کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ اسی شب کو حضرت عیسےؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت موسےؑ نے رحلت کی اور یوشع ابن نون نے وفات پائی۔ کتاب الامامت و السیاست جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ و ارشاد مفید صفحہ ۷ میں ہے کہ امام حسن امام حسین عبداللہ ابن جعفر نے غسل دیا اور محمد حنفیہ نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھی۔ رحلۃ ابن جبیر اندلسی صفحہ ۱۸۹ طبع مصر ۱۹۰۸ء میں ہے کہ آپ کو جس جگہ غسل دیا گیا۔ اسی جگہ حضرت نوح کی بیٹی کا گھر تھا۔ صواعق محرقہ صفحہ ۸۰ میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ بعض تواریخ میں ہے کہ آپ کی قبر حضرت نوح کی بنائی ہوئی تھی اور آپ کا جنازہ سرہانے کی طرف سے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ آپ نجف اشرف میں سپرد خاک کئے گئے۔ جو اب بھی زیارت گاہ عالم ہے۔ مستدرک ریاض النضرہ اور ارجح المطالب صفحہ ۷۰ میں ہے کہ جس شب میں حضرت علی شہید ہوئے اس کی صبح کو بیت المقدس کا جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون تازہ برآمد ہوتا تھا۔ کتاب انوار الحسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۶ میں ہے کہ آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ مسٹر گبن کی تاریخ ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں ہے کہ ظالم بنی امیہ کی وجہ سے علیؑ کی قبر چھپائی گئی۔ چوتھی صدی میں ایک قبہ روضہ کوفہ کے کھنڈروں کے پاس نمودار ہو گیا۔ مشہد علی کوفہ سے ۵ میل اور بغداد سے ۱۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔ حیواۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۸۷ میں ہے کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کے گرد کٹہرے لگوائے تھے۔ کتاب سیف المقلدین باب ۵ صفحہ ۲۴۷ میں ہے کہ مصنف کتاب عبدالجلیل یوسف زئی نے آپ کی تاریخ شہادت کے بارے میں لکھا ہے ؎

گر تو سال شہادتش جوئی — سر ماتم چراغی گوئی

حضرت کی ازواج و اولاد

کتاب انوار الحسینیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵ میں ہے کہ آپ نے دس عورتوں سے نکاح کیا۔ اور آپ کے انتقال کے وقت چار بیویاں موجود تھیں۔ امامہ۔ اسماء۔ لیلیٰ اور ام البنین۔ آپ نے دس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں چھوڑیں۔ ارشاد مفید صفحہ ۱۹۹ میں ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے اور سولہ بیٹیاں تھیں۔ آپ کی نسل پانچ بیٹوں سے بڑھی (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳) محمد حنفیہ (۴) حضرت عباس (۵) عمر بن علی۔ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۷۷ طبع بمبئی و ذکر العباس صفحہ ۴۴ طبع انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور۔

ابو محمدؐ
حضرت امام حسنؑ
علیہ السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام حسن علیہ السلام

ولی ذوالمنن حضرت حسن آں سرورِ خوباں — کہ ہر چیز از عدم با قدرتش ممکن ز امکاں شد
نہ بے سودائے باطل کے توام مدح آں شاہ ہے — کہ مداحش خدا، راوی پیمبر، مدح قرآں شد

حضرت امام حسن علیہ السلام امیرالمومنین حضرت علیؑ و سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے فرزند اور پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم و محسنہ اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نواسے تھے۔ آپ کو خداوند عالم نے معصوم، منصوص اور عالم علم لدنی قرار دیا۔

آپ کی ولادت آپ ۱۵ رمضان ۳ھ کی شب کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت سے قبل ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں جا پہنچا ہے۔ خواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری لخت جگر فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہو گا جس کی پرورش تم اپنے فرزند قثم کے دودھ سے کرو گی۔ مورخین کا کہنا ہے کہ رسول کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ آپ کی ولادت نے رسول کے دامن سے مقطوع النسل ہونے کا دھبہ صاف کر دیا۔ اور دنیا کے سامنے سورۂ کوثر کی ایک اور تفسیر پیش کر دی۔

آپ کا نام نامی ولادت کے بعد اسم گرامی حمزہ تجویز ہو رہا تھا۔ لیکن سرور کائنات نے بحکم خدا موسیٰ کے وزیر ہارون کے فرزندوں کے شبرؔ و شبیرؔ نام پر آپ کا نام حسنؑ اور بعد میں آپ کے بھائی کا نام حسینؑ رکھا۔ بحار الانوار میں ہے کہ امام حسنؑ کی پیدائش کے بعد جبریل امین نے سرور کائنات کی خدمت میں ایک سفید ریشمی رومال پیش کیا۔ جس پر "حسن" لکھا ہوا تھا۔ ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے فاطمہؑ کے دونوں شاہزادوں کا نام انظار عالم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا۔

زبان رسالت دھن امامت میں علل الشرائع میں ہے کہ جب امام حسن کی ولادت ہوئی اور آپ سرور کائنات کی خدمت میں

گئے تو رسول کریمؐ بے انتہا خوش ہوئے اور ان کے دہن مبارک میں اپنی زبان اقدس دے دی۔ بحار الانوار میں ہے کہ آنحضرت نے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی۔ امام حسنؑ اسے چوسنے لگے اس کے بعد آپ نے دعا کی۔ خدایا اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام حسنؑ کو لعاب دہن رسولؐ کم اور امام حسینؑ کو زیادہ چوسنے کا موقع دستیاب ہوا تھا۔ اسی لئے امامت نسل حسینؑ میں مستقر ہو گئی۔

آپ کا عقیقہ آپ کی ولادت کے ساتویں دن سرور کائنات نے خود اپنے دست مبارک سے عقیقہ فرمایا۔ اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی (اسد الغابۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳) علامہ کمال الدین کا بیان ہے کہ عقیقہ کے سلسلے میں دنبہ ذبح کیا گیا تھا" مطالب السئول صفحہ ۲۲۰ کافی کلینی میں ہے کہ سرور کائنات نے عقیقہ کے وقت جو دعا پڑھی تھی۔ اس میں یہ عبارت بھی تھی "اللھم عظمھا بعظمہ، لحمھا بلحمہ دمھا بدمہ وشعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا وقاء لمحمد والہ" خدایا۔ اس کی ہڈی مولود کی ہڈی کے عوض۔ اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض۔ اس کا خون اس کے خون کے عوض، اس کا بال اس کے بال کے عوض قرار دے اور اسے محمد و آل محمد کے لئے ہر بلا سے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ امام شافعی کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے امام حسن کا عقیقہ کر کے اس کے سنت ہونے کی دائمی بنیاد ڈال دی (مطالب السئول صفحہ ۲۲۰) بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے آپ کا ختنہ بھی کرایا تھا لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ امامت کی شان سے مختون پیدا ہونا بھی ہے۔

کنیت والقاب آپ کی کنیت صرف ابو محمد تھی اور آپ کے القاب بہت کثیر ہیں۔ جن میں طیب وتقی اور سبط و سید زیادہ مشہور ہیں۔ محمد بن طلحہ شافعی کا کہنا ہے کہ آپ کا "سید" لقب خود سرور کائنات کا عطا کردہ ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۲۱) زیارت عاشورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا لقب ناصح اور امین بھی تھا۔

امام حسنؑ پیغمبر اسلام کی نظر میں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسن پیغمبر اسلام کے نواسے تھے لیکن قرآن مجید نے انہیں فرزند رسول کا درجہ دیا ہے اور اپنے دامن میں جا بجا آپ کے تذکرہ کو جگہ دی ہے خود سرور کائنات نے بے شمار احادیث آپ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں حسنینؑ کو

دوست رکھتا ہوں اور جو انہیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے رسول کریم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کندھے پر امام حسنؑ کو اور ایک پر امام حسینؑ کو بٹھائے ہوئے لئے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کا منہ چومتے جاتے ہیں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے اور حسنینؑ آپ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ کسی نے روکنا چاہا تو حضرت نے اشارہ سے منع فرمایا (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲) ایک صحابی کا کہنا ہے کہ میں اس دن سے امام حسنؑ کو بہت زیادہ دوست رکھنے لگا جس دن میں نے رسولؐ کی آغوش میں بیٹھ کر ان کی ڈاڑھی سے کھیلتے دیکھا (نور الابصار صفحہ ۱۱۹) ایک دن سرور کائناتؐ امام حسنؑ کو کندھے پر سوار کئے لئے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے صاحبزادے تمہاری سواری کس قدر اچھی ہے۔ یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا۔ یہ کہو کہ کس قدر اچھا سوار ہے (اسد الغابۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵ بحوالہ ترمذی) امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا امام حسنؑ کو کندھے پر بٹھائے فرما رہے تھے۔ خدایا۔ میں اسے دوست رکھتا ہوں۔ تو بھی اس سے محبت کر۔ حافظ ابو نعیم ابو بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگاہ امام حسنؑ آ گئے اور وہ دوڑ کر پشت رسول پر سوار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسولِ کریم نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا اور اختتام نماز پر آپ سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا۔ یہ میرا گل امید ہے" ابنی ھذا سید" یہ میرا بیٹا سید ہے اور دیکھو یہ عنقریب دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ امام نسائی عبد اللہ ابن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نماز عشا پڑھانے کے لئے آنحضرت تشریف لائے۔ آپ کی آغوش میں امام حسن تھے۔ آنحضرت نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب سجدہ میں گئے تو اتنا طول کر دیا کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہونے لگی ہے۔ اختتام نماز پر آپ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا۔ میں نے یہ نہ چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے اتاروں۔ جب تک کہ وہ خود نہ اتر جائے۔ اس لئے سجدہ کو طول دینا پڑا۔ حکیم ترمذی اور نسائی و ابو داؤد نے لکھا ہے کہ آنحضرت ایک دن محو خطبہ تھے کہ حسنینؑ آ گئے اور آپ کے پاؤں دامن عبا میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انہیں آغوش میں اٹھا لیا اور منبر پر لے جا کر خطبہ شروع فرمایا (مطالب السؤل صفحہ ۲۲۳)

امام حسنؑ کی سرداری جنت

آل محمد کی سرداری مسلمات سے ہے۔ علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے "الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ وابوھما خیر منھما" حسنؑ اور حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد بزرگوار یعنی علیؑ ابن ابی طالب ان دونوں

سے بہتر ہیں۔ جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت کو ایک دن بہت زیادہ مسرور پا کر عرض کی۔ مولا۔ آج افراط و شادمانی کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے آج جبریل نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے دونوں فرزند حسن و حسین جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد علی ابن ابی طالب ان سے بھی بہتر ہیں (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷، صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷) اس حدیث سے اس کی بھی وضاحت ہو گئی کہ حضرت علی صرف سیّد ہی نہ تھے بلکہ فرزندانِ سیادت کے باپ تھے۔

جذبۂ اسلام کی فراوانی

مورخین کا بیان ہے کہ ایک دن ابوسفیان حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ آنحضرت سے سفارش کر کے ایک ایسا معاہدہ لکھوا دیجئے جس کی رُو سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت جو کچھ کہہ چکے ہیں اب اس میں سرمو فرق نہ ہوگا۔ اس نے امام حسن سے سفارش کی خواہش کی۔ آپ کی عمر اگرچہ اس وقت صرف ۱۴ ماہ کی تھی لیکن آپ نے اس وقت ایسی جرأت کا ثبوت دیا جس کا تذکرہ زبان تاریخ پر ہے۔ لکھا ہے کہ ابوسفیان کی طلب سفارش پر آپ نے دوڑ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور ناک مروڑ کر کہا کلمہ شہادت زبان پر جاری کرو۔ تمہارے لئے سب کچھ ہے۔ یہ دیکھ کر امیرالمومنین مسرور ہو گئے (مناقب آلِ ابی طالب جلد ۴ صفحہ ۴۶)

امام حسن اور ترجمانی وحی

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن کا یہ وطیرہ تھا کہ آپ انتہائی کم سنی کی حالت میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من وعن اپنی والدہ ماجدہ کو سنا دیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علی نے فرمایا۔ اے بنت رسول میرا جی چاہتا ہے کہ میں حسنؑ کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں اور سنوں۔ سیّدہ نے امام حسن کے پہنچنے کا وقت بتا دیا۔ ایک دن امیرالمومنین حسن سے پہلے داخل خانہ ہو گئے اور گوشۂ خانہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ امام حسن حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد عرض کی "یا اماہ قد تلجلج لسانی وکل بیانی لعل سیّدی یرانی" مادر گرامی آج زبانِ وحی ترجمان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ محترم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیرالمومنین نے دوڑ کر امام حسن کو آغوش میں اٹھا لیا اور بوسہ دینے لگے (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳)

امام حسنؑ بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے

امام بخاری رقم طراز ہیں کہ ایک دن کچھ صدقہ کی کھجوریں آئی ہوئی تھیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ

اس کے ڈھیر سے کھیل رہے تھے اور کھیل ہی کے طور پر امام حسن نے ایک کھجور دہن اقدس میں رکھ لی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا۔ اے حسن! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے (صحیح بخاری پارہ ۶ صفحہ ۵۲)

حضرت حجۃ الاسلام شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری تحریر فرماتے ہیں کہ "امام پر اگرچہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس پر علامہ حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آنحضرت نے امام حسن کے شیر خوارگی کے عالم میں صدقہ کی کھجور کے منہ میں رکھ لینے پر اعتراض فرمایا تھا "کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا حرام" تھو تھو کرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ امام حسن اس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ پر ابھی شرعی پابندی نہ تھی۔ آنحضرت نے ان پر کیوں اعتراض کیا۔ اس کا جواب علامہ عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں دیا ہے کہ امام حسن اور دوسرے بچے برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان الحسن یطالع لوح المحفوظ" امام حسنؑ شیر خوارگی کے عالم میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے (احقاق الحق صفحہ ۱۲۷)

خلیفہ اوّل کو منبر رسول سے اترنے کا حکم

علامہ ابن حجر اور امام سیوطی رقم طراز ہیں کہ امام حسن ایک دن مسجد رسول کی طرف سے گذرے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر منبر رسول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ سے رہا نہ گیا اور آپ منبر کے قریب تشریف لے جا کر فرمانے لگے "انزل عن منبر ابی" میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ۔ یہ تمہارے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ منبر سے اتر آئے اور امام حسنؑ کو اپنی آغوش میں بٹھا لیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۵۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۵۔ ریاض النضرہ صفحہ ۱۲۸)

امام حسنؑ کا بچپن اور مسائل علمیہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت آئمہ معصومین علیہم السلام کو علم لدنی ہوا کرتا تھا وہ دنیا میں تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے دنیا کے عام علماء اپنی زندگی کے آخری عمر تک بے بہرہ رہتے تھے۔ امام حسن جو خانوادہ رسالت کی ایک فرد اکمل اور سلسلہ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھی کے بچپن کے حالات و واقعات دیکھے جائیں تو

میرے دعوے کا ثبوت مل سکے گا۔

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے کہ ایک سائل حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے چند انڈے بھون کر کھا لئے ہیں۔ بتائیے کہ مجھ پر کیا کفارہ واجب الادا ہوا۔ سوال کا جواب چونکہ ان کے بس کا نہ تھا۔ اس لئے عرقِ ندامت پیشانی خلافت پر آ گیا۔ ارشاد ہوا کہ اسے عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس لے جاؤ۔ جو ان سے سوال دہرایا تو وہ بھی خاموش ہو گئے اور کہا کہ اس کا حل تو امیرالمومنین کر سکتے ہیں۔ سائل حضرت علیؑ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے سائل سے فرمایا کہ میرے دو چھوٹے بچے جو سامنے کھیل رہے ہیں۔ ان سے دریافت کر لے۔ سائل امام حسنؑ کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا۔ امام حسن نے جواب دیا کہ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی عمدہ اونٹنیاں لے کر انہیں حاملہ کرا اور ان سے جو بچے پیدا ہوں انہیں راہِ خدا میں ہدیہ خانہ کعبہ کر دے۔ امیرالمومنین نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹا جواب تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہو جاتے ہیں اور کچھ بچے مر جاتے ہیں۔ عرض کی بابا جان بالکل درست ہے۔ مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب اور گندے نکل جاتے ہیں۔ یہ سن کر سائل پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

۲۔ ایک روز امیرالمومنین مقام رحبہ میں تشریف فرما رہے تھے اور حسنینؑ بھی وہیں موجود تھے ناگاہ ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ میں آپ کی رعایا اور اہل بلد (شہری) ہوں۔ حضرت نے فرمایا، کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نہ میری رعایا میں سے ہے اور نہ میرا شہری ہے بلکہ تو بادشاہ روم کا فرستادہ ہے۔ تجھے اس نے معاویہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اس نے کہا کہ یا حضرت۔ آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ مجھے معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کے پاس بھیج دیا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔ مگر آپ بہ علم امامت سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لے۔ وہ امام حسنؑ کی طرف متوجہ ہو کر چاہتا تھا کہ سوال کرے کہ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اے شخص تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ (۱) حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے (۲) زمین و آسمان تک کتنی مسافت ہے (۳) مشرق و مغرب میں کتنی دوری ہے (۴) قوس و قزح کیا چیز ہے (۵) مخنث کس کو کہتے ہیں (۶) وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں سے ہر ایک کو خداوند عالم نے دوسرے سے سخت اور فائق پیدا کیا ہے۔

سُن! حق و باطل میں چار انگشت کا فرق و فاصلہ ہے۔ اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا حق ہے

اور جو کان سے سُنا۔ باطل ہے (آنکھ سے دیکھا ہوا الیقینی، کان سے سنا ہوا محتاج تحقیق) زمین اور آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔ مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے اور قوس و قزح اصل میں قوس خدا ہے۔ اس لئے کہ قزح شیطان کا نام ہے۔ یہ فراوانی رزق اور اہل زمین کے لیئے غرق سے امان کی علامت ہے۔ اسی لئے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کی علامات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ اور بارش میں نکلتی ہے تو ختم باران کی علامات میں سے شمار کی جاتی ہے۔ مخنث وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اور اس کے جسم میں دونوں کے اعضا ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ تا حد بلوغ انتظار کریں۔ اگر محتلم ہو تو مرد اور حائض ہو اور پستان ابھر آئیں تو عورت۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کے پیشاب کی دھار سیدھی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر سیدھی جاتی ہے تو مرد ورنہ عورت اور وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب و قوی ہے۔ وہ یہ ہیں کہ خدا نے سب سے زائد سخت پتھر کو پیدا کیا ہے۔ مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت قوی آگ ہے جو لوہے کو پگھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت قوی پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ابر ہے جو پانی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے زائد و قوی ہوا ہے جو ابر کو اڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زائد سخت و قوی فرشتہ ہے جس کے ہوا محکوم ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ملک الموت ہے جو فرشتہ باد کی بھی روح قبض کر لیں گے اور ملک الموت سے بھی زائد سخت و قوی موت ہے جو ملک الموت کو بھی مار ڈالے گی اور موت سے زائد سخت و قوی حکم خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے۔ یہ جوابات سن کر سائل پھڑک اٹھا۔

۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور اسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے قتل کیا ہے، تو اس نے کہا۔ ہاں! لوگ اسے جسد مقتول سمیت جناب امیر المومنین کی خدمت میں لے چلے۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس مقتول کا قاتل میں ہوں ان لوگوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا اور حضرت کے پاس لے گئے۔ سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا اس نے کہا۔ یا مولا میں قصاب ہوں۔ گوسفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اس طرح خون آلود چھری ہاتھ میں لیئے ہوئے اس خرابہ میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اتنے میں لوگ آ گئے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت جب کہ قتل کے سارے

قرائن موجود ہیں۔ میرے انکار کو کون باور کرے گا۔ میں نے اقرار کر لیا۔ پھر آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے۔ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی۔ تو حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے فرزند حسنؑ کو بلاؤ۔ وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائیں گے۔ امام حسنؑ آئے اور سارا قصہ سنا۔ فرمایا۔ دونوں کو چھوڑ دو۔ یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگرچہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس کو قتل کیا تو دوسرے نفس (قصاب) کو بچا کر اسے حیات دی اور اس کی جان بچالی اور حکم قرآن ہے کہ "من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً" یعنی جس نے ایک نفس کی جان بچائی اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی۔ لہٰذا اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے۔

۴۔ علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شاہِ روم نے جب حضرت علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ کی چیرہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں۔ حضرت علیؑ کی طرف سے امام حسنؑ اور معاویہ کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی۔ یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے جاتے ہی کہا کہ خدا کا شکر ہے میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں۔ شاہِ روم نے چند تصاویر نکالیں۔ یزید نے کہا کہ میں ان میں سے ایک کو بھی نہیں پہچانتا۔ اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں۔ امام حسنؑ نے حضرت آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسماعیل اور شعیب و یحییٰ کی تصویریں دیکھ کر شکلیں پہچان لیں اور ایک تصویر دیکھ کر آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔ فرمایا۔ میرے جدِّ امجد نامدار کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ وہ کون سے جاندار ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں (۱) آدم (۲) حوّا (۳) دنبہ ابراہیم (۴) ناقہ صالح (۵) ابلیس (۶) موسیٰ اژدہا (۷) وہ کوّا جس نے قابیل کی دفن ہابیل کی طرف سے رہبری کی۔ بادشاہ نے یہ تبحر علمی دیکھ کر آپ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ واپس کیا۔

امام حسنؑ اور تفسیر قرآن

علامہ ابن طلحہ شافعی بحوالہ تفسیر وسیط واحدی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عباس اور ابن عمر سے ایک آیت سے متعلق شاھد و مشھود کے معنی دریافت کئے۔ ابن عباس نے شاہد سے یوم جمعہ اور مشہود سے یوم عرفہ بتایا اور ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا۔ اس کے بعد وہ شخص امام حسنؑ کے پاس پہنچا۔ آپ نے شاہد سے رسولِ خدا اور مشہود سے یوم قیامت فرمایا اور دلیل میں آیت پڑھی (۱) یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیراً "اے نبی ہم نے تم کو شاہد و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے (۲) ذالک یوم مجموع لہ الناس و ذالک یوم

مشہود۔" قیامت کا وہ دن ہوگا جس میں تمام لوگ ایک مقام پر جمع کر دیئے جائیں گے اور یہی یوم مشہود ہے۔ سائل نے سب کا جواب سننے کے بعد کہا "فعان قول الحسن احسن" امام حسنؑ کا جواب، دونوں سے کہیں بہتر ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۲۵)

امام حسنؑ کی سایۂ رحمت سے محرومی

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسنؑ کی عمر جب سات سال پانچ ماہ اور تیرہ یوم کی ہوئی تو آپ کے سر سے رحمۃ اللعالمین کا سایہ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو اٹھ گیا۔ ابھی آپ نانا کے سوگ منانے سے فراغت حاصل نہ کر سکے تھے کہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ھ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بھی انتقال فرمایا۔ اس غم بالائے غم نے امام حسنؑ کو بے انتہا صدمہ پہنچایا۔

مشابہت رسولؐ علامہ علی متقی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ حسنؑ رسول کریم صلعم کی شکل و شباہت سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ امام حسنؑ کے جسم کا نصف بالائی حصہ رسول اللہ سے اور نصف حصہ زیریں امیرالمومنین سے مشابہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ حسنؑ میں خدا نے ہیبت اور سرداری اور حسینؑ میں جرأت و ہمت ودیعت کی ہے (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

امام حسنؑ کی عبادت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام زبردست عابد بے مثل زاہد۔ افضل ترین عالم تھے۔ آپ نے جب بھی حج فرمایا پیدل فرمایا۔ کبھی پا برہنہ حج کے لئے جاتے تھے۔ آپ اکثر موت، عذاب قبر، صراط اور بعثت و نشور کو یاد کر کے رویا کرتے تھے، جب آپ وضو کرتے تھے، تو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھا اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو بید کی مثل کانپنے لگتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب دروازہ مسجد پہ پہنچیں تو خدا کو مخاطب کر کے کہیں میرے پالنے والے تیرا گناہگار بندہ تیری بارگاہ میں آیا ہے۔ اے رحمٰن و رحیم اپنے اچھائیوں کے صدقہ میں مجھ جیسے برائی کرنے والے بندہ کو معاف کر دے۔ آپ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تھے تو اس وقت تک خاموش بیٹھے رہتے تھے جب تک سورج طالع نہ ہو جائے (روضۃ الواعظین۔ بحار الانوار)

آپ کا زہد امام شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے اکثر اپنا سارا مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا ہے اور بعض مرتبہ نصف مال تقسیم فرمایا ہے۔

آپ کی سخاوت

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کچھ مانگا۔ دست سوال کا دراز ہونا تھا کہ آپ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور فرمایا کہ مزدور لا کر اسے اٹھوا لے جا۔ اس کے بعد آپ نے مزدور کی مزدوری میں اپنا چغہ بخش دیا (مراۃ الجنان صفحہ ۱۲۳) ایک مرتبہ آپ نے ایک سائل کو خدا سے دعا کرتے ہوئے سنا "خدایا مجھے دس ہزار درہم عطا فرما" آپ نے گھر پہونچ کر مطلوبہ رقم بھجوا دی (نورالابصار صفحہ ۱۲۲) آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو فاقہ کرتے ہیں لیکن سائل کو محروم واپس نہیں فرماتے۔ ارشاد فرمایا کہ میں خدا سے مانگنے والا ہوں۔ اس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈالی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنی عادت بدل دوں تو کہیں خدا بھی نہ اپنی عادت بدل دے اور مجھے بھی محروم کر دے (صفحہ ۱۲۳)

توکل کے متعلق آپ کا ارشاد

امام شافعی کا بیان ہے کہ کسی نے امام حسنؑ سے عرض کی کہ ابوذر غفاری فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری پسند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے۔ ان کا کہنا درست ہے لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا۔ جسے خدا اس کے لئے پسند کرے (مراۃ الجنان جلد ا صفحہ ۱۲۵)

امام حسنؑ حلم اور اخلاق کے میدان میں

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں معاویہ کے طرفداروں میں کا ایک شامی سامنے آپڑا۔ اس نے حضرت کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ آپ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا۔ جب وہ اپنی جیسی کر چکا تو آپ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ بھائی شاید تو مسافر ہے سن۔ اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو تو میں تجھے سواری دے دوں گا۔ اگر تو بھوکا ہے تو کھانا کھلا دوں۔ اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دے دوں۔ اگر تجھے رہنے کو جگہ چاہیئے تو مکان کا انتظام کر دوں۔ اگر دولت کی ضرورت ہے تو تجھے اتنا دے دوں کہ تو خوشحال ہو جائے! یہ سن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے خلیفہ ہیں۔ مولا میں تو آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن آج آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ اب میں آپ کے قدموں سے دور نہ جاؤں گا اور تاحیات آپ کی خدمت میں رہوں گا (مناقب جلد ۴ صفحہ ۵۳ و کامل مبرد جلد ۲ صفحہ ۸۶)

احسان کا بدلہ احسان

ابوالحسن مدائنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر طیار حج کو جاتے ہوئے بھوک اور پیاس کی حالت میں ایک ضعیفہ کے جھونپڑے میں جا پہونچے اور اس کے کھانے پینے کی چیز طلب فرمائی۔ اس نے عرض کی کہ میرے پاس ایک بکری ہے اس کا دودھ دوہ کر پیاس بجھائی جاسکتی ہے۔ انہوں نے دودھ پی لیا لیکن گرسنگی سے تسلّی نہ ہوئی تو اس نے فرمایا کہ کچھ کھانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس یہی ایک بکری ہے لیکن میں قسم دیتی ہوں کہ آپ اسے ذبح کر کے تناول فرمالیں۔ بکری ذبح کی گئی۔ گوشت بھونا گیا اور سب نے کھالیا۔ اس کے بعد قدرے آرام کر کے وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ جب شام کو اس کا شوہر آیا تو اس عورت نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ شوہر نے پوچھا۔ وہ کون لوگ تھے۔ کہا معلوم نہیں۔ جاتے وقت صرف یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ شوہر نے کہا۔ خدا کی بندی یہ تو بتا کہ اب ہمارا گذارہ کس طرح ہو گا۔ غرضیکہ تھوڑے عرصہ میں ان لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو کر بھیک مانگتے ہوئے مدینہ جا پہونچے۔ ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ ناگاہ امام حسنؑ کی نگاہ اس عورت پر جا پڑی۔ آپ نے اسے بلا کر بکری والا واقعہ یاد دلایا اور اس کو ایک ھزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں عنایت فرما دیں اور اسے امام حسینؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے بھی اسی قدر عطا فرمائیں پھر عبداللہ ابن جعفر کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے بھی اسی کے لگ بھگ اسے دے دیا۔ وہ مالامال ہو کر اپنے گھر واپس چلی گئی (نورالابصار صفحہ ۱۲۱ و مطالب السئول صفحہ ۲۲۹)

عہد امیرالمومنین میں امام حسنؑ کی اسلامی خدمات

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السّلام کو پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد مسلمانوں نے خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ ہی نہیں رہے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں بھی کئے۔ سیرت صحابہ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ جنگ صفین کے سلسلہ میں جب ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ دوانیاں عریاں ہو چکیں تو امیرالمومنین نے امام حسن اور عمار یاسر کو کوفہ روانہ فرمایا۔ آپ نے جامع کوفہ میں موسیٰ کے افسون کو اپنی تقریر کے تریاق سے بے اثر بنا دیا اور

لوگوں کو حضرت علی کے ساتھ جنگ کے لئے جانے پر آمادہ کر دیا۔ اخبار الطوال کی روایت کی بناء پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہو گیا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ جنگ جمل کے بعد جب عائشہ مدینہ جانے پر آمادہ نہ ہوئیں، تو حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو بھیجا کہ انہیں سمجھا بجھا کر مدینہ روانہ کریں۔ چنانچہ اس سعی ممدوح میں کامیاب ہو گئے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ امام حسنؑ جنگ جمل و صفین میں علمدار لشکر تھے اور آپ نے معاہدۂ تحکیم پر دستخط بھی فرمائے تھے اور جنگ جمل و صفین اور نہروان میں بھی سعی بلیغ کی تھی۔

فوجی کاموں کے علاوہ آپ کے سپرد سرکاری مہمان خانہ کا انتظام اور شاہی مہمانوں کی مدارت کا کام بھی تھا۔ آپ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے اور بیت المال کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔

حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی بیعت

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسنؑ کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر بمقام مسجد کوفہ ۱۸ رمضان ۴۰ھ بوقت صبح امیر معاویہ کی سازش سے عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی جس کے صدمہ سے آپ نے ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو بوقت صبح شہادت پائی۔ اس وقت امام حسنؑ کی عمر ۳۷ سال چھ یوم کی تھی۔ حضرت علی تکفین و تدفین کے بعد عبداللہ ابن عباس کی تحریک سے بقول ابن اثیر قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری نے امام حسن کی بیعت کی۔ اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد ۴۰ ہزار تھی۔ یہ واقعہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ یوم جمعہ کا ہے۔ کفایۃ الاثر علامہ مجلسی میں ہے کہ اس وقت آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد بارہ امام کی خلافت کا ذکر فرمایا اور اس کی وضاحت کی کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہم میں کا ہر ایک یا تلوار کے گھاٹ اترے گا یا زہر دغا سے شہید ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے عراق، ایران، خراسان، حجاز اور یمن و بصرہ وغیرہ کے عمال کی طرف توجہ کی۔ اور عبداللہ ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ معاویہ کو جونہی یہ خبر پہونچی کہ بصرہ کے حاکم ابن عباس مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس نے دو جاسوس روانہ کئے۔ ایک قبیلہ حمیر کا کوفہ کی طرف اور دوسرا قبیلہ قین کا بصرہ کی طرف۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ امام حسن سے منحرف ہو کر میری طرف آجائیں لیکن یہ دونوں جاسوس گرفتار کر لئے گئے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب عنان حکومت امام حسنؑ کے ہاتھوں میں آئی تو زمانہ بڑا آشوب تھا۔

حضرت علیؑ حق کی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دنیا سے کوچ کر چکے تھے۔ ان کی دفعتہً
شہادت نے سوتے ہوئے فتنوں کو بیدار کر دیا تھا اور ساری مملکت میں سازشوں کی کھچڑی پک رہی تھی۔
خود کوفہ میں اشعث ابن قیس، عمر بن حریث، شبیث ابن ربعی وغیرہ کھلم کھلا برسر عناد اور آمادۂ فساد نظر
آتے تھے۔ معاویہ نے جابجا جاسوس مقرر کر دیے تھے جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈلواتے اور حضرت کے
لشکر میں اختلاف و تشتت کا بیج بوتے تھے۔ اس نے کوفہ کے بڑے بڑے سرداروں سے
نامہ و پیام کیا اور بڑی بڑی رشوتیں دے کر انہیں توڑ لیا۔ بحار الانوار میں علل الشرائع کے حوالہ سے
منقول ہے کہ معاویہ نے عمر بن حریث، اشعث بن قیس، حجر ابن الحجر، شبیث ابن ربعی کے پاس علیحدہ
علیحدہ یہ پیام بھیجا کہ جس طرح ہو سکے حسنؑ ابن علیؑ کو قتل کرا دو۔ جو منچلا یہ کام کر گذرے گا۔ اس کو دو
لاکھ درہم نقد انعام دوں گا۔ فوج کی سرداری عطا کروں گا اور اپنی کسی لڑکی سے اس کی شادی
کر دوں گا۔ یہ انعام حاصل کرنے کے لئے لوگ شب و روز موقع کی تاک میں رہنے لگے۔ حضرت کو
اطلاع ملی تو آپ نے کپڑوں کے نیچے زرّہ پہننی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ نماز جماعت پڑھانے
کے لئے باہر نکلتے تو زرہ پہن کر نکلتے تھے۔ معاویہ نے ایک طرف تو خفیہ جوڑ توڑ کئے دوسری طرف
ایک بڑا لشکر عراق پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جب حملہ آور لشکر حدود عراق میں دور
تک آگے بڑھ آیا۔ تو حضرت نے اپنے لشکر کو حرکت کرنے کا حکم دیا حجر ابن عدی کو تھوڑی سی
فوج کے ساتھ آگے بڑھنے کے لئے فرمایا۔ آپ کے لشکر میں بھیڑ بھاڑ تو خاصی نظر آنے
لگی تھی۔ مگر سردار جو سپاہیوں کو لڑاتے ہیں کچھ تو معاویہ کے ہاتھ بک چکے تھے۔ کچھ
عافیت کوشی میں مصروف تھے۔ حضرت علیؑ کی شہادت نے دوستوں کے حوصلے پست کر دیے تھے
اور دشمنوں کو جرأت و ہمت دلا دی تھی۔

مورخین کا بیان ہے کہ معاویہ ۶۰ ہزار کی فوج لے کر مقام مسکن میں جا اترا جو بغداد سے
دس فرسخ تکریت کی جانب "اراتا" کے قریب واقع ہے۔ امام حسن علیہ السلام کو جب معاویہ
کی پیش قدمی کا علم ہوا۔ تو آپ نے بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا اور کوفہ سے ساباط
میں جا پہونچے اور بارہ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے
روانہ کر دی۔ پھر ساباط سے روانہ ہوتے وقت آپ نے ایک خطبہ میں پڑھا۔ جس میں آپ
نے فرمایا تھا کہ:-

"لوگو! تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں
میں میرا ساتھ دو۔" میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض و عداوت نہیں
ہے میرے دل میں کسی کو ستانے کا خیال نہیں۔ میں صلح کو جنگ سے اور محبت کو عداوت

سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں"۔

لوگوں نے حضرت کے اس خطاب کا مطلب یہ سمجھا کہ حضرت امام حسنؑ، امیر معاویہ سے صلح کرنے کی طرف مائل ہیں اور خلافت سے دست برداری کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں۔ اسی دوران میں معاویہ نے امام حسنؑ کے لشکر کی کثرت سے متاثر ہو کر بہ مشورہ عمرو عاص کچھ لوگوں کو امام حسنؑ کے لشکر میں اور کچھ کو قیس ابن سعد کے لشکر میں بھیج کر ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرا دیا۔ امام حسنؑ کے لشکر والے سازشیوں نے قیس کے متعلق یہ شہرت دینی شروع کی کہ اس نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور قیس ابن سعد کے لشکر میں جو سازشی گھسے ہوئے تھے انہوں نے تمام لشکریوں میں یہ چرچا کر دیا کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی ہے امام حسنؑ کے دونوں لشکروں میں اس غلط افواہ کے پھیل جانے سے بغاوت اور بدگمانی کے جذبات ابھر نکلے۔ امام حسنؑ کے لشکر کا وہ عنصر جسے پہلے ہی سے شبہ تھا کہ یہ مائل بہ صلح ہیں یہ کہنے لگا کہ امام حسنؑ بھی اپنے باپ حضرت علیؑ کی طرح (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے ہیں۔ بالآخر فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش مبارک پر سے ردا بھی اتار لی اور بعض نمایاں قسم کے افراد نے امام حسنؑ کو معاویہ کے حوالے کر دینے کا پلان تیار کیا۔ آخر کار آپ ان بدبختوں سے مایوس ہو کر مدائن کے گورنر سعد یا سعید کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی نے آپ کی ران پر کمین گاہ سے ایک ایسا خنجر لگایا جس نے ہڈی تک کو محفوظ نہ رہنے دیا۔ آپ نے مدائن میں مقیم رہ کر علاج کرایا اور اچھے ہو گئے۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ تاریخ ائمہ صفحہ ۳۳۳ - فتح الباری - طبری)

معاویہ نے موقع غنیمت جان کر ۲۰ ہزار کا لشکر عبداللہ ابن عامر کی قیادت و ماتحتی میں مدائن بھیج دیا۔ امام حسنؑ اس سے لڑنے کے لئے نکلنے ہی والے تھے کہ اس نے عام شہرت کر دی، کہ معاویہ بہت بڑا لشکر لئے ہوئے آ رہا ہے۔ میں امام حسنؑ اور ان کے لشکر سے درخواست کرتا ہوں کہ مفت میں اپنی جان نہ دیں اور صلح کر لیں۔

اس دعوتِ صلح اور پیغام خوف سے لوگوں کے دل بیٹھ گئے۔ ہمتیں پست ہو گئیں۔ اور امام حسنؑ کی فوج بھاگنے کے لئے راستے ڈھونڈنے لگی۔

صلح مورخ معاصر علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسنؑ کے لئے جنگ ممکن نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں، مگر وہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبر کے نواسے ہیں۔ اس لئے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے، جو حق پرستی کے خلاف ہوں۔ اور جن

سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو اور خون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا۔ اور دوسری طرف امام حسن علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر صلح کے لئے تیار ہوں۔

امام حسنؑ یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دھبہ میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت واقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انہیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود وحقوق الٰہی کا اجرا ہو۔ اب امیر معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی، تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا اور یہ کہ امیر شام صلح کی شرائط پر عمل نہ کریں گے بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے کہاں آ سکتا تھا اور حجت تمام کیونکر ہو سکتی تھی۔ پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کر لیا اور تقریر فرمائی۔

آگاہ رہو کہ تم میں وہ خون ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے۔ کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لئے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو۔ اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسہ پر تلواروں سے فیصلہ کریں۔ اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔

جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا۔ ہم زندگی چاہتے ہیں۔ ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کی شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔ (ترجمہ ابن خلدون جلد صفحہ ۴۰)

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے۔

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے (۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا (۳) یہ کہ شام وعراق وحجاز ویمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی (۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان ومال اور ناموس و

اولاد محفوظ رہیں گے (۵) معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ ابن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہونچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ نہ خفیہ طور پر اور نہ علانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا (۶) جناب امیرالمومنین کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ وہ ترک کر دیئے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسنؑ علیہ السلام موجود ہوں۔ اس جگہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاول سنہ ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

صلح نامہ پر دستخط

۲۵ ربیع الاول کو کوفہ کے قریب مقام انبار میں فریقین کا اجتماع ہوا۔ اور صلحنامہ پر دونوں کے دستخط ہوئے اور گواہیاں ثبت ہوئیں اس کے بعد معاویہ نے اپنے لئے عام بیعت کا اعلان کر دیا اور اس سال کا نام سنۃ الجماعت رکھا پھر امام حسنؑ کو خطبہ دینے پر مجبور کیا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! خدا تعالےٰ نے ہم میں اوّل کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا۔ معاویہ نے اس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا۔ تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نااہل کو دے دی اور اس کے حق کو جائے ناحق پر رکھا۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معاویہ نے کہا "بس اے حضرت زیادہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔" تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)

تکمیل صلح کے بعد امام حسنؑ نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناخوشگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیئے۔ قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد اعلان کیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو۔ روزے رکھنے لگو۔ حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلم ہو جائے اور یہ مقصد میرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا۔ اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے میں کامیاب ہو گیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کئے ہیں۔ وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن کر مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ مگر اب کس میں دم تھا کہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔

شرائط صلح کا حشر

مورخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست کے کھلاڑی اور مکر و زور کی سلطنت کے تاجدار تھے۔ امام حسن سے وعدہ اور معاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گئے "و لم یف لہ معاویۃ لشئ مما عاھد علیہ" تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پرواہ نہ کی اور کسی پر عمل نہ کیا امام ابوالحسن علی بن محمد لکھتے ہیں کہ جب معاویہ کے لئے امر سلطنت استوار ہوگیا تو اس نے اپنے حاکموں کو جو مختلف شہروں اور علاقوں میں تھے۔ یہ فرمان بھیجا کہ اگر کوئی شخص ابو تراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گا تو اس سے بڑی الذمہ ہوں۔ جب یہ خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معاویہ کا منشاء معلوم ہوگیا تو خطیبوں نے ممبروں پر سب و شتم اور منقصت امیرالمومنین پر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ کوفہ میں زیاد ابن ابیہ جو کئی برس تک حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں ان کے عمال میں رہ چکا تھا۔ وہ شیعان علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ مردوں عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اسے ہر ایک رہائش اور کونوں اور گوشوں میں بسنے والوں کا پتہ تھا۔ اسے کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اس کے ظلم کی حالت یہ تھی کہ شیعان علی کو قتل کرتا اور بعضوں کی آنکھوں کو پھوڑ دیتا اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا تھا۔ اس ظلم عظیم سے سینکڑوں تباہ ہو گئے، ہزاروں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ بصرہ میں آٹھ ہزار آدمیوں کا قتل واقع ہوا جن میں بیالیس حافظ اور قاری قرآن تھے ان پر محبت علی کا جرم عاید کیا گیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ علیؑ کے بجائے عثمان کے فضائل بیان کئے جائیں اور علی کے فضائل کے متعلق یہ فرمان تھا کہ ایک ایک فضیلت کے عوض دس دس روائتیں تصنیف کی جائیں۔ یہ سب کچھ امیرالمومنین سے بدلا لینے اور یزید کے لئے زمین خلافت ہموار کرنے کی خاطر تھا۔

کوفہ سے امام حسن کی مدینہ کو روانگی

صلح کے مراحل طے ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ ابن جعفر اور اپنے اطفال و عیال کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تاریخ اسلام نے مسٹر ذاکر حسین کی جلد ا صفحہ ۳۴ میں ہے کہ جب آپ کوفہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو معاویہ نے راستہ میں ایک پیغام بھیجا۔ اور وہ یہ تھا کہ آپ خوارج سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ انہوں نے میری بیعت ہوتے ہی پھر سر نکالا ہے۔ امام حسنؑ نے جواب دیا کہ اگر خونریز مقصود ہوتی تو میں تجھ سے کیوں صلح کرتا۔ جسٹس امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ خوارج حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو مانتے اور حضرت علی علیہ السلام اور عثمان غنی کو نہیں تسلیم کرتے۔

اور بنی امیہ کو مرتد کہتے ہیں۔

صلح حسنؑ اور اس کے وجوہ و اسباب

علامہ سید عدیل اختر اپنی کتاب تسکین الفتن فی صلح الحسن کے صفحہ ۱۰۵ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
امام حسنؑ کی پالیسی بلکہ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے کل اہلبیت کی پالیسی ایک اور صرف ایک تھی (دراسات اللبیب صفحہ ۲۴۹) وہ یہ کہ حکم خدا اور حکم رسول کی پابندی انہیں کے احکام کا اجراء چاہیئے۔ اس مطلب کے لئے جو برداشت کرنا پڑے۔ مذکورہ بالا حالات میں امام حسنؑ کے لئے سوائے صلح کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ اس کو خود صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں۔ کسی استدلال کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پر علامہ ابن اثیر کی یہ عبارت (جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے) قابل غور ہے۔

"کہا گیا ہے کہ امام حسنؑ نے حکومت معاویہ کو اس لئے سپرد کی کہ جب معاویہ نے خلافت حوالہ کرنے کے متعلق آپ کو خط لکھا۔ اس وقت آپ نے خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دیکھو! ہم کو شام والوں سے اس لئے نہیں دبنا پڑا ہے (کہ اپنی حقیقت میں) ہم کو کوئی شک یا ندامت ہے۔ بات تو فقط یہ ہے کہ ہم اہل شام سے سلامت اور صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر اب سلامت میں عداوت اور صبر میں فریاد مخلوط کر دی گئی ہے۔ جب تم لوگ صفین کو جا رہے تھے۔ اس وقت تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا لیکن اب تم ایسے ہو گئے ہو کہ آج تمہاری دنیا تمہارے دین پر مقدم ہو گئی ہے۔ اس وقت تمہارے دونوں طرف دو قسم کے مقتول ہیں۔ ایک صفین کے مقتول جن پر رو رہے ہو۔ دوسرے نہروان کے مقتول جن کے خون کا بدلا چاہ رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑنے والا ہے اور جو رو رہا ہے وہ تو بدلہ لینا ہی چاہتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ معاویہ نے ہم کو جس امر کی دعوت دی ہے نہ اس میں عزت ہے نہ انصاف! لہٰذا اگر تم لوگ موت پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد کر دیں اور ہمارا اور اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک بھی تلوار کی باڑھ سے ہو جائے۔ اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمہاری مرضی ہے ویسا ہو جائے۔ یہ سننا تھا کہ ہر طرف سے لوگوں نے چلانا شروع کر دیا۔ لبقا لبقا۔ صلح صلح (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

ناظرین انصاف فرمائیں کہ کیا اب بھی امام حسنؑ کے لئے یہ رائے ہے کہ صلح نہ کریں۔ ان فوجیوں کے بل بوتے پر (اگر ایسوں کو فوج اور ان کی قوتوں کو بل بوتا کہا جا سکے) لڑائی زیبا ہے۔

ہرگز نہیں۔ ایسے حالات میں صرف یہی چارہ تھا کہ صلح کر کے اپنی اور ان تمام لوگوں کی زندگی تو محفوظ رکھیں جو دین رسولؐ کے نام لیوا اور حقیقی پیرو و پابند تھے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی بھی صلح کی راہ میں مشعل کا کام کر رہی تھی (بخاری) علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کو اگرچہ معاویہ کے وفائے صلح پر اعتماد نہیں تھا لیکن آپ نے حالات کے پیش نظر چار و ناچار دعوت صلح منظور کر لی (دمعۂ ساکبہ)

صلح حسنؑ اور جنگ حسینؑ

صلح اور جنگ دو متضاد اور متبائن لفظ ہیں۔ صلح کا لفظ کلام عرب میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب فساد باقی نہ رہے اور مصالحہ اس قرار داد کو کہتے ہیں جس سے نزاع دور ہو جائے اور صاحبان سیاست کے نزدیک صلح اس کو کہتے ہیں جس کے بعد کچھ شرائط پر لڑائی روک دی جائے (سوانح امام حسنؑ صفحہ ۹۹ بحوالہ معجم الطالب صفحہ ۵۵۵) اور جنگ اسے کہتے ہیں جس کے دامن میں صلح کا امکان نہ ہو صلح امکانی جنگ کے مفقود ہونے پر اور جنگ امکانی صلح کے فقدان پر ہوتی ہے اور اس امکان اور عدم امکان نیز موقع کے سمجھنے کا حق صاحب معاملہ کو ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے صلح پر صلح حدیبیہ کیا اور مواقع جنگ میں بے شمار جہاد کئے اور حضرت علیؑ نے موقع صلح میں خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کی اور موقع جنگ میں جمل و صفین کا کارنامہ کیا۔

امام حسنؑ کے لئے جنگ ممکن نہ تھی اس لئے انہوں نے صلح کی اور امام حسینؑ کے لئے صلح ممکن نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے جنگ کی اور ازروئے حدیث اپنے مقام پر دونوں عمل صحیح اور ممدوح ہوئے۔ "امامان قاما اوقعدا" یہ دونوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ، ہر حال میں واجب الاطاعۃ امام ہیں۔ چاہے جنگ کریں یا صلح (بحار) یعنی دونوں کے حالات اور سوالات میں فرق تھا۔ امام حسنؑ کے پاس اس وقت بالکل معین و مددگار نہ تھے۔ جب معاویہ نے خلع خلافت کا سوال کیا تھا نیز معاویہ کا سوال یہ تھا کہ خلافت چھوڑ دو یا اپنی اور اپنے ماننے والوں کی تباہی و بربادی برداشت کرو۔ امام حسنؑ نے حالات کی روشنی میں خلع خلافت کو مناسب سمجھا اور صلح کر لی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے فقد ترکتہا ارادۃ لاصلاح الامۃ وحقن دماء المسلمین" میں نے خلافت جان بوجھ کر اس لئے ترک کر دی ہے تاکہ اصلاح و سکون ہو سکے اور خون نہ بہے۔

(کامل و بحار)

امام حسینؑ کے پاس بہترین جاں نثار جانباز موجود تھے اور یزید کا سوال یہ تھا کہ بیعت کرو یا سر دو (طبری۔ روضۃ الصفا) امام حسین نے حالات کی روشنی میں سر دینے کو مناسب سمجھا اور بیعت سے

انکار کرکے جنگ کے لئے تیار ہو گئے

یقین کرنا چاہیئے کہ اگر امام حسنؑ سے بھی بیعت کا سوال ہوتا تو وہ بھی وہی کچھ کرتے جو امام حسینؑ نے کیا ہے۔ آپ کے مددگار ہوتے یا نہ ہوتے کیونکہ آلِ محمدؐ کسی غیر کی بیعت حرام مطلق سمجھتے تھے علامہ جلال حسینی مصری نے "الحسین" میں بحوالہ واقعہ حرّہ لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد کسی حکومت نے آلِ محمدؐ سے بیعت کا سوال نہیں کیا۔

بحکم حق کہیں پر صلح کر لیتے ہیں دشمن سے — کہیں پر جنگ خاموشی جواب سنگ ہوتی ہے
زمانہ یہ سبق لے فاطمہ کے دل کے ٹکڑوں سے — کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے

امام حسن پر کثرتِ ازدواج کا الزام

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی جدوجہد اور امیرالمومنین کی سعی و کوشش سے اسلام دنیا میں پھیلا۔ جو لوگ ابتداء بعثت میں مسلمان ہوئے اور جنہوں نے حیات پیغمبر تک اسلام قبول کیا ان کے مذہبی انقلاب میں حضرت علی کے دست و بازو کو بڑا دخل ہے۔ اموی اور عباسی نسلوں میں اسلام کی درآمد علیؑ کی جہادی قوت کی رہین منت ہے۔ ضرورت تھی کہ ان نسلوں کے چشم و چراغ جب آگے چل کر فروغ پاتے تو علیؑ کا قصیدہ پڑھتے کیونکہ انہیں کے صدقہ میں انہیں صراط مستقیم نصیب ہوئی تھی لیکن یہ ہوتا اسی وقت جب کہ بجبر و اکراہ اسلام قبول نہ کیا جاتا۔ یہاں حال یہ تھا کہ ہر زبان پر اللہ اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ ان نسلوں کی تقریباً ہر فرد نے فروغ پاتے ہی محمد مصطفےٰؐ اور ان کی آل پاک کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ امیر معاویہ جو بقول مورخین اسلام دفر تک سیانا، مدبّیت، گناہوں سے بے پرواہ، خدا سے بے خوف تھا (محاضرات اصفہانی، تاریخ اسلام امیر علی) کو جونہی اقتدار حاصل ہوا۔ اس نے آلِ محمد کو تباہ کرنے کے لیئے وہ تمام وسائل مہیا کیئے، جن کے بعد بانی اسلام اور ان کی آل کی عزت و آبرو جان اور مال کا تحفظ ناممکن سا ہو گیا۔ جنگ جمل اور صفین وغیرہ اس کی چیرہ دستیوں سے رونما ہوئیں۔ امام حسنؑ کی صلح اسی کی زیادتیوں کا نتیجہ تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ صلح حسن کے بعد سے معاویہ مسلم الثبوت بادشاہ بن گیا۔ پھر اس نے اپنی طاقت کے زور سے محمد و آلِ محمد کے خلاف حدیثیں کے گھڑنے اور تاریخ کا دھارا موڑنے کی مہم شروع کر دی اور محمد و آل محمد کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ میں اس موقع پر چند چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) پیغمبر اسلام کو معراج جسمانی نہیں ہوئی (شرح شفا) (۲) آپ میں جنسی ہوس اس درجہ تھی کہ شب و روز میں اپنی گیارہ بیویوں کے پاس جاتے تھے (سمط الثمین محب طبری صفحہ ۲۶۹ طبع حلب) (۳) آپ کے دل پر اکثر پردے پڑ جایا کرتے تھے (صحیح مسلم و ابو داؤد) (۴) آپ کی چار

لڑکیاں تھیں اور عثمان غنی ذو النورین تھے (تواریخ اسلام) (۵) آپ کے باپ دادا کافر تھے (۶) ابوطالب کافر تھے اور آخر وقت تک مسلمان نہیں ہوئے (۷) ابوطالب بالکل مفلس تھے (۸) علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے (۹) علیؑ بہت زبردست ڈاکو تھے (مروج الذہب مسعودی) (۱۰) علیؑ اور فاطمہؑ نماز صبح نہیں پڑھتے تھے (حلیۃ اولیاء جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ طبع مصر ۱۹۳۳) (۱۱) علیؑ کی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہؑ کا عقد خلیفہ دوم سے ہوا تھا (۱۲) افسانہ سکینہ بنت الحسینؑ، امام حسنؑ کے کثرت ازواج اور کثرت طلاق کا افسانہ بھی اسی نسل بنی امیہ خصوصاً معاویہ کی پیداوار ہے۔ خلافت کے چھوڑنے کے باوجود وہ اس کے دست ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ مختلف قسم کے الزامات ان پر اپنی حسب عادت لگاتا رہا۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو تواریخ اور احادیث میں جگہ دینے کی سعی کرتا رہا۔ اس کے بعد ذرا سکون حاصل کرتے ہی کتاب الاخبار الماضیین کی تدوین کرائی۔

اموی عہد کی تاریخ کے متعلق مستشرقین یورپ کی رائے

امریکہ کا مشہور مؤرخ پروفیسر فلپ کے ہٹی اپنی تصنیف "تاریخ عرب" میں لکھتا ہے "مسلمان عربوں کے دو فریق میں جب کبھی کوئی مذہبی، سیاسی یا سماجی نزاع ہوتی تھی تو ہر ایک فریق اپنی تائید میں رسول اللہ کی حدیثیں پیش کرتا۔ خواہ وہ حدیثیں صحیح ہوں یا موضوعہ اور جھوٹی۔ اس لئے کہ علیؑ اور ابوبکر کی سیاسی مخالفت، علی اور معاویہ کا جھگڑا، بنی عباس اور بنی امیہ کی باہمی عداوت وغیرہ متعدد جھوٹی حدیثوں کے بننے کے باعث ہوئے۔ اس کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد کے لئے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

پروفیسر سیمین کلے کیمرج یونیورسٹی متوفی ۱۷۶۰ء اپنی تاریخ "ساراسینز" میں لکھتے ہیں:۔

"عربوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کر کے ہم کو اس مسرت اور فائدہ سے محروم کر دیا جو ہم کو ان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حقوق کیا ہوتے ہیں۔ انہوں نے کماحقہ نہ سمجھا۔ اس لئے ان فرائض اور حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ ہمارے لئے ان کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا"

یہ ان تاریخی ماخذوں کی بے اعتباری اور ان کی کوتاہیوں کا عالم ہے جن میں امام حسنؑ جیسے مرتاض امام کی کثرت ازدواج و طلاق کا افسانہ مرتب کیا گیا ہے۔

جب ہم کثرت ازدواج و کثرت طلاق کے افسانہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ ایسا واقعہ ہرگز نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان عورتوں کے نام علم رجال کی کتابوں میں ضرور ہوتے۔ ہیں کتب رجال میں جو نام ملتے ہیں ان کی انتہا صرف نو تک ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے وقتاً فوقتاً اسی طرح نو بیویاں اپنے عقد میں رکھیں جس طرح سے

رسول اللہ کے نو بیویاں تھیں۔ آپ کی بیویوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) ام فروہ (۲) خولہ (۳) ام بشیر (۴) ثقفیہ (۵) رملہ (۶) اسحاق (۷) ام الحسن (۸) بنت امرو القیس (۹) جعدہ بنت اشعث (سیرۃ الحسن و العیار العبین)

ایڈورڈ گبن اپنی مشہور معروف تاریخ تنزل و انقطاع سلطنت روم میں لکھتے ہیں:۔

"یہ حضرات (آلِ محمد) آلاتِ حرب، مال و زر اور رعایا نہ رکھتے تھے۔ اس پر بھی لوگ ان کی عزت وقعت اور تعظیم کرتے تھے اور یہ چیز حکمران خلفاء کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکاتی تھی۔ ان کے مزارات مقدسہ جو مدینہ، فرات کے کنارے اور خراسان میں موجود ہیں۔ اب تک ان کے شیعوں کی زیارت گاہیں ہیں۔ ان بزرگواروں پر ہمیشہ بغاوت اور خانہ جنگیوں کا اتہام و الزام لگایا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ شاہی خاندان کے اولیاء اللہ دنیا کو ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے اور مشیت ایزدی کے مطابق سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اور انسانوں کے مظالم برداشت کرتے ہوئے انہوں نے امور دینی کی تعلیم و تلقین میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔

یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جو حضرات دنیا کو حقیر سمجھتے ہوں۔ ان کی طرف کثرت ازدواج و کثرت طلاق کا انتساب افسانہ سے زیادہ کیا وقعت حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ امام حسنؑ اگرچہ صلح کے بعد مدینہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے لیکن امیر معاویہ آپ کے درپے آزار رہے۔ انہوں نے بار بار کوشش کی کہ کسی طرح امام حسنؑ اس دار فانی سے ملک جاودانی کو روانہ ہو جائیں اور اس سے ان کا مقصد یزید کی خلافت کے لئے زمین ہموار کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۵ بار آپ کو زہر دیا لیکن ایام حیات باقی تھے۔ زندگی ختم نہ ہو سکی۔ بالآخر شاہِ روم سے ایک زبردست قسم کا زہر منگوا کر محمد ابن اشعث یا مروان کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کے پاس امیر معاویہ نے بھیجا اور کہلا دیا کہ جب امام حسنؑ شہید ہو جائیں گے تب ہم تجھے ایک لاکھ درہم دیں گے اور تیرا عقد اپنے بیٹے یزید کے ساتھ کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے امام حسنؑ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا (تاریخ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ و مقاتل الطالبین صفحہ ۵۱۔ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۸۳۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۷ حبیب السیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۔ طبری صفحہ ۶۰۴۔ استیعاب جلد ا صفحہ ۱۴۴)

مفسر قرآن صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی رقم طراز ہیں کہ امام حسنؑ مصالحہ معاویہ کے بعد مدینہ میں مستقل طور پر فروکش ہو گئے تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں رہنے والے محبان علیؑ

کے اوپر چند اوباشوں نے شبخون مار کر ان کے ۳۸ آدمی ہلاک کر دئے ہیں۔ امام حسنؑ اس خبر سے متاثر ہو کر بصرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ عبداللہ ابن عباس بھی تھے۔ راستے میں بمقام موصل سعد موصلی جو جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے، کے وہاں قیام فرمایا اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر دمشق سے واپسی پر جب آپ موصل پہنچے تو باصرار شدید ایک دوسرے شخص کے ہاں مقیم ہوئے اور وہ شخص معاویہ کے فریب میں آچکا تھا اور مال و دولت کی وجہ سے امام حسنؑ کو زہر دینے کا وعدہ کر چکا تھا۔ چنانچہ دوران قیام میں اس نے تین بار حضرت کو کھانے میں زہر دیا لیکن آپ بچ گئے۔ امام حسنؑ کے محفوظ رہ جانے سے اس شخص نے معاویہ کو خط لکھا کہ تین بار زہر دے چکا ہوں مگر امام حسنؑ ہلاک نہیں ہوئے۔ یہ معلوم کر کے معاویہ نے زہر ہلاہل ارسال کیا اور لکھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی تو دے سکا تو یقیناً امام حسنؑ ہلاک ہو جائیں گے۔ نامہ بر زہر اور خط لئے ہوئے آرہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ اس کے پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا برآمد ہوا اور اسے لے کر رفوچکر ہو گیا۔ اتفاقاً امام حسنؑ کے ایک ماننے والے کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے ناقہ، خط اور زہر سے بھری ہوئی بوتل حاصل کر لی اور امام حسنؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر جانماز کے نیچے رکھ لیا۔ حاضرین نے واقعہ دریافت کیا۔ امام حسنؑ نے نہ بتایا۔ سعد موصلی نے موقع پا کر جانماز کے نیچے سے وہ خط نکال لیا۔ جو معاویہ کی طرف سے امام کے میزبان کے نام سے بھیجا گیا تھا۔ خط پڑھ کر سعد موصلی آگ بگولہ ہو گئے اور میزبان سے پوچھا۔ کیا معاملہ ہے؟ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ مگر اس کے عذر کو باور نہ کیا گیا اور اس کی زدوکوب کی گئی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد آپ روانہ مدینہ ہو گئے۔

مدینہ میں اس وقت مروان بن حکم والی تھا۔ اسے معاویہ کا حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے۔ امام حسنؑ کو ہلاک کر دو۔ مروان نے ایک رومی دلالہ جس کا نام "الیسونیہ" تھا، کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو جعدہ بنت اشعث کے پاس جا کر اسے میرا یہ پیغام پہونچا دے کہ اگر تو امام حسنؑ کو کسی صورت سے شہید کر دے گی تو تجھے معاویہ ایک ہزار دینار سرخ اور پچاس خلعت مصری عطا کرے گا اور اپنے بیٹے یزید کے ساتھ تیرا عقد کر دے گا اور اس کے ساتھ ساتھ سو دینار نقد بھیج دیئے۔ دلالہ نے وعدہ کیا اور جعدہ کے پاس جا کر اس سے وعدہ لے لیا۔ امام حسنؑ اس وقت گھر میں نہ تھے اور بمقام عقیق گئے ہوئے تھے۔ اس لئے دلالہ کو بات چیت کا خاصہ موقع مل گیا اور وہ جعدہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ الغرض مروان نے زہر بھیجا اور جعدہ نے امام حسنؑ کو شہید

میں ملا کر دے دیا۔ امام حسن علیہ السلام اسے کھاتے ہی بیمار ہو گئے اور فوراً روضۂ رسولؐ پر جا کر صحت یاب ہوئے۔ زہر تو آپ نے کھا لیا لیکن جعدہ سے بدگمان بھی ہو گئے۔ آپ کو شبہ ہو گیا جس کی بنا پر آپ نے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا چھوڑ دیا اور یہ معمول مقرر کر لیا کہ حضرت قاسم کی ماں یا حضرت امام حسینؑ کے گھر سے کھانا منگا کر کھانے لگے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ جعدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ مولا حوالی مدینہ سے بہت عمدہ خرمے آئے ہیں حکم ہو تو حاضر کروں۔ آپ چونکہ خرما کو بہت پسند کرتے تھے۔ ارشاد فرمایا لے آ۔ وہ زہر آلود خرمے لے کر آئی اور پہچانے ہوئے دانے چھوڑ کر خود ساتھ کھانے لگی۔ امامؑ نے ایک طرف سے کھانا شروع کیا اور وہ دانے کھا گئے جن میں زہر تھا۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے گھر تشریف لائے اور ساری رات تڑپ تڑپ کر بسر کی۔ صبح کو روضۂ رسول پر جا کر دعا مانگی اور صحت یاب ہوئے امام حسنؑ نے بار بار اس قسم کی تکلیف اٹھانے کے بعد اپنے بھائیوں سے تبدیلی آب و ہوا کے لئے موصل جانے کا مشورہ کیا اور موصل کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ ابن عباس اور چند ہوا خواہاں بھی گئے۔ ابھی وہاں چند یوم نہ گذرے تھے کہ شام سے ایک نابینا بھیج دیا گیا۔ اور اسے ایک ایسا عصا دیا گیا۔ جس کے نیچے لوہا لگایا ہوا تھا اور زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس نابینا نے موصل پہنچکر امام حسنؑ کے دوستداران میں سے اپنے کو ظاہر کیا اور موقع پا کر ان کے پیر میں اپنے عصا کی نوک چبھودی۔ زہر جسم میں دوڑ گیا اور آپ علیل ہو گئے۔ جراح علاج کے لئے بلایا گیا۔ اس نے علاج شروع کیا۔ نابینا زخم لگا کر روپوش ہو گیا تھا۔ چودہ دن کے بعد جب پندرھویں دن وہ نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا، تو حضرت عباس علمدار کی نظر اس پر جا پڑی۔ آپ نے اس سے عصا چھین کر اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ سر شگافتہ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد جناب مختار اور ان کے چچا سعد موصلی نے اس کی لاش جلا دی۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام حسنؑ مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ ایام حیات گذار رہے تھے کہ "الیسونیہ" دلالہ نے پھر باشارہ مروان، جعدہ سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور زہر ہلاہل اسے دے کر امام حسنؑ کا کام تمام کرنے کی خواہش کی۔ امام حسنؑ چونکہ اس سے بدگمان ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کی آمد و رفت بند تھی۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن موقع نہ پا سکی۔ بالآخر شب بست ہشتم صفر ۵۰ھ کو وہ اس جگہ جا پہنچی، جس مقام پر امام حسنؑ سو رہے تھے۔ آپ کے قریب حضرت زینب و ام کلثوم سو رہی تھیں اور آپ کے پائینتی کنیزیں محو خواب تھیں۔ جعدہ اس پانی میں زہر ہلاہل ملا کر خاموشی سے واپس آئی جو امام حسنؑ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ اس کی واپسی کے تھوڑی دیر ہی امام حسنؑ کی آنکھ کھلی۔ آپ نے جناب زینب کو آواز دی اور کہا۔ اے بہن، میں نے ابھی ابھی اپنے نانا اپنے پدر بزرگوار اور اپنی مادر

گرامی کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اے حسنؑ، تم کل رات ہمارے پاس ہو گے اس کے بعد آپ نے وضو کے لئے پانی مانگا اور خود اپنا ہاتھ بڑھا کر سرہانے سے پانی لیا اور پی کر فرمایا کہ اے بہن زینب " ایں چہ آب بود کہ از سر حلقم تا بنافم پارہ پارہ شد" ہائے یہ کیسا پانی ہے جس نے میرے حلق سے ناف تک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کو اطلاع دی گئی وہ آئے۔ دونوں بھائی بغل گیر ہو کر محو گریہ ہو گئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے چاہا کہ ایک کوزہ پانی خود پی کر امام حسنؑ کے ساتھ نانا کے پاس پہونچیں۔ امام حسنؑ نے پانی کے برتن کو زمین پر پٹک دیا۔ وہ چور چور ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جس زمین پر پانی گرا تھا وہ ابلنے لگی تھی۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد امام حسنؑ کو خون کی قے آنے لگی۔ آپ کے جگر کے ستر ٹکڑے طشت میں آ گئے۔ آپ زمین پر تڑپنے لگے۔ جب دن چڑھا تو آپ نے امام حسینؑ سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے۔ کہا "سبز" ہے آپ نے فرمایا کہ حدیث معراج کا یہی مقتضیٰ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ مولا حدیث معراج کیا ہے، فرمایا کہ شب معراج میرے نانا کے آسمان پر دو قصر ایک زمرد کا ایک یاقوت سرخ کا دیکھا۔ تو پوچھا کہ اے جبرئیل۔ یہ دونوں قصر کس کے لئے ہیں انہوں نے عرض کی ایک حسنؑ کے لئے دوسرا حسینؑ کے لئے۔ پوچھا۔ دونوں کے رنگ میں فرق کیوں ہے کہا حسنؑ زہر سے شہید ہوں گے اور حسینؑ تلوار سے شہادت پائیں گے۔ یہ کہہ کر آپ حسینؑ سے لپٹ گئے اور دونوں بھائی رونے لگے اور آپ کے ساتھ در و دیوار بھی رونے لگے۔

اس کے بعد آپ نے جعدہ سے کہا۔ افسوس تو نے بڑی بے وفائی کی لیکن یاد رکھ کہ تو نے جس مقصد کے لئے ایسا کیا ہے۔ اس میں کامیاب نہ ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے امام حسینؑ اور اپنی بہنوں سے کچھ وصیتیں کیں اور آنکھیں بند فرما لیں پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر فرمایا اے حسینؑ میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں۔ پھر بند فرما کر نانا کی خدمت میں پہنچ گئے " انا للّٰہ وانا الیہ راجعون امام حسنؑ کی شہادت کے فوراً بعد مروان نے جعدہ کو اپنے پاس بلا کر دو عورتوں اور ایک مرد کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ نے اسکے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریائے نیل میں یہ کہہ کر ڈلوا دیا کہ تو نے جب امام حسنؑ کے ساتھ وفا نہ کی تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی (روضۃ الشہدا صفحہ ۲۲۰ تا ۲۳۵ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ و ذکر العباس صفحہ ۵۰ طبع لاہور ۱۹۵۶ء)

معاویہ سجدہ شکر میں

مروان حاکم مدینہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کی اطلاع معاویہ کو دی۔ معاویہ خبر شہادت پاتے ہی خوشی کے مارے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گر پڑا۔ اور اس کے دیکھا دیکھی سارے دربار والے خوشی منانے کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔ ان کی آوازیں فاطمہ بنت قرظہ کے کانوں میں پہونچیں جو معاویہ کی بیوی تھی تو کہنے لگی یہ کس چیز کی خوشی ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ امام حسنؑ کی شہادت ہو گئی ہے۔ اسی خوشی

میں، میں نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے سجدہ شکر ادا کیا ہے۔ فاطمہ بے انتہا رنجیدہ ہوئی اور کہنے لگی۔ افسوس فرزند رسول قتل کیا جاوے اور دربار میں خوشی منائی جائے (تاریخ ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۸۲۔ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ اوکلی صفحہ ۳۳۶۔ روضۃ المناظر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۳ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ حیواۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۱۵ نزل الابرار صفحہ ۸ ارجح المطالب صفحہ ۲۵۷۔ ابن قتیبہ نے ابن عباس کے دربار معاویہ میں پہنچکر اس موقع کی زبردست گفتگو لکھی ہے (الامامت والسیاست)

امام حسنؑ کی تجہیز و تکفین

الغرض امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ نے غسل و کفن کا انتظام فرمایا اور نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام حسنؑ کی وصیت کے مطابق انہیں سرور کائناتؐ کے پہلو میں دفن کرنے کے لئے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے چلے ابھی پہنچے ہی تھے کہ بنی امیہ خصوصاً مروان وغیرہ نے آگے بڑھ کر پہلوئے رسولؐ میں دفن کرنے سے روکا اور حضرت عائشہ بھی ایک خچر پر سوار ہو کر آپہنچیں اور کہنے لگیں کہ یہ گھر میرا ہے۔ میں تو ہرگز حسنؑ کو اپنے گھر میں دفن نہ ہونے دوں گی (تاریخ ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۸۳۔ روضۃ المناظر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۳۔ یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا۔ اے عائشہ! تمہارا کیا حال ہے کبھی اونٹ پر سوار ہو کر دامادِ رسول سے جنگ کرتی ہو کبھی خچر پر سوار ہو کر فرزند رسول کے دفن میں مزاحمت کرتی ہو۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے مگر وہ ایک نہ مانیں اور ضد پر اڑی رہیں۔ یہاں تک بات بڑھ گئی کہ آپ کے ہوا خواہوں نے آلِ محمدؐ پر تیر برسائے۔ کتاب روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۷ میں ہے کہ کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے۔ کتاب ذکر العباس صفحہ ۵۱ میں ہے کہ تابوت میں ستر تیر پیوست ہوئے تھے۔ تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۲۸ میں ہے کہ ناچار نعش مبارک کو جنت البقیع میں لا کر دفن کر دیا گیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۲) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔

آپ کی ازدواج اور اولاد

آپ نے مختلف اوقات میں نو (۹) بیویاں کیں۔ آپ کی اولاد میں ۸ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں۔ یہی تعداد ارشاد مفید صفحہ ۲۰۸ اور نور الابصار صفحہ ۱۱۲ طبع مصر میں ہے۔ علامہ طلحہ شافعی مطالب السئول کے صفحہ ۲۳۹ پر لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کی نسل زید اور حسن مثنیٰؒ سے چلی ہے۔ امام شبلنجی کا کہنا ہے کہ آپ کے تین فرزند عبداللہ، قاسم اور عمرو کربلا میں شہید ہوئے ہیں (نور الابصار صفحہ ۱۱۲) جناب زید بڑے جلیل القدر صدقات رسول کے متولی تھے ۱۲۰ھ میں بعمر ۹۰ سال انتقال فرمایا ہے۔ جناب حسن مثنیٰؒ نہایت فاضل متقی اور صدقات امیر المومنین کے متولی تھے۔ آپ کی شادی امام حسینؑ کی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی۔ آپ نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی تھی اور بے انتہا زخمی ہو کر مقتولوں میں دب گئے تھے جب سر کاٹے جا رہے تھے تب ان کے ماموں ابو حسان اسماء نے آپ کو زندہ پا کر عمر سعد سے لے لیا تھا آپ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک

نے ۹۷ھ میں زہر دے دیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے ۵۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد آپ کی بیوی جناب فاطمہ ایک سال تک قبر پر خیمہ زن رہیں (ارشاد مفید صفحہ ۲۱۱۔ و نورالابصار صفحہ ۲۶۹)

شیخ عبدالقادر جیلانی

برادران اہل سُنّت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی ابن جنگی دوست اور بروایت ابن "چنگ دوست سید" تھے اور ان کا نسب جناب حسن مثنیٰ، ابن حسنؑ بن علی علیہم السلام تک پہونچتا ہے۔ لیکن ان کے علماء اس سے انکار کرتے ہیں چنانچہ (۱) امام الانساب احمد بن علی بن الحسین بن علی بن مہنا اپنی کتاب عمدۃ الطالب طبع بمبئی کے صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ خود شیخ عبدالقادر نے اپنی سیادت کا دعوے انہیں کیا۔ اور نہ ان کے بیٹوں نے کیا ہے۔ البتہ اس کی ایجاد ان کے پوتے قاضی ابو صالح نصر بن ابوبکر بن عبدالقادر نے فرمائی لیکن اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں وہ دلیل لانے سے قاصر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نسب نے آپ کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا (۲) علامہ دوران سیّد احمد بن محمد الحسینی نسابہ کتاب شجرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ تمام علمائے انساب نے شیخ عبدالقادر کے سلسلہ سیادت سے انکار کیا ہے اور کسی نے بھی ان کے سادات میں ہونے کو نقل نہیں کیا اور خود انہوں نے بھی اپنے سیّد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور ان کی زندگی میں کسی اور نے بھی ان کو سیّد نہیں کہا" "ان اول من اظہر ھذہ الدعوی الباطلۃ ھو نصر ابن ابی بکر بن الشیخ عبدالقادر" معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دعوےٰ باطلہ کو سب سے پہلے ان کے پوتے نصر بن ابی بکر نے ظاہر کیا ہے (الخ) (۳) رسالہ صوفی جو لبسر پرستی خواجہ حسن نظامی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے نمبر ۲ جلد ۳ صفحہ ۶ میں لکھا ہے "سیوم پیر طریقت حضرت خواجہ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ولدیت آپ کی قدم بہ قدم حضرت عیسیٰ کی ہے۔ سلسلہ نسب آپ کا عمر فاروق تک پہنچتا ہے۔

امام شبلنجی کا ارشاد ہے کہ آپ کی ولادت ۴۷۱ھ اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ آپ حنبلی المذہب تھے۔ آپ کی والدہ ام الخیر مقام جیال علاقہ طبرستان کی رہنے والی تھیں۔ اس لئے آپ کو عبدالقادر جیلی کہتے ہیں اور جیلانی اعزازی طور پر کہا جاتا ہے۔ (نورالابصار صفحہ ۲۱۴ و اقتباس الانوار صفحہ ۷۲۔ آپ دو کتابوں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب کے مصنف ہیں۔ تاریخ اسلام جلد ۵ صفحہ ۶۴)

معاویہ ابن ابی سفیان کا تعارف

امیر معاویہ کے تعارف اور آپ کے کردار کی آئینہ داری کے لئے اگرچہ صرف یہی کہنا کافی ہے کہ آپ حضرت علیؑ، امام حسنؑ، عمار یاسر، مالک اشتر اور ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر و محمد ابن ابی بکر نیز عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید کے وغیرہم کے مسلم الثبوت قاتل ہیں۔ جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے لیکن اس سے آپ کے نسلی حالات اور آپ کے کردار کے دیگر پہلو روشن نہیں ہوتے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کتب معتبرہ کے حوالے سے چند چیزیں نہایت مختصر لفظوں میں پیش کر دی جائیں۔ بنا بریں عرض ہے کہ (۱) نصائح کافیہ صفحہ ۹۵ و صفحہ ۱۰۱ میں ہے کہ قبیلہ قریش کی ابتداء قصی ابن کلاب سے ہوئی جو اولاد کعب ابن لوی سے تھے۔ قصی کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام عبد مناف تھا۔ ہاشم اور عبدالشمس، عبدالمناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم کی ذریت سے محمدؐ و آل محمدؐ ہیں جو ہاشمی کہلاتے ہیں اور امیہ عبدالشمس کی طرف منسوب تھے جو پست قد، چندھا۔ کرنجا بدشکل تھا جس کے چہرہ سے شرارت اور نحوست نمایاں تھی۔ امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں۔ حسان بن ثابت نے اس کے اولاد عبدالشمس ہونے سے انکار کیا ہے۔ دیکھو دیوان حسان صفحہ ۹۱ (۲) الحریت فی الاسلام مصنفہ ابوالکلام آزاد کے صفحہ ۲۶ میں ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات سے شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں (۳) تطہیر الجنان صفحہ ۱۴۲ نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۶ میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن قبیلہ بنی امیہ ہے (۴) ینابیع المودۃ صفحہ ۱۴۸ میں ہے کہ قبائل عرب میں سب سے شریر بنی امیہ ہیں (۵) تطہیر الجنان صفحہ ۱۴۸ میں ہے کہ ہر شے کے لئے ایک آفت ہے اور دین اسلام کی آفت بنی امیہ ہیں (۶) تاریخ الخلفاء صفحہ ۹ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر کود رہے ہیں جس سے آپ کو بے انتہا صدمہ ہوا جس سے تسلی کے لئے سورہ قدر نازل ہوا جس میں فرمایا کہ اس کی شب قدر مدت حکومت بنی امیہ سے بہتر ہے (۷) روضۃ المناظر برحاشیہ کامل جلد ۱۱ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ شجرۂ ملعونہ فی القرآن سے مراد بنی امیہ ہیں (۸) تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۲۴۲ میں ہے کہ عہد جاہلیت میں بنی امیہ کی غذا انڈی اور مردار تھی (۹) فتح الباری ابن حجر عسقلانی جلد ۵ صفحہ ۵ میں ہے کہ جاہلیت میں فاحشہ عورتیں اپنے مکانوں پر پہچان کے لئے جھنڈے لگائے رہتی تھیں (۱۰) نصائح کافیہ صفحہ ۱۱۰ ثمرۃ الادراق صفحہ ۱۰۸۔ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۸۸۔ ابن شحنہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۴۔ ایرونگ صفحہ ۴۸ تذکرہ خواص الامت صفحہ ۱۱۷۔ تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۲۲۶ وغیرہ میں ہے کہ مشہور فاحشہ عورتیں جن کے مکانوں پر جھنڈے تھے۔ وہ چار تھیں (۱) زرقا (۲) نابغہ عمرو عاص کی ماں (۳) حمامہ امیر معاویہ

کی دادی (۴) ہندہ امیر معاویہ کی ماں (۵) ہندہ کے متعلق اعثم کوفی صفحہ ۲۲۶ میں ہے کہ یہ تمام علیہوں کی خزینہ دار تھی (۱۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۰ میں ہے کہ یہ شاعرہ اور بڑی سنگدل تھی۔ اس کا ایک شعر احوال مامون رشید میں درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہم خوب صورتی میں ستارہ طارق کی بیٹیاں ہیں۔ نرم لبستروں پر ہم کسی کے ساتھ یوں چلتی ہیں جیسے مجامعت کرنے والا مست چکور چاند کے گرد گھومتا ہے (منتخب اللغات وصراح) (۱۲) نصائح صفحہ ۸۳ میں ہے کہ حسان ابن ثابت نے ہندہ کی زنا کاری اپنے اشعار میں بیان کی اور اسے آنحضرت کو سنایا۔ حضرت خاموش رہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔ دیوان حسان صفحہ ۴۰/۶۰ میں (۱۴) ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے عقبہ کو مقام صفوریہ (شام) کا یہودی فرمایا ہے (۱۵) نصائح کافیہ صفحہ ۱۱۰ میں ہے کہ امیہ نے صفوریہ کی ایک یہودن لڑکی سے زنا کیا تھا جس سے ذکوان نامی لڑکا پیدا ہوا تھا جس کی کنیت ابو عمرو مقرر کی گئی تھی۔ یہی ابو عمرو، عقبہ کا دادا تھا (۱۶) روض الالف اصابہ و کامل اور حلبی میں ذکوان کو غلام امیہ لکھا ہے (۱۷) آغانی ۸/۴۸ ترجمہ مسافر میں ہے کہ امیہ کے بعد ذکوان نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا (۱۸) آغانی ابوالفرج اصفہانی نصائح کافیہ حاشیہ صفحہ ۸۴ "تذکرہ سبط ابن جوزی میں ہے کہ اسی ابو عمرو کا بیٹا مسافر تھا جو سخاوت اور جمالی شعر گوئی میں مشہور تھا۔ ہندہ کا اس سے معاشقہ ہو گیا اور اس سے حاملہ ہو گئی۔ جب حمل ظاہر ہو گیا۔ تو اس نے مسافر سے کہا کہ تو کسی طرف چلا جا۔ چنانچہ وہ حیرہ کو چلا گیا۔ اس کے بعد ہندہ ابوسفیان کے تصرف میں آ گئی۔ جب مسافر کو پتہ لگا تو اس نے فراق میں جان دے دی۔ مسافر کے چلے جانے کے بعد ہندہ مقام اجیاد کی طرف چلی گئی اور وہیں بچہ جنا۔

(۱۹) سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے ام حبیبہ خواہر معاویہ کو کہا "قاتل اللہ ابینا الواھرۃ" "خدا لعنت کرے دختر زن زنا کار پر اور حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو کہا وقد علمت الفراش الذی ولدت علیہ" میں اس فرش کو جانتا ہوں جس پر تو پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس کی توضیح ابن جوزی نے یہ کی ہے "فقال الاصمعی وھشام ابن محمد الکلبی فی کتاب المسمی بالمثالب وقفت علی معنی قول الحسن لمعاویۃ قد علمت الفراش الذی ولدت علیہ۔ ان معاویۃ کان یقال انہ من اربعۃ من قریش عمارۃ ابن ولید ومسافر ابن ابی عمرو وابی سفیان والعباس وھولاء کانوا ندماء ابی سفیان وکان کل منھم یتھم" (الخ) یعنی اصمعی اور ہشام نے کہا ہے کہ امام حسنؑ کے قول کے یہ معنی ہیں کہ معاویہ، ابوسفیان، عمارہ، عباس اور مسافر چار آدمیوں کی طرف منسوب ہے اما مسافر بن ابی عمرو فقال الکلبی عامۃ الناس علی ان معاویۃ منہ کلبی نے کہا ہے کہ جمہور کی یہ رائے تھی کہ معاویہ مسافر ابن عمرو سے ہے کیونکہ وہی سب سے زیادہ ہندہ سے محبت کرتا تھا۔ مثالب

ابن اسمعان میں ہے کہ پدر ہندہ نے اس کا نکاح بوعدہ مال کثیر ابوسفیان سے کیا "فوضعت معاویۃ بعد ثلاثۃ اشھر" نکاح کے تین ماہ بعد بطن ہندہ سے معاویہ پیدا ہوا۔ اسی لئے زمخشری نے ربیع الابرار میں معاویہ کو چار یاری لکھا ہے۔ بروایتے ہندہ کا تعلق ایک خوب صورت ڈوم سے بھی تھا جس کا نام صباح تھا۔ اسی سے معاویہ کا بھائی عتبہ ابن ابی سفیان پیدا ہوا ہے جیسا کہ نصائح کافیہ صفحہ ۱۰ا میں ہے "قال الشعبی وقد اشار رسول الی ہندہ یوم فتح مکنا لیشی من ھذا (الخ) امام شعبی کا بیان ہے کہ ہندہ کی زناکاری کی طرف آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس موقع پر اشارہ فرمایا تھا جب کہ وہ بیعت کرنے آئی تھی۔ ہندہ نے کہا کہ میں کس چیز پر بیعت کروں حضرت نے فرمایا کہ تو اس چیز پر بیعت کر کہ آج سے زنا نہیں کرے گی۔ اس نے کہا کہ حضرت کہیں "حرۃ" آزاد عورتیں زنا کرتی ہیں "منظور رسول اللہ الی عمر فتبسم" یہ سن کر آپ نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا ملاحظہ ہو (معاویہ دائرۃ الاصلاح صفحہ ۸) علامہ مجلسی حیواۃ القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۳۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیت کے عملی شاہد تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے (۲۰) تمام تواریخ اسلام میں ہے کہ اسی ہندہ نے حضرت حمزہ کو اپنے ایک عاشق حبشی نامی سے شہید کرا کے ان کا جگر چبانا چاہا اور ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا تھا (۲۱) معاویہ کا باپ جو ابوسفیان کہا جاتا ہے وہ بروایت حیواۃ الحیوان تیلی تھا (۲۲) اعثم کوفی صفحہ ۲۲۶ میں ہے کہ یہ شرابی تھا (۲۳) حیواۃ القلوب اور نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ میں ہے کہ ابوسفیان نے بجبر و اکراہ اسلام قبول کیا تھا (۲۴) معاویہ دائرۃ الاصلاح صفحہ ۱۴ میں ہے کہ معاویہ ۷، ایا ۲۲ سال قبل ہجرت ہندہ کے شکم سے پیدا ہو (۲۵) نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کو لصیق فرمایا ہے جس کے معنی مہتم النسب کے ہیں (۲۶) جنات الخلود میں ہے کہ معاویہ کا قد لمبا آنکھیں سبز تھیں (۲۷) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲ میں ہے کہ اس کی صورت ڈراؤنی تھی (۲۸) تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ و نصائح کافیہ صفحہ ۲۱ میں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو لعین ابن لعین لکھا ہے (۲۹) اس نے غلط طور پر مشہور کیا کہ علی قاتل عثمان ہیں (اعثم کوفی صفحہ ۱۹۶) (۳۰) نصائح کافیہ صفحہ ۳۵ و حلیۃ الاولیا جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ میں ہے کہ اس نے غلط شہرت دی کہ علیؑ نماز نہیں پڑھتے (۳۱) نصائح کافیہ صفحہ ۱۵۳ میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے عبید اللہ ابن عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود میں ذبح کیئے گئے (۳۲) اعثم کوفی صفحہ ۳۰۷ میں ہے کہ معاویہ نے یمن اور حجاز میں ۳۰ ہزار محبان علیؑ کو قتل کیا (۳۳) نصائح کافیہ صفحہ ۶۱ میں ہے کہ معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کرا دیا (۳۴) اعثم کوفی صفحہ ۳۳۸ میں ہے کہ معاویہ نے محمد ابن بکر کو گدھے کی کھال میں سلوا کر جلوا دیا (۳۵) اسی کتاب میں ہے کہ جب حضرت عائشہ کو اس کی خبر ملی تو بہت روئیں اور معاویہ کو تاحیات بددعا دیتی رہیں (۳۶) نصائح کافیہ صفحہ ۶۲ میں ہے کہ حضرت علیؑ کو اس

کی اطلاع ملی تو بکی ایکائے شدیداً بہت روئے (۳۷) نصائح کافیہ صفحہ ۵۰ سیرۃ محمدیہ صفحہ ۷۷،۵ میں ہے کہ حجر ابن عدی صحابی رسول بجرم محبت علی قتل کئے گئے اور عبدالرحمٰن ابن حسان زندہ دفن کئے گئے (۳۸) نصائح کافیہ صفحہ ۴۳ میں ہے کہ عمر بن الحمق بھی حکم معاویہ سے شہید کئے گئے (۳۹) طبری اور نصائح کافیہ صفحہ ۵۲ میں ہے کہ معاویہ کے ایک عامل سمرۃ نے ۸ ہزار آدمیوں کو شہید کیا (۴۰) تاریخ اعثم صفحہ ۳۳۴ و نصائح کافیہ صفحہ ۷۰ میں ہے کہ بصرہ اور کوفہ میں ایک ایک رات کو پانچ پانچ سو محبان علی قتل کئے گئے۔ (۴۱) تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ معاویہ نماز کے ہر قنوت میں حضرت علی۔ ابن عباس امام حسن، امام حسینؑ اور مالک اشتر پر لعنت کرتا تھا (۴۲) نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۷ میں ہے کہ معاویہ مؤلفۃ القلوب میں تھا اس کا کاتب وحی ہونا غلط ہے (۴۳) تاریخ صفحہ ۴۶ میں ہے کہ معاویہ نے شہدائے اُحد کی قبروں پر سے نہر جاری کرائی اور لاشوں کو دوسری جگہ دفن کرادیا۔ لاشوں کے نکالنے میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا۔ جس سے خون تازہ جاری ہوا۔

" مولوی امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کے ترک خلافت کے بعد معاویہ حقیقت میں ہی بادشاہ اسلام بن گیا۔ اس طرف زمانہ کے عجیب و غریب انقلاب سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے ان کی اولاد کا موروثی حق غصب کرلیا اور بت پرستی کے حامی آنجناب کے مذہب اور سلطنت کے سردار اور پیشوا بن گئے۔ دارالخلافہ جو حضرت علی نے کوفہ مقرر کیا تھا۔ اب دمشق میں منتقل ہو گیا اور یہاں معاویہ ایرانی اور یونانی شان و شوکت کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ اکثر اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا زہر یا تلوار سے کام تمام کر دیتا تھا۔ رشتہ داری یا خدمت اسلام بھی آپ کے سفاک ہاتھوں سے بچا نہ سکتی تھی۔" اور پھر مورخ اوسبرن سے نقل کیا ہے کہ بنی امیہؑ کا اوّل خلیفہ بیانتا منتتی اور سفاک تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے کسی جرم کے ارتکاب سے نہ ڈرتا تھا زبردست غنیم کو ہلاک کرادینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پیغمبر اسلام کے نواسے امام حسنؑ اور مالک اشتر کو زہر سے ہلاک کرادیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید کو ۴۶ھ میں زہر سے تمام کرادیا (کامل ابن اثیر، طبری۔ ابوالفداء۔ روضۃ الصفاء۔ حبیب السیر۔ اور ام المومنین جناب عائشہ کو اس طرح زندہ گڑھے میں دفن کردیا کہ ۵۶ھ میں ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور عائشہ کو دعوت میں بلوا کر اس پر بٹھایا۔ عائشہ بیٹھتے ہی اس گڑھے میں جا پڑیں معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط بند کردیا اور مکہ کی طرف کوچ کر گئے (حبیب السیر جلد ا صفحہ ۵۸۔ ادکلی تاریخ اسلام۔ ربیع الابرار۔ اوائل سیوطی کامل السفینہ حدیقۂ حکیم سنائی۔ مناقب مرتضوی) ۵۱ھ میں حجر ابن عدی کو جو نہایت متقی و پرہیزگار اور عبادت گذار تھے اور ان کے چھ ہمراہیوں کو اور عمر ابن حمق صحابی کو صرف اس جرم میں کہ وہ دوستداران علیؑ سے

تھے اور جب معاویہ کا گورنر کوفہ کے منبر پر علیؑ پر لعنت کرتا تو یہ روکتے اور علی کی حمایت کرتے تھے قتل کرادیا۔ خاندانِ بنی امیہ کو قرآن میں شجرۂ ملعونہ فرمایا ہے۔ ان کو علیؑ اور ان کی اولاد اور ان کے شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ چنانچہ معاویہ حضرت علیؑ پر تبرا کرتا تھا اس نے ۴۱ھ میں حکم دیا کہ ممالک محروسہ کی تمام مسجدوں میں خطیب منبر پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر تبرا کیا کریں اور یہ رسم ۹۹ سنہ ہجری تک جاری رہی جب کہ عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ میں سے اس تبرا کو نکلوا کر آئیۃ "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" الخ اور خلفاء اربعہ کے نام داخل کرائے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ ترمذی۔ منہاج السنۃ۔ عقد الفرید ابوالفداء۔ کامل ابن اثیر۔ طبری۔ تاریخ الخلفاء۔ فتاویٰ عزیزی۔ تفریح الاحباب۔ خصائص نسائی۔ المدخل ابن الحاج "۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ پر سب و شتم و تبرا ایک ہزار ماہ تک جاری رہا۔ سر العالمین صفحہ ۱۰ طبع بمبئی" معاویہ نے ابوہریرہ عمرو عاص، مغیرہ ابن شعبہ اور عمرو ابن زبیر کو اس امر پر مامور کیا تھا کہ علیؑ کی منقبت میں جھوٹی حدیثیں تیار کریں۔ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۹ شیعیان علی کے مال و متاع ضبط کر لئے گئے۔ وہ قتل کئے گئے اور اس قدر ان پر ظلم کئے گئے کہ کوئی اپنے کو شیعہ نہ کہہ سکتا تھا۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۹ نصائح کافیہ صفحہ ۷۰) کتاب الفخری میں ہے کہ معاویہ امور دنیا میں اس قدر منہمک رہتا اور اپنی ہمت تدبیر امور دنیا میں اتنی مصروف کرتا کہ اور سب باتیں اس کے سامنے ہیچ سمجھتا تھا۔ دن میں پانچ مرتبہ کھاتا تھا اور آخری دفعہ سب سے زیادہ کھا کر کہتا تھا۔ اے غلام اٹھالے کھاتے کھاتے تھک گیا مگر سیر نہیں ہوا۔ ایک بچھڑا بھون کر لائے وہ ایک ہی میدہ کی روٹی کے ساتھ کھا گیا اور ساتھ چار موٹے موٹے گردے ایک گرم بھیڑ کا بچہ اور ایک ٹھنڈا بھیڑ کا بچہ اور کھجوروں سے الگ منہ میٹھا کیا۔ اس کے آگے سو رطل باقلائے رطب رکھا گیا وہ سب کھا گیا۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اس کے حق میں بددعا کی تھی "لا اشبع اللہ لبطنہ" "خدا اس کا پیٹ نہ بھرے۔ معاویہ اپنا مطلب نکالنے میں خونریزی کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا۔ اوکلی لکھتا ہے کہ وہ زرق برق کپڑے پہنتا اور شان و شوکت سے بسر کرتا اور ہمیشہ شراب پیتا۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول مستحقین خلافت کو محروم کر کے زبردستی خلافت پر قبضہ کرنا۔ دوسرے یزید کو ولی عہد بنانا جو بداطوار شرابی حریر پہننے والا۔ گانا بجانا سننے کا شوقین تھا۔ تیسرے ابوسفیان کے حرامی بیٹے زیاد کو شریعت کے خلاف اپنا بھائی بنانا۔ چوتھے حجر اور ان کے اصحاب پر ظلم کرنا، اور ان کو قتل کرانا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ چار اصحابی ایسے ہیں جن کی گواہی قابل قبول نہیں۔ معاویہ عمرو عاص۔ مغیرہ۔ زیاد

مسعودی لکھتا ہے کہ اہل شام معاویہ کے فرمانبردار اور اطاعت گذار ایسے تھے کہ جنگ صفین

کو جاتے ہوئے معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھا دی اور انہوں نے پڑھ لی پھر مسعودی لکھتا ہے کہ بنی امیہ کے عہد میں عام لوگوں کے اخلاق میں یہ بات داخل ہوگئی تھی کہ سیّد کو سردار نہ بنائیں وہ بغیر عالم ہونے کے علم کی بات کہتے تھے اور بلا تمیز فاضل و مفضول اور فائدہ و نقصان کے جو ان کے آگے ہو جائے اس کی مطابقت کر لیتے تھے اور حق و باطل میں تمیز نہ کرتے تھے۔ معاویہ ۶۰ھ میں علیل ہوا اور اس نے یزید سے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو۔ مانگ لے۔ اس نے کہا۔ حکومت چاہتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ سے جہنم سے نجات حاصل کر لوں۔ اس نے یزید کا منہ چوم لیا اور کہا مجھے منظور ہے (تاریخ کامل) چنانچہ وہ یزید جیسے دشمن اسلام کو خلیفہ بنا کر رجب ۶۰ھ ہجری میں راہی دار البوار ہو گئے (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۳۲-۳۴) یہ مسلمات تاریخی میں سے ہیں کہ معاویہ کے حق میں کوئی ایک حدیث بھی وارد نہیں ہوئی اور اس کے بدعادات بے شمار ہیں۔ تطہیر الجنان موضوعات کبیر ملا علی قادری صفحہ ۲۸ و فتح الباری میں ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی بھی خبر صحیح وارد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں اس کے متعلق کوئی باب قائم نہیں کیا گیا۔ محاضرات امام راغب اصفہانی میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ معاویہ کے گلے میں جب تک عیسائیوں کی صلیب نہ پڑے گی اسے موت نہ آئے گی چنانچہ آخری وقت ایک نصرانی کرسٹان نے تعویذ شفا کے نام سے اس کے گلے میں صلیب ڈال دی۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ یقین ہے کہ معاویہ نصرانی و عیسائی محشور ہو گا۔ کیونکہ یہ علیؑ کا دشمن اور ان کو اذیت دینے والا تھا اور حدیث میں ہے کہ "من اذیٰ علیاً بعث یوم القیامۃ یھودیا" جو علیؑ کو اذیت دے گا وہ یہودی یا نصرانی مبعوث و محشور ہو گا۔ (نصائح کافیہ) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۵ میں ہے کہ معاویہ نے چالیس سال حکومت ۷۷ سال کی عمر پائی اور ۶۰ھ میں انتقال کیا اور دمشق شام میں دفن کیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ معاویہ کے جملہ عمل و کردار کے نتائج ایک طرف اور ان کا حضرت علیؑ امام حسنؑ کا قتل کرنا ایک طرف یقین کرنا چاہیئے کہ امیر معاویہ کی بخشش قطعاً دشوار، ناممکن اور محال ہے۔ فقط۔

اَبُوعَبدُاللہ
حضرتِ امام حُسینؑ علیہ السّلام
شہیدِ کربلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام

یونہی بس تیسری شعبان کو حرمت چوگنی ہو گی — مجھے بارہ پلادے پانچواں ساقی ہوا پیدا
نہ کیونکر ایسے بیٹے پر ہوں نازاں ساقی کوثر — نہاں ہیں جس میں نو کو ثر وہ عصمت کا ہے دریا

حضرت امام حسین علیہ السلام ابو الائمہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام و سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہرا کے فرزند اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و جناب خدیجۃ الکبریٰ کے نواسے اور شہید مظلوم امام حسن علیہ السلام کے قوت بازو تھے۔ آپ ابو الائمۃ الثانی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ بھی اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالی وقار کی طرح معصوم، افضل زمانہ اور عالم علم لدنی تھے۔

آپ کی ولادت

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے بعد پچاس راتیں گذری تھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نطفۂ وجود بطن مادر میں مستقر ہوا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ولادت حسنؑ اور استقرار حمل حسین ایک طہر کا فاصلہ تھا (اصابہ نزل الابرار واقدی) ابھی آپ کی ولادت نہ ہونے پائی تھی کہ بروایتے ام افضل بنت حارث نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں رکھا گیا ہے۔ اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں حضور آج ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔ حضرت نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواب تو نہایت ہی عمدہ ہے۔ اے ام افضل۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہؑ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ آپ کے ارشاد فرمانے کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خصوصی مدت حمل صرف چھ ماہ گذار کر نور نظر رسولؐ امام حسینؑ بتاریخ ۳ شعبان ۴ھ ہجری بمقام مدینہ منورہ بطن مادر سے آغوش مادر میں آ گئے (شواہد النبوت صفحہ ۳ و انوار حسینیہ جلد ۳ صفحہ ۴۳ بحوالہ صافی صفحہ ۲۹۸ و جامع عباسی صفحہ ۵۹ و بحار الانوار و مصباح طوسی وغیرہ) ام الفضل کا بیان ہے کہ میں حسب الحکم ان کی خدمت کرتی رہی۔ ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے آغوش محبت میں لے کر پیار کیا اور

ردنے لگے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے وہ بتلا
ہی کہ یہ بچہ امت کے ہاتھوں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید ہوگا۔ اور اے ام الفضل وہ مجھے
ی قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دے گئے ہیں (مشکواۃ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰ طبع لاہور) اور مسند امام رضا ص۳۸
ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ دیکھو یہ واقعہ۔
فاطمہ سے کوئی نہ بتلائے۔ ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی۔ ملاّ جامی لکھتے ہیں کہ ام سلمیٰ نے
یا کہ ایک دن رسولِ خدا میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے
تھے اور چہرے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس پریشانی کو دیکھ کر پوچھا۔ کیا بات ہے۔ فرمایا
بھی ابھی جبرئیل عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے۔ وہاں میں نے جائے قتل حسین
ہے اور یہ مٹی لایا ہوں۔ اے ام سلمیٰ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ جب یہ خون ہو جائے
ا کہ میرا حسینؑ شہید ہو گیا (الخ) شواہد النبوت صفحہ ۱۷۴)

کا اسمِ گرامی امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد سرور کائنات صلعم نے امام حسینؑ
کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر
ر تک چسایا۔ اس کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی پھر دعائے خیر
سینؑ نام رکھا (نور الابصار صفحہ ۱۱۳) علماء کا بیان ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے
بھی نہیں تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام خود خداوند عالم کا رکھا ہوا ہے (ارجح المطالب و
الشہداء صفحہ ۲۳۶)

کا عقیقہ امام حسین کا نام رکھنے کے بعد سرور کائناتؐ نے حضرت فاطمہؑ سے
فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسنؑ کا عقیقہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کے عقیقہ کا
نتظام کرو۔ اور اسی طرح بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو جس طرح حسنؑ کے لئے
ہو۔ الغرض ایک مینڈھا منگایا گیا اور رسم عقیقہ ادا کر دی گئی (مطالب السئول صفحہ ۲۴۱)
عاصرین نے عقیقہ کے ساتھ ختنہ کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک قطعاً ناقابل قبول
یونکہ امام مختون پیدا ہوتا ہے۔

ت والقاب آپ کی کنیت صرف ابو عبداللہ تھی البتہ القاب آپ کے بے شمار ہیں جن
میں سید۔ سبط اصغر۔ شہید اکبر اور سید الشہداء زیادہ مشہور ہیں
طلحہ ابن شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور سید خود رسولِ کریمؐ کے معین کردہ القاب ہیں۔
ب السئول صفحہ ۳۲۱)

کی رضاعت اصول کافی باب مولد الحسین صفحہ ۱۱۴ میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے

پیدا ہونے کے بعد نہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا شیر مبارک نوش کیا اور نہ کسی اور دائی کا دودھ پیا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب آپ بھوکے ہوتے تھے تو سرور کائناتؐ تشریف لاکر زبان مبارک دہن اقدس میں دے دیتے تھے اور امام حسینؑ اسے چوسنے لگتے تھے یہاں تک کہ سیر وسیر آب ہو جاتے تھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اسی سے امام حسینؑ کا گوشت پوست بنا اور لعاب دہن رسالتؐ سے حسینؑ پرورش پاکر کار رسالت انجام دینے کی صلاحیت کے مالک بنے یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریمؐ کے بہت زیادہ مشابہہ تھے (نور الابصار صفحہ ۱۱۳)

خداوند عالم کی طرف سے امام حسینؑ کی تہنیت اور تعزیت

علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسینؑ کی ولادت کے بعد خلاق عالم نے جبریل کو حکم دیا کہ زمین پر جاکر میرے حبیب محمد مصطفےٰ کو میری طرف سے حسینؑ کی ولادت پر مبارکباد دے دو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شہادت عظمیٰ سے بھی انہیں مطلع کر کے تعزیت ادا کر دو۔ جناب جبریل بحکم رب جلیل زمین پر وارد ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہونچکر تہنیت ادا کی۔ اس کے بعد عرض پرداز ہوئے کہ اے حبیب رب کریم آپ کی خدمت میں شہادت حسینی کی تعزیت بھی منجانب اللہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ سن کر سرور کائنات کا ماتھا ٹھنکا اور آپ نے پوچھا۔ جبریل ماجرا کیا ہے۔ تہنیت کے ساتھ تعزیت کی تفصیل بیان کرو۔ جبریل نے عرض کی مولا ایک وہ دن ہوگا جس دن آپ کے اس چہیتے فرزند حسینؑ کے گلوئے مبارک پر خنجر آبدار رکھا جائے گا اور آپ کا یہ نور نظر بے یار ومددگار میدان کربلا میں یکہ وتنہا تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگا۔ یہ سن کر سرور عالم محو گریہ ہو گئے۔ آپ کے رونے کی خبر جونہی امیر المومنین کو پہنچی۔ وہ بھی رونے لگے اور عالم گریہ میں داخل خانۂ سیدہ ہو گئے۔ جناب سیدہ نے جو حضرت علی کو روتا دیکھا۔ دل بے چین ہو گیا۔ عرض کی ابو الحسن رونے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا بنت رسول ابھی جبریل آئے ہیں اور وہ حسینؑ کی تہنیت کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت کی بھی خبر دے گئے ہیں۔ حالات سے باخبر ہونے کے بعد فاطمہ کے گریہ گلوگیر ہو گیا۔ آپ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ بابا جان یہ کب ہوگا۔ فرمایا۔ جب نہ میں ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علیؑ ہوں گے نہ حسنؑ ہوں گے۔ فاطمہؑ نے پوچھا۔ بابا! میرا بچہ کس خطا پر شہید ہوگا۔ فرمایا۔ فاطمہؑ بالکل بے جرم وبے خطا صرف اسلام کی حمایت میں شہادت ہوگی۔ فاطمہ نے عرض کی۔ بابا جان! جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا۔ تو پھر اس پر گریہ کون کرے گا۔ اور اس کی صف ماتم کون بچھائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سوال کا حضرت رسول کریمؐ ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ اے فاطمہؑ غم نہ کرو تمہارے اس فرزند کا غم

عبادت کا لطف علی کے ساتھ اور کھانے کا مزہ معاویہ کے ساتھ ہے۔

مورخ طبری کا بیان ہے کہ ایک میت میں امام حسینؑ اور جناب ابوہریرہ نے شرکت کی۔ اور دونوں حضرات ساتھ ہی چل رہے تھے راستے میں کہیں تھوڑی دیر کے لئے رک گئے تو ابوہریرہ نے جھٹ رومال نکال کر حضرت امام حسینؑ کے پائے مبارک اور آپ کی جوتیوں سے گرد جھاڑنا شروع کر دی۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ تم یہ کیا کرتے ہو میرے پیروں اور میری جوتیوں سے گرد کیوں جھاڑنے لگے آپ نے عرض کی "دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم"

"مولا مجھے منع نہ کیجئے۔ آپ اسی قابل ہیں کہ میں آپ کی گرد قدم صاف کروں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر لوگوں کو آپ کے وہ فضائل اور آپ کی وہ مکرمت معلوم ہو جاتے جو میں جانتا ہوں تو یہ لوگ آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھریں (تاریخ طبری جلد ۱۳ صفحہ ۱۹ طبع مصر)

امام حسینؑ کی عبادت

علماء و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام زبردست عبادت گذار تھے۔ آپ شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے اور انواع و اقسام عبادات سے سرفراز ہوتے تھے۔ آپ نے پچیس حج پاپیادہ کئے اور یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرماتے تھے۔ عراق میں قیام کے دوران میں آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کسی حج کا موقع نہیں مل سکا (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۷)

امام حسینؑ کی سخاوت

مسند امام رضا صفحہ ۳۵ میں ہے کہ سخی دنیا کے لوگوں کے سردار اور متقی آخرت کے لوگوں کے سردار ہوتے ہیں۔ امام حسین سخی ایسے تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے جن کی مثال نہیں۔ علماء کا بیان ہے کہ اسامہ ابن زید صحابی رسولؐ علیل تھے۔ امام حسینؑ انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں۔ پوچھا۔ اے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے "واغماہ" کیوں کہتے ہو۔ عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ اسے میں ادا کر دوں گا۔ چنانچہ آپ نے ان کی زندگی میں ہی انہیں قرضہ کے بار سے سبکدوش فرما دیا۔ ایک دفعہ ایک دیہاتی شہر میں آیا اور اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ لوگوں نے امام حسینؑ کا نام لیا۔ اس نے حاضر خدمت ہو کر بذریعہ اشعار سوال کیا حضرت نے چار ہزار اشرفیاں عنایت فرما دیں۔ شعیب خزاعی کا کہنا ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ کی پشت پر بار برداری کے گھٹے دیکھے گئے جس کی وضاحت امام زین العابدین نے یہ فرمائی تھی کہ آپ اپنی پشت پر لاد کر اشرفیاں اور غلوں کے گھٹڑ بیواؤں اور یتیموں کے گھر رات کے وقت پہنچایا

کرتے تھے، کتابوں میں ہے کہ آپ کے ایک غیر معصوم فرزند کو عبدالرحمن اسلمی نے سورہ حمد کی تعلیم دی۔ آپ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں عنایت فرمائیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۶۷) امام شبلنجی اور علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے نورالابصار اور مطالب السئول میں ایک اہم واقعہ آپ کی صفت سخاوت کے متعلق تحریر کیا ہے جسے ہم امام حسنؑ کے حال میں لکھ آئے ہیں۔

امام حسینؑ کا عمرو عاص کو جواب

ایک مرتبہ معاویہ عمرو عاص اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عمرو عاص نے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے اولاد زیادہ ہوتی ہے اور آپ حضرات کے کم، حضرت نے اس کے جواب میں ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "کمزور اور ذلیل وحقیر چڑیوں کے بچے زیادہ اور شکاری پرندے باز اور شاہین وغیرہ کے بچے قدرتاً کم ہوتے ہیں پھر عمرو عاص نے پوچھا کہ ہماری مونچھوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں اور آپ کے دیر میں! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں گندہ دہن ہوتی ہیں۔ بوقت مقاربت ان کے بخارات سے تمہاری مونچھوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کے داڑھی گھنی نکلتی ہے اور ہمارے گھنی نہیں نکلتی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے "اچھی زمین سے اچھا سبزہ اُگتا ہے اور بری اور خبیث زمین سے بری پیداوار ہوتی ہے (پ ۸ رکوع ۱۴) اس کے بعد معاویہ نے عمرو عاص کو مزید سوال کرنے سے روک دیا۔ تب آپ نے عربی کے دو شعر پڑھے جس کا فارسی میں ترجمہ یہ ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است ✽ مقتضائے طبیعتش ایں است

مناقب جلد ۴ صفحہ ۶۷، و بحار جلد ۱ صفحہ ۱۴۸

امام حسینؑ کی مناجات اور خدا کی طرف سے جواب

علامہ ابن شہر آشوب اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک رات کو جناب خدیجہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ انس ابن مالک صحابی رسول بھی تھے آپ نے مزار خدیجہ پر نمازیں پڑھیں اور آپ بارگاہ خداوندی میں محو مناجات ہو گئے۔ مناجات میں آپ نے چھ اشعار پڑھے جن میں پہلا شعر یہ ہے۔

یارب یارب انت مولاہ ✽ فارحم عبیداً الیک ملجاہ

(ترجمہ) اے میرے رب، اے میرے رب، تو ہی میرا مولا اور آقا ہے اے مالک تو اپنے

ایسے بندہ پر رحم فرما جس کی بازگشت صرف تیری طرف ہے۔ ابھی آپ کی مناجات تمام ہونے نہ پائی تھی کہ ہاتف غیبی کی منظوم آواز آئی جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لبیک عبدی و انت فی کنفی   و کلما قلت قد علمنا ہٗ

(ترجمہ) اے میرے بندے میں تیری سننے کے لئے موجود ہوں اور تو میری بارگاہ میں آیا ہوا ہے۔ تونے جو کچھ کہا ہے میں نے اچھی طرح سے سن لیا ہے۔ مناقب جلد ۴ صفحہ ۸، وبحار جلد ۱ صفحہ ۱۴۴۔

جنگ صفین میں امام حسینؑ کی جدوجہد

اگرچہ مورخین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے، کہ امام حسین عہد امیر المومنین کے ہر معرکہ میں موجود رہے لیکن محض اس خیال سے کہ یہ رسول اکرمؐ کی خاص امانت ہیں۔ انہیں کسی جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی (نور الحسینیہ صفحہ ۴۴) لیکن علامہ شیخ مہدی مازندرانی کی تحقیق کے مطابق آپ نے بندش آب توڑنے کے لئے مقام صفین میں نبرد آزمائی فرمائی تھی (شجرۂ طوبیٰ طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ھ وبحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۷ طبع ایران) علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام حسینؑ کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے (کبریت الاحمر صفحہ ۲۵ و ذکر العباس صفحہ ۲۶)

امام حسینؑ گرداب مصائب میں

واقعۂ کربلا کا آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی کے آخری لمحات سے لے کر امام حسن کی حیات کے آخری ایام تک بحر مصائب و آلام کے ساحل سے کھیلتے ہوئے زندگی کے اس عہد میں داخل ہوئے جس کے بعد آپ کے علاوہ پنجتن میں کوئی باقی نہ رہا تو آپ کا سفینۂ حیات خود گرداب مصائب میں آ گیا۔ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر جدوجہد یہی رہی کہ کسی طرح امام حسینؑ کا چراغ زندگی بھی اسی طرح گل کر دے جس طرح حضرت علی امام حسن کی شمع حیات بجھا چکا ہے اور اس کے لئے وہ ہر قسم کا داؤں کرتا رہا اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یزید کی خلافت کے منصوبہ کو پروان چڑھائے۔ بالآخر اس نے ۵۶ھ میں ایک ہزار کی جمعیت سمیت یزید کے سے بیعت لینے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ پہونچا۔ وہاں امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بیعت یزید کا ذکر کیا۔ آپ نے صاف لفظوں میں اس کی بدکرداری کا حوالہ دے کر انکار کر دیا۔ معاویہ کو آپ کا انکار کھلا تو بہت زیادہ لیکن

چند الٹے سیدھے الفاظ کہنے کے سوا اور کچھ کر نہ سکا۔ اس کے بعد مدینہ اور پھر مکہ میں بیعت یزید لے کر شام کو واپس چلا گیا۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے جب مدینہ میں بیعت کا سوال اٹھایا تو حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر نے بیعت یزید سے انکار کر دیا۔ اس نے بڑی کوشش کی لیکن یہ لوگ نہ مانے اور رفع فتنہ کے لیئے امام حسینؑ کے علاوہ سب مدینہ سے چلے گئے۔ معاویہ ان کے پیچھے مکہ پہنچا اور وہاں ان پر دباؤ ڈالا گیا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار شام کو واپس چلا گیا (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۴۳) معاویہ بڑی تیزی کے ساتھ بیعت یزید لیتا رہا۔ اور بقول علامہ عتیبہ اس سلسلہ میں اس نے ٹکوں میں لوگوں کے دین بھی خریدے۔ الغرض رجب ۶۰ھ میں معاویہ رخت سفر باندھ کر دنیا سے چل بسا۔ یزید، جو اپنے باپ کے مشن کو کامیاب کرنا ضروری سمجھتا تھا سب سے پہلے مدینہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے وہاں کے والی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسینؑ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر اور ابن زبیر سے میری بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ ابن عقبہ نے مروان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ سب بیعت کر لیں گے لیکن امام حسینؑ ہرگز بیعت نہ کریں گے اور تجھے ان کے ساتھ پوری سختی کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک شخص (عبداللہ ابن عمر بن عثمان) کو امام حسین اور ابن زبیر کو بلانے کے لیئے بھیجا۔ قاصد جس وقت پہونچا۔ دونوں مسجد میں محو گفتگو تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم چلو۔ ہم آتے ہیں۔ قاصد واپس چلا گیا اور یہ دونوں آپس میں بلانے کے سبب پر تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ نے انتقال کیا اور یہ ہمیں بیعت یزید کے لیئے بلا رہا ہے۔ ابھی یہ حضرات جانے نہ پائے تھے کہ قاصد پھر آ گیا اور اس نے کہا کہ ولید آپ حضرات کے انتظار میں ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ جلدی کیا ہے جا کر کہہ دے کہ ہم تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ اس کے بعد امام حسینؑ دولت سرا میں تشریف لائے اور ۳۰ بہادروں کو ہمراہ لے کر ولید سے ملنے کا قصد فرمایا۔ آپ داخل دربار ہو گئے اور بہادران بنی ہاشم بیرون خانہ درباری حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ ولید نے امام حسینؑ کی مکمل تعظیم کی اور خبر مرگ معاویہ سنانے کے بعد بیعت کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسئلہ سوچ بچار کا ہے تم لوگوں کو جمع کرو اور مجھے بھی بلا لو۔ "علی روس الاشہاد" یعنی عام مجمع میں اظہار خیال کروں گا۔ ولید نے کہا۔ بہتر ہے کل پھر تشریف لائیے گا۔ ابھی آپ جواب نہ دینے پائے تھے کہ مروان بول اٹھا۔ اے ولید، اگر حسین علیہ السلام اس وقت تیرے قبضہ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ ان کو اسی وقت مجبور کر دے اور ابھی ابھی بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو حکم یزید کے مطابق سر تن سے اتار لے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسینؑ کو جلال آ گیا۔

آپ نے فرمایا "یابت الزرقا" کس میں دم ہے کہ حسین کو ہاتھ لگا سکے۔ تجھے نہیں معلوم کہ ہم آلِ محمدؐ ہیں فرشتے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ہم یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت کر لیں۔ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بہادرانِ بنی ہاشم داخلِ دربار ہو گئے اور قریب تھا کہ زبردست ہنگامہ برپا کر دیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ واپس دولت سرا تشریف لے گئے۔ ولید نے سارا واقعہ یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے جواب میں امام حسینؑ کا سر بھیجدو۔ ولید نے یزید کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ فرزند رسولؐ، میں یزید کے کہنے پر کسی صورت سے عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو باخبر کرتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ یزید آپ کے خون بہانے کے درپے ہے۔ امام حسینؑ نے صبر کے ساتھ حالات پر غور کیا اور نانا کے روضہ پر جاکر دردِ دل بیان فرمایا اور بے اختیار روئے۔ صبح صادق کے قریب مکان پر واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر روضہ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور مناجات کے بعد روتے روتے سو گئے۔ خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپ حسینؑ کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نورِ نظر! عنقریب اُمت تمہیں شہید کر دے گی۔ بیٹا! تم بھوکے اور پیاسے ہو گے۔ تم فریاد کرتے ہو گے اور کوئی تمہاری فریاد رسی نہ کرے گا۔ امام حسینؑ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ دولت سرا واپس تشریف لائے اور اپنے اعزا کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں مدینہ کو چھوڑ دوں۔ ترکِ وطن کا فیصلہ کرنے کے بعد روضہ امام حسنؑ اور مزار جناب سیدہؑ پر تشریف لے گئے۔ بھائی سے رخصت ہوئے۔ ماں کو سلام کیا۔ قبر سے جواب سلام آیا۔ نانا کے روضہ پر رخصت آخری کے لئے تشریف لے گئے۔ روتے روتے سو گئے۔ سرورِ کائنات نے خواب میں صبر کی تلقین کی اور فرمایا۔ بیٹا۔ ہم تمہارے انتظار میں ہیں۔

علماء کا بیان ہے کہ امام حسین ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ سے بارادہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ عتیبہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ فخرلمکتہ خوفاً علے لفسہٖ " امام حسینؑ جان کے خوف سے مکہ کو تشریف لے گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷) آپ کے ساتھ تمام مخدراتِ عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ البتہ آپ کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا اور جن کی عمر اس وقت ۷ سال تھی بوجہ علالت شدید ہمراہ نہ جا سکیں۔ امام حسینؑ نے آپ کی تیمارداری کے لئے حضرت عباس کی ماں جناب ام البنین کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضۂ خدمت اُم المومنین جناب ام سلمیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ یوم جمعہ مکہ معظمہ پہونچ گئے۔ آپ کے پہنچتے ہی والیٔ مکہ سعید ابن عاص مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں سے

یزید کو مکہ کے تمام حالات لکھے اور بتایا کہ لوگوں کا رجحان امام حسینؑ کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کا جواب نہیں۔ یزید نے یہ خبر پاتے ہی مکہ میں قتل حسینؑ کی سازش پر غور کرنا شروع کر دیا۔

امام حسین مکہ معظمہ میں چار ماہ شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ مقیم رہے۔ یزید جو بہر صورت امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حسینؑ اگر مدینہ سے بچ کر نکل آئے ہیں تو مکہ میں قتل ہو جائیں اور اگر مکہ سے بچ نکلیں تو کوفہ پہنچ کر شہید ہو سکیں۔ یہ انتظام کیا کہ کوفے سے ۱۲ ہزار خطوط دوران قیام مکہ میں بھجوائے۔ کیونکہ دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ حسین کوفہ میں آسانی سے قتل کئے جاسکیں گے۔ نہ یہاں کے باشندوں میں عقیدہ کا سوال ہے اور نہ عقیدت کا۔ یہ فرجی لوگ ہیں ان کی عقلیں بھی موٹی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت حسین سے قبل جب تک جتنے افسر بھیجے گئے وہ محض اس غرض سے بھیجے جاتے رہے کہ حسینؑ کو گرفتار کرکے کوفہ لے جائیں (کشف الغمہ صفحہ ۶۸) اور ایک عظیم لشکر مکہ میں شہید کئے جانے کے لئے ارسال کیا اور ۳۰ خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھجوا دیا جس کا قائد عمر ابن سعد تھا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۱ منتخب طریحی خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۵۰ ذکر العباس صفحہ ۱۲۲) عبدالحمید خان ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں کہ "اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسینؑ کو پائیں قتل کر ڈالیں (شہید اعظم صفحہ ۷۱) خطوط جو کوفے سے آئے تھے انہیں شرعی رنگ دیا گیا تھا اور وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھیجے گئے تھے جن سے امام حسین متعارف تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ یہ خطوط من کل طائفۃ جماعۃ" ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے تھے (سر الشہادتین صفحہ ۲۷) علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ خطوط بھیجنے والے عام اہل کوفہ تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷) ابن جریر کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ میں ایک دو کے علاوہ کوئی شیعہ نہ تھا (طبری صفحہ ۲۴۵) حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تفحص حالات کی خاطر جناب مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل

حضرت مسلم حکم امام پاتے ہی رو براہ سفر ہو گئے۔ شہر سے باہر نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک صیاد نے ایک آہو شکار کیا۔ اور اسے چھری سے ذبح کر ڈالا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس واقعہ کو امام حسینؑ سے بیان کر دوں تو بہتر ہو گا۔ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا۔ آپ نے دعائے کامیابی دی اور روانگی میں عجلت کی طرف اشارہ کیا۔ جناب مسلم امام حسینؑ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دے کر باچشم گریاں مکہ سے روانہ ہو گئے۔ مسلم ابن عقیل کے دو بیٹے تھے محمد اور ابراہیم، ایک کی عمر

۷ سال اور دوسرے کی عمر ۸ سال تھی۔ یہ دونوں بیٹے بردلتے مدینہ منورہ میں تھے۔ حضرت مسلم مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ وہاں پہونچکر روضہ رسول صلعم میں نماز ادا کی اور زیارت وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے اپنے گھر وارد ہوئے۔ رات گذری، صبح کے وقت اپنے بچوں کو لے کر دو راہبر سمیت جنگل کے راستہ سے کوفہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں شدت عطش کی وجہ سے دلیل انتقال کر گئے۔
آپ بہزار دقت کوفہ پہنچے اور وہاں جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان پر قیام فرما ہوئے۔ چند دنوں میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد بیعت کنندگان کی تعداد ۳۰ ہزار ہو گئی۔ اسی دوران یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو بصرہ لکھا کہ کوفہ میں امام حسینؑ کا ایک بھائی مسلم ابن عقیل نامی پہنچ گیا ہے۔ تو جلد سے جلد وہاں پہونچکر نعمان ابن بشیر سے حکومت کوفہ کا چارج لے لے اور مسلم کا سر میرے پاس بھیج دے۔ ابن زیاد پہلی فرصت میں کوفہ پہنچ گیا۔ اس کے داخلہ کے وقت ایسی شکل بن آئی کہ لوگ سمجھے کہ امام حسینؑ آ گئے ہیں۔ لیکن مسلم ابن عمر باہلی نے پکار کر کہا کہ یہ ابن زیاد ہے۔
حضرت مسلم بن عقیل کو جب ابن زیاد کی رسیدگی کوفہ کی اطلاع ملی تو آپ خانہ مختار سے منتقل ہو کر ہانی ابن عروہ کے مکان میں چلے گئے۔ ابن زیاد نے معقل نامی غلام کے ذریعہ سے جناب مسلم کی قیام گاہ کا پتہ لگا لیا۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے مکان میں ہیں تو ہانی کو بلوا بھیجا اور پوچھا کہ تم نے مسلم بن عقیل کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ تمہارے گھر میں ہیں۔ اب ہانی نے پہلے تو انکار کر دیا لیکن جب معقل جاسوس سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر ہم مسلم کو اپنے گھر میں بلا کر نہیں لائے بلکہ وہ خود آ گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اچھا، جو صورت بھی ہو۔ تم مسلم کو ہمارے حوالہ کر دو۔ جناب ہانی نے جواب دیا کہ یہ بالکل ناممکن ہے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو قید کر دیا جائے۔ چنانچہ ہانی قید کر دئے گئے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ مسلم ابن عقیل کو حاضر کر دو۔ ورنہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔ جناب ہانی نے فرمایا کہ میں ہر مصیبت برداشت کروں گا لیکن مہمان کو تمہارے سپرد ہرگز نہ کروں گا۔ مختصر یہ کہ جناب ہانی جن کی عمر ۹۰ سال کی تھی کو کھمبے میں بندھوا کر پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔ جناب ہانی بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر تن مبارک کو دار پر لٹکا دیا گیا۔
حضرت مسلم کو جب جناب ہانی کی گرفتاری کا علم ہوا تو آپ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر باہر نکل گئے۔ دشمن سے گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن کثیر ابن شہاب، محمد ابن اشعث، عمر ابن ذی الجوشن شیث ابن ربعی کے بہکانے اور خوف دلانے سے سب ڈر گئے۔ یہاں تک کہ نماز مغربین میں آپ کے ہمراہ صرف ۳۰ آدمی تھے۔ اور جب آپ نے نماز تمام کی تو کوئی بھی ساتھ

نہ تھا۔ آپ نے چاہا کہ کوفہ سے باہر جا کر کہیں رات گذاریں مگر محمد ابن کثیر نے کہا کہ کوفہ کے تمام راستے بند ہیں۔ آپ میرے مکان میں جا ٹھہریے۔ ابن زیاد نے باپ اور بیٹے دونوں کو طلب کیا اور دربار میں نہایت سخت اور سست کہا۔ اس وقت ہوا خواہان محمد ابن کثیر اور درباریوں میں سخت جنگ ہوئی۔ بالآخر یہ باپ بیٹا دونوں شہید ہو گئے۔

حضرت مسلم کو جب محمد کثیر کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ ان کے گھر سے باہر برآمد ہوئے۔ مسلم یہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا راستہ مل جائے کہ میں کوفہ سے باہر چلا جاؤں اور اسی کی سعی بلیغ میں گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ کے ہر دروازے پر گئے لیکن کسی دروازہ سے راستہ نہ ملا کیونکہ ہر جگہ دو دو ہزار کا پہرہ تھا۔ ناگاہ صبح ہو گئی اور مسلم ناچار اپنا گھوڑا شارع عام پر چھوڑ کر ایک کوچہ میں گھس گئے اور وہاں کی ایک بوسیدہ مسجد میں چھپ رہے۔ ابن زیاد جسے یہ معلوم تھا کہ کوفہ میں ہی مسلم کہیں روپوش ہیں۔ اس نے منادی کرا دی کہ جو مسلم کو گرفتار کر کے لائے گا یا ان کا سر دربار میں پہونچائے گا۔ اسے بہت کافی مال دیا جائے گا۔ حضرت مسلم نے دن مسجد میں گذارا اور رات کو مسجد سے نکل کھڑے ہوئے جناب مسلم کی حالت بھوک اور پیاس سے ایسی ہو چکی تھی کہ راستہ چلنا دوبھر تھا۔ آپ اسی حالت میں ایک محلہ میں سرگرداں پھر رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک ضعیفہ پر پڑی۔ آپ اس کے قریب گئے اور پانی مانگا۔ اس نے پانی دے کر خواہش کی کہ جلدی اپنی راہ لیجئے۔ کیونکہ یہاں کی فضا بہت مکدّر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے "طوعہ" جس کا کوئی گھر نہ ہو وہ کہاں جائے۔ اس نے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ فرمایا۔ محمد مصطفےٰؐ اور علی مرتضےٰؑ کا بھتیجا اور امام حسینؑ کا چچا زاد بھائی ہوں۔ طوعہ نے اپنے گھر میں جگہ دے دی۔ آپ نے رات تو گذاری لیکن صبح ہوتے ہی دشمن کا لشکر آ پہونچا کیونکہ پسر طوعہ نے ماں سے پوشیدہ ابن زیاد سے چغلخوری کر دی تھی۔ لشکر کا سردار محمد بن اشعث تھا جو امام حسنؑ کی قاتلہ جعدہ بنت اشعث کا حقیقی بھائی تھا۔ مسلم نے جب تین ہزار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو تلوار لے کر گھر سے باہر نکل پڑے اور سینکڑوں دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا۔ بالآخر ابن اشعث نے اور فوج مانگی۔ ابن زیاد نے کہلا بھیجا کہ ایک شخص کے لئے تین ہزار کی فوج کیسے ناکافی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شاید تو نے یہ سمجھا ہے کہ کسی بقال یا جولاہے سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے غرضیکہ جب مسلم پر کسی طرح قابو نہ پایا جا سکا تو ایک خس پوش گڑھے میں آپ کو گرا دیا گیا۔ پھر گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں کوٹھے سے زمین پر گرا کر ان کا سر کاٹ لیا جائے۔ آپ نے چند وصیتیں کیں اور کوٹھے سے گرتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ کہا اور نیچے تشریف لائے آپ کا سر کاٹا گیا۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ کا اور ہانی کا سر کاٹ کر دمشق بھیج دیا گیا اور تن بازار قصاباں میں دار پر لٹکا دیا گیا۔ روایت

یں ہے کہ دونوں کے پیروں میں رسی باندھ کر بازاروں میں پھرا رہے تھے کہ قبیلہ مذحج نے کافی جنگ و جدال کر کے لاشیں حاصل کرلیں اور دفن کر دیا۔ ملاحظہ ہو روضۃ الشہدا صفحہ ۲۷۰ تا ۲۷۶ وکشف الغمہ ص۹۵ خلاصۃ المصائب صفحہ ۴۶ آپ کی شہادت ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کو واقع ہوئی ہے۔

محمدؑ اور ابراہیمؑ کی شہادت

مورخین کا بیان ہے کہ شہادت مسلم کے بعد لوگوں نے ابن زیاد کو جناب مسلم کے دونوں کم سن فرزندوں کے کوفہ میں موجود ہونے کی خبر دی جن کا نام محمد اور ابراہیم تھا۔ ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ پسران مسلم قاضی شریح کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ سرکاری اعلان کے بعد قاضی نے بچوں سے کہا کہ ہماری اور تمہاری دونوں کی جان اب خطرے میں ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کسی صورت سے مدینہ پہنچا دیا جائے۔ بچوں نے اسے قبول کیا۔ قاضی نے اپنے بیٹے "اسد" کو حکم دیا کہ ان دونوں بچوں کو دروازہ عراقیین کے باہر جو قافلہ عازم مدینہ ٹھہرا ہوا ہے۔ اس میں چھوڑ آ۔ اسد ان بچوں کو لے کر جب رات کے وقت وہاں پہونچا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا لیکن اس مقام سے نظر آ رہا تھا۔ اسد نے بچوں کو اسی راہ قافلہ پر لگا دیا اور گھر واپس آیا۔ کم سن بچے چند قدم چلے تھے کہ قافلہ نظروں سے غائب ہو گیا اور صبح کا تڑکا ہو گیا۔ بچے حیران و سرگردان پھر رہے تھے کہ ناگاہ سرکاری آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے انہیں قید خانہ میں بند کر کے یزید کو بچوں کی گرفتاری کی اطلاع دے دی۔ قید خانہ کا دربان اتفاقاً محب آل محمدؐ تھا۔ اس نے رات کے وقت بچوں کو رہا کر دیا۔ اور راہ قادسیہ پر لگا کر ایک انگشتری دی اور کہا کہ قادسیہ میں میرے بھائی سے ملنا اور اس انگشتری کے ذریعہ سے تعارف کے بعد اس سے کہنا کہ وہ تمہیں مدینہ پہنچا دے۔ بچے تو روانہ ہو گئے لیکن صبح ہوتے ہی دربان جس کا نام "مشکور" تھا قتل کر دیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو نے پسران مسلم کو کیوں چھوڑ دیا۔ اس نے کہا کہ خوشنودی خدا کے لئے ابن زیاد نے پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ مشکور کی شہادت کے بعد اسے عمر ابن الحارث نے دفن کر دیا۔

پسران مسلم بن عقیل مشکور کی مہربانی سے رہا ہو کر بقصد قادسیہ جا رہے تھے کہ حدود کوفہ کے اندر ہی راستہ بھول گئے اور ساری رات چکر لگا کر صبح جو کی، تو اپنے کو کوفہ ہی میں پایا۔ صبح ہو چکی تھی۔ دشمن کے خطرے سے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اتفاقاً اس جگہ ایک عورت پانی بھرنے آئی۔ اس نے پانی میں پرچھائیں دیکھ کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے اطمینان کرنے کے بعد کہا ہم فرزندان مسلم ہیں۔ اس عورت نے اپنی مالکہ کو خبر دی وہ سر و پا برہنہ دوڑ کر آئی اور ان بچوں کو لے گئی اور اپنے مکان کے ایک گوشہ خالی میں انہیں ٹھہرا دیا۔ تھوڑی رات گذری تھی کہ اس مومنہ

کا شوہر "حارث بن عروۃ" سرگرداں و پریشاں داخل خانہ ہوا۔ مومنہ نے پوچھا کہ آج بڑی رات کر دی۔ خیر تو ہے۔ اس نے کہا کہ مشکور دربان نے پسران مسلم کو قید سے رہا کر دیا ہے جن کی تلاش کے لئے انعام و اکرام ابن زیاد کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ میں بھی اب تک انہیں کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔ حارث کھانا کھا کر بستر پر لیٹ گیا۔ ابھی آنکھ نہ لگی تھی کہ وہ بچوں کی سانس کی آواز کو محسوس کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی سے پوچھا "یہ کس کے سانس کی آواز آئی ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ اس تہ خانے کی طرف چلا جس میں نونہالانِ رسالت جلوہ افروز تھے۔ اس کی آہٹ پا کر ایک بھائی نے دوسرے کو جگا کر کہا بھیّا، ابھی محمد مصطفےٰ[ص]، علی مرتضےٰ[ع]، فاطمہ زہرا[ع]، حسن مجتبےٰ[ع] اور امام حسین[ع] اور میرے بابا خواب میں تشریف لائے تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم تمہاری انتظار میں ہیں۔ اتنے میں حارث اندر داخل ہو گیا اور انہیں پکڑ کر کہا۔ تم کون ہو۔ انہوں نے فرمایا۔ ہم تیرے نبی کی اولاد ہیں۔ "ھربنا من السجن" قید خانہ سے بھاگ کر آئے ہیں۔ اس نے کہا۔ تم قید سے بھاگ کر موت کے منہ میں آ گئے ہو۔ اس کے بعد اس نے ان یتیموں کے رخساروں پر اس زور سے طمانچے مارے کہ یہ منہ کے بل گر پڑے۔ پھر اس نے ان کی مشکیں کس دیں اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا۔ یہ بے چارے ساری رات اپنی بے کسی پر روتے رہے۔ جب صبح ہوئی، تو انہیں برلب نہر قتل کرنے کے لئے چلا۔ بیوی نے فریاد کی۔ اسے ایک تلوار ماری۔ غلام نے روکا۔ اس کو قتل کر دیا۔ الغرض نہر فرات پر لے جا کر قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ بچوں نے کہا۔ اے شیخ (۱) ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل (۲) ہمیں بازار میں بیچ ڈال (۳) ہماری کم سنی پر رحم کر (۴) ہمیں دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے اجازت دے دے۔ اس نے کہا کہ قتل کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے البتہ نماز اگر پڑھنے ہو پڑھ لو لیکن کوئی فائدہ نہیں ہے۔ الغرض بچوں نے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ اس ملعون نے بڑے بھائی کی گردن پر تلوار لگائی۔ سر مبارک دور جا گرا۔ چھوٹے بھائی نے دوڑ کر سر مبارک اٹھا لیا اور بھائی کے خون میں لوٹنے لگا۔ اس ظالم نے بڑے بھائی کی لاش پانی میں ڈال دی اور چھوٹے کا سر بھی کاٹ لیا۔ جب دونوں لاشیں پانی میں پہونچیں تو باہم بغل گیر ہو کر ڈوب گئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ حارث نے جس وقت ابن زیاد کے سامنے فرزندان مسلم کے سر پیش کئے "قام ثم قعد وفعل ذالك ثلاثاً" تو وہ تین مرتبہ اٹھا اور بیٹھا۔ پھر حکم دیا کہ یہ سر اسی جگہ پانی میں ڈال دیئے جائیں جس جگہ ان کے تن ڈالے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک محب آلِ محمد نے ان سروں کو فرات میں ڈال دیا۔ مروی ہے سروں کے پانی میں پہنچتے ہی ڈوبے ہوئے جسم سطح آب پر ابھر آئے اور اپنے سروں سمیت تہہ نشین ہو گئے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو مرہائے فرزندان مسلم پانی میں

ڈالنے کے لئے لایا تھا۔ اس کا نام "مقاتل تھا۔ اس نے دونوں سروں کو پانی میں ڈال دینے کے بعد حارث ملعون کے مقتول غلام اور بیٹے کی لاشوں کو باب بنی خزیمہ میں دفن کر دیا (روضۃ الشہداء از صفحہ ۲۷۶ تا ۲۸۵ و خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۲۱) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ جناب مسلم بن عقیل و ہانی ابن عروہ و محمد ابن کثیر اور فرزندان مسلم کو ٹھکانے لگانے کے بعد عمر ابن سعد اور ابن زیاد کے مابین حکومت کرنے کا معاہدہ ہو گیا اور طے پایا کہ حر ابن یزید ریاحی کو سب سے پہلے دو ہزار سواروں سمیت روانہ کر کے امام حسینؑ کو گرفتار کرایا جائے اور انہیں کوفہ لا کر قتل کر دیا جائے (کشف الغمہ صفحہ ۶۸)

مکہ معظمہ میں امام حسینؑ کی جان نہ بچ سکی

یہ واقعہ ہے کہ امام حسینؑ مدینہ منورہ سے اس لئے عازم مکہ ہوئے تھے کہ یہاں ان کی جان بچ جائے گی لیکن آپ کی جان لینے پر ایسا سفاک دشمن تلا ہوا تھا جس نے مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ میں بھی آپ کو محفوظ نہ رہنے دیا اور وہ وقت آ گیا کہ امام حسینؑ مقام امن کو محل خوف سمجھ کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مجبوری اس حد تک بڑھ گئی کہ آپ حج تک نہ کر سکے۔ یہ مسلمات سے ہے کہ شیاطین بنی امیہ کے تیس خونخوار حج کے لباس میں امام حسینؑ کے ساتھ لگ گئے اور قریب تھا کہ آپ کو عالم حج و طواف میں قتل کر دیں۔ امام حسینؑ کو جیسے ہی سازش کا پتہ لگا۔ آپ نے فوراً حج کو عمرہ منفردہ سے بدلا اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو جناب مسلم کے خط پر بھروسہ کر کے عازم کوفہ ہو گئے۔ ابھی آپ روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ اعزا و اقربا نے کمال ہمدردی کے ساتھ التوائے سفر کوفہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں چیونٹی کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو بھی ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اور سنو۔ میرے نانا نے فرمایا ہے کہ حرمت مکہ ایک دنبہ کے قتل سے برباد ہو گی۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ دنبہ میں ہی نہ قرار پاؤں۔ میری خواہش ہے کہ میں مکہ سے باہر جا ہے ایک ہی بالشت پر کیوں نہ ہو قتل کیا جاؤں (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۰۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۳۳۶۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷) یہ واقعہ ہے کہ یزید کا ارادہ بہر صورت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا اور استیصال بنی فاطمہ تھا (کشف الغمہ صفحہ ۸۷) یہی وجہ ہے کہ جب امام حسینؑ کے مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کی اطلاع والی مکہ عمر بن سعید کو ہوئی، تو اس نے پوری طاقت سے آپ کو واپس لانے کی سعی کی اور اسی سلسلہ میں اس نے یحییٰ بن سعید ابن العاص کو ایک گروہ کے ساتھ آپ کو روکنے کے لئے بھیج دیا "فقالوا له انصرف این تذھب" ان لوگوں نے آپ کو روکا اور کہا کہ آپ یہاں سے کہاں نکلے جا رہے ہیں۔ فوراً لوٹیے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ روکنا معمولی نہ تھا بلکہ ایسا تھا جس میں مار پیٹ کی بھی نوبت آئی (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۱۶) مقصد یہ ہے کہ والی مکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ اس کے حدود اقتدار سے نکل جائیں اور یزید کے منشا کو پورا نہ

کرسکے کیونکہ اس کے پیش نظر والیٔ مدینہ کا تعطل تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ حسینؑ کے مدینہ سے سالم نکل آنے پر والیٔ مدینہ برطرف کر دیا گیا تھا۔

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی

الغرض امام حسینؑ اپنے جملہ اعزا اقربا اور انصار جاں نثار کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد بقول امام شبلنجی بیاسی (۸۲) تھی مکہ سے روانہ ہو گئے۔ آپ جس وقت منزلِ صفاح پر پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا۔ استفسار پر اس نے بتایا کہ جا ہے لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہوں لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ آپ نے اپنی روانگی کے وجوہ بیان فرمائے اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پھر منزل حاجز کے ایک چشمہ پر اترے۔ وہاں عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی کوفیوں سے بے وفائی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپ منزلِ بطن الرمہ پہنچے اور وہاں سے منزلِ ذات العرق میں ڈیرہ ڈالا۔ وہاں ایک شخص بشیر ابن غالب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی کوفیوں کی غداری کا تذکرہ کیا پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے۔ ایک مقام پر ایک خیمہ نصب دیکھا۔ پوچھا۔ اس جگہ کون ٹھہرا ہے۔ معلوم ہوا کہ زہیر ابن القین۔ آپ نے انہیں بلوا بھیجا جب وہ آئے تو آپ نے اپنی حمایت کا ذکر کیا۔ انہوں نے قبول کر کے اپنی بیوی کو برواینے اپنے بھائی کے ہمراہ گھر روانہ کر دیا۔ اور خود امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر منزلِ شقوق میں پہنچے۔ وہاں آپ کو حضرت مسلم ہانی اور محمد بن کثیر جیسے دلیروں کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" فرمایا اور داخلِ خیمہ ہو کر حضرت مسلم کی بچیوں کو کمال محبت کے ساتھ پیار کیا اور بے انتہا روئے۔ اس کے بعد بقولِ علامہ اربلی آپ نے بوقت شب ایک خطبہ دیا جس میں حالات کی وضاحت کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا قتل یقینی ہے۔ میں تم لوگوں کی گردنوں سے طوقِ بیعت اتارے لیتا ہوں۔ تمہارا جدھر جی چاہے چلے جاؤ۔ دنیادار تو واپس ہو گئے لیکن سب دیندار ہم رکاب ہی رہے پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر منزلِ زبالہ پر پہنچے، تو آپ کو آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ ابن یقطر کی خبر شہادت ملی پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل قصر بنی مقاتل پر اترے۔ وہاں پر عبداللہ ابن حر جعفی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کے اصرار کے باوجود وہ بقول واعظ کاشفی آپ کے ہمرکاب نہ ہوا۔ پھر آپ منزل ثعلبیہ پر پہنچے۔ وہاں جناب زینب کی آغوش میں سر رکھ کے سو گئے۔ خواب میں رسول خدا کو دیکھا کہ وہ بلا رہے ہیں۔ آپ رو پڑے۔ ام کلثوم نے سبب گریہ پوچھا۔ آپ نے خواب کا حوالہ دیا اور خاندان کی تباہی کا تاثر ظاہر فرمایا۔ علی اکبر نے عرض کی۔ بابا ہم حق پر ہیں ہمیں موت سے ڈر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے منزل قطقطانیہ پر خطبہ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر قبیلۂ بنی سکون میں ٹھہرے۔ آپ کی یہاں سکونت کی اطلاع ابن زیاد کو دی گئی۔ اس نے ایک ہزار

یا دو ہزار کے لشکر سمیت حُر بن یزید ریاحی کو امام حسینؑ کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا۔ امام حسینؑ اپنی قیام گاہ سے نکل کر کوفہ کی طرف بدستور روانہ ہو گئے۔ راستے میں بنی عکرمہ کا ایک شخص ملا۔ اس نے کہا قادسیہ سے عذیب تک ساری زمین لشکر سے پٹی پڑی ہے آپ نے اسے دعائے خیر دی اور خود آگے بڑھ کر منزل شرف پر قیام کیا وہاں آپ نے محرم ۶۱ھ کا چاند دیکھا اور آپ رات گذار کر علی الصباح روانہ ہو گئے۔

حر بن یزید ریاحی

صبح کا وقت گذرا دوپہر آئی لشکر حسینی بادیہ پیمائی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی حسینؑ نے تکبیر کہی۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کوفہ کی طرف خرمے اور کیلے کے درخت جیسے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس جنگل میں درخت کہاں، اس طرف غور سے دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں۔ امام نے فرمایا کہ دشمن آ رہے ہیں لہٰذا منزل ذوخشب یا ذوحسم کی طرف مڑ چلو۔ لشکر حسینی نے رُخ بدلا اور لشکر حُر نے تیز رفتاری اختیار کی۔ بالآخر سامنے آپہنچا اور بردا بیتے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عباس آگے بڑھے اور فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے "ما تزید" کیا چاہتا ہے (دمعۃ ساکبہ صفحہ ۱۸۴) مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ لشکر حُر پیاس سے بے چین تھا۔ اس لئے ساقی کوثر کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ حُر کے سواروں اور سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر دو۔ چنانچہ اچھی طرح سیرابی کر دی گئی۔ اس کے بعد نماز ظہر کی اذان ہوئی۔ حُر نے امام حسینؑ کی قیادت میں نماز ادا کی اور یہ بتایا کہ ہمیں آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لئے یہ حکم ہے کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کریں۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ میں گرفتار ہو کر خاموشی کے ساتھ کوفہ میں قتل کر دیا جاؤں۔ پھر اس نے تنہائی میں رائے دی کہ چپکے سے رات کے وقت کسی طرف نکل جائیے۔ آپ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ایک راستے پر آپ چل پڑے۔ جب صبح ہوئی تو پھر حُر کو تعاقب کرتے دیکھا۔ اور پوچھا کہ اب کیا بات ہے اس نے کہا، مولا، کسی جاسوس نے ابن زیاد سے غمازی کر دی ہے۔ چنانچہ اب اس کا حکم یہ آ گیا ہے کہ میں آپ کو بے آب و گیاہ جنگل میں روک لوں۔ گفتگو کے ساتھ ساتھ رفتار بھی جاری تھی کہ ناگاہ امام حسینؑ کے گھوڑے نے قدم روکے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ اس زمین کو کیا کہتے ہیں۔ کہا گیا "کربلا" آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ یہیں پر ڈیرے ڈال دو اور یہیں خیمے لگا دو۔ کیونکہ قضائے الٰہی یہیں ہمارے گلے ملے گی (نور الابصار صفحہ ۱۱۷، مطالب السؤل صفحہ ۲۵۷، طبری صفحہ ۳۰۷، کامل جلد ۴ صفحہ ۲۶۔ ابو الفداء جلد صفحہ ۲۰۱، دمعۃ ساکبہ صفحہ ۳۳۰۔ اخبار الطوال صفحہ ۲۵۰۔ ابن الوردی جلد ا صفحہ ۱۷۳۔ ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۹۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۶۔

کربلا میں ورود

۲ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے۔

نور العین صفحہ ۴۶ حیواۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۱۵ ۔ مطالب السئول صفحہ ۲۵۰ ۔ ارشاد مفید دمو ساکبہ صفحہ ۳۲۱ مواعظ کاشفی اور علامہ اربلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسینؑ نے زمین کربلا پر قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی ۔ اور ایک ایسا غبار اٹھا جس سے آپ کے چہرہ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے ۔ یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے اور جناب ام کلثوم رونے لگیں (کشف الغمہ صفحہ ۶۹ روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰۱)

صاحب مخزن البکا لکھتے ہیں کہ کربلا پر ورود کے فوراً بعد جناب ام کلثوم نے امام حسین سے عرض کی ۔ بھائی جان ! یہ کیسی زمین ہے کہ اس جگہ ہمارا دل دہل رہا ہے ۔ امام حسینؑ نے فرمایا ۔ بس یہ وہی مقام ہے جہاں بابا جان نے صفین کے سفر میں خواب دیکھا ۔ یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارا خون بہے گا ۔ کتاب مائتین میں ہے کہ اسی دن ایک صحابی نے ایک بیری کے درخت سے مسواک کے لئے شاخ کاٹی تو اس سے خون تازہ جاری ہو گیا ۔

امام حسینؑ کا خط اہل کوفہ کے نام

کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اتمام حجت کے لئے اہل کوفہ کے نام قیس ابن مسہر کے ذریعہ سے ایک خط ارسال فرمایا ۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تمہاری دعوت پر میں کربلا تک آ گیا ہوں الخ قیس خط لئے جا رہے تھے کہ راستے میں گرفتار کر لئے گئے ۔ اور انہیں ابن زیاد کے سامنے کوفہ لے جا کر پیش کر دیا گیا ۔ ابن زیاد نے خط مانگا ۔ قیس نے بروایتے چاک کر کے پھینک دیا ۔ اور بروایتے اس خط کو کھا لیا ۔ ابن زیاد نے انہیں بضرب تازیانہ شہید کر دیا (روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰۱ ۔ کشف الغمہ صفحہ ۶۶)

عبید اللہ ابن زیاد کا خط امام حسینؑ کے نام

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے بعد حرؑ نے ابن زیاد کو آپ کی رسیدگی کربلا کی خبر دی ۔ اس نے امام حسینؑ کو فوراً ایک خط ارسال کیا ۔ جس میں لکھا کہ مجھے یزید نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے اس کے لئے بیعت لے لوں یا آپ کو قتل کر دوں ۔ امام حسین نے اس خط کا جواب نہ دیا ”القاہ من یدہ“ اور اسے زمین پر پھینک دیا (مطالب السئول صفحہ ۲۵۷ ۔ نور الابصار صفحہ ۱۱۷) اس کے بعد آپ نے محمد بن حنفیہ کو اپنے کربلا پہنچنے کی ایک خط کے ذریعہ سے اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے زندگی سے ہاتھ دھو لیا ہے ۔ اور عنقریب عروس موت سے ہمکنار ہو جاؤں گا (جلاء العیون صفحہ ۱۹۶)

دوسری محرم سے نویں محرم تک

دوسری محرم الحرام ۶۱ھ ہجری کو آپ کا کربلا میں ورود ہوا ۔ آپ نے اہل کوفہ کے نام

خط لکھا۔ آپ کے نام ابن زیاد کا خط آیا۔ اسی تاریخ کو آپ کے حکم سے برلب فرات خیمے نصب کیے گئے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۶۹ و شہید اعظم صفحہ ۱۱۱) حُر نے مزاحمت کی اور کہا کہ فرات سے دُور خیمے نصب کیجیے۔ (نور العین صفحہ ۴۶) عباس ابن علی کو غصہ آگیا (شہید اعظم جلد ۲ صفحہ ۱۰۷) امام حسینؑ نے غصہ کو فرو کیا اور بقول علامہ اسفرائنی ۳ یا ۵ میل کے فاصلہ پر خیمے نصب کئے گئے (نور العین صفحہ ۴۶) نصب خیام کے بعد ابھی آپ اس میں داخل نہ ہوئے تھے کہ چند اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوئے۔ جناب زینبؑ نے جونہی اشعار کو سنا۔ اس درجہ روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ امام نے رخسار پر پانی چھڑک کر باہوش کیا (لہوف صفحہ ۱۰۶۔ اثارۃ الاحزان صفحہ ۳۶) پھر آل محمد داخل خیمہ ہوئے۔ اس کے بعد ساٹھ ہزار درہم پر ۱۶ مربع میل زمین خرید کر چند شرائط کے ساتھ انہیں کو ہبہ کر دی (کشکول بہائی صفحہ ۹۱ ذکر العباس صفحہ ۴۴)

تیسری محرم الحرام یوم جمعہ کو عمر ابن سعد ۶،۵ اور بقول علامہ اربلی ۲۲ ہزار سوار و پیادے لے کر کربلا پہنچا اور اس نے امام حسینؑ سے تبادلہ خیالات کی خواہش کی۔ حضرت نے ارادۂ کوفہ کا سبب بیان فرمایا۔ اس نے ابن زیاد کو گفتگو کی تفصیل لکھ دی اور یہ بھی لکھا کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ اگر اب اہل کوفہ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کے جواب میں لکھا کہ اب جب کہ ہم نے حسینؑ کو چنگل میں لے لیا ہے تو وہ چھٹکارہ چاہتے ہیں "لات حین مناص" یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ان سے کہہ دو کہ یا اپنے تمام اعزاء اور انصار سمیت بیعت یزید کریں یا قتل ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ میں بیعت سے پہلے ان کی کسی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں (ناسخ و روضۃ الشہداء) اسی تیسری تاریخ کی شام کو حبیب ابن مظاہر قبیلہ بنی اسد میں گئے اور ان میں سے ۹۰ جانباز امداد حسینی کے لئے تیار کئے۔ وہ انہیں لا رہے تھے کہ کسی نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ اس نے چار سو (۴۰۰) کا لشکر بھیج کر اس کمک کو رکوا دیا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۵)

چوتھی محرم الحرام یوم شنبہ کو ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک خطبہ دیا۔ جس میں اس نے امام حسینؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور کہا کہ حکم یزید سے تمہارے لئے خزانوں کے منہ کھول دئے گئے ہیں۔ تم اس کے دشمن حسین سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اس کے کہنے سے بے شمار لوگ آمادۂ کربلا ہو گئے اور سب سے پہلے شمر نے روانگی کی درخواست کی۔ چنانچہ شمر کو چار ھزار ابن رکاب کو دو ہزار، ابن نمیر کو چار ہزار، ابن رہینہ کو تین ہزار، ابن خرشہ کو دو ھزار سوار دے کر روانہ کربلا کر دیا گیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲)

پانچویں محرم الحرام یوم یک شنبہ کو شیث ابن ربعی کو چار ہزار، عروہ ابن قیس کو چار ہزار سنان ابن انس کو دس ہزار، محمد ابن اشعث کو ایک ہزار، عبداللہ ابن حصین کو ایک ہزار کا لشکر دے کر

روانہ کر دیا گیا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۳ و دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲)

چھٹی محرم الحرام یوم دوشنبہ کو خولی ابن یزید اصبحی کو دس ہزار کعب ابن الحہ کو تین ہزار حجاج ابن حُر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر روانہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ چھوٹے بڑے اور کئی لشکر ارسال کرنے کے بعد ابن زیاد نے عمر ابن سعد کو لکھا کہ اب تک تجھے اسّی (۸۰) ہزار کا کوفی لشکر بھیج چکا ہوں۔ ان میں حجازی اور شامی شامل نہیں ہیں۔ تجھے چاہیئے کہ بلا حیلہ حوالہ حسینؑ کو قتل کر دے (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۳ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲۔ جلا العیون صفحہ ۱۹۷) اسی تاریخ کو خولی ابن یزید نے ابن زیاد کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں عمر ابن سعد کے لئے لکھا کہ یہ امام حسینؑ سے رات کو چھپ کر ملتا ہے اور ان سے بات چیت کیا کرتا ہے۔ ابن زیاد نے اس خط کو پاتے ہی عمر سعد کے نام ایک خط لکھا کہ مجھے تیری تمام حرکتوں کی اطلاع ہے تو چھپ کر باتیں کرتا ہے۔ دیکھ میرا خط پاتے ہی امام حسینؑ پر پانی بند کر دے اور انہیں جلد سے جلد موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۶ اخبار الطوال صفحہ ۲۵۲۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۲۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۷۵)۔

ساتویں محرم الحرام یوم سہ شنبہ کو عمر ابن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نہر فرات پر اس لئے مقرر کر دیا گیا کہ امام حسینؑ کے خیمہ تک پانی نہ پہنچنے پائے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۳ و ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۷) پھر مزید احتیاط کے لئے چار ہزار کا لشکر دے کر حجر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر شیث ابن ربعی کو روانہ کیا گیا (مقتل ابی مخنف صفحہ ۴۲) اور پانی کی بندش کر دی گئی۔ پانی بند ہو جانے کے بعد عبداللہ ابن حصین نے نہایت کریہہ لفظوں میں طعنہ زنی کی (انوار العین صفحہ ۳۱۱) جس سے امام حسینؑ کو سخت صدمہ پہنچا (تذکرہ صفحہ ۱۲۱) پھر ابن جوشب نے طعنہ زنی کی جس کا جواب حضرت عباس نے دیا۔ (الامامت اسباب جلد ۱ صفحہ ۸) آپ نے غالباً طعنہ زنی کے جواب میں خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ ایک ضرب تیشہ سے چشمہ جاری کر دیا۔ مقتل عوالم صفحہ ۷۸، و اعثم کوفی صفحہ ۲۶۶) اور یہ بتا دیا کہ ہمارے لئے پانی کی کمی نہیں ہے لیکن ہم اس مقام پر معجزہ دکھانے نہیں آئے بلکہ امتحان دینے آئے ہیں۔

آٹھویں محرم الحرام یوم چہار شنبہ کی شب کو خیمہ آلِ محمدؐ سے پانی بالکل غائب ہو گیا اور پیاس کی شدت نے بچوں کو بے چین کر دیا ہے۔ امام حسینؑ نے حالات کو دیکھ کر حضرت عباس کو پانی لانے کا حکم دیا۔ آپ چند سواروں کو لے کر تشریف لے گئے اور بڑی مشکلوں سے پانی لائے ولذا اللہ سمی العباس السقاء" اسی سقائی کی وجہ سے عباس کو "سقاء" کہا جاتا ہے۔ اخبار الطوال صفحہ ۲۵۳ جلاء العیون صفحہ ۱۹۸ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۳) رات گذرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو یزید ابن حصین صحرائی نے باجازت امام حسینؑ، ابن سعد کو فہمائش کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا

ہے کہ میں حسینؑ کو پانی دے کر حکومت چھوڑ دوں (ناسخ التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۳۸۔ امام شبلنی کہتے ہیں کہ ابن حصین اور ابن سعد کی گفتگو کے بعد امام حسینؑ نے اپنے خیموں کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ نور الابصار صفحہ ۱۱۷) اس کے بعد حضرت عباس کو حکم دیا کہ کنواں کھود کر پانی برآمد کرو۔ آپ نے کنواں تو کھودا لیکن پانی نہ نکلا (مقتل ابی مخنف صفحہ ۲۷)

نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ کی شب کو امام حسینؑ اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو ہوئی۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور علی اکبر بھی تھے۔ آپ نے گفتگو میں ہر قسم کی حجت تمام کر لی۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۳) نویں کی صبح کو آپ نے حضرت عباس کو پھر کنواں کھودنے کا حکم دیا لیکن پانی برآمد نہ ہوا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۵) تھوڑی دیر کے بعد امام حسینؑ نے بچوں کی حالت کے پیش نظر پھر عباس سے کنواں کھودنے کی فرمائش کی۔ آپ نے سعی بلیغ شروع کر دی جب بچوں نے کنواں کھودتا ہوا دیکھا تو سب کوزے لے کر آ پہنچے ابھی پانی نکلنے نہ پایا تھا کہ دشمنوں نے آکر اسے بند کر دیا "فھربت الاطفال الخیام" دشمنوں کو دیکھ کر بچے خیموں میں جا چھپے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عباس نے کنواں کھودا۔ وہ بھی بند کر دیا گیا "حتیٰ حفروا دبعًا" یہاں تک کہ چار کنوئیں کھود ے اور پانی حاصل نہ کر سکے۔ بروایتے پانچویں مرتبہ پانی برآمد ہوا سکینہ نے کوزہ بھرا۔ اور دشمن کے خوف سے خیمہ کی طرف بھاگیں۔ طناب خیمہ میں پاؤں الجھے اور آپ گر پڑیں۔ پانی جاتا رہا اور دشمن نے کنواں بند کر دیا۔ سکینہ پیاسی کی پیاسی ہی رہیں (خلاصتہ المصائب صفحہ ۱۱۲ طبع نول کشور ۱۸۷۶ء لکھنؤ) اس کے بعد ایک ناقہ پر سوار ہو کر دشمن کے قریب گئے اور اپنا تعارف کرایا لیکن کچھ نہ بنا (کشف الغمہ صفحہ ۷۰) مؤرخین لکھتے ہیں کہ نویں تاریخ کو شمر کوفہ واپس گیا۔ اور اس نے عمر ابن سعد کی شکایت کر کے ابن زیاد سے ایک سخت حکم حاصل کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حسین بیعت نہیں کرتے تو انہیں قتل کر کے ان کی لاش پر گھوڑا دوڑا دے۔ اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو شمر کو چارج دے دے۔ ہم نے اسے حکم تعمیل حکم یزید دے دیا ہے (روضتہ الشہدا صفحہ ۳۰۶ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۳ و تاریخ جلد ۶ ۱۳۹۵ھ) ابن زیاد کا حکم پاتے ہی ابن سعد تعمیل پر تیار ہو گیا۔ اسی نویں تاریخ کو شمر نے حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کو امان کی پیشکش کی۔ انہوں نے بڑی دلیری سے اسے ٹھکرا دیا (جلاء العیون صفحہ ۱۹۸ طبری صفحہ ۲۳۷ جلد ۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ذکر العباس از صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۲۔ اسی نویں کی شام آنے سے پہلے شمر کی تحریک سے ابن سعد نے حملہ کا حکم دے دیا۔ امام حسین علیہ السلام خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو حضرت زینب پھر حضرت عباس نے دشمن کے آنے کی اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ پر ابھی غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ میں نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ "انک تروح عندا" حسینؑ! تم کل میرے پاس پہنچ جاؤ گے (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲ جناب

زینب رونے لگیں اور امام حسینؑ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ بھیّا تم جا کر ان دشمنوں سے ایک شب کی مہلت لے لو۔ حضرت عباس تشریف لے گئے اور لڑائی ایک شب کے لئے ملتوی ہوگئی (تاریخ اسلام صفحہ ۲۷۲ طبع گورکھپور ۱۹۳۱ء) جنگ کے التواء کی غرض کیا تھی؟ اس کے لئے ملاحظہ ہو ذکر العباس صفحہ ۱۸۶)

شبِ عاشور

نویں کا دن گذرا۔ عاشور کی رات آئی۔ التوائے جنگ کے بعد امام حسینؑ کو جس چیز کی زیادہ فکر تھی وہ یہ تھی کہ اپنے اصحاب کو موت سے بچا دیں، آپ نے رات کے وقت اپنے اصحاب اور اعزا کو جمع کر کے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ تم سے بہتر اعزاء اور اصحاب کسی کو نصیب نہیں ہوئے لیکن دیکھو چونکہ یہ صرف مجھ ہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں تمہاری گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں۔ تم رات کی تاریکی میں اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عباس، فرزندان مسلم بن عقیل مسلم ابن عوسجہ، زہیر ابن قین، سعد ابن عبداللہ یکے بعد دیگرے کھڑے ہو گئے، اور عرض کرنے لگے مولا۔ آپ نے یہ کیا فرمایا" ارے لعنت ہے اس زندگی پر جو آپ کے بعد باقی رہے (ابن الوردی جلد ۱ صفحہ ۱۷۳۔ صدف جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۔ ارشاد صفحہ ۲۹۷۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۴ جلا العیون صفحہ ۱۹۹ انسانیت موت کے دروازے پر صفحہ ۲۷) خطبہ کے بعد آپ نے حضرت عباس کو پانی لانے کا حکم دیا۔ آپ ۳۰ سواروں اور ۲۰ پیادوں سمیت نہر پر تشریف لے گئے اور بڑی دیر جنگ کرنے کے باوجود پانی نہ حاصل کر سکے (تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۱۴۱) اس کے بعد امام حسینؑ موقع جنگ دیکھنے کے لئے میدان کی طرف تشریف لے گئے۔ واپسی میں خیمہ جناب زینب میں ورود فرمایا۔ زینبؑ نے پوچھا۔ بھیّا، آپ نے اصحاب کا امتحان کر لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے اطمینان دلایا۔ پھر ہلال ابن نافع نے زینبؑ کو مطمئن کیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۵) زینبؑ سے گفتگو کے بعد آپ نے پھر ایک خطبہ فرمایا اور اعزا و اصحاب سے مثل سابق کہا کہ یہ لوگ میری جان چاہتے ہیں۔ تم لوگ اپنی جانیں نہ دو۔ یہ سن کر اصحاب و اعزاء نے بڑا دلیرانہ جواب دیا (ناسخ جلد صفحہ ۲۲۷) اس کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جنت دکھلا دی (وسائل منظری صفحہ ۳۹۴)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خیمے میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا اور جناب زینبؑ کے گرد ۲۰ لڑکے اور لڑکیاں جمع ہو کر فریاد کرنے لگیں (مائتین جلد ا صفحہ ۳۱۸) یہ حالت بریر ہمدانی کو معلوم ہوگئی۔ وہ چند ساتھیوں کو لے کر نہر پر پہنچے زبردست جنگ ہوئی حضرت عباس مدد کو بھیجے گئے چند جانباز کام آگئے غالباً اسی موقع پر حضرت عباس کے ایک بھائی عباس الاصغر بھی

شہید ہوئے ہیں (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹) الغرض بریر بہزار دقت و دشواری ایک مشک خیمہ تک لے ہی آئے۔ نیچے بے تابی کی وجہ سے اس مشک پر جا گرے دہانہ کھل گیا۔ پانی بہہ گیا۔ بچوں اور عورتوں کے ساتھ بریر نے بھی منہ پیٹ لیا اور انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ کہا۔ ہائے آلِ محمدؐ کی پیاس بجھ نہ سکی (ماتئین جلد ۱ صفحہ ۳۱۶) علامہ کاشفی لکھتے ہیں کہ پانی کی جدّوجہد کی ناکامی کے بعد امام حسینؑ نے حکم دیا کہ سب اپنے خیموں میں جا کر عبادت میں مشغول ہو جائیں (روضۃ الشہدا صفحہ ۳۱۲)

مجاہدین کربلا کی آخری سحر

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و اعزا مشغول عبادت ہیں۔ سفیدہ سحری نمودار ہونے کو ہے زندگی کی آخری سحر طالع ہونے والی ہے کہ ناگاہ امام حسینؑ کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے کتے آپ پر حملہ آور ہیں اور ان کتوں میں ایک ابلق مبروص کتا ہے جو بہت ہی سختی کر رہا ہے (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۶) علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شمر نے شہید کیا ہے جو مبروص تھا (حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۱) کاشفی کا بیان ہے کہ جب صبح کا ابتدائی حصہ ظاہر ہو گیا تو آسمان سے آواز آئی "یا خیل اللہ ارکبی" اے اللہ کے بہادر سپاہیو تیار ہو جاؤ۔ موقعہ امتحان اور وقت موت آ رہا ہے۔ اس کے بعد صبح ہو گئی۔ روضۃ الشہدا صفحہ ۳۱۲۔ مہیج الاحزان صفحہ ۱۰۲)

صبح عاشورا

طلوعِ صبح محشر تھی طلوعِ صبح عاشورا

۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ۔ رات گذری۔ صبح کاذب کا ظہور ہوا۔ تو یزیدی کا ذلوں اور جھوٹوں نے اپنے لشکر کی ترتیب دے لی اور صبح صادق کا طلوع ہُوا تو صادقین نے نماز صبح کا تہیہ کیا۔ حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ امام حسینؑ نے نماز جماعت پڑھائی۔ اللہ کے سچے بندے ابھی مصلّے ہی پر تھے کہ ۸۰ ہزار کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ امام مصلّے سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے ۷۲ جانبازوں پر مشتمل لشکر کی جنگی تقسیم یوں فرما دی۔ میمنہ ۲۰ بہادر میسرہ ۲۰ بہادر بقیہ قلب لشکر میمنہ کے سردار زہیر قین میسرہ کے حبیب ابن مظاہر اور علمدار لشکر حضرت عباس کو قرار دیا (جلاد العیون صفحہ ۲۰۱۔ الاخبار الطوال صفحہ ۲۰۳) اس کے بعد حضرت عباس سے فرمایا کہ جنگ چھڑا چاہتی ہے۔ بھیا ایک دفعہ پانی کی اور کوشش کر لو اور سنو۔ صرف اپنے بھائی بھتیجوں کو جمع کر کے کنواں کھود لیتی اصحاب کو زحمت نہ دو حضرت عباس نے

کمال جانفشانی سے کنؤاں کھودا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پھر دوسرا کنؤاں کھودا۔ وہ بھی بے سود ہی رہا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۹ حالات صبح عاشورا) امام حسینؑ خیمہ میں تھے اور بقول عبد الحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی، ٹھیک ۱۰ بجے لشکر والوں کو عمر ابن سعد کا ارجنٹ حکم ملتا ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھو۔ ٹڈی دل فوج نے حرکت کی اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھوڑے سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنانِ اسلام آگے بڑھے (شہید اعظم صفحہ ۱۹۶ طبع دہلی) حضرت حسینؑ نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ رسولِ خدا کی زرہ زیب تن کی اور خندق میں آگ دینے کا حکم دے کر آپ اصحاب کی فہمائش کرنے لگے (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۵) اتنے میں دشمنوں نے خیموں کو گھیر لیا۔ بریر ابن حضیر نے باہر نکل کر انہیں سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر آپ خود دشمن کے سامنے آئے۔ اور اپنا تعارف کرایا اور بروایتے یہ بھی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں یہاں سے ہند یا کسی اور طرف کو چلا جاؤں مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ مجھے کس جرم کی بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا "تقتلک بغضاً لابیک" ہم تمہیں تمہارے باپ کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۴۶) پھر آپ نے قرآن مجید کو حکم قرار دیا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ مانی (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۵۰) پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دست دعا بلند کیا۔ اور آخر میں بروایت دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۸ عرض کی "اللھم سلط علیھم غلام ثقیف" خدایا ان پر قبیلہ ثقیف کے ایک غلام (مختار) کو مسلط کر کہ انہیں ظلم آفرینی کا مزہ چکھائے۔

جناب حرؑ کی آمد

امام حسینؑ کے موعظہ کا اثر صرف جناب حرؑ پر پڑا۔ انہوں نے ابن سعد کے پاس جا کر آخری ارادہ معلوم کیا پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے (تاریخ طبری) اس کے بعد گھوڑے سے اتر کر امام حسین علیہ السلام کی رکاب کو بوسہ دیا (روضۃ الاحباب) امامؑ نے حرؑ کو معافی دے کر جنت کی بشارت دی (طبری) دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۰ میں ہے کہ حرؑ کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ عمر سعد نے لشکر حسینی پر سب سے پہلے تیر چلایا۔ اس کے بعد تیروں کی بارش شروع ہوئی۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جناب حرؑ کو قصور ابن کنانہ اور ارشاد میں ہے کہ ایوب مسرح نے ایک کوفی کی مدد سے شہید کیا ہے۔

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و اعزاؑ کی حشر آفرین جنگ

علامہ عیسیٰ اربلی لکھتے ہیں کہ جناب حرؑ کی شہادت کے بعد عمر سعد کے لشکر سے دو نابکار مبارز طلب ہوئے جن کے نام یسار و سالم تھے۔ ان کے مقابلہ کے لئے امام حسینؑ کے لشکر سے جناب حبیب

ابن مظاعر اور یزید ابن حصین برآمد ہوئے اور ان دونوں کو چند حملوں میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد معقل ابن یزید سامنے آیا۔ جناب یزید ابن حصین اور بقول مجلسی بریر ابن خضیر ہمدانی نے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر مزاحم ابن حریث سامنے آیا۔ اسے جناب نافع ابن ہلال نے قتل کر دیا (کشف الغمہ صفحہ ۱)

جنگ مغلوبہ عمر ابن سعد نے جب حسینی بہادروں کی شانِ شجاعت دیکھی تو سمجھ گیا کہ ان سے انفرادی مقابلہ ناممکن ہے۔ لہذا اجتماعی حملہ کا پروگرام بنایا اور اپنے چیف کمانیر کو حکم دیا کہ کثیر تعداد میں کمان اندازوں کو لا کر یک بارگی تیر بارانی کر دے۔ چنانچہ اس نے تعمیل حکم کی اور بے شمار تیر اندازوں کے ذریعہ سے تیر بارانی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کا تقریباً تمام لشکر مجروح ہو گیا اور ۳۲ یا ۴۰ یا ۲۲ یا ۵۰ اصحاب اسی وقت شہید ہو گئے (ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے "بہتر (۷۲) ستارے" مؤلفہ حقیر)

جنگ مغلوبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بہادروں کو لے کر جن کی کل تعداد ۴۲ تھی میدان میں نکل آئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ لشکر مخالف کے چھکے چھوٹ گئے جس طرف حملہ کرتے تھے صفیں صاف ہو جاتی تھیں اور اس حملہ میں بے شمار دشمن موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ ان بھوکے پیاسے بہادر شیروں نے لشکر میں ایسی ہلچل مچا دی جس نے افسران تک کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے۔ بالآخر لشکر کوفہ کے کمانیر عروہ بن قیس نے عمر ابن سعد کو کہلا بھیجا کہ جلد لشکر اور خصوصاً تیر انداز بھیجو کیونکہ ان تھوڑے سے علوی بہادروں نے ہماری درگت بنا دی ہے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۰۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹) عمر ابن سعد نے فوراً ۵۰۰ کمانداروں کو حصین ابن نمیر کے ہمراہ عروۃ بن قیس کی کمک میں بھیج دیا۔ ان روباہوں نے پہنچتے ہی تیر بارانی شروع کر دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کے کئی بہادر کام آ گئے اور تقریباً کل کے کل پیادہ ہو گئے۔ اسی دوران میں عمر ابن سعد نے آواز دی کہ آگ لاؤ۔ ہم خیموں کو جلائیں گے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ نے شمر کو پکارا کہ یہ کیا بے حیائی کی جا رہی ہے۔ اتنے میں شبیث ابن اربعی آ گیا اور اس نے اس حرکت ناشائستہ سے باز رکھا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹)

مؤرخ ابن اثیر اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ دورانِ جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا تو ابو ثمامہ صائدی یا صیداوی نے خدمت امام حسینؑ میں عرض کی۔ مولا، اگرچہ ہم دشمنوں میں گھرے ہیں لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ نماز ظہر ادا کر لی جائے۔ امام نے ابو ثمامہ کو دعا دی اور نماز کا تہیہ فرمایا۔ تیر چونکہ مسلسل آ رہے تھے اس لئے زہیر ابن قین اور سعید ابن عبد اللہ امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر تیروں کو سینوں پر لینے لگے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ نے نماز تمام فرمائی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ طوار

اور نیزوں کے زخم کے علاوہ ۱۲ تیر سعید کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ نماز تمام ہوئی اور جناب سعید بھی دنیا سے رخصت ہو گئے (تاریخ کامل بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹) جنگ مغلوبہ کے بعد جو ۷۲ اصحاب بچے۔ ان میں سے بعض کے مختصر حالات درج ہیں۔

امام حسینؑ کے مشہور اصحابؓ کی شہادتؓ

حبیب ابن مظاہر

جناب حبیب، مظاہر ابن اشتر ابن حجوان ابن فقعس ابن طرف ابن قیس ابن حرث ابن ثعلبہ ابن ددان ابن اسد ابوالقاسم کے بیٹے، امام حسینؑ کے بچپنے کے دوست تھے انہیں رسالت مآبؐ کے صحابی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ یہ اصحاب امیرالمومنین میں بھی تھے اور ہر جنگ میں شریک رہے انہوں نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا پورا پورا ساتھ دیا اور یہ شہادت مسلم کے بعد کربلا کو پاپیادہ روانہ ہو کر امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ کربلا پہنچ کر انہوں نے پوری کوشش کی کہ بنی اسد سے کچھ مددگار لے آئیں لیکن عمر سعد کے لشکر نے راستے میں مزاحمت کی۔ شب عاشور ایک شب کی مہلت کے لئے جب حضرت عباس گئے تھے تو حبیب بھی ساتھ تھے۔ نماز ظہر عاشورہ کے موقع پر حصین ابن نمیر کی بدکلامی کا جواب حبیب ہی نے دیا تھا اور اس کے کہنے پر کہ "حسین کی نماز قبول نہ ہوگی" حبیب نے بڑھ کر گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی تھی۔ پھر میدان میں مسلسل لوگوں سے لڑتے اور انہیں قتل کرتے رہے یہاں تک کہ بدیل ابن صریم عقفانی نے آپ پر تلوار لگائی اور بنی تمیم کے ایک شخص نے نیزہ مارا اور حصین بن نمیر نے سر پر تلوار لگائی۔ آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اس وقت ایک تمیمی نے سر کاٹ لیا۔ حبیب کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے انتہائی دردانگیز لہجے میں کہا۔ اے حبیب! میں تم کو اور اپنے اصحاب کو خدا سے لوں گا۔

زہیر ابن قین

جناب زہیر، قین ابن قیس، نماری بجلی کے بیٹے تھے۔ یہ قوم کے سردار اور رئیس تھے ۶۰ھ میں امام حسینؑ کے ساتھ ہوئے۔ شب عاشور حضرت عباس جب ایک شب کی مہلت کے لئے آگے بڑھے تو آپ کے ہمراہ زہیر بھی تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی زندگی میں جب شمر نے خیمہ کے پاس آکر اسے جلانا چاہا تھا تو زہیر ہی نے اس سے مقابلہ کر کے اس ارادہ سے باز رکھا تھا اور نماز ظہر کے لئے سعید کے ساتھ زہیر نے بھی امام حسینؑ کی حفاظت کے لئے سینہ تان دیا تھا۔ آپ نے میدان میں زبردست جنگ کی بالآخر کثیر ابن عبداللہ شعبی اور مہاجر ابن اوس تمیمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے بعد امام حسینؑ لاش پر تشریف لائے اور کہا زہیر خدا

تم پر رحمت نازل کرے اور تمہارے قاتلوں پر جو بندروں اور ریچھوں کی طرح مسخ ہو گئے ہیں لعنت کرے۔

نافع ابن ہلال

جناب نافع، ہلال ابن نافع ابن جمل ابن سعد العشیرہ ابن مدحج جملی کے بیٹے تھے۔ آپ شریف النفس سردار قوم، بہادر اور قاری قرآن و راوی الحدیث تھے آپ ہر جنگ میں امیر المومنین کے ساتھ رہے۔ کربلا میں جب حضرت عباس پانی کی جدوجہد کے لیے نہر پر تشریف لے گئے تھے تو نافع ابن ہلال آپ کے ساتھ تھے۔ میدان کارزار کربلا میں نافع ابن ہلال نے ۱۲ دشمنوں کو زہر میں بجھے ہوئے تیر سے قتل کیا۔ پھر جب تیر ختم ہو گئے تو تلوار سے لڑنے لگے۔ بالآخر تیر بارانی کی گئی اور آپ کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور آپ گرفتار ہو کر ابن سعد کے سامنے لائے گئے پھر شمر کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔

مسلم ابن عوسجہ

جناب مسلم، عوسجہ ابن سعد ابن ثعلبہ ابن دودان ابن اسد ابن حزیمہ ابوحجل اسدی سعدی کے بیٹے تھے۔ یہ شریف ترین مردم، عابد و زاہد، اور صحابی رسول تھے۔ اکثر اسلامی جنگوں میں شریک رہے۔ کوفہ میں مسلم بن عقیل کی پوری طاقت سے مدد کی۔ آپ کے ہمراہ مدحج چار قبیلے تمیم و ہمدانی، کندہ و ربیعہ تھے۔ جناب ہانی و مسلم کی شہادت کے بعد اپنے بال بچوں سمیت کربلا آ پہنچے اور امام حسینؑ کے قدموں میں شرف شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ مسلم ابن عوسجہ نہایت دلیری کے ساتھ جنگ فرما رہے تھے کہ مسلم ابن عبداللہ ضبابی ملعون اور عبداللہ ابن خشکارہ نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔

عابس شاکری

جناب عابس، ابوشبیب بن شاکری ابن ربیعہ بن مالک ابن صعب ابن معاویہ بن کثیر بن مالک ابن جشم ابن حاشد ہمدانی کے بیٹے تھے۔ آپ نہایت بہادر، رئیس، عابد شب زندہ دار اور امیر المومنین کے مخلص ترین ماننے والوں میں تھے آپ کے قبیلے بنو شاکر پر امیر المومنین کو بڑا اعتماد تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے جنگ صفین میں فرمایا تھا کہ اگر قبیلہ بنی شاکر کے ایک ہزار افراد موجود ہوں۔ تو دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی ہی نہ رہے۔ عابس نے کوفہ میں جناب مسلم کا پورا ساتھ دیا اور جب جناب مسلم کوفہ پہنچے تھے تو آپ نے سب سے پہلے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ آپ کوفہ سے جناب مسلم کا خط لے کر مکہ گئے تھے اور وہیں سے امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور یوم عاشورا شہید ہو گئے۔ آپ میدان میں آئے اور مبارز طلبی کی مگر کسی میں دم نہ تھا کہ عابس سے لڑتا۔ بالآخر ان پر اجتماعی طور پر پتھراؤ کیا۔ پھر بے شمار افراد نے مل کر انہیں شہید کر کے سر کاٹ لیا۔

بریر ہمدانی

جناب بریر ابن خضیر ہمدانی مشرقی، بنو مشرق کے قبیلۂ ہمدان کے ایک معمر تابعی تھے۔ یہ نہایت بہادر، عابد و زاہد اور بے مثل قاری قرآن تھے۔ ان کا

شمار کوفہ کے شرفاء میں تھا۔ انہوں نے کوفہ سے نکل جا کر امام حسینؑ کی ہمراہی اختیار کی تھی اور تا حیات ساتھ رہے۔ شب عاشور پانی لانے میں انہوں نے عظیم جد و جہد کی تھی۔ میدان جنگ میں آپ کا مقابلہ یزید ابن معقل سے ہوا۔ بریر نے اسے قتل کر دیا۔ پھر رضی ابن منقذ عبدی سامنے آیا۔ آپ نے زمین پر دے مارا۔ اتنے میں کعب ابن جابر ازدی نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا اور آپ نے اوس رضی کی ناک دانت سے کاٹ لی جس کے سینے پر سوار تھے۔ کعب کا نیزہ بریر کی پشت میں رہ گیا اور اس نے تلوار سے بریر کو شہید کر دیا۔

امام حسینؑ کے اعزّا و اقرباء اور اولاد کی شہادتؑ

اصحاب باوفا اور انصاران باصفا کی شہادت کے بعد آپ کے اعزا و اقربا یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں آ کر شہید ہوئے۔ میرے نزدیک بنی ہاشم میں سب سے پہلے جس نے شرف شہادت حاصل کیا۔ وہ عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل تھے۔ آپ حضرت علیؑ کی بیٹی رقیہ بنت صہبا بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن عبد بن علقمہ ثعلبیہ کے فرزند تھے۔ آپ میدان میں تشریف لائے اور ایسا حملہ شیرانہ کیا کہ روباہوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ آپ نے تین حملے فرمائے۔ اور ۹۰ دشمنوں کو فی النار کیا۔ دوران جنگ میں عمر بن صبیح صیداوی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا۔ آپ نے فطرت کے تقاضے پر تیر پہونچنے سے پہلے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا اور ہاتھ پیشانی سے اس طرح پیوست ہو گیا کہ پھر جدا نہ ہوا۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا جو صاحب زادے کے دل پر لگا۔ اور آپ زمین پر تشریف لائے (نور العین ترجمہ ابصار الحسین صفحہ ۷۶) آپ کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر آپ کے بھائی محمد بن مسلم آگے بڑھے اور انہوں نے بھی زبردست جنگ کی۔ بالآخر ابو جرہم ازدی اور لقیط اور ابن ایاس اجہی نے آپ کو شہید کر دیا (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۲) ان کے بعد جعفر بن عقیل ابن ابی طالب میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے ۱۵ زبردست دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتارا۔ آخر میں بشر بن خوط نے آپ کو شہید کر دیا۔ (کشف الغمہ صفحہ ۸۲) ان کے بعد جناب عبدالرحمٰن ابن عقیل میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور آپ کو دشمنوں نے گھیر لیا۔ آخر کار عثمان بن خالد ملعون کی ضرب شدید سے راہی جنت ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ اکبر بن عقیل میدان میں آئے۔ اور زبردست قتال کے بعد عثمان بن خالد کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ابو مخنف کے کہنے کے مطابق عبداللہ اکبر کے بعد موسیٰ ابن عقیل نے میدان لیا اور ۷۰ آدمیوں کو

قتل کر کے شہید ہوئے۔ ان کے بعد عون بن عقیل اور علی بن عقیل درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد محمد بن سعید بن عقیل اور جعفر بن محمد بن عقیل اور احمد ابن محمد بن عقیل یکے بعد دیگرے میدان میں تشریف لائے اور کارہائے نمایاں کر کے درجۂ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد محمد بن عبداللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۱۰ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عامر بن نہشل شہید ہوئے۔ ان کے بعد عون بن عبداللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۳ سوار ۸ پیادہ کو قتل کرنے کے بعد عبداللہ ابن بطہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپ کے بعد جناب حسن مثنٰے میدان میں تشریف لائے آپ نے زبردست جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہوگئے کہ جان بر ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ بالآخر مقتولین میں ڈال دئے گئے۔ نتیجہ پر ان کا ایک رشتہ کا ماموں اسما ابن خارجہ مکنی بہ ابی حسان انہیں اٹھا کر لے گئے۔ ان کے بعد جناب قاسم میدان میں تشریف لائے۔ اگرچہ آپ کی عمر ابھی نابالغی کی حد سے متجاوز نہ ہوئی تھی لیکن آپ نے ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ آپ کے مقابلہ میں ارزق شامی آیا۔ آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے حملے شروع ہوگئے۔ آپ نے ۷۰ دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر کار عمر بن سعد بن عروہ بن نفیل ازدی کی تیغ سے شہید ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کا جسم مبارک زندگی ہی میں پامال سُمِ اسپاں ہوگیا تھا۔ ان کے بعد عبداللہ ابن حسن میدان میں آئے اور زبردست جنگ کی۔ آپ نے ۱۴ دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ آپ کو ہانی ابن شبیث خضرمی نے شہید کیا۔ ان کے بعد ابوبکر ابن حسن میدان میں آئے آپ نے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ ۸۰ دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہوگئے۔ آپ کو بقول علامہ سماوی عبداللہ ابن عقبہ غنوی نے شہید کیا ہے ان کے بعد احمد بن حسن میدان میں آئے۔ اگرچہ آپ کی عمر ۱۸ سال سے کم تھی لیکن آپ نے یادگار جنگ کی اور ۶۰ سواروں کو قتل کر کے درجۂ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد عبداللہ اصغر میدان میں آئے۔ آپ حضرت علیؑ کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی تھیں۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور درجۂ شہادت حاصل کیا۔ آپ ۲۱ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عبداللہ بن عقبہ غنوی شہید ہوئے بعض اقوال کی بنا پر ان کے بعد عمر بن علی میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ یہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔ اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ عبداللہ اصغر کے بعد عبداللہ علی میدان میں تشریف لائے یہ حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے ان کی عمر بوقت شہادت ۲۵ سال تھی آپ کو ہانی ابن ثبیت الحضرمی نے شہید کیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے حقیقی بھائی عثمان بن علی میدان میں آئے۔ آپ نے رجز پڑھی اور زبردست جنگ کی۔ دوران قتال میں خولی ابن یزید اصبحی نے پیشانی مبارک پر ایک تیر مارا جس کی وجہ سے آپ زمین پر آرہے پھر ایک شخص نے جو قبیلہ ابان بن دارم کا تھا۔ آپ کا سر کاٹ لیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی

ان کے بعد حضرت عباس کے تیسرے حقیقی بھائی میدان میں تشریف لائے اور بقول ابوالفرج بدست خولی ابن یزید اور بروایت ابومخنف بضرب ہانی ابن ثبیت الحضرمی شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ان کے بعد فضل بن عباس بن علی میدان میں تشریف لائے اور مشغول کارزار ہو گئے۔ آپ نے ۲۵۰ دشمنوں کو قتل کیا۔ بالآخر چاروں طرف سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے بیٹے قاسم ابن عباس میدان میں تشریف لائے۔ آپ کی عمر بقول امام اسفرائنی ۱۹ سال کی تھی۔ آپ نے ۸۰۰ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر پانی مانگا۔ پانی نہ ملنے پر آپ پھر واپس گئے اور ۱۰۰ سواروں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔

علمدار کربلا حضرت عباس کی شہادت

ان بنی ہاشم کے بہادر نونہالوں کی شہادت کے بعد حضرت عباس علمدار میدان میں حصول آب کے لئے تشریف لائے اور کارہائے نمایاں کر کے شہید ہو گئے۔ (آپ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ذکر العباس مؤلفہ حقیر مطبوعہ انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور) آپ کے مختصر حالات یہ ہیں کہ آپ ۴ شعبان ۲۶ھ مطابق ۱۸ مئی ۶۴۷ء یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امام حسینؑ کے مستقل علم بردار تھے۔ آپ کو کربلا میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صرف پانی لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آپ کمال وفاداری کی وجہ سے نہر فرات میں داخل ہو کر پیاسے برآمد ہو گئے تھے۔ آپ کا داہنا ہاتھ خیمہ میں پانی پہونچانے کی سعی میں زید ابن ورقا کی تلوار سے کٹ گیا تھا اور بایاں ہاتھ حکیم ابن طفیل کی تلوار سے کٹا۔ پھر ایک تیر مشکیزہ پر لگا اور سارا پانی بہہ گیا۔ پھر ایک تیر آپ کے سینے میں لگا۔ اس کے بعد لوہے کا گرز سر پر پڑا۔ اور آپ زمین پر آرہے۔ آپ نے امام حسینؑ کو آواز دی۔ امام حسینؑ نے کمر تھام کر فریاد کی "الان انکسر ظھری" ہائے میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ کا لقب سقا اور کنیت ابوالفضل و ابوقربہ تھی۔ آپ بھی یوم عاشورا شہید ہوئے ہیں۔ آپ کی تاریخ شہادت مولانا روم نے مصرعہ "سرولین را بُرید بے دینے" سے نکالی ہے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ کی تھی۔

حضرت علی اکبر کی شہادت

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبر نے اذن جہاد کی سعی بلیغ کی۔ بالآخر آپ کامیاب ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ آپ کو امام حسینؑ نے اپنے ہاتھوں سے آراستہ کیا حضرت علیؑ کی تلوار حمائل کی۔ زرہ پہنائی اور پیغمبر اسلام کی سواری کے گھوڑے پر سوار فرمایا جس کا نام عقاب یا مرتجز تھا۔ روانگی کے وقت امام حسینؑ نے بارگاہِ احدیت میں ہاتھوں کو بلند کر کے کہا "میرے پالنے والے

اب تیری راہ میں میرا وہ فرزند قربان ہونے کو جا رہا ہے جو صورت و سیرت میں تیرے رسول کریمؐ سے بہت مشابہ ہے۔ میرے مولا جب میں نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا، تو اس کی صورت دیکھ لیا کرتا تھا۔ مالک اس کی تو ہی مدد فرمانا۔ علماء نے لکھا ہے کہ میدان میں پہونچنے کے بعد حضرت علی اکبرؑ نے رجز پڑھی اور مقابلہ شروع ہو گیا اور ایسی زبردست جنگ ہوئی کہ دشمنوں کے دانتوں پسینے آ گئے۔ صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔ ایک سو بیس دشمن فی النار و السقر ہو گئے حضرت علی اکبرؑ جو تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے۔ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ بابا جان پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی کی کوئی سبیل کر دیجئے۔ امام حسینؑ کے پاس پانی کہاں تھا جو زخموں سے چور علی اکبر جیسے کی آخری فرمائش پوری کرتے۔ آپ نے کہا۔ بیٹا۔ پانی تو تھوڑی ہی دیر میں نانا جان پلائیں گے البتہ اپنی زبان منہ میں دے دو۔ علی اکبر نے بے چینی میں زبان تو منہ میں دے دی لیکن فوراً ہی کھینچ لی۔ اور کہا۔ بابا جان آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر امام حسینؑ نے رسول کریمؐ کی ایک انگوٹھی علی اکبر کے منہ میں دی اور فرمایا۔ بیٹا جاؤ، خدا حافظ!

حضرت علی اکبر دوبارہ میدان میں پہونچے۔ طارق ابن شیث جس سے عمر سعد نے حکومت رقہ اور موصل کا وعدہ کیا تھا علی اکبر کے مقابلہ میں آ گیا۔ آپ نے کمال جوانمردی سے اس پر نیزے کا وار کیا۔ نیزہ اس کے سینے میں لگ کر پشت سے دو بالشت باہر نکل گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کا بیٹا عمر طارق میدان میں آ گیا۔ آپ نے اسے بھی قتل کر دیا پھر طلحہ ابن طارق سامنے آیا۔ آپ نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے پھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے مصراع ابن غالب کو حکم مقابلہ دیا۔ وہ علی اکبر کے سامنے آ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے قتل ہونے سے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ عمر سعد نے محکم ابن طفیل اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ علی اکبرؑ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ علی اکبرؑ نے نہایت دلیری سے حملہ کا جواب دیا اور پیاس سے بے چین ہو کر آپ امام حسینؑ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور پانی کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! اب تمہیں ساقی کوثر ہی سیراب کریں گے۔ نور نظر، جان پدر جلد جاؤ۔ رسول کریمؐ انتظار فرما رہے ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ میدان میں واپس آئے۔ دشمنوں نے یورش کر دی۔ آپ نے شیر گرسنہ کی طرح حملے کئے اور تھوڑی دیر میں ۸۰ دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ بالآخر منقذ بن مرہ عبدی اور ابن نمیر نے سینے میں نیزہ مارا۔ آپ کے ہاتھ سے عنان فرس چھوٹ گئی اور آپ گھوڑے کی گردن میں لپٹ گئے۔ گھوڑا جس طرف سے گذرتا تھا۔ آپ کے جسم پر تلواریں لگتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ آپ نے آواز دی "یا ابتاہ ادرکنی" بابا جان خبر لیجئے۔ امام حسینؑ دوڑ کر پہنچے لیکن آپ سے قبل حضرت زینب پہنچ گئیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ زینبؑ

نے وہاں پہونچکر اپنے کو علی اکبرؑ پر گرا دیا۔ امام حسینؑ نے انہیں خیمہ میں پہنچایا اور علی اکبر کے چہرے سے خون صاف کیا اور کہا اے بیٹے تیرے بعد اس زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ پھر آپ نے علی اکبر کو خیمہ میں لے جانے کی سعی کی لیکن ہر قسم کے ضعف نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر بچوں کو آواز دی۔ بچو، آؤ اور میری مدد کرو۔ چنانچہ بچوں کی امداد سے علی اکبر کا لاشہ خیمہ کے قریب لایا گیا۔ اور مخدرات عصمت میں کہرام عظیم برپا ہوگیا (روضۃ الشہداء صفحہ ۳۶۸۔ کشف الغمہ صفحہ ۷۵ العباد الحسین صفحہ ۳۴) علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حضرت علی اکبر کا اصلی نام علی لقب اکبر اور کنیت ابوالحسن تھی آپ کی عمر شہادت کے وقت ۱۸ سال تھی (نور العین ترجمہ ابصار العین صفحہ ۳۴)

حضرت علی اصغر کی شہادت

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام بے یار و مددگار ہو گئے، تو آپ خود بقصد شہادت میدان کے لئے عازم ہوئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے "ھل من ناصر ینصرنا" کی آواز بلند کی۔ جنوں کے ایک گروہ عظیم نے سعادت نصرت حاصل کرنے کی خواہش کی۔ آپ نے انہیں دعائے خیر سے یاد فرمایا اور نصرت قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے شرف شہادت حاصل کرنا ہے اور میں نے آواز استغاثہ اتمام حجت کے لئے بلند کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ دشمنان خدا و رسولؐ کے لئے میری مدد نہ کرنے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔ ابھی آپ جنوں سے محو گفتگو تھے کہ ناگاہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی کمال علالت کے باوجود ایک عصا لئے ہوئے خیمہ سے نکل آئے۔ امام حسینؑ نے جناب ام کلثومؑ کو آواز دی۔ بہن! فوراً عابد بیمار کو روکو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سادات کا سلسلہ نسب ہی ختم ہو جائے۔

سید الشہداء نے آواز استغاثہ کا اثر جب اپنے خیموں کے باشندوں پر دیکھا، تو فوراً واپس تشریف لا کر سب کو سمجھایا اور اپنی موت کا حوالہ دے کر اسرار امامت امام زین العابدین علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ آپ روانہ ہوا ہی چاہتے تھے کہ بروایتے جناب سکینہ گھوڑے کے سُم سے لپٹ گئیں۔ امام حسین علیہ السلام نے انہیں سینے سے لگایا۔ رخسار کا بوسہ دیا۔ صبر کی تلقین کی اور جناب زینبؑ کو سکینہ کی نگہداشت کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی اصغرؑ کو جنہوں نے بروایتے اپنے کو جھولے سے گرا دیا تھا۔ امام حسین نے بڑھ کر اپنی آغوش میں لیا اور مقتل کی طرف روانہ ہو گئے۔

میدان میں پہونچکر آپ ایک ٹیلہ پر بلند ہوئے اور آپ نے قوم اشقیا کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو، میں اپنے شش ماہے بچہ کو پانی پلانے کے لئے لایا ہوں۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے اور اس کی زبان سوکھ گئی ہے۔ خدارا اسے پانی پلا کر اس کی جان بچا لو۔ اور

سنو۔ اگر میں تمہارے زعم ناقص میں گناہگار ہو سکتا ہوں تو میرے اس معصوم بچے میں گناہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو بے خطا ہے۔ اس صدائے پُرتاثیر کا اثر یہ ہُوا کہ لشکر کا مزاج بگڑنے لگا۔ شقی القلب لشکری رو پڑے۔ عمر سعد نے جب یہ دیکھا۔ فوراً حرملہ ابن کاہل ازدی کو حکم دیا۔ "اقطع کلام الحسین" حسینؑ کے کلام کو نوکِ تیر سے قطع کردے۔ حرملہ نے تیر سہ شعبہ چلۂ کمان میں جوڑا اور گلوئے علی اصغر کی طرف رہا کیا۔ تیر جو زہر میں بجھا ہوا تھا گلوئے علی اصغر پر لگا اور اس نے علی اصغر کے گلے کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کا بازو بھی چھید دیا۔ امام حسینؑ نے بچے کو سینے سے لگا کر اس کے خون سے چُلو بھر لیا اور چاہا کہ آسمان کی طرف پھینکیں۔ جواب آیا۔ یہ خون ناحق ہے اسے اس طرف نہ پھینکئے۔ ورنہ قیامت تک کے لئے بارش کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ آپ نے چاہا کہ اسے زمین کی طرف ہی پھینک دیں ادھر سے بھی جواب مل گیا تو آپ نے اسے چہرۂ مبارک پر مل لیا اور فرمایا۔ "ھکذا القیٰ جدی رسول اللّٰہ" میں اسی طرح اپنے جدّ نامدار حضرت محمد مصطفےٰ کی خدمت میں پہنچوں گا (ابصار العین و انوار الشہادت) اس کے بعد آپ نے ایک ننھی سی قبر تلوار سے کھودی اور اس میں حضرت علی اصغر کو دفن فرمایا ؎

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

امام حسین علیہ السلام کی رخصت آخری

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد نہ سرکار ہے نہ دربار نہ لشکر ہے نہ عَلَمدار۔ علی اصغر کو ننھی سی قبر کھود کر دفن فرماتے ہیں اور تن تنہا خیام حرم کی طرف آتے ہیں اور اہلبیت سے رخصت ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے زینب، اے ام کلثوم، اے رقیہؑ، اے رُباب، اے سکینہ "علیکنّ منی السلام، سلام المودّاع" بس یہ میری آخری رخصت ہے۔ اے بہنو۔ اے بی بیو، اے بیٹیو۔ بس خدا حافظ و ناصر ہے۔ اور وہی حامی و مددگار ہے۔ بہن زینب دیکھنا، ہر مصیبت میں، ہر بلا میں خدا کو یاد رکھنا۔ اپنے رحیم و کریم خالق کو نہ بھولنا۔ عنان صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ راہ الٰہی میں ہر ایک رنج و مصیبت کو راحت سمجھنا۔ رسی سے ہاتھ بندھیں تو اُف نہ کرنا۔ چادر چھینے تو غم نہ کھانا۔ اماں کے صبر اور بابا کے حلم کے جوہر دکھانا۔ نانا رسولؐ تمہارے مددگار اور خدا تمہارا حامی ہے۔ ہاں لٹنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قید ہونے کے لئے کمروں کو کس لو۔ چادروں کو اچھی طرح اوڑھ لو مقنعوں کو مضبوطی سے باندھ لو، اے بہن زینب، یہ یتیم بچے، یہ اسیران اہل بیت

کا قافلہ بس تمہارے ساتھ ہے۔ بیمار کربلا سید سجاد زین العابدینؑ کو غش سے جگا دو۔ ہوشیار کردو اب طوق و زنجیر پہننے اور قید و اسیر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ بیڑیاں پہننے اور کانٹوں پر پیدل چلنے کا زمانہ قریب ہے۔ اب جنگل کے کانٹوں بھرے راستے ہیں اور صحرا نوردی ہے۔ کبھی کوفہ و شام کے بازار ہیں اور خلقت کا ہجوم ہے۔ تماشائیوں کا مجمع ہے۔ ماں بہنوں کے ننگے سر ہیں۔ اونٹوں کی مہار ہے اور زین العابدینؑ ہے۔ یزید اور ابن زیاد کے دربار میں شمر کے تازیانے ہیں اور ہمارا لاڈلا بیمار ہے۔ کہنا اے زین العابدین سے

پیاسا گلا کٹائے یہ عہدہ ہے باپ کا
پہنو گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا

بس ہمارے بعد دنیا کے امام تم ہو۔ اے جان پدر۔ اس کشتی کی ملاحی اب تیری ذات پر ہے۔ دیکھنا۔ باپ کی محنت رائگاں نہ جانے پائے۔ عنان صبر و تحمل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک، ماں بہنوں کے قافلہ کے ساتھ بیڑیاں پہنے، طوق ڈالے ننگے پاؤں جاؤ۔ صبر و رضائے الٰہی کے جوہر دکھلاؤ۔ توحید کے خطبے پڑھو، ہدایت کے راستے بتاؤ ہاں ہاں! بیٹا دیکھنا۔ بیڑی پہن کر سلسلہ صبر چھٹ نہ جائے۔ بس ہم راہِ رضا سر سے قطع کرنے کو تیار ہیں۔ اور تم اپنے پیروں سے طے کرنا۔ راہِ الٰہی میں خاردار طوق کو پھولوں کا ہار سمجھنا اور عشق الٰہی میں لوہے کی تپتی بیڑیوں کو محبت خدا کی زنجیریں جاننا۔

پھٹے پرانے کپڑے منگاتے ہیں۔ پوشاکؑ کے نیچے پہنتے ہیں۔ انہیں بھی جگہ جگہ سے چاک فرما دیتے ہیں۔ سبب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ میرے شہید ہو جانے کے بعد یہ ظالم شقی میرا لباس بھی لوٹیں گے اور کپڑے بھی اتاریں گے۔ شاید یہ پھٹے پرانے کپڑے نیچے دیکھ کر چھوڑ دیں اور اس طرح میری لاش برہنگی سے بچ جائے۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۰ و طبری صفحہ ۲۴۷

بہن کو رخصت فرما کر، بی بیوں کو الوداع کہہ کر، ماں کی کنیز فضہ پالنے والی کو بھی سلام کر کے بالی سکینہ سینہ پر سونے والی لاڈلی بیٹی کو چھاتی سے لگا کر منہ چومتے اور فرماتے ہیں "بیٹی" خدا کے سپرد کیا۔ خیمہ کا پردہ اٹھا۔ باہر تشریف لائے۔ بہن نے رکاب تھامی۔ ذوالجناح پر سوار ہوئے اور میدان کارزار کو روانہ ہو گئے (ناموس اسلام)

حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں

جب آپ کے بہتر اصحاب و انصار اور بنی ہاشم قربان گاہ اسلام پر چڑھ چکے تو آپ خود اپنی قربانی

پیش کرنے کے لئے میدان کارزار میں آپہونچے۔ لشکر یزید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا۔ اصحاب باوفا اور بہادران بنی ہاشم کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ امام حسین جب میدان میں پہونچے، تو دشمنوں کے لشکر میں سے تیس ہزار سوار و پیادے باقی تھے یعنی صرف ایک پیاسے کو تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا (کشف الغمہ) میدان میں پہونچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دشمنوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا۔

"اے ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ۔ میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو، تم جانتے ہو۔ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ میرے بابا علیؑ سابق الاسلام ہیں۔ میری ماں فاطمہ زہراؑ تمہارے نبیؐ کی بیٹی ہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ میرے نانا رسول اللہؐ نے مجھے اور میرے بھائی حسنؑ کو سردار جوانان بہشت فرمایا ہے۔ افسوس! تم کیسی بُری قوم اور کیسی بُری امت ہو کہ نہ تم کو خدا کا خوف ہے نہ رسول سے شرم ہے۔ تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسول کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خونِ ناحق پر آمادہ ہوتے ہو۔ حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔ نہ کسی کا مال چھینا ہے کہ جس کے بدلے میں تم مجھ کو قتل کرتے ہو۔ میں تو دنیا سے بے تعلق اپنے نانا رسولؐ کی قبر پر مجاور بنا بیٹھا تھا۔ تم نے مجھے ہدایت کے لئے بلایا اور مجھے نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا۔ نہ خدا کے گھر میں رہنے دیا۔ سنو اب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا موقع دے دو کہ میں نانا کی قبر پر جا بیٹھوں یا خانہ خدا میں پناہ لے لوں۔"

اس کے بعد آپ نے اتمام حجت کے لئے عمر سعد کو بلایا اور اس سے فرمایا (۱) تم میرے قتل سے باز آجاؤ (۲) مجھے پانی دے دو (۳) اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر میرے مقابلہ کے لئے ایک ایک شخص کو بھیجو۔

اس نے جواب دیا۔ آپ کی تیسری درخواست منظور کی جاتی ہے اور آپ سے لڑنے کے لئے ایک ایک شخص مقابلہ میں آئے گا (روضۃ الشہداء)

امام حسینؑ کی نبرد آزمائی

معاہدہ کے مطابق آپ سے لڑنے کے لئے لشکر شام سے ایک ایک شخص آنے لگا اور آپ اسے فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ سب سے پہلے جو شخص مقابلہ کے لئے نکلا وہ تمیم ابن قحطبہ تھا۔ آپ نے اس پر برق خاطف کی طرح حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ سلسلہ جنگ تھوڑی دیر جاری رہا اور مدت قلیل میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مقتولین کی تعداد حد شمار سے باہر ہو گئی۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے لشکر والوں کو پکار کر کہا۔ کیا دیکھتے ہو سب مل کر یکبارگی حملہ کر دو

یہ علیؑ کا شیر ہے۔ اس سے انفرادی مقابلہ میں کامیابی قطعاً ناممکن ہے۔ عمر سعد کی اس آواز نے لشکر کے حوصلے بلند کر دیئے اور سب نے مل کر یک بارگی حملہ کا فیصلہ کیا۔ آپ نے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ کے پہلے حملہ میں ایک ہزار نو سو پچاس (۱۹۵۰) دشمن قتل ہوئے۔ اور میدان خالی ہو گیا۔ ابھی آپ سکون نہ لینے پائے تھے کہ ۲۸ ہزار دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا۔ اس تعداد میں چار ہزار کمان دار تھے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ سوار، پیادے اور کمان داروں نے ہم آہنگ و ہم عمل ہو کر مسلسل اور متواتر حملے شروع کر دیئے۔ اس موقع پر آپ نے جو شجاعت کا جوہر دکھایا۔ اس کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ سر برسنے لگے۔ دھڑ گرنے لگے۔ اور آسمان تھرتھرایا۔ زمین کانپی۔ صفیں الٹیں۔ پرے درہم برہم ہو گئے۔

اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد
ہر وار پر علیؑ ولی دے رہے تھے داد

کبھی میسرہ کو الٹتے ہیں۔ کبھی میمنہ کو توڑتے ہیں۔ کبھی قلب لشکر پر در آتے ہیں۔ کبھی جناح لشکر پر حملہ فرماتے ہیں۔ شامی کٹ رہے ہیں۔ کوفی گر رہے ہیں۔ لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ حملے کرتے ہوئے فوجوں کو بھگاتے ہوئے نہر کی طرف پہنچ جاتے ہیں۔ بھائی کی لاش ترائی میں پڑی نظر آتی ہے آپ پکار کر کہتے ہیں۔ اے عباس تم نے

یہ حملے نہ دیکھے، یہ صف آرائی نہ دیکھی
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

(ناموس اسلام)

علامہ اسفرائنی کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ دشمنوں پر حملے کرتے تھے تو لشکر اس طرح سے بھاگتا تھا جس طرح ٹڈیاں منتشر ہو جاتی ہیں۔ نور العین میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ امام حسین بہادر شیر کی طرح حملہ فرماتے اور صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے اور دشمنوں کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتے تھے جس طرح تیز دھار آلہ سے کھیتی کٹتی ہے۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت حملہ گراں افگند ہر کہ با دکوشید شربت مرگ نوشید وبہر جانب کہ تاختت گردہے رابخاک انداخت۔ کہ آپ کے عظیم الشان حملہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا جو آپ کے سامنے آتا تھا۔ شربت مرگ سے سیراب ہوتا تھا۔ اور آپ جس جانب حملہ کرتے تھے۔ گروہ کے گروہ کو خاک میں ملا دیتے تھے (کشف الغمہ صفحہ ۷۸)

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کو یوم عاشورا داہنے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا، تو آپ نے دائیں جانب حملہ کر کے سب کو بھگا دیا پھر پلٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار کر ہٹا دیا۔ خدا کی قسم! حسینؑ سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل

ثابت قدم بہادر نہیں دیکھا گیا جو شکستہ دل ہو۔ صدمے اٹھائے ہوئے، بیٹوں، عزیزوں اور دوست، احباب کے داغ بھی کھائے ہوئے ہو اور پھر حسینؑ کی سی ثابت قدمی اور بے جگری سے جنگ کر سکے۔ بخدا دشمنوں کی فوج کے سوار اور پیادے حسینؑ کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں۔ حسینؑ جنگ کر رہے تھے "اذاً خرجت زینب" کہ جناب زینبؑ خیمہ سے نکل آئیں اور فرمایا۔ کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا۔ اے عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اور ابو عبداللہ قتل کئے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر عمر سعد رو پڑا۔ آنسو ڈاڑھی پر بہنے لگے اور اس نے منہ پھیر لیا۔ امام حسینؑ اس وقت خز کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا اور وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔ حسینؑ نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح جنگ فرمائی جس طرح جنگجو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں۔ تیر دوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ حملوں کو رد کرتے تھے، اور سواروں کے پیروں پر حملے فرماتے تھے اور کہتے تھے: اے ظالمو! میرے قتل پر تم نے ایکا کر لیا ہے قسم خدا کی! تم میرے قتل سے ایسا گناہ کر رہے ہو جس کے بعد کسی کے قتل سے بھی اتنے گناہگار نہ ہو گے۔ تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور خدا مجھے عزت دے رہا ہے اور سنو۔ وہ دن دور نہیں کہ میرا خدا تم سے اچانک میرا بدلہ لے گا۔ تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہارا خون بہائے گا تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۰)

مسٹر جیمس کارکرن امام حسینؑ کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گذر گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اوّل درجہ میں حسینؑ ابن علیؑ! کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت پر اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو۔ اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہوّر و شجاعت اور ہزاروں خونخوار سواروں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں ایسی مدح کرے۔ جیسی ہونی چاہیئے کس کے بس کی بات ہے جو ان پر واقع ہونے والے حالات کا تصوّر کر سکے۔ لشکر میں گھر جانے کے بعد سے شہادت تک کے حالات، عجیب و غریب قسم کی بہادری کو پیش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ایک کی دوا دو مشہور ہے اور مبالغہ کی یہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے چار طرف سے گھیر لیا لیکن حسینؑ اور بہتر (۷۲) تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ چار طرف سے یزیدی فوج جو آندھی کی طرح تیر برسا رہی تھی۔ پانچواں دشمن عرب کی دھوپ چھٹا دشمن ریگ گرم جو تنور کے ذرات کی مانند لو دے رہی تھی اور ساتواں اور آٹھواں

دشمن بھوک اور پیاس جو دغا باز ہمراہی کے مانند جان لیوا حرکتیں کر رہے تھے۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں کا مقابلہ کیا۔ ان پر بہادری کا خاتمہ ہوچکا۔ ایسے لوگوں سے بہادری میں کوئی فوقیت نہیں رکھتا۔ (تاریخ چین دفتر دوم باب ۱۶ جلد ۲)

امام حسینؑ اپنے مقتول بہادروں کو پکارتے ہیں

بھوک اور پیاس کے عالم میں نبرد آزمائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آخرکار جب امام حسین علیہ السلام کا جسم مبارک تیروں سے مثل جسم ساہی ہوگیا اور آپ بے حد زخمی ہوگئے تو اپنے بہادر مقتولوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے بہادر شیرو، اٹھو اور حسینؑ کی مدد کرو۔ بے شک تم نے بڑی مدد کی اور تم میری حمایت میں سر سے گذر گئے ہو۔ جان سے بے نیاز ہو گئے ہو۔ لیکن سنو۔ اب وقت و حالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت میری مدد کرو۔ لیکن افسوس جان سے گذر جانے والے اور سر کو فدا کر دینے والے حیات ظاہری سے محروم کیونکر مدد کرتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی آواز پر زعفر جن نے لبیک کہی اور امداد کی درخواست کی۔ آپ نے یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا کہ میں امتحان دینے کے لئے آیا ہوں اور اتمام حجت کے لئے صدائے امداد بلند کی ہے۔ ورنہ مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے

بارگاہِ احدیت میں امام حسینؑ کے دل کی آواز

حسینؑ یکہ و تنہا، بے یار و مددگار، جلتی ہوئی زمین پر دشمنوں کے ہجوم میں کھڑے ہیں۔ نانا رسولِ عربی کا عمامہ جس کے پیچ کٹے ہوئے خون میں بھرا ہوا سر پر ہے پیراہن احمدی زیب تن ہے لیکن تیروں سے چھلنی اور خون سے رنگین ہے۔ قبا کے دامن علی اکبر کے خون سے لال، چہرۂ انور علی اصغر کے لہو سے گلنار ہے۔ پیشانی مبارک سے خون ٹپک رہا ہے اور عباس کے غم سے کمر ٹوٹ چکی ہے۔ بدن زخموں سے چُور، سینے سے خون کے فوارے جاری ہیں۔ پیاس سے کلیجہ پھنک رہا ہے۔ انصار کی لاشیں سامنے پڑی ہیں۔ برابر کا بیٹا، کڑیل جوان، شبیہہ پیغمبر سینے پر برچھی کھائے، خون میں نہائے سو رہا ہے۔ بھائی کی نشانی قاسم ابن حسن، خون کی مہندی لگائے عروس موت سے ہمکنار آرام کر رہا ہے۔ بہن کے لاڈلے داغ دے کر چلے جا چکے ہیں۔ لشکر کی زینت، بچوں کی ڈھارس، سکینہ کا سقا، علیؑ کا شیر، قوت بازو فشانے کٹائے نہر کی ترائی میں پڑا ہے۔ چھ ماہ کی جان تیر سہ شعبہ کے نذر ہوچکی ہے۔ قتل گاہ رمنی کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ خیام سے بھوکے پیاسے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی جگر سوز

صدائیں آرہی ہیں۔ بیواؤں کے رونے اور فریاد کرنے کی آوازدل کو جلا رہی ہے لیکن اللہ رے، حسینؑ کا جذبہ قربانی۔ یہ عشق خدا کا متوالا۔ اسلام کا فریفتہ۔ توحید کا شیفتہ، صبرورضا کا مجسمہ۔ یادِ خدا میں محو اور مناجات میں مشغول ہے جیسے جیسے مصائب و آلام بڑھتے جاتے ہیں چہرہ شگفتہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرے پالنے والے۔ میں اپنی زندگی سے اس موت کو پسند کرتا ہوں جو تیری راہ میں ہو۔ میرے مولا، مجھے اس میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں ستر مرتبہ تیری بارگاہ میں شہید کیا جاؤں اور اس قتل پر فخر کرتا ہوں جس میں تیرے دین کی نصرت کا راز مضمر ہو۔ (ناموس اسلام صفحہ ۱۸۴) اس کے بعد آپ عرض کرتے ہیں۔ میرے مالک سے

ترکت الناس طرا فی ھواک ۔۔۔ وایتمت العیال لکی اراک

میرے مالک تو جانتا ہے تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے صرف تیری محبت میں سب سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور فقط تیرے دیدار کے شوق میں اہل وعیال کو چھوڑ دیا اور بچوں کو یتیم بنا دیا ہے (۲) مالک اگر تیرے دیدار عشق میں میرے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف جھک نہیں سکتا۔

یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام میں رکھ لی۔ آپ کے ہاتھوں کا رُکنا تھا کہ سارا لشکر مسلسل حملے پر آمادہ ہوگیا اور چالیس افراد نے آپ کو گھیرے میں لے کر وار کرنا شروع کر دیا۔

امام حسینؑ عرش زین سے فرش زمین پر

آپ پر مسلسل وار ہو رہے تھے کہ ناگاہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا۔ اس کے فوراً بعد ابوالحتوف جعفی ملعون نے جبین مبارک پر تیر مارا۔ آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور پونچھنے کے لئے آپ اپنا دامن اٹھانا ہی چاہتے تھے کہ سینۂ اقدس پر ایک تیر سہ شعبہ پیوست ہوگیا جو زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس کے بعد صالح ابن وہب لعین نے آپ کے پہلو پر اپنی پوری طاقت سے ایک نیزہ مارا جس کی تاب نہ لاکر آپ زمین گرم پر داہنے رخسار کے بل گرے۔ زمین پر گرنے کے بعد آپ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سورعہ ابن شریک لعین نے آپ کے دائیں شانے پر تلوار لگائی اور دوسرے ملعون نے داہنے طرف وار کیا۔ آپ پھر زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں سنان ابن انس نے حضرتؑ کے "ترقوہ" ہنسلی پر نیزہ مارا۔ اور اس کو کھینچ کر دوسری دفعہ سینۂ اقدس پر لگایا۔ پھر اسی نے ایک تیر حضرت کے گلوئے مبارک پر مارا۔ ان پیہم ضربات سے حضرت کمال بے چینی میں اٹھ بیٹھے اور آپ نے تیر کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور خون ریش مبارک پر ملا۔ اس کے بعد مالک بن نسر کندی

لعین نے سر پر تلوار لگائی۔ اور درعہ ابن شریک لعنہ نے شانہ پر تلوار کا وار کیا۔ حصین بن نمیر لعین نے دہن اقدس پر تیر مارا۔ ابوالیوب غنوی نے حلق پر حملہ کیا۔ نصر بن حرشہ نے جسم پر تلوار لگائی صالح ابن وہب نے سینۂ مبارک پر نیزہ مارا۔

یہ دیکھ کر عمر سعد نے آواز دی۔ اب دیر کیا ہے ان کا سر فوراً کاٹ لو۔ سر کاٹنے کے لئے شیث ابن ربعی بڑھا۔ امام حسینؑ نے اس کے چہرہ پر نظر کی۔ اس نے حسینؑ کی آنکھوں میں رسول اللہؐ کی تصویر دیکھی اور کانپ اٹھا۔ پھر سنان بن انس آگے بڑھا۔ اس کے جسم میں رعشہ پڑگیا۔ وہ بھی سر مبارک نہ کاٹ سکا۔ یہ دیکھ کر شمر ملعون نے کہا۔ یہ کام صرف مجھ سے ہوسکتا ہے اور وہ خنجر لئے ہوئے امام حسینؑ کے قریب آکر سینہ مبارک پر سوار ہوگیا۔ آپ نے پوچھا۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں شمر ہوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں پہچانتا۔ اس نے کہا۔ اچھی طرح پہچانتا ہوں "تم علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور محمدؐ کے نواسے ہو" آپ نے فرمایا۔ پھر مجھے کیوں ذبح کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ اس لئے کہ مجھے یزید کی طرف سے مال و دولت ملے گا (کشف الغمہ صفحہ ۵) اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو یاد فرمایا اور سلام آخری کے جملے ادا کئے۔

جب آپ اس کی شقی القلبی کی وجہ سے مایوس ہوگئے۔ تو فرمانے لگے اے شمر، مجھے اجازت دے دے کہ میں اپنے خالق کی آخری نماز عصر ادا کرلوں۔ اس نے اجازت دی۔ آپ سجدہ میں تشریف لے گئے (روضۃ الشہدا صفحہ ۳۷۷) اور شمر نے آپ کے گلو مبارک کو خنجر کے بارہ ضربوں سے قطع کر کے سر اقدس کو نیزہ پر بلند کردیا۔ حضرت زینبؑ خیمہ سے نکل پڑیں۔ زمین کانپنے لگی۔ عالم میں تاریکی چھا گئی۔ لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑگئی۔ آسمان خون کے آنسو رونے لگا جو شفق کی صورت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۶) اس کے بعد عمر سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں سر مبارک کربلا سے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیجدیا (الحسین از عمر بن نصر صفحہ ۱۵۴) امام حسینؑ کی سر بریدگی کے بعد آپ کا لباس لوٹا گیا۔ اخنس بن مرثد عمامہ لے گیا۔ اسحاق ابن حثوہ قمیص پیراہن لے گیا۔ ابحر بن کعب پائجامہ لے گیا۔ اسود بن خالد نعلین لے گیا۔ عبداللہ ابن اسید کلاہ لے گیا۔ بجدل بن سیم انگشتری لے گیا۔ قیس بن اشعث پٹکا لے گیا۔ عمر بن سعد زرہ لے گیا۔ تلوار جمیع بن خلق ازدی لے گیا۔ اللہ رے ظلم۔ ایک کمربند کے لئے جمال ملعون نے ہاتھ قطع کردیا۔ ایک انگوٹھی کے لئے بجدل نے انگلی کاٹ لی۔

اس کے بعد دیگر شہداء کے سر کاٹے گئے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کے لئے عمر سعد نے لشکریوں کو حکم دیا۔ دس افراد اس اہم جرم خدائی کے لئے تیار ہوگئے جن کے نام یہ ہیں کہ اسحاق بن حویہ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، رجا بن منقذ، سالم بن خثیمہ

صالح بن وہب، واعظ بن تاعم، ہانی بن ثبیت، اسید بن مالک۔ تواریخ میں ہے "فدا سوا الحسین بحوافر خیولھم حتی رضوا ظھرہ وصدرہ" امام حسین کی لاش کو اس طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا کہ آپ کا سینہ آپ کی پشت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ جسم کو اس طرح پامال کر دیں کہ بالکل ناپید ہو جائے تو جنگل سے ایک شیر نکلا اور اس نے بچا لیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۵۰)

شام غریباں

شہادت حسین کے بعد اسپ وفادار نے اپنی پیشانی امام حسین کے خون میں رنگین کر کے اہل حرم میں خبر شہادت پہنچا ہی دی تھی جس کی وجہ سے خیمہ میں کہرام عظیم برپا ہی تھا کہ دشمنوں نے خیمہ کا رخ کیا۔ اور پہونچتے ہی خیموں میں آگ لگا دی اور سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اہل بیت رسول فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کر رہے تھے اور کوئی فریاد رس اور پرسان حال نہ تھا۔ تمام بی بیوں کے سر دل سے چادریں چھین لیں۔ فاطمہ بنت حسین کے پیروں سے چھاکلیں اتار لیں اور حضرت زینب و ام کلثوم کے کانوں سے گوشوارے کھینچ لئے۔ سید سجاد کے نیچے سے بستر کھینچ کر انہیں زمین پر ڈال دیا۔ غرضیکہ ایک ایسا حشر برپا کر دیا گیا جو نہ کسی کے ساتھ کبھی روا رکھا گیا تھا اور نہ اس سے قبل سننے میں آیا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر دشمن مخالف کی ایک عورت جو قبیلہ بکر ابن وائل کی تھی ایک تلوار کا ٹکڑا لے کر ان مخالفوں پر حملہ آور ہوئی جو آل رسول کو لوٹ رہے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک بچے کے کرتے میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا جیسے جیسے ہوا لگتی تھی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ یہ حال دیکھ کر ایک دشمن نے ترس کھایا اور بڑھ کر دامن سے آگ بجھا دی۔ نونہال نے جب اسے اپنے پر مہربان پایا تو پوچھنے لگا کہ اے شیخ نجف کا راستہ کدھر ہے۔ اس نے کہا۔ اے فرزند اس کم سنی میں نجف کا راستہ کیوں پوچھتے ہو۔ فرمایا۔ میں اپنے نانا کے پاس جا کر ان کے سامنے فریاد کروں گا۔ کتاب توضیح میں یہ واقعہ جناب سکینہ کی طرف منسوب ہے۔

الغرض، ظلم و جور کی انتہا ہو رہی تھی کسی بی بی کی پشت پر تازیانے لگائے جا رہے تھے کسی کے رخسار پر طمانچے لگ رہے تھے کسی کی پیٹھ پر نیزے کی انی چبھوئی جا رہی تھی۔ جب سب کچھ لوٹا جا چکا۔ خیمے جل چکے اور شام آگئی، تو دیہی کے جلے بھنے غلے کے دانوں سے اور بروایتے حر کی بیوی دانہ پانی لائی اور فاقہ شکنی کی گئی۔

اس کے بعد حضرت زینب نے جناب ام کلثوم سے فرمایا کہ بہن اب رات ہو چکی ہے تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ تم سب بچوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ میں ان کی حفاظت میں رات بھر پہرہ دوں گی۔

حضرت ام کلثوم نے سب بی بیوں، بچوں اور بچیوں کو جمع کیا۔ لیکن انہیں جناب سکینہ نہ ملیں۔ آپ نے عُلیا جناب زینب سے عرض واقعہ کیا۔ زینب علیہا السلام مقتل کی طرف حضرت سکینہ کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں۔ ایک نشیب سے جناب سکینہ کے رونے کی آواز آئی۔ جا کر دیکھا کہ سکینہ باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی گریہ کر رہی ہیں۔ جناب زینب انہیں خیمہ میں لے آئیں۔ جناب سکینہ کا بیان ہے کہ اس وقت بابا کی کٹی ہوئی گردن سے یہ آواز آ رہی تھی ؎

شیعتی ما ان شربتم ماء عذب فاذکرونی
او سمعتم بغریب او شہید فاندبونی
و انا السبط الذی من غیر جرم قتلونی
و بجرد الخیل بعد القتل سحقونی
لیتکم فی یوم عاشورا جمیعا تنظرونی
کیف استسقی لطفلی فابوا ان یرحمونی

ترجمہ:۔ اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا، تو مجھے یاد کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کے واقعات سننا تو مجھ پر گریہ کرنا۔ اے میرے دوستو! سنو، میں رسولؐ کا وہ مظلوم نواسہ ہوں جسے بلا جرم وخطا دشمنوں نے قتل کر دیا اور پھر قتل کے بعد اس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ اے میرے شیعو! کاش تم آج عاشورا کے دن ہوتے تو یہ روح فرسا منظر دیکھتے کہ میں اپنے پیاسے بچے (علی اصغر) کے لئے کس طرح پانی مانگ رہا ہوں۔ اور یہ سنگدل کس دلیری اور بے باکی سے انکار کر رہے ہیں۔

غرضیکہ حضرت زینب جناب سکینہ کو باپ کے سینے پر سے سمجھا بجھا کر اٹھا لائیں اور انہیں جناب ام کلثوم کے سپرد کر کے طلایہ پھرنا شروع کر دیا۔ (دمعۂ ساکبہ)

رات کا کافی حصہ گذرنے کے بعد جناب زینب نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا بڑھائے چلا آ رہا ہے۔ آپ نے بڑھ کر اس سے کہا کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں۔ ہمارے چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان سب آج ہی قتل کئے جا چکے ہیں۔ اب ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ابھی روتے روتے سو گئے ہیں۔ اے سوار! اگر تجھے ہم کو اور زیادہ لوٹنا مقصود ہے تو صبح آ جانا۔ اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا ہو۔ اسے بھی لوٹ لینا۔ لیکن دیکھ ان بچوں کو نہ ستا۔ اور انہیں سونے دے۔ خدا کے لئے اس وقت واپس چلا جا۔ لیکن سوار نے ایک نہ سُنی اور قدم

فرس برابر بڑھتا ہی رہا۔ آخر زینبؑ بھی شیر خدا کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے بڑھ کر لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور کہا کہ میں کیا کہتی ہوں اور تو کیا کرتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر سوار گھوڑے سے اتر پڑا اور زینب کو سینے سے لگا کر کہنے لگا۔ اے بیٹی۔ میں تیرا باپ علیؑ ہوں۔ بیٹی تیری حفاظت کے لئے آیا ہوں۔ اے جانِ پدر، تو بچوں میں جا۔ میں تیری حفاظت کروں گا۔ زینبؑ نے فریاد و فغاں شروع کر دی اور تمام واقعات بیان کئے۔ الغرض جب یہ حشر آفرین شب تمام ہوئی۔ تو حکم عمر سعد سے لشکریوں نے آکر آلِ رسول کو گھیر لیا۔ اور بلا محمل و کجاوہ کے ناقوں پر سوار ہونے کو کہا۔ چارو ناچار رسول زادیاں ناقوں پر سوار ہوئیں۔ حال یہ تھا کہ سر کھلے ہوئے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام علالت کی وجہ سے چونکہ تاب و تواں نہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں سوار ہونے میں تکلف تھا۔ شمر نے تازیانے سے اذیت پہنچائی اور فضہؓ نے دوڑ کر امام کو سوار ہونے میں امداد دی۔ اور آپ ناقے پر سوار ہو گئے لیکن طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پشت پر سنبھلنا سخت دشوار تھا۔ اس لئے دشمنان اسلام نے آپ کے پیروں کو ناقہ کے پیٹ سے ملا کر باندھ دیا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۴۶۷)

پھر اس کے بعد اس قافلہ کو لے کر بارادہ کوفہ روانہ ہوئے اور غضب یہ کیا کہ، ان رسول زادیوں کو مقتل کی طرف سے گذارا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ جیسے ہی یہ حسینی قافلہ مقتل میں پہنچا حشر کا سماں پیش ہو گیا۔ زینب نے اپنے کو ناقہ سے گرا دیا اور فریاد و فغاں کرنے لگیں۔ آپ نے کہا۔

"اے محمد مصطفےٰؐ! جن پر ملائکہ آسمان سے درود بھیجتے ہیں۔ دیکھئے یہ حسینؑ خاک و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چٹیل میدان میں پڑے ہیں۔ آپ کی بیٹیاں ذو الاسیاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے۔ اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔"

یہ دردناک مرثیہ سن کر دوست دشمن کوئی نہ تھا جو رونے نہ لگا ہو۔ اس وقت ان لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ کس قدر شدید گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ (الحسین ابو نصر صفحہ ۱۵۵)

دمعہ ساکبہ میں ہے کہ زینب کی فریاد سے جانور بھی رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اسی طرح حضرت ام کلثوم بھی نوحہ و فریاد کر رہی تھیں اور جناب سکینہ بھی محوِ گریہ و ماتم تھیں۔ بالآخر دشمنوں کے تشدد سے یہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔ اور آلِ رسولؐ کی

لاشیں بے گور و کفن زمین گرم کربلا پر پڑی رہیں۔ چند دنوں کے بعد بنی اسد نے ان پر نمازیں پڑھیں اور انہیں سپرد خاک کر دیا۔

صبح یازدھم

واقعہ یہ ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں، رسول کریمؐ کی نواسیاں بے محمل و عماری کے ناقوں پر سوار کر کے دربار کوفہ میں داخل کی گئیں۔ پھر ایک ہفتہ انہیں کوفہ کے قید خانہ میں رکھا گیا۔ اس کے بعد ان غریبوں کو شام پہونچا دیا گیا۔ اور وہاں ایک سال قید خانہ میں رکھا گیا۔ پھر وہاں سے رہائی کے بعد آلِ رسولؐ بتاریخ ۲۰ صفر ۶۲ھ کربلا ہوتے ہوئے آٹھ ربیع الاول ۶۲ھ وارد مدینہ منورہ ہوئے۔

ابو محمد

حضرت امام زین العابدین

علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

مثل جد خود امام اولیاءؑ | چوں پدر مشہور در صبر و رضا
در عبادت ایں قدر سرگرم بود | انتے زین العابدین آمد ندا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے جانشین ہمارے چوتھے امام اور چہاردہ معصومین کی چھٹی محترم فرد ہیں۔ آپ کے والد ماجد شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب شاہ زناں عرف شہربانو تھیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ علم، زہد، عبادت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۹) امام زہری ابن عیینہ اور ابن مسیب کا کہنا ہے کہ ہم نے آپ سے زیادہ کسی کو افضل عبادت گذار اور فقیہہ نہیں دیکھا (نور الابصار صفحہ ۱۲۶) ایک شخص نے سعید بن مسیب سے کسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ بڑا متقی ہے۔ ابن مسیب نے پوچھا تم نے امام زین العابدین کو دیکھا ہے اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا "ما رایت احداً اورع منہ" میں نے ان سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کسی کو بھی نہیں دیکھا (مطالب السئول صفحہ ۲۶۷) ابن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ "اصح الاسانید" وہ روایت ہے جو زہری امام زین العابدینؑ سے منسوب کرے (طبقات الحفاظ ذہبی ارجح المطالب صفحہ ۴۳۵) علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایت تھے۔ آپ بہت بڑے عالم فقیہہ، اہلبیت میں بے مثل و بے نظیر تھے (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۲۱۔ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۲۰) آپ ایسے پرجلال و جمال تھے کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تھا تعظیم کرنے پر مجبور ہوتا تھا (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۱۹)

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۵ ر جمادی الثانی ۳۸ھ یوم جمعہ بقولے ۱۵ ر جمادی الاول ۳۸ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱ و مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۳۱) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب شہربانو ایران سے مدینہ کے لئے روانہ ہو رہی تھیں تو جناب رسالتمآب نے عالم خواب میں ان کا عقد امام حسین علیہ السلام کے

کے ساتھ پڑھوا دیا تھا (جلاء العیون صفحہ ۲۵۶) اور جب وارد مدینہ ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر کے فرمایا کہ یہ وہ عصمت پرور بی بی ہے کہ جس کے بطن سے تمہارے بعد افضل اوصیاء اور افضل کائنات ہونے والا بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام زین العابدینؑ متولد ہوئے لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھا نہ سکے "ماتت فی نفاسھا بہ" آپ کے پیدا ہوتے ہی "مدت نفاس" میں جناب شہر بانو کی وفات ہوگئی (قمقام۔ جلاء العیون۔ عیون اخبار رضا۔ دمعہ ساکبہ جلد ۱ صفحہ ۴۲۶) کامل مبرد میں ہے کہ جناب شہر بانو معروفۃ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہر بانو بادشاہ ایران یزدجرد بن شہریار شیرویہ ابن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل کسریٰ کی بیٹی تھیں (ارشاد صفحہ ۳۹۱ و فصل الخطاب)

نام، کنیت، القاب

آپ کا اسم گرامی "علی" کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی۔ آپ کے القاب بیشمار تھے جن میں زین العابدین، سید الساجدین، ذو الثفنات اور سجاد و عابد زیادہ مشہور ہیں (مطالب السئول صفحہ ۲۶۱۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۷۶۔ نور الابصار صفحہ ۱۲۶۔ الفرع النامی مع نقطۃ العجلان صدیق حسن صفحہ ۱۵۸)

لقب زین العابدینؑ کی توجیہہ

علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ امام مالک کا کہنا ہے کہ آپ کو زین العابدین کثرت عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے (نور الابصار صفحہ ۱۲۶) علامہ فریقین کا ارشاد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک شب نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان اژدھے کی شکل میں آپ کے قریب آگیا اور اس نے آپ کے پائے مبارک کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر کاٹنا شروع کیا۔ امامؑ جو ہمہ تن مشغول عبادت تھے اور آپ کا رجحان کامل بارگاہِ ایزدی کی طرف تھا۔ وہ ذرا بھی اس کے اس عمل سے متاثر نہ ہوئے اور بدستور نماز میں منہمک و مصروف و مشغول رہے۔ بالآخر وہ عاجز آگیا اور امام نے اپنی نماز بھی تمام کرلی۔ اس کے بعد آپ نے اس شیطان ملعون کو طمانچہ مار کر دور ہٹا دیا۔ اس وقت ہاتف غیبی نے "انت زین العابدین" کی تین بار صدا دی اور کہا بے شک تم عبادت گذاروں کی زینت ہو۔ اسی وقت سے آپ کا یہ لقب ہوگیا (مطالب السئول صفحہ ۲۶۲۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۷۷) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس اژدہے کے دس سر تھے اور اس کے دانت بہت تیز اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ مصلےٰ کے قریب سے زمین پھاڑ کے نکلا تھا (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۰۸) ایک روایت میں اس کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قیامت میں آپ کو اسی نام سے پکارا جائے گا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۲۶)

لقب "سجاد" کی توجیہہ

ذہبی نے طبقات الحفاظ میں بحوالہ امام محمد باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو سجاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ تقریباً ہر کار خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے جب آپ خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے، جب کلام خدا کی آیت "سجدہ" پڑھتے تو سجدہ کرتے جب دو شخصوں میں صلح کراتے تو سجدہ کرتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے

مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹنوں کی طرح گھٹے پڑ جاتے تھے۔ پھر انہیں کٹوانا پڑتا تھا۔ اسی لئے آپ کا لقب "ذوالثفنات" یعنی گھٹے والے بھی تھا۔ (ارجح المطالب صفحہ ۴۳۴)

امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبی شرافت

نسب اور نسل باپ اور ماں کی طرف سے دیکھے جاتے ہیں۔ امام علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام حسینؑ اور دادا حضرت علیؑ اور دادی حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور آپ کی والدہ جناب شہر بانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ ہیں یعنی آپ حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پوتے اور نوشیرواں عادل کے نواسے ہیں۔ یہ وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے پر سرور کائنات نے اظہار مسرت فرمایا ہے۔ اس سلسلہ نسب کے متعلق ابوالاسود دوئلی نے اپنے اشعار میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اس سے بہتر اور سلسلہ ناممکن ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وان غلاما بین کسری وهاشم　　　لاکرم من نیطت علیه التمائم

اس فرزند سے بلند نسب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخر کائنات حضرت محمد مصطفےٰؐ کے دادا ہاشم کی نسل سے ہو (اصول کافی صفحہ ۲۵۵) شیخ سلیمان قندوزی اور دیگر علماء اہل اسلام لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کے عدل کی برکت تو دیکھو۔ اسی کی نسل کو آل محمدؐ کے نور کی حامل قرار دیا اور آئمہ طاہرین کی ایک عظیم فرد کو اس لڑکی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہر بانو کو نصیب ہوا جو حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ ہیں (ینابیع المودہ صفحہ ۳۱۵ و فصل الخطاب صفحہ ۲۶۱) علامہ عبید اللہ بحوالہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جناب شہر بانو بادشاہان فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور آپ ہی سے امام زین العابدین متولد ہوئے ہیں جن کو "ابن الخیرتین" کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰؐ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے دو گروہ عرب اور عجم کو بہترین قرار دیا ہے اور میں نے عرب سے قریش اور عجم سے فارس کو منتخب کر لیا ہے چونکہ عرب اور عجم کا اجتماع امام زین العابدینؑ میں ہے اسی لئے آپ کو "ابن الخیرتین" سے کیا جاتا ہے (ارجح المطالب صفحہ ۴۳۴) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہر بانو کو "سیدۃ النساء" کہا جاتا ہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۳۱)

جناب شہر بانو کی تشریف آوری کی بحث

کہا جاتا ہے کہ عہد عمری میں فتح مدائن کے موقع پر جناب شہر بانو لشکر اسلام کے ہاتھ لگی تھیں اور وہاں سے اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مدینہ پہنچ کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں (ربیع الابرار زمخشری) لیکن میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے فتح مدائن صفر ۱۶ یا ۱۷ ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ تاریخ (الوالفدا جلد ا صفحہ ۱۱۶)

تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۷۔ معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۴۱۳ و فتوح العجم صفحہ ۱۶۰۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۰) میں ہے کہ یزدجرد جناب شہربانو کا باپ تھا ۱۲ھ کے شروع میں عنان حکمرانی کا مالک ہوا جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۹ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۸۰ ، و تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۶۵ میں ہے اور تخت نشینی کے وقت اسکی عمر ۱۶ سال تھی ۔ جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۷ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۹ ، فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۷۶ میں ہے اس حساب سے فتح مدائن کے وقت اس کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۲ سال کی ہوسکتی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عجمی جو گرم ملک کا باشندہ نہ ہو وہ عربیوں کی طرح اتنی تھوڑی عمر میں کیونکر مباشرت کے قابل بن سکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک اتنے کمسن شخص سے ایسی لڑکی پیدا ہوسکے جو ۱۶ھ میں فتح مدائن کے وقت شادی کے قابل ہو ۔ اس لئے یہ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یزدجرد کی شادی ۱۸ ۔ ۱۹ سال کی عمر میں ہوئی ہوگی ۔ اب ایسی صورت میں کہ اس کی ۱۸ ۔ ۱۹ سال کی عمر میں تسلیم کی جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب شہربانو اس کی پہلی اولاد تھیں ۔ تب بھی فتح مدائن کے وقت جناب شہربانو کی عمر ۵ ۔ ۶ سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ حضرت امام حسینؑ جو ۴ھ میں پیدا ہوئے ہیں ۔ ان کی شادی اتنی کمسنی میں بحالت نابالغی پھر ایسی صورت میں جب کہ امام حسنؑ کی شادی ہو جو امام حسینؑ سے بڑے تھے ۱۶ھ میں فتح مدائن کے بعد حضرت علیؑ کیونکر کرسکتے تھے ۔

مورخ شہیر شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت عمر کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے عام طور پر مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہوکر مدینہ میں آئیں حضرت عمر نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک ، محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں ۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جن کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کردی لیکن یہ محض غلط ہے ۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری ، ابن اثیر ، الیعقوبی ، بلاذری ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں ۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدجرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاصل نہیں ہوا ۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا ۔ مرو میں پہنچ کر ۳۱ھ میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا ۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا ۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت امام حسینؑ کی عمر ۱۲ سال

تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۲۱ھ میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کس قدر مشتبہ رہے ہے کہ حضرت علیؑ نے اُن کی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؑ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہوسکتا۔ (الفاروق جلد صفحہ ۱۷۲)

میں نے تواریخ سے جو استنباط کیا ہے وہ یہ ہے کہ عہد عثمانی میں اہل فارس نے بغاوت کر کے عبید اللہ بن عمر والئ فارس کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکر کو بھی نکال دیا۔ اس وقت فارس کی لشکری چھاؤنی کا مقام "اصطخر" تھا۔ ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد اہل فارس کے ساتھ تھا۔ حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حدود اصطخر میں زبردست اور گھمسان کی جنگ ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اصطخر فتح ہونے کے بعد ۳۱ھ میں یزدجرد "رے" اور پھر وہاں سے خراسان اور خراسان سے "مرو" جا پہنچا۔ اس کے ہمراہ چار ہزار جرار سپاہی بھی تھے۔ مرو میں وہ خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا اور شاہان عجم کے گورستان "اصطخر" میں دفن ہوا۔ اس کے بعد عہد عثمانی بدل گیا اور حضرت علیؑ شیر خدا کا زمانہ آگیا۔

جنگ جمل کے بعد ایران خراسان کے مقام مرو میں سخت بغاوت ہوئی۔ اس وقت ایران میں بروایت ارشاد مفید و روضۃ الصفا حریث ابن جابر جعفی گورنر تھے۔ حضرت علیؑ نے مرو کے "قضیہ" نامرضیہ کو ختم کرنے کے لئے امدادی طور پر خلید ابن قرہ یربوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی اور لشکر اسلام کامیاب ہوا۔ حریث ابن جابر جعفی نے یزدجرد ابن شہر یار ابن کسریٰ جو عہد عثمانی میں مارا جا چکا تھا کی دو بیٹیاں شہربانو اور کیہان بانو کو عام اسیروں کے ساتھ حضرت علی کی خدمت میں بھیجا۔ شیر خدا علی علیہ السلام نے شہربانو کو امام حسین علیہ السلام اور کیہان بانو کو محمد بن ابی بکر کی زوجیت میں دے دیا جیسا کہ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۹ طبع نولکشور۔ ارشاد مفید جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۰۱۔ عمدۃ الطالب صفحہ ۱۷۱، جامع التواریخ صفحہ ۱۴۹۔ کشف الغمہ صفحہ ۸۹ مطالب السئول صفحہ ۲۶۱ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ نورالابصار صفحہ ۱۲۶۔ تحفہ سلیمانیہ شرح ارشاد صفحہ ۳۹۱ میں موجود ہے۔ اس وقت امام حسینؑ کی عمر اور جناب شہربانو کی عمر کافی ہوچکی تھی اور امام حسنؑ کی شادی ہوئے عرصہ گذر چکا تھا۔ حضرت علیؑ کی خلافت ۳۶ھ سے ۴۰ھ تک رہی۔ جناب شہربانو سے ۳۸ھ میں امام زین العابدینؑ اور کیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔

امام زین العابدینؑ کے بچپن کا ایک واقعہ

علامہ مجلسی رقم طراز ہیں کہ ایک دن امام زین العابدینؑ جب کہ آپ کا بچپن تھا بیمار ہوئے حضرت

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ "بیٹا" اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اور تم کوئی چیز چاہتے ہو تو بیان کرو۔ تاکہ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے فراہم کرنے کی سعی کروں۔ آپ نے عرض کی بابا جان۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ خداوند عالم میرا شمار ان لوگوں میں کرے جو پروردگار عالم کے قضا و قدر کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام خوش و مسرور ہو گئے اور فرمانے لگے۔ بیٹا! تم نے بڑا مسرت افزا اور معرفت خیز جواب دیا ہے۔ تمہارا جواب بالکل حضرت ابراہیمؑ کے جواب سے ملتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب منجنیق میں رکھ کر آگ کی طرف پھینکا گیا تھا اور آپ فضا میں ہوتے ہوئے آگ کی طرف جا رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے پوچھا تھا "ھل لک حاجۃ" آپ کی کوئی حاجت و خواہش ہے۔ اس وقت انہوں نے جواب دیا تھا "نعم اما الیک فلا" بے شک مجھے حاجت ہے لیکن تم سے نہیں ہے اپنے پالنے والے سے ہے (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ طبع ایران)

آپ کے عہد حیات کے بادشاہان وقت

آپ کی ولادت بادشاہ دین و ایمان حضرت علی علیہ السلام کے عہد عصمت مہد میں ہوئی پھر امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا۔ پھر بنی امیہ کی خالص دنیاوی حکومت ہو گئی۔ صلح امام حسنؑ کے بعد سے ۶۰ھ تک معاویہ بن ابی سفیان بادشاہ رہا۔ اس کے بعد اس کا فاسق و فاجر بیٹا یزید ۶۴ھ تک حکمران رہا ۶۴ھ میں معاویہ بن یزید ابن معاویہ اور مروان بن حکم حاکم رہے ۶۵ھ تا ۸۶ھ عبدالملک بن مروان حاکم اور بادشاہ وقت رہا۔ پھر ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک ولید بن عبدالملک نے حکمرانی کی اور اسی نے ۹۵ھ میں حضرت امام زین العابدینؑ کو زہر دغا سے شہید کر دیا (تاریخ آئمہ صفحہ ۲۹۳۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ و نور الابصار صفحہ ۱۲۸)

امام زین العابدینؑ کا عہد طفولیت اور حج بیت اللہ

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے جاتا ہوا قضائے حاجت کی خاطر قافلہ سے پیچھے رہ گیا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک نو عمر لڑکے کو اس جنگل میں سفر پیما دیکھا۔ اسے دیکھ کر پھر ایسی حالت میں کہ وہ پیدل چل رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا اور نہ اس کا کوئی ساتھی تھا۔ میں حیران ہو گیا اور فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا۔ "صاحبزادے" یہ لق و دق صحرا اور تم بالکل تن تنہا، یہ معاملہ کیا ہے، ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمہارا زاد راہ اور تمہارا راحلہ کہاں ہے اور تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نوخیز نے جواب دیا۔ "زادی تقوی و راحلتی رجلای وقصدی مولای" میرا زادِ راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔"

"میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں اور میرا مقصود میرا پالنے والا ہے اور میں حج کے لئے جارہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ تو بالکل کم سن ہیں، حج تو ابھی آپ پر واجب نہیں ہے۔ اس نوخیز نے جواب دیا۔ بے شک تمہارا کہنا درست ہے لیکن اے شیخ۔ میں دیکھا کرتا ہوں کہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے بچے بھی مر جاتے ہیں۔ اس لئے حج کو ضروری سمجھتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فریضہ کی ادائگی سے پہلے مرجاؤں۔ میں نے پوچھا۔ اے صاحبزادے تم نے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ کھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا۔ اے شیخ، کیا جب تم کسی کے یہاں مہمان جاتے ہو تو کھانا اپنے ہمراہ لے جاتے ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے فرمایا "سنو! میں تو خدا کا مہمان ہو کر جارہا ہوں۔ کھانے کا انتظام اس کے ذمہ ہے" میں نے کہا۔ اتنے لمبے سفر کو پیدل کیوں کر طے کرو گے اس نے جواب دیا کہ میرا کام کوشش کرنا ہے اور خدا کا کام منزل مقصود تک پہنچانا ہے۔

ہم ابھی باہمی گفتگو ہی میں معروف تھے کہ ناگاہ ایک خوب صورت جوان سفید لباس پہنے ہوئے آ پہنچا اور اس نے اس نوخیز کو گلے سے لگالیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اس جوان رعنا سے دریافت کیا کہ یہ نوعمر فرزند کون ہیں۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ حضرت امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ یہ سن کر میں اس جوان رعنا کے پاس سے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت خواہی کے بعد ان سے پوچھا کہ یہ خوب صورت جوان جنہوں نے آپ کو گلے سے لگایا۔ یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر نبیؑ ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ روزانہ ہماری زیارت کے لئے آیا کریں۔ اس کے بعد میں نے پھر سوال کیا اور کہا کہ آخر آپ اس طویل اور عظیم سفر کو بلا زاد اور راحلہ کیونکر طے کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں زاد اور راحلہ سب کچھ رکھتا ہوں اور وہ یہ چار چیزیں ہیں (۱) دنیا اپنی تمام موجودات سمیت خدا کی مملکت ہے (۲) ساری مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں (۳) اسباب اور ارزاق خدا کے ہاتھ میں ہیں (۴) قضاء خدا ہر زمین میں نافذ ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا۔ خدا کی قسم، آپ ہی کا زاد اور راحلہ صحیح طور پر مقدس ہستیوں کا سامان سفر ہے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۴۳۷) علماء کا بیان ہے کہ آپ نے ساری عمر میں ۲۵ حج پاپیادہ کئے ہیں۔ آپ نے سواری پر جب بھی سفر کیا ہے، اپنے جانور کو ایک کوڑا بھی نہیں مارا۔

آپ کا حلیہ مبارک

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کا رنگ گندم گوں (سانولہ) اور قد میانہ تھا آپ نحیف اور لاغر قسم کے انسان تھے (نور الابصار صفحہ ۱۲۶ و اخبار الدول صفحہ ۱۰۹) ملا مبین تحریر فرماتے ہیں کہ آپ حسن و جمال، صولت و کمال میں نہایت ہی ممتاز تھے آپ کے چہرہ مبارک پر جب کسی کی نظر پڑتی تھی تو وہ آپ کا احترام کرنے اور آپ کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات صفحہ ۲۱۹) محمد بن طلحہ شافعی رقم طراز ہیں کہ آپ صاف کپڑے پہنتے تھے اور جب راستہ

چلتے تھے تو نہایت خشوع کے ساتھ۔ راہ روی میں آپ کے ہاتھ زانو سے باہر نہیں جاتے تھے۔ (مطالب السئول صفحہ ۲۲۶ و ۲۶۴)

حضرت امام زین العابدینؑ کی شان عبادت

جس طرح آپ کی عبادت گذاری میں پیروی ناممکن ہے اسی طرح آپ کی شانِ عبادت کی رقمطرازی بھی دشوار ہے۔ ایک وہ ہستی جس کا مطمح نظر معبود کی عبادت اور خالق کی معرفت میں استغراق کامل ہو اور جو اپنی حیات کا مقصد اطاعت خداوندی ہی کو سمجھتا ہو اور علم و معرفت میں حد درجہ کمال بھی رکھتا ہو۔ اس کی شانِ عبادت کو سطح قرطاس پر کیونکر لایا جا سکتا ہے اور زبان قلم اس کی ترجمانی میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی بلیغ انتہا کاہش و کاوش کے باوجود آپ کی شانِ عبادت کا مظاہرہ نہیں ہو سکا کہ "قد بلغ من العبادۃ مالم یبلغہ احد" "آپ عبادت کی اس منزل پر فائز تھے جس پر کوئی بھی فائز نہیں ہوا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۳۹) اس سلسلہ میں ارباب علم اور صاحبان قلم جو کچھ کہہ اور لکھ سکے ہیں ان میں سے بعض واقعات و حالات یہ ہیں۔

آپ کی حالت وضو کے وقت

وضو نماز کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی پر نماز کا دار و مدار ہوتا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام جس وقت مقدمہ نماز یعنی وضو کا ارادہ فرماتے تھے آپ کے رگ و پے میں خوف خدا کے اثرات نمایاں ہو جاتے تھے۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کا قصد فرماتے تھے اور وضو کے لئے بیٹھتے تھے تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھا۔ یہ حالت بار بار دیکھنے کے بعد ان کے گھر والوں نے پوچھا کہ بوقت وضو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد کیوں پڑ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا تصور کامل اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی جلالت کے رعب سے میرا یہ حال ہو جایا کرتا ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۶۲)

عالم نماز میں آپ کی حالت

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ آپ کو عبادت گذاری میں امتیاز کامل حاصل تھا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے آپ کا سارا بدن زرد رہا کرتا تھا اور خوف خدا میں روتے روتے آپ کی آنکھیں پھول جایا کرتی تھیں اور نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے (اعلام الوری صفحہ ۱۵۳) اور پیشانی پر گھٹے رہا کرتے تھے اور آپ کی ناک کا سرزخمی رہا کرتا تھا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۳۹) علامہ طلحہ بن شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لئے مصلے پر کھڑے ہوا کرتے تھے تو لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے بدن میں کپکپی اور جسم میں تھرتھری کا سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت خدا کی بارگاہ میں ہوتا ہوں اور اس کی

جلالت مجھے ازخود رفتہ کر دیتی اور مجھ پر ایسی حالت طاری کر دیتی ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۲۶) ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ نماز میں مشغول تھے۔ اہل محلہ اور گھر والوں نے بے حد شور مچایا۔ اور حضرت کو پکارا " حضور، آگ لگی ہوئی ہے " مگر آپ نے سر نیاز سجدۂ بے نیاز سے نہ اٹھایا۔ آگ بجھا دی گئی۔ اختتام نماز پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور آگ کا معاملہ تھا۔ ہم نے اتنا شور مچایا لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا " ہاں " مگر جہنم کی آگ کے ڈر سے نماز توڑ کر اس آگ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۷) علامہ شیخ صبان مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کے لئے بیٹھتے تھے تب ہی سے کانپنے لگتے تھے اور جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ خوف خدا سے لاغر ہو جانے کی وجہ سے گر کر بے ہوش ہو جایا کرتے تھے (اسعاف الراغبین برحاشیۂ نور الابصار صفحہ ۲۰۰)

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نماز شب سفر و حضر دونوں میں پڑھا کرتے تھے اور کبھی اسے قضا نہیں ہونے دیتے تھے (مطالب السئول صفحہ ۲۶۳) علامہ محمد باقر بحوالہ بحار الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ایک دن نماز میں مصروف و مشغول تھے کہ امام باقر علیہ السلام کنوئیں میں گر پڑے۔ بچہ کے گہرے کنوئیں میں گرنے سے ان کی ماں بے چین ہو کر رونے لگیں اور کنوئیں کے گرد پیٹ پیٹ کر چکر لگانے لگیں اور کہنے لگیں۔ ابن رسول اللہ، محمد باقر غرق ہو گئے۔ امام زین العابدین نے بچے کے کنوئیں میں گرنے کی کوئی پرواہ نہ کی اور اطمینان سے نماز تمام فرمائی۔ اس کے بعد آپ کنوئیں کے قریب آئے اور آ کر پانی کی طرف دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر بلا رسی کے گہرے کنوئیں سے بچے کو نکال لیا۔ بچہ ہنستا ہوا برآمد ہوا۔ قدرت خداوندی دیکھئے۔ اس وقت نہ بچے کے کپڑے بھیگے تھے اور نہ بدن تر تھا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۳۰۔ مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

امام شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ طاؤس راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب حجر اسود کے قریب جا کر دیکھا کہ امام زین العابدین بارگاہ خالق میں مسلسل سجدہ ریزی کر رہے ہیں۔ میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک سجدہ کو بے حد طول دے دیا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کان لگایا تو سنا کہ آپ سجدہ میں فرماتے ہیں عبدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک۔ یہ سن کر میں نے بھی انہیں کلمات کے ذریعہ سے دعا مانگنی شروع کر دی واللہ الخ خدا کی قسم میں نے جب بھی ان کلمات کے ذریعہ سے دعا مانگی فوراً قبول ہوئی (نور الابصار صفحہ ۱۲۶ طبع مصر، ارشاد مفید صفحہ ۲۹۶)

امام زین العابدین کی شبانہ روز ایک ہزار رکعتیں

علماء کا بیان ہے کہ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۹۔ مطالب السئول صفحہ ۲۶۷) چونکہ آپ کے سجدوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ اسی لئے آپ کے اعضائے سجود "ثفنۂ بعیر" اونٹ کے گھٹے کی طرح ہو جایا کرتے تھے اور سال میں کئی مرتبہ کاٹے جاتے

تھے (الفرع النامی صفحہ ۱۵۸۔ دمعہ ساکبہ، کشف الغمہ صفحہ ۹۰) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقامات سجود کے گھٹے سال میں دو بار کاٹے جاتے تھے اور ہر مرتبہ پانچ تہہ نکلتی تھی (بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳) علامہ دمیری مورخ ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دمشق میں حضرت امام زین العابدین کے نام سے موسوم ایک مسجد ہے جسے "جامع دمشق" کہتے ہیں (حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۱۲۱)

"امام زین العابدین علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہونے سے پہلے"

اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ امام بطن مادر سے امامت کی تمام صلاحیتوں سے بھرپور آتا ہے تاہم فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی وقت ہوتی ہے جب وہ امام زمانہ کی حیثیت سے کام شروع کرے یعنی ایسا وقت آجائے جب کائنات ارضی پر کوئی بھی اس سے افضل و اعلم برتر و اکمل نہ ہو۔ امام زین العابدین اگرچہ وقت ولادت ہی سے امام تھے لیکن فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری آپ پر اس وقت عائد ہوئی جب آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام درجہ شہادت پر فائز ہو کر حیات ظاہری سے محروم ہو گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی جب کہ حضرت علی علیہ السلام امام زمانہ تھے ۲ دو سال ان کی ظاہری زندگی میں آپ نے حالت طفولیت میں ایام حیات گذارے پھر ۵۰ھ تک امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا پھر عاشورا ۶۱ھ تک امام حسین علیہ السلام فرائض امامت کی انجام دہی فرماتے رہے۔ عاشور کی دوپہر کے بعد سے ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہو گئی۔ اس عظیم ذمہ داری سے قبل کے واقعات کا پتہ صراحت کے ساتھ نہیں ملتا۔ البتہ آپ کی عبادت گذاری اور آپ کے اخلاقی کارنامے بعض کتابوں میں ملتے ہیں بہر صورت حضرت علی علیہ السلام کے آخری ایام حیات کے واقعات اور امام حسن علیہ السلام کے حالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے پھر امام حسینؑ کے ساتھ تو ۲۲-۲۳ سال گذارے تھے یقیناً امام حسینؑ کے جملہ معاملات میں آپ نے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ساتھ دیا ہی ہو گا لیکن مقصد حسینؑ کے فروغ دینے میں آپ نے اپنے عہد امامت کے آغاز ہونے پر انتہائی کمال کر دیا۔

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں امام زین العابدینؑ کا شاندار کردار

۲۸ رجب ۶۰ھ کو آپ حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے۔ چار ماہ قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ۲ محرم الحرام کو وارد کربلا ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے آپ علیل ہو گئے اور آپ کی علالت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت تک

اس قابل نہ ہو سکے کہ میدان میں جا کر درجہ شہادت حاصل کرتے۔ تاہم ہر اہم موقع پر آپ نے جذبات نصرت کو بروئے کار لانے کی سعی کی جب کوئی آواز استغاثہ کان میں آئی۔ آپ اُٹھ بیٹھے اور میدان کارزار میں شدت مرض کے باوجود جا پہنچنے کی سعی بلیغ کی۔ امام حسینؑ کے استغاثہ پر تو آپ خیمہ سے باہر بھی نکل آئے اور ایک چوب خیمہ لے کر میدان کا عزم کر دیا۔ ناگاہ امام حسینؑ کی نظر آپ پر پڑ گئی اور انہوں نے جگاہ سے بلقو لے حضرت زینب کو آواز دی "بہن سید سجاد کو روکو۔ ورنہ نسل رسولؐ کا خاتمہ ہو جائے گا۔" حکم امامؑ سے زینب نے سید سجاد کو میدان میں جانے سے روک لیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدوں کا وجود نظر آ رہا ہے اگر امام زین العابدین علیل ہو کر شہید ہونے سے نہ بچ جاتے تو نسل رسول کا خاتمہ ہو جاتا۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ مرض اور علالت کی وجہ سے آپ درجۂ شہادت پر فائز نہ ہو سکے (نور الابصار صفحہ ۱۲۶)

شہادت امام حسینؑ کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپ انہیں خیموں میں سے ایک خیمہ میں بدستور پڑے ہوئے تھے۔ ہماری ہزار جانیں قربان ہو جائیں حضرت زینبؑ پر کہ انہوں نے اہم فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ امام زین العابدین علیہ السلام کے تحفظ کا ادا فرمایا اور امام کو بچا لیا۔ رات گذری اور صبح نمودار۔ دشمنوں نے امام زین العابدین کو اس طرح جھنجھوڑا کہ آپ ہوشمندی پر مجبور ہو گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ ناقوں پر سب کو سوار کرو۔ اور ابن زیاد کے دربار میں چلو۔ سب کو سوار کرنے کے بعد آل محمدؐ کا ساربان، پھوپھیوں، بہنوں اور تمام مخدرات کو لئے ہوئے داخل دربار ہوا حالت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے اور امام لوہے میں جکڑے ہوئے دربار میں پہنچ گئے۔ آپ چونکہ ناقہ کی برہنہ پشت پر سنبھل نہ سکتے تھے۔ اس لئے آپ کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا گیا تھا۔ دربار کوفہ میں داخل ہونے کے بعد آپ اور مخدرات عصمت قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ سات روز کے بعد آپ سب کو لئے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۹ منزلیں طے کر کے تقریباً ۳۶ یوم میں وہاں پہونچے۔ کامل بہائی میں ہے کہ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ کو بدھ کے دن آپ دمشق پہنچے ہیں۔ اللہ رے صبر امام زین العابدین علیہ السلام بہنوں اور پھوپھیوں کا ساتھ اور لب شکوہ پر سکوت کی مہر۔ حدود شام کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پیروں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق آہنی پڑا ہوا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لوگ آپ پر آگ برسا رہے تھے۔ اسی لئے آپ نے بعد واقعہ کربلا ایک سوال کا جواب "الشام الشام الشام" فرمایا تھا (تحفہ حبیبیہ علامہ لبطامی) شام پہونچنے کے کئی گھنٹوں یا دنوں کے بعد آپ آل محمدؐ کو لئے ہوئے سر ہائے شہداء سمیت داخل دربار ہوئے۔ پھر قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ تقریباً ایک سال قید کی مشقتیں جھیلیں۔ قید خانہ بھی ایسا تھا کہ جس میں تمازت آفتابی کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہو گئی تھیں (لہوف) مدت قید کے بعد آپ سب کو لئے ہوئے ۲۰ صفر ۶۲ھ

کو وارد کربلا ہوئے۔ آپ کے ہمراہ سرِ حسینؑ بھی کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اسے اپنے پدر بزرگوار کے جسم مبارک سے ملحق کیا (ناسخ التواریخ) ۸ ربیع الاول ۶۲ھ کو آپ امام حسینؑ کا لٹا ہوا قافلہ لئے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے آہ وزاری اور کمال رنج و غم سے آپ کا استقبال کیا۔ ۱۵ شبانہ روز نوحہ و ماتم ہوتا رہا۔ تفصیلی واقعات کے لئے کتب مقاتل و سیر ملاحظہ کی جائیں۔

اس عظیم واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ زینبؑ کے بال اس طرح سفید ہو گئے تھے کہ جاننے والے انہیں پہچان نہ سکے (احسن القصص صفحہ ۱۸۲ طبع نجف) رباب نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ امام زین العابدینؑ تاحیات گریہ فرماتے رہے (جلاء العیون صفحہ ۲۵۶) اہل مدینہ یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو کر باغی ہو گئے۔ بالآخر واقعہ حرّہ کی نوبت آ گئی۔

امام زین العابدین اور محمد حنفیہ کے درمیان حجر اسود کا فیصلہ

آلِ محمدؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ کے چچا محمد حنفیہ نے بروایت اہل اسلام امام سے خواہش کی کہ مجھے تبرکات امامت دے دو کیونکہ میں بزرگ خاندان اور امامت کا اہل و حقدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حجر اسود کے پاس چلو وہ فیصلہ کر دے گا۔ جب یہ حضرات اس کے پاس پہنچے تو وہ بحکم خدا گویا ہو کر بولا "امامت زین العابدین کا حق ہے"۔ اس فیصلہ کو دونوں نے تسلیم کیا (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۹)

ثبوت امامت میں امام زین العابدین کا کنکری پر مُہر فرمانا

اصول کافی میں ہے کہ ایک عورت جس کی عمر ۱۱۳ سال کی ہو چکی تھی ایک دن امام زین العابدین کے پاس آئی۔ اس کے پاس وہ کنکری تھی جس پر حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ اس کے آتے ہی بلا کہے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ کنکری لا جس پر میرے آباؤ اجداد کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اس پر میں بھی مُہر کر دوں۔ چنانچہ اس نے کنکری دے دی آپ نے اُسے مُہر کر کے واپس کر دی اور اس کی جوانی بھی پلٹا دی وہ خوش و خرم واپس چلی گئی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶)

واقعہ حرّہ اور امام زین العابدین علیہ السلام

مستند تواریخ میں ہے کہ کربلا کے بے گناہ قتل نے اسلام میں ایک تہلکہ ڈال دیا خصوصاً ایران میں ایک قوی جوش پیدا کر دیا جس نے بعد میں بنی عباس کو بنی امیہ کے غارت کرنے میں بڑی مدد دی۔ چونکہ یزید تارک الصلوٰۃ اور شارب الخمر تھا اور بیٹی بہن سے نکاح کرتا اور کتوں سے کھیلتا تھا۔ اس کی ملحدانہ حرکتوں اور امام حسینؑ کے شہید کرنے سے مدینہ میں اس قدر جوش پھیلا کہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی معطلی کا اعلان کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنا کر یزید کے گورنر عثمان بن محمد

بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ ابن غسیل (حنظلہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت تک یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہوگیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑیں گے۔ غضب ہے کہ لوگ ماں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شرابیں پئیں۔ اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو جو خونریزی کی کثرت کے سبب "مسرف" کے نام سے مشہور ہے۔ فوج کثیر دے کر اہل مدینہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے باب الطیبیہ کے قریب مقام "حرہ" پر شامیوں کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کی تعداد شامیوں سے بہت کم تھی۔ باوجودیکہ انہوں نے داد مردانگی دی مگر آخر شکست کھائی۔ مدینہ کے چیدہ چیدہ بہادر رسول اللہ کے بڑے بڑے صحابی انصار و مہاجر اس ہنگامۂ آفت میں شہید ہوئے۔ شامی شہر میں گھس گئے۔ مزارات کو ان کی زینت و آرائش کی خاطر مسمار کر دیا۔ ہزاروں عورتوں سے بدکاری کی۔ ہزار ہا باکرہ کا ازالۂ بکارت کر ڈالا۔ شہر کو لوٹ لیا۔ تین دن قتل عام کرایا۔ دس ہزار سے زائد باشندگان مدینہ جن میں سات سو مہاجر و انصار اور اتنے ہی حاملان و حافظان قرآن و علماء و صلحاء و محدث تھے۔ اس واقعہ میں مقتول ہوئے۔ ہزاروں لڑکے لڑکیاں غلام بنائی گئیں اور باقی لوگوں سے بشرط قبول غلامی یزید کی بیعت لی گئی۔ مسجد نبوی اور حضرت کے حرم محترم میں گھوڑے بندھوائے گئے۔ یہاں تک کہ لید کے انبار لگ گئے۔ یہ واقعہ جو تاریخ اسلام میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے ۲۷ یا ۲۸ ذی الحجہ کو ہوا تھا۔ اس واقعہ پر مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ کفر کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لئے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ بقیہ تمام مدینہ کو یزید کا غلام بنایا گیا جس نے انکار کیا اس کا سر اتار لیا گیا۔ اس رسوائی سے صرف دو آدمی بچے "علی بن الحسین اور علی بن عبداللہ ابن عباس" ان سے یزید کی بیعت بھی نہیں لی گئی۔ مدارس شفا خانے اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں یا تو بند کر دی گئیں یا مسمار، اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔ اس کے چند مدت بعد علی بن الحسینؑ کے پوتے جعفر صادقؑ نے اپنے جد امجد علی مرتضےٰ کا کتب خانہ پھر مدینہ میں جاری کیا۔ مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی۔ مدینہ پھر کبھی نہ سنبھلا۔ بنی امیہ کے عہد میں مدینہ ایسی اجڑی بستی ہوگیا کہ جب منصور عباسی زیارت کو مدینہ میں آیا، تو اسے ایک رہنما کی ضرورت پڑی جو اس کو وہ مکانات بتائے۔ جہاں ابتدائی زمانہ کے بزرگان اسلام رہا کرتے تھے (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۳۶۔ تاریخ ابوالفداء جلد ا صفحہ ۱۹۱۔ تاریخ فخری صفحہ ۸۶۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۹۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲)

واقعہ حرہ اور آپ کی قیام گاہ

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی جگہ

"مینع" نامی تھی جہاں کھیتی باڑی کا کام ہوتا تھا۔ واقعہ حرہ کے موقع پر آپ شہر مدینہ سے نکل کر اپنے گاؤں چلے گئے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵) یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت علیؑ نے عثمان کے عہد میں قیام پذیر تھے (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۱۶)

خاندانی دشمن مروان کے ساتھ آپ کی کرم گستری

واقعہ حرہ کے موقع پر جب مروان نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تباہی اور بربادی کا یقین کر لیا تو عبداللہ ابن عمر کے پاس جا کر کہنے لگا کہ ہماری محافظت کرو۔ حکومت کی نظر میری طرف سے بھی پھری ہوئی ہے میں جان اور عورتوں کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس آیا اور اس نے اپنی اور اپنے بچوں کی تباہی و بربادی کا حوالہ دے کر حفاظت کی درخواست کی حضرت نے یہ خیال کئے بغیر کہ یہ خاندانی ہمارا دشمن ہے اور اس نے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں پوری دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے فرما دیا۔ بہتر ہے کہ اپنے بچوں کو میرے پاس بمقام مینع بھیج دو۔ جہاں میرے بچے رہیں گے۔ تمہارے بھی رہیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو جن میں حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ بھی تھیں آپ کے پاس بھیج گیا اور آپ نے سب کی مکمل حفاظت فرمائی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵)

امام زین العابدین اور مسلم بن عقبہ

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ان ہنگامی حالات میں ایک دن مسلم بن عقبہ نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ ابھی وہ پہنچنے نہ پائے تھے کہ اس نے اپنے پاس کے بیٹھنے والوں سے آپ کی اور آپ کے خاندان کی برائی شروع کی اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا لیکن اللہ رے آپ کا رعب و جلال کہ جونہی آپ اس کے پاس پہنچے وہ بعرض تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ بات چیت کے بعد جب آپ واپس تشریف لے گئے تو کسی نے مسلم سے کہا کہ تو نے اتنی شاندار تعظیم کیوں کی۔ اس نے جواب دیا۔ میں نے قصداً و ارادتاً ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے رعب و جلال کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا ہے (مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۰۵)

امام زین العابدینؑ سے بیعت کا سوال نہ کرنے کی وجہ

مورخین کا اتفاق ہے کہ واقعہ حرہ میں مدینہ کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو یزید کی بیعت نہ کرے اور قتل ہونے سے بچ جائے لیکن امام زین العابدین علیہ السلام بیعت نہ کرنے کے باوجود محفوظ رہے۔ بلکہ اسے یوں کہا جائے کہ آپ سے بیعت طلب ہی نہیں کی گئی علامہ جلال حسینی مصری اپنی کتاب "الحسین" میں لکھتے ہیں کہ یزید کا حکم تھا کہ سب سے بیعت لینا لیکن علی بن الحسین کو نہ چھیڑنا ورنہ وہ بھی سوال بیعت پر حسینی کردار پیش کریں گے اور ایک نیا ہنگامہ

کھڑا ہو جائے گا۔

دشمن ازلی حصین بن نمیر کے ساتھ آپ کی کرم نوازی

مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ ابتدائے ۶۴ھ میں مدینہ سے مکہ کو روانہ ہو گیا۔ اتفاقاً راہ میں بیمار ہو کر وہ گمراہ راہی جہنم ہو گیا۔ مرتے وقت اس نے حصین بن نمیر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی اور اس میں آگ لگا دی۔ اس کے بعد مکمل محاصرہ کر کے عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنا چاہا۔ اس محاصرہ کو چالیس دن گذرے تھے کہ یزید پلید واصل جہنم ہو گیا۔ اس کے مرنے کی خبر سے ابن زبیر نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور وہاں سے بھاگ کر مدینہ جا پہنچا۔

مدینہ کے دوران قیام میں اس ملعون نے ایک دن بوقت شب چند سواروں کو لے کر فوج کے غذائی سامان کی فراہمی کے لیئے ایک گاؤں کی راہ پکڑی۔ راستہ میں اس کی ملاقات حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہو گئی۔ آپ کے ہمراہ کچھ اونٹ تھے جن پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔ اس نے آپ سے وہ غلہ خریدنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے ضرورت ہے تو یونہی لے لے۔ ہم اسے فروخت نہیں کر سکتے (کیونکہ میں اسے فقراء مدینہ کے لیئے لایا ہوں) اس نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "علی بن الحسین" کہتے ہیں پھر آپ نے اس سے نام دریافت کیا تو اس نے کہا۔ میں حصین بن نمیر ہوں۔ اللہ رے، آپ کی کرم نوازی، آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ میرے باپ کے قاتلوں میں سے ہے اسے سارا غلہ مفت دے دیا (اور فقراء کے لیئے دوسرا بندوبست فرمایا) اس نے جب آپ کی یہ کرم گستری دیکھی اور اچھی طرح پہچان بھی لیا تو کہنے لگا کہ یزید کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ سے زیادہ مستحق خلافت کوئی نہیں۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ میں آپ کو تخت خلافت پر بٹھا دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خداوند عالم سے عہد کر چکا ہوں کہ ظاہری خلافت قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر آپ اپنے دولت سرا کو تشریف لے گئے (تاریخ طبری فارسی صفحہ ۶۴۴)

امام زین العابدینؑ اور فقراء مدینہ کی کفالت

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فقراء مدینہ کے سو گھروں کی کفالت فرماتے تھے اور سارا سامان اُن کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ ان میں بہت زیادہ ایسے گھرانے تھے جنہیں آپ یہ بھی معلوم نہ ہونے دیتے تھے کہ یہ سامان خورد و نوش رات کو کون دے جاتا ہے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ بوریاں پشت پر لاد کر گھروں میں روٹی اور آٹا وغیرہ پہونچاتے تھے اور یہ سلسلہ آپ کی تاحیات جاری رہا۔ بعض معترزین کا کہنا ہے کہ ہم نے اہل مدینہ کو یہ

کہتے ہوئے سنا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی زندگی تک ہم خفیہ غذائی رسد سے محروم نہیں ہوئے (مطالب السئول صفحہ ۲۶۵ - نور الابصار صفحہ ۱۲۶)

امام زین العابدین علیہ السلام اور فتنہ ابن زبیر

مورخ ماسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر جو آلِ محمدؐ کا شدید دشمن تھا ۳ھ میں حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی اسماء کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسے خلافت کی بڑی فکر تھی اسی لئے جنگ جمل کا میدان گرم کرنے میں اس نے پوری سعی سے کام لیا تھا۔ یہ شخص انتہائی کنجوس اور بنی ہاشم کا سخت دشمن تھا اور انہیں بہت ستاتا تھا۔ روایت مسعودی اس نے جعفر بن عباس سے کہا کہ میں چالیس برس سے تم بنی ہاشم سے دشمنی رکھتا ہوں۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ۶۱ھ میں مکہ میں اور رجب ۶۴ھ میں ملک شام کے بعض علاقوں کے علاوہ تمام ممالک اسلام میں اس کی بیعت کرلی گئی۔ عقد الفرید اور مروج الذہب میں ہے کہ جب اس کی قوت بہت بڑھ گئی تو اس نے خطبہ میں حضرت علی کی مذمت کی اور چالیس روز تک خطبہ میں درود نہیں پڑھا اور محمد حنفیہ اور ابن عباس اور دیگر بنی ہاشم کو بیعت کے لئے بلایا۔ انھوں نے انکار کیا تو برسر منبر ان کو گالیاں دیں اور خطبہ سے رسول اللہ کا نام نکال ڈالا۔ اور جب اس بارے میں اس پر اعتراض کیا گیا، تو جواب دیا کہ اس سے بنی ہاشم بہت پھولتے ہیں۔ میں دل میں کہہ لیا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے محمد حنفیہ اور ابن عباس کو حبس عارم میں مع پندرہ بنی ہاشم کے قید کر دیا اور لکڑیاں قید خانہ کے دروازے پر چن دیں اور کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو میں آگ لگا دوں گا جس طرح پہلے بنی ہاشم کے انکار بیعت پر لکڑیاں چنوا دی گئی تھیں۔ اتنے میں وہ فوج وہاں پہنچ گئی جسے مختار نے ان کی مدد کے لئے عبداللہ جدلی کی سرکردگی میں بھیجی تھی اور اس نے ان محترم لوگوں کو بچا لیا اور وہاں سے طائف پہنچا دیا (عقد فرید و مسعودی) انہیں حالات کی بنا پر امام زین العابدین علیہ السلام، اکثر فتنۂ ابن زبیر کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ آپ سے ملاقات کروں۔ لیکن چونکہ آپ گھر کے اندر تھے۔ اس لئے سوء ادب سمجھتے ہوئے میں نے آواز نہ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود باہر تشریف لائے اور مجھے ہمراہ لے کر ایک جانب روانہ ہوگئے۔ راستے میں آپ نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ابو حمزہ! میں ایک دن سخت رنج و الم میں اس دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابن زبیر کے فتنہ سے بنی ہاشم کو کیوں کر بچایا جائے کہ اتنے میں ایک شریف اور نفیس غلط کا مول لباس میں ملبوس میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ آخر کیوں پریشان کھڑے ہو واقف ہے کہ اللہ

کہا کہ مجھے فتنۂ ابن زبیر کا غم اور فکر ہے۔ وہ بولے "اے علی ابن الحسین گھبراؤ نہیں، جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے جو اس سے طلب کرتا ہے وہ اسے دیتا ہے یہ کہہ کر وہ مقدس میری نظروں سے غائب ہو گئے اور ہاتف غیبی نے آواز دی "ھذا الخضر ناجاءلٹ" کہ یہ جو آپ سے باتیں کر رہے تھے وہ جناب خضر علیہ السلام تھے (نور الابصار صفحہ ۱۲۹۔ مطالب السئول صفحہ ۲۶۴۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۷۸)

حضرت امام زین العابدینؑ کی اپنے پدر بزرگوار کے قرضے سے سبکدوشی

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قیدخانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچنے کے بعد سے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کے قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں رہا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے ۷۰ ہزار دینار جو حضرت سید الشہداء کا قرضہ ہے۔ میں ادا کر دوں۔ بالآخر آپ نے "چشمہ نحنس" کو جو کہ امام حسینؑ کا بمقام ذی خشیب بنوایا ہوا تھا فروخت کر کے قرضہ کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل فرمائی چشمہ کی فروختگی میں یہ شرط تھی کہ شب شنبہ کو پانی کھینچنے کا حق خریدنے والے کو نہ ہوگا بلکہ اس کی حقدار صرف امام علیہ السلام کی ہمشیرہ ہوں گی (بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۱۶۔ وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۳۴۹ و مناقب مح جلد ۴ صفحہ ۱۱۴)

معاویہ ابن یزید کی تخت نشینی اور امام زین العابدین علیہ السلام

یزید کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابو لیلیٰ، معاویہ بن یزید خلیفہ وقت بنایا گیا۔ وہ اس عہدہ کو قبول کرنے پر راضی نہ تھا کیونکہ وہ فطرتاً حضرت علی کی محبت پر پیدا ہوا تھا اور ان کی اولاد کو دوست رکھتا تھا۔ بروایت حبیب السیر اس نے لوگوں سے کہا کہ میرے لئے خلافت سزاوار اور مناسب نہیں ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں تمہاری رہبری کروں اور بتا دوں کہ یہ منصب کس کے لئے زیبا ہے۔ سنو! امام زین العابدین موجود ہیں ان میں کسی طرح کا کوئی عیب نکالا نہیں جا سکتا۔ وہ اس کے حقدار اور مستحق ہیں۔ تم لوگ ان سے ملو اور انہیں راضی کرو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ اسے قبول نہ کریں گے مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ۶۴ھ میں یزید کے مرنے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت شام میں عبداللہ ابن زبیر کی حجاز اور یمن میں ہو گئی اور عبیداللہ ابن زیاد عراق میں خلیفہ بن گیا۔ معاویہ ابن یزید حلیم و سلیم الطبع جوان صالح تھا وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا اور علی و اولاد علی کو مستحق خلافت سمجھتا تھا (تاریخ اسلام گھر لنے مننے) علامہ معاصر رقم طراز ہیں کہ ۶۴ھ میں یزید مرا تو اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ بنایا گیا اس نے ۴۰ روز اور بقول جاتا ہے۔ آپ کا انتقال کی اس کے بعد خود خلع خلافت کر دیا اور اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا۔
اور یہ سلسلہ آپ کی ناحیہ

اس طرح کہ ایک روز منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کہا "اے لوگو۔ مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں۔ وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھے ناپسند کرتے ہو۔ اس لئے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں مبتلا اور گرفتار ہوں۔ اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو" سُن لو! کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لئے اس بزرگ سے جنگ و جدل کی جو اس خلافت کے لئے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت اس خلافت کے لئے صرف معاویہ ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے اس سبب سے کہ حضرت کو حضرت رسولِ خدا سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔ حضرت کے فضائل بہت تھے۔ خدا کے یہاں حضرت کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرت تمام صحابہ، مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ صاحبِ علم سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے اعلےٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسولِ خدا کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے وہ حضرت رسولِ خدا صلعم کے چچازاد بھائی، حضرت کے داماد اور حضرت کے دینی بھائی تھے۔ جن سے حضرت نے کئی بار مواخات فرمائی۔ جناب حسنینؑ جوانانِ بہشت کے سردار اور اس اُمت میں سب سے افضل اور پروردۂ رسولؐ اور فاطمہ بتولؑ کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت رسالت کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا۔ اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو اس کے ارادہ میں کامیابی ہوئی اور اس کے دنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب اس کی اجل محتوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا۔ تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت و فرعونیت اس نے اختیار کر رکھی تھی ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی۔ تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا۔ اسی ضلالت میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنے اسلام کش باتوں، دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسول کریمؐ کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اس نے اپنے غلط کام کو اچھا سمجھا جس کے بعد اس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ

سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک آمادہ ہوگیا اور حضرت رسول خدا صلعم سے اتنی بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھلی، مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہوگیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے قبر سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں۔ اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کے لئے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اب اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت بھول گئے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ کاش معلوم ہوجاتا کہ وہاں اس نے کیا عذر تراشا اور پھر اس سے کیا کہا گیا۔ وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ میرا گمان تو یہی ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہوگیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا۔ اب میں اپنے ظالم خاندان بنی اُمیہ کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا۔ حالانکہ جو لوگ مجھ پر میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے غضب ناک ہیں۔ ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو۔ میں تم لوگوں کے گناہوں کے بار اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تم لوگوں کی گمراہیوں اور برائیوں کے بار سے لدا ہوا اس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے۔ اسے مجھ سے لے لو اور جسے پسند کرو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی۔ والسلام!

جس منبر پر معاویہ ابن یزید خطبہ کہہ رہا تھا۔ اس کے نیچے مروان بن حکم بھی بیٹھا ہوا تھا خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا " کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے بعد خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کیا تھا۔ تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو۔ اس پر معاویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پاتا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے انہوں نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ "حضرت علیؑ" کی عدالت میں کسی قسم کا شبہہ کسی کو ہو بھی نہیں سکتا کہ اس کو اس سے ہٹا دیا۔ اس وقت سے وہ بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے۔ خدا کی قسم۔ اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت کوئی اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی۔ وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ منبر سے اُتر آیا۔ پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کہ کاش تو حیض ہی میں ختم ہو جاتا اور اس دن کی نوبت نہ آتی۔ معاویہ نے کہا۔ خدا کی قسم! میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد بنی اُمیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معاویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا ہے اور علیؑ و اولاد علیؑ کی محبت اس کے دل میں راسخ کر دی ہے بغرض اس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کئے ان سب کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس کی نظر میں پسندیدہ قرار دے دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا ہے مقصوص نے جواب دیا۔ خدا کی قسم! مجھ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ وہ بچپن ہی سے حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے لیکن ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سنا اور قبر کھود کر اسے زندہ دفن کر دیا (تحریر الشہادتین صفحہ ۱۰۲۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴۔ حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۵۵۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲۲۔ تاریخ آئمہ صفحہ ۳۹۱)

نامور مورخ مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں اس کے بعد بنی اُمیہ نے معاویہ بن یزید کو بھی زہر سے شہید کر دیا اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال ۱۸ یوم کی تھی۔ اس کی خلافت کا زمانہ چار ماہ اور بروایتے چالیس یوم شمار کیا جاتا ہے معاویہ ثانی کے ساتھ بنی اُمیہ کی سفیانی شاخ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مروانی شاخ کی داغ بیل پڑ گئی (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۸) مورخ ابن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد شام میں بنی امیہ نے متفق ہو کر مروان بن حکم کو خلیفہ بنا لیا۔ مروان کی حکومت صرف ایک سال قائم رہی پھر اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ابن مروان خلیفہ وقت قرار دیا گیا۔

عبدالملک ابن مروان اور امام زین العابدین علیہ السلام

۶۵ھ میں مروان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک مصر و شام کا بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ یہ بنی اُمیہ کا اصل نمونہ تھا۔ چونکہ مستعد فریبی اور ایمان سے معرّیٰ تھا۔ وہ عجیب قابلیت کے ساتھ اپنی خلافت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس کی راہ میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور عبداللہ ابن زبیر روڑا تھے۔ ان کے بعد جمادی الثانیہ ۷۳ھ میں عبدالملک ابن مروان تمام ممالک اسلامیہ کا اکیلا بادشاہ بن گیا۔ ابن زبیر سے لڑنے میں چونکہ حجاج بن یوسف اموی جرنیل نے نمایاں کردار پیش کیا تھا۔ اس لئے عبدالملک بن مروان نے اسے حجاز کا گورنر بنا دیا تھا ۷۵ھ میں عبدالملک نے اسے اپنی مشرقی سلطنت عراق، فارس اور سیستان، کرمان اور خراسان کا جس میں کابل اور کچھ حصہ ماوراء النہر کا بھی شامل تھا والسرائے بنا دیا۔ حجاج نے اپنی حجاز کی

گورنری کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں پر جن میں اصحاب رسول بھی تھے بڑے بڑے ظلم کئے عراق میں اپنی بیس برس کی گورنری کے دوران میں اس نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ بندگانِ خدا کا خون بہایا۔ جن میں سے بہت سوں پر جھوٹے الزام اور بہتان لگائے گئے تھے۔ اس کی وفات کے وقت پچاس ہزار مرد و زن زندان میں پڑے ہوئے اس کی جان کو رو رہے تھے۔ مجبل اور بے سقف قیدخانہ اسی کی ایجاد ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ عبدالملک بڑا ظالم اور سفاک تھا اور ایسے ہی اس کے گورنر حجاج عراق میں مہلب۔ خراسان میں ہشام بن اسمٰعیل۔ حجاز اور مغربی عرب میں اس کا بیٹا عبداللہ، مصر میں، حسان بن نعمان مغرب میں۔ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف یمن میں۔ محمد بن مروان جزیرہ میں۔ یہ سب کے سب ظالم اور سفاک تھے اور مسعودی لکھتا ہے کہ بے پروائی سے خون بہانے میں عبدالملک کے عامل اسی کے نقش قدم پر چلتے تھے اور مورخین لکھتے ہیں کہ یہ کنجوس، بے رحم سفاک، وعدہ خلاف، دغا باز اور بے ایمان تھا۔ یہ مطلب برآری کے لئے سب کچھ کیا کرتا تھا۔ اخطل اس کے دربار کا مشہور شاعر اور زہری مشہور محدّث تھا۔ جس نے سب سے اوّل حدیث کی کتاب لکھی (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۴۲) زہری کا اصل نام امام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ، ابن شہاب زہری مدنی شامی تھا۔ یہ تابعی فقیہہ اور محدث تھا ۵۱ھ میں پیدا ہو کر ۱۲۴ھ میں فوت ہوا۔ مدینہ کے نامی محدثوں اور فقیہوں میں سے تھا۔ عبدالملک اور ہشام خلفاء بنی امیہ کی صحبت میں رہا۔ امام مالک کا استاد اور علم حدیث کا مدوّن تھا (تاریخ اسلام جلد ۵ صفحہ ۷۹، ۲۱۹) متعدد علماء نے لکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب مدینہ میں حجاج کے ذریعہ سے تباہی مچائی تھی۔ اسی زمانہ میں عبدالملک ابن مروان نے حکم دے دیا تھا کہ علی ابن حسین کو گرفتار کر کے شام پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ سے باہر ایک خیمہ میں ٹھہرا دیا گیا۔ زہری کا بیان ہے کہ میں انہیں رخصت کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں پر پڑی تو میری آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور میں عرض پرداز ہوا کہ کاش آپ کے بجائے یہ لوہے کے زیورات میں پہن لیتا اور آپ اس سے بری ہوتے۔ آپ نے فرمایا۔ اے زہری! تم میری ہتھکڑی اور بیڑی اور میرے طوق گراں بار کو دیکھ کر گھبرا رہے ہو سنو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۷۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۴۲۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ طبع مصر) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں عبدالملک ابن مروان کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ اے امیر "لیس علی بن الحسین حیث تظن انہ مشغول بربہ" امام زین العابدین علیہ السلام پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں ہے وہ تیری حکومت کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ خالص اللہ والے ہیں۔ اور خدا کے سوا انہیں کسی سے کوئی مطلب

نہیں (مطالب السئول صفحہ ۲۶۴) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ زہری کے تذکرہ کے بعد عبدالملک ابن مروان نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ "ان یجتنب دماء بنی عبد المطلب" کہ بنی ہاشم کو ستانے اور ان کا خون بہانے سے اجتناب اور پرہیز کرے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۹) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے حجاج کو اجتناب کی وجہ بھی لکھی تھی اور وہ یہ تھی کہ بنی امیہ کے اکثر بادشاہ انہیں ستا کر جلد تباہ ہو گئے ہیں۔ (نور الابصار صفحہ ۱۲۷) غرض کہ عبدالملک کے زمانہ میں اس واقعہ کے بعد سے اولاد ابوطالب حجاج کے ہاتھوں سے امان میں رہی (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۱۴۱)

امام زین العابدین علیہ السلام اور بنیاد کعبہ محترمہ و نصب حجر اسود

۷۱ھ میں عبدالملک بن مروان نے عراق پر لشکر کشی کر کے مصعب بن زبیر کو قتل کیا پھر ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ (ابوالفدار) وہاں پہنچ کر حجاج نے ابن زبیر سے جنگ کی۔ ابن زبیر نے زبردست مقابلہ کیا اور بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں ابن زبیر محصور ہو گئے اور حجاج نے ابن زبیر کو کعبہ سے نکالنے کے لیے کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ اسے کھدوا ڈالا۔ ابن زبیر جمادی الآخر ۷۳ھ میں قتل ہوا (تاریخ ابن الوردی) اور حجاج جو خانہ کعبہ کی بنیاد تک خراب کر چکا تھا۔ اس کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ علامہ صدوق کتاب علل الشرائع میں لکھتے ہیں کہ حجاج کے ہدم کعبہ کے موقع پر لوگ اس کی مٹی تک اٹھا کر لے گئے اور کعبہ کو اس طرح لوٹ لیا کہ اس کی کوئی پرانی چیز باقی نہ رہی۔ پھر حجاج کو خیال پیدا ہوا کہ اس کی تعمیر کرانی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے تعمیر کا پروگرام مرتب کر لیا اور کام شروع کرا دیا۔ کام کی ابھی بالکل ابتدائی منزل تھی کہ ایک اژدہا برآمد ہو کر ایسی جگہ بیٹھ گیا جس کے ہٹے بغیر کام آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی۔ حجاج گھبرا اٹھا اور لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ لوگ اس کا حل نکالنے سے قاصر رہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج کل فرزند رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یہاں آئے ہوئے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ ان سے دریافت کرایا جائے یہ مسئلہ ان کے علاوہ کوئی حل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حجاج نے آپ کو زحمت تشریف آوری دی۔ آپ نے فرمایا کہ اے حجاج، تو نے تو خانہ کعبہ کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔ تو نے تو بنائے ابراہیم علیہ السلام کو اکھڑوا کر راستہ میں ڈلوا دیا ہے۔ سن! تجھے خدا اس وقت تک کعبہ کی تعمیر میں کامیاب نہ ہونے دے گا جب تک تو کعبہ کا لٹا ہوا سامان واپس نہ منگائے گا۔ یہ سن کر اس نے اعلان کیا کہ کعبہ سے متعلق جو شئے بھی کسی کے پاس ہو وہ جلد سے جلد اسے واپس کرے۔ چنانچہ لوگوں نے پتھر مٹی وغیرہ جمع کر دی۔

جب سب کچھ جمع ہوگیا تو آپ اس ازدھے کے قریب گئے اور وہ ہٹ کر ایک طرف ہوگیا۔ آپ نے اس کی بنیاد استوار کی اور حجاج سے فرمایا کہ اس کے اوپر تعمیر کراؤ۔ "فلن الث صار البیت مرتفعًا" پھر اسی بنیاد پر خانہ کعبہ کی تعمیر بلند ہوئی۔ کتاب الخرائج والجرائح میں علامہ قطب راوندی لکھتے ہیں کہ جب تعمیر کعبہ اس مقام تک پہنچی جس جگہ حجر اسود نصب کرنا تھا۔ تو یہ دشواری پیش ہوئی کہ جب کوئی عالم، زاہد، قاضی اسے نصب کرتا تھا تو "یتزلزل ویضطرب ولا یستقر" حجر اسود متزلزل اور مضطرب رہتا اور اپنے مقام پر ٹھہرتا نہ تھا۔ بالآخر امام زین العابدین بلائے گئے۔ اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر اسے نصب کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۷) علماء ومؤرخین کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے یزید بن معاویہ ہی کی طرح خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر وغیرہ پھنکوائے تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور عبدالملک بن مروان کا حج

بادشاہِ دنیا عبدالملک بن مروان اپنے عہد حکومت میں اپنے پایۂ تخت سے حج کے لئے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچا اور بادشاہِ دین حضرت امام زین العابدین بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے۔ مناسک حج کے سلسلہ میں دونوں کا ساتھ ہوگیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ آگے آگے چل رہے تھے اور بادشاہ پیچھے چل رہا تھا۔ عبدالملک کو یہ بات ناگوار گذری تو اس نے آپ سے کہا۔ کیا میں نے آپکے باپ کو قتل کیا ہے جو آپ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اس نے اپنی دنیا و آخرت خراب کر لی ہے کیا تو بھی یہی حوصلہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے کچھ مالی سلوک کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے تیرے مال دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے دینے والا خدا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اسی جگہ زمین پر ردائے مبارک ڈال دی اور کعبہ کی طرف اشارہ کرکے کہا "میرے مالک اسے بھر دے" امامؑ کی زبان سے الفاظ کا نکلنا تھا کہ ردائے مبارک موتیوں سے بھر گئی۔ آپ نے اسے راہِ خدا میں دے دیا (دمعہ ساکبہ۔ جنات الخلود صفحہ ۲۳)

بدکار اور ریاکار حاجیوں کی تشکل

امام الحدیث زہری کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس مقام عرفات میں کھڑا حاجیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً میرے منہ سے نکلا کہ مولا کتنے لاکھ حاجی ہیں اور کتنا زبردست شور مچا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ جب میں بالکل نزدیک ہوا تو آپ نے میرے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "اب دیکھو" جب میں نے پھر نظر کی تو مجھے "لکھو کھہا" آدمیوں میں دس ہزار

میں ایک کے تناسب سے انسان دکھائی دیئے۔ باقی سب کے سب بندر، کتے، سور، بھیڑیے اور اسی طرح کے جانور نظر آئے۔ یہ دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سنو، جو صحیح نیت اور صحیح عقیدہ کے بغیر حج کرتے ہیں ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اے زہری نیک نیتی اور ہماری مودۃ و محبت کے بغیر سارے اعمال بے کار ہیں (تفسیر امام حسن عسکری و دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۸)

امام زین العابدینؑ اور ایک مرد بلخی

علامہ شیخ طریحی اور علامہ مجلسی رقم طراز ہیں کہ بلخ کا رہنے والا ایک دوست دار آل محمدؐ ہمیشہ حج کیا کرتا تھا اور جب حج کو آئے تو مدینہ جا کر امام زین العابدین کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا کرتا تھا ایک مرتبہ جب حج سے لوٹا، تو اس کی بیوی نے کہا کہ تم ہمیشہ اپنے امام کی خدمت میں تحفہ تحائف لے جاتے۔ مگر انھوں نے آج تک تم کو کچھ نہ دیا۔ اس نے کہا۔ توبہ کرو۔ تمہارے لیئے یہ کہنا سزاوار نہیں ہے۔ وہ امام زمانہ ہیں وہ مالک دین و دنیا ہیں۔ وہ فرزند رسول صلعم ہیں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئی۔ اگلے سال جب وہ حج سے فراغت حاصل کر کے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور سلام دوست بوسی کے بعد آپ کے پاس بیٹھا تو آپ نے کھانا طلب فرمایا حکم امام سے مجبور ہو کر اس نے معیت میں کھانا کھایا۔ جب دونوں کھانا کھا چکے تو امام کے اس بلخی نے ہاتھ دھلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا تو مہمان ہے یہ تیرا کام نہیں۔ اس نے اصرار کیا۔ اور ہاتھ دھلانے شروع کر دیئے۔ جب طشت بھر گیا تو آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا "پانی" حضرت نے فرمایا۔ نہیں۔ یاقوت احمر ہے۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ طشت یاقوت سرخ سے پر تھا۔ اسی طرح زمرد سبز اور در ابیض سے پر ہو گیا یعنی تین بار ایسا ہی ہوا۔ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لینے لگا۔ حضرت نے فرمایا۔ اسے لیتے جاؤ۔ اپنی بیوی کو دے دینا اور کہنا کہ ہمارے پاس اور کچھ مال دنیا سے نہیں ہے۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر بولا۔ مولا آپ کو ہماری بیوی کی بات کس نے بتا دی۔ امام نے فرمایا۔ ہمیں سب معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ امام علیہ السلام سے رخصت ہو کر بیوی کے پاس پہنچا۔ جواہرات دے کر سارا واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے کہا۔ آئندہ سال میں بھی چل کر زیارت کروں گی۔ جب دوسرے سال بیوی ہمراہ روانہ ہوئی تو راستے میں انتقال کر گئی۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں روتا پیٹتا حاضر ہوا۔ حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا۔ جاؤ۔ تمہاری بیوی زندہ ہو گئی ہے۔ اس نے قیام گاہ پر لوٹ کر اسے زندہ پایا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئی تو کہنے لگی۔ خدا کی قسم۔ انہیں نے مجھے ملک الموت سے کہہ کر زندہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ یہ میری زائرہ ہے۔ میں نے اس کی عمر تیس سال بڑھوا لی ہے (المنتخب و البحار)

امام زین العابدین علیہ السلام اخلاق کی دنیا میں

امام زین العابدین چونکہ فرزند رسول تھے اس لئے آپ میں سیرت محمدیہ کا ہونا لازمی تھا علامہ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی میں نے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو بتا تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر آپ کے اخلاق کا کلمہ پڑھنے لگا (مطالب السئول صفحہ ۲۶۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے آپ کی برائی آپ کے منہ پر کی۔ آپ نے اس سے بے توجہی برتی۔ اس نے مخاطب کر کے کہا۔ میں تم کو کہہ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں حکم خدا "واعرض عن الجاهلین" جاہلوں کی بات کی پرواہ نہ کر۔ پر عمل کر رہا ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) علامہ شبلنی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ فلاں شخص آپ کی برائی کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ جب وہاں پہنچے تو اس سے فرمایا۔ بھائی جو بات تو نے میرے لئے کہی ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو خدا مجھے بخشے۔ اور اگر نہیں تو خدا تجھے بخشے کہ تو نے بہتان لگایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجد سے نکل کر چلے تو ایک شخص آپ کو سخت الفاظ میں گالیاں دینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو میں پوری کروں۔ اچھا لے۔ یہ ۵ ہزار درہم! وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ پر بہتان باندھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں نے اسے طے کر لیا تو پرواہ نہیں جو جی چاہے۔ کہو اور اگر اسے پار نہ کر سکوں تو میں اس سے زیادہ برائی کا مستحق ہوں جو تم نے کی ہے (نور الابصار صفحہ ۱۲۶-۱۲۷) علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ ایک شامی حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہا تھا۔ امام زین العابدین نے فرمایا۔ بھائی، تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ اچھا میرے ساتھ چلو۔ میرے یہاں قیام کرو اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ۔ تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا (حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہی اور بدعتی کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے کہ تم نے اس کی ہم نشینی اور دوستی کا کوئی خیال نہ کیا اور اس کی برائی مجھ سے بیان کر دی۔ دیکھو۔ یہ غیبت ہے اب ایسا کبھی نہ کرنا (احتجاج صفحہ ۳۰۴) جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تھا تو خوش و مسرور ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادِ راہ آخرت اٹھانے کے لئے آ گیا ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۶۳) امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ میں فرماتے ہیں۔ خداوندا، میرا کوئی درجہ نہ بڑھا۔ مگر یہ کہ اتنا ہی خود میرے نزدیک مجھ کو گھٹا اور میرے لئے کوئی ظاہری عزت نہ پیدا کر۔ مگر یہ کہ خود میرے نزدیک اتنی ہی باطنی ذلت پیدا کر دے۔ الخ

امام زین العابدینؑ اور صحیفہ کاملہ

کتاب صحیفۂ کاملہ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے اس میں بے شمار علوم و فنون کے جوہر موجود ہیں یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے (معالم العلماء صفحہ ا طبع ایران) اسے علماء اسلام نے زبور آلِ محمدؐ اور انجیل اہلبیت کہا ہے (ینابیع المودہ صفحہ ۴۹۹ و فہرست کتب خانہ طہران صفحہ ۳۶) اور اس کی فصاحت و بلاغت معانی پر حقیقت کو دیکھ کر اسے کتب سماویہ اور صحف لوحیہ و عرشیہ کا درجہ دیا (ریاض السالکین صفحہ ۱) اس کی چالیس شرحیں ہیں جن میں میرے نزدیک ریاض السالکین کو فوقیت حاصل ہے۔

ہشام بن عبدالملک اور قصیدہ فرزدق

عبدالملک ابن مروان کا ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہونے والا بیٹا ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ گیا۔ مناسک حج بجالانے کے سلسلہ میں طواف سے فراغت کے بعد حجراسود کا بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھا اور پوری سعی کے باوجود کثرت حجاج کی وجہ سے نابہ حجراسود نہ پہنچ سکا۔ آخر کار ایک کرسی پر بیٹھ کر مجمع کے چھٹنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہشام کے گرد اس کے ماننے والوں کا انبوہ کثیر تھا۔ یہ بیٹھا ہوا انتظار ہی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک طرف سے فرزند رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام برآمد ہوئے۔ آپ نے طواف کے بعد جونہی حجراسود کی طرف رُخ کیا۔ مجمع چھٹنے لگا۔ حاجی ہٹنے لگے راستہ صاف ہوا۔ اور آپ قریب پہنچ کر تقبیل فرمانے لگے۔ ہشام جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا حالات کا مطالعہ کر رہا تھا جل بھن کر خاکستر ہو گیا اور اس کے حواری بحر حیرت میں غرق ہو گئے۔ ایک منہ چڑھے نے بڑھ کر ہشام سے پوچھا۔ حضور یہ کون ہے؟ ہشام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر تعارف کرا دیا اور انہیں بتا دیا کہ یہ خاندان رسالتؐ کے چشم و چراغ ہیں تو کہیں میرے ماننے والوں کی نگاہ میری طرف سے پھر کر ان کی طرف نہ مڑ جائے۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر کہنے لگا "ما اعرفہ" میں نہیں پہچانتا۔ یہ سن کر شاعر دربار جناب فرزدق سے نہ رہا گیا اور انہوں نے شامیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا "انا اعرفہ" اسے میں جانتا ہوں کہ یہ کون ہے؟ مجھ سے سنو۔ یہ کہہ کر انہوں نے ارتجالاً اور فی البدیہہ ایک عظیم الشان قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے (ترجمہ) یہ وہ شخص ہے جس کو خانہ کعبہ حل و حرم سب پہچانتے ہیں اور اس کے قدم رکھنے کی جگہ۔ قدم کی چاپ کو زمین بطحا بھی محسوس کر لیتی ہے میں اسی ردیف میں اس قصیدہ اردو منظوم ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں ؎

یہ وہ جانتا ہے مکہ جس کے نقش قدم ۔۔۔ خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرم

جو بہترین خلائق ہے اس کا ہے فرزند
ہے پاک و زاہد و پاکیزہ و بلند حشم

قریش دیکھتے ہیں جب اسے تو کہتے ہیں
بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم

پہونچ گیا ہے یہ عزت کو اس بلندی پر
جہاں پہ جا نہ سکے اسلام کے عرب و عجم

یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکن حلیم
جو چومنے حجر اسود آئے نزد حرم

چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو
وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم

نظر جھکائے ہیں سب یہ حیا سے رعب سے لوگ
جو مسکرائے تو آجائے بات کرنے کا دم

جبیں کے نور ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں
ضیاء مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم!

فضیلت اور نبیوں کی اس کے جد سے ہے پست
تمام امتیں امت سے اس کی رتبہ میں کم

یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسول
اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

یہ فاطمہ کا ہے فرزند" تو نہیں واقف"
اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عزت
چلا اسی کے لئے لوح پر خدا کا قلم

جو کوئی غیظ دلادے تو شیر سے بڑھ جائے
ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان
اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

برستے ابر ہیں ہاتھ اس کے جن کا فیض ہے عام
وہ برسا کرتے ہیں یکساں کبھی نہیں ہوئے کم

وہ نرم خو ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں
ہے حسن خلق اسی کی تو زینت باہم

مصیبتوں میں قبیلوں کے بار اٹھاتا ہے
ہیں جتنے خوب شمائل ہیں اتنے خوب کرم

کبھی نہ اس نے کہا "لا" بجز تشہد کے
اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا "لا" بھی نعم

خلاف وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات
ہے میزبان بھی بعقل وارادہ بھی ہے بہم

تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا
اسی سے اٹھ گیا افلاس رنج وفقر اک دم

محبت اس کی ہے "دین" اور عداوت اس کی ہر کفر
ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم

شمار زاہدوں کا ہو تو پیشوا یہ ہو!
کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں ہم

پہونچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے
سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اس کی گرد قدم

جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابر باراں ہے
جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر!
کہ اس کو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی
اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکر خدا
اسی کے نام سے ہر بات ختم کرتے ہیں ہم

مذمت آنے سے اس کے قریب بھاگتی ہے
کریم خلق ہے ہوتی نہیں سخاوت کم

خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر اسی گھرانے کے احسان سے ہوا نہ ہو خم
خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے
اسی کے گھر سے ملا اُمتوں کو دین بہم

اس قصیدہ کو سن کر ہشام غیظ و غضب سے پیچ تاب کھانے لگا اور اس کا نام درباری شعراء کی فہرست سے نکال کر اسے بمقام عسفان قید کر دیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو جب اس کی قید کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ۱۲ ہزار درہم ان کے پاس بھیجا۔ فرزدق نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے دنیاوی اُجرت کے لیئے یہ قصیدہ نہیں کہا۔ اس سے میں کسب ثواب کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم آل محمدؐ کا یہ اصول ہے کہ جو چیز دے دیتے ہیں پھر اسے واپس نہیں لیتے۔ تم اسے لے لو۔ خدا تمہاری نیت کا اجر عظیم دے گا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ "فقلبها الفرزدق" پھر فرزدق نے اسے قبول کر دیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ مطالب السئول صفحہ ۲۲۶ ارجح المطالب صفحہ ۴۴۳۔ مجانی الادب جلد ۶ صفحہ ۴۲۵۔ وسیلۃ النجات صفحہ ۳۲۰۔ تاریخ احمدی صفحہ ۳۲۸ تاریخ آئمہ صفحہ ۳۷۹۔ حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم۔ رسالہ حقائق لکھنؤ ۴ سنہ)

فرزند رسول امام زین العابدین علیہ السلام اور مختار آل محمدؐ

عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی قاتلان حسین سے بدلہ لینے کے لئے میدان میں نکل آئے علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بیعت کرنی چاہی مگر آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۵۵) علامہ نور اللہ شوستری شہید ثالث تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ حلی نے مختار کو مقبول لوگوں میں شمار کیا ہے۔ امام باقر علیہ السلام نے ان پر نکتہ چینی کرنے سے روکا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے لئے رحمت کی دعا کی ہے (مجالس المومنین صفحہ ۳۴۶) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے ان کی کارگذاری کے سلسلہ میں خدا کا شکر ادا کیا (جلاء العیون)

آپ کوفہ کے رہنے والے تھے جناب مسلم بن عقیل کو آپ ہی نے سب سے پہلے مہمان رکھا تھا۔ آپ کو ابن زیاد نے آل محمدؐ سے محبت کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ وہاں سے چھوٹنے کے بعد آپ نے خون حسین کا بدلہ لینے کا عزم بالجزم کر لیا چنانچہ ۶۶ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ برآمد ہو کر کوفہ کے حاکم بن بیٹھے اور آپ نے کتاب و سنت اور انتقام خون حسین پر بیعت لے کر بڑی مستعدی سے انتقام لینا شروع کیا۔ شمر کو قتل کر دیا۔ خولی کو قتل کر کے آگ میں جلا دیا۔

عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کو قتل کیا (تاریخ ابوالفداء) ملا مبین لکھتے ہیں کہ شمر کو قتل کر کے اس کی لاش کو اسی طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا دیا جس طرح اس نے امام حسین کی لاش کو پامال کیا تھا (وسیلۃ النجات) ۶۷ھ میں ابن زیاد کو گرفتار کرنے کے لئے ابراہیم ابن مالک اشتر کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر موصل بھیجا۔ جہاں کا وہ اس وقت گورنر تھا۔ شدید جنگ کے بعد ابراہیم نے اسے گرفتار کیا اور اس کا سر مختار کے پاس بھیجکر باقی بدن نذر آتش کر دیا (ابوالفداء) پھر مختار کے حکم سے قیس ابن اشعث کی گردن ماری گئی۔ بجدل ابن سلیم (جس نے امام حسین علیہ السلام کی انگلی ایک انگوٹھی کے لئے کاٹی تھی) کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر حکیم ابن طفیل پر تیر بارانی کی گئی۔ اس نے علمدار کربلا حضرت عباس کو قتل کیا تھا۔ اسی کے ساتھ یزید ابن سالک عمران بن خالد۔ عبداللہ بجلی۔ عبداللہ ابن قیس۔ زرعہ ابن شریک صبیح شامی اور سنان بن انس تلوار کے گھاٹ اتارے گئے (حبیب السیر) عمر بن حجاج بھی گرفتار ہو کر قتل ہوا (روضۃ الصفا) منہال بن عمر کا کہنا ہے کہ میں اسی دوران میں حج کے لئے گیا تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا۔ حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا حشر ہوا۔ میں نے کہا۔ وہ تو سالم تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا "خدایا اسے آتش تیغ کا مزہ چکھا۔ جب میں کوفہ واپس آیا اور مختار سے ملا اور ان سے واقعہ بیان کیا تو وہ امام کی مدعا کی تکمیل پر سجدۂ شکر ادا کرنے لگے۔ غرض کہ آپ نے بے شمار قاتلانِ حسین کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ قاضی میبذی نے شرح دیوان مرتضوی میں لکھا ہے کہ مختار آلِ محمدؐ کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کی تعداد اسی ھزار تین سو تین (۸۰۳۰۳) تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ جناب مختار کے سامنے جس وقت ابن زیاد ملعون کا سر رکھا گیا تھا تو ایک سانپ آ کر اس کے منہ میں گھس کر ناک سے نکلنے لگا۔ اسی طرح دیر تک آتا جاتا رہا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مختار نے ابن زیاد کا سر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جس وقت وہ سر پہنچا تو آپ نے شکر خدا ادا کیا اور مختار کو دعائیں دیں۔ مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ اسی وقت سے ان عورتوں نے بالوں میں کنگھی کرنی اور سر میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگانا شروع کیا۔ جو واقعہ کربلا کے بعد سے ان چیزوں کو چھوڑے ہوئے تھیں (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۵۱۔ نور الابصار صفحہ ۱۲۴۔ مجالس المومنین۔ بحار الانوار) غرض کہ جناب مختار نے انتقام خون شہداء لینے کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں کیے۔ بالآخر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو آپ راہی جنت ہو گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام عمر بن عبد العزیز کی نگاہ میں

۸۶ھ میں عبد الملک ابن مروان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبد الملک خلیفہ بنایا گیا۔ یہ حجاج بن یوسف کی طرح نہایت ظالم و جابر تھا۔ اسی کے عہدِ ظلمت میں عمر بن عبد العزیز جو کہ ولید کا چچا زاد بھائی تھا۔ حجاز کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ بڑا منصف مزاج اور فیاض تھا۔ اسی کے عہدِ گورنری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ۸۷ھ میں سرورِ کائنات ؐ کے روضہ کی ایک دیوار گر گئی جب اس کی مرمت کا سوال پیدا ہوا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی مقدس ہستی کے ہاتھ سے اس کی ابتدا کی جائے تو عمر بن عبد العزیز نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہی کو سب پر ترجیح دی (وفاء الوفاء جلد ا صفحہ ۴۸۶)

امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرما رہے تھے لیکن آپ کے روحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہِ وقت ولید بن عبد الملک نے آپ کو زہر دے دیا اور آپ بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء کو درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ مدینہ جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔ علامہ شبلنجی، علامہ ابن حجر، علامہ ابن صباغ مالکی، علامہ سبط ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں کہ "وان الذی سمہ الولید بن عبد الملک" جس نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا۔ وہ ولید بن عبد الملک خلیفہ وقت ہے (نور الابصار صفحہ ۱۲۸۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ فصول المہمہ تذکرہ سبط ابن جوزی۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۴۴۔ مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۳۱۔ ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا ناقہ قبر پر نالہ و فریاد کرتا ہوا تین روز میں مرگیا (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۹) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔

آپ کی اولاد علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۴۴) علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ ان پندرہ اولاد کے نام یہ ہیں (۱) حضرت امام محمد باقرؑ۔ آپ کی والدہ حضرت امام حسنؑ کی بیٹی ام عبد اللہ جناب فاطمہ تھیں۔ (۲) عبد اللہ (۳) حسن (۴) زید (۵) عمر (۶) حسین (۷) عبد الرحمٰن (۸) سلیمان (۹) علی (۱۰) محمد اصغر (۱۱) حسین اصغر (۱۲) خدیجہ (۱۳) فاطمہ (۱۴) علیہ (۱۵) ام کلثوم (ارشاد مفید فارسی صفحہ ۴۰۱)

جناب زید شہید آپ کی اولاد میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ حیثیت جناب زید شہید

کی ہے آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۱ھ میں ہشام بن عبدالملک سے تنگ آکر اپنے ہم نوا تلاش کرنے لگے اوریکم صفر ۱۲۲ھ کو چالیس ہزار کوفیوں سمیت میدان میں نکل آئے۔ عین موقع جنگ میں کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ کوفیوں کے ساتھ چھوڑنے کا سبب امام ابوحنیفہ کی نکث بیعت ہے کیونکہ انہوں نے پہلے جناب زید کی بیعت کی تھی۔ پھر جب ہشام نے آپ کو دربار میں بلا کر امام اعظم کا خطاب دیا تو یہ حکومت کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے زید کی بیعت توڑ دی۔ اسی وجہ سے ان کے تمام ماننے والے انہیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا " رفضتمونی " اے کوفیو! تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اسی فرمانے کی وجہ سے کوفیوں کو رافضی کہا جاتا ہے۔ جہاں اس وقت چند افراد کے سوا کوئی بھی شیعہ نہ تھا۔ سب حضرت عثمان اور امیر معاویہ کے ماننے والے تھے۔ غرضیکہ دورانِ جنگ میں آپ کی پیشانی پر ایک تیر لگا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک خادم آگے بڑھا اور اس نے آپ کو اٹھا کر ایک مکان میں پہونچا دیا۔ زخم کاری تھا۔ کافی علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔ پھر آپ کے خادموں نے خفیہ طور پر آپ کو دفن کر دیا اور قبر پر سے پانی گذار دیا تاکہ قبر کا پتہ نہ چل سکے لیکن دشمنوں نے سراغ لگا کر لاش قبر سے نکال لی اور سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیجنے کے بعد آپ کے جثہ یعنی بدن کو سولی پر لٹکا دیا۔ چار سال تک یہ جسم سولی پر لٹکا رہا۔ خدا کی قدرت تو دیکھئے۔ اس نے مکڑی کو حکم دیا اور اس نے آپ کے عورتین پر گھنا گھنا جالا تان دیا (خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ و حیواۃ الحیوان) چار سال کے بعد آپ کے جسم کو نذر آتش کر کے راکھ دریائے فرات میں بہا دی گئی (عمدۃ المطالب صفحہ ۲۴۸) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ حضرت زید شہید عظیم مناقب و فضائل کے مالک تھے۔ آپ کو "حلیف القرآن" کہا جاتا ہے آپ ہی کی اولاد کو زیدی کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ کا قیام بمقام واسط تھا۔ اس لئے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ زیدی الواسطی لکھتے ہیں۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ ۳۸ھ میں حجاج بن یوسف نے شہر واسط کی بنیاد ڈالی ہے۔ جناب زید کے چار بیٹے تھے جن میں جناب یحییٰ ابن زید کی شجاعت کے کارنامے تاریخ کے اوراق میں سونے کے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ دادھیال کی طرف سے حضرت امام حسینؑ اور ننھیال کی طرف سے جناب محمد بن الحنفیہ کی یادگار تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو محمد بن حنفیہ کی پوتی تھیں۔ نسل رسول میں ہونے کی وجہ سے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے جان کے تحفظ کے لئے یادگار جنگ کی۔ بالآخر ۱۲۵ھ میں آپ شہید ہو گئے۔ پھر ولید بن یزید بن عبدالملک کے حکم سے آپ کا سر کاٹا گیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے گئے۔ اس کے بعد نعش مبارک سولی پر لٹکا دی گئی پھر ایک عرصے کے بعد اسے اتار کر جلایا گیا اور ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا گیا پھر ایک بوری میں رکھ کر کشتی کے ذریعہ سے ایک ایک مٹھی راکھ دریائے فرات کی سطح پر چھڑک دی گئی اس طرح اس فرزند رسول کے ساتھ ظلم عظیم کیا گیا۔

اَبُوجَعفَرُ

حَضرتُ امام محمّد باقرُ

عَلَیہِ السَّلَامُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السلام

ہوا پیدا جہاں میں آج وہ ہم نام پیغمبر — لقب باقر ہے جس کا اور کنیت ابو جعفر
امام المتقین منصوص اور معصوم عالم میں — نبیؐ کا پانچواں نائب ہمارا پانچواں رہبر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں جانشین ہمارے پانچویں امام اور سلسلہ عصمت کی ساتویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ اُم عبد اللہ فاطمہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین تھے۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ و مطالب السئول صفحہ ۲۶۹) آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے یعنی خدا کی طرف سے آپ امام، معصوم اور اپنے عہد امامت میں سب سے عالم اور کائنات میں سب سے افضل تھے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ عبادت علم اور زھد وغیرہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ علم زہد، تقوےٰ، طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن وفضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف انتساب سے ممتاز قرار پائے (مطالب السئول صفحہ ۲۶۹) علامہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ آپ تابعین کے تیسرے طبقہ میں سے تھے اور بہت بڑے عالم، عابد اور ثقہ تھے۔ ابن شہاب زہری اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ فقیہہ لکھا ہے فقہا کی بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی ہے۔ عطاء کا بیان ہے کہ علماء کو از روئے علم کسی کے سامنے اس قدر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح سے کہ وہ اپنے آپ کو امام محمد باقر علیہ السلام کے روبرو سمجھتے تھے۔ میں نے حکم جیسے عالم کو ان کے سامنے سپر انداختہ دیکھا ہے (ارجح المطالب صفحہ ۴۴۶) صاحب روضۃ الصفاء کا کہنا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فضائل لکھنے کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ خواجہ محمد پارسا لکھتے ہیں کہ "امام بارع مجمع جلالۃ وکمالہ" آپ عظیم الشان امام اور پیشوا

اور مع صفات جلال و کمال ہیں (فصل الخطاب)

آپ کی ولادت باسعادت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بتاریخ یکم رجب المرجب ۵۷ھ یوم جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (اعلام الوری صفحہ ۱۵۵ وجلاء العیون صفحہ ۲۶۰۔ جنات الخلود صفحہ ۲۵) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے تو آباء و اجداد کی طرح آپ کے گھر میں آوازِ غیب آنے لگی اور جب نو ماہ ہوئے تو فرشتوں کی بے انتہا آوازیں آنے لگیں اور شب ولادت ایک نور ساطع ہوا۔ ولادت کے بعد قبلہ رُو ہو کر آسمان کی طرف رُخ فرمایا۔ اور (آدمؑ کی مانند) تین بار چھینکنے کے بعد حمد خدا بجا لائے۔ ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع رہا۔ آپ ختنہ کردہ، ناف بریدہ، تمام آلائشوں سے پاک اور صاف متولد ہوئے (جلاء العیون صفحہ ۲۵۹)

اسم گرامی، کنیت اور القاب آپ کا اسم گرامی "لوح محفوظ" کے مطابق اور سرور کائناتؐ کی تعیین کے موافق "محمد" تھا۔ آپ کی کنیت "ابوجعفر" تھی اور آپ کے القاب کثیر تھے۔ جن میں باقر، شاکر، ہادی زیادہ مشہور ہیں (مطالب السئول صفحہ ۲۶۹۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱)

باقر کی وجہ تسمیہ باقر، بقرہ سے مشتق اور اسی کا اسم فاعل ہے۔ اس کے معنی شق کرنے اور وسعت دینے کے ہیں (المنجد صفحہ ۴۱) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس لقب سے اس لئے ملقب کیا گیا کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور حقائق احکام و حکمت و الطائف کے وہ سربستہ خزانے ظاہر فرما دیئے جو سب پر ظاہر و ہویدا نہ تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰۔ مطالب السئول صفحہ ۲۶۹۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱) جوہری نے اپنی صحاح میں لکھا ہے کہ "توسع فی العلم" کو بقرہ کہتے ہیں۔ اسی لئے امام محمد بن علی کو باقر سے ملقب کیا جاتا ہے۔ علامہ سبط ابن جوزی کا کہنا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے چونکہ آپ کی پیشانی وسیع تھی اس لئے آپ کو باقر کہا جاتا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جامعیت علمیہ کی وجہ سے آپ کو یہ لقب دیا گیا ہے۔ شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام محمد باقر علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کر دیں گے جس طرح زراعت کے لئے زمین شگافتہ کی جاتی ہے (مجالس المومنین صفحہ ۱۱۷)

بادشاہان وقت آپ ۵۷ھ میں معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد میں پیدا ہوئے ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ بادشاہ وقت رہا۔ ۶۴ھ میں معاویہ بن یزید اور مروان بن حکم بادشاہ رہے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت رہا۔

پھر ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک ولید بن عبد الملک نے حکمرانی کی۔ اسی نے ۹۵ھ میں آپ کے والد ماجد کو درجۂ شہادت پر فائز کر دیا۔ اسی ۹۵ھ سے آپ کی امامت کا آغاز ہوا اور ۱۱۴ھ تک آپ فرائض امامت ادا فرماتے رہے۔ اسی دوران میں ولید بن عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید ابن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک بادشاہِ وقت رہے (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۶)

واقعۂ کربلا میں امام محمد باقر علیہ السلام کا حصہ

آپ کی عمر ابھی دو ڈھائی سال کی تھی کہ آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ وطن عزیز مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا۔ پھر مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کربلا تک کی صعوبت سفر برداشت کرنا پڑی۔ اس کے بعد واقعہ کربلا کے مصائب دیکھے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کا حال دیکھا۔ ایک سال شام میں قید رہے۔ پھر وہاں سے چھوٹ کر ۸ ربیع الاول ۶۲ھ کو مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ کی عمر چار سال ہوئی تو آپ ایک دن کنوئیں میں گر گئے لیکن خدا نے آپ کو ڈوبنے سے بچا لیا اور جب آپ پانی سے برآمد ہوئے تو آپ کے کپڑے اور آپ کا بدن تک بھیگا ہوا نہ تھا (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جابر بن عبد اللہ انصاری کی باہمی ملاقات

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری زندگی کے اختتام پر امام محمد باقر کی ولادت سے تقریباً ۴۶ سال قبل جابر بن عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے امام محمد باقر علیہ السلام کو سلام کہلایا تھا۔ امام علیہ السلام کا یہ شرف اس درجہ ممتاز ہے کہ آلِ محمدؐ میں سے کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا (مطالب السؤل صفحہ ۲۷۲)

مؤرخین کا بیان ہے کہ سرور کائنات ایک دن اپنی آغوش مبارک میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو لئے ہوئے پیار کر رہے تھے کہ ناگاہ آپ کے صحابی خاص جابر بن عبد اللہ حاضر ہوئے حضرت نے جابر کو دیکھ کر فرمایا۔ اے جابر، میرے اس فرزند کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو علم و حکمت سے بھرپور ہوگا۔ اے جابر، امید ہے کہ تم اس کا زمانہ پاؤ گے اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک وہ سطح ارض پر آنہ جائے۔ اے جابر، دیکھو، جب تم اس سے ملنا تو اسے میرا سلام کہہ دینا۔ جابر نے اس خبر اور اس پیشگوئی کو کمال مسرت کے ساتھ سنا اور اسی وقت سے اس بہجت آفریں ساعت کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک

کہ چشم انتظار پتھرا گئیں اور آنکھوں کا نور جاتا رہا۔ جب تک آپ بینا تھے ہر مجلس و محفل میں تلاش کرتے رہے اور جب نور نظر جاتا رہا تو زبان سے پکارنا شروع کر دیا۔ آپ کی زبان پر جب ہر وقت امام محمد باقر کا نام رہنے لگا تو لوگ یہ کہنے لگے کہ جابر کا دماغ ضعف پیری کی وجہ سے از کار رفتہ ہو گیا ہے لیکن بہر حال وہ وقت آہی گیا کہ آپ پیغام احمدی اور سلام محمدی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم جناب جابر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام بھی تھے۔ امام علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا کہ چچا جابر بن عبداللہ انصاری کے سر کا بوسہ دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل ارشاد کیا۔ جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ ابن رسول اللہ آپ کو آپ کے جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام فرمایا ہے۔ حضرت نے کہا۔ اے جابر ان پر اور تم پر میری طرف سے بھی سلام ہو۔ اس کے بعد جابر بن عبداللہ انصاری نے آپ سے شفاعت کے لئے ضمانت کی درخواست کی۔ آپ نے اسے منظور فرمایا اور کہا کہ میں تمہارے جنت میں جانے کا ضامن ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ وسیلۃ النجات صفحہ ۳۳۸۔ مطالب السئول صفحہ ۲۷۳۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۳۔ رجال کشی صفحہ ۲۷ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۶۔ مجالس المومنین صفحہ ۱۱۷۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "ان بقاءک بعد رؤیتہ یسیر" اے جابر میرا پیغام پہنچانے کے بعد بہت تھوڑا زندہ رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (مطالب السئول صفحہ ۲۷۳)

سات سال کی عمر میں امام محمد باقر کا حج خانہ کعبہ

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں حج کے لئے جا رہا تھا۔ راستہ پُرخطر اور انتہائی تاریک تھا۔ جب میں لق و دق صحرا میں پہونچا تو ایک طرف سے کچھ روشنی کی کرن نظر آئی۔ میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ ایک سات سال کا لڑکا میرے قریب آ پہونچا۔ میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے اور آپ کے پاس زاد راہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ سنو، میں خدا کی طرف سے آ رہا ہوں اور خدا کی طرف جا رہا ہوں۔ میرا "زاد راہ" تقویٰ ہے۔ میں عربی النسل قریشی خاندان کا علوی نژاد ہوں۔ میرا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے یا زمین میں سما گئے۔

(شواہد النبوت صفحہ ۱۸۳)

حضرت امام محمد باقرؑ اور اسلام میں سکے کی ابتدا

مورخ شہیر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی صلاح سے اسلامی سکہ جاری کیا۔ اس سے پہلے روم و ایران کا سکہ اسلامی ممالک میں بھی جاری تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل علامہ دمیری کے حوالہ سے یہ ہے کہ ایک دن علامہ کسائی سے خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے پوچھا کہ اسلام میں درہم و دینار کے سکے کب اور کیونکر رائج ہوئے انہوں نے کہا کہ سکوں کا اجراء خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا ہے لیکن اس کی تفصیل سے ناواقف ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے اجراء اور ایجاد کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بات یہ ہے کہ زمانہ سابق میں جو کاغذ وغیرہ ممالک اسلامیہ میں مستعمل ہوتے تھے۔ وہ مصر میں تیار ہوا کرتے تھے جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت تھی اور وہ تمام کے تمام بادشاہ روم کے مذہب پر تھے۔ وہاں کے کاغذ پر جو ضرب یعنی (ٹریڈ مارک) ہوتا تھا۔ اس میں بزبان رُوم داب۔ ابن۔ روح القدس لکھا ہوتا تھا "فلم یزل ذالک کذالک فی صدر الاسلام کلہ یمضی علیٰ ما کان علیہ الخ) اور یہی چیز اسلام میں جتنے دور گذرے تھے۔ سب میں رائج تھی۔ یہاں تک کہ جب عبدالملک بن مروان کا زمانہ آیا تو چونکہ وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا لہذا اس نے ترجمہ کرا کے گورنر مصر کو لکھا کہ تم رُومی ٹریڈ مارک کو موقوف و متروک کردو۔ یعنی کاغذ کپڑے وغیرہ جو اب تیار ہوں ان میں یہ نشانات نہ لگنے دو۔ بلکہ ان پر یہ لکھوادو شھد اللّٰہ انہٗ لا الٰہ الا ھو۔" چنانچہ اس حکم پر عمل درآمد کیا گیا۔ جب اس نئے مارک کے کاغذوں کا جن پر کلمہ توحید ثبت تھا۔ رواج پایا تو قیصر روم کو بے انتہا ناگوار گذرا۔ اس نے تحفے تحائف بھیج کر عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت کو لکھا کہ کاغذ وغیرہ پر جو "مارک" پہلے تھا، وہی بدستور جاری کردو۔ عبدالملک نے ہدایا لینے سے انکار کردیا اور سفیر تحائف و ہدایا سمیت واپس بھیج دیا اور اس کے خط کا جواب تک نہ دیا۔ قیصر روم نے تحائف کو دوگنا کرکے پھر بھیجا اور لکھا کہ تم نے میرے تحائف کو کم سمجھ کر واپس کردیا۔ اس لئے اب اضافہ کرکے بھیج رہا ہوں اسے قبول کرلو اور کاغذ سے "نیا مارک" ہٹا دو۔ عبدالملک نے پھر ہدایا واپس کردیا اور مثل سابق کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد قیصر روم نے تیسری مرتبہ خط لکھا اور تحائف و ہدایا بھیجے اور خط میں لکھا کہ تم نے میرے خطوط کے جوابات نہیں دئیے اور نہ میری بات قبول کی۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اب بھی رومی ٹریڈ مارک کو از سرِ نو رواج نہ دیا اور توحید کے جملے کاغذ سے

نہ ہٹائے تو میں تمہارے رسول کو گالیاں سکہ درہم و دینار پر نقش کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دوں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے۔ دیکھو اب جو میں نے تم کو لکھا ہے، اسے پڑھ کر "ارفض جبینك عرقا" اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو۔ اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو رشتہ محبت قائم ہے بدستور باقی رہے۔

عبدالملک ابن مروان نے جس وقت اس خط کو پڑھا اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے اور نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ اس نے کمال اضطراب میں علماء فضلاء اہل الرائے اور ریاست دانوں کو فوراً جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ کوئی ایسی بات سوچو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یا سراسر اسلام کامیاب ہو جائے۔ سب نے سر جوڑ کر بہت دیر تک غور کیا لیکن کوئی ایسی رائے نہ دے سکے جس پر عمل کیا جا سکتا۔ "فلم یجد عند احد منهم رائیا یعمل بہ" جب بادشاہ ان کی کسی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا تو اور زیادہ پریشان ہوا۔

اور دل میں کہنے لگا۔ میرے پالنے والے اب کیا کروں۔ ابھی وہ اسی تردد میں بیٹھا تھا کہ اس کا وزیر اعظم "ابن زنباع" بول اٹھا۔ بادشاہ تو یقیناً جانتا ہے کہ اس اہم موقع پر اسلام کی مشکل کشائی کون کر سکتا ہے لیکن عمداً اس کی طرف رخ نہیں کرتا۔ بادشاہ نے کہا "ویحك من" خدا تجھے سمجھے، بتا تو سہی وہ کون ہے؟ وزیر اعظم نے عرض کی "علیك بالباقر من اهل بیت النبی" میں فرزند رسول امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہی اس آڑے وقت میں تیرے کام آ سکتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان نے جونہی آپ کا نام سنا "قال صدقت" کہنے لگا۔ خدا کی قسم، تم نے سچ کہا اور صحیح رہبری کی ہے۔

اس کے بعد اسی وقت فوراً اپنے عامل مدینہ کو لکھا کہ اس وقت اسلام پر ایک سخت مصیبت آ گئی ہے اور اس کا دفع ہونا امام محمد باقر علیہ السلام کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا جس طرح ہو سکے انہیں راضی کر کے میرے پاس بھیج دو۔ دیکھو اس سلسلہ میں جو مصارف ہوں گے وہ بذمہ حکومت ہوں گے۔

عبدالملک نے درخواست طلبی مدینہ ارسال کرنے کے بعد شاہ روم کے سفیر کو نظر بند کر دیا اور حکم دیا کہ جب تک میں اس مسئلہ کو حل نہ کر سکوں اسے پایۂ تخت سے جانے نہ دیا جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عبدالملک بن مروان کا پیغام پہونچا اور آپ فوراً عازم سفر ہو گئے اور عامل مدینہ سے فرمایا کہ چونکہ اسلام کا کام ہے لہٰذا میں اپنے تمام کاموں

پر سفر کو ترجیح دیتا ہوں۔ الغرض آپ وہاں سے روانہ ہو کر عبدالملک کے پاس جا پہونچے۔ بادشاہ چونکہ سخت پریشان تھا۔ اس لئے اس نے آپ کے استقبال کے فوراً بعد عرضِ مدعا کر دیا۔ امام علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا "لا یعظم ھذا علیک فانہ لیس بشیء" اے بادشاہ، گھبراؤ نہیں یہ تو بہت ہی معمولی بات ہے۔ میں اسے ابھی ابھی چٹکی بجاتے حل کئے دیتا ہوں۔ بادشاہ سُن! مجھے بعلم امامت معلوم ہے کہ خدائے قادر و توانا قیصرِ روم کو اس فعل قبیح پر قدرت ہی نہ دے گا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اس نے تیرے ہاتھوں میں اس سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت دے رکھی ہے۔ بادشاہ نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! وہ کون سی طاقت ہے جو مجھے نصیب ہے اور جس کے ذریعہ سے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اسی وقت حکاک اور کاریگروں کو بلاؤ اور ان سے درہم و دینار کے سکے ڈھلواؤ اور ممالک اسلامیہ میں رائج کر دو۔ اس نے پوچھا کہ ان کی کیا شکل وصورت ہوگی اور وہ کس طرح ڈھلیں گے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سکہ کے ایک طرف کلمۂ توحید، دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام نامی اور ضرب سکہ کا سن لکھا جائے۔ اس کے بعد اس کے اوزان بتائے۔ آپ نے کہا کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں دوسرے سمری خفاف جو چھ مثقال کے دس ہوتے ہیں تیسرے پانچ مثقال کے دس۔ یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے اس کو تین پر تقسیم کرنے پر حاصل تقسیم ۷ مثقال ہوئے اسی ۷ مثقال کے دس درہم بنوا اور اسی سات مثقال کی قیمت سونے کے دینار تیار کر جس کا خوردہ دس درہم ہو، سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں ہے اس لئے اسی فارسی میں رہنے دیا جائے اور دینار کا سکہ رُومی حرفوں میں ہے لہذا اسے رُومی ہی حرفوں میں کندہ کرایا جائے اور ڈھالنے کی مشین (سانچہ) شیشے کا بنوایا جائے تاکہ سب ہم وزن تیار ہوسکیں۔

عبدالملک نے آپ کے حکم کے مطابق تمام سکے ڈھلوا لئے اور سب کام درست کر لیا۔ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ امرہٗ محمد بن علیؑ "آپ نے حکم دیا کہ ان سکوں کو تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دے اور ساتھ ہی ایک سخت حکم نافذ کر دے جس میں یہ ہو کہ اسی سکہ کو استعمال کیا جائے اور رومی سکے خلاف قانون قرار دے دیئے گئے۔ اب جو خلاف ورزی کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی اور بوقت ضرورت اسے قتل بھی کیا جا سکے گا۔

عبدالملک بن مروان نے تعمیل ارشاد کے بعد سفیر رُوم کو رہا کر کے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہنا کہ ہم نے اپنے سکے رائج کر دیئے اور تمہارے سکے کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اب تم سے جو ہو سکے۔ کر لو۔

سفیر روم یہاں سے رہا ہو کر جب اپنے قیصر کے پاس پہونچا اور اس سے ساری داستان بتائی۔ تو وہ حیران رہ گیا۔ اور سر ڈال کر دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ لوگوں نے کہا۔ بادشاہ تُو نے جو یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے پیغمبر کو سکوں پر گالیاں کندہ کردوں گا۔ اب اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ اب گالیاں کندا کر کے کیا کروں گا۔ اب تو ان کے ممالک میں میرا سکہ ہی نہیں چل رہا۔ اور لین دین ہی نہیں رہا۔ (حیواۃ الحیوان دمیری المتوفی ۸۰۸ھ جلد ۱ صفحہ ۶۳ طبع مصر ۱۳۵۶ھ)

ولید بن عبدالملک کی آلِ محمدؐ پر ظلم آفرینی

تاریخ ابو الفداء میں ہے کہ ۸۶ھ میں ولید بن عبدالملک ابن مروان خلیفہ مقرر ہوا۔ تاریخ کامل میں ہے کہ ۹۱ھ میں اس نے حج کعبہ ادا کیا۔ مورخین اسلام کا بیان ہے کہ جب ولید بن عبدالملک حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا تو ایک دن منبر رسول پر خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر حضرت امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنےٰ پر پڑی جو خانہ جناب سیدہؑ میں بیٹھے ہوئے آئینہ دیکھ رہے تھے خطبہ سے فراغت کے بعد اس نے عمر بن عبدالعزیز کو طلب کر کے کہا کہ تم نے حسنؑ بن حسن مثنےٰ وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا اور کیوں نہ ان کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پھر ان لوگوں کو یہاں دیکھوں۔ ضرورت ہے کہ یہ مکان ان سے خالی کرالیا جائے اور اسے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ حسن مثنیٰ اور فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام اور ان کی اولاد نے گھر چھوڑنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ پھر لوگوں نے زبردستی اسباب نکال کر پھینکنا اور اسے اجاڑنا شروع کر دیا۔ مجبوراً یہ حضرات مخدرات عالیات سمیت روز روشن میں گھر سے نکل کر بیرون مدینہ سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کا واقعہ جناب حفصہ کے مکان کا بھی پیش آیا جو اولاد حضرت عمر کے قبضے میں تھا۔ چنانچہ جب ان سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو انہوں نے منظور نہ کیا اور اس کی قیمت بھی قبول نہ کی۔ حجاج بن یوسف اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ اس نے چاہا کہ مکان کو گرا دے۔ مگر جب اس بات کی اطلاع ولید بن عبدالملک کو ہوئی تو اس نے عمر بن عبدالعزیز عامل مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن خطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرو اور ان کا اکرام ملحوظِ خاطر رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں تو ان کے رہنے کے لیے مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو۔ اور ان کی آمد و رفت کے

لئے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہتے دو۔ (کتاب جذب القلوب صفحہ ۱۷۳ ۔ و وفاء الوفا جلد ۱ صفحہ ۳۶۳)

آپ کے والد ماجد کی وفات حسرت آیات جب آپ کی عمر تقریباً ۳۸ سال کی ہوئی تو ولید بن عبد الملک نے آپ کے والد ماجد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو ۹۵ھ میں زہر دغا سے شہید کر دیا۔ آپ نے فرائض تجہیز و تکفین سرانجام دئے۔ آپ ہی نے نماز پڑھائی۔ ملا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے اپنے آپ کو اپنا وصی مقرر فرمایا۔ کیونکہ آپ ہی تمام اولاد میں افضل وارفع تھے۔ علماء کا بیان ہے کہ اپنے والد ماجد کی ظاہری وفات کے بعد آپ امام زمانہ قرار پائے اور آپ پر امامت کے فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری عائد ہو گئی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی حیثیت

کسی معصوم کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالنی بہت دشوار ہے کیونکہ معصوم اور امام زمانہ کو علم لدنی ہوتا ہے وہ خدا کی بارگاہ سے علمی صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتا ہے حضرت امام باقر علیہ السلام چونکہ امام زمانہ اور معصوم ازلی تھے۔ اس لئے آپ کے علمی کمالات، علمی کارنامے اور آپ کی علمی حیثیت کی وضاحت ناممکن ہے۔ تاہم میں ان واقعات میں سے منتے از خروارے لکھتا ہوں جن پر علماء عبور حاصل کر سکتے ہیں۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت کا خود ارشاد ہے کہ "علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شیٔ" ہمیں طائروں تک کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے (مناقب شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱)

روضۃ الصفا میں ہے، بخدا سوگند کہ ما خازنان خدائیم در آسمان و زمین الخ خدا کی قسم! ہم زمین اور آسمان میں خداوند عالم کے خازن علم ہیں اور ہم ہی شجرۂ نبوت اور معدن حکمت ہیں۔ وحی ہمارے یہاں آتی رہی اور فرشتے ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ظاہری ارباب اقتدار ہم سے جلتے اور حسد کرتے ہیں۔ لسان الواعظین میں ہے کہ ابو مریم عبد الغفار کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ (۱) مولا، کون سا اسلام بہتر ہے۔ فرمایا جس سے اپنے برادر مومن کو تکلیف نہ پہونچے (۲) کون سا خلق بہتر ہے۔ فرمایا۔ صبر اور معاف کر دینا (۳) کون سا مومن

کامل تر ہے۔ فرمایا۔ جس کے اخلاق بہتر ہوں (۴) کون سا جہاد بہتر ہے۔ فرمایا۔ جس میں اپنا خون بہہ جائے (۵) کون سی نماز بہتر ہے۔ فرمایا۔ جس کا قنوت طویل ہو (۶) کون سا صدقہ بہتر ہے۔ فرمایا۔ جس میں نافرمانی سے نجات ملے (۷) بادشاہان دنیا کے پاس جانے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا۔ میں اچھا نہیں سمجھتا (۸) پوچھا کیوں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ بادشاہوں کے پاس کی آمدورفت سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) محبت دنیا (۲) فراموشی مرگ (۳) قلت رضاء خدا (۹) پوچھا پھر میں نہ جاؤں۔ فرمایا۔ میں ترک دنیا سے منع نہیں کرتا۔ البتہ طلب معاصی سے روکتا ہوں۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور اس کی شہرت عامہ ہے کہ آپ علم و زہد اور شرف میں ساری دنیا سے فوقیت لے گئے ہیں۔ آپ سے علم القرآن، علم الآثار، علم السنن اور ہر قسم کے علوم، حکم، آداب وغیرہ میں کوئی بھی فوق نہیں گیا۔ حتےٰ کہ آلِ رسول میں بھی آپ کے برابر ان علوم کے مظاہرہ میں کوئی نہیں ہوا۔ بڑے بڑے صحابہ اور نمایاں تابعین اور عظیم القدر فقہاء آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے رہے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر بن عبداللہ انصاری کے ذریعہ سے سلام کہلایا تھا اور اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہ میرا فرزند "باقر العلوم" ہوگا۔ علم کی گتھیوں کو اس طرح سلجھائے گا کہ دنیا حیران رہ جائے گی (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۷۔ علامہ شیخ مفید، علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ علم دین علم احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن وعلم السیرت وعلوم وفنون ادب وغیرہ کے ذخیرے جس قدر امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسینؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب الارشاد صفحہ ۲۸۶۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۱ وارجح المطالب صفحہ ۴۴۷۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی فیوض وبرکات اور کمالات واحسانات سے اس شخص کے علاوہ جس کی بصیرت زائل ہوگئی ہو جس کا دماغ خراب ہوگیا ہو اور جس کی طینت وطبیعت فاسد ہوگئی ہو کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ "باقر العلوم" علم کے پھیلانے والے اور جامع العلوم ہیں۔ آپ ہی علوم ومعارف میں شہرت عامہ حاصل کرنے اور اس کے مدارج بلند کرنے والے ہیں۔ آپ کا دل صاف، علم وعمل روشن وتابندہ، نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپ کے کل اوقات اطاعت خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔ عارفوں کے قلوب میں آپ کے آثار راسخ اور گہرے نشانات نمایاں ہوگئے تھے جن کے بیان کرنے سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گونگی اور عاجز وماندہ ہیں۔ آپ کے زہد وتقویٰ۔ آپ کے علوم ومعارف، آپ کے عبادات، ریاضات اور آپ کے ہدایات وکلمات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصی اس کتاب صواعق محرقہ میں ناممکن ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ علامہ زماں اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ علوم میں بڑے متبحر اور وسیع الاطلاع تھے (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۴۵۰) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بنی ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے "باقر" مشہور تھے آپ علم کی تہہ تک پہنچ گئے تھے اور آپ نے اس کی دقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱) علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی تذکرے دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی مدح وثنا میں بکثرت شعر لکھے گئے۔ مالک جہنی نے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

ترجمہ:۔ جب لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا۔ کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور اگر فرزند رسولؐ امام محمد باقرؑ کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو بے حد وحساب مسائل وتحقیقات کے ذخیرے مہیا کردیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو ہر قسم کی تاریکیوں میں چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے لوگ راستے پاتے ہیں ــــــ (الاتحاف صفحہ ۵۲ وتاریخ الائمہ صفحہ ۴۱۳) علامہ ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ صرف ایک راوی محمد بن مسلم نے آپ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں (مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱)

آپ کے بعض علمی ہدایات وارشادات

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ملا، تو آپ نے فرمایا۔ اے جابر! میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں۔ کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو۔ وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا، چھوڑی ہوئی سواری، اتارا ہوا کپڑا، اور استعمال کی ہوئی عورت ہے۔ مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی چیزوں کی وجہ سے نور خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مومن کو تقوے اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔ سنو دنیا ایک سرائے فانی ہے "نزلت بہ دار تحلت منہ" اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج آئے اور کل گئے اور دنیا ایک خواب ہے جو کمال کے مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تکبر بہت بری چیز ہے۔ یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا۔ اسی قدر اس کی عقل گھٹے گی۔ کمینے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے۔ ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کے مرنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ ایک ہزار عابد سے وہ عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے فائدہ پہنچا رہا ہو۔ میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں۔ آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے۔ رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رخسار پہ آنسو جاری ہوں

وہ ذلیل نہیں ہوتا ـــــ سستی اور زیادہ تیزی برائیوں کی کنجی ہے ـــــ خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں ـــــ دعا سے قضا بھی ٹل جاتی ہے ـــــ نیکی بہترین خیرات ہے ـــــ بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کی شہتیر دکھائی نہ دے اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آئے۔ یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو اور دوسروں کے چھوٹے عیوب اسے بڑے نظر آئیں اور خود عمل نہ کرے صرف دوسروں کو تعلیم دے ـــــ جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دور رہے وہ تمہارا بھائی اور دوست نہیں ہے (مطالب السؤل صفحہ ۲۷۲)

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت ملے تو کہو الحمد للہ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو کہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور جب روزی تنگ ہو تو کہو استغفر اللہ ـــــ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی اتنی ہی تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں بھی ہوگی ـــــ تین چیزیں خدا نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھی ہیں (۱) اپنی رضا اپنی اطاعت میں، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید اسی میں خدا کی رضا ہو (۲) اپنی ناراضی اپنی معصیت میں، کسی گناہ کو معمولی نہ جانو شاید خدا اسی سے ناراض ہو جائے (۳) اپنی دوستی یا اپنے ولی، مخلوقات میں کسی شخص کو حقیر نہ سمجھو شاید وہی ولی اللہ ہو ـــــ (نور الابصار صفحہ ۱۳۱ و اتحاد صفحہ ۹۲)

احادیث آئمہ میں ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ انسان کو جتنی عقل دی گئی ہے اسی کے مطابق اس سے قیامت میں حساب و کتاب ہوگا ـــــ ایک نفع پہنچانے والا عالم ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے ـــــ عالم کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ خدا ان علماء پر رحم و کرم فرمائے جو احیاء علم کرتے اور تقویٰ کو فروغ دیتے ہیں ـــــ علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مخلوق خدا کو تعلیم دی جائے ـــــ قرآن مجید کے بارے میں تم جتنا جانتے ہو اتنا ہی بیان کرو ـــــ بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ جو جانتا ہو اسے بتائے اور جو نہ جانتا ہو اس کے جواب میں خاموش ہو جائے۔ ـــــ علم حاصل کرنے کے بعد اسے پھیلاؤ۔ اس لئے کہ علم کو بند رکھنے سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے ـــــ معلم اور متعلم کا ثواب برابر ہے ـــــ جس کی تعلیم کی غرض یہ ہو کہ وہ... علماء سے بحث کرے۔ جہلا پر رعب جمائے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے وہ جہنمی ہے۔ دینی راستہ دکھلانے والا اور راستہ پانے والا دونوں ثواب کی میزان کے لحاظ سے برابر ہیں ـــــ جو دینیات میں غلط کہتا ہو اسے صحیح بتا دو ـــــ ذات الٰہی وہ ہے

جو عقل انسانی میں سما نہ سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے ۔۔۔۔ اس کی ذات فہم و ادراک سے بالاتر ہے ۔ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔۔۔۔ خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو ۔ ورنہ حیران ہو جاؤ گے ۔۔۔۔ اجل کی دو قسمیں ہیں ایک اجل محتوم دوسرے اجل موقوف ، دوسری سے خدا کے سوا کوئی واقف نہیں ۔۔۔۔ زمین حجت خدا کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی ۔۔۔۔ امت بے امام کی مثال بھیڑ کے اس گلے کی ہے ، جس کا کوئی بھی نگران نہ ہو ۔۔۔۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں پوچھا گیا ، تو فرمایا کہ رُوح ہوا کی مانند متحرک ہے اور یہ ریح سے مشتق ہے ہم جنس ہونے کی وجہ سے اسے رُوح کہا جاتا ہے ۔ یہ روح جو جان داروں کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے وہ تمام ریحوں سے پاکیزہ تر ہے ۔۔۔۔ روح مخلوق اور مصنوع ہے اور حادث اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والی ہے ۔۔۔۔ وہ ایسی لطیف شئے ہے جس میں نہ کسی قسم کی گرانی اور سنگینی ہے نہ سبکی وہ ایک باریک اور رقیق شے ہے جو قالب کثیف میں پوشیدہ ہے ۔ اس کی مثال اس مشک جیسی ہے جس میں ہوا بھر دو ۔ ہوا بھرنے سے وہ پھول جائے گی لیکن اس کے وزن میں اضافہ نہ ہو گا ۔۔۔۔ روح باقی ہے اور بدن سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی ۔۔۔۔ یہ نفخ صُور کے وقت ہی فنا ہو گی ۔

آپ سے خداوند عالم کے صفات کے بارے میں پوچھا گیا ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ کہ وہ سمیع و بصیر ہے اور آلہ سمع و بصر کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے ۔۔۔۔ رئیس معتزلہ عمر بن عبید نے آپ سے دریافت کیا کہ من یحلل علیہ غضبی سے کون سا غضب مراد ہے ۔ فرمایا عقاب اور عذاب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ۔۔۔۔ ابو خالد کابلی نے آپ سے پوچھا کہ قول خدا "فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا" میں نور سے کیا مراد ہے ؟ آپ نے فرمایا "واللہ النور الائمۃ من آل محمد" خدا کی قسم نور سے ہم آلِ محمدؐ مراد ہیں ۔۔۔۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ "یوم ندعو کل اناس بامامھم" سے کون لوگ مراد ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ وہ رسول اللہ ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد سے آئمہ ہوں گے انہیں کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو انہیں دوست رکھے گا اور ان کی تصدیق کرے گا ۔ وہی نجات پائے گا اور جو اُن کی مخالفت کرے گا جہنم میں جائے گا ۔۔۔۔ ایک مرتبہ طاؤس یمانی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کا تھوڑا استعمال حلال تھا اور زیادہ استعمال حرام ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہر طالوت کا پانی تھا جس

کا صرف ایک چلّو پینا حلال تھا اور اس سے زیادہ حرام۔ پوچھا۔ وہ کون سا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا۔ فرمایا۔ وہ جناب مریم کا روزہ صمت تھا جس میں صرف نہ بولنے کا روزہ تھا۔ کھانا پینا حلال تھا۔ پوچھا۔ وہ کون شے ہے جو صرف سے کم ہوتی ہے۔ بڑھتی نہیں۔ فرمایا۔ کہ وہ عمر ہے۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔ فرمایا۔ وہ سمندر کا پانی ہے۔ پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو صرف ایک بار اڑی اور پھر نہ اڑی۔ فرمایا۔ وہ کوہ طور ہے جو ایک بار حکم خدا سے اڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر آگیا تھا۔ پوچھا۔ وہ کون لوگ ہیں جن کی سچی گواہی خدا نے جھوٹی قرار دی۔ فرمایا۔ وہ منافقوں کی تصدیق رسالت ہے جو دل سے نہ تھی۔ پوچھا۔ بنی آدم کا ۱/۳ حصہ کب ھلاک ہوا۔ فرمایا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تم یہ پوچھو کہ انسان کا ۱/۴ حصہ کب ھلاک ہوا۔ تو میں تمہیں بتاؤں کہ یہ اس وقت ہوا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ کیونکہ اس وقت چار آدمی تھے۔ آدم۔ حوّا۔ ہابیل۔ قابیل۔ پوچھا۔ پھر نسل انسانی کس طرح بڑھی۔ فرمایا۔ جناب شیث سے جو قتل ہابیل کے بعد بطن حوّا سے پیدا ہوئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور امام ابو حنیفہ کا امتحان

علامہ شبلی نعمانی اور علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ایک مدت تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ، حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ سُنّی دونوں نے مانا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے (سیرۃ النعمان و اعلام الموقنین جلد ا صفحہ ۹۴) علامہ شبراوی شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام باقر علیہ السلام نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم قیاس کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہو کیا یہ صحیح ہے؟ انہوں نے کہا میں بیشک قیاس کرتا ہوں اور اس کی وجہ حدیث و اخبار ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں چند سوالات کرتا ہوں۔ تم قیاس کر کے جواب دو۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا قتل بڑا گناہ ہے کہ زنا؟ عرض کی کہ قتل۔ فرمایا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں صرف دو گواہ کافی ہیں اور زنا کی شہادت میں چار گواہ طلب ہوتے ہیں۔ انہوں نے سکوت اختیار کیا اور اصرار پر بولے۔ مجھے علم نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزہ کی۔ کہا۔ نماز کی۔ کہا پھر کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت کو نماز کی قضا ضروری نہیں اور روزہ کی قضا لازمی ہے انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ بتاؤ۔ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ انہوں نے کہا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد صرف وضو کیا جاتا ہے اور منی کے بعد

غسل واجب ہے۔ کہا۔ مجھے علم نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ ان سوالات کے بعد آپ دوسرے کاموں میں لگ گئے تو میں نے عرض کی اے فرزند رسول، ان سب مسائل کے بارے میں میری تشفی و تسلی فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط سے بتاؤں گا کہ تم آئندہ قیاس کرنے سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ چنانچہ میں نے وعدہ کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ سنو!

(۱) قتل کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ اس لیے صرف دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور زنا میں دو شخص ہوتے ہیں اس لیے چار گواہ کی ضرورت ہوتی ہے (۲) حائضہ کو سال میں ایک ہی مرتبہ روزہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی قضا آسان ہے اور نماز سے ہر ماہ سابقہ پڑتا ہے۔ اس کی قضا مشکل ہے اس لیے خدا نے یہ سہولت دی ہے کہ روزہ کی قضا کرے اور نماز کی قضا نہ کرے (۳) پیشاب صرف مثانہ سے نکلتا ہے اور دن میں کئی بار نکلتا ہے۔ اس میں غسل دشوار ہوتا ہے۔ اور منی سارے جسم سے نکلتی ہے "تحت کل شعرۃ جنابۃ" بلکہ یوں سمجھو کہ ہر بُن مو سے نکلتی ہے اور کبھی کبھی نکلتی ہے۔ اس لیے غسل کرنا آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے محل اخراج کا لحاظ کرتے ہوئے غسل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ اس جواب سے مجھے پوری تسلی ہوگئی اور میں حضرت کو سلام کرکے گھر واپس آیا (اتحاف صفحہ ۸۰ طبع مصر) علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیواۃ الحیوان کی جلد ۲ صفحہ ۸۶ تحت لفظ ظبی مطبع مصر میں اس واقعہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعلق لکھا ہے۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عمر بن علیار نے حضرت امام محمد باقرؑ سے امتحاناً پوچھا "ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناھما" کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا آسمان و زمین دونوں (اپنی فیض رسانی سے) بند تھے۔ پھر خدا نے انہیں کھول دیا یعنی آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے دانا اگنے لگا (نور الابصار صفحہ ۱۳۰ و اتحاف صفحہ ۵۳ و کشف الغمہ صفحہ ۹۴) علامہ جامی لکھتے ہیں کہ انسانوں کی طرح آپ سے جن بھی علمی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن بارہ اجنبی اشخاص کو آپ کے پاس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا یہ جن ہیں میرے پاس مسائل شرعیہ پوچھنے آتے ہیں (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۲)

امام محمد باقر علیہ السلام کے بعض کرامات

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا صاحب کرامات ہونا مسلمات سے ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے کرامات حد احصا سے باہر ہیں اس مقام پر چند لکھے جاتے ہیں (۱) علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ خچر پر سفر فرما رہے تھے اور آپ کے ہمراہ ایک اور شخص گدھے پر سوار تھا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہاڑ سے ایک بھیڑیا برآمد ہوا۔ آپ نے اسے دیکھ کر اپنی سواری روک لی وہ قریب پہنچکر گویا ہوا۔ مولا۔ اس پہاڑی میں میری مادہ ہے اور اسے سخت دردزہ عارض ہے۔ آپ دعا فرما دیجئے کہ اسے اس مصیبت سے نجات ہو جائے۔ آپ نے دعا فرمادی۔ پھر اس نے کہا کہ یہ بھی دعا کیجئے کہ "از نسل من برشیعہ تو مسلط نہ گرداند" میری نسل میں سے کسی کو بھی آپ کے شیعوں پر غلبہ و تسلط نہ حاصل ہونے دے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے دعا کردی۔ وہ چلا گیا (۲) ایک شب ایک شخص شدید بارش کے دوران میں آپ کے دولت کدہ پر جا کر خاموش کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس نامناسب وقت میں "دق الباب" کروں یا واپس چلا جاؤں۔ ناگاہ آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ فلاں شخص مکہ سے آکر میرے دروازے پر کھڑا ہے۔ اسے بلا لو۔ اس نے دروازہ کھول کر بلا لیا (۳) راوی کا بیان ہے کہ میں ایک دن آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر اذن حضوری کا طالب ہوا۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ اتنے میں دیکھا کہ بہت سے آدمی آئے اور گئے۔ یہ حال دیکھ کر میں بہت رنجیدہ ہوا اور دیر تک سوچنے لگا کہ کسی اور مذہب میں چلا جاؤں۔ اسی خیال میں گھر چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو آپ میرے مکان پر تشریف لائے اور کہنے لگے۔ کسی مذہب میں مت جاؤ۔ کوئی مذہب درست نہیں ہے آؤ میرے ساتھ چلو۔ یہ کہہ کر اپنے ہمراہ لے گئے (۴) ایک شخص نے آپ سے کہا کہ خدا پر مومن کا کیا حق ہے۔ آپ نے اس کے جواب سے اعراض کیا۔ جب وہ نہ مانا تو فرمایا کہ اس درخت کو اگر کہہ دیا جائے کہ چلا آ۔ تو وہ چلا آئے گا۔ یہ کہنا تھا کہ وہ اپنے مقام سے روانہ ہو گیا۔ پھر آپ نے حکم دیا۔ وہ واپس چلا گیا (۵) ایک شخص نے آپ کے مکان کے سامنے کوئی حرکت کی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے علم ہے، دیوار ہماری نظروں کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے (۶) ایک شخص نے آپ سے اپنے بالوں کے سفید ہونے کی شکایت کی۔ آپ نے اسے اپنے ہاتھوں سے مس کر دیا۔ وہ سیاہ ہو گئے۔ جس زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا۔ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں منصور دوانقی اور داؤد بن سلیمان مسجد میں آئے۔ منصور آپ سے دور بیٹھا اور داؤد قریب آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ منصور میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ اس نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس سے کہہ دو کہ تو عنقریب بادشاہ وقت ہو گا اور شرق و غرب کا مالک ہو گا۔ یہ سن کر دوانقی آپ کے قریب آگیا اور کہنے لگا۔ آپ کا رعب و جلال میرے قریب آنے سے مانع تھا۔ پھر آپ نے اس کی حکومت کی تفصیل بیان فرمائی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ (۸) ابوبصیر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں انہوں نے ایک دن کہا کہ آپ تو "وارث انبیاء" ہیں۔

میری روشنی پلٹا دیجئے۔ آپ نے اسی وقت آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں بینا بنا دیا (۹) ایک کوفی نے آپ سے کہا کہ میں نے سنتا ہے کہ آپ کے تابع فرشتے ہیں جو آپ کو شیعہ اور غیر شیعہ بتا دیا کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے کہا گندم فروشی آپ نے فرمایا غلط ہے پھر اس نے کہا۔ کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں۔ فرمایا۔ یہ بھی غلط ہے۔ تو صرف خرمے بیچتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ سے یہ کس نے بتایا ہے۔ امام نے فرمایا۔ اسی فرشتے نے جو میرے پاس آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو فلاں بیماری میں تین دن کے اندر وفات کر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱۰) راوی کہتا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ آپ بزبان سریانی مناجات پڑھ رہے ہیں۔ میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ فلاں نبی کی مناجات ہے (۱۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام ایک دن مدینہ میں بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ آپ نے سر ڈال لیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اے اہل مدینہ۔ آئندہ سال یہاں نافع بن ارزق چار ہزار جرار سپاہی لے کر آئے گا اور تین شبانہ روز شدید مقابلہ کرے گا اور تم اپنا تحفظ نہ کر سکو گے۔ سنو! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ھو کائن لابد منہ" وہ ہو کے رہے گا۔ چنانچہ آئندہ سال کان الامر علی ماقال" وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا (۱۲) زید بن عازم کا بیان ہے کہ ایک دن زید شہید آپ کے سامنے سے گذرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ضرور کوفہ میں خروج کریں گے اور قتل ہوں گے اور ان کا سر دیار بدیار پھرایا جائے گا "فکان کماقال" چنانچہ وہی کچھ ہوا۔
(شواہد النبوت صفحہ ۱۸۵۔ انوار الابصار صفحہ ۱۳۰)

آپ کی عبادت گذاری اور آپ کے عام حالات

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح بے پناہ عبادت کرتے تھے۔ ساری رات نماز پڑھنی اور سارا دن روزہ سے گذارنا آپ کی عادت تھی۔ آپ کی زندگی زاہدانہ تھی۔ بوریئے پر بیٹھتے تھے۔ ہدایا جو آتے تھے اسے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ تواضع اور فروتنی، صبر و شکر غلام نوازی، صلہ رحم وغیرہ میں اپنی آپ نظیر تھے۔ آپ کی تمام آمدنی فقراء پر صرف ہوتی تھی۔ آپ فقیروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور انہیں اچھے نام سے یاد کرتے تھے (کشف الغمہ صفحہ ۹۵) آپ کے ایک غلام افلح کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کعبہ کے قریب تشریف لے گئے۔ آپ کی جیسے کعبہ پر نظر پڑی۔ آپ چیخ مار کر رونے لگے۔ میں نے کہا کہ حضور سب لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آہستہ سے گریہ فرمائیں۔ ارشاد کیا۔ اے افلح شاید خدا بھی انہیں لوگوں کی

طرح میری طرف دیکھ لے اور میری بخشش کا سہارا ہو جائے۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں تشریف لے گئے اور جب سر اٹھایا تو ساری زمین آنسوؤں سے تر تھی (مطالب السئول صفحہ ۲۷۱)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور ہشام بن عبدالملک

تواریخ میں ہے کہ ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک فوت ہوا (ابو الفداء) اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ مقرر کیا گیا (ابن الوری) ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا (ابن الوری) اس نے خلیفہ ہوتے ہی اس بدعت کو جو ۴۱ھ سے بنی امیہ نے حضرت علیؑ پر سب و شتم کی صورت میں جاری کر رکھی تھی۔ حکماً روک دیا (ابو الفداء) اور رقوم خمس بنی ہاشم کو دینا شروع کیا (کتاب الخراج ابو یوسف) یہ وہ زمانہ تھا جس میں علیؑ کے نام پر اگر کسی بچے کا نام ہوتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا (تدریب الراوی سیوطی) اسکے بعد ۱۰۱ھ میں یزید ابن عبدالملک خلیفہ بنایا گیا (ابن الوری) ۱۰۵ھ میں ہشام ابن عبدالملک بن مروان بادشاہ وقت مقرر ہوا (ابن الوری)

ہشام ابن عبدالملک، چست، چالاک، کنجوس، متعصب، چالباز، سخت مزاج، کج رو، خود سر، حریص کانوں کا کچا اور حد درجہ کا شکی تھا۔ کبھی کسی کا اعتبار نہ کرتا تھا اکثر صرف شبہ پر سلطنت کے لائق لائق ملازموں کو قتل کرا دیتا تھا یہ عہدوں پر انہیں کو فائز کرتا تھا جو خوشامدی ہو۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک عراق کا گورنر رکھا۔ قسری کا حال یہ تھا کہ ہشام کو رسول اللہ صلعم سے افضل بتاتا اور اسی کا پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا (تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۰۳) ہشام آلِ محمدؐ کا دشمن تھا۔ اسی نے زید شہید کو نہایت بری طرح قتل کیا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۴۹)۔ اسی نے اپنے زمانہ ولیعہدی میں فرزدق شاعر کو امام زین العابدینؑ کی مدح کے جرم میں بمقام عسقلان قید کیا تھا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰)

ہشام کا سوال اور اس کا جواب

تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ہشام بن عبدالملک حج کے گیا۔ وہاں اس نے امام محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا کہ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پند و نصائح سے بہرہ ور کر رہے ہیں یہ دیکھ کر ہشام کی دشمنی نے کروٹ لی اور اس نے دل میں سوچا کہ انہیں ذلیل کرنا چاہیئے۔ اور اسی ارادہ سے اس نے ایک سے کہا کہ جا کر ان سے کہو کہ خلیفہ پوچھ رہے ہیں کہ حشر کے دن آخری فیصلہ سے قبل لوگ کیا کھائیں اور پئیں گے۔ اس نے جا کر امام علیہ السلام کے سامنے خلیفہ کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جہاں حشر و نشر ہو گا وہاں میوے دار درخت ہوں گے۔ وہ لوگ انہیں چیزوں کو استعمال کریں گے۔ بادشاہ نے جواب سن کر

کہا۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حشر میں لوگ مصیبتوں اور اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے ان کو کھانے پینے کا ہوش کہاں ہوگا؟ قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ تم نے قرآن بھی پڑھا ہے یا نہیں۔ قرآن میں یہ نہیں ہے کہ "جہنم کے لوگ جنت والوں سے کہیں گے کہ ہمیں پانی اور کچھ نعمتیں دے دو کہ پی اور کھالیں۔ اس وقت وہ جواب دیں گے کہ کافروں پر جنت کی نعمتیں حرام ہیں (پ ۸ رکوع ۱۲) تو جب جہنم میں بھی لوگ کھانا پینا نہیں بھولیں گے تو حشر ونشر میں کیسے بھول جائیں گے۔ جس میں جہنم سے کم سختیاں ہوں گی اور وہ امید و بیم اور جنت و دوزخ کے درمیان ہوں گے۔ یہ سن کر ہشام شرمندہ ہوگیا (ارشاد مفید صفحہ ۴۰۸ و تاریخ آئمہ صفحہ ۴۱۴)

امام محمد باقرؑ اور ہشام کی مشکل کشائی

یہ اور بات ہے کہ آلِ محمدؐ کو دیدہ دانستہ نظرانداز کر دیا جائے لیکن کٹھن مواقع پر اہم مراحل کے لئے ان کی مشکل کشائی کے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہیں تھا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں شام وعراق کے آنے والے حجاج کو مکہ کے راستے میں ایک منزل پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت مصیبت کا سامنا ہوا کرتا تھا۔ غریب حجاج اس منزل کی بے آبی اور اپنی اضطراب و بے تابی کا خیال کر کے منزل دو منزل پہلے سے اپنا سامان جمع کر لیا کرتے تھے تاکہ اس منزل تک کفایت کر سکے۔ مگر بعض اوقات یہ انتظامات بھی ناکافی ثابت ہو جاتے تھے اور بہت سے غریب حجاج پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس منزل پر جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ اس مصیبت کی شکایت اہل اسلام میں ہمیشہ ہی رہتی تھی۔ وہاں کی زمین بھی حجاز کی تمام زمینوں سے سنگلاخ تھی کہ وہاں زمین سے پانی نکالنا گویا آسمان سے پانی لانا تھا۔ آخر کار حجاز کی اس ناقابلِ برداشت مصیبت پر سلطنت نے توجہ کی اور وہاں ایک بہت بڑا کنواں کھودنے کا بندوبست کیا گیا۔ ہشام نے اس کنوئیں کی تعمیر کا اہتمام خود اپنے ذمہ لیا اور اپنے میر عمارت کو مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس مقام پر بھیجا۔ غرضیکہ محکمہ عمارت کا سلطانی اسٹاف اس مقام پر پہونچکر اپنے کام میں مصروف ہوا۔ وہ عرب کی زمین اور پھر عرب میں بھی کس حصہ کی، حجاز کی، دن دن بھر کی جانکاہ محنتوں میں ہاتھ دو ہاتھ زمین کا کھد جانا بھی غریب کام کرنے والوں کے لئے بہت غنیمت تھا۔ خدا خدا کر کے کام کرنے والے سطح آب کے قریب پہونچے، تو یکایک اس کی جانب سے ایک سوراخ پیدا اور ہویدا ہوگیا۔ اس سے ایک نہایت

گرم اور جھلسا دینے والی ہوا نکلی۔ جس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ جو اس وقت اس کنوئیں کے اندر تھے۔ کنوئیں کے اوپر جو دیگر کام کرنے والے تھے۔ انہوں نے جب ان کی زندگی کے آثار مفقود پائے، تو تفحص حال کے لئے چند اور آدمیوں کو کنوئیں میں اتارا۔ وہ بھی جا کر واپس نہ آئے۔

جب تمام اسٹاف کے دو تہائی کارکن ضائع ہو چکے اور ان کی ہلاکت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میر عمارت نے مجبور ہو کر کام بند کر دیا اور ہشام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا۔ اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس خبر دحشت اثر کے سنتے ہی تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ اور ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اس کے اسباب اور باعث ڈھونڈنے لگا۔ آخر کار ہشام نے ایک تحقیقاتی جماعت کو مرتب کر کے موقع پر بھیجا۔ مگر وہ بھی ناکام رہی اور یہ معلوم نہ کر سکی کہ اس میں جانے والے مرکیوں جاتے ہیں۔

ہشام اسی اضطراب اور پریشانی میں تھا کہ حج کا زمانہ آ گیا۔ یہ دمشق سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں پہونچکر اس نے ہر مکتب خیال کے رہنماؤں کو جمع کیا اور ان کے سامنے کنوئیں والا واقعہ بیان کیا اور ان سے مشکل کشائی کی خواہش کی۔

بادشاہ کی عرضداشت سن کر سب خاموش ہو گئے اور کافی سوچنے کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہونچ سکے۔ ناگاہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جو بادشاہ کی طرف سے مدعو تھے آ پہونچے، اور آپ نے حالات سن کر فرمایا۔ میں موقع دیکھوں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور واپس آ کر آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ قوم عاد میں سے جو اہل احقاف تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ جگہ انہیں کے معذب ہونے کی ہے اور یہ ریح عقیم جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکل رہی ہے یہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ لہٰذا اس جگہ کو فوراً بند کرا دے اور فلاں مقام پر کنواں کھودوا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ارشاد سے لوگوں کی جانیں بھی بچ گئیں اور کنواں بھی تیار ہو گیا (حیواۃ القلوب جلد ۲ و مجمع البحرین صفحہ ۵۷۷ و مآثر باقریہ صفحہ ۲۲) رسول کریم فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے جلد دور بھاگو۔ جو معذب ہو چکے ہیں۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی متاثر ہو جاؤ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۲۵ طبع مصر)

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام محمد باقر علیہ السلام ہی جیسا واقعہ عہد مہدی عباسی میں امام موسے کاظم علیہ السلام کے متعلق بھی لکھا ہے (مناقب جلد ۵ صفحہ ۶۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی دمشق میں طلبی

علامہ مجلسی اور سید ابن طاؤس رقمطراز ہیں

کہ ہشام بن عبدالملک اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں حج بیت اللہ کو مکہ معظمہ میں پہونچا۔ وہاں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام بھی موجود تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں روئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کی حجت ہیں۔ ہمارا دشمن جہنم میں جائے گا اور ہمارا دوست نعمات جنت سے متنعم ہوگا۔

اس خطبہ کی اطلاع ہشام کو دی گئی۔ وہ وہاں تو خاموش رہا لیکن دمشق پہونچنے کے بعد والیٔ مدینہ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں ہشام نے آپ کو تین روز تک اذن حضوری نہیں دیا۔ چوتھے روز جب اچھی طرح سے دربار کو سجا لیا۔ تو آپ کو بلوا بھیجا۔ آپ حضرات جب داخل دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیئے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں۔ حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں۔ مجھے اس سے معاف رکھ۔ اس نے بہ قسم کہا کہ یہ ناممکن ہے پھر ایک تیر کمان آپ کو دلوادی۔ آپ نے ٹھیک نشانے پر تیر لگائے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا۔ بادشاہ! ہم معدن رسالت ہیں۔ ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر ہشام کو غصہ آگیا۔ وہ بولا کہ آپ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علیؑ بن ابی طالب نے غیب کا دعوے کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علیؑ امام مبین تھے انہیں کیا نہیں معلوم تھا (جلاء العیون)

ثقۃ الاسلام میں علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سر دربار ذلیل کروں گا۔ تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہو جاؤں، تو انہیں کلمات ناسزا کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ یاد رکھ! ہم ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے۔ خداوند عالم نے ہمیں جو عزت دی ہے اس میں ہم منفرد ہیں۔ یاد رکھ۔ عاقبت کی شاہی متقین کے لئے ہے۔ یہ سن کر ہشام نے "فامر بہ الی الحبس" آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ قید کر دیئے گئے۔

قیدخانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجزنما تقریر کی جس کے نتیجہ میں قیدخانہ کے اندر کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ بالآخر قیدخانہ کے داروغہ نے ہشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہو جائے گا۔ ان کی تقریر قیدخانہ سے باہر بھی اثر ڈال رہی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے۔ یہ سن کر ہشام ڈر گیا اور اس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا۔ اور ساتھ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ نہ آپ

کو، کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے۔ چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخل مدین ہوئے۔
وہاں پہونچکر آپ نے کھانے پینے کی سعی کی لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ بازار ہشام کے حکم سے بند تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اس پر کھڑے ہو کر عذاب الٰہی کا حوالہ دیا۔ یہ سن کر ایک پیر مرد بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ بھائیو! سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھڑے ہو کر عذاب الٰہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ یہ سن کر سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور آپ کے لئے ہوٹلوں کے دروازے کھول دیئے (اصول کافی) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والیٔ مدینہ ابراہیم بن عبدالملک کو لکھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دے (جلاء العیون صفحہ ۲۶۲)
کتاب الخرائج الجرائح میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام بن عبدالملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا لیکن والیٔ مدینہ کی ہمنوائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اس نے تبرکات رسالتؐ جبراً طلب کئے اور امام علیہ السلام نے برداشتہ ارسال فرما دیئے۔

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانہ دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لے جا رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا۔ آپ نے تفحص حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ راہب جو انتہائی ضعیف تھا۔ مقررہ وقت پر برآمد ہوا اور اس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر بولا (۱) کیا آپ ہم میں سے ہیں۔ فرمایا۔ میں اُمّت محمدیہ سے ہوں (۲) آپ علماء سے ہیں یا جہلا سے؟ فرمایا۔ میں جاہل نہیں ہوں (۳) آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا۔ نہیں (۴) جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں۔ کیا؟ میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ فرمایا۔ ضرور پوچھئے!

یہ سن کر راہب نے سوال کیا (۱) شب و روز وہ کون سا وقت ہے جس کا شمار نہ دن

میں ہو نہ رات میں۔ فرمایا۔ وہ سورج کے طلوع سے پہلے کا وقت ہے جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں۔ وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرک ہے کہ اس میں بیماروں کو ہوش آجاتا ہے۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ جو رات بھر نہ سو سکے۔ اسے نیند آتی ہے۔ یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لئے خاص الخاص ہے (۲) آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی ؟ کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے۔ فرمایا بطن مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا (۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے بہشت کا میوہ کم نہ ہوگا۔ اس کی یہاں کوئی مثال ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جلائے جائیں تب بھی پہلے چراغ کی روشنی میں کمی نہ ہوگی۔ وہ کون سے دو بھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی۔ فرمایا عزیز اور عزیز پیغمبر ہیں۔ یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے۔ پیدائش کے بعد تیس برس تک ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیز نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد پھر زندہ فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے انتقال کیا۔ یہ سن کر راہب اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا۔ سب کو چاہیئے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا (جلاء العیون صفحہ ۲۶۱ طبع ایران ۱۳۰۱ھ)

امام محمد باقر علیہ السّلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کرادیا اور آپ بتاریخ ۷ رذی الحجہ ۱۱۴ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے (کشف الغمہ صفحہ ۹۳۔ جلاء العیون صفحہ ۲۶۴۔ جنات الخلود صفحہ ۲۶۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۷۹۔ انوار الحسینیہ صفحہ ۴۸۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۴) علامہ شبلنجی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں "مات مسموما کابیہ" آپ اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السّلام ہی کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۱ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) آپ کی شہادت ابراہیم بن ولید والی مدینہ کی زہر خورانی اور ہشام بن عبدالملک

خلیفہ وقت کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعے سے واقع ہوئی۔ جنات الخلود صفحہ ۲۶۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۴۸۷)
شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بیٹا میرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آرہی ہیں وہ مجھے جلد بلا رہے ہیں (نور الابصار صفحہ ۱۳۱) آپ نے غسل وکفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام را جز امام نشوید۔ امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱) علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰ درہم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام کرنا کہ دس سال تک منیٰ میں بزمانہ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے (جلاء العیون صفحہ ۲۶۴) علامہ کا بیان ہے کہ وصیتوں میں یہ بھی ہے کہ میرے بندھائے کفن قبر میں کھول دینا اور میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ کرنا (جنات الخلود صفحہ ۲۷)

ازواج و اولاد

آپ کی چار بیویاں تھیں اور انہیں سے اولاد ہوئی۔ ام فروہ۔ ام حکیم۔ لیلےٰ اور ایک اور بیوی۔ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ افتح پیدا ہوئے اور ام حکیم بنت اسد بن مغیرہ ثقفی سے ابراہیم و عبداللہ اور لیلےٰ سے علی اور زینب پیدا ہوئے اور چوتھی بیوی سے ام سلمیٰ متولد ہوئی (ارشاد مفید صفحہ ۲۹۴۔ مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۹۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۱)
علامہ محمد باقر بہبہانی، علامہ محمد رضا آل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسل صرف امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھی ہے۔ ان کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ اور باقی نہیں رہی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۴۷۹۔ انوار الحسینیہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۴ طبع لکھنؤ ۱۲۸۵ء)

امام محمد باقر علیہ السلام

ازواج	ام فروہ	ام حکیم	لیلے	اور ایک بیوی
اولاد	۱۔ امام جعفر صادقؑ ۲۔ عبداللہ افطح	۱۔ ابراہیم ۲۔ عبداللہ	۱۔ علی ۲۔ زینب	۱۔ ام سلمیٰ

اَبُو عَبدُاللّٰہ
حضرت امام جعفر صادق
عَلَیہِ السَّلَام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

صادقِ آلِ محمدؐ وہ امام سادسؑ | زیب سر جس کے امامت کا ہے موروثی تاج
ہے یہ مولود جگر بند محمد باقرؑ | خانہ ہستی بدعت کو کرے گا تاراج

عینی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے جانشین اور سلسلہ عصمت کی آٹھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام افضل واکمل تھے۔ اسی بنا پر آپ اپنے باپ کے خلیفہ اور وصی قرار پائے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) علامہ ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سادات اہلبیت سے تھے۔ "وفضلہ اشہر ان یذکر" ان کی افضلیت اور ان کا فضل وکرم محتاج بیان نہیں (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۴ و جلد ۶ صفحہ ۷۸۳ طبع مصر میں بحوالہ آیہ تطہیر اور عارف صمدانی علی ہمدانی مودۃ القربیٰ صفحہ ۳۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ اور شاہ عبدالعزیز تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۳ و صفحہ ۴۳۹ طبع لکھنؤ ۱۳۰۹ھ میں لکھتے ہیں کہ آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے (رواسات اللبیب صفحہ ۲۰۰ میں ہے کہ آپ نے ابتدائے عمر سے آخر عمر تک کوئی گناہ نہیں کیا اور اسی کو معصوم اور محفوظ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں "نحن قوم معصومون" ہم ہی وحی خدا کے ترجمان، ہم ہی علم خدا کے خزینہ اور ہم ہی لوگ معصوم ہیں۔ خدا نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری معصیت سے دنیا والوں کو روکا ہے۔ (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۶۹) علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ اہلبیت اور سادات کی عظیم ترین فرد تھے اور آپ مختلف قسم کے علوم سے بھرپور تھے۔ آپ ہی سے قرآن مجید کے معانی کے چشمے پھوٹتے رہے ہیں۔ آپ کے بحر علم سے علوم کے موتی رولے جاتے تھے آپ ہی سے علمی عجائب وکمالات کا ظہور وانکشاف ہوا ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۷۳) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علماء نے آپ سے

اس درجہ نقل علوم کیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ آپ کا آوازہ علم تمام امصار دیار میں پھیلا ہوا ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰) ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے علوم کا احاطہ فہم وادراک سے بلند ہے (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۰)

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ مطابق ۷۰۲ء یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (ارشاد مفید فارسی صفحہ ۴۱۳۔ اعلام الوری صفحہ ۱۵۹۔ جامع عباسی صفحہ ۶۰ وغیرہ۔ آپ کی ولادت کی تاریخ کو خداوند عالم نے بڑی عزت دے رکھی ہے۔ احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزہ کے برابر ہے۔ ولادت کے بعد ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند ان چند مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدا نے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا (جنات الخلود صفحہ ۲۷) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تھے تب کلام فرمایا کرتے تھے۔ ولادت کے بعد آپ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں (جلاء العیون صفحہ ۲۶۵)

اسم گرامی، کنیت، القاب

آپ کا اسم گرامی جعفر، آپ کی کنیت ابوعبداللہ، ابواسمٰعیل اور آپ کے القاب صادق، صابر، فاضل طاہر وغیرہ تھے علامہ مجلسی رقم طراز ہیں کہ آنحضرت نے اپنی ظاہری زندگی میں حضرت جعفر بن محمد کو لقب صادق سے موسوم وملقب فرمایا تھا اور اس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کا لقب پہلے ہی سے "صادق" تھا (جلاء العیون صفحہ ۲۶۴) علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نام نامی کا جزو "صادق" قرار پایا ہے (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵)

"جعفر" کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ جنت میں جعفر نامی ایک شیریں نہر ہے اسی کی مناسبت سے آپ کا یہ اسم گرامی رکھا گیا چونکہ آپ کا فیض عام نہر جاری کی طرح تھا۔ اسی لئے اس نام سے موسوم ہوئے (ارجح المطالب صفحہ ۳۶۱ بحوالہ تذکرہ خواص الامت)

امام اہل اسلام علامہ وحید الزمان حیدرآبادی تحریر فرماتے ہیں۔ جعفر، چھوٹی نہر یا بڑا واسع (کشادہ) امام جعفر صادقؑ مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہہ اور حافظ تھے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ (حدیث میں) اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہہ ہوگیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ ابن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں "فی نفسی منہ شئی ومجالد احب الی منہ"

میرے دل میں امام جعفر صادقؑ کی طرف سے خلش ہے۔ میں اُن سے زیادہ بہتر مجالد کو سمجھتا ہوں۔ حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہلسنت بدنام ہوتے ہیں اور ان کو ائمہ اہلبیت سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن خطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہہ کرتے ہیں (انوار اللغت پارہ ۵ صفحہ ۴۷ طبع حیدر آباد دکن)

علامہ ابن حجر مکی اور علامہ شبلنجی رقم طراز ہیں کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید، ابن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام ابوحنیفہ، ایوب سجستانی نے آپ سے حدیث اخذ کی ہے۔ ابوحاتم کا قول ہے کہ امام جعفر صادق ایسے ثقہ ہیں لایسئل عنہ مثلہ" کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار و تفحص کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ ریاست کی طلب سے بے نیاز تھے اور ہمیشہ عبادت گذاری میں بسر کرتے رہے۔ عمر ابن مقدام کا کہنا ہے کہ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے فوراً خیال ہوتا ہے کہ یہ جوہر رسالت کی اصل و بنیاد ہیں (صواعق محرقہ ص۱۲۰ نور الابصار صفحہ ۱۳۱ حلیۃ الابرار تاریخ آئمہ صفحہ ۴۳۲)

بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۸۲ھ میں ہے۔ اس وقت عبدالملک بن مروان بادشاہ وقت تھا۔ پھر ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز۔ یزید بن عبدالملک ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید الناقص، ابراہیم ابن ولید، اور مروان الحمار علی الترتیب خلیفہ مقرر ہوئے۔ مروان الحمار کے بعد سلطنت بنی امیہ کا چراغ گل ہو گیا اور بنی عباس نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ بنی عباس کا پہلا بادشاہ ابوالعباس، سفاح اور دوسرا منصور دوانقی ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو (اعلام الوری) تاریخ ابن الوردی و تاریخ آئمہ صفحہ ۴۳۶) اسی منصور نے اپنی حکومت کے دو سال گذرنے کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا (انوار الحسینیہ جلد صفحہ ۵۰)

عبدالملک بن مروان کے عہد میں آپ کا ایک مناظرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بے شمار علمی مناظرے فرمائے ہیں آپ نے دہریوں قدریوں، کافروں اور یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ شکست فاش دی ہے کسی ایک مناظرہ میں بھی آپ پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکا۔ عہد عبدالملک ابن مروان کا ذکر ہے کہ ایک قدریہ مذہب کا

مناظر اس کے دربار میں آکر علماء سے مناظرہ کا خواہشمند ہوا۔ بادشاہ نے حسب عادت اپنے علماء کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس قدریہ مناظر سے مناظرہ کرو۔ علماء نے اس سے کافی زور آزمائی کی مگر وہ میدان مناظرہ کا کھلاڑی ان سے نہ ہار سکا اور تمام علماء عاجز آ گئے۔ اسلام کی شکست ہوتے ہوئے دیکھ کر عبدالملک ابن مروان نے فوراً ایک خط حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور اس میں تاکید کی آپ ضرور تشریف لائیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جب اس کا خط پہنچا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹا میں ضعیف ہو چکا ہوں۔ تم مناظرہ کے لئے شام چلے جاؤ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے حسب الحکم مدینہ سے روانہ ہو کر شام پہنچ گئے۔

عبدالملک ابن مروان نے جب امام محمد باقر علیہ السلام کے بجائے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ ابھی کم سن ہیں اور وہ بڑا پرانا مناظر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اور علماء کی طرح شکست کھا جائیں۔ اس لئے مناسب نہیں کہ مجلس مناظرہ پھر منعقد کی جائے۔ حضرت نے فرمایا بادشاہ تو گھبرا نہیں اگر خدا نے چاہا تو میں صرف چند منٹ میں مناظرہ ختم کر دوں گا۔ آپ کے ارشاد کی تائید درباریوں نے بھی کی اور موقعہ مناظرہ پر فریقین آ گئے۔

چونکہ قدریوں کا اعتقاد ہے کہ بندہ ہی سب کچھ ہے خدا کو بندوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں اور نہ خدا کچھ کر سکتا ہے یعنی خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں دخل نہیں۔ لہذا حضرت نے اس کی پہل کرنے کی خواہش پر فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم "سورۂ حمد" پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور بس تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں" تو آپ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ اور مجھے اس کا جواب دو کہ جب خدا کو تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے کسی معاملہ میں دخل دینے کا حق نہیں تو پھر تم اس سے مدد کیوں مانگتے ہو۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ بالآخر مجلس مناظرہ برخاست ہو گئی اور بادشاہ بے حد خوش ہوا۔ (تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۳۳)

ابو شاکر دیصانی جو لامذہب تھا حضرت سے کہنے لگا کہ کیا آپ خدا کا تعارف کرا سکتے ہیں اور اس کی طرف میری رہبری فرما سکتے ہیں۔ آپ نے ایک طاؤس کا انڈا ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ دیکھو! اس کی بالائی ساخت پر غور کرو اور اندر کی بہتی ہوئی زردی اور سفیدی کو بنظر غائر دیکھو اور اس پر توجہ دو کہ اس میں رنگ برنگ کے طائر کیوں کر پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا تمہاری عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس انڈے کا اچھوتے انداز میں بنانے والا اور اس سے پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور دہریت سے باز آیا۔

اسی دیصانی کا ذکر ہے کہ اس نے ایک دفعہ آپ کے صحابی ہشام بن حکم کے ذریعہ سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ کہ خدا ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمو دے اور نہ انڈا بڑھے نہ دنیا گھٹے۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے کہا کوئی مثال؟ فرمایا مثال کے لئے مردمک چشم آنکھ کی چھوٹی پتلی کافی ہے۔ اس میں ساری دنیا سما جاتی ہے نہ پتلی بڑھتی ہے۔ نہ دنیا گھٹتی ہے۔ اصول کافی صفحہ ۴۳۔ جامع الاخبار)

امام جعفر صادق علیہ السلام اور حکیم ابن عیاش کلبی

ہشام بن عبدالملک بن مروان کے عہد حیات کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکیم بن عیاش کلبی آپ لوگوں کی ہجو کیا کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اگر تجھ کو اس کا کوئی کلام یاد ہو تو بیان کر اس نے دو شعر سنائے جس کا حاصل مقصود یہ ہے کہ ہم نے زید کو شاخ درخت خرما پر سولی دے دی۔ حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو اور تم نے اپنی بیوقوفی سے علی کو عثمان کے ساتھ قیاس کر لیا حالانکہ علیؑ سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تھے۔ یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے دعا کی۔ بارالہا۔ اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے کسی کلب کو مسلط فرما۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور حکیم کلبی کو راہ میں شیر نے ہلاک کر دیا (اصابہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ صفحہ ۸۰) ملا جامی تحریر کرتے ہیں کہ جب حکیم کلبی کے ہلاک ہونے کی خبر امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے سجدہ میں جا کر کہا کہ اس خدائے برتر کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے جو وعدہ فرمایا اسے پورا کیا (شواہد النبوت۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۷)

سنہ ۱۱۳ھ میں امام جعفر صادق کا حج

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۱۳ھ میں حج کیا اور وہاں خدا سے دعا کی۔ خدا نے بلافصل انگور اور دو بہترین روائیں بھجوائیں۔ آپ نے انگور خود بھی کھایا اور لوگوں کو بھی کھلایا اور روائیں ایک سائل کو دے دیں۔

اس واقعہ کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ لیث بن سعد سنہ مذکورہ میں حج کے لئے گئے وہ نماز عصر پڑھ کر ایک دن کوہ ابوقبیس پر گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک نہایت مقدس شخص مشغول نماز ہے پھر نماز کے بعد وہ سجدہ میں گیا اور یارب یارب کہہ کر خاموش ہو گیا۔ پھر یاحیُّ یاحیُّ کہا اور چپ ہو گیا پھر یارحیم یارحیم کہا اور خاموش ہو گیا پھر یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن کہہ کر چپ ہو گیا۔ پھر بولا۔ مجھے انگور چاہئیں اور میری ردا بوسیدہ ہو گئی ہے۔ دو روائیں درکار ہیں۔ راوی

حدیث بثت کہتا ہے کہ یہ الفاظ ابھی تمام نہ ہوئے تھے کہ ایک تازہ انگوروں سے بھری ہوئی زنبیل آموجود ہوئی اور اس پہ دو بہترین چادریں رکھی ہوئی تھیں۔ اس عابد نے جب انگور کھانا چاہا تو میں نے عرض کی حضور! میں آمین کہہ رہا تھا۔ مجھے بھی کھلائیے۔ انھوں نے حکم دیا میں نے کھانا شروع کیا۔ خدا کی قسم ایسے انگور ساری عمر خواب میں بھی نظر نہ آئے پھر آپ نے ایک چادر مجھے دی۔ میں نے کہا مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک چادر پہن لی اور ایک اوڑھ لی۔ پھر پہاڑ سے اتر کر مقام سعی کی طرف گئے۔ میں ان کے ہمراہ تھا۔ راستے میں ایک سائل نے کہا۔ مولا مجھے چادر دیجئے خدا آپ کو جنت کے لباس سے آراستہ کریگا۔ آپ نے فوراً دونوں چادریں اس کے حوالہ کر دیں۔ میں نے اس سائل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا امام زمانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔ یہ سن کر میں ان کے پیچھے دوڑا کہ ان سے مل کر کچھ استفادہ کروں لیکن پھر وہ مجھے نہ مل سکے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱ وکشف الغمہ صفحہ ۹۶۔ مطالب السئول صفحہ ۲۷۷)

ولید بن یزید اور آل محمدؐ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد ماجد حضرت محمد باقر علیہ السلام کو ۱۱۴ھ میں شہید کرنے کے بعد ہشام بن عبدالملک بن مروان ۱۲۵ھ میں واصل جہنم ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت بنایا گیا۔ یہ خلیفہ اوباش، اخلاقی اوصاف سے معرا بےشرم منہیات کا مرتکب، نہایت فاسق و فاجر اور عیاش تھا۔ مے نوشی اور لواطت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ نہایت جبار اور کینہ ور۔ جس ہانڈی میں کھاتا۔ اسی میں سوراخ کرتا۔ یہ اپنے باپ کی کنیزوں کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کی جمیلہ لڑکی ایک خادمہ کے پاس بیٹھی تھی اس نے اسے پکڑ لیا اور اس کی بکارت زائل کر دی۔ خادمہ نے کہا کہ یہ تو مجوس کا کام ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ملامت کا خیال کرتے والے مغموم مر جاتے ہیں۔ ایک دن حج کے زمانہ میں یہ خانہ کعبہ کی چھت پر مے نوشی کے لئے بھی گیا تھا۔ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن اس نے قرآن مجید سے فال کھولی اس میں آیہ "خاب کل جبار عنید" نکلا یہ دیکھ کر اس نے غصہ میں قرآن مجید کو پھینک دیا۔ پھر اسے معلق کرکے تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کہا کہ اے قرآن جب خدا کے پاس جانا تو کہہ دینا کہ "مزقنی الولید" مجھے ولید نے پارہ پارہ کیا ہے۔ ایک دن ولید اپنی ایک کنیز کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اتنے میں اذان کی آواز کان میں آئی۔ یہ فوراً مباشرت میں مشغول ہوا۔ جب لوگوں نے نماز پڑھانے کے لئے کہا تو اس کنیز کو اپنا لباس پہنا کر شراب کے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں بھیج دیا اور اس نے نماز پڑھا دی۔

تاریخ خمیس حبیب السیر، حج الکرامہ صدیق حسن) یہ ظاہر ہے کہ جو دین و ایمان، نماز و مسجد اور قرآن مجید کا احترام نہ کرتا ہو وہ آلِ محمدؑ کا کیا احترام کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے مختصر عہد میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے جناب یحییٰ کو اسی کے عہد میں بری طرح شہید کیا گیا اور ان کا سر ولید کے دربار میں آیا اور جسم خراسان میں سولی پر لٹکایا گیا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۴۸)

حضرت امام جعفر صادقؑ اور جناب ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کوفی

فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر جو عالم علم لدنی تھے۔ آپ کے فیض صحبت سے ارباب عقل نے علوم حاصل کئے۔ آپ ہی کی ایک کنیز حُسینہ کا ذکر زبان زد خواص و عوام ہے کہ اس نے بادشاہِ وقت کے دربار میں چالیس علماء کی بولتی بند کر دی تھی۔ تواریخ میں موجود ہے کہ آپ ہی کے فیض صحبت سے جناب نعمان بن ثابت نے علمی مدارج حاصل کئے۔

جناب نعمان بن ثابت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو حنیفہ تھی۔ آپ عجمی النسل تھے۔ آپ کو ہارون رشید عباسی کے عہد میں کافی عروج حاصل ہوا۔ تاریخ صغیر بخاری صفحہ ۱۷۴ و سیرۃ النعمان شبلی صفحہ ۱۷۱ آپ کو ہشام بن عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں "امام اعظم" کا خطاب ملا جب کہ انہوں نے ۱۲۳ھ میں جناب زید شہید کی بیعت کی تھی۔ پھر حکومت کی مخالفت کر کے موافقت کی تھی۔ کتاب مصفےٰ شرح موطا میں ہے کہ اکابر محدثین مثل احمد بخاری، امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ نے آپ کی روایات پر بھروسہ نہیں کیا۔ آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے (تاریخ صغیر صفحہ ۱۷۴) اسی تاریخ صغیر میں بروایت نعیم بن حماد مروی ہے کہ میں سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر تھا کہ ناگہاں ابو حنیفہ صاحب کی خبر وفات سنی گئی تو سفیان نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ یہ شخص اسلام کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کرتا تھا "ما ولد فی الاسلام اشام منہ" اسلام میں اس سے زیادہ منحوس کوئی پیدا نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ بڑا تعجب ہے کہ سفیان نے عوام کی اتنی عظیم شخصیت کے متعلق ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے (مؤلف)

امام ابو حنیفہ کی شاگردی کا مسئلہ

یہ تاریخی مسلمات سے ہے کہ جناب امام ابو حنیفہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے لیکن علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے ہمعصر

ہونے کی وجہ سے اس میں منکرانہ شبہہ ظاہر کیا ہے ان کے شبہہ کو شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے "ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہمعصر تھے اس لیئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھروں سے نکلے صاحب البیت ادری بما فیہا (سیرۃ النعمان صفحہ ۵۴ طبع آگرہ)

حضرت ابوحنیفہ کا امتحان

تواریخ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اکثر حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت حاضر ہوا کرتے تھے اور یہ ہوتا رہتا تھا کہ آپ ان کا امتحان لے کر انہیں فائدہ پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب ابوحنیفہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ میں نے سنا ہے کہ تم مسائل دینیہ میں قیاس سے کام لیا کرتے ہو۔ عرض کی جی ہاں، ہے تو ایسا ہی آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ "اول من قاس ابلیس" دین میں قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے اور اسی نے قیاس کی پہل کی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ یہ بتاؤ کہ خداوند عالم نے آنکھوں میں نمکینی، کانوں میں تلخی ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ انہوں نے بہت غور و خوض کے بعد کہا، یا حضرت، اس کا مجھے علم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا مجھ سے سنو۔ آنکھیں چربی کا ڈھیلا ہیں اگر ان میں شوریت اور نمکینی نہ ہوتی تو گھل جاتیں۔ کانوں میں تلخی اس لیئے ہے کہ کیڑے مکوڑے نہ گھس پائیں۔ ناک میں رطوبت اس لیئے کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت ہو اور خوشبو اور بدبو محسوس ہو۔ لبوں میں شیرینی اس لیئے کہ کھانے میں لذت آئے۔

پھر آپ نے پوچھا وہ کون سا کلمہ ہے جس کا پہلا حصہ کفر اور دوسرا ایمان ہے۔ انہوں نے عرض کی مجھے علم نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ وہ وہی کلمہ ہے جو تم رات دن پڑھا کرتے ہو سنو لا الٰہ کفر اور الا اللہ ایمان ہے۔

پھر آپ نے پوچھا کہ عورت کمزور ہے یا مرد۔ نیز یہ کہ حالت حمل میں عورت کو خون حیض کیوں

نہیں آتا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو معلوم ہے کہ عورت کمزور ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اسے عالم حمل میں حیض کیوں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا۔ اگر عورت کمزور ہے تو کیا وجہ ہے کہ میراث میں اس کو ایک حصہ اور مرد کو دو حصہ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت کا نفقہ مرد پر ہے اور حصول آزوقہ اسی کے ذمہ ہے۔ اس لئے اسے دوسرا دیا گیا اور عورت کو عالم حمل میں خون حیض اس لئے نہیں آتا کہ وہ بچے کے پیٹ میں داخل ہو کر غذا بن جاتا ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی خدمت میں جناب ابوحنیفہ صاحب تشریف لائے اور آپ نے پوچھا۔ اے ابوحنیفہ تم اس مجرم کے باب میں کیا فتوے دیتے ہو جس نے حج کے لیئے احرام باندھنے کے بعد ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے ہوں جن کو رباعی کہتے ہیں۔ "فقال یابن رسول ما اعلم ما فیہ" عرض کی فرزند رسول مجھے اس کا حکم معلوم نہیں "فقال انت تنداھی ولا تعلم" آپ نے فرمایا کہ اسی علمیت پر فخر کرتے اور لوگوں کو دھوکے دیتے ہو تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ ہرن کے رباعیہ ہوتے ہی نہیں۔

پھر آپ نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ عقلمند کون ہے۔ انہوں نے عرض کی جو اچھے برے کی پہچان کرے اور دوست و دشمن میں تمیز کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صفت اور تمیز تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے اور وہ بھی پیار کرنے اور مارتے ہیں یعنی اچھے برے کو جانتے ہیں انہوں نے کہا پھر آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ عقلمند وہ ہے جو دو نیکیوں اور دو برائیوں میں یہ امتیاز کر سکے کہ کون سی نیکی ترجیح دینے کے قابل اور دو برائیوں میں کون سی برائی کم اور کون زیادہ ہے (حیواۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۸۵-۸۶۔ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۴۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے نصائح و ارشادات

علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں (۱) سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے (۲) جو شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرتا ہے خداوند عالم اس کے لیئے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور قبر میں مونس تنہائی، قیامت میں ثابت قدمی کا باعث، منزل شفاعت میں شفیع اور جنت میں پہونچانے میں رہبر ہوگا (۳) نیکی کا تکملہ یعنی کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو اور اسے کم سمجھو اور چھپا کے کرو (۴) عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں (۵) توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکا ہے (۶) چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قلت کو کثرت سمجھنا چاہیئے۔ ۱۔ آگ

۲ دشمنی ۳ فقیری ۴ مرض (۷) کسی کے ساتھ بیس دن رہنا عزیزداری کے مترادف ہے (۸) شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لئے لوگوں پر احسان کرو (۹) جب اپنے کسی بھائی کے ہاں جاؤ تو صدر مجلس میں بیٹھنے کے علاوہ اس کی ہر نیک خواہش کو مان لو (۱۰) لڑکی نیکی ہے اور لڑکا نعمت ہے۔ خدا ہر نیکی پر ثواب دیتا ہے اور ہر نعمت پر سوال کرے گا (۱۱) جو تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تم بھی اس کی عزت کرو اور جو ذلیل سمجھے اس سے خودداری برتو (۱۲) بخشش سے روکنا خدا سے بدظنی ہے (۱۳) دنیا میں لوگ باپ دادا کے ذریعہ سے متعارف ہوتے ہیں اور آخرت میں اعمال کے ذریعہ سے پہچانے جائیں گے (۱۴) انسان کے بال بچے اس کے اسیر اور قیدی ہیں نعمت کی وسعت پر انہیں وسعت دینی چاہیئے ورنہ زوال نعمت کا اندیشہ ہے (۱۵) جن چیزوں سے عزت بڑھتی ہے ان میں تین یہ ہیں ۱ ظالم سے بدلہ نہ لے ۲ اس پر کرم گستری جو مخالف ہو ۳ جو اس کا ہمدرد نہ ہو اس کے ساتھ ہمدردی کرے (۱۶) مومن وہ ہے جو غصہ میں جادۂ حق سے نہ ہٹے اور خوشی سے باطل کی پیروی نہ کرے (۱۷) جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے گا مستغنی رہے گا (۱۸) جو دوسروں کی دولت مندی پر للچائی نظریں ڈالے گا وہ ہمیشہ فقیر رہے گا (۱۹) جو راضی برضائے خدا نہیں وہ خدا پر اتہام تقدیر لگا رہا ہے (۲۰) جو اپنی لغزش کو نظر انداز کرے گا وہ دوسروں کی لغزش کو بھی نظر میں نہ لائے گا (۲۱) جو کسی کو بے پردہ کرنے کی سعی کرے گا خود برہنہ ہو جائے گا (۲۲) جو کسی پر ناحق تلوار کھینچے گا تو نتیجہ میں خود مقتول ہو گا (۲۳) جو کسی کے لئے کنواں کھودے گا خود اس میں گرے گا "چاہ کن را چاہ درپیش" (۲۴) جو شخص بے وقوفوں سے راہ و رسم رکھے گا ذلیل ہو گا۔ جو علماء کی صحبت حاصل کرے گا عزت پائے گا۔ جو بُری جگہ دیکھا جائے گا بدنام ہو گا (۲۵) حق گوئی کرنی چاہیئے وہ اپنے لئے مفید ہو یا مُضر (۲۶) چغل خوری سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور عداوت کا بیج بوتی ہے (۲۷) اچھوں سے ملو، بُروں کے قریب نہ جاؤ کیونکہ وہ ایسے پتھر ہیں جن میں جونک نہیں لگتی یعنی ان سے فائدہ نہیں ہو سکتا (نور الابصار صفحہ ۱۳۴) (۲۸) جب کوئی نعمت ملے تو بہت زیادہ شکر کرو تاکہ اضافہ ہو (۲۹) جب روزی تنگ ہو تو استغفار زیادہ کیا کرو کہ ابواب رزق کھل جائیں (۳۰) جب حکومت یا غیر حکومت کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم زیادہ کہو تاکہ رنج دور ہو، غم کافور ہو اور خوشی کا فور ہو (مطالب السئول صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۵)

آپ کے بعض کرامات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کرامات اور خوارق عادات اور علمی معلوماتی واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ ابوبصیر ایک دن حمام جانے کے لئے اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ راستہ میں چند ایسے حضرات ملے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی

زیارت کے لئے جارہے تھے ۔ ابوبصیر صحابی یہ سوچ کر ساتھ ہوگئے کہ اگر میں حمام سے واپسی میں جاؤں گا تو سعادت زیارت میں پیچھے رہ جاؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو آپ نے اشارۃً فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں حالت جنابت میں داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ ابوبصیر نے معذرت کی اور حمام چلے گئے ۔ (کشف الغمہ صفحہ ۹۷) یونس بن ظبیان کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ زمین کے خزانے ہمارے اختیار میں ہیں ۔ یہ کہہ کر آپ نے پیر سے زمین پر ایک خط کھینچا اور ایک بالشت کا ڈبہ اٹھا کر ہمیں دکھلایا ۔ اس میں بہترین سونے کی اینٹیں تھیں ۔ میں نے عرض کی مولا ۔ آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے مگر آپ کے ماننے والے تکلیف اٹھا رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ ان کے لئے جنت ہے (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۱۸۳)

آپ کے اخلاق اور عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا ۔ جب اس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اس کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑے ۔ دیکھا کہ ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے ۔ آپ اسے جگانے کے بجائے اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا ۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے ۔ رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لئے ہے آئندہ ایسا نہ کرنا (مناقب جلد ۵ صفحہ ۵۲) علامہ معاصر مولانا علی نقی مجتہد العصر رقم طراز ہیں ۔ آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوع انسانی کے لئے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا ۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے ۔ خاص خاص اوصاف جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کئے ہیں ۔ مہمان نوازی ، خیر و خیرات ، مخفی طریقہ پر غرباء کی خبر گیری ۔ عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک ، عفو جرائم ، صبر و تحمل وغیرہ ہیں ۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا ۔ آنکھ کھلی تو اسے شبہ ہوا کہ اس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے ۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا ۔ کسی کو نہ پایا ۔ ایک گوشہ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السّلام نماز پڑھ رہے تھے ۔ وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لی ہے ۔ حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا ۔ اس نے کہا ۔ ایک ہزار دینار ۔ حضرت نے فرمایا میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ ۔ وہ آپ کے ساتھ ہو گیا ۔ بیت اشرف پر تشریف لا کر ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیئے وہ

مسجد میں واپس آگیا اور اپنا اسباب اٹھانے لگا تو خود اس کی دیناروں کی تھیلی اسباب میں نظر آئی۔ یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور دوڑتا ہوا پھر امام کی خدمت میں آیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینار واپس کرنا چاہے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم جو کچھ دے دیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیتے۔

موجودہ زمانہ میں یہ حالات سب ہی کی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں کہ جب یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اناج مشکل سے ملے گا تو جس کو جتنا ممکن ہو وہ اناج خرید کر رکھ لیتا ہے مگر امام جعفر صادق علیہ السلام کے کردار کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے آپ کے وکیل معتقب نے کہا۔ کہ ہمیں اس گرانی اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کافی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ تمام غلہ فروخت کر ڈالو۔ اس کے بعد جو حال سب کا ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا۔ اب خالص گیہوں کی روٹی نہ پکا کرے بلکہ آدھے گیہوں اور آدھے جو، جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیئے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لئے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا تھا۔ کسی نے کہا۔ یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمایئے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ حضرت نے فرمایا۔ طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں۔ غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی رہتی تھی جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہے میں نے سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو میں گھر آیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر معین تھی اسے گود میں لئے زینہ سے اوپر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھا، تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اس کا رنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب وہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر حضرت نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا۔ ڈرو نہیں۔ میں نے تم کو راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے (صادق آل محمد صفحہ ۱۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۵۴)

کتاب مجانی الادب جلد ا صفحہ ۷۶ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے حضرت نے کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان

کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کنیز کانپنے لگی اور آپ نے غصہ کے بجائے اسے راہِ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے خوف سے کانپتی ہے۔ شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دھلا رہا تھا کہ دفعتہً لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا۔ اور پانی اڑ کر حضرت کے منہ پر پڑا۔ غلام گھبرا اٹھا۔ حضرت نے فرمایا۔ ڈر نہیں جا۔ میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

کتاب تحفۃ الزائر علامہ مجلسی میں ہے کہ آپ کے عادات میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے جانا داخل تھا۔ آپ عہد سفاح اور زمانہ منصور میں زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے کربلا کی آبادی سے تقریباً چار سو قدم شمال کی جانب نہر علقمہ کے کنارے باغوں میں "مشرلۂ صادق آل محمدؐ" اسی زمانہ سے بنا ہوا ہے (تصویر عزا صفحہ ۶۰ طبع دہلی ۱۹۱۹ء)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی بلندی

یہ ظاہر ہے کہ علم ہی انسان کا وہ جوہر غیر فانی ہے جس کے بغیر حقیقی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے علم کے ذریعہ سے ملائکہ پر فضیلت حاصل کی اور آپ کے اس طرز عمل سے ناگزیر طور پر یہ واضح ہو گیا کہ منصوص من اللہ کو عالم جید ہونا لازمی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام چونکہ صحیح طور پر منصوص تھے لہٰذا آپ کا عالم زمانہ ہونا لازمی تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ علم کے ان مدارج پر فائز تھے جن کے سرشتۂ بلند کے پایہ کو پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔

صادق آلِ محمدؐ کی تصانیف

آپ کی تصانیف کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار کتابیں و رسالے مقالات سے دنیا والوں کو فیض یاب فرمایا ہے۔ آپ چونکہ علوم میں غیر محدود تھے۔ اس لئے آپ کی کتابیں ہر علم میں ملتی ہیں۔ آپ نے علم دین۔ علم کیمیا۔ علم رجز۔ علم فال۔ علم فلسفہ۔ علم طبیعیات۔ علم ہیئت۔ علم منطق۔ علم طب۔ علم سمیات۔ علم تشریح الاجسام و افعال الاعضا۔ علم الٰہیات وما بعد الطبیعیات وغیرہ وغیرہ پر خامہ فرسائی فرمائی ہے اور لیکچر دیا ہے۔ ہم اس مقام پر صرف دو کتابوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں (۱) کتاب جفر و جامعہ (۲) کتاب اہلیلجیہ۔

کتاب جفر و جامعہ

کتاب جفر و جامعہ کے متعلق علماء کے بیانات مختلف ہیں مولوی وحید الزماں صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب انوار اللغت کے پارہ ۵ صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دی تھیں ایک جفر دوسری جامعہ۔ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر تھی۔ دوسری بھیڑ کی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو حضرت علیؑ کے پاس تھیں ان میں از روئے قواعد علم حروف و تکسیر بڑے حوادث کا بیان تھا جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گذرے وہ انہیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے تھے الخ۔ کتاب بحر محیط میں ہے کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے۔ یعنی سائل کے سوال کے حروف پر تصرف اور تغیر کر کے سوال کا جواب نکالنا الخ۔ علامہ شبلنجی اپنی کتاب نور الابصار کے صفحہ ۱۳۲ پر بحوالہ حیواۃ الحیوان دمیری لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجفر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو قیامت تک دنیا میں رونما ہوں گی۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل کے صفحہ ۲۱۴ میں کتاب الجفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " ھومن کلامہ " یہ کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے۔ یہی عبارت بعینہٖ شواہد النبوت ملا جامی کے صفحہ ۱۸۷ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں بھی موجود ہے۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جفر و جامعہ کے علاوہ جفر احمر و جفر ابیض اور مصحف فاطمہ کے بھی مالک تھے اور آپ کو خدا نے علم غابر و مزبور نکت و نقر سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ علامہ جامی شواہد النبوت صفحہ ۱۸۷ میں اور علامہ اربلی کشف الغمہ صفحہ ۹۷ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ہمیں آئندہ اور گذشتہ کا علم اور الہام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ میرے خیال میں یہی عالم علم لدنی ہونے کی دلیل ہے جو جانشین پیغمبر ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ صاحب مجمع البحرین وحید الزمان اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جفر و جامعہ میں قیامت تک ہونے والے سارے واقعات مندرج ہیں یہاں تک کہ اس میں خراش لگ جانے کی بھی سزا کا ذکر ہے اور ایک تازیانہ بلکہ نصف تازیانہ کا بھی حکم موجود ہے۔

کتاب اھلیلجیہ

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب اہلیلجیہ

کو مکمل طور پر نقل فرمایا ہے اس کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایک ہندوستانی فلسفی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے الٰہیات اور ما بعد الطبیعیات پر حضرت سے تبادلہ خیالات کرنا چاہا حضرت نے اس سے نہایت مکمل گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا اسے آخر میں کہنا پڑا کہ آپ نے اپنے دعوے کو اس طرح ثابت فرما دیا ہے کہ ارباب عقل کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہندی فلسفی سے گفتگو کی تھی اسے کتاب کی شکل میں مدون کر کے باب اہلبیت کے مشہور متکلم جناب مفضل بن عمر الجعفی کے پاس بھیج دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ :-

اے مفضل میں نے تمہارے لئے ایک کتاب لکھی ہے جس میں منکرین خدا کی رد کی ہے اور اس کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے پاس ہندوستان سے ایک طبیب (فلسفی) آیا تھا اور اس نے مجھ سے مباحثہ کیا تھا میں نے جو جواب اسے دیا تھا اسی کو قلمبند کر کے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔

صادق آل محمدؐ کے فلک وقار شاگرد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا شمار مشکل ہے بہت ممکن ہے کہ آئندہ سلسلہ تحریر میں آپ کے بعض شاگردوں کا ذکر آتا جائے۔ عام مورخین نے بعض ناموں کو خصوصی طور پر پیش کر کے آپ کی شاگردی کی مسلک میں پرو کر انہیں معزز بتایا ہے مطالب السئول۔ صواعق محرقہ۔ نور الابصار وغیرہ میں امام ابوحنیفہ، یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریح، امام مالک ابن انس۔ امام سفیان ثوری سفیان بن عیینہ، ایوب سجستانی وغیرہ کا آپ کے شاگردوں میں خاص طور پر ذکر ہے (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۳۰۔ اور خیر الدین زرکلی کی الاعلام صفحہ ۱۸۳ طبع مصر محمد فرید وجدی کی ادارہ معارف القرآن کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ طبع مصر میں ہے۔ "وکان تلمیذہ ابوموسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی" آپ کے شاگردوں میں جابر بن حیان طرسوسی بھی ہیں آپ کے بعض شاگردوں کی جلالت قدر اور ان کی تصانیف اور علمی جذبات پر روشنی ڈالی تو بے انتہا دشوار ہے اس لئے اس مقام پر صرف جابر بن حیان طرسوسی جو کہ انتہائی با کمال ہونے کے باوجود عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امام الکیمیا جناب جابر ابن حیّان طرسوسی

آپ کا پورا نام ابوموسیٰ جابر بن حیان بن عبد الصمد الصوفی الطرسوسی الکوفی ہے آپ

سنہ ۷۲۱ء میں پیدا ہوئے اور ۸۰۳ء میں انتقال فرما گئے بعض محققین نے آپ کی وفات سنہ ۸۱۳ء بتائی ہے لیکن ابن ندیم نے ۷۷۶ء لکھا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک ہسٹری میں ہے کہ استاد اعظم جابر بن حیان بن عبداللہ وعبدالصمد کوفہ میں پیدا ہوا۔ وہ طوسی النسل تھا اور آزاد نامی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خیالات میں صوفی تھا اور رمیں کار ہنے والا تھا۔ اوائل عمر میں علم طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادقؑ ابن امام محمد باقرؑ کی فیض صحبت سے خود امام ہو گیا۔

"تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساری کائنات میں کوئی ایسا نہیں جو امام کی طرح سارے علوم پر بول سکے۔ الخ

تاریخ آئمہ ص ۴۳۴ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا جعفر رمل پر لکھی تھی حضرت کے شاگرد مشہور و معروف کیمیا گر جابر بن حیان جو یورپ میں جیبر کے نام سے مشہور ہیں۔ جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا۔

اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے۔ ان جابر بن حیان نے ہزار ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ ابن خلکان کتاب وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ طبع مصر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقالات علم کیمیا اور علم جعفر و فال میں موجود ہیں اور آپ کے شاگرد تھے جابر بن حیان صوفی طرسوسی جنہوں نے ہزار ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ خیر الدین زرکلی نے بھی الاعلام جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ طبع مصر میں یہی کچھ لکھا ہے۔ اس کے بعد تحریر کیا ہے۔ تصانیف کثیرۃ ان کی بے شمار تصانیف ہیں جن کا ذکر ابن ندیم نے اپنی فہرست میں کیا ہے۔ علامہ محمد فرید وجدی نے دائرہ معارف القرآن الرابع عشر کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ طبع مصر میں بھی لکھا ہے۔ کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسائل کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی تھی۔ علامہ ابن خلدون نے بھی مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۰ میں علم کیمیا کا ذکر کرتے ہوئے جابر بن حیان کا ذکر کیا ہے اور فاضل ہنوی نے اپنی ضخیم تصنیف کتاب اور کتاب خانہ غیر مطبوعہ میں بحوالہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۷۹ طبع مصر بہ مطبع تقدم لکھا ہے کہ جابر بن حیان علم کیمیا کے مدوّن کرنے والوں کا امام ہے۔ بلکہ

اس علم کے ماہرین نے اس کو جابر سے اس حد تک مخصوص کر دیا ہے اور اس علم کا نام بھی "علم جابر" رکھ دیا ہے (الجواد صفحہ ۱۱ جلد ۱ وصفحہ ۹)

مورخ ابن القفطی لکھتے ہیں کہ جابر بن حیان کو علم طبیعیات اور کیمیا میں تقدم حاصل ہے۔ ان علوم میں اس نے شہرۂ آفاق کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان کے علاوہ علوم فلسفہ وغیرہ میں شرفِ کمال پر فائز تھے اور یہ تمام کمالات سے بھرپور ہونا علم باطن کی پیروی کا نتیجہ تھا ملاحظہ ہو طبقات الامم صفحہ ۹۵ (اخبار الحکما صفحہ ۱۱۱ طبع مصر۔ پیام اسلام جلد ۷ صفحہ ۱۵-۱۶) میں ہے کہ یہ وہی خوش قسمت مسلمان ہے جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ اس کے متعلق جنوری ۲۵ء میں سائنس پروگریس نوشتہ جے ہولم یارڈ۔ ایم۔ اے۔ الیف۔ آئی سی۔ آفیسر اعلےٰ شعبہ سائنس کلفٹن کالج برسٹل نے لکھا ہے کہ علم کیمیا کے متعلق زمانہ وسطیٰ کی اکثر تصانیف ملتی ہیں جن میں گیبر کا ذکر آتا ہے اور عام طور پر گیبر ابن حین اور بعض دفعہ گیبر کی بجائے جیبر بھی دیکھا گیا ہے اور گیبر یا جیبر دراصل "جابر" ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی لاطینی کتب میں گیبر کا ذکر آتا ہے وہاں مراد عربی ماہر کیمیا جابر بن حیان ہی ہے جیسے (J) کے بجائے (G) کا آنا جانا آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ لاطینی میں "جے" کے مترادف کوئی آواز نہیں اور بعض علاقوں مثلاً مصر وغیرہ میں "جے" کو اب بھی بطور (G) یعنی رگ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں سائنس کیمسٹری وغیرہ کا چرچا بہت ہو چکا ہے اور اس علم کے جاننے والے دنیا کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کر دربار خلافت سے منسلک ہو رہے ہیں۔ جابر بن حیان کا زمانہ بھی کم وبیش اس ہی دور میں تھا پچھلے تیس پچیس سال میں انگلستان اور جرمنی میں جابر کے متعلق بہت سی تحقیقات ہوئی ہیں۔ لاطینی زبان میں علم کیمیا کے متعلق چند کتب سینکڑوں سال سے اس مفکر کے نام سے منسوب ہیں جس میں مخصوص ۱ سما ۲ برفکیشن ۳ ڈی انولیسٹی گیشن پرفکشن ۴ ڈی انولیسٹی گیشن ورٹیس ۵ ٹیسٹا بھن۔ لیکن ان کتابوں کے متعلق اب تک ایک طولانی بحث ہے اور اس وقت تک منکرین یورپ انہیں اپنے یہاں کی پیداوار بتاتے ہیں۔ اس لئے انہیں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جابر کو حرف (G) گ گیبر سے پکاریں اور بجائے عربی النسل کے اسے یورپین ثابت کریں۔

حالانکہ سما کے کئی طبع شدہ اڈیشنوں میں گیبر کو عرب ہی کہا گیا ہے۔ رسل کے انگریزی ترجمہ میں اسے ایک مشہور عربی شاہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے ۱۵۴۱ء میں کی نورن برگ کے ایڈیشن میں وہ صرف عرب ہے۔ اسی طرح اور بہت سے قلمی نسخے ایسے مل جاتے ہیں جن میں کہیں اسے ایرانیوں کے بادشاہ سے یاد کیا گیا ہے۔ کسی جگہ اسے شاہِ ہند کہا گیا ہے۔ ان اختلافات سے سمجھ میں آتا ہے کہ جابر برّ اعظم ایشیا سے نہ تھا بلکہ اسلامی عرب کا ایک

درخشندہ ستارہ تھا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری کے مطابق جعفر برکی کے ذریعہ سے جابر بن حیان کا خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ کے نام سے علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "کتاب شگوفہ" رکھا۔ اس کتاب میں اس نے علم کیمیا کے جلی و خفی پہلوؤں کے متعلق نہایت مختصر طریقے نہایت ستھرا طریق عمل اور عجیب وغریب تجربات بیان کئے۔

جابر کی وجہ ہی سے قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب بڑی تعداد میں لائی گئیں۔ منطق میں علامہ دہر مشہور ہو گیا اور نوّے سال سے کچھ زائد عمر میں اس نے تین ہزار کتابیں لکھیں اور ان کتابوں میں سے وہ بعض پر ناز کرتا تھا۔ اپنی کسی تصنیف کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ روئے زمین پر ہماری اس کتاب کے مثل ایک کتاب بھی نہیں ہے۔ نہ آج تک ایسی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ قیامت تک لکھی جائے گی (سرفراز ۲ر دسمبر ۱۹۵۲ء)

فاضل ہنسوی اپنی کتاب "کتاب و کتاب خانہ" میں لکھتے ہیں کہ جابر کے انتقال کے دو برس بعد عز الدولہ ابن معز الدولہ کے عہد میں کوفہ کے شارع باب الشام کے قریب جابر کی تجربہ گاہ کا انکشاف ہو چکا ہے جس کو کھودنے کے بعد بعض کیمیادی چیزیں اور آلات بھی دستیاب ہوئے ہیں فہرست ابن الندیم صفحہ ۴۹۹۔ جابر کے بعض قدیم مخطوطات برٹش میوزیم میں اب تک موجود ہیں جن میں سے کتاب الخواص قابل ذکر ہے۔ اسی طرح قرون وسطیٰ میں بعض کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں کیا گیا۔ منجملہ ان تراجم کے کتاب "سبعین بھی ہے جو ناقص و نا تمام ہے۔ اسی طرح " الجث من الکمال" کا ترجمہ بھی لاطینی میں کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں کیمیا پر بلکہ یورپ کی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی مترجم ہوئیں۔ جابر نے کیمیا کے علاوہ طبعیات ہیئت، علم رویا، منطق، طب اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب سمیات پر بھی ہے۔ یوسف الیاس سرکس صاحب معجم المطبوعات بتلاتے ہیں کہ جابر بن حیان کی ایک نفیس کتاب سمیات پر بھی ہے جو کتب خانہ تیموریہ قاہرہ مصر میں بہ ضمن مخطوطات کے ہے۔ ان میں چند ایسے مقالات کو جو بہت مفید تھے بعد کرہ حروف نے رسالہ مقتطف جلد ۵۸۔ ۵۹ میں شائع کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو (معجم المطبوعات العربیہ المعربہ جلد ۳ حرف جیم صفحہ ۶۶۵۔ غالباً اس کتاب کی طرف اشارہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے۔ جابر بحیثیت ایک طبیب کے کام کرتا تھا لیکن اس کی طبی تصانیف ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ حالانکہ اس مقالے کا لکھنے والا یہی ڈاکٹر ماکس می یرہاف نے جابر کی کتاب کو جو سموم پر ہے حال ہی میں معلوم کر لیا ہے۔

جابر کی ایک کتاب جس کو مع متن عربی اور ترجمہ فرانسیسی پول کراؤ متشرق نے ۱۹۳۵ء میں شائع کیا ہے ایسی بھی ہے جس میں اس نے تاریخ انتشار آراء و عقائد و افکار ہندی یونانی اور ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے کئے ہیں۔ اس کتاب کا نام "اخراج مافی القوۃ الی الفعل" ہے۔ (الجواد جلد ۱۰/۹ صفحہ ۱۰ بنارس)

پروفیسر رسکار کی رد !

میرے بیان سے یہ یقیناً واضح ہو گیا کہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ جابر بن حیان اسلام کا معروف کیمیاگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا لیکن مسٹر پروفیسر رسکار نے علم کیمیا کے متعلق جو رسالہ شائع کیا ہے اس میں جابر ابن حیان کے ان دعاوی کو غلط اور جعلی بتایا ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردوں کی طرف منسوب ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو علم کیمیا اور سائنس سے کیا واسطہ! نیز امام جعفر صادقؑ کی حیثیت کا امام پارے گندھک، کٹھالی اور پھکنی کے استعمال میں مصروف ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں موصوف کے جواب میں کہتا ہوں کہ موصوف نے کوئی معقول وجہ انکار کی بیان نہیں فرمائی۔ تاریخوں کا ثبوت پیش کرنا اثبات کے لئے کافی ہے اور ان کے انکار سے عدم شاگردی کی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی۔ یہ کب ضروری ہے کہ جابر بن حیان جیسے ذکی و ذہین شاگرد کو بچوں کی طرح بیٹھ کر عمل کرکے دکھایا ہو۔ ذہین طالب علموں کو زبانی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر اسی طرح تعلیم دی ہو جس طرح معترض کا خیال ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام جیسا استاد علوم کو پھیلانے کے لئے پارہ اور گندھک کٹھالی اور پھکنی میں کچھ دیر مصروف رہ سکتا ہے اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے جملہ علوم کے اصول تعلیم فرما دیئے ہوں اور جابر نے انہیں وسعت دے دی ہو۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ کتاب مناقب میں ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ علمنی رسول اللہ الف باب الخ۔ آنحضرتؐ نے مجھے علوم کے ایک ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب سے ہزار ہزار باب خود پیدا کئے۔ کتاب مطالب السؤل صفحہ ۹۸ میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے علم نحو کے اصول ابوالاسود دوئلی کو تعلیم فرمائے۔ پھر اس نے تمام تفصیلات نکل کئے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی اصول پر جابر کو تعلیم دی گئی ہو۔

جابر بن حیان کی وفات

انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر حیان کی عمر ۹۰ سال سے کچھ
ائد تھی مسٹر جعفر بارہوی نے ان کی ولادت اور وفات کے متعلق سرفراز ۷ ار نومبر ۱۹۵۲ء میں جو
چھ تحریر کیا ہے اسی کو نقل کرتے ہوئے مسٹر قمر رضا نے پیام اسلام جلد ۷ صفحہ ۶ تا ۱۵ ۔ ۲۶ ر
ولائی ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ جابر بن حیان ۷۲۲ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۸۰۳ء
ں انتقال کیا اور بعض کا کہنا ہے کہ ۸۱۳ء تک زندہ رہے ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن
دیم نے ان کی وفات ۷۷۷ء میں بتائی ہے اور میرے نزدیک یہی قرین قیاس ہے ۔ میری
مجھ میں نہیں آتا کہ موصوف نے ابن ندیم کے فیصلہ کو کیونکر تسلیم کر لیا ۔ اس لئے کہ اگر ولادت کا
ن درست ہے تو پھر ابن ندیم کا بیان قرین قیاس نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اگر وہ ۷۲۲ء میں پیدا ہوئے
تھے اور ۷۷۷ء میں وفات پا گئے تو گویا ان کی عمر صرف ۵۵ سال کی ہوئی جو اتنے صاحب کمال کے لئے
رین قیاس نہیں ہے ۔ میرے نزدیک انسائیکلو پیڈیا والے کی تحقیق صحیح ہے وہ نوے سال سے کچھ
یادہ ان کی عمر بتاتا ہے جو از روئے حساب درست ہے کیونکہ ولادت ۷۲۲ء اور وفات ۸۱۳ء میں تسلیم
رنے کے بعد ان کی عمر ۹۱ سال ہوتی ہے اور یہ عمر ایسے باکمال کے لئے ہونی مناسب ہے ۔

صادق آلِ محمدؑ کے علمی فیوض و برکات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جنہیں راسخین فی العلم میں ہونے کا شرف حاصل
ہے اور جو علم اولین و آخرین سے آگاہ اور دنیا کی تمام زبانوں سے واقف ہیں جیسا کہ مورخین
نے لکھا ہے میں ان کے تمام علمی فیوض و برکات پر تھوڑے اوراق میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں میں نے آپ کے
لات کی چھان بین کی ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر مجھے فرصت ملے تو تقریباً چھ ماہ میں آپ کے علوم اور
ضائل و کمالات کا کافی ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے آپ کے متعلق امام مالک بن انس لکھتے ہیں میری آنکھوں
نے علم و فضل و ورع و تقوٰی میں امام جعفر صادق سے بہتر دیکھا ہی نہیں جیسا کہ ادھر گذرا وہ بہت بڑے
لوگوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے ۔ خدا سے بے پناہ ڈرتے تھے بے انتہا حدیث بیان کیا کرتے
تھے ۔ بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے ۔ آپ سے مل کر بے انتہا فائدہ اٹھایا جاتا تھا ۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۵۲ طبع بمبئی)

علمی فیوض رسانی کا موقع

یوں تو ہمارے تمام آئمہ اہلبیت علمی فیوض و برکات سے بھرپور تھے اور علم اولین و آخرین کے مالک، لیکن دنیا والوں نے ان سے فائدے اٹھانے کے بجائے انہیں قید و بند میں رکھ کر علوم فنون کے خزانے پر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ناگ بٹھا دیئے تھے۔ اس لئے ان حضرات کے علمی کمالات کما حقہ منظر عام پر نہ آسکے۔ ورنہ آج دنیا کسی علم میں خاندان رسالت مآبؐ کے علاوہ کسی کی محتاج نہ ہوتی۔ فاضل معاصر مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ کا عہد معارف پروری کے لحاظ سے ایک زریں عہد تھا۔ وہ رکاوٹیں جو آپ سے قبل آئمہ اہل بیت کے لئے پیش آیا کرتی تھیں ان میں کسی حد تک کمی تھی۔ اموی حکومت کی تباہی اور عباسی سلطنت کا استحکام آپ کے لئے سکون دامن کا سبب بنا۔ اس لئے حضرت کو مذہب اہلبیت کی اشاعت اور علوم وفنون کی ترویج کا ایک بہترین موقع ملا۔ لوگوں کو بھی ان عالمان ربانی کی طرف رجوع کرنے میں اب کوئی خاص زحمت نہ تھی جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں علاوہ حجاز کے دور دراز مقامات مثل عراق، شام، خراسان، کابل، سندھ، ہند اور بلاد روم، فرنگ کے طلباً و شائقین علم حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ حضرت کے حلقۂ درس میں چار ہزار اصحاب تھے۔ علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب الارشاد میں فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) لوگوں نے آپ کے علوم کو نقل کیا جنہیں تیز سوار منازل بعیدہ کی طرف لے گئے اور آوازہ آپ کے کمال کا تمام شہروں میں پھیل گیا اور علماء نے اہل بیت میں کسی سے بھی اتنے علوم و فنون کو نہیں نقل کیا ہے جو آپ سے روایت کرتے ہیں اور جن کی تعداد چار ھزار ہے غیرعرب طالبانِ علم سے ایک رومی نسل بزرگ زرارہ بن اعین متوفی ۱۵۰ھ قابل ذکر ہیں جن کے دادا سنن بلادِ روم کے ایک مقدس راہب (MONK) تھے۔ زرارہ اپنی خدمات علیہ کے اعتبار سے اسلامی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ کتاب "الاستطاعت والجبر" اُن کی مشہور تصنیف ہے (منہج المقال صفحہ ۱۴۲)

کتب اصول اربعمائۃ

حضرت کے اصحاب میں چار سو ایسے مصنفین تھے جنہوں نے علاوہ دیگر علوم و فنون کے

کلام معصوم کو ضبط کر کے چار سو کتب اصول مدوّن کیں۔ اصل سے مراد مجموعہ احادیث اہلبیت کی وہ کتابیں ہیں جن میں جامع نے خود براہ راست معصوم سے روایت کر کے احادیث کو ضبط تحریر کیا ہے یا ایسے راوی سے سنا ہے جو خود معصوم سے روایت کرتا ہے۔ اس قسم کی کتاب میں جامع کی دوسری کتاب یا روایت سے معنعناً (عن فلاں عن فلاں) کے ساتھ نہیں نقل کرتا جس کی سند میں اور وسائط کی ضرورت ہو۔ اس لئے کتب اصول میں خطا و غلط سہو نسیان کا احتمال بہ نسبت اور دوسری کتابوں کے بہت کم ہے۔ کتب اصول کے زمانہ تالیف کا انحصار عہد امیر المؤمنین سے لے کر امام حسن عسکری کے زمانہ تک ہے جس میں اصحاب معصومین نے بالمشافہ معصوم سے روایت کر کے احادیث کو جمع کیا ہے۔ یا کسی ایسے ثقہ راوی سے حدیث معصوم کو اخذ کیا ہے جو براہ راست معصوم سے روایت کرتا ہے شیخ ابوالقاسم جعفر بن سعید المعروف بالمحقق الحلی اپنی کتاب المعتبر میں فرماتے ہیں کہ:۔

"امام جعفر صادق علیہ السلام کے جوابات مسائل کو چار سو مصنفین اصحاب امام نے تحریر کر کے چار سو تصانیف مکمل کی ہیں۔"

صادق آلِ محمدؑ کے اصحاب کی تعداد اور انکی تصانیف

آگے چل کر فاضل معاصر الجواد میں بحوالہ کتاب وکتب خانہ لکھتے ہیں۔ کتب رجال میں جن اصحاب آئمہ کے حالات و تراجم مذکور ہیں ان کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچ سو اصحاب ہیں جن میں سے صرف چار ہزار اصحاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں سب کا تذکرہ ابوالعباس احمد بن سعید بن عقدہ ۲۴۹/۳۳۳ نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے اور شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی نے بھی ان سب کا احصا اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔

معصومین علیہم السلام کے تمام اصحاب میں سے مصنفین کی جملہ تعداد ایک ہزار تین سو سے زائد نہیں ہے جنہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب اصول اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری کتابیں تالیف اور تصنیف کی ہیں جن میں سے بعض مصنفین اصحاب آئمہ تو ایسے تھے جنہوں نے تنہا سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ فضل بن شاذان نے ایک سو اسی (۱۸۰) کتابیں تالیف کیں ابن دول نے سو کتابیں لکھیں۔ اسی طرح برقی نے بھی تقریباً سو کتابیں لکھیں ابن ابی عمیر نے نوّے کتابیں لکھیں اور اکثر اصحاب آئمہ تو ایسے تھے جنہوں نے تیس یا چالیس سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔ غرضیکہ ایک ہزار تین سو مصنفین اصحاب آئمہ نے تقریباً پانچ ہزار تصانیف کیں۔
مجمع البحرین میں لفظ جبر کے ماتحت ہے کہ صرف ایک جابر الجعفی امام جعفر صادق علیہ السلام

کی ستر ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ تاریخ اسلام جلد ۵ صفحہ ۳ میں ہے کہ ربان بن تغلب بن رباح (ابو سعید) کوفی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تیس ہزار احادیث کے حافظ تھے ان کی تصانیف میں تفسیر غریب القرآن کتاب المفرد، کتاب الفضائل کتاب الصفین قابل ذکر ہیں۔ یہ قاری فقیہہ لغوی محدث تھے انہیں حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ، حضرت امام جعفر صادقؑ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا ۱۴۱ھ میں انتقال کیا۔

حضرت صادق آل محمدؐ اور علم جفر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو چونکہ نشر علوم کا موقعہ مل گیا تھا۔ لہذا آپ نے علمی افادات کے دریا بہا دیئے۔ آپ کو جہاں دیگر علوم میں کمال تھا اور آپ نے مختلف علوم کے نشر میں سعی کی ہے علم جفر میں بھی آپ یکتائے زمانہ تھے اور اس علم میں بھی آپ کے تصانیف ہیں۔

علم جفر کسے کہتے ہیں اس کے متعلق الاب لویس معلوف الیسوعی کتاب المنجد کے صفحہ ۹۱ طبع بیروت میں لکھتے ہیں کہ علم جفر کو علم الحروف بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ سے حوادث عالم کو معلوم کرلیا جاتا ہے۔ مولوی وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغت صفحہ ۵۱ میں بحوالہ محیط لکھتے ہیں کہ علم جفر جو علم تکسیر کا دوسرا نام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سائل کے سوال کے حروف میں تغیر و تبدل کرکے حالات معلوم کیے جائیں۔ مجمع البحرین میں لفظ جفر کے ماتحت لکھا ہے کہ علم الحروف کے اصول پر حوادث عالم کے معلوم کرنے کا نام علم جفر ہے۔ تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ ابن خلکان جلد ا صفحہ ۸۵ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا اور جفر اور رمل پر لکھی تھی۔

حضرت صادق آل محمدؐ اور علم طب

علامہ ابن بابویہ القمی کتاب الخصائل جلد ۲ باب ۱۹ صفحہ ۹۷ تا ۹۹ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک مشہور طبیب منصور دوانقی کے دربار میں طلب کیا گیا بادشاہ نے حضرت سے اس کی ملاقات کرائی۔ امام جعفر صادق نے علم تشریح الاجسام اور افعال الاعضا کے متعلق اس سے انیس سوالات کیے۔ وہ اگرچہ اپنے فن میں پورا کمال رکھتا تھا لیکن جواب نہ دے سکا۔ بالآخر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس طبیب سے حضرت نے بیس سوالات کیے تھے اور اس انداز سے پُر از معلومات تقریر فرمائی کہ وہ بول اٹھا۔

"من این لک ھذا العلم" اے حضرت یہ بے پناہ علم آپ نے کہاں سے حاصل فرمایا۔ آپ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے، انہوں نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ انہوں نے جبرئیلؑ سے انہوں نے خداوند عالم سے اسے حاصل کیا ہے جس نے اجسام و ارواح کو پیدا کیا ہے "فقال الہندی صدقت" اس نے کہا بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد اس نے پھر کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا "انک اعلم اھل زمانک" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ عہد حاضرہ کے سب سے بڑے عالم ہیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد صفحہ ۵۴ طبع بمبئی)

حضرت صادق آل محمدؑ کا علم القرآن

مختصر یہ کہ آپ کے علمی فیوض و برکات پر مفصل روشنی ڈالنی تو دشوار ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے البتہ صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علم القرآن کے بارے میں دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۸۷ پر آپ کا قول موجود ہے۔ خدا کی قسم۔ میں قرآن مجید کو اوّل سے آخر تک اس طرح جانتا ہوں۔ گویا میرے ہاتھ میں آسمان و زمین کی خبریں ہیں اور وہ خبریں بھی ہیں جو ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں اور جو ہونے والی ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن مجید میں ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے۔ ایک مقام پر آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء اور رسل کے علوم کے وارث ہیں (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۸۸)

علم النجوم

علم النجوم کے بارے میں اگر آپ کے کمالات دیکھنا ہوں تو کتب طوال کا مطالعہ کرنا چاہیئے آپ نے نہایت جلیل علماء علم النجوم سے مباحثہ اور مناظرہ کر کے انہیں انگشت بدنداں کر دیا ہے بحار الانوار۔ مناقب شہر آشوب و دمعہ ساکبہ وغیرہ میں آپ کے مناظرے موجود ہیں۔ علماء کا فیصلہ ہے کہ کہ علم نجوم حق ہے لیکن اس کا صحیح علم آئمہ اہلبیتؑ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ حلقہ بگوشانِ مودت نور ہدایت سے کسب ضیا کر لیں۔

علم منطق الطیر

صادق آلِ محمدؑ دیگر آئمہ کی طرح منطق الطیر سے بھی باقاعدہ واقف تھے جو پرندہ یا کوئی جانور آپس میں بات چیت کرتا تھا اسے آپ سمجھ لیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت تکلم فرمایا کرتے تھے

مثال کے لیے ملاحظہ ہو کتاب تفسیر لباب التاویل جلد ۵ صفحہ ۱۱۳ و معالم التنزیل صفحہ ۱۱۳۔ عجائب القصص صفحہ ۱۰۵۔ نور الانوار صفحہ ۱۱۳ طبع ایران میں ہے کہ صادق آلِ محمدؐ نے قبرہ نامی پرندہ جس کو (چکور) یا چنڈول کہتے ہیں کو بولتے ہوئے اصحاب سے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے اصحاب نے صراحت کی خواہش کی تو فرمایا۔ یہ کہتا ہے " اللّٰھمّ العن مبغضی محمّد و آل محمّد" خدایا محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بغض کرنے والوں پر لعنت کر۔ فاختہ کی آواز پہ آپ نے کہا کہ اسے گھر میں نہ رہنے دو۔ یہ کہتی ہے کہ " فقدتم فقدتم " خدا انہیں نیست و نابود کرے۔

صادق آلِ محمدؐ نے جنّت میں گھر بنوا دیا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہشت پر اہلبیت رسول کا پورا پورا حق و اقتدار ہے۔ ملّا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو روانہ حج ہوتے ہوئے مبلغ دس ہزار درہم دئے اور عرض کی کہ میں حج کو جاتا ہوں۔ مہربانی فرما کر میری واپسی تک ایک مکان میری رہائش کا بنوا دیجئے گا۔ یا خرید فرما دیجئے گا جب وہ لوٹ کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے جنت میں ایک گھر خرید لیا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ حدود اربعہ بتانے کے بعد آپ نے ایک نوشتہ دیا اور وہ گھر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہوا اور مرنے لگا۔ وصیت کی کہ نوشتہ صادق میرے کفن میں رکھا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے رکھ دیا جب دوسرا دن ہوا۔ تو قبر پر وہی پرچہ ملا۔ و بر پشت وے نوشتہ کہ " جعفر بن محمد وفا نمود بآں چہ وعدہ کردہ بود۔

اس پرچہ کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ صادق آل محمدؐ نے جو وعدہ کیا تھا۔ درست نکلا۔ اور مجھے مکان مل گیا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲)

دستِ صادقؑ میں اعجاز ابراہیمیؑ

پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے کہ میرے اہلبیت میرے علاوہ تمام انبیاء سے بہتر ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو معجزات انبیاء کرام دکھایا کرتے تھے وہ آپ کے اہلبیت بھی دکھا سکتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہیں تحدی کے طور پر اثبات نبوت کے لئے دنیا والوں کو دکھانا ضروری تھا لیکن اہلبیت کو ایسے معجزات دکھلانا ضروری نہ ہوا لیکن اگر کسی وقت کوئی اس قسم کا معجزہ طلب کرے تو وہ شان اسلام دکھلانے کے لئے معجزہ دکھا دیا کرتے تھے۔

ملّا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے صادق آل محمدؑ سے پوچھا کہ مولا حضرت ابراہیمؑ نے جو چار جانوروں کو زندہ کیا تھا تو وہ جانور (پرندے) ہم جنس تھے یا مختلف اجناس کے تھے حضرت نے اس تعجبانہ سوال کو سن کر فرمایا۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے اس طرح زندہ کیا تھا۔ یہ فرما کر آپ نے آواز دی۔ طاؤس یہاں آ۔ زاغ یہاں آ۔ باز یہاں آ۔ کبوتر یہاں آ۔ یہ تمام پرندے حضرت کے پاس آ گئے آپ نے حکم دیا انہیں ذبح کر کے ان کے گوشت کو خوب پیس ڈالو۔ اس کے بعد آپ نے سر ہاتھ میں لے کر ایک کو آواز دی۔ آواز کے ساتھ گوشت اڑا اور اپنے اپنے سر سے جا لگا اور پرندہ پھر مکمل ہو گیا یہ دیکھ کر سائل حیران رہ گیا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۱ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء)

خط و کتابت اور درخواست کے بارے میں آپکی ہدایت

بسم اللہ کے لکھنے کا طریقہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں کے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔ اصول کافی صفحہ ۶۹۰ میں ہے کہ جب کچھ بھی لکھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو اور دیکھو بسم اللہ کو دندانے والے "س" سے لکھنا یعنی (ب) کے بعد "س" اس طرح لکھنا (س)

درخواست لکھنے کا طریقہ

آپ فرماتے ہیں کہ داہنی طرف دوات رکھ کر درخواست لکھو امام شبلنجی نور الابصار طبع مصر کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھتے ہیں کہ صادق آل محمدؑ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی درخواست دو اور چاہو کہ وہ ضرور منظور ہو جائے تو اس کے سرنامہ پر لکھو۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

وعد اللہ الصابرین المخرج مما یکرھون والرزق من حیث لا یحتسبون جعلنا اللہ وایاکم الذین لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون علامہ اربلی کتاب کشف الغمہ کے صفحہ ۹۰ پر اسی طریقہ تحریر کو لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ بر سر رقعہ بقلم بے مداد بنویس یعنی یہ عبارت بلا روشنائی کے بر سر درخواست لکھنی چاہیئے۔

خط اور جوابِ خط

اصول کافی صفحہ ۶۹۰ میں ہے کہ قال الصادقؑ رد جواب الکاتب واجبٌ کو

ردّ السلام۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خط کا جواب دینا اسی طرح سے واجب ہے جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی انجام بینی اور دور اندیشی

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بنی عباس اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ بنی امیہ کو ختم کر دیں تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ آلِ رسول کی دعوت کا حوالہ دیئے بغیر کام چلنا مشکل ہے لہٰذا وہ امداد و انتقام آلِ محمدؐ کی طرف دعوت دینے لگے اور یہی تحریک کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے جس سے عام طور پر آلِ محمدؐ یعنی بنی فاطمہ کی اعانت سمجھی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے شیعان بنی فاطمہ کو بھی ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ان کے معاون ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ابو سلمیٰ جعفر بن سلیمان کوفی آلِ محمدؐ کی طرف سے وزیر تجویز کئے گئے تھے یعنی یہ گماشتہ کے طور پر تبلیغ کرتے تھے۔ انہیں امام وقت کی طرف سے کوئی اجازت حاصل نہ تھی۔ یہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں بڑی کامیابی سے کام کر رہے تھے جب حالات زیادہ سازگار نظر آئے تو انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابو محمد عبد اللہ ابن حسن کو الگ الگ ایک ایک خط لکھا کہ آپ یہاں آ جائیں۔ تاکہ آپ کی بیعت کی جائے۔

قاصد اپنے اپنے خطوط لے کر منزل تک پہنچے۔ مدینہ میں جس وقت قاصد پہنچا وہ رات کا وقت تھا قاصد نے عرض کی۔ مولا۔ میں ابو سلمیٰ کا خط لایا ہوں حضور اسے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

یہ سن کر حضرت نے چراغ طلب کیا اور خط لے کر اسی وقت پڑھے بغیر نذر آتش کر دیا اور قاصد سے فرمایا کہ ابو سلمیٰ سے کہنا کہ تمہارے خط کا یہی جواب تھا۔

ابھی وہ قاصد مدینہ پہنچا بھی نہ تھا کہ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو جمعہ کے دن حکومت کا فیصلہ ہو گیا اور سفاح عباسی خلیفہ بنایا جا چکا تھا (مروج الذہب مسعودی برحاشیہ کامل جلد ۸ صفحہ ۳۰۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۲۔ حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۷۴۔ تاریخ آئمہ صفحہ ۴۳۳)

خلیفہ منصور دوانیقی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

مورخ ابوالفداء لکھتا ہے کہ ابوالعباس سفاح بن عبد اللہ عباسی نے چار سال چھ ماہ حکومت کر کے ذی الحجہ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء میں انتقال کیا اور وقتِ وفات اپنے بھائی منصور کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس وقت سفاح نے انتقال کیا۔ منصور حج کو گیا ہوا تھا ۱۳۷ ہجری میں

اس نے واپس آ کر عنانِ حکومت سنبھال لی۔

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ منصور بنی عباس کا وہ بادشاہ ہے جس کی عاقبت اندیشی اور دُور بینی سے اس خاندان کو اتنا قیام اور اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت جانے کے بعد بھی عرصہ تک خاندانی وقار باقی رہا۔ مؤرخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ منصور مدبّر منتظم مگر دغا باز، بے رحم، شکی، وسواسی اور سفاک تھا۔ جس پر اسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ ذات یا خاندان کے لئے مُضر ثابت ہو گا اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ حضرت علیؑ کی اولاد کے ساتھ جو جو ظلم اس نے کئے ہیں۔ انہوں نے عباسی تاریخ کے صفحوں کو سب سے زیادہ سیاہ کیا ہے۔ اسی نے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج بویا۔ بڑا کنجوس تھا۔ ایک ایک دانگ پر جان دیتا تھا۔ اسی لئے اسے دوانیقی کہتے ہیں۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السّلام کی اولاد اگرچہ جملہ دنیاوی امور سے کنارہ کش تھے لیکن ان کا روحانی اقتدار منصور کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ تھا اور خواہ مخواہ ان کی طرف سے اسے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ یہ سادات سے پوری دشمنی کرتا تھا۔ اس نے بنی حسینؑ کی جائیدادیں ضبط کیں اور بہت سے سادات قتل کئے۔ بہتوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ امام مالک کو اسی لئے تازیانے لگوائے کہ انہوں نے ایک موقع پر سادات کی حمایت بیعت کی تھی۔ امام ابو حنیفہ کو اس لئے قید کیا کہ انہوں نے ابتداء میں زید شہید کی بیعت کر لی تھی۔ پھر ۱۵۰ھ میں انہیں زہر دلوا دیا۔ غرضیکہ اس کے زمانہ میں بے شمار سادات قتل ہوئے۔ اور بہت سے قید خانوں میں سڑ گئے اور زندان کے زہریلے بخارات کی وجہ سے مر گئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ساتھ بھی اس کا رویّہ اسی انداز کا تھا۔ حالانکہ آپ نے اور آپ سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اسے بعلم امامت حاکم ہونے کی خوشخبری دی تھی اور اس نے اس وقت ان کی مدح سرائی کی تھی (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱)

مُلّا جامی اور امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ منصور عباسی کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو متفکر دیکھ کر سبب تفکّر دریافت کیا۔ منصور نے کہا کہ میں نے علویوں کی جماعت کثیر کو دفنا کر دیا لیکن ان کے پیشوا کو اب تک باقی رکھا ہے۔ میں نے پوچھا۔ وہ کون؟ منصور نے کہا۔ "جعفر بن محمد"۔ میں نے عرض کی کہ جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یادِ خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تو دل میں ان کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ رات ہونے سے پہلے ہی ان کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر جلّاد کو حکم دیا کہ جب جعفر بن محمد کو لا کر حاضر کریں اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھوں تو فوراً ان کو قتل کر دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام تشریف لائے۔ وہ اس وقت کچھ پڑھ رہے تھے جب منصور کی نظر ان پر پڑی تو کانپنے لگا اور استقبال کرکے ان کو اپنی مسند پر بٹھا لیا۔ بعد ازاں پوچھا کہ یا ابن رسول اللہ۔ آپ کے تکلیف کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ طلب ہونے پر آیا ہوں۔ منصور نے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔ یہی حاجت ہے کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو۔ جب میں چاہوں آؤں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۸۔ وسیلۃ النجات صفحہ ۳۶۱۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۶۔ مجانی الادب جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔ ارشاد مفید صفحہ ۴۱۵)

منصور عباسی کی سادات کشی

جب بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ ختم ہوا تو بنی عباس کی حکومت کا دور چلا۔ یہ لوگ بنی امیہ سے بھی زیادہ سادات کے دشمن ثابت ہوئے۔ ان کے زمانہ میں تو سادات پر وہ تباہی آئی کہ اس کے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ منصور عباسی ہوا ہے۔ خدا کی پناہ۔ اس کے مظالم کا کیا ٹھکانا ہے۔ ہزارہا سیدوں کو اس ظالم نے قتل کرایا۔ ان کے خون کے گاروں سے دیواریں چنوائیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے بے گناہوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ بیخوں اور بنیادوں میں دبوا دیا۔ قید خانوں میں سڑا سڑا کر مار دیا۔ اس کے زمانہ میں شیعہ یا سید کا شبہ ہو جانا قتل کے لئے کافی تھا۔ سب سے زیادہ تباہی اس ظالم کے دور سلطنت میں حسنی سادات پر آئی۔ خیال کرو کہ ایسے نازک دور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس احتیاط سے اپنی زندگی بسر کی ہوگی۔ ظلم کے برداشت کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ سالہا سال سے غریب سادات ایک عجیب بے کسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر ان کے سینوں میں بھی دل تھا اور ایک بہادر خاندان کا خون رگوں میں دوڑا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو بھی جوش آ گیا۔ امام حسنؑ کی اولاد میں ان کے پوتے جناب عبداللہ محض ایک بڑے نیک دل اور جوشیلے سید تھے۔ انہوں نے چاہا کہ سادات کو عباسیوں کے مظالم سے کسی طرح چھڑائیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کو اس ارادہ سے روکنا چاہا۔ مگر ان کا جوش کم نہ ہوا۔ اور لوگوں کو منصور کے خلاف ابھارنے لگے۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک کا نام محمد نفس زکیہ اور دوسرے کا ابراہیم تھا۔ ان دونوں نے اس کوشش میں پورا حصہ لیا منصور کو جب ان کے ارادوں کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے سادات حسنی کی گرفتاری کے لئے ایک فوج بھیجی۔ تقریباً ستر پچھتر آدمی جن میں کم سن بچے، نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے گرفتار کر لئے گئے۔ لکھا ہے کہ جب یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا تو ان کی بے کسی و مجبوری، بے گناہی و

بے قصوری کو خیال کرکے ہر ایک اپنے مقام پر روتا اور بے چین نظر آتا تھا۔ آہ! وہ صاحبان فضل وکمال جو صورت وسیرت میں بے مثل وبے نظیر تھے۔ جن کا ایک ایک جوان ہمت ودلیری میں تمام عرب میں مشہور تھا۔ گلے میں طوق پہنے اور ہاتھوں میں دوہری زنجیریں ڈالے، شرم وحجاب سے گردنیں نیچی کیے لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھے ہوئے مدینہ رسول سے نکل رہے تھے تاریخ کامل میں ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو کنبہ کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو بے چین ہو گئے۔ مسجد رسولؐ کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ مظلوم سادات کا قافلہ ادھر سے گذرا۔ امام علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ کسی کے پیر میں زنجیر ہے، کسی کے گلے میں طوق، کسی کی مشکیں کسی ہیں۔ کسی کے پیر اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہوئے ہیں تو آپ زار زار رونے لگے۔ اور فرمایا خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت حرم خدا اور رسولؐ محفوظ نہ رہے گی۔ خدا کی قسم، قوم انصار سے جو معاہدہ حضرت رسول خدا نے کیا تھا (یعنی ان کی اور ان کی اولاد کی حفاظت کا) وہ بھول گئے۔ خداوندا، تو انصار سے سخت مواخذہ کرنا، حضرت کی پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک دوش اقدس سے گر گئی تھی۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ آپ اسی روز سے بیمار پڑ گئے اور تقریباً بیس روز تک تپ کی۔ وہ شدید تکلیف اٹھائی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حضرت نے چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض تک جائیں اور تسلی ودلاسہ دیں مگر ایک سنگدل نے وہاں تک جانے نہ دیا۔

محمد نفس ذکیہ وابراہیم پسران حضرت عبداللہ محض اس زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے۔ اور صحرائی عربوں کا بھیس بدل کر رہنے لگے تھے۔ چنانچہ اسی بھیس میں وہ چھپ کر ایک منزل پر جناب عبداللہ محض سے ملے انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ اس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ منصور اس زمانہ میں کوفہ میں تھا۔ قیدی اس کے سامنے پیش ہوئے۔ اس نے سب کو قید سخت کا حکم دیا۔ جہاں نہ روشنی کا گذر تھا نہ تازہ ہوا کا۔ چند روز بعد ہی یہ لوگ مرنے لگے۔ قیامت یہ آئی کہ ان کے مردوں کو بھی قید خانہ سے باہر نہ نکالا گیا۔ وہیں مرتے اور سڑتے رہے۔ اس سے وہاں کی ہوا اور زیادہ گندی ہو گئی اور ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہر روز دو چار مرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ سادات کشی میں بنی عباس کے مظالم بنی اُمیہ سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے۔ بنی اُمیہ نے اگر ایسا کیا تو غیر ہو کر، قدیمی دشمن بن کر، یہ تو اپنے کہلاتے تھے۔ مال دنیا کی طمع اور حکومت کی حرص نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ نیک وبد کی تمیز باقی نہ رہی اور دنیا کے پیچھے آخرت کو بالکل بھول گئے۔ بہرحال غریب سادات نے اس قید خانہ میں بڑی عبرت ناک حالت میں زندگی بسر کی لیکن اس حالت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہے۔ شب و روز تلاوت کلام پاک سے کام رہتا تھا۔ قید خانہ

کی تاریکی میں دن کے اوقات کا چونکہ پتہ نہ چلتا تھا۔ اس لیے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور انہیں سے اوقات نماز کا پتہ لگاتے تھے۔ ان کو اس قید خانہ میں کئی کئی وقت فاقہ سے گذر جاتے تھے اور کوئی پرسان حال نہ تھا بلکہ کھانے کا کیا ذکر پانی بھی بقدر ضرورت نہ ملتا تھا۔

اب ادھر کا حال سنو۔ محمد نفس زکیہ نے بہت جلد ایک فوج فراہم کر کے منصور پر چڑھائی کی۔ اور مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر چند ہی روز بعد منصور کی فوجوں نے پھر آ گھیرا۔ محمدؐ ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ آخر شہید ہو گئے۔ ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس ظالم نے اس سر کو ایک خوان میں رکھ کر قید خانہ میں ان کے بوڑھے باپ عبداللہ محض کے پاس بھجوا دیا۔ جناب عبداللہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ سر مصلے کے پاس رکھا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر جو دیکھا تو جوان بیٹے کا سر رکھا ہوا ہے۔ بے ساختہ ایک آہ سینے سے نکلی، سر کو چھاتی سے لگا لیا اور کہنے لگے، بیٹا شاباش تم بے شک ان ہی وعدہ وفا کرنے والوں میں سے ہو جس کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے۔ بیٹا تم ایسے جوان تھے کہ تمہاری تلوار نے تم کو ذلت سے بچا لیا اور تمہاری پرہیزگاری نے تم کو گناہوں سے محفوظ رکھا۔ پھر سر لانے والے سے کہا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہم تو مقتول ہی ہو چکے۔ اب تمہاری باری ہے۔ اب ہمارا اور تمہارا انصاف خدا کے وہاں ہو گا۔ یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دم نکل گیا۔

اب دوسرے بھائی یعنی ابراہیم کا حال سنو۔ یہ بھی مدتوں ادھر ادھر گھومتے پھرے۔ آخر انہوں نے بھی ایک فوج جمع کر کے مصر کی حکومت حاصل کر لی۔ جس زمانہ میں نفس زکیہ منصور سے لڑ رہے تھے انہوں نے بھائی کی مدد کو آنا چاہا مگر منصور نے راستے بند کر رکھے تھے۔ ممکن نہ ہوا۔ محمدؐ پر فتح پانے کے بعد منصور نے ابراہیم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ابراہیم اپنے لشکر کو ساتھ لیے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام "الحمرا" میں خیمہ زن تھے کہ منصور کا لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت مقابلہ ہوا۔ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ابراہیم کی فتح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ یکایک معاملہ دگرگوں ہو گیا اور ابراہیم کی فوج نے بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا۔ مگر نیک دل ابراہیم کو ان کی تباہ حالت پر رحم آ گیا۔ اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے روکا۔ منصور کے سردار "علی" نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی پراگندہ قوت کو جمع کر کے پھر یکایک حملہ آور ہوا۔ ابراہیم کی فوج کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ وہ اپنی فتح دیکھ کر کمریں کھول چکے تھے کہ شکست خوردہ دشمن پھر لوٹا۔ اب ابراہیم کو مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ فوج تتر بتر ہو گئی۔ مجبوراً تلوار لے کر خود مقابلہ کو نکل پڑے دیر تک ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آخر کہاں تک دشمن نے چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ ابراہیم وہ شخص تھے کہ پورے پانچ برس روپوش رہے

اور منصور باوجود اتنی قدرت وطاقت کے کسی طرح ان کو گرفتار نہ کر سکا۔

ابراہیم اور نفس زکیہ کے قتل ہونے کے بعد بھی منصور کے مظالم سادات پر کم نہ ہوئے۔ جہاں جس کو پایا بے قتل کیے نہ چھوڑا۔ اس زمانہ میں سادات کی وہ تباہی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانہ میں بے شمار اولاد علی شہید کیے گئے اور بہتوں کو دیوار میں چنوا دیا گیا۔ منصور اس زمانہ میں بغداد میں محل بنوا رہا تھا۔ اس میں جہاں اوروں کو اس نے زندہ چنوا دیا تھا ایک سنی نوجوان کو بھی چنوایا۔ وہ چونکہ بہت ہی حسین وخوب صورت تھا۔ اس کے چہرہ پر جب معمار کی نظر پڑی تو بے ساختہ اس کا دل رونے لگا۔ حکم سے مجبور تھا۔ دیوار میں چنتے چنتے اسے موقع مل گیا۔ بولا۔ کہ اے فرزند رسولؐ آپ گھبرائیے نہیں۔ میں سانس کے لئے سوراخ چھوڑے دیتا ہوں اور رات کو آکر آپ کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں دیوار کے قریب آیا اور اینٹیں ہٹا کر اس نونہالِ باغ رسالت کو دیوار سے نکال دیا اور کہا کہ آپ صرف اتنا کیجئے کہ اس طرح زندہ بچ کر کسی طرف چلے جائیے کہ آپ کا پتہ نشان نہ مل سکے اور اے فرزند رسولؐ آپ اپنے نانا محمد مصطفےٰ سے میری بخشش کی سفارش فرما دیجیے گا۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا۔ اے شیخ اگر تجھ سے ہو سکے تو میری زلفوں کو تراش لے اور کسی رات کو میری دکھیا ماں کے پاس فلاں محلہ میں جا کر انہیں میری زلفیں دے کر کہہ دے کہ میں زندہ ہوں اور عنقریب ملوں گا۔ اس معمار کا بیان ہے کہ میں ان کی خواہش کے مطابق ان کے مکان پر پہنچا تو ان کی ماں بیٹھی رو رہی تھیں۔ میں نے انہیں ثبوت حیات کے لئے زلفیں دے کر نوید زندگی سنائی اور واپس چلا آیا۔ جلاء العیون صفحہ ۲۶۹ طبع ایران وسوانح عمری چہاردہ معصومین حصہ ۲ صفحہ ۷۔ تواریخ میں ہے کہ جناب نفس زکیہ کے شہید ہونے کے بعد سے جہاں مظالم کا پورا زور پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں امام جعفر صادق علیہ السلام بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کرانے کے بعد منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کیا اور ان کی سخت تحدید کی اور قتل کی کھلے الفاظ میں دھمکی دی (نور الابصار صفحہ ۱۳۳)

منصور کا حج اور امام جعفر صادقؑ پر بہتان کا واقعہ

حالات کی روشنی میں ہر باہم اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کس دور سے گذر رہی تھی اور منصور کس تاک میں تھا اور کس طرح بہانہ تلاش کر رہا تھا۔

تاریخ حبیب السیر میں ہے کہ ۱۴۷ھ میں منصور عباسی حج کے لئے گیا۔ منصور نے حج سے فراغت کی تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ امام جعفر صادقؑ تمہارے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے اور

اُکساتے ہیں۔ اس نے امام علیہ السلام کو بُلا کر اُن سے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ میری حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور لوگوں کو اُکساتے اور بھڑکاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے بادشاہ۔ یہ بالکل غلط ہے اور اگر تجھے میرے کہنے پر یقین نہ آئے تو تو اس شخص کو میرے سامنے طلب کر۔ منصور نے اُسے بُلا لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھ پر کیوں بہتان باندھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے سچ کہا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے خدا کی قسم کھائی۔ آپ نے کہا۔ اس طرح نہیں۔ جس طرح میں کہوں۔ اس طرح قسم کھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان سے یہ کہہ کر قسم کھا کہ "برئت من حول اللہ الخ" میں خدا کی قوت وطاقت سے دُور ہٹ کر اپنے بھروسہ پر قسم کھاتا ہوں۔ اس نے پہلے تو ہلکا سا انکار کیا پھر وہ قسم کھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی جگہ گر کر ہلاک ہو گیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ طبع مصر)

امام جعفر صادق علیہ السّلام کا دربار منصور میں

طبیب ہندی سے تبادلہ خیالات

علامہ رشید الدین ابو عبد محمد بن علی ابن شہر آشوب مازندرانی المتوفی ۵۸۸ھ نے دربار منصور کا ایک اہم واقعہ نقل فرمایا ہے جس میں مفصل طور پر یہ واضح کیا ہے کہ ایک طبیب جس کو اپنی قابلیت پر بڑا بھروسہ اور غرور تھا وہ امام جعفر صادقؑ کے سامنے کس طرح سپر انداختہ ہو کر آپ کے کمالات کا معترف ہو گیا ہم موصوف کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے فاضل معاصر کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانقی کے دربار میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک طبیب ہندی طب کی باتیں بیان کر رہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر آپ کچھ پوچھنا چاہیں تو شوق سے پوچھیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں کیا پوچھوں۔ مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے (طبیب) اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ سنوں (امام) جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیئے یعنی حار "گرم" کا علاج "بارد" "سرد" سے۔ تر کا خشک سے۔ خشک کا تر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے۔ یاد رکھ، معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سو دواؤں کی ایک دوا ہے۔ جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے۔ اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ (طبیب) بے شک آپ نے جو بیان فرمایا ہے۔ اصلی طب یہی ہے۔ (امام) یہ نہ

سمجھنا چاہیئے کہ میں نے جو بیان کیا ہے یہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے بلکہ یہ علوم مجھ کو خدا کی طرف سے ملے ہیں۔ اب بتا تو زیادہ علم رکھتا ہے یا میں (طبیب) میں (امام) اچھا میں چند سوال کرتا ہوں۔ ان کا جواب دے۔ آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے ؟ سر پر بال کیوں ہیں ؟ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے ؟ پیشانی پر خط اور شکن کیوں ہیں ؟ دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں ؟ ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے ؟ آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں ؟ ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے ؟ منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں؟ سامنے کے دانت تیز اور ڈاڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں لمبے دانت کیوں ہیں؟ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ مردوں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے ؟ ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں دل صنوبری شکل کا کیوں ہوا ؟ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہوئے اور وہ اپنی جگہ حرکت کیوں کرتا ہے ۔ جگر کی شکل محدب کیوں ہے؟ گردے کی شکل لوبیئے کے دانے کی طرح کیوں ہوتی ہے ؟ گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے ؟ دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہوئے ؟ (طبیب) میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا (امام بفضل خدا میں ان سب باتوں کا جواب جانتا ہوں (طبیب) بیان فرمائیے۔

(امام علیہ السلام) ۱۔ سر اگر آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا (۲) بال اس لئے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے۔ اور بہت سے دماغی انجرے نکلتے رہیں۔ دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے (۳) پیشانی بالوں سے اس لئے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے (۴) پیشانی میں خطوط اور شکن اس لئے ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے۔ جب شکنوں میں پسینہ جمع ہو تو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے۔ جس طرح زمین پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے (۵) پلکیں اس لئے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کہ ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہو کر مردمک چشم کی حفاظت کرسکیں۔ نیز سونے میں مدد دے سکیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر رکھ کر سایہ کر لیتا ہے (۶) ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لئے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے (۷) آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لئے بنایا کہ بوقت ضرورت سلائی کے ذریعہ سے دوا (سرمہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے۔ اگر آنکھ چوکور یا گول ہوتی تو سلائی

کا اس میں پھرنا مشکل ہوتا۔ دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری دفع نہ ہوتی۔
(۸) ناک کا سوراخ نیچے کو اس لئے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں
اگر اوپر کو ہوتا۔ تو یہ بات نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی بو بھی جلدی نہ پہنچ سکتی۔
(۹) ہونٹ اس لئے منہ پر لگائے گئے کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں۔ وہ رکی رہیں اور کھانا
بھی انسان کے اختیار میں رہے جب چاہے پھینک اور تھوک دے (۱۰) داڑھی مردوں کو اس
لئے دی کہ مرد و عورت میں تمیز ہو جائے (۱۱) اگلے دانت اس لئے تیز ہیں کہ کسی چیز کا
کاٹنا یا کھٹکنا سہل ہو اور ڈاڑھ کو چوڑا اس لئے بنایا کہ غذا پیسنا اور چبانا آسان ہو۔ ان
دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لئے بنائے کہ دونوں کے استحکام کے باعث ہوں جس طرح
مکان کی مضبوطی کے باعث ستون (کھمبے) ہوتے ہیں (۱۲) ہتھیلیوں پر بال اس لئے نہیں کہ
کسی چیز کو چھونے سے اس کی نرمی، سختی، گرمی اور سردی وغیرہ آسانی سے معلوم ہو جائے۔ بالوں
کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لئے نہیں، کہ ان چیزوں
کا بڑھنا برا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رساں ہے۔ اگر ان میں جان ہوتی تو تکلیف ہوتی (۱۴)
دل صنوبری شکل یعنی سر نیلا اور دُم چوڑی (نچلا حصہ) اس لئے ہے کہ بآسانی پھیپھڑے میں داخل
ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے۔ تاکہ اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھ
کر بیماریاں پیدا نہ کریں (۱۵) پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لئے ہوئے کہ دل ان کے درمیان
رہے اور وہ اس کو ہوا دیں (۱۶) جگر محدّب اس لئے ہوا کہ اچھی طرح معدے کے اوپر
جگہ پکڑے اور اپنی گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کرے (۱۷) گردہ لوبئے کے دانہ کی شکل کا اس
لئے ہوا کہ (منی) یعنی نطفۂ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے
اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس
لئے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گر گر پڑتا۔ آگے چلنا
آسان نہ ہوتا (۱۹) دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں سے اس لئے خالی ہیں کہ دونوں کناروں
پر بوجھ پڑنے سے بآسانی پیر اٹھ سکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور پورے بدن کا بوجھ پیروں
پر پڑتا، تو سارے بدن کا بوجھ اٹھانا دشوار ہو جاتا۔

یہ جوابات سن کر ہندوستانی طبیب حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم
کس سے سیکھا ہے۔ فرمایا۔ اپنے دادا سے، انہوں نے رسولِ خدا صلعم سے حاصل
کیا تھا اور انہوں نے خدا سے سیکھا ہے۔ اس نے کہا "انا اشهد ان لا اله الا
الله وان محمد رسول الله وعبده" میں گواہی دیتا ہوں

کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے رسول اور عبد خاص ہیں "وانک اعلم اھل زمانہ" اور آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم ہیں (مناقب جلد ۵ صفحہ ۴۱۴ طبع بمبئی وسوانح چہاردہ معصومین حصہ ۲ صفحہ ۲۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت جلا دینے کا منصوبہ

طبیب ہندی سے گفتگو کے بعد امام علیہ السلام کا عام شہرہ ہو گیا اور لوگوں کے قلوب پہلے سے زیادہ آپ کی طرف مائل ہو گئے دوست اور دشمن آپ کے علمی کمالات کا ذکر کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر منصور کے دل میں آگ لگ گئی۔ اور وہ اپنی شرارت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر یہ منصوبہ بنانے لگا کہ اب جلد سے جلد انہیں ہلاک کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ظاہری قدر و منزلت کے ساتھ آپ کو مدینہ روانہ کر کے حاکم مدینہ حسین بن زید کو حکم دیا "ان احرق جعفر بن محمد فی دارہٖ" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت گھر کے اندر جلا دیا جائے۔ یہ حکم پا کر والیٔ مدینہ نے چند غنڈوں کے ذریعہ سے رات کے وقت جب کہ سب محو خواب تھے۔ آپ کے مکان میں آگ لگوا دی اور گھر جلنے لگا۔ آپ کے اصحاب اگرچہ اسے بجھانے کی پوری سعی کر رہے تھے لیکن بجھنے کو نہ آتی تھی۔ بالآخر آپ انہیں شعلوں میں گھستے ہوئے کہ "انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن ابراھیم الخلیل" اے آگ میں وہ ہوں جس کے آباؤ اجداد، زمین و آسمان کی بنیادوں کے سبب ہیں اور میں خلیل خدا ابراہیم نبیؑ کا فرزند ہوں"، نکل پڑے اور اپنی عبا کے دامن سے آگ بجھا دی (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۱۸۱ بحوالہ اصول کافی آقائے کلینی علیہ الرحمتہ)

۱۴۷ھ میں منصور کا حج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل کا عزم بالجزم

علامہ شبلنجی اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی رقم طراز ہیں ۱۴۷ھ میں منصور حج کو گیا اسے چونکہ امام کے دشمنوں کی طرف سے برابر یہ خبر دی گئی تھی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام تیری مخالفت کرتے رہتے ہیں اور تیری حکومت کا تختہ پلٹنے کی سعی میں ہیں لہذا اس نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اپنے مصاحب خاص "ربیع" سے کہا کہ جعفر بن محمد کو بلوا دو۔ ربیع نے وعدہ کے باوجود ٹال مٹول کی۔ اس نے پھر دوسرے دن سختی کے ساتھ کہا کہ انہیں بلواؤ۔ میں کہتا ہوں کہ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انہیں قتل نہ کر سکوں۔ ربیع نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ مولا۔ آپ کو منصور بلا رہا ہے اور اس کے تیور بہت خراب ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ اس ملاقات میں آپ کو قتل کر دے گا حضرت نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

العلی العظیم" یہ اس دفعہ ناممکن ہے۔ غرضیکہ ربیع آنحضرت کو لے کر حاضر دربار ہوا۔ منصور کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی تو آگ بگولہ ہو کر بولا "یا عدو اللہ" اے دشمن خدا تم کو اہل عراق امام مانتے ہیں اور تمہیں زکوٰۃ اموال وغیرہ دیتے ہیں اور میری طرف ان کا کوئی دھیان نہیں۔ یاد رکھو، میں آج تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا اور اس کے لئے میں نے قسم کھالی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا۔ اے امیر جناب سلیمانؑ کو عظیم سلطنت دی گئی تو انہوں نے شکر کیا۔ جناب ایوبؑ کو بلا میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے صبر کیا۔ جناب یوسف پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے ظالموں کو معاف کر دیا۔ اے بادشاہ یہ سب انبیاء تھے اور انہیں کی طرف تیرا نسب بھی پہنچتا ہے۔ تجھے تو ان کی پیروی لازم ہے۔ یہ سن کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا (نور الابصار صفحہ ۱۳۲۔ مطالب السئول صفحہ ۲۷۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام کی دربار منصور میں ساتویں بار طلبی

۱۴۷ھ میں حج سے فراغت کے بعد جب منصور اپنے دار الخلافہ میں پہنچا تو مشیروں نے موقع سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر چھیڑا۔ منصور جو اسی دوران میں ان سے مل کر آیا تھا۔ اس نے فوراً حکم دے دیا کہ امام جعفر صادق کی طلبی کی جائے اور انہیں بلا کر میرے سامنے دربار میں پیش کیا جائے۔ دعوت نامہ چلا گیا اور امام علیہ السلام مدینہ سے چل کر دربار میں اس وقت پہنچے جب اُسے ایک مکھی ستا رہی تھی اور وہ اسے بار بار ہنکا رہا تھا۔ وہ منہ پر بیٹھی تھی اور منصور اسے دفع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ منصور امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر بولا کہ ذرا یہ تو بتائیے کہ خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا "لیذل بہ الجبابرۃ" کہ خدا نے مکھی اس لئے پیدا کی ہے کہ اس کے ذریعہ سے جابروں کو ذلیل کرے اور سرکشوں کا سر جھکائے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۴۔ مناقب ابن شہر آشوب صفحہ ۸۰)

امام جعفر صادقؑ اور شیر دربار

ایک دن کا ذکر ہے کہ منصور نے بابل سے ستر (۷۰) جادوگروں کو بلا کر دربار میں بٹھایا ہوا تھا اور ان سے کہہ دیا ہوا تھا کہ میں عنقریب اپنے ایک دشمن کو بلانے والا ہوں۔ وہ جب یہاں پر آئے، تو تم اس کے ساتھ کوئی ایسا کرتب کرنا جس سے وہ ذلیل ہو جائے۔ ناگاہ امام جعفر صادقؑ اس کی طلب کے مطابق وارد دربار ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ آپ نے ان شیروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اپنے بنانے والوں کو نگل لو۔ وہ شیر کی تصویریں مجسّم ہوئیں اور انہوں نے سب کاہنوں کو نگل لیا۔ یہ دیکھ کر منصور کانپنے لگا پھر تھوڑی دیر کے بعد

ابد الآباد تک منایا جائے گا اور اس کا ماتم قیامت تک جاری رہے گا۔

فطرس کا واقعہ

علامہ مذکور بحوالہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ اسی تہنیت کے سلسلہ میں جناب جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف آرہے تھے۔ ان کی نظر زمین کے ایک غیر معروف طبقہ پر پڑی۔ دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین پر پڑا ہوا زار و قطار رو رہا ہے۔ آپ اس کے قریب گئے اور آپ نے اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا اے جبرئیل! میں وہی فرشتہ ہوں جو پہلے آسمان پر ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرتا تھا میرا نام فطرس ہے۔ جبرئیل نے پوچھا۔ تجھے کس جرم کی یہ سزا ملی ہے۔ اس نے عرض کی مرضی معبود کے سمجھنے میں ایک پل کی دیری تھی جس کی یہ سزا بھگت رہا ہوں۔ بال و پر جل گئے ہیں۔ یہاں کنج تنہائی میں پڑا ہوں۔ اے جبرئیل! خدارا میری کچھ مدد کرو۔ ابھی جبرئیل جواب نہ دینے پائے تھے کہ اس نے سوال کر لیا۔ اے روح الامین! آپ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفے صلعم کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام "حسینؑ" ہے۔ میں خدا کی طرف سے اس کی ادائے تہنیت کے لئے جا رہا ہوں۔ فطرس نے عرض کی۔ اے جبرئیل! خدا کے لئے مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلو۔ مجھے اسی در سے شفا اور نجات مل سکتی ہے۔ جبرئیل اسے ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام حسینؑ آغوش رسولؐ میں جلوہ فرما تھے۔ جبرئیل نے عرض حال کیا۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ فطرس کے جسم کو حسینؑ کے بدن سے مس کر دو۔ شفا ہو جائے گی۔ جبرئیل نے ایسا ہی کیا اور فطرس کے بال و پر اسی طرح روئیدہ ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔ وہ صحت پانے کے بعد فخر و مباہات کرتا ہوا اپنی منزل "اصلی" آسمان سیم پر جا پہونچا اور مثل سابق ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرنے لگا۔ "و بعد از شہادت حسین چوں بر آں قضیہ مطلع شد" یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں امام حسینؑ نے شہادت پائی اور اسے حالات کی آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہ احدیت میں عرض کی "مالک مجھے اجازت دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنانِ حسینؑ سے جنگ کروں۔ ارشاد ہوا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر چلا جا۔ اور ان کی قبر مبارک پر صبح و شام گریہ و ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو اسے ان کے رونے والوں کے لئے ہبہ کر دے چنانچہ فطرس زمین کربلا پر جا پہونچا۔ اور تا قیام قیامت شب و روز روتا رہے گا (روضۃ الشہداء از صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ و غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی)

امام حسینؑ کا روئے تاباں

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کو خداوند عالم نے وہ حسن و جمال دیا تھا جس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ آپ کے روئے تاباں کا یہ حال تھا کہ جب آپ جائے تاریک میں بیٹھ جاتے تھے تو

لوگ آپ کے روئے روشن سے شمع حیلق کا کام لیتے تھے یعنی ہر چیز روشن ہو جاتی تھی اور لوگوں کو تاریکی میں راہروی کی زحمت نہیں ہوتی تھی (شواہد النبوت رکن ۶ صفحہ ۴۷ اور روضۃ الشہدا باب ۷ صفحہ ۲۳۸
شیخ عبدالواسع ابن یحییٰ واسعی لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ایک دن رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر تھے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا۔ میرے بچو! اب رات ہو گئی ہے۔ تم اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ بچے حسب الحکم روانہ ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ جیسے یہ بچے گھر کی طرف چلے ایک روشنی پیدا ہوئی جو ان کے راستے کی تاریکی کو دور کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بچے اپنی ماں کی خدمت میں جا پہونچے۔ پیغمبر اسلام جو اس روشنی کو دیکھ رہے تھے ارشاد فرمانے لگے " الحمد للہ الذی اکرمنا اھل البیت" خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم اہل بیت کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ مسند امام رضا صفحہ ۳۲ مطبوعہ ۱۳۴۱ھ

جناب ابراہیم کا امام حسین پر قربان ہونا

علماء کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت رسولِ خدا صلعم امام حسینؑ کو داہنے زانو پر اور جناب ابراہیمؑ کو بائیں زانو پر بٹھائے ہوئے پیار کر رہے تھے کہ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ دو میں سے ایک کو اپنے پاس رکھو۔ پیغمبر اسلام نے امام حسینؑ کو ابراہیمؑ پر ترجیح دی اور اپنے فرزند ابراہیمؑ کو حسینؑ پر سے فدا کر دینے کے لئے کہا۔ چنانچہ ابراہیم علیل ہو کر تین یوم میں انتقال کر گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے جب امام حسینؑ آنحضرتؐ کے سامنے آتے تھے، تو آپ انہیں آغوش میں بٹھا کر فرماتے تھے کہ یہ وہ ہے جس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو قربان کر دیا ہے (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۴)

حسنینؑ کی باہم زور آزمائی

ابن الخشاب شیخ کمال الدین اور ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کم سنی کے عالم میں رسولِ خدا کی نظروں کے سامنے آپس میں زور آزمائی کرنے اور کشتی لڑنے لگے جب باہم ایک دوسرے سے لپٹ گئے تو رسول خدا نے امام حسنؑ سے کہنا شروع کیا۔ ہاں! بیٹا حسنؑ "بگیر حسین را" حسینؑ کو گرا دے اور چت کر دے۔ فاطمہ نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ بابا جان۔ آپ تو بڑے فرزند کی ہمت بڑھا رہے ہیں اور چھوٹے بیٹے کی ہمت افزائی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی۔ یہ تو دیکھو، کہ جبرئیل کھڑے ہوئے حسینؑ سے کہہ رہے ہیں "بگیر حسن را" اے حسینؑ تم حسنؑ کو گرا دو اور چت کر دو۔ (شواہد النبوت صفحہ ۱۷۴ اور روضۃ الشہداء صفحہ ۲۳۹ نور الابصار صفحہ ۱۱۴ طبع مصر)

خاک قدم حسینؑ

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا صلعم ایک راستے سے گذر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے

ہیں۔ آپ اُن کے قریب گئے اور ان میں سے ایک بچہ کو اٹھا کر اپنی آغوش میں بٹھالیا اور آپ اس کی پیشانی کے بوسے دینے لگے۔ ایک صحابی نے پوچھا۔ حضور اس بچہ میں کیا خصوصیت ہے کہ آپ نے اس کی اس درجہ قدر افزائی فرمائی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے ایک دن اس حال میں دیکھا ہے کہ یہ میرے بچے حسین کے قدموں کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں میں لگاتا تھا۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ وہ بچہ جس کا آنحضرت نے پیار کیا تھا اس کا نام حبیب ابن مظاہر تھا۔

پسر مرتضیٰ امام حسین کہ چو اولی نہ بودہ در کونین
مصطفےٰ مرورا کشیدہ بدوش مرتضیٰ پروریدہ در آغوش
عقل در بند عہد و پیمانش بودہ جبرئیل مہد جنبانش (روضۃ الشہداء ۲۳۹)

امام حسینؑ کے لئے بچہ آہو کا آنا

کتاب کنز الغرائب میں ہے کہ ایک شخص نے سرور کائناتؐ کی خدمت میں ایک بچہ آہو ہدیۃً پیش کیا۔ آپ نے اسے امام حسنؑ کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ آپ بروقت حاضر خدمت ہو گئے تھے۔ امام حسینؑ نے جب امام حسنؑ کے پاس بچہ آہو ملاحظہ کیا تو اپنے نانا سے کہنے لگے۔ نانا جان آپ مجھے بھی بچہ آہو دیجئے۔ سرور کائنات امام حسینؑ کو تسلی دینے لگے لیکن کم سنی کا عالم تھا فطرت انسانی نے کروٹ لی اور امام حسینؑ نے ضد کرنا شروع کر دیا اور قریب تھا کہ رو پڑیں۔ ناگاہ ایک آہو کو آتا ہوا دیکھا گیا جس کے ہمراہ اس کا بچہ تھا۔ وہ آہو سیدھا خدمت میں آیا اور اس نے بزبان فصیح کہا۔ حضورؐ! میرے دو بچے تھے۔ ایک کو صیاد نے شکار کر کے آپ کی خدمت میں پہونچا دیا اور دوسرے کو لئے میں اس وقت حاضر ہوا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی جس کا مطلب یہ تھا کہ ناز پروردۂ رسول بچہ آہو کے لئے مچلا ہوا ہے۔ جلد سے جلد اپنے بچہ کو حضور رسول کریمؐ کی خدمت میں پہنچا۔ حکم پاتے ہی میں حاضر ہوا ہوں اور ہدیہ پیش خدمت ہے۔ آنحضرتؐ نے آہو کو دعائے خیر دی اور بچہ امام حسینؑ کے حوالے کر دیا (روضۃ الشہدا صفحہ ۲۴۰)

امام حسینؑ سینۂ رسولؐ پر

صحابی رسول ابو ھریرہ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ رسول کریم صلعم لیٹے ہوئے ہیں اور امام حسینؑ ان کے سینۂ مبارک پر ہیں۔ ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے حسینؑ تو میرے سینے پر کود۔ چنانچہ امام حسینؑ آپؐ کے سینہ مبارک پر کودنے لگے۔ اس کے بعد حضور صلعم نے امام حسینؑ کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے پالنے والے۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ امام حسینؑ کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چوستے تھے جس طرح کھجور کوئی چوسے (ارجح المطالب صفحہ ۳۵۹ وصفحہ ۳۶۱)

حسنینؑ میں خوش نویسی کا مقابلہ

رسولِ کریمؐ کے شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے ایک دن ایک تحریر لکھی پھر دونوں آپس میں مقابلہ کرنے لگے کہ کس کا خط اچھا ہے، جب باہمی فیصلہ نہ ہو سکا تو فاطمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے فرمایا۔ علیؑ کے پاس جاؤ۔ علیؑ نے کہا۔ رسولِ خداؐ سے فیصلہ کراؤ۔ رسول کریم صلعم نے ارشاد کیا۔ اے نورِ نظر اس کا فیصلہ تو میری لختِ جگر فاطمہؑ ہی کرے گی اس کے پاس جاؤ! بچے دوڑے ہوئے پھر ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ماں نے گلے لگا لیا۔ اور کہا۔ اے میرے دل کی امیدو، تم دونوں کا خط بہترین ہے اور دونوں نے بہت خوب لکھا ہے لیکن بچے نہ مانتے اور یہی کہتے رہے۔ مادرِ گرامی! دونوں کو سامنے رکھ کر صحیح فیصلہ دیجئے۔ ماں نے کہا۔ اچھا بیٹا، لو اپنا گلوبند توڑتی ہوں اس کے دانے چنو، فیصلہ خدا کرے گا۔ سات دانوں کا گلوبند ٹوٹا۔ زمین پر دانے بکھرے۔ بچوں نے ہاتھ بڑھائے اور تین تین دانوں پر دونوں نے قبضہ کر لیا۔ ایک دانہ جو رہ گیا۔ اس کی طرف دونوں کے ہاتھ برابر سے بڑھے۔ حکم خداوند عالم ہوا۔ جبرئیل دانہ کے دو ٹکڑے کر دو۔ ایک حسنؑ نے لے لیا۔ ایک حسینؑ نے اٹھایا۔ ماں نے بڑھ کر دونوں کے بوسے لئے اور کہا۔ کیوں؟ بچو میں نہ کہتی تھی کہ تم دونوں کے خط اچھے ہیں اور ایک کی دوسرے کے خط پر ترجیح نہیں ہے (خلاصۃ المصائب صفحہ ۳۳۵)

جنّت کے کپڑے اور فرزندانِ رسولؐ کی عید

امام حسن علیہ السّلام اور امام حسینؑ کا بچپنا ہے۔ عید آنے کو ہے اور ان اسخیائے عالم کے گھر میں نئے کپڑے کا کیا ذکر پرانے کپڑے بلکہ نانِ جویں تک نہیں ہے۔ بچوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ مادرِ گرامی اطفال مدینہ عید کے دن زرق برق کپڑے پہن کر نکلیں گے اور ہمارے پاس بالکل لباس نو (نیا) نہیں ہے۔ ہم کس طرح عید منائیں گے ماں نے کہا۔ بچو! گھبراؤ نہیں! تمہارے کپڑے درزی لائے گا۔ عید کی رات آئی۔ بچوں نے ماں سے پھر کپڑے کا تقاضا کیا۔ ماں نے وہی جواب دے کر نونہالوں کو خاموش کر دیا۔ ابھی صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص نے دق الباب کیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ فضہؓ دروازے پر گئیں۔ ایک شخص نے ایک بقچہ لباس دیا۔ فضہؓ نے سیدۂ عالمؑ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ اب جو کھولا تو اس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے دو قبائیں دو عبائیں غرضیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے۔ ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ تو سمجھ گئیں کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بچوں کو جگایا۔ کپڑے دیئے۔ صبح ہوئی۔ بچوں نے جب کپڑوں کے

رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادر گرامی! یہ تو سفید کپڑے ہیں۔ اطفال مدینہ رنگین کپڑے پہنے ہوں گے۔ اماں جان ہمیں رنگین کپڑے چاہئیں۔ حضور انور کو اطلاع ملی، تشریف لائے۔ فرمایا۔ گھبراؤ نہیں تمہارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہو جائیں گے۔ اتنے میں جبرئیل آفتابہ لئے ہوئے آپہنچے۔ انہوں نے پانی ڈالا۔ محمد مصطفےٰؐ کے ارادہ سے کپڑے سبز اور سرخ ہو گئے۔ سبز جوڑا حسنؑ نے پہنا۔ سرخ جوڑا حسینؑ نے زیب تن کیا۔ ماں نے گلے لگایا۔ باپ نے بوسے دیئے۔ نانا نے اپنی پشت پر سوار کر کے مہار کے بدلے زلفیں ہاتھوں میں دے دیں اور کہا، میرے نونہالو، رسالت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں ہے جدھر چاہو موڑو اور جہاں چاہو لے چلو (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۸۹ بحار الانوار) بعض علماء کا کہنا ہے کہ سرور کائناتؐ بچوں کو پشت پر بٹھا کر دونوں ہاتھوں اور پیروں سے چلنے لگے اور بچوں کی فرمائش پر اونٹ کی آواز منہ سے نکالنے لگے (کشف المحجوب)

گریہ حسینؑ اور صدمہ رسولؐ

امام شبلنجی اور علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ زید ابن زیاد کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم خانہ عائشہ سے نکل کر کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں فاطمہ زہرا کا گھر پڑا۔ اس گھر سے امام حسینؑ کے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ آپ داخل ہو گئے اور فرمایا۔ اے فاطمہؑ "الم تعلمی ان بکاء لایوذینی" کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسینؑ کے رونے سے مجھے کس قدر تکلیف اور اذیت پہونچتی ہے۔ نور الابصار صفحہ ۱۱۴، در نزول الابرار۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ ایک دن رسول خدا کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مدرسہ کی طرف سے گذر ہوا۔ ایک بچہ کے رونے کی آواز گوش زد ہوئی جو حسینؑ کی آواز سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ آپ داخل مدرسہ ہوئے اور استاد کو ہدایت کی کہ اس بچہ کو نہ مارا کر۔ کیونکہ اس کی آواز میرے بچے حسینؑ سے بہت مشابہ ہے۔

امام حسینؑ کی سرداری جنت

پیغمبر اسلام کی یہ حدیث مسلمات اور متواترات سے ہے۔ کہ "الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ وابوھما خیر منھما" حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بہتر ہیں (ابن ماجہ) صحابی رسولؐ جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سرور کائناتؐ کو بے انتہا مسرور دیکھ کر پوچھا حضورؐ! افراط مسرت کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا۔ اے حذیفہ آج ایک ایسا ملک نازل ہوا ہے جو میرے پاس اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھے میرے بچوں کی سرداری جنت پر مبارک باد دی ہے اور کہا ہے "ان فاطمۃ سیدۃ النساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ" فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار اور حسنینؑ جنت کے مردوں کے سردار ہیں (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۲۔

اسد الغابہ صحیح صفحہ ۱۲۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۔ ترمذی شریف۔ مطالب السئول صفحہ ۲۲۴۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴۔
اس حدیث سے سیادت علویہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ قطع نظر اس سے کہ حضرت علیؑ میں مثل نبی سیادت کا ذاتی شرف موجود تھا اور خود سرور کائنات نے بار بار آپ کی سیادت کی تصدیق سید العرب، سید المتقین سید المومنین وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمائی ہے۔ حضرت علی کا سرداران جنت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے بہتر ہونا واضح کرتا ہے کہ آپ کی سیادت مسلم ہی نہیں بلکہ بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک جملہ اولاد علیؑ سید ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بنی فاطمہ کے برابر نہیں۔

امام حسینؑ عالم نماز میں پشت رسولؐ پر

خدا نے جو شرف امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے وہ اولاد رسول اور فرزندان علی میں آل محمدؐ کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ ان حضرات کا ذکر عبادت، ان کی محبت عبادت، یہ حضرات اگر پشت رسولؐ پر بحالت نماز میں سوار ہو جائیں تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالان رسالت پشت رسولؐ پر عالم نماز میں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرنا چاہتا تھا تو آپ اشارہ سے روک دیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدہ میں اس وقت تک مشغول ذکر رہا کرتے تھے جب تک بچے آپ کی پشت سے خود نہ اتر جائیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ خدایا! میں انہیں دوست رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر کبھی ارشاد ہوتا تھا۔ اے دنیا والو! اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۔ مستدرک امام حاکم و مطالب السئول صفحہ ۲۲۳)

حدیث حسین منی

سرور کائنات نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے دنیا والو! بس مختصر یہ سمجھ لو کہ "حسین منی و انا من الحسین" حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسین کو دوست رکھے۔
مطالب السئول صفحہ ۲۴۲ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴ نور الابصار صفحہ ۱۱۳۔

مکتوبات باب جنت

سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شب معراج جب میں سیر آسمانی کرتا ہوا جنت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باب جنت پر سونے کے حرف میں لکھا ہوا ہے۔
"لا الٰہ الا اللّٰہ محمد حبیب اللّٰہ علیٌ ولی اللّٰہ وفاطمۃ امۃ اللّٰہ والحسن والحسین صفوۃ اللّٰہ ومن لعنھم لعنۃ اللّٰہ"۔
(ترجمہ) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلعم اللہ کے حبیب ہیں۔ علی اللہ کے ولی ہیں فاطمہ اللہ کی کنیز ہیں حسنؑ اور حسینؑ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور ان سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت ہے

ارجح المطالب باب ۳ صفحہ ۳۱۲ طبع لاہور ۱۲۵۱ھ

امام حسینؑ اور صفات حسنہ کی مرکزیت

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسینؑ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے، حضرت علیؑ و فاطمہ کے بیٹے اور امام حسنؑ کے بھائی تھے اور انہیں حضرات کو پنج تن پاک کہا جاتا ہے اور امام حسینؑ پنج تن کی آخری فرد ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے گذرنے والے کے لئے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہیں۔ امام حسینؑ ۳ شعبان ۴ھ کو پیدا ہو کر سرور کائنات کی پرورش و پرداخت اور آغوش مادر میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے ۲۸ صفر ۱۱ھ کو جب آنحضرتؐ شہادت پاگئے اور ۳ جمادی الثانی کو ماں کی برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علیؑ نے تعلیمات الٰہیہ اور صفات حسنہ سے بہرہ ور کیا ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ امام حسنؑ ہر قسم کی استمداد و استعانت میں برابر کے شریک رہے ۲۸ صفر ۵۰ھ کو جب امام حسنؑ شہید ہو گئے تو امام حسینؑ صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرز حیات میں محمدؐ و علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کچھ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا۔ کتب مقاتل میں ہے کہ کربلا میں جب امام حسینؑ رخصت آخری کے لئے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینب نے فرمایا تھا کہ "اے خامس آل عبا! آج تمہاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفےٰؐ، علی مرتضےٰؑ، فاطمہ زہراؑ، حسن مجتبےٰؑ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

حضرت عمر کا اعتراف شرف آل محمدؐ

عہد عمری میں اگرچہ پیغمبر اسلام کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ محمد مصطفےٰؐ کی خدمت اور تعلیمات کو پس پشت ڈال چکے تھے لیکن پھر بھی کبھی کبھی "حق بر زبان جاری" کے مطابق عوام سچی باتیں سن ہی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر منبر رسولؐ پر خطبہ فرما رہے تھے۔ ناگاہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر بولے "انزل عن منبر ابی" میرے باپ کے منبر سے اتر آئیے اور جائیے اپنے باپ کے منبر پر بیٹھئے۔ آپ نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے اس کے بعد منبر سے اتر کر امام حسینؑ کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے اور وہاں پہونچکر پوچھا کہ صاحب زادے تمہیں یہ بات کس نے سکھائی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے سے کہا ہے مجھے کسی نے سکھایا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ کبھی کبھی آیا کرو۔ آپ نے

فرمایا۔ بہتر ہے۔ ایک دن آپ تشریف لے گئے تو حضرت عمر کو معاویہ سے تنہائی میں محوِ گفتگو پاکر واپس چلے آئے۔

جب اس کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو آپ نے محسوس کیا اور راستے میں ایک دن ملاقات پر کہا کہ تم واپس کیوں چلے آئے تھے۔ فرمایا کہ آپ محوِ گفتگو تھے۔ اس لئے میں عبداللہ ابن عمر کے ہمراہ واپس آیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ فرزند رسول میرے بیٹے سے زیادہ آپ کا حق ہے "فانما انبت ما ترئ فی رؤسنا اللہ ثم انتم" اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میرا وجود تمہارے صدقہ میں ہے اور میرا رواں تمہارے طفیل اُگا ہے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۵ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷ ازالۃ الخفا جلد ۳ صفحہ ۸۰)۔

ابن عمر کا اعتراف شرف حسینی

ابن حریب راوی ہیں کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے ابن عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص یعنی امام حسینؑ اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے (اصابہ جلد صفحہ ۱۵)

امام حسینؑ کی رکاب ابن عباس کے ہاتھوں میں

سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے حضرت ابن عباس صحابی رسولؐ کی جو نظر آپ پر پڑی تو آپ نے دوڑ کر حضرت کی رکاب تھام لی اور امام حسینؑ کو سوار کر دیا۔ یہ دیکھ کر کسی نے کہا کہ اے ابن عباس تم تو امام حسینؑ سے عمر اور رشتے دونوں میں بڑے ہو۔ پھر تم نے امام حسینؑ کی رکاب کیوں تھامی۔ آپ نے غصہ میں فرمایا کہ اے کم بخت تجھے کیا معلوم کہ یہ کون ہیں اور ان کا شرف کیا ہے۔ یہ فرزند رسولؐ ہیں۔ انہیں کے صدقہ میں، میں نعمتوں سے بھرپور اور بہرہ ور ہوں۔ اگر میں نے ان کی رکاب تھام لی تو کیا ہوا؟ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۴۵)

امام حسینؑ کی گرد قدم اور جناب ابوھریرہ

کون ہے جو جناب ابوھریرہ کے نام سے واقف نہ ہو۔ آپ ہی وہ ہیں جن پر سابق حکومتوں کو بڑا اعتماد تھا اور آپ پر اعتماد کی حد یہ تھی کہ امیر معاویہ نے جب امیرالمومنین کے خلاف وضع احادیث کی سکیم مرتب کی تھی تو انہیں کو اس سکیم کی رُوحِ رواں قرار دیا تھا (میزان الکبریٰ امام شعرانی صفحہ ۲۱) آپ کو حضرت علیؑ سے عقیدت بھی تھی۔ آپ نماز علیؑ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ

بولا۔ ابن رسول اللہ۔ ان شیروں کو حکم دیجئے کہ ان جادوگروں کو اُگل دیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر عصائے موسیٰ نے سانپوں کو اُگل دیا ہوتا تو یقین ہے کہ یہ بھی اُگل دیتے (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ بحوالہ شرح کافیہ ابی فراس)

امام علیہ السلام کے دربار میں قتل کئے جانے کا بندوبست

علامہ دھر ستی بحوالہ کتاب مشتاق الانوار علامہ طبرسی رقم طراز ہیں کہ منصور عباسی جب آپ کی روحانیت سے عاجز آگیا اور کسی مرتبہ قتل کرنے میں کامیابی نہ حاصل کرسکا تو اس نے سو ایسے افراد تلاش کئے جو کچھ جانتے اور پہچانتے ہی نہ تھے بالکل الرطھ اور کندہ ناتراش تھے۔ اس نے مال و دولت دے کر اس امر پر راضی کیا کہ جب امام جعفر صادق کی طرف اشارہ کیا جائے تو وہ انہیں قتل کر دیں۔ پروگرام مرتب ہونے کے بعد رات کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ حکم تھا کہ بالکل تنہا تشریف لائیں۔ آپ اکیلے آئے جب آپ دربار میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کی نظریں آپ پر پڑیں جو تلواریں سونتے ہوئے کھڑے تھے تو وہ سب کے سب تلواریں پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر منصور نے کہا۔ ابن رسول اللہ۔ آپ رات کے وقت کیوں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھے گرفتار کرکے منگوایا ہے۔ اب کہتا ہے کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا۔ معاذ اللہ۔ کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے آپ تشریف لے جائیں اور قیام گاہ میں آرام فرمائیں۔ آپ واپس چلے گئے۔ وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔ امام علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تم نے خلاف ورزی کیوں کی اور انہیں قتل کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو وہ امام زمانہ ہے جو ہماری شب و روز خبر گیری کرتا اور ہمیشہ ہماری اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا ہے۔ یہ سن کر منصور ڈر گیا اور اسے خیال ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے اس کا بدلہ نہ لینے لگیں۔ اس لئے انہیں رات ہی میں روانہ کر دیا۔ (ختم قتل بالسم) " پھر آپ کو زہر سے شہید کرا دیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۸۱ جلد ۲ طبع نجف) علامہ اربلی کا کہنا ہے کہ آپ کو قید خانہ میں زہر دیا گیا تھا (کشف الغمہ صفحہ ۱۰۰) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا (حیات القلوب صفحہ ۲۸) بالآخر آپ اس آخری زہر سے شہید ہو گئے جو انگور کے ذریعہ سے دیا گیا تھا (جلاء العیون صفحہ ۲۶۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت

علمائے فریقین کا اتفاق ہے کہ بتاریخ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ بعمر ۶۵ سال آپ نے اس دار فانی

سے بطرفِ ملک جاودانی رحلت فرمائی ہے (ارشاد مفید صفحہ ۴۱۴۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۹۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۳۔ مطالب السئول صفحہ ۲۷۷۔ یوم وفات دوشنبہ تھا اور مقام دفن جنت البقیع)

علامہ ابن حجر علامہ سبط ابن جوزی علامہ شبلنجی، علامہ ابن طلحہ شافعی تحریر طراز ہیں کہ "مات مسموماً فی ایام المنصور" منصور کے زمانہ میں آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱۔ تذکرہ خواص الامت۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۳۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۰۔

علماء اہل تشیع کا اتفاق ہے کہ آپ کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کرایا تھا۔ نماز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پڑھائی ہے۔ علامہ کلینی اور علامہ مجلسی کا ارشاد ہے کہ آپ کو نہایت قیمتی کفن دیا گیا اور آپ کے مقام وفات پر ہر شب چراغ جلایا جاتا رہا۔ کتاب کافی وجلاء العیون مجلسی صفحہ ۲۶۹)

آپ کی اولاد

آپ کے مختلف بیویوں سے دس اولاد تھیں۔ جن میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) جناب اسماعیل (۲) حضرت امام موسےٰ کاظم (۳) عبد اللہ (۴) اسحاق (۵) محمد (۶) عباس (۷) علی۔ اور لڑکیوں کے اسماء یہ ہیں (۱) ام فروہ (۲) اسماء (۳) فاطمہ (ارشاد وجنات الخلود) علامہ شبلنجی نے سات اولاد تحریر کیا ہے جن میں صرف ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے جس کا نام "فروہ" تھا (نور الابصار)

آپ ہی کی اولاد سے خلفاء فاطمیہ گذرے ہیں جن کی سلطنت ۲۹۲ھ سے ۵۶۷ھ تک دوسو ستر سال قائم رہی اور فرقہ اسمٰعیلیہ آپ ہی کے فرزند جناب اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ اسلام، مؤرخ ذاکر حسین جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

البوعلی
حضرت امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

(۹)

مخزنِ جملہ فنون آپ کا قلب روشن معدنِ جملہ علوم آئینہ طبع سلیم
آستانِ درِ حضرت کا اگر دیکھ لے اوجِ صورت چرخ پئے بوسہ جھکے عرش عظیم

حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں جانشین، ہمارے ساتویں امام اور سلسلہ عصمت کی نویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب حمیدہ خاتون تھیں جو بربر یا اندلس کی رہنے والی تھیں آپ کے متعلق حضرت امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہیں (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۶) علامہ محمد رضلے کہتے ہیں کہ آپ صاحب جمال و کمال اور نہایت دیانتدار تھیں (جنات الخلود صفحہ ۲۹) علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ وہ ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں (جلاء العیون صفحہ ۲۷۰) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب حمیدہ کے والد صاعد تھے۔ حمیدہ خاتون کی عرفیت لؤلؤ (موتی) تھی۔ مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۷)

حضرت امام علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ جملہ صفاتِ حسنہ سے بھرپور تھے۔ آپ دنیا کی تمام زبانیں جانتے اور علم غیب سے آگاہ تھے۔ آپ کے متعلق علامہ ابن حجر مکیؒ کہتے ہیں کہ آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے علم، معرفت، کمال اور افضل میں وارث وجانشین تھے۔ آپ دنیا کے عابدوں میں سب سے بڑے عباد تگذار سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے سخی تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱) اور ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں آپ بہت بڑی عزت وقدر کے مالک، امام اور انتہائی شان وشوکت کے مجتہد تھے۔ آپ کا اجتہاد بے نظیر تھا۔ آپ عبادات وطاعات میں مشہور زمانہ اور کرامات میں مشہور کائنات تھے۔ ان چیزوں میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی۔ آپ ساری رات رکوع وسجود و قیام میں گذارتے اور سارا دن صدقہ اور روزے میں بسر کرتے تھے (مطالب السؤل صفحہ ۳۰۸) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ بہت

بڑی قدر و منزلت کے دنیا میں منفرد امام اور زبردست حجت خدا تھے۔ نمازوں کی وجہ سے ہمیشہ ساری رات جاگتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے (انوار الاخبار صفحہ ۱۳۵) علامہ ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی دست اور بزرگ نفس تھے (فصول مہمہ وارجح المطالب صفحہ ۴۵۱) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ آپ عابدترین اہل زمانہ اور کریم ترین اہل عالم تھے۔ آپ کے فضائل و کرامات بے شمار ہیں (روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۲) کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ بروئے قدر و منزلت بزرگ ترین اہل عالم تھے اور اپنے پدر بزرگوار کی نص کے مطابق ان کے بعد ولی امر امامت ہوئے (الخ)

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بتاریخ ۷ صفر المظفر ۱۲۸ھ مطابق ۷۴۵ء یوم یکشنبہ بمقام "ابوا" جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پیدا ہوئے (انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۶ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۷۱ جلاء العیون صفحہ ۲۶۹۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۶) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے ہاتھوں کو ٹیک کر آسمان کی طرف رخ کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ نے یہ عمل بالکل اسی طرح کیا جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے ولادت کے بعد کیا تھا۔ آپ کے داہنے بازو پر کلمہ "تمت کلمت ربک صدقا و عدلا" لکھا ہوا تھا۔ آپ علم اولین و آخرین سے بہرہ ور متولد ہوئے آپ کی ولادت سے حضرت امام جعفر صادق کو بے حد مسرت ہوئی اور آپ نے مدینہ جا کر اہل مدینہ کو دعوت طعام دی (جلاء العیون صفحہ ۲۷۰) آپ دیگر آئمہ کی طرح مختون اور ناف بریدہ تھے۔

اسم گرامی، لقب، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خداوند عالم کے معین کردہ نام "موسیٰ" سے موسوم کیا۔ علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ موسیٰ "قبطی لفظ ہے اور "مو" اور "سی" سے مرکب ہے مو کے معنی پانی اور سی کے معنی درخت کے ہیں اس نام سے سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ موسوم کئے گئے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خوف فرعون سے مادر موسیٰ نے آپ کو جب اس صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا جو حبیب نجار کا بنایا ہوا تھا اور بعد میں "تابوت سکینہ" قرار پایا تو وہ صندوق بہہ کر فرعون اور جناب آسیہ تک پانی کے ذریعہ سے ان درختوں سے ٹکراتا ہوا جو خاص باغ میں تھے پہنچا تھا لہذا پانی اور درخت کے سبب سے ان کا نام موسیٰ قرار پایا تھا (جنات الخلود صفحہ ۲۹)

آپ کی کنیت ابوالحسن، ابوابراہیم، ابوعلی، ابوعبداللہ تھی اور آپ کے القاب کاظم، عبد صالح، نفس زکیہ، صابر، امین۔ باب الحوائج وغیرہ تھے۔ شہرت عامہ "کاظم" کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک

کے ساتھ احسان کرنے اور ستانے والے کو معاف فرماتے اور غصہ کو پی جاتے تھے بڑے حلیم، بردبار اور اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کردیا کرتے تھے (مطالب السئول صفحہ ۲۷۶ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲ روضۃ الشہداء ۴۳۲ تاریخ خمیس ۳۲۰)

لقب باب الحوائج کی وجہ علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو عبد صالح اور خدا سے حاجت طلب کرنے کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کہا جاتا تھا۔ کوئی بھی حاجت ہو جب آپ کے واسطہ سے طلب کی جاتی تھی تو ضرور پوری ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو (مطالب السئول صفحہ ۲۷۸۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۱) فاضل معاصر علامہ علی حیدر رقم طراز ہیں کہ حضرت کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا۔ حضرت کی زندگی میں تو حاجتیں آپ کے توسل سے پوری ہوتی ہی تھیں شہادت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اب بھی ہے۔ اخبار پانیر الہ آباد مورخہ ۱۰ اراگست ۱۹۲۸ء میں زیر عنوان "امام موسے کاظم کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی" ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا "سید" نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کے تعویذ قبر کو اپنے ہاتھ سے مس کیا۔ وہ فوراً چلاتا ہوا باہر کی طرف دوڑا "مجھے بینائی مل گئی، مجھے بینائی مل گئی" میں دیکھنے لگا ہوں۔ اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم جمع ہوگیا اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کرنے لگے اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر تقسیم ہوگئے آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بوڑھے سید کے جسم کو نقصان نہ پہنچے۔ اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے ہسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کر رہا تھا۔ بالآخر سب ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر مجھے ہسپتال سے نکال دیا کہ تیرا مرض لا علاج ہوگیا ہے۔ اب اس کا علاج ناممکن ہے۔ تب میں مایوس ہوکر روضہ اقدس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر آیا اور یہاں آپ کے وسیلہ سے خدا سے دعا کی۔ بار الہا۔ تجھے اسی امام مدفون کا واسطہ، مجھے از سر نو بینائی عطا کردے۔ یہ کہہ کر جیسے ہی میں نے روضہ کے تعویذ کو مس کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک روشنی نمودار ہوئی اور آواز آئی "جا تجھے پھر سے آنکھ کی روشنی دے دی گئی"۔ اس آواز کے ساتھ ہی میں ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ضعیف العمر سید اندھا تھا اور اب دیکھنے لگا ہے (اخبار انقلاب لاہور، اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۲۸ء)۔

بادشاہان وقت آپ ۱۲۸ھ میں مروان الحمار اموی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ۱۳۲ھ میں سفاح عباسی خلیفہ ہوا (ابو الفداء) ۱۳۶ھ میں منصور دوانقی عباسی خلیفہ بنا (ابو الفداء) ۱۵۸ھ میں مہدی بن منصور مالک سلطنت ہوا (حبیب السیر) ۱۶۹ھ میں ہادی

عباسی کی بیعت کی گئی (ابن الوردی) ۱۸۳ھ میں ہارون الرشید عباسی ابن مہدی خلیفۂ وقت ہوا (ابوالفداء) ۱۸۳ھ میں ہارون کے زہر دینے سے امام علیہ السلام بحالت مظلومی قید خانہ میں شہید ہوئے (صواعق محرقہ، اخبار الخلفاء ابن راعی)

نشوونما اور تربیت :- علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کے سایہ تربیت میں گذرے ایک طرف خدا کے دئیے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر کے بتائے ہوئے مکارم اخلاق کی یاد کو بھولی ہوئی دنیا میں ایسا تازہ کر دیا انہیں ایک طرف سے اپنا بنا لیا اور جس کی بنا پر "ملت جعفری" نام ہو گیا۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے بچپنا اور جوانی کا کافی حصہ اسی مقدس آغوش میں گذارا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے ذاتی کمالات و فضائل روشن ہو گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر فرما دیا باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی بھی موجود تھے، مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترکہ نہیں ہے۔ بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے۔ سلسلہ معصومین میں امام حسنؑ کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسینؑ کا امام ہونا اور اولاد امام جعفر صادق علیہ السلام میں بجائے فرزند اکبر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس کا ثبوت ہے کہ معیار امامت میں نسبی وراثت کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے (سوانح موسیٰ کاظمؑ ص۴)

آپ کے بچپن کے بعض واقعات

یہ مسلمات سے ہے کہ نبی اور امام تمام صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتے ہیں جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر تین سال کی تھی ایک شخص جس کا نام صفوان جمال تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفسر ہوا کہ مولا۔ آپ کے بعد امامت کے فرائض کون ادا کرے گا آپ نے ارشاد فرمایا اے صفوان تم اسی جگہ بیٹھو اور دیکھتے جاؤ جو ایسا بچہ میرے گھر سے نکلے جس کی ہر بات معرفت خداوندی سے پُر ہو اور عام بچوں کی طرح لہو و لعب نہ کرتا ہو سمجھ لینا کہ عنانِ امامت اسی کے لئے سزاوار ہے اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بکری کا ایک بچہ لئے ہوئے برآمد ہوئے اور باہر آکر اس سے کہنے لگے "سجدی ربک" اپنے خدا کو سجدہ کر۔ یہ دیکھ کر امام جعفر صادقؑ نے اُسے سینہ سے لگا لیا (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۱۹۲) صفوان کہتا ہے یہ دیکھ کر امام موسیٰ سے کہا۔ صاحبزادے! اس بچہ کو کہیئے کہ مر جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ وائے ہو تم پر کیا موت و حیات میرے ہی اختیار میں ہے (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶)

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسائل دینیہ دریافت کرنے کے لئے حسب دستور حاضر ہوئے۔ اتفاقاً آپ آرام فرما رہے تھے موصوف اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ بیدار ہوں اور عرض مدعا کروں اتنے میں امام موسیٰ کاظمؑ جن کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی برآمد ہوئے امام ابوحنیفہ نے انہیں سلام کر کے کہا اے صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا ان کے فعل کا خدا

فاعل ہے یہ سن کر آپ زمین پر دو زانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے سنو! بندوں کے افعال تین حالتوں سے خالی نہیں یا ان کے افعال کا فاعل صرف خدا ہے یا صرف بندہ ہے یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں اگر پہلی صورت ہے تو خدا کو بندہ پر عذاب کا حق نہیں اگر تیسری صورت ہے تو بھی یہ انصاف کے خلاف ہے کہ بندہ کو سزا دے اور اپنے کو بچالے کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے اب لامحالہ دوسری صورت ہوگی وہ یہ کہ بندہ خود فاعل ہو اور ارتکاب قبیح پر خدا اسے سزا دے (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۵) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اس صاحبزادہ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہ ان کے سامنے سے لوگ برابر گذر رہے تھے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادہ موسیٰ کاظم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ان کے سامنے سے گذر رہے تھے حضرت نے امام موسیٰ کاظم کو آواز دی وہ حاضر ہوئے آپ نے فرمایا۔ بیٹا! ابو حنیفہ کیا کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ تمہارے سامنے سے گزر رہے تھے۔ امام کاظم نے عرض کی بابا جان! لوگوں کے گزرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے وہ ہمارے اور خدا کے درمیان حائل تو نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ تو "اقرب من حبل الورید" رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ سن کر آپ نے انہیں گلے سے لگا لیا اور فرمایا اس بچہ کو اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں (مناقب جلد ۵ صفحہ ۶۹) ایک دن عبداللہ ابن مسلم اور ابو حنیفہ دونوں وارد مدینہ ہوئے عبداللہ نے کہا چلو امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کریں اور ان سے کچھ استفادہ کریں۔ یہ دونوں حضرت کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کے ماننے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اتنے میں امام جعفر صادقؑ کے بجائے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام برآمد ہوئے۔ لوگوں نے سرو قد تعظیم کی۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت ہی کمسن تھے لیکن آپ نے علوم کے دریا بہانا شروع کئے۔ عبداللہ وغیرہ نے جو قدرے آپ سے دور تھے آپ کے قریب جاتے ہوئے آپ کی عزت و منزلت کا آپس میں تذکرہ کیا۔ آخر میں امام ابو حنیفہ نے کہا کہ چلو میں انہیں ان کے شیعوں کے سامنے رسوا اور ذلیل کرتا ہوں۔ میں ان سے ایسے سوالات کروں گا کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے۔ عبداللہ نے کہا۔ یہ تمہارا خیال خام ہے۔ وہ فرزند رسول ہیں۔ الغرض دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ امام ابو حنیفہ نے امام موسیٰ کاظم سے پوچھا۔ صاحبزادے یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر آجائے اور اسے قضائے حاجت کرنی ہو تو وہ کیا کرے اور اس کے لئے کون سی جگہ مناسب ہوگی حضرت نے برجستہ فرمایا:

"مسافر کو چاہیئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے۔ ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں ان سے حذر کرے مکانوں کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ، مسجدوں کو چھوڑ کر نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پیٹھ۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے۔ رفع حاجت کرے

یہ سن کر امام ابوحنیفہ حیران رہ گئے اور عبداللہ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزند رسول ہیں انہیں بچپن ہی میں ہر قسم کا علم ہوا کرتا ہے (بحار۔ مناقب احتجاج) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مکان میں تشریف فرما تھے اتنے میں آپ کے نور نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کہیں باہر سے واپس آئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹے! ذرا اس مصرعہ پر مصرعہ لگاؤ "تنح عن القبیح ولا تردہ" آپ نے فوراً مصرعہ لگایا "ومن اولیتہ حسنا فزدہ" (ترجمہ) بُری باتوں سے دُور رہو اور ان کا ارادہ بھی نہ کرو (۲) جس کے ساتھ بھلائی کرو، بھرپور کرو۔ پھر فرمایا۔ اس مصرعہ پر لگاؤ "ستلقی من عدوک کل کید" آپ نے مصرعہ لگایا اذا کاد العدو فلا تکدہ (ترجمہ) (۱) تمہارا دشمن ہر قسم کا مکروفریب کرے گا (۲) جب دشمن مکروفریب کرے تب بھی اس بُری چیز کے قریب نہیں جانا چاہیئے (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت

۱۴۸ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی اس وقت سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بذات خود فرائض امامت کے ذمہ دار ہوئے۔ اس وقت سلطنت عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا یہ وہی ظالم بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد سادات مظالم کا نشانہ بن چکے تھے، تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ دیواروں میں چنوائے گئے یا قید رکھے گئے تھے۔ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جاچکی تھیں اور مختلف صورت سے تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں یہاں تک کہ منصور ہی کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے آپ دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان حالات میں آپ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومت وقت اسے زندہ نہ رہنے دے گی۔ اس لیئے آپ نے آخری وقت ایک اخلاقی بوجھ حکومت کے کاندھوں پر رکھ دینے کے لیئے یہ صورت اختیار فرمائی کہ اپنی جائیداد اور گھر بار کے انتظامات کے لیئے پانچ شخصوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی جس میں پہلا شخص خود خلیفۂ وقت منصور عباسی تھا اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ اور عبداللہ افطح جو امام موسیٰ کاظم کے سن میں بڑے بھائی تھے اور حضرت امام موسیٰ کاظم اور ان کی والدہ معظمہ حمیدہ خاتون۔

امام کا اندیشہ بالکل صحیح تھا اور آپ کا تحفظ بھی کامیاب ثابت ہوا۔ چنانچہ جب حضرت کی وفات کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت سے اظہار رنج کیا۔ تین مرتبہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہا اور کہا کہ اب بھلا جعفر کا مثل کون ہے؟ اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراً قلم کردو۔ حاکم مدینہ نے جواب

میں لکھا کہ انھوں نے تو پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں۔ یہ جواب سن کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے بعد دس برس منصور زندہ رہا لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور آپ مذہبی فرائض امامت کی انجام دہی میں امن وسکون کے ساتھ معروف رہے۔ یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں معروف تھا جس سے ۱۵۷ھ یعنی اپنی موت سے صرف ایک سال پہلے اسے فراغت ہوئی۔ اس لئے وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق کسی ایذا رسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

۱۵۸ھ کے آخر میں منصور دوانقی دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا مہدی تخت پر بیٹھا شروع میں تو اس نے بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے عزت واحترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہیں کیا مگر چند سال بعد پھر وہی بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ ابھرا۔ اور ۱۶۴ھ میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف گیا تو امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا۔ ایک سال تک حضرت اس کی قید میں رہے پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضرت کو مدینہ کی طرف واپسی کا موقع دیا گیا مہدی کے بعد اس کا بھائی ہادی ۱۶۹ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک ماہ تک اس نے سلطنت کی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کا زمانہ آیا جس میں پھر امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو آزادی کی سانس لینا نصیب نہیں ہوئی (سوانح موسےٰ کاظم صفحہ ۵) علامہ طبری تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۷۱)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے
بعض کرامات۔ واقعہ شفیق بلخی

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کے کرامات ایسے ہیں کہ "تحار منها العقول" ان کو دیکھ کر عقلیں چکرا جاتی ہیں۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ ۱۴۹ھ میں شفیق بلخی حج کے لئے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جب مقام قادسیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان جن کا رنگ سانولا (گندم گوں) تھا وہ ایک عظیم مجمع میں تشریف فرما ہیں۔ جسم ان کا ضعیف ہے وہ اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کمبل ڈالے ہوئے ہیں اور پیروں میں جوتیاں پہنے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجمع سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام پر جا کر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی ہے اور لوگوں پر زاد راہ کے لئے بار بننا چاہتا ہے میں ابھی اس کی ایسی تنبیہ کروں گا کہ یہ بھی یاد کرے گا۔ غرضیکہ میں ان کے قریب گیا جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا ہوں وہ بولے "اے شفیق! بدگمانی مت کیا کرو۔ یہ اچھا شیوہ نہیں ہے" اس کے بعد وہ فوراً اٹھ کر روانہ ہو گئے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ معاملہ کیا

ہے۔ انہوں نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا اور میرے دل کی بات جان لی۔ اس واقعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی عبد صالح ہوں۔ بس یہی سوچ کر میں ان کی تلاش میں نکلا اور ان کا پیچھا کیا۔ خیال تھا کہ وہ مل جائیں تو میں ان سے کچھ سوالات کروں لیکن نہ مل سکے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگ بھی روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب ہم "وادی فقہ" میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہی جوان صالح یہاں نماز میں مشغول ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح بید کی مانند کانپ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں یہ سوچ کر ان کے قریب گیا کہ اب ان سے معافی طلب کروں گا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بولے۔ "اے شفیق! خدا کا قول ہے کہ جو توبہ کرتا ہے۔ میں اُسے بخش دیتا ہوں"۔ اس کے بعد پھر روانہ ہوگئے۔ اب میرے دل میں یہ آیا کہ یقیناً یہ بندہ عابد، کوئی ابدال ہے۔ کیونکہ دوبار یہ میرے ارادہ سے اپنی واقفیت ظاہر کر چکا ہے۔ میں نے ہر چند پھر اُن سے ملنے کی سعی کی لیکن وہ نہ مل سکے۔ جب میں منزل زبالہ پر پہنچا تو دیکھا کہ وہی جوان ایک کنوئیں کی جگت پر بیٹھے ہوئے ہیں اس کے بعد انہوں نے ایک کوزہ نکال کر کنوئیں سے پانی لینا چاہا کہ ناگاہ ان کے ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر کنوئیں میں گر گیا۔ میں نے دیکھا کہ کوزہ گرنے کے بعد انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہ احدیت میں کہا۔ میرے پالنے والے جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو ہی سیراب کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہوں تو ہی کھانا دیتا ہے۔ خدایا۔ اس کوزہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی برتن نہیں ہے۔ میرے مالک! میرا کوزہ پُر آب برآمد کر دے اس جوان صالح کا یہ کہنا تھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اوپر تک آگیا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوزہ پانی سے بھرا ہوا لے لیا۔ اور وضو فرما کر چار رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے ریت کی ایک مٹھی اٹھائی اور پانی میں ڈال کر کھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر میں عرض پرواز ہوا۔ جناب والا۔ مجھے بھی کچھ عنایت ہو۔ میں بھوکا ہوں۔ آپ نے وہی کوزہ میرے حوالہ کر دیا۔ جس میں ریت بھری تھی۔ خدا کی قسم! جب میں نے اس میں سے کھایا۔ تو اُسے ایسا لذیذ ستو پایا! جیسا میں نے کھایا ہی نہ تھا، پھر اس ستو میں ایک خاص بات یہ تھی کہ میں جب تک سفر میں رہا۔ بھوکا نہیں ہوا۔ اس کے بعد آپ نظروں سے غائب ہوگئے۔ جب میں مکہ معظمہ پہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ ایک بالو ریت کے ٹیلے کے کنارے مشغول نماز ہیں اور حالت آپ کی یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اور بدن پر خشوع و خضوع کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نماز ہی میں مشغول تھے کہ صبح ہوگئی۔ آپ نے نماز صبح ادا فرمائی اور اس سے اُٹھ کر طواف کا ارادہ کیا۔ پھر سات بار طواف کرنے کے بعد ایک مقام پر ٹھہرے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد بے شمار حضرات ہیں اور سب بے انتہا تعظیم و تکریم کر رہے ہیں میں چونکہ ایک ہی سفر میں کئی کرامات دیکھ چکا تھا اس لئے مجھے بہت زیادہ فکر تھی کہ یہ معلوم کروں کہ یہ

بزرگ ہیں کون؟ چنانچہ میں اُن کے گرد جو لوگ جمع تھے ان کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ صاحب کرامات کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ فرزند رسول حضرت امام موسے کاظم ہیں۔ میں نے کہا بے شک ایسے کرامات جو میں نے دیکھے۔ وہ اسی گھرانے کے لئے سزاوار ہیں (مطالب السئول صفحہ ۲۷۹۔ نورالابصار صفحہ ۱۳۵۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۳۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۲۔ مؤرخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ شفیق ابن ابراہیم بلخی کا انتقال ۱۹۰ھ میں ہوا تھا (تاریخ الاسلام جلد صفحہ ۵۹) امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیسیٰ مدائنی حج کے لیے گئے اور ایک سال مکہ میں رہنے کے بعد وہ مدینہ چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں بھی ایک سال گزاریں گے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے جناب ابوذر کے مکان کے قریب ایک مکان میں قیام کیا۔ مدینے میں ٹھہرنے کے بعد انہوں نے امام موسے کاظم علیہ السلام کے ہاں آنا جانا شروع کیا۔ مدائنی کا بیان ہے کہ ایک شب کو بارش ہو رہی تھی اور میں اس وقت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عیسے تم فوراً اپنے مکان پر جاؤ کیونکہ "انهدم البيت على متاعك" تمہارا مکان تمہارے اثاثہ پر گر گیا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ یہ سن کر میں فوراً مکان کی طرف گیا۔ دیکھا کہ گھر گر چکا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ دوسرے دن جب حاضر ہوا، تو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ کوئی چیز چوری تو نہیں گئی۔ میں نے عرض کی صرف ایک طشت نہیں ملتا جس میں میں وضو کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ چوری نہیں گیا۔ بلکہ انہدام مکان سے قبل تم اسے بیت الخلاء میں رکھ کر بھول گئے ہو۔ تم جاؤ اور مالک کی لڑکی سے کہو۔ وہ لا دے گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور طشت مل گیا (نورالابصار صفحہ ۱۳۵)

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ سو دینار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذر ارسال کیا۔ وہ اسے لے کر مدینہ پہنچا یہاں پہنچ کر اس نے سوچا کہ امام کے ہاتھوں میں اسے جانا ہے لہذا پاک کر لینا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ان دیناروں کو جو امانت تھے شمار کیا تو وہ ننانوے تھے سو نہ تھے۔ میں نے ان میں اپنی طرف سے ایک دینار شامل کر کے سو پورا کر دیا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سب دینار زمین پر ڈال دو۔ میں نے تھیلی کھول کر سب زمین پر نکال دیا آپ نے میرے بتائے بغیر اس میں سے میرا وہی دینار جو میں نے ملایا تھا نکال کر مجھے دے دیا اور فرمایا کہ بھیجنے والے نے عدد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ وزن کا لحاظ کیا ہے جو ۹۹ میں پورا ہوتا ہے ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقطین نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچکر ان کا خط دیا انہوں نے اسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکا جواب ہے (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۵۔ ابو بصیر کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظم دل کی باتیں جانتے تھے۔ (ارجح المطالب صفحہ ۱۶۲)

اور ہر سوال کا جواب رکھتے تھے ہر جاندار کی زبان سے واقف تھے ابوحمزہ بطائنی کا کہنا ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ حج کو جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شیر برآمد ہوا۔ اس نے آپ کے کان میں کچھ کہا۔ آپ نے اس کو اسی زبان میں جواب دیا اور وہ چلا گیا۔ ہمارے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی شیرنی کی ایک تکلیف کے لیئے دعا کی خواہش کی میں نے دعا کردی اور وہ واپس چلا گیا (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۱۹۴)

خلیفہ مہدی عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

منصور دوانیقی کے بعد ۱۵۸ھ میں مہدی عباسی خلیفہ وقت قرار پایا۔ اس نے اپنی زندگی میں کچھ اچھے کام بھی کیئے ہیں اس نے بہت سے ملحدوں کو خاک میں ملایا ہے۔ مانی جو فلسفی تھا اور مزدک متوفی چوتھی صدی عیسوی کے عقائد سے مخلوط گمراہ کن عقیدہ کی نشو و نما کرتا تھا کہ اس نے قتل کرا دیا تھا۔ اس کے علاوہ آلِ محمد کے ساتھ بھی اس کی روش معتدل تھی لیکن یہ اعتدال بہت دنوں باقی نہیں رہا اور یہ اپنے آباؤ اجداد کے جادہ پر بہت تھوڑے ہی عرصہ میں چل نکلا اور اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ آلِ محمدؐ کی کوئی معزز فرد زندہ نہ رہنے پائے بلکہ کوئی ایسا شخص بھی محفوظ نہ رہے جو آلِ محمدؐ کو دوست رکھتا ہو۔ تواریخ میں ہے کہ اس نے یعقوب ابن داؤد کو جو زیدی مذہب کے تھے اپنا وزیر بنا کر رفاہِ عام کے تمام کام ان سے لئے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ دوست دارِ آلِ محمدؐ ہیں۔ انہیں قید کر دیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں، کہ یعقوب ہمیشہ سے دوست داران اہل بیت سے تھا۔ یحییٰ بن زید اور ابراہیم برادر نفس زکیہ کے رفیقوں سے تھا۔ شہادت ابراہیم کے بعد منصور نے اسے قید کر دیا تھا۔ مہدی نے لائق دیکھ کر اسے وزیر بنا لیا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۵۶) جب لوگوں نے مہدی کو یہ باور کرا دیا کہ یہ آلِ محمدؐ کا خاص دلدادہ ہے تو اس نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک باغ ایک لونڈی اور ایک لاکھ درہم دیتا ہوں تم قید خانہ میں جا کر فلاں علوی کو قتل کر دو۔ انہوں نے سب کچھ لینے کے بعد اس علوی کو اس کے دو رفیقوں سمیت قید خانہ سے رہا کر دیا۔ اور اسے کافی مال دے کر اس سے کہا کہ یہاں سے کہیں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ کسی طرف چلے گئے چند دنوں کے بعد اس کنیز نے جو انہیں ملی تھی مہدی سے بتا دیا کہ انہوں نے علوی کو قتل کرنے کے بجائے اسے رہا کر دیا اور یہی نہیں بلکہ تیرے دیئے ہوئے مال سے انسے کافی نوازا بھی ہے۔ مہدی نے آپ کی تلاشی لی اور واقعات کا پتہ لگایا۔ واقعہ چونکہ صحیح تھا اس لئے وہ برہم ہو گیا اور اس نے ان کو قید کا حکم دے دیا یعقوب قید کر دیئے گئے اور مدت العمر قید میں رہے علامہ بانحی لکھتے ہیں کہ یعقوب کو مہدی کے حکم سے ایسے کنوئیں میں قید کیا گیا جس میں روشنی نہ جا سکتی تھی۔

جس کے نتیجے میں وہ بالکل اندھے ہو گئے یعقوب اسی قید خانہ میں پڑے رہے یہاں تک کہ ہارون رشید کا زمانہ آیا اور اس نے انہیں رہا کر کے مکہ معظمہ بھیج دیا جہاں ۱۸۷ھ میں انتقال فرما گئے (انا للہ و انا الیہ راجعون) مراۃ الجنان جلد ا صفحہ ۱۹۴ طبع حیدرآباد دکن)

امام موسیٰ کاظمؑ کی بغداد میں قتل کے لئے طلبی

جیسا کہ میں نے اوپر تحریر کیا ہے مہدی چند دنوں سے زیادہ آل محمدؑ کا طرفدار نہیں رہا۔ آخر وہ وقت آگیا کہ اس نے امام علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا اور اس طلبی کا مقصد یہ تھا کہ وہاں بلا کر انہیں قتل کرا دے بہرصورت اسی مقصد کے پیش نظر حکم پہنچا کہ آپ بغداد حاضر ہوں۔ امام علیہ السلام حسب الحکم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ علامہ شبلنجی اور علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ جب منزل "زبالہ" پر پہنچے تو آپ سے "ابو خالد" نے ملاقات کی۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دیکھا کہ آپ ان لوگوں کی حراست میں تشریف لا رہے ہیں جو بغداد سے آپ کو لانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ میں حضرت کے قریب گیا اور میں نے سلام کیا۔ مجھے دیکھ کر امام علیہ السلام خوش ہو گئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ فلاں فلاں چیزیں خرید کر اپنے پاس رکھ لینا۔ جب میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا۔ میں نے عرض کی بہت بہتر۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا ابو خالد رنجیدہ کیوں ہو؟ میں نے عرض کی۔ مولا۔ آپ دشمنوں کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ نہ جانے وہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں انشاء اللہ واپس آؤں گا اور ابو خالد، سنو تم فلاں تاریخ بوقت شام میرا انتظار کرنا۔ یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے اور بغداد جا پہنچے۔ علامہ ابن طلحہ و علامہ جامی لکھتے ہیں کہ بغداد پہنچتے ہی آپ قید کر دیئے گئے۔ علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ تھوڑے دن قید رکھنے کے بعد مہدی نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا اور اسی لئے اس نے حمید ابن قحیطہ کو آدھی رات کے وقت بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ میرے اور تمہارے باپ اور بھائی کے درمیان کتنے اچھے تعلقات تھے اور سنو اس وقت مجھے تم سے ایک ضروری کام لینا ہے۔ کیا تم اسے کر سکو گے۔ اس نے کہا کہ ہاں ضرور کروں گا اور اے بادشاہ اگر تعمیل ارشاد میں میرا مال، میری جان، میری اولاد حتیٰ کہ میرا ایمان بھی کام آجائے تو پرواہ نہیں۔ خلیفہ مہدی نے کہا "للہ درک" خدا تمہارا بھلا کرے۔ مجھے تم سے اسی کی توقع تھی۔ دیکھو کام یہ ہے کہ تم امام موسیٰ کاظمؑ کو صبح ہونے سے پہلے قتل کر دو۔ اس نے کہا۔ بہتر ہے۔ بات طے ہو گئی حمید چلا گیا۔ مہدی محو استراحت ہوا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور اس سے کہنے لگے کہ کیا تمہیں حکومت اسی لئے دی گئی ہے کہ تم اہل قرابت کو تباہ کر دو ہوش میں آؤ اور اپنے ارادۂ نحس سے باز آؤ۔ یہ دیکھ کر مہدی بیدار ہو گیا اور اس نے فوراً حمید

کو کہلا بھیجا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر آج عمل نہ کرنا۔ اسی خواب کی وجہ سے مہدی نے انہیں رہا کر کے مدینہ بھیج دیا علامہ جامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام واپس آرہے تھے اور ابو خالد زبالوی کا حال یہ تھا کہ جس دن سے امام زبالہ سے روانہ ہوئے تھے، یہ بڑی مشکلوں سے دن رات کاٹ رہے تھے جب وہ دن آیا جس دن امام نے پہنچنے کا وعدہ فرمایا تھا یہ گھر سے نکل کر بغداد کے راستے پر کھڑے ہو گئے۔ سورج ڈوبتے ہی ان کا دل ڈوبنے لگا اور انہیں یہ شبہ پیدا ہونے لگا کہ شاید امام علیہ السلام پر کوئی مصیبت آگئی ہے۔ ناگاہ دیکھا کہ عراق کی طرف سے غبار نمودار ہوا۔ اور اس کے آگے آگے امام علیہ السلام خچر پر سوار چلے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مسرور ہو گئے اور استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ امام نے فرمایا۔ اے ابو خالد میں اپنے کہنے کے مطابق واپس آگیا ہوں لیکن ایک موقع ایسا بھی آنے والا ہے کہ بغداد جا کر واپس نہ آسکوں گا (نور الابصار صفحہ ۱۳۰ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶ بحوالہ بحار و مناقب جلد ۹ صفحہ ۴۶، شواہد النبوت صفحہ ۱۹۳، مطالب السئول صفحہ ۲۷۸) پھر وہاں سے روانہ ہو کر آپ مدینہ منورہ پہنچے اور بدستور فرائض امامت کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہادی عباسی کی قید میں

تواریخ میں ہے کہ مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی عباسی ۲۲ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۷۸۵ء میں تخت خلافت پر متمکن ہوا مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ہادی بڑا خود سر، خود رائے، ضدی، ظالم، خونخوار اور بے رحم تھا۔ شراب پیتا اور لہو و لعب میں مصروف رہتا تھا۔ ہادی کو آل محمدؐ سے وہی بغض و عناد تھا جو اس کے آباؤ اجداد کو تھا اسی کی سلطنت میں اور اس کے عہد حکومت میں مدینہ کے گورنر نے امام حسنؑ کی اولاد میں سے بعض افراد پر بادہ خواری کا جھوٹا الزام لگا کر پڑوایا اور ان کے گلے میں رسیاں بندھوا کر مدینہ کے کوچہ و بازار میں تشہیر کرایا اور کئی سو بنی حسنؑ کو قتل کرایا اور ان کی نمایاں فرد جناب حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰؑ کا سر کٹوا کر بغداد بھجوا دیا۔ اور پوری طاقت سے سادات کا استیصال کرتا رہا (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۵۷) ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ وہی کچھ کیا جو امام کے آباؤ اجداد کے ساتھ کرتے آئے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہادی بن مہدی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو قید کر دیا۔ آپ قید کی صعوبت برداشت کر ہی رہے تھے کہ ایک شب حضرت علیؑ نے ان کے سامنے خواب میں ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے "کہ کیا اسی لئے تم حاکم بنے ہو کہ فساد برپا کرو اور قطع رحم کرو" اس خواب سے وہ بیدار ہوا۔ اور اس نے فوراً آپ کی رہائی کا حکم دے دیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۳)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و اوصاف

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اس مقدس سلسلہ کی ایک فرد تھے جس کو خالق نے

نوعِ انسان کے لئے معیار کمال قرار دیا تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مرقع تھا بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے چنانچہ ساتویں امام ہیں تحمل و برداشت اور غصہ کو ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب "کاظم" قرار پا گیا جس کے معنی ہی ہیں غصّے کو پینے والا۔ آپ کو بھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ مدینہ کے ایک حاکم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں یہاں تک کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا مگر حضرت نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔

جب اصحاب نے اس کی گستاخیوں کی بہت شکایت کی اور کہا کہ اب ہمیں ضبط کی تاب نہیں ہیں اس سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے تو حضرت نے فرمایا کہ میں خود اس کا تدارک کروں گا اس طرح ان کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد حضرت خود اس شخص کے پاس اس کی زراعت پر تشریف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور حسن سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پر نادم ہوا اور اپنے طرز عمل کو بدل دیا۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے صورت حال بیان فرما کر پوچھا کہ جو میں نے اس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے سب نے کہا یقیناً حضور نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہی بہتر تھا۔ اسی طرح آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت امیرؑ کے اس ارشاد کو عمل میں لا کر دکھلایا جو آج تک نہج البلاغت میں موجود ہے کہ اپنے دشمن پر احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ پُرلطف کامیابی ہے بے شک اس لئے فریق مخالف کے ظرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لئے حضرت علیؑ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ خبردار! یہ عدم تشدد کا طریقہ نااہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہو جائے گا۔

یقیناً ایسے عدم تشدد کے موقع کو پہچاننے کے لئے ایسی ہی بالغ نگاہ کی ضرورت ہے جیسی امام کو حاصل تھی مگر یہ اس وقت میں ہے جب مخالف کی طرف سے کوئی ایسا عمل ہو چکا ہو جو اس کے ساتھ انتقامی تشدد کا جواز پیدا کر سکے لیکن اگر اس کی طرف سے کوئی اقدام ابھی ایسا نہ ہوا ہو تو یہ حضرات بہرحال اس کے ساتھ احسان کرنا پسند کرتے تھے تاکہ اس کے خلاف حجت قائم ہو اور اسے ایسے جارحانہ اقدام کے لئے تلاش سے بھی کوئی عذر نہ مل سکے بالکل اسی طرح جیسے ابن ملجم کے ساتھ جو جناب امیر علیہ السلام کو شہید کرنے والا تھا۔ آخر وقت تک جناب امیر علیہ السلام احسان فرماتے رہے۔ اسی طرح محمد بن اسمٰعیل کے ساتھ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جان لینے کا باعث ہوا۔ آپ احسان فرماتے رہے یہاں تک کہ اس سفر کے لئے جو اس نے مدینہ سے بغداد کی جانب خلیفہ عباسی کے پاس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شکائتیں کرنے کے لئے کیا تھا۔ ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم کی رقم خود حضرت ہی نے عطا فرمائی تھی جس کو لے کر وہ روانہ ہوا تھا۔

آپ کو زمانہ بہت ناساز گار ملا تھا نہ اس وقت وہ علمی دربار قائم رہ سکتا تھا۔ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں قائم رہ چکا تھا نہ دوسرے ذرائع سے تبلیغ و اشاعت ممکن تھی۔ بس آپ کی خاموش سیرت ہی تھی جو دنیا کو آلِ محمدؐ کے تعلیمات سے روشناس بنا سکتی تھی آپ اپنے مجموں میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب تک آپ سے کسی امر کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے۔ آپ گفتگو میں ابتدا بھی نہ فرماتے تھے اس کے باوجود آپ کی علمی جلالت کا سکہ دوست اور دشمن سب کے دل قائم تھا اور آپ کی سیرت کی بلندی کو بھی سب مانتے تھے۔ اسی لئے عام طور پر آپ کو کثرت عبادت اور شب زندہ داری کی وجہ سے عبد صالح کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بھی خاص شہرہ تھا اور فقراء مدینہ کی اکثر پوشیدہ طور پر خبر گیری فرماتے تھے ہر نماز صبح کی تعقیبات کے بعد آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے پیشانی سجدہ میں رکھ دیتے تھے اور زوال کے وقت سر اٹھاتے تھے قرآن مجید کی نہایت دل کش انداز میں تلاوت فرماتے تھے۔ خود بھی روتے جاتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی آپ کی آواز سے متاثر ہو کر روتے تھے (سوانح موسیٰ کاظم صفحہ ۸ و اعلام الوریٰ ۱۷۵ؔ)
علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا یہ طریقہ اور وطیرہ تھا کہ آپ فقیروں کو ڈھونڈا کرتے تھے اور جو فقیر آپ کو مل جاتا تھا اس کے گھر میں روپیہ پیسہ اشرفی اور کھانا پانی پہنچایا کرتے تھے اور یہ عمل آپ کا رات کے وقت ہوتا تھا۔ اس طرح آپ فقراء مدینہ کے بے شمار گھروں کا آزوقہ چلا رہے تھے اور لطف یہ ہے کہ ان لوگوں تک کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہم تک سامان پہنچانے والا ہے کون؟ یہ راز اس وقت کھلا جب آپ دنیا سے رحلت فرما گئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۶ طبع مصر) اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں ہے کہ آپ ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ بے انتہا عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے اور طاعت خدا میں اس درجہ شدت برداشت کیا کرتے تھے جس کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک دفعہ مسجد نبوی میں آپ کو دیکھا گیا کہ آپ سجدہ میں مناجات فرما رہے ہیں اور اس درجہ سجدہ کو طول دیا کہ صبح ہو گئی (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) ایک شخص آپ کی برابر بلا وجہ برائیاں کیا کرتا تھا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک ہزار دینار (اشرفی) اس کے گھر پر بطور انعام بھجوا دیا (روائح المصطفےٰ صفحہ ۲۶۴)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تصنیفات

آپ کو اگرچہ تصنیفات کا موقع ہی نہیں نصیب ہوا لیکن پھر بھی آپ اس کی طرف متوجہ رہے ہیں آپ کی ایک تصنیف جس کا ذکر علامہ چلپی نے بحوالہ حافظ ابو نعیم اصفہانی کیا ہے وہ مسند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے (کشف الظنون صفحہ ۴۳۲ - ارجح المطالب صفحہ ۴۵۴)

آپ کی مرویات

آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو یہ ہیں (۱) نظر الوالدین والدیہ عبادۃ

یعنی آنحضرتؐ فرماتے سنے کہ لڑکے کا اپنے والدین کے چہروں پر نظر کرنا عبادت ہے (۲) کل خلق لیطوی المومن علیہا الیس الکذب والخیانۃ (ترجمہ) جھوٹ اور خیانت کے علاوہ مومن ہر عادت اختیار کر سکتا ہے (نور الابصار صفحہ ۱۳۴) احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ آپ کا سلسلہ روایات اتنا اہم ہے کہ لوقری علی المجنون لافاق "یعنی اگر مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو اس کا جنون جاتا رہے (مناقب جلد ۵ صفحہ ۷۳)

خلیفہ ہارون رشید عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۵ ار ربیع الاول ۱۷۰ھ کو مہدی کا بیٹا ابو جعفر ہارون رشید عباسی خلیفہ وقت بنایا گیا۔ اس نے اپنا وزیر اعظم یحیی ابن خالد برمکی کو بنایا اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف کو قاضی قضاۃ کا درجہ دیا بروایت ذہبی اس نے اگرچہ بعض اچھے کام بھی کئے ہیں لیکن لہو ولعب اور حصول لذات ممنوعہ میں منفرد تھا۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ اپنے دادا منصور دوانقی کے نقش قدم پر چلتا تھا فرق اتنا تھا کہ وہ بخیل تھا اور یہ سخی۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے راگ راگنی اور موسیقی کو شریف پیشہ قرار دیا تھا۔ اس کی پیشانی پر سادات کشی کا بھی نمایاں داغ ہے۔ علم موسیقی کا ماہر ابو اسحاق ابراہیم موصلی اس کا درباری تھا۔ حبیب السیر میں ہے کہ یہ پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے میدان میں گیند بازی کی اور شطرنج کے کھیل کا شوق کیا۔ احادیث میں ہے کہ شطرنج کھیلنا بہت بڑا گناہ ہے جامع الاخبار میں ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر دربار یزید میں پہنچا تھا تو وہ شطرنج کھیل رہا تھا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ہارون رشید اپنے باپ کی مدخولہ لونڈی پر عاشق ہو گیا۔ اس نے کہا۔ میں تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں۔ تمہارے لئے حلال نہیں ہوں۔ ہارون نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا۔ انہوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں یہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے اس فتویٰ کے سہارا سے اس نے اس کے ساتھ بدفعلی کی۔ علامہ سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ہارون نے ایک لونڈی خرید کر اس کے ساتھ اسی رات بلا استبراء جماع کرنا چاہا۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ اسے اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر کے استعمال کر لیجئے علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ کی اجرت امام ابو یوسف نے ایک لاکھ درہم لی تھی۔ علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ ابو حنیفہ کے شاگردوں میں ابو یوسف کی نظیر نہ تھی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔

تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین میں بحوالہ صحاح الاخبار مرقوم ہے کہ ہارون رشید بھی سادات کشی میں منصور سے کم نہ تھا اس نے ۱۷۶ھ میں حضرت نفس زکیہ علیہ الرحمہ کے بھائی یحیی کو دیوار میں زندہ چنوا دیا تھا اسی نے امام موسیٰ کاظمؑ کو اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ولی اللہ میرے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں اپنے ساتھ حجاز سے عراق میں لا کر قید کر دیا اور ۱۸۳ھ میں زہر سے ہلاک کر دیا (جلد ۱ صفحہ ۵۸ علامہ مجلسی تحفۃ الزائر

یں لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے دوسری صدی ہجری میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زمین جتوائی تھی اور قبر پر جو بیری کا درخت بطور نشان موجود تھا اسے کٹوا دیا تھا۔ جلاء العیون اور قمقام میں بحوالہ امالی شیخ طوسی مرقوم ہے کہ جب اس واقعہ کی اطلاع جریر ابن عبدالحمید کو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلعم کی حدیث لعن اللّٰہ قاطع السدرۃ "بیری کے درخت کاٹنے والے پر خدا کی لعنت کا مطلب اب واضح ہوا (تصویر کربلا صفحہ ۶۱ طبع دہلی صفحہ ۱۳۳)

ہارون رشید کا پہلا حج اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پہلی گرفتاری

مورخ ابوالفداء کہتا ہے کہ عنان حکومت لینے کے بعد ہارون رشید نے ۱۷۰ھ میں پہلے پہل حج کیا۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ "جب ہارون رشید حج کو آیا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں چغلی کھائی کہ ان کے پاس ہر طرف سے مال چلا آتا ہے اتفاق سے ایک روز ہارون رشید نے خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور کہنے لگا تم ہی ہو جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں۔ امام موسےٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دلوں کے امام ہیں اور آپ جسموں کے۔ پھر ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا کہ تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہؐ کی ذریت ہیں حالانکہ تم علیؑ کی اولاد ہو اور ہر شخص اپنے دادا سے منتسب ہوتا ہے نانا سے منتسب نہیں ہوتا۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ خدائے کریم قرآن مجید میں ارشاد کرتا ہے" وَمِن ذُرِّيَّتِهِ" داؤد، سلیمان، ایوب، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے تو جس طرح محض اپنی والدہ کی نسبت سے ذریت انبیاء میں ملحق ہوئے۔ اسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی جناب فاطمہؑ کی نسبت سے جناب رسول خدا کی ذریت ٹھہرے۔ پھر فرمایا کہ جب آیۃ مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلے کے وقت پیغمبر خدا نے سوا علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے کسی کو نہیں بلایا اور لیعنی "ابنائنا" حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ ہی رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۴۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۲)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ہارون رشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لئے روضہ مقدسہ نبویؐ پر حاضر ہوا۔ اس وقت اس کے گرد قریش اور دیگر قبائل عرب جمع تھے نیز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لئے قبر مبارک کی طرف مخاطب ہو کر کہا، سلام ہو آپ پر اے رسول خدا۔ اے ابن عم (میرے چچا زاد بھائی) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام ہو آپ پر۔ اے میرے پدر بزرگوار! یہ سن کر ہارون کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ہمراہ بغداد لے جا کر قید کر دیا۔

روضۃ الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ و تاریخ احمدی صفحہ ۳۴۹

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قید خانہ میں تھے۔

ہارون نے آپ کا امتحان کرنے کے لئے ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی آپ کی خدمت کرنے کے لئے قیدخانہ میں بھیج دی۔ حضرت نے جب اسے دیکھا تو لانے والے سے فرمایا کہ ہارون سے جاکر کہہ دینا کہ انہوں نے یہ ہدیہ واپس کیا ہے اور کہا ہے کہ "بل انتم بھدیتکم تفرحون" وہ عطائے تو بہ لقائے تو" اس سے تم ہی خوشی حاصل کرو۔ اس نے ہارون سے واقعہ بیان کیا۔ ہارون نے کہا کہ اسے لے جاکر وہیں چھوڑ آؤ اور ابن جعفر سے کہو کہ نہ میں نے تمہاری مرضی سے تمہیں قید کیا ہے اور نہ تمہاری مرضی سے تمہارے پاس یہ لونڈی بھیجی ہے۔ میں جو حکم دوں تمہیں وہ کرنا ہوگا۔ الغرض وہ لونڈی حضرت کے پاس چھوڑ دی گئی۔

چند دنوں کے بعد ہارون نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاکر پتہ لگائے کہ اس لونڈی کا کیا رہا۔ اس نے جو قیدخانہ میں جاکر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا اور بھاگا ہوا ہارون کے پاس آکر کہنے لگا کہ وہ لونڈی تو زمین پر سجدہ میں پڑی ہوئی "سبوح قدوس" کہہ رہی ہے اور اس کا عجیب حال ہے۔ ہارون نے حکم دیا کہ اسے اس کے سامنے پیش کیا جائے جب وہ آئی تو بالکل مبہوت تھی۔ ہارون نے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں حضرت کے پاس گئی اور میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوئی ہوں تو آپ نے ایک طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ لوگ جب کہ میرے پاس موجود ہیں مجھے تیری کیا ضرورت ہے؟ میں نے جب اس سمت کو نظر کی تو دیکھا کہ جنت آراستہ ہے اور حور و غلمان موجود ہیں۔ ان کا حسن و جمال دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی اور عبادت کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اے بادشاہ! میں نے وہ چیزیں کبھی نہیں دیکھیں جو قیدخانہ میں میری نظر سے گذریں۔ بادشاہ نے کہا کہ کہیں تو نے سونے کی حالت میں خواب نہ دیکھا ہو۔ اس نے کہا۔ اے بادشاہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے عالم بیداری میں بچشم خود سب کچھ دیکھا ہے یہ سن کر بادشاہ نے اس عورت کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا اور اس کے لئے حکم دیا گیا کہ اس کی نگرانی کی جائے۔ تاکہ یہ کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنے پائے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ تاحیات مشغول عبادت رہی اور جب کوئی اس کی نماز وغیرہ کے بارے میں کچھ کہتا تھا تو یہ جواب میں کہتی تھی کہ میں نے عبد صالح حضرت امام موسے کاظم علیہ السّلام کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہ پاک باز عورت حضرت امام موسے کاظم علیہ السّلام کی وفات سے چند دنوں پہلے فوت ہوگئی۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۶۳)

قیدخانہ سے آپ کی رہائی

آپ قیدخانہ میں تکالیف سے دوچار تھے اور ہر قسم کی سختیاں آپ پر کی جا رہی تھیں کہ ناگاہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا۔ جس سے مجبور ہوکر اس نے آپ کو رہا کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکی بحوالہ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ ایک شب کو ہارون رشید نے حضرت علی علیہ السلام کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ وہ ایک نیشہ لئے ہوئے تشریف

لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے فرزند کو رہا کر دے۔ ورنہ میں ابھی تجھے کیفرِ کردار تک پہنچا دوں گا۔ اس خواب کو دیکھتے ہی اس نے رہائی کا حکم دیا اور کہا کہ اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو رہئیے اور مدینہ جانا چاہتے ہوں تو تشریف لے جائیے۔ آپ کو اختیار ہے۔ علامہ مسعودی کا کہنا ہے کہ اسی شب کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو خواب میں دیکھا تھا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲ طبع مصر) علامہ جامی لکھتے ہیں کہ مدینہ روانہ کرتے وقت ہارون نے آپ سے خروج کا شبہ ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خروج و بغاوت میرے شایانِ شان نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور علی بن یقطین بغدادی

قید خانہ رشید سے چھوٹنے کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے اور بدستور اپنے فرائض امامت کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے۔ آپ چونکہ امام زمانہ تھے۔ اس طرح آپ کو زمانہ کے تمام حوادث کی اطلاع تھی۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطین بن موسیٰ کوفی بغدادی کو جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعت فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کا بنا ہوا چغہ تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفاء اور بادشاہ پہنا کرتے تھے علی بن یقطین نے ازراہِ تقرب و عقیدت اس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے ان کا ہدیہ قبول کر لیا۔ لیکن اس میں سے اس لباس مخصوص کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ یہ تمہارے اس وقت کام آئیگا جب جان جوکھم میں پڑی ہو گی۔ انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نے نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابن یقطین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے جا کر رشید خلیفہ سے ان کی چغلی کھائی اور کہا کہ آپ نے جس قدر خلعت وغیرہ انہیں دی ہے انہوں نے سب کا سب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دے دیا ہے اور چونکہ وہ شیعہ ہیں اس لئے امام کو بہت مانتے ہیں۔ بادشاہ نے جونہی یہ بات سنی وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقطین کو اسی حالت میں گرفتار کر لائیں۔ جس حال میں وہ ہوں الغرض ابن یقطین لائے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا چغہ کہاں ہے انہوں نے کہا۔ بادشاہ میرے پاس ہے اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں اور سنو! اگر تم اس وقت اسے نہ دکھا

سکے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا۔ انہوں نے کہا۔ بادشاہ! میں ابھی پیش کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے مکان میں جا کر میرے فلاں کمرہ سے میرا صندوق اٹھا لا۔ جب وہ بنایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اس کی مہر توڑی اور جبہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جب بادشاہ نے اپنی آنکھوں سے جبہ دیکھ لیا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ اب میں تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۴) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد رشید نے اور بہت سا عطیہ دے کر انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ چغلی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں چنانچہ جلادوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا (نور الابصار صفحہ ۱۳۶)

علی بن یقطین کو الٹا وضو کرنے کا حکم

علامہ طبری اور علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ علی بن یقطین نے امام موسے کاظم علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ "ہمارے درمیان" اس امر میں بحث ہو رہی ہے کہ آیا مسح پا کعب سے اصابع (انگلیوں) تک ہونا چاہیئے یا انگلیوں سے "کعب" تک، حضور اس کی وضاحت فرمائیں۔ حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو۔ تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو۔ تین مرتبہ منہ دھوؤ۔ اپنی ڈاڑھی کو اچھی طرح بھگاؤ سارے سر کا مسح کرو۔ اندر باہر کانوں کا مسح کرو۔ تین مرتبہ پاؤں دھوو۔ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقطین نے جب اس خط کو پڑھا تو وہ حیران رہ گئے لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ ھو لاء اعلم بما قال" آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کی گہرائی اور اس کی وجہ کا اچھی طرح آپ کو علم ہوگا اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ علی بن یقطین کی مخالفت برابر دربار میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ یہ شیعہ ہے اور تمہارے مخالف ہے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقطین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں۔ اب میں خود چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وضو کیونکر کرتے اور نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے چھپ کر آپ کے حجرہ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہلسنت کے اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں یہ دیکھ کر وہ ان سے مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسے کاظم علیہ السلام کا خط علی بن یقطین کے پاس پہنچا۔ جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دور ہو گیا "توضاء کما امرک اللہ" اب تم اسی طرح وضو کرو جس طرح خدا نے حکم دیا ہے یعنی اب الٹا وضو نہ کرنا بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگلیوں کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہیئے (اعلام الوری صفحہ ۷۰ ، مناقب جلد ۵ صفحہ ۵۸)

ہارون رشید عباسی کی سادات کشی

تواریخ میں ہے کہ ہارون رشید تعمیر بغداد اور دیگر ملکی مصروفیات کی وجہ سے تھوڑے عرصہ تک سادات کشی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا لیکن جب اُسے اک ذرا سکون ہوا تو اس نے اپنے آبائی جذبات کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر لیا اور اس کی سعی شروع کر دی کہ زمین پر آلِ محمدؐ کا کوئی بیج بھی باقی نہ رہنے پائے۔ چنانچہ اس نے پورا حوصلہ نکالا اور ہر ممکن صورت سے انہیں تباہ و برباد کیا۔ علماء کا کہنا ہے کہ اس نے غنڈوں کے گروہ قتل سادات کے لیے مقرر کر دیئے تھے اور خود اپنی حکومت کے اعلےٰ احکام کو خصوصی حکم بھیجدیا تھا کہ سلطنت و حکومت کی پوری طاقت سے سادات کی تلاش کی جائے اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ "علامہ مجلسی عبداللہ بزاز نیشاپوری کے حوالہ سے" حاکم ایران حمید ابن قحطبہ طوسی" کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ ابن قحطبہ کہتا ہے کہ میں اس لئے روزہ نماز وغیرہ نہیں کرتا کہ مجھے علم ہے کہ میں بخشا نہیں جا سکتا اور بہر صورت جہنم میں جاؤں گا۔ اے عبداللہ! تم سے کیا بتاؤں ابھی تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ہارون رشید نے مجھے رات کے وقت جب کہ وہ طوس آیا ہوا تھا اور میں بھی اتفاقاً آگیا تھا۔ بلایا اور مجھے حکم دیا کہ تم اس غلام کے ساتھ جاؤ اور یہ میری تلوار ہمراہ لیتے جاؤ یہ جو کہے وہ کرو۔ میں اس کے حکم سے غلام کے ساتھ ہو لیا۔ غلام مجھے ایک ایسے مکان میں لے گیا جس میں فاطمہ بنت رسولؐ اور علیؑ زوج بتولؑ کی اولاد قید تھی۔ غلام نے ایک کمرہ کا دروازہ کھولا اور مجھ سے کہا کہ ان سب کو قتل کر کے اس کنوئیں میں ڈالو۔ میں نے انہیں بھی قتل کیا پھر تیسرا کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا انہیں بھی قتل کر دو۔ میں نے انہیں بھی قتل کیا۔ اے عبداللہ ان سب مقتولوں کی تعداد ساٹھ تھی۔ ان میں چھوٹے بڑے بوڑھے جوان سب ہی قسم کے سادات تھے۔ اے عبداللہ جب میں آخری کمرہ کے قیدی سادات کو قتل کرنے لگا تو آخر میں ایک نہایت نورانی بزرگ برآمد ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے اے ظالم! کیا رسول اللہ کو منہ نہیں دکھانا ہے اور کیا خدا کی بارگاہ میں تجھے نہیں جانا ہے۔ یہ تو کیا کر رہا ہے۔ ان کا کلام سن کر میرا دل کانپ گیا اور ان پر میرا ہاتھ نہ اٹھا۔ اتنے میں غلام نے مجھے ڈانٹ کر کہا۔ حکم امیر میں کیوں دیر کرتا ہے اس کے یہ کہنے پر میں نے انہیں بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اب میری نماز اور میرا روزہ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دوبارہ گرفتاری

علامہ ابن شہر آشوب علامہ طبرسی علامہ اربلی علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۷۰ھ۔۱۶۹ ہجری میں ہادی کے بعد ہارون تخت خلافت پر بیٹھا۔ سلطنت عباسیہ کے قدیم روایات جو سادات

بنی فاطمہ کی مخالفت میں بیٹے اس کے سامنے تھے۔ خود اس کے باپ منصور کا رویہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف تھا اسے معلوم تھا۔ اس کا یہ ارادہ کہ جعفر صادق کے جانشین کو قتل کر ڈالا جائے یقیناً اس کے بیٹے ہارون کو معلوم ہو چکا ہو گا۔ وہ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی حکیمانہ وصیت کا اخلاقی دباؤ تھا۔ جس نے منصور کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور پھر شہر بغداد کی تعمیر کی مصروفیت تھی جس نے اُسے اس جانب متوجہ نہ ہونے دیا تھا۔ اب ہارون کے لئے ان میں سے کوئی بات مانع نہ تھی۔ تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ہی تصوّر پیدا ہو سکتا تھا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلّہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے۔ مگر ایک طرف امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا محتاط اور خاموش طرز عمل اور دوسری طرف سلطنت کے اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے نو برس تک ہارون رشید کو بھی کسی کھلے ہوئے تشدد کا امام کے خلاف موقع نہ ملا۔

اسی دوران میں عبداللہ ابن حسن کے فرزند یحییٰ کا واقعہ درپیش ہوا اور وہ امان دیئے جانے کے بعد تمام عہد و پیمان کو توڑ کر دردناک طریقے پر قید رکھے گئے اور پھر قتل کئے گئے۔ باوجودیکہ یحییٰ کے معاملات سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو کسی طرح کا سروکار نہ تھا، بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ان کو حکومتِ وقت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے مگر عداوت بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحییٰ ابن عبداللہ کی مخالفت کے بہانے سے ابھر گیا تھا۔ اس کی زد سے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ادھر یحییٰ ابن خالد برمکی نے جو وزیر اعظم تھا۔ امین (فرزند ہارون رشید) کے اتالیق جعفر بن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے۔

براہِ راست اس کا مقصد ہارون کو جعفر سے برگشتہ کرنا تھا لیکن بالواسطہ اس کا تعلق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی تھا۔ اس لئے ہارون کو حضرت کی ضرر رسانی کی فکر پیدا ہو گئی۔ اسی دوران میں یہ واقع ہوا کہ ہارون رشید حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ میں آیا۔ اتفاق سے اسی سال حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہارون نے اپنی آنکھ سے اس عظمت و مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسیٰ کاظم کے متعلق پائی جاتی تھی۔ اس سے اس کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسماعیل کی مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسماعیل امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے اور اس لئے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قائم مقام ہوں گے مگر ان کا انتقال امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ ہی میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ پھر

بھی سادہ لوح اصحاب اس خیال پر قائم رہے کہ جانشینی کا حق اسماعیل اور اولاد اسماعیل ہی میں منحصر ہے۔ انہوں نے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اسماعیلیہ فرقہ مختصر تعداد میں سہی اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ محمدؐ ان ہی اسماعیل کے فرزند تھے اور اس لیئے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اس لیئے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں آمدورفت رکھتے تھے اور ظاہری طور پر قرابت داری کے تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے۔

ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے یحییٰ برمکی سے مشورہ لیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اولاد ابوطالب میں سے کسی کو بلا کر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے پورے حالات دریافت کروں۔ یحییٰ جو خود بھی عداوت بنی فاطمہ میں ہارون سے کم نہ تھا اس نے محمدؐ بن اسماعیل کا پتہ دیا کہ آپ ان کو بلا کر دریافت کریں تو صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے۔ چنانچہ اسی وقت محمدؐ بن اسماعیل کے نام خط لکھا گیا۔

شہنشاہِ وقت کا خط جو محمدؐ بن اسماعیل کو پہنچا تو اس نے اپنی دنیاوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا۔ اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامانِ سفر کرتے مجبوراً اسی ڈیوڑھی پر آنا پڑا جہاں کرم وعطا میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ تھی۔ امام موسےٰ کاظمؑ کے پاس آکر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کی بنیاد کیا ہے۔ حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے اپنی پریشاں حالی بیان کرتے ہوئے کہا کہ قرضدار بہت ہو گیا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جا کر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کر دوں گا اور جہاں تک ہو گا تمہارے ضروریات زندگی بھی پورے کرتا رہوں گا۔

افسوس ہے کہ محمدؐ نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا۔ چلتے وقت حضرت سے رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق کچھ ہدایت فرمائی جائے۔ حضرت نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ "بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے خون میں شریک نہ ہونا اور میرے بچوں کی یتیمی کے باعث نہ بننا۔" محمدؐ نے اس کے بعد بہت کہا کہ یہ بھلا کون سی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے۔ کچھ اور ہدایت فرمائیے۔ حضرت نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا۔ جب وہ چلنے لگے تو حضرت نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انہیں مصارف سفر کے لیئے عطا فرمائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو حضرتؑ کے پیش نظر تھا محمدؐ بن اسماعیل بغداد پہنچے اور وزیر اعظم برمکی کے مہمان ہوئے۔ اس کے بعد یحییٰ کے ساتھ ہارون کے

دربار میں پہنچے۔ مصلحت وقت کی بنا پر بہت تعظیم و تکریم کی گئی۔ اثنا گفتگو میں ہارون نے مدینہ کے حالات دریافت کیے۔ محمدؐ نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ "میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں" اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب؟ محمدؐ نے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے آپ بغداد میں سلطنت کر رہے ہیں۔ موسےٰ کاظمؑ مدینہ میں اپنی سلطنت قائم کیے ہوئے ہیں۔ اطراف ملک سے ان کے پاس خراج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلہ کے دعویدار ہیں۔ انہوں نے تیس ہزار اشرفی کی ایک زمین خریدی ہے جس کا نام "سیریہ" ہے (شبلنجی)۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کے کہنے کے لیے یحییٰ برمکی نے محمدؐ کو منتخب کیا تھا۔ ہارون کا غیظ و غضب انتہائی اشتعال کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اس نے محمدؐ کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا۔ خدا کا کرنا یہ کہ محمدؐ کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن بھی موقع نہیں ملا۔ اسی شب کو ان کے حلق میں درد پیدا ہوا۔ صبح ہوتے ہوتے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرفیوں کے توڑے واپس منگوا لیے۔ مگر محمدؐ کی باتوں کا اثر اس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظمؑ کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

چنانچہ ۱۷۹ھ میں پھر ہارون رشید نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا۔ دو ایک روز قیام کے بعد کچھ لوگ امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کیے۔ جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت روضہ رسول اللہ صلعم پر ہیں۔ ان لوگوں نے روضہ پیغمبرؐ کی عزت کا بھی خیال نہ کیا۔ حضرت اس وقت قبر رسولؐ کے نزدیک نماز میں مشغول تھے۔ بے رحم دشمنوں نے آپ کو نماز کی حالت ہی میں قید کر لیا اور ہارون کے پاس لے گئے۔ مدینہ رسولؐ کے رہنے والوں میں بے حسی اس کے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھی جا چکی تھی۔ یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسولؐ کا فرزند روضہ رسولؐ سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا مگر نام نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز احتجاج بلند کرتا۔ یہ ۲۰ شوال ۱۷۹ھ کا واقعہ ہے۔

ہارون نے اس اندیشہ سے کہ کوئی جماعت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو رہا کرانے کی کوشش نہ کرے دو محملیں تیار کرائیں۔ ایک میں امام موسےٰ کاظمؑ کو سوار کرایا اور اس کو ایک بہت بڑی فوجی جمعیت کے حلقہ میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محمل جو خالی تھی اسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ کے محمل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے۔ یہ نہایت حسرت ناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور اچانک محل سرا میں صرف یہ اطلاع پہنچ سکی کہ حضرت سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے۔ اس سے بیویوں اور بچوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ اور یقیناً امام کے دل پر بھی اس کا جو صدمہ ہو سکتا ہے وہ

ظاہر ہے۔ مگر آپ کے ضبط و صبر کی طاقت کے سامنے ہر مشکل آسان تھی۔

معلوم نہیں کتنے ہیر پھیر سے یہ راستہ طے کیا گیا تھا کہ پورے ایک مہینہ سترہ روز کے بعد ۷ ذی الحجہ کو آپ بصرہ پہنچائے گئے۔ ایک سال تک آپ بصرہ میں قید رہے۔ یہاں کا حاکم ہارون کا چچازاد بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا۔ شروع میں تو اسے صرف بادشاہ کے حکم کی تعمیل مدنظر تھی۔ بعد میں اس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر ان کے قید کئے جانے کا سبب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اس کو امام علیہ السلام کے حالات اور سیرت زندگی اور اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا۔ اور جتنا اس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا۔ اتنا اس کے دل پر آپ کی بلندیٔ اخلاق اور حسن کردار کا اثر قائم ہوتا گیا۔ اپنے ان تاثرات سے اس نے ہارون کو مطلع بھی کر دیا۔ ہارون پر اس کا الٹا اثر ہوا کہ عیسیٰ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس لئے اس نے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد میں بلا بھیجا اور فضل بن ربیع کی حراست میں سپرد کر دیا اور پھر فضل کا رجحان شیعیت کی طرف محسوس کر کے یحییٰ برمکی کو اس کے لئے مقرر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اپنا اثر ڈالتی تھی۔ اس لئے ظالم بادشاہ کو نگرانوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی تھی۔ سب سے آخر میں امام علیہ السلام "سندی بن شاہک" کے قید خانہ میں رکھے گئے۔ یہ بہت ہی بے رحم اور سخت دل تھا (ملاحظہ ہو مناقب جلد ۵ صفحہ ۶۸۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۰۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۰۸۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۶۔ سوانح موسےٰ کاظم صفحہ ۱۵)

امام علیہ السلام کا قید خانہ میں امتحان اور علم غیب کا مظاہرہ

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قید خانہ کی سختیاں برداشت فرما رہے تھے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف اور محمد بن حسن ایک شب قید خانہ میں اس لئے گئے کہ آپ کے بحر علم کی تہہ معلوم کریں اور دیکھیں کہ آپ علم کے کتنے پانی میں ہیں۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے سلام کیا۔ امام علیہ السلام نے جواب سلام عنایت فرمایا۔ ابھی یہ حضرات کچھ پوچھنے نہ پائے تھے کہ ایک ملازم ڈیوٹی ختم کر کے گھر جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ میں کل واپس آؤں گا اگر کچھ منگانا ہو تو مجھ سے فرما دیجئے میں لیتا آؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے ابو یوسف وغیرہ سے کہا کہ یہ بے چارہ مجھے کہتا ہے کہ میں اس سے اپنی حاجت بیان کروں۔ تاکہ یہ کل اس کی تکمیل و تعمیل کر دے۔ لیکن اسے خبر نہیں کہ یہ آج رات کو وفات پا جائے گا۔ ان حضرات نے جو یہ سنا تو سوال و جواب کے بغیر ہی واپس چلے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم ان سے حلال و حرام، واجب و سنت کے متعلق سوالات کرنا چاہتے تھے "فاخذ یتکلم معنا علم الغیب" مگر یہ تو ہم سے

علم غیب کی باتیں کر رہے ہیں اس کے بعد ان دونوں حضرات نے اس ملازم کے حالات کا پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ ناگہانی طور پر رات ہی میں وفات کر گیا۔ یہ معلوم کر کے یہ حضرات سخت متعجب ہوئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۶)
علامہ شبلی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ حضرات پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ کو صرف علم حلال وحرام ہی میں مہارت تامہ حاصل ہے لیکن قید خانہ کے ملازم کے واقعہ نے واضح کر دیا کہ آپ علم المنایا اور علم غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علم ہمارے لئے مخصوص ہے۔ اس کی تعلیم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو دی تھی اور ان سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے بصرہ میں ایک سال قید رکھنے کے بعد عیسےٰ ابن جعفر والیٔ بصرہ کو لکھا کہ موسیٰ بن جعفر (امام موسےٰ کاظم) کو قتل کر کے بادشاہ کو ان کے وجود سے سکون دے دے تو اس نے اپنے ہمدردوں سے مشورہ کے بعد ہارون رشید کو لکھا کہ اے بادشاہ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں میں نے اس ایک سال کے اندر کوئی برائی نہیں دیکھی۔ یہ شب و روز نماز روزہ میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ عوام اور حکومت کے لئے دعا خیر کیا کرتے ہیں اور ملک کی فلاح وبہبود کے خواہشمند ہیں۔ بھلا مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں انہیں قتل کر کے اپنی عاقبت بگاڑ لوں۔ اے بادشاہ میں ان کے قتل کرنے میں اپنے انجام اور اپنی عاقبت کی تباہی دیکھ رہا ہوں اور سخت حرج محسوس کرتا ہوں۔ لہٰذا تو مجھے اس گناہ عظیم کے ارتکاب سے معاف کر بلکہ مجھے حکم دے دے کہ میں انہیں قید شفقت سے رہا کر دوں۔ اس خط کو پانے کے بعد ہارون رشید نے آخر میں یہ کام سندی بن شاہک کے حوالے کیا اور اسی سے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ زہر کھانے کے بعد آپ تین روز تک تڑپتے رہے یہاں تک کہ وفات پا گئے (نور الابصار صفحہ ۱۳۷)
علامہ جامی لکھتے ہیں کہ زہر کھاتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج مجھے زہر دیا گیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا اور تیسرے روز سیاہ ہو گا اور اسی دن میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۳) علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد میں قید کر دیا "فلم یخرج من حبسه الا میتا مقیداً"۔
اور تا حیات قید رکھا۔ آپ کی وفات کے بعد ہتھکڑی اور بیڑی کٹوائی گئی۔ آپ کی وفات ہارون رشید کے زہر سے ہوئی جو اس نے سندی ابن شاہک کے ذریعہ سے دلوایا

تھا۔ جب آپ کو کھانے یا خرما میں زہر دیا گیا۔ تو آپ تین روز تک تڑپتے رہے۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۴) علامہ ابن الساعی علی بن انجب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا گیا (اخبار الخلفاء) علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں کہ قید خانہ رشید میں آپ نے وفات پائی (ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید کے حکم سے یحییٰ بن خالد برمکی وزیر اعظم نے خرمہ میں زہر دے کر شہید کر دیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید نے بغداد میں لا کر تا عمر قید رکھا۔ آخر میں اپنے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی کے ذریعہ سے قید خانہ میں زہر دلوا دیا۔ اور آپ وفات پا گئے۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن آپ ہر بار محفوظ رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے وہ خرما اٹھا کر (جس میں زہر تھا) زمین پر پھینک دیا جسے ہارون کے کتے نے کھا لیا اور وہ مر گیا۔ کتے کے مرنے کی خبر سے ہارون رشید کو شدید رنج ہوا اور اس نے خادم سے سخت باز پرس کی (جلاء العیون صفحہ ۲۷۶)

آپ کی تاریخ وفات

آپ کی وفات حسرت آیات بتاریخ ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ یوم جمعہ واقعہ ہوئی۔ آپ کی عمر اس وقت ۵۵ سال کی تھی (مطالب السئول صفحہ ۲۸۲۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۷۱۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۷۔ وغیرہ) آپ کے ۱۴ سال ہارون رشید کے قید خانہ میں گذارے مرزا دبیر کہتے ہیں ؎

مولا! پہ انتہائے اسیری گزر گئی
زندان میں جوانی و پیری گزر گئی

وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک قید خانہ سے ہتھکڑی اور بیڑی سمیت نکال کر بغداد کے پل پر ڈال دی گئی اور نہایت توہین آمیز الفاظ میں آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو یاد کیا گیا۔ لوگ اگرچہ بادشاہ کے خوف سے نمایاں طور پر مزاحمت کی جرأت نہ کرتے تھے لیکن تاہم ایک گروہ نے ہمت کی اور نعش مبارک دشمنوں سے چھین کر غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ ڈھائی ہزار کا قیمتی ایسا کفن دیا جس پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ نہایت تزک و احتشام سے جنازہ لے کر چلے۔ ان لوگوں کے گریبان غم امام مظلوم میں چاک تھے۔ یہ انتہائی غم و الم کے ساتھ

جنازہ کو لے کر مقبرہ قریش میں پہنچے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نماز و دفن کے لئے مدینہ سے باعجاز پہنچ چکے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی اور اپنے والد ماجد کو سپرد خاک فرمایا (اعلام الوری ص۱۸۰ انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷۔ جنات الخلود صفحہ ۱۳۰۔ جلاء العیون صفحہ ۲۷۵)

تدفین کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ والوں کو جب آپ کی شہادت کی اطلاع ملی تو کہرام برپا ہو گیا۔ ماتم اور ادائے تعزیت کا سلسلہ مدتوں جاری رہا (جلاء العیون صفحہ ۲۷۶)

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کی تدفین کے ایک عرصہ بعد اعیان ملک سے ایک شخص نے وفات کی۔ لوگوں کی خواہش پر اسے آپ ہی کے مقبرہ میں دفن کر دیا۔ ایک شب کو آپ نے خادم کو خواب میں آگاہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ مقبرہ میں آگ لگی ہوئی ہے اور اس سے دھواں پھیل رہا ہے اور بدبو پھیل رہی ہے۔ صبح کو اس نے بادشاہ وقت کو باخبر کیا۔ بادشاہ نے قبر کھدوائی تو آگ کے آثار موجود تھے اور قبر میں میت کا وجود نہ تھا وہ جل کر خاکستر ہو گئی تھی (مطالب السئول ص۲۸۱)

تعداد اولاد

صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲ میں ہے کہ آپ کے ۳۷ اولاد تھیں۔ علامہ طبرسی، علامہ اربلی اور حضرت شیخ مفید لکھتے ہیں کہ آپ کے ۱۹ لڑکے اور ۱۸ لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت امام علی رضا علیہ السلام (۲) ابراہیم (۳) عباس (۴) قاسم (۵) اسماعیل (۶) جعفر (۷) ہارون (۸) حسن (۹) احمد (۱۰) محمد (۱۱) حمزہ (۱۲) عبداللہ (۱۳) اسحاق (۱۴) عبیداللہ (۱۵) زید (۱۶) حسن (۱۷) فضل (۱۸) حسین (۱۹) سلیمان (۲۰) فاطمہ کبریٰ (۲۱) فاطمہ صغریٰ (۲۲) رقیہ (۲۳) حلیمہ (۲۴) رقیہ صغریٰ (۲۵) کلثوم (۲۶) ام جعفر (۲۷) لبابہ (۲۸) زینب (۲۹) خدیجہ (۳۰) علیہ (۳۱) آمنہ (۳۲) حسنہ (۳۳) بریہہ (۳۴) ام سلمیٰ (۳۵) میمونہ (۳۶) کلثوم (۳۷) ام ابیہا ولبقولے ام عبداللہ ولبقولے ام اسماء (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۱۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۰۹۔ ارشاد صفحہ ۳۳۰ نور الابصار صفحہ ۳۷۔

آپ کی یہ اولاد مختلف بیویوں سے تھی۔

اَبُوالحَسَنْ

حضرت امام علی رضا

عَلَیہِ السَّلَام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

عرب سے آپ کیا آئے کہ ایمان کی بہار آئی۔ عجم نے پائی عزت مرکز اہل ولا ہو کر
بہت مشتاق تھے اہل عجم نور رسالت کے۔ زمین طوس کا چمکا ستارہ نقش پا ہو کر

حضرت امام علی رضا علیہ السلام پیغمبر رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھویں جانشین، مسلمانوں کے آٹھویں امام اور سلسلہ عصمت کی دسویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب ام البنین عرف نجمہ تھیں۔ جناب نجمہ کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ آپ کا شمار اشراف عجم میں تھا اور آپ عقل و دیانت کے لحاظ سے افضل النساء تھیں حمیدہ خاتون یعنی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ کا کہنا ہے کہ میں نے ام البنین سے بہتر کسی عورت کو نہیں پایا۔ علی بن ہشیم کہتے ہیں کہ حمیدہ خاتون کو حضرت رسول خدا صلعم نے خواب میں حکم دیا کہ ام البنین نجمہ کی شادی امام موسےٰ کاظم سے کر دو کیونکہ "فسیلد منہا خیر اہل الارض" ان سے عنقریب ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے جو مادر گیتی کی آغوش میں بسنے والوں میں سب سے بہتر ہوگا (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۲) علامہ محمد رضا کہتے ہیں کہ جناب ام البنین حسن و جمال زہد و تقوےٰ میں اپنی آپ نظیر تھیں (جنات الخلود صفحہ ۳۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) علامہ عبدالرحمن جامی لکھتے ہیں کہ آپ کی باتیں پُر از حکمت اور آپ کا عمل درست اور آپ کا کردار محفوظ عن الخطاء تھا۔ آپ علم و حکمت سے بھرپور تھے۔ روئے زمین پر آپ کی مثال و نظیر نہ تھی (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۶ طبع لکھنؤ ۱۹۰۴ء) علامہ عبید اللہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عباس کا کہنا ہے میں نے ان سے بڑا عالم دیکھا ہی نہیں (ارجح المطالب صفحہ ۲۵۵) علامہ شہیر لکھتے ہیں کہ آپ اشرف مخلوق زمانہ تھے (حبیب السیر) آپ کو علم ماکان وما یکون آباؤ اجداد سے وراثۃً پہنچا تھا (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۷۷) آپ ہر زبان اور ہر لغت میں فصیح اور دانا ترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا اس کو اسی کی زبان میں جواب دیتے تھے (روضۃ الاحباب) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بارہ اماموں میں کے تیسرے "علی" ہیں

آپ کا ایمان حد سے بڑھا ہوا، آپ کی شان انتہا کو پہونچی ہوئی، آپ کا قصر فضیلت نہایت بلند اور آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع آپ کے مددگار بے شمار اور آپ کے براہین شرف وامامت نہایت روشن تھے۔ اسی وجہ سے خلیفہ وقت مامون رشید نے آپ کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اپنی حکومت میں شریک قرار دیا۔ خلیفہ حکومت بنایا اور اپنی لڑکی کی شادی آپ کے ساتھ کر دی آپ کے مناقب وصفات نہایت بلند، آپ کے مکارم اور آپ کے اخلاق نہایت عظیم تھے بس مختصر یہ کہ صفات حسنہ کی جو منزلیں تھیں ان سے آپ کا درجہ بلند تھا (مطالب السئول صفحہ ۲۵۲) پادری لیتین ایڈورڈ ڈبیل ڈی ڈی لکھتا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے علی بن موسیٰ کو اپنا وارث اس لئے قرار دیا کہ وہ ان کو سب سے زیادہ منصب امامت کا اہل سمجھتے تھے (اثنا عشریہ صفحہ ۶۴ طبع لاہور ۱۹۲۵ء) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا یہ فرزند تبطر معی فی الجفر لا ینظر فیہ الا نبی او وصی" میرے ساتھ جعفر جامعہ کو دیکھتا اور اسے سمجھتا ہے جسے نبی اور وصی کے علاوہ کوئی دیکھ نہیں سکتا (جنات الخلود صفحہ ۳۱۔ رجال کشی۔ دمعہ ساکبہ ص۲۵) مسند امام رضا علیہ السلام کے صفحہ ۲ میں ہے کہ آپ اعلم اہل زمانہ اور کثیر الصوم والعبادۃ تھے۔

امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علماء ومورخین کا بیان ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱ ذی قعدہ ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں (اعلام الوری صفحہ ۱۸۲۔ جلا العیون صفحہ ۲۸۰۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۳۔ انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷۔ آپ کی ولادت کے متعلق اور علامہ مجلسی اور علامہ محمد پارسا تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام البنین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا میرے بطن میں رہے مجھے حمل کی گراں باری مطلقاً محسوس نہیں ہوئی۔ میں اکثر خواب میں تسبیح وتہلیل اور تمجید وتحمید کی آوازیں سنا کرتی تھی۔ جب امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کیا۔ آپ کے لب ہائے مبارک جنبش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے (کچھ باتیں) کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں خداوند عالم کی یہ عنایت وکرامت مبارک ہو۔ پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد کیا کہ "بگیر ایں را کہ بقیہ خدا است در زمین وحجت خدا است بعد از من" اسے لے لو یہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجت اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے۔ ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ دیگر آئمہ علیہم السلام کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے فصل الخطاب و جلاء العیون صفحہ ۲۷۹

نام، کنیت، القاب آپ کے والد ماجد حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعیین رسول صلعم کے موافق آپ کو "اسم علی" سے موسوم فرمایا۔ آپ آلِ محمدؐ میں کے تیسرے علی ہیں (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۲۵۔ مطالب السئول صفحہ ۲۸۲) آپ کی کنیت "ابوالحسن" تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے "واشہرا ھاالرضاؑ" اور مشہور ترین لقب رضا تھا (نورالابصار صفحہ ۱۲۸ و تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۱۹۸)

لقب رضا کی توجیہہ علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے تھے کہ آسمان و زمین میں خداوند عالم، رسول اکرم اور آئمہ طاہرین نیز تمام مخالفین و موافقین آپ سے راضی تھے (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۲) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ بزنطی نے حضرت امام محمد تقیؑ سے لوگوں کی افواہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے والد ماجد کو لقب رضا سے (مامون رشید نے ملقب کیا تھا) آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ یہ لقب خدا اور رسول کی خوشنودی کا جلوہ بردار ہے اور خاص بات یہ ہے کہ آپ سے موافق و مخالف دونوں راضی اور خوشنود تھے (جلاء العیون صفحہ ۲۷۹۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۳)

آپ کی تربیت آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰/۳۵ برس کی عمر پوری ہوئی۔ اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسےٰ کاظم علیہ السلام عراق میں قید ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے ۲۴ یا ۲۵ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

بادشاہان وقت آپ نے اپنی زندگی کی پہلی منزل سے تا بہ عہد وفات بہت سے بادشاہوں کے دور دیکھے آپ ۱۵۳ھ میں بہ عہد منصور دوانقی متولد ہوئے (تاریخ خمیس) ۱۵۸ھ میں مہدی عباسی ۱۶۹ھ میں ہادی عباسی ۱۷۰ھ میں ہارون رشید عباسی ۱۹۴ھ میں امین عباسی ۱۹۸ھ میں مامون رشید عباسی علی الترتیب خلیفہ وقت ہوتے رہے (ابن الوریٰ۔ حبیب السیر۔ ابوالفداء) آپ نے ہر ایک کا دور بچشم خود اور آپ کے پدر بزرگوار نیز دیگر اولاد علی و فاطمہ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا اسے آپ ملاحظہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۰۳ھ میں آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا (انساب)

جانشینی آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حکومت وقت (جس کی باگ ڈور اس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں تھی) آپ کو آزادی کی سانس نہ لینے دے گی اور ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر

دوستانِ اہلبیت کا آپ سے ملنا یا لبعد کے لئے راہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لئے آپ نے انہیں آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروان اہلبیت کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس بنانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے سترہ آدمی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضا علیہ السلام کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرما دیا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی۔ یہ اہتمام دوسرے آئمہ کے یہاں نظر نہیں آیا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بنا پر جس سے دوسرے آئمہ اپنی وفات کے موقعہ پر دوچار نہیں ہونے والے تھے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات اور امام رضا کے دور امامت کا آغاز

۱۸۳ھ میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قید خانہ ہارون رشید میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گذار کر درجہ شہادت حاصل فرمایا۔ آپ کی وفات کے وقت امام رضا علیہ السلام کی عمر میری تحقیق کے مطابق تیس سال کی تھی۔ والد بزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہو گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ بغداد میں ہارون رشید تختِ خلافت پر متمکن تھا اور بنی فاطمہ کے لئے حالات بہت ہی ناسازگار تھے۔

ہارونی فوج اور خانہ امام رضا علیہ السلام

حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس ہارون رشید کا دور رہا۔ یقیناً وہ امام علی رضا علیہ السلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کا رہنا اس نے گوارا نہیں کیا مگر یا تو امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہو گئی تھی اور یا واقعی ظالم کو بدسلوکیوں کا احساس اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی۔ جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی لیکن اس سے پہلے اس نے امام رضا علیہ السلام کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ حضرت کے عہدہ امامت کو سنبھالتے ہی ہارون رشید نے آپ کا گھر لٹوا لیا اور عورتوں کے زیورات اور کپڑے تک اتروا لئے۔

تاریخ اسلام میں ہے کہ ہارون رشید نے اس حوالہ اور بہانے سے کہ محمد بن جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی حکومت و خلافت سے انکار کر دیا ہے ایک عظیم فوج عیسیٰ جلودی کی ماتحتی میں مدینہ منورہ بھیج کر حکم دیا کہ علی و فاطمہ کی تمام اولاد کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دی جائے ان کے سامان لوٹ لئے جائیں اور انہیں اس درجہ مفلوج اور مفلوک کر دیا جائے کہ پھر ان میں کسی قسم کے حوصلہ کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکے اور محمد بن جعفر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا

جائے۔ عیسیٰ جلودی نے مدینہ پہنچکر تعمیل ارشاد کی سعی بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے بنی فاطمہ کو تباہ و برباد کیا۔ حضرت محمد بن جعفر علیہ السلام نے بھرپور مقابلہ کیا لیکن آخر میں گرفتار ہو کر ہارون رشید کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ عیسیٰ جلودی سادات کرام کو لوٹ کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے دولت کدہ پر پہنچا۔ اس نے خواہش کی کہ وہ حسب حکم ہارون رشید، خانہ امام میں داخل ہو کر اپنے ہاتھوں سے عورتوں کے زیورات اور کپڑے اتارے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں خود سارا سامان لاکر دیئے دیتا ہوں۔ پہلے تو وہ اس پر راضی نہ تھا لیکن بعد میں کہنے لگا کہ اچھا آپ ہی اتار لایئے آپ محل سرا میں تشریف لے گئے اور آپ نے تمام زیورات اور سارے کپڑے ایک ستر پوش چادر کے علاوہ لاکر دے دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ اثاث البیت، نقد و جنس یہاں تک کہ بچوں کے کان کے بندے سب کچھ اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ ملعون تمام سامان لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کے آغاز امامت کا ہے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر صادق کے واقعہ سے امام علی رضا علیہ السلام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اکثر اپنے چچا محمدؑ کو خاموشی کی ہدایت اور صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے کسی ناصبی نے دستی کتبہ لکھ کر مدینہ کی دیواروں پر چسپاں کر دیا تھا جس میں حضرت علی و فاطمہ کے متعلق نازیبا الفاظ تھے یہی آپ کے خروج کا سبب بنا۔ آپ کی بیعت لفظ "امیرالمومنین" سے کی گئی۔ آپ جب نماز کو نکلتے تھے تو آپ کے ساتھ دو سو صلحاء و اتقیاء ہوا کرتے تھے۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد صفوان بن یحییٰ نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ مولا، ہم آپ کے بارے میں ہارون رشید سے بہت خائف ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ کہیں آپ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو آپ کے والد کے ساتھ کر چکا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو اپنی سعی کرے گا لیکن مجھ پر کامیاب نہ ہو سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حالات نے اسے کچھ درجہ آخر میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ جب خالد بن یحییٰ برمکی نے اس سے کہا کہ امام رضا اپنے باپ کی طرح امر امامت کا اعلان کرتے اور اپنے کو امام زمانہ کہتے ہیں تو اس نے جواب دیا۔ ہم جو ان کے ساتھ کر چکے ہیں وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اب تو چاہتا ہے کہ "ان نقتلھم جمیعا" ہم سب کے سب کو قتل کر ڈالیں۔ اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۴ طبع مصر)

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ پھر بھی ہارون رشید کا اہلبیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک رہا تھا اس کی بنا پر عام طور سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنہیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی۔ اہلبیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آ سکتے تھے، نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی

اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں، امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گذرا۔ امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لئے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا۔ اس لئے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا۔ دونوں کی آپس میں رسہ کشی ہارون کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے خیال میں اس کا "تصفیہ" مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام، مصر، حجاز، یمن وغیرہ محمد امین کے نام کئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران، خراسان، ترکستان وغیرہ مامون کے لئے مقرر کئے۔ مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کارگر ہو سکتا تھا جب دونوں فریق "جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔ لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کارفرما ہو، وہاں بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے پر تیار نظر آتے اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہمی تصادم ہو جب کہ ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلق خدا کی خیرخواہی کا بھی حامل نہیں ہے جیسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۸ھ میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہو گئی۔

یہ سچ ہے کہ ہارون رشید کے ایام سلطنت میں آپ کی امامت کے دس سال گزرے۔ اس زمانہ میں جیسے جلودی کی تاخت کے بعد پھر اس نے آپ کے معاملات کی طرف بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کر لی۔ اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل تو یہ اس دس سالہ زندگی کے ابتدائی ایام میں وہ آل برامکہ کے استیصال، رافع بن لیث ابن تیار کے غدر اور فساد کے انسداد میں جو سمرقند کے علاقہ سے نمودار ہو کر ماوراء النہر اور حدود عرب تک پھیل چکا تھا۔ ایسا ہمہ وقت اور ہمہ دم الجھاؤ رہا کہ پھر اس کو ان امور کی طرف توجہ کرنے کی ذرا بھی فرصت نہیں ملی۔ دوسرے یہ کہ اپنی دس سالہ مدت کے آخری ایام میں یہ اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہو گیا تھا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا تھا۔ نام کا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا اپنی زندگی کے دن نہایت عسرت اور تنگی کی حالتوں میں کاٹ رہا تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے واقعہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ صباح طبری کا بیان ہے کہ ہارون جب خراسان کو جانے لگا۔ تو میں

نہروان تک اس کی مشایعت کو گیا۔ راستہ میں اس نے بیان کیا کہ اے صباح تم اب کے بعد پھر مجھے زندہ نہ پاؤ گے۔ میں نے کہا۔ امیر المومنین۔ ایسا خیال نہ کریں۔ آپ انشاء اللہ صحیح و سالم اس سفر سے واپس آئیں گے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ شاید تجھ کو میرا حال معلوم نہیں ہے۔ آ۔ میں دکھاؤں۔ پھر مجھے راستہ کاٹ کر ایک سمت درخت کے نیچے لے گیا اور وہاں سے اپنے خواصوں کو ہٹا کر اپنے بدن کا کپڑا اٹھا کر مجھے دکھایا۔ تو ایک پارچہ ریشم شکم پر لپٹا ہوا تھا اور اس سے سارا بدن کسا ہوا تھا یہ دکھا کر مجھ سے کہا کہ میں مدت سے بیمار ہوں۔ تمام بدن میں درد اٹھتا ہے مگر کسی سے اپنا حال کہہ نہیں سکتا۔ تمہارے پاس بھی یہ راز امانت رہے۔ میرے بیٹوں میں سے ہر ایک کا گماشتہ میرے اوپر مقرر ہے۔ مامون کی طرف سے مسرور، امین کی جانب سے بختیشوع یہ لوگ میری سانس تک گنتے رہتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ میں ایک روز بھی زندہ رہوں۔ اگر تم کو یقین نہ ہو تو دیکھو۔ میں تمہارے سامنے گھوڑا سوار ہونے کو مانگتا ہوں۔ ایسا لاغر ٹٹو میرے لئے لائیں گے جس پر سوار ہو کر میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر گھوڑا طلب کیا۔ واقعی ایسا ہی لاغر، اڑیل ٹٹو حاضر کیا۔ اس پر ہارون بے چون و چرا سوار ہو گیا۔ اور مجھ کو وہاں سے رخصت کر کے جرجان کا راستہ پکڑا (لمعتہ الضیاء صفحہ ۹۲)

بہر حال ہارون رشید کی یہی مجبوریاں تھیں جنہوں نے اس کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مخالفانہ امور کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ ورنہ اگر اسے فرصت ہوتی اور وہ اپنی قدیم ذی اختیاری کی حالتوں پر قائم رہتا تو اس سلسلہ کی غارت گری و بربادی کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا۔ مگر اس وقت کیا کر سکتا تھا۔ اپنے ہی دست و پا اپنے اختیار میں نہیں تھے۔ بہر حال ہارون رشید اسی ضیق النفس مجبوری، ناداری اور بے اختیاری کی غیر متحمل مصیبتوں میں خراسان پہنچ کر شروع ۱۹۳ھ میں مر گیا۔

ان دونوں بھائیوں امین اور مامون کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ مامون تو پھر بھی سوجھ بوجھ اور اچھے کیرکٹر کا آدمی تھا لیکن امین عیاش، لاابالی اور کمزور طبیعت کا تھا۔ سلطنت کے تمام حصوں سے بازی گر، مسخرے اور نجومی جوتشی بلوائے۔ نہایت خوب صورت طوائف اور نہایت کامل گانے والیوں اور خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اور ناملک کی ایک محفل مثل اندر سبھا کے ترتیب دی۔ یہ تھیٹر اپنے زرق برق سامانوں سے پریوں کا اکھاڑا معلوم ہوتا تھا۔ سیوطی نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ امین اپنی بیویوں اور کنیزوں کو چھوڑ کر خصیوں سے لواطت کرتا تھا (تاریخ اسلام صفحہ ۶۰)

امام علی رضاؑ کا حج اور ہارون رشید عباسی

زمانہ ہارون رشید میں حضرت امام علی رضاؑ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اسی سال ہارون رشید بھی حج کے لئے آیا ہوا تھا۔

خانہ کعبہ میں داخلہ کے بعد امام علی رضا علیہ السلام ایک دروازہ سے اور ہارون رشید دوسرے دروازہ سے نکلے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دوسرے دروازہ سے نکلنے والا جو ہم سے دُور جا رہا ہے عنقریب طوس میں دونوں ایک جگہ ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یحییٰ ابن خالد برمکی کو امام علیہ السلام نے مکہ میں دیکھا کہ وہ رومال سے گرد کی وجہ سے منہ بند کئے ہوئے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے پتہ بھی نہیں کہ اس کے ساتھ امسال کیا ہونے والا ہے۔ یہ عنقریب تباہی کی منزل میں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ راوی مسافر کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر امام علیہ السلام نے ہارون رشید کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملاتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یہ اسی طرح ایک ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ارشاد کا مطلب اس وقت سمجھا جب آپ کی شہادت واقع ہوئی اور دونوں ایک مقبرہ میں دفن ہوئے۔ موسےٰ ابن عمران کا کہنا ہے کہ اسی سال ہارون رشید مدینہ منورہ پہنچا اور امام علیہ السلام نے اسے خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ عنقریب میں اور ہارون ایک ہی مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے (نور الابصار ص۱۴۴)

حضرت امام رضا علیہ السلام مذہب امامیہ کے مجدّد تھے

احادیث میں ہر سو سال کے بعد ایک مجدّد اسلام کے نمود و شہود کا نشان ملتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو اسلام کا مجدّد ہو گا اس کے تمام ماننے والے اسی کے مسلک پر گامزن اور اسی کے اصول و فروع کے سراہنے والے ہوں گے اور مجدّد کا جز بنیادی مذہب ہو گا۔ اس کے ماننے والوں کا بھی وہی مذہب ہو گا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جو قطعی طور پر فرزند رسول اسلام تھے وہ اسی مسلک پر گامزن تھے جس مسلک کی بنیاد پیغمبر اسلام علیہ السلام اور علی خیر الانام کا وجود ذی جود تھا۔ یہ مسلمات سے ہے کہ آل محمد علیہم السلام پیغمبر اسلام علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے تھے اور انہیں کے خدائی منشا اور بنیادی مقصد کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے یعنی آل محمد کا مسلک وہی تھا جو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مسلک تھا۔ علامہ ابن اثیر جزری اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام تیسری صدی ہجری میں اور ثقۃ الاسلام علامہ کلینی چوتھی صدی ہجری میں مذہب امامیہ کے مجدّد تھے۔ علامہ قونوی اور ملا مبین نے اسی کو دوسری صدی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۷۶ شرح ہادی معین) محدث دہلوی شاہ عبد العزیز ابن اثیر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن اثیر جذری صاحب جامع الاصول کہ حضرت امام علی بن موسےٰ الرضا مجدد مذہب امامیہ در قرن ثالث گفتہ است۔ ابن اثیر جذری صاحب جامع الاصول نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو تیسری صدی میں مذہب امامیہ کا مجدّد

ہونا ظاہر و واضح فرمایا ہے (تحفہ اثنا عشریہ کید ۸۵ صفحہ ۲۰) بعض علمائے اہل سنت نے آپ کو دوسری صدی کا اور بعض نے تیسری صدی کا مجدد بتلایا ہے۔ میرے نزدیک دونوں درست ہیں کیونکہ دوسری صدی میں امام رضا علیہ السلام کی ولادت اور تیسری صدی کے آغاز میں آپ کی شہادت ہوئی ہے۔

حضرت امام رضاؑ کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل

آپ کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل کا لکھنا اس لئے دشوار ہے کہ وہ بے شمار ہیں۔ "مشتے نمونہ از خروارے" یہ ہیں بحوالہ علامہ شبلنجی ابراہیم بن عباس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی اور کبھی کسی کی بات کو قطع نہیں فرمایا۔ آپ کے مکارم عادات سے تھا کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا۔ تب اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتی المقدور دریغ نہ فرماتے۔ کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ اہل محفل کے روبرو تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ کبھی اپنے غلاموں کو گالی نہ دی اور چیزوں کا کیا ذکر۔ میں نے کبھی آپ کو تھوکتے اور ناک صاف کرتے نہیں دیکھا۔ آپ قہقہہ لگا کر ہرگز نہیں ہنستے تھے خندہ زنی کے موقع پر آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ محاسن اخلاق اور تواضع و انکساری کی یہ حالت تھی کہ دسترخوان پر سائیس اور دربان تک کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ راتوں کو بہت کم سوتے اور اکثر راتوں کو شام سے صبح تک شب بیداری کرتے تھے۔ اکثر اوقات روزے سے ہوتے مگر ہر مہینے کے تین روزے تو آپ سے کبھی قضا نہیں ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں کم از کم تین روزے رکھ لینا۔ ایسا ہے جیسے کوئی ہمیشہ روزے سے رہے۔ آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں اس استحباب کو ادا فرمایا کرتے تھے۔ موسم گرما میں آپ کا فرش جس پر آپ بیٹھ کر فتوے دیتے یا مسائل بیان کیا کرتے، بوریا ہوتا تھا اور موسم سرما میں کمبل۔ آپ کا یہی طرز اس وقت بھی رہا، جب آپ ولیعہد حکومت تھے۔ آپ کا لباس گھر میں موٹا اور خشن ہوتا تھا اور رفع طعن کے لئے باہر آپ اچھا لباس پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ حضور اتنا عمدہ لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں آپ نے اندر کا پیراہن دکھلا کر فرمایا۔ اچھا لباس دنیا والوں کے لئے اور کمبل کا پیراہن خدا کے لئے ہے۔ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حمام میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جندی نامی آگیا اور اس نے بھی نہانا شروع کیا۔

دورانِ غسل میں اس نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ میرے جسم پر پانی ڈالئے۔ آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا اتنے میں ایک شخص نے کہا اے جندی فرزندِ رسول سے خدمت لے رہا ہے۔ ارے یہ امام رضا ہیں یہ سننا تھا کہ وہ پیروں پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا (نور الابصار صفحہ ۳۸ و ۳۹)

ایک مردِ بلخی ناقل ہے کہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک مقام پر دستر خوان بچھا تو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں حبشی بھی شامل تھے۔ بلا کر بٹھلا لیا۔ میں نے عرض کیا۔ مولا انہیں علیحدہ بٹھلائیں تو کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا۔ سب کا رب ایک ہے اور ماں باپ آدم و حوا بھی ایک ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیا۔ آپ کے ایک خادم یاسر کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ تاکیدی حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم کو نہ اُٹھے۔ معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ جب بھی دستر خوان بچھتا۔ آپ ہر کھانے میں سے ایک ایک لقمہ نکال لیتے تھے اور اسے مسکینوں اور یتیموں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ شیخ صادق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی تقویٰ سے ہے جو مجھ سے زیادہ متقی ہے وہ مجھ سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مال دنیا سے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ مشکل ہے۔ پھر اس نے عرض کی اچھا میری حیثیت کے مطابق عنایت کیجئے۔ فرمایا۔ یہ ممکن ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے دو سو اشرفی عنایت فرمادی۔ ایک مرتبہ نویں ذی الحجہ یوم عرفہ آپ نے راہِ خدا میں سارا گھر لٹا دیا۔ یہ دیکھ کر فضل بن سہیل وزیر مامون نے کہا۔ حضرت یہ تو غرامت یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے آپ نے فرمایا۔ یہ غرامت نہیں غنیمت ہے۔ میں اسکے عوض میں خدا سے نیکی اور حسنہ لوں گا۔ آپ کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ ہم ایک دن میوہ کھا رہے تھے اور کھانے میں ایسا کرتے تھے کہ ایک پھل سے کچھ کھاتے اور کچھ پھینک دیتے تھے۔ ہمارے اس عمل کو آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔ نعمتِ خدا کو ضائع نہ کرو۔ ٹھیک سے کھاؤ اور جو بچ جائے اسے کسی محتاج کو دے دو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزدور کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہیئے کیونکہ چکائی ہوئی اجرت کے بعد جو کچھ دیا جائے گا پانے والا اس کو انعام سمجھے گا۔ صولی کا بیان ہے کہ آپ اکثر عود ہندی بخور کرتے اور مشک و گلاب کا پانی استعمال کرتے تھے۔ عطریات کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ نماز صبح اول وقت پڑھتے۔ اس کے بعد سجدہ میں چلے جاتے تھے اور نہایت ہی طول دیتے تھے پھر لوگوں کو پند و نصائح فرماتے۔ سلیمان بن جعفر کا کہنا ہے کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح خرمے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے جب بھی آپ بستر پر لیٹتے تھے تا بہ خواب قرآن مجید کے سورے پڑھا کرتے تھے۔ موسیٰ بن سیار کا بیان ہے کہ

آپ اکثر اپنے شیعوں کی میت میں شرکت فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر روز شام کے وقت امام وقت کے سامنے شیعوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اگر کوئی شیعہ گناہ گار ہوتا ہے تو امام اس کے لئے استغفار کرتے ہیں علامہ طبری کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے جب بھی کوئی آتا تھا آپ پہچان لیتے تھے کہ مومن ہے یا منافق (اعلام الوری تحفہ رضویہ کشف الغمہ صفحہ ۱۱۲) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ آپ ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیتے تھے اور روزانہ ایک قرآن مجید ختم فرما دیتے تھے (جنات الخلود صفحہ ۳۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض کرامات

آپ کے قول و فعل سے بے انتہا کرامات کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔ علامہ مومن شبلنجی رقم طراز ہیں۔

۱۔ ایک دن حضرت امام رضا علیہ السلام نے امین اور مامون پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب امین کو مامون قتل کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور امین عباسی ۲۳ محرم ۱۹۸ھ کو چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد مامون رشید کے ہاتھوں قتل ہوا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۲۰)

۲۔ حسین بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں جعفر بن عمر العلوی کا گزر ہوا۔ ہم نے اس کی شکل و شباہت اور ماہیت و حالت دیکھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے حضرت امام رضا نے فرمایا یہ عنقریب دولت مند اور رئیس ہو جائے گا اور اس کی حالت یکسر تبدیل ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ ایک ماہ کے اندر مدینہ کا گورنر ہو گیا۔

۳۔ جعفر بن صالح سے آپ نے فرمایا کہ تیری بیوی کے دو جوڑواں بچے ہوں گے ایک کا نام علی اور دوسرے کا نام ام عمر رکھنا۔ جب اس کے یہاں ولادت ہوئی ہے تو ایسا ہی ہوا۔ جعفر بن صالح نے اپنی ماں سے کہا۔ امام علی رضا نے یہ ام عمر کیا نام تجویز کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تیری دادی کا نام ام عمر تھا۔ حضرت نے اسی کے نام پر اسے موسوم فرمایا۔

۴۔ آپ نے ایک شخص کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو وصیت کرلے اور امر حتمی کے لئے تیار ہو جا "فمات الرجل بعد ثلاثۃ ایام" اس فرمانے کے تین دن بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا (نور الابصار صفحہ ۱۳۹)

۵۔ علامہ عبدالرحمن رقم طراز ہیں کہ ایک شخص خراسان کے ارادہ سے نکلا۔ اسے اس کی لڑکی نے ایک حلہ دیا کہ اسے فروخت کر کے فیروزہ لیتے آنا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں مقام مرو میں پہنچا تو امام رضاؑ کے ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ ایک دوست دار اہلبیت کا انتقال ہو گیا ہے

اس کے کفن کی ضرورت ہے تو اپنا حلہ میرے ہاتھ فروخت کر دے تاکہ میں اسے کفن کے لئے استعمال کروں۔ اس مرد کوفی نے کہا کہ میرے پاس کوئی حلہ برائے فروخت نہیں ہے۔ خادم نے امام رضا علیہ السلام سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے جا کر میرا سلام کہہ دے اور اسے میرا یہ پیغام پہنچا کہ تیری لڑکی نے جو حلہ برائے خرید فروزہ دیا ہے وہ فروخت کر دے۔ اس نے بڑا تعجب کیا اور حلہ نکال کر اس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ اس کوفی کا بیان ہے کہ میں نے یہ سوچ کر کہ وہ بڑے باکمال ہیں ان سے چند سوالات کرنا چاہا۔ اور اسی ارادے سے ان کے مکان پر گیا لیکن اتنا اژدھام تھا کہ در دولت تک نہ پہنچ سکا۔ دُور کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ایک غلام نے ایک پرچہ لا کر دیا اور کہا کہ امام رضا علیہ السلام نے یہ پرچہ عنایت فرماتے ہوئے کہا ہے کہ تیرے سوالات کے جواب اس میں مرقوم ہیں۔ چوں نگاہ کردم جواب مسئلہ ہائے من بُود۔ جب میں نے اسے دیکھا تو واقعاً میرے سوالات کے جواب تھے۔

۶۔ ریان بن صلت کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ میں حضرت سے اپنے لئے جامے اور ان سے وہ درہم مانگوں جس پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہوگا۔ میرے حاضر ہوتے ہی آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ یہ جامے اور سکے چاہتے ہیں انہیں دو جامے اور میرے نام کے تیس سکے دے دو۔

۷۔ ایک تاجر کو کرمان کے راستے میں ڈاکوؤں نے پکڑ کر اس کے منہ میں اس درجہ برف بھر دی کہ اس کی زبان اور اس کا جبڑا از کار رفتہ ہو گیا۔ اس نے بہت علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن اس نے سوچا کہ مجھے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علاج کی درخواست کرنی چاہیئے یہ سوچ کر وہ رات میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ کمونی سعتر اور نمک کو پانی میں بھگو کر تین چار بار غرغرہ کرو۔ انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ جب میں خواب سے بیدار ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ تمہارا وہی علاج ہے جو میں نے تم کو خواب میں بتلایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنا خواب ان سے بیان نہیں کیا تھا اس کے باوجود آپ نے یہی جواب دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حضرت نے جو دوا بتائی تھی اس کے اجزا یہ ہیں۔ زیرہ کرمانی۔ سعتر نمک (کشف الغمہ صفحہ ۱۱۲)

۸۔ ابو اسماعیل سندھی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ مولا مجھے عربی زبان نہیں آتی۔ آپ نے اس کے لبوں پر دست مبارک پھیر کر انہیں عربی میں گویا بنا دیا۔

۹۔ ایک حاجی نے آپ سے بہت سے سوالات کئے۔ آپ نے سب کا جواب

دے کر فرمایا۔ کہ وہ سوال تم نے نہیں کیا جو احرام کے لباس سے متعلق تھا جس میں تمہیں شک ہے اس نے کہا۔ ہاں! مولا۔ اسے بھول گیا تھا آپ نے فرمایا اس مخصوص لباس میں احرام درست ہے۔
۱۰۔ آپ نے خاک زمین سونگھ کر اپنی قبر کی جگہ بتا دی۔
۱۱۔ ایک شخص معتمد کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے پاس کھڑا تھا کہ چڑیوں کا ایک جھنڈ امام کے پاس آ کر چیخنے لگا۔ امام نے مجھ سے کہا۔ جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا و رسولؐ اور فرزند رسولؐ ہی اسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس جھنڈ کا کہنا یہ ہے کہ ایک سانپ آیا ہوا ہے اور وہ میرے بچوں کو کھانا چاہتا ہے۔ تم جاؤ اور اسے تلاش کر کے مار ڈالو۔ چنانچہ میں اس مقام پر گیا اور سانپ کو مار ڈالا (شواہد النبوت صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۱)
۱۲۔ علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط پڑا۔ آپ نے دعا کی۔ ٹکڑا ابر نمودار ہوا۔ لوگ خوش ہو گئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ یہ ٹکڑا ابر فلاں مقام کے لئے ہے۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں آپ نے ایک ٹکڑا ابر کے نمودار ہونے پر فرمایا کہ یہ یہاں برسے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (جنات الخلود صفحہ ۳۱۔ عیون اخبار رضا صفحہ ۲۱۴)
۱۳۔ علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنی زمینداری پر تشریف لے گئے جاتے وقت فرمایا کہ میرے ہمراہی کو چاہیئے کہ بارش کا سامان لے لیں۔ حسن بن موسےٰ نے کہا کہ حضور سخت گرمی ہے۔ بارش کے تو آثار نہیں ہیں۔ فرمایا۔ بارش ضرور ہوگی۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے بعد ہی بارش کا نزول شروع ہو گیا اور خوب پانی برسا (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۹)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جناب علی رضا علیہ السلام

واقعہ تمر صیحانی

۱۴۔ علامہ ابن حجر مکی، علامہ شبلنجی، علامہ عبداللہ رقم طراز ہیں کہ محمد بن علیؑ بن حبیب کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے شہر کی اس مسجد میں دیکھا جہاں حاجی اترتے اور نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت کو سلام کیا اور حضرت کے پاس طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سلام پر حضرت نے

مجھے اٹھارہ دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف اٹھارہ سال زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بیس دن بعد حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے تشریف لائے اور اسی مسجد میں اترے جس میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت کے سامنے ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں۔ لوگ حضرت کے سلام کو دوڑے میں بھی گیا، تو دیکھا کہ حضرت اس جگہ تشریف فرما ہیں جہاں میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے سلام کیا تو حضرت نے جواب دیا اور اپنے قریب بلا کر ایک مٹھی اسی طبق کی کھجوریں مرحمت فرمائیں میں نے گنیں وہ بھی اٹھارہ تھیں اسی قدر جتنی رسول خدا صلعم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اور کچھ مرحمت ہو تو فرمایا "لو زاد لک رسول اللہ لزدناک" کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیئے ہوتے، تو میں بھی زیادہ دیتا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۴۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۶۔ تاریخ آئمہ ص ۴۷۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام کا علمی کمال

علامہ علی نقی لکھتے ہیں آلِ محمدؐ کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احدیت کی طرف سے بلند ترین علم کے درجہ پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقعہ دیا اور کسی کو زیادہ۔ چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں۔ جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے۔ اس وقت حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آلِ محمدؐ ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو۔ اور جو کچھ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضۂ رسولؐ پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد بن عیسےٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا ہے اکٹھا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔ صاحب لمعۃ الرضا تحریر کرتے ہیں حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات میں یہ امر تمام تاریخی مشاہد اور نیز حدیث وسیر کے اسانید معتبر سے ثابت کیا ہے کہ باوجود اہل دنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا۔

مگر بایں ہمہ تمام زمانہ وہر خویش و بیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الہٰی اور اسرار الہٰی کا گنجینہ سمجھتا تھا۔ اور محدثین و مفسرین اور تمام علماء و فضلاء جو آپ کے مقابلہ کا دعوےٰ رکھتے تھے۔ وہ بھی علمی مباحث و مجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے اور علمی مسائل کو حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے لے کر امام زین العابدین علیہ السلام تک استفادے حاصل کئے وہ سب ان کتابوں میں موجود ہیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سمع حدیث کے واقعات تمام حدیث کی کتاب میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ابوالطفیل عامری اور سعید بن جبیر آخری صحابہ کی تفصیل حالات جو ان بزرگوں کے حال میں پائے جاتے ہیں وہ سیر و تواریخ میں مذکور و مشہور ہیں۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ان لوگوں کی فیض یابی کی بھی یہی حالت ہے۔ شعبی، زہری، ابن قتیبہ، سفیان ثوری، ابن شیبہ، عبدالرحمن۔ عکرمہ۔ حسن بصری وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان ہی بزرگوں نے چشمہ فیض کے جرعہ نوش اور انہی حضرات کے مطیع و حلقہ بگوش تھے۔ جناب امام رضا علیہ السلام کو اتفاق حسنہ سے اپنے علم و فضل کے اظہار کے زیادہ موقع پیش آئے۔ کیونکہ مامون عباسی کے پاس جب تک دارالحکومت مرو تشریف فرما رہے بڑے بڑے علماء و فضلاء علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا اور کچھ اسلامی علماء و فضلاء پر موقوف نہیں تھا بلکہ علماء یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا۔ مگر ان تمام مناظروں و مباحثوں میں ان تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت و فوقیت ظاہر ہوئی۔ خود مامون بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم و افقہ تھا۔ باوجود اس کے تبحر فی العلوم کا لوہا مانتا تھا اور چاروناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالت و قدر عزت و شرافت میں معروف و مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے مامون آپ کو بمنزلہ اپنی روح و جان جانتا تھا۔ اس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا۔ اور ملک و ولایت میں اپنا شریک گردانا۔ مامون برابر علماء ادیان و فقہائے شریعت کو جناب امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بلاتا اور مناظرہ کراتا۔ مگر آپ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیٹھتا۔ وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے۔ جواب ہائے شافی دے کر ان کی تسلی و تسکین کر دیتا۔ ابوالصلت ابن صالح کہتے ہیں کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے

زیادہ کوئی عالم میری نظر سے نہیں گذرا۔ اور مجھ پر موقوف نہیں جو کوئی آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا وہ میری طرح آپ کی اعلمیت کی شہادت دے گا۔

امام رضا علیہ السلام اور حروف تہجی

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حروف تہجی یعنی اب ج د وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں لیکن جب اس کی حقیقت ارباب عصمت سے دریافت کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف جن سے قرآن مجید جیسی اعجازی کتاب مرتب کی گئی ہے اور جس پر کائنات کے افہام وتفہیم کا دارو مدار ہے۔ یہ اپنے دامن میں بے شمار صفات رکھتے ہیں اور خداوند عالم نے انہیں حروف کو اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر حرف میں خاص چیز پنہاں رکھی ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ان حروف تہجی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے بحوالہ باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرمایا کہ "ا" سے "الا اللہ" خدا کی نعمتیں "ب" سے "بہاء اللہ" خدا کی خوبیاں "بھجۃ اللہ" خدا کا مومنین سے خوش ہونا "ت" سے تمام الامر بقائم آل محمدؐ، دنیا کا خاتمہ، امام مہدیؑ کے عہد میں ہوگا "ث" سے ثواب المومنین علی اعمالہم الصالحۃ "مومنین کو اچھے اعمال کا بھرپور ثواب ملے گا "ج" سے جمال اللہ، اللہ کا جمال وجلال اللہ، اللہ کا جلال "ح" سے حلم اللہ عن المذنبین" گناہ گار سے اللہ کا حلم "خ" سے خمول ذکر اہل المعاصی عند اللہ" خدا کا گناہگاروں کے گناہوں سے بھلا دینا" "د" سے دین اللہ۔ اللہ کا دین اسلام "ذ" سے ذوالجلال۔ اللہ کا صاحب جلال ہونا۔ "ر" سے الرؤف الرحیم۔ اللہ کا رؤف رحیم ہونا" "ز" سے زلازل القیامتہ قیامت کے دن کے عظیم زلزلے "س" سے ستار اللہ۔ اللہ کی اچھائیاں اور خوبیاں "ش" سے شاء اللہ، ماشاء اللہ۔ جو خدا چاہے وہی ہوگا۔ "ص" سے صادق الوعد۔ اللہ کا وعدہ سچا اور لوگوں کو سچ بولنا چاہیئے "ض" سے ضل من خالف محمدؐ وآل محمدؐ۔ وہ شخص گمراہ ہے جو محمد وآل محمد کا مخالف ہے "ط" سے طوبی للمومنین۔ مومنین کے لئے جنت کی مبارک باد "ظ" سے ظن المومنین باللہ خیرا۔ مومنین کو خدا کے ساتھ اچھا ظن رکھنا چاہیئے "ع" سے علم یعنی خدا عالم مطلق ہے اور علم انسان کے لئے بہترین زیور ہے "غ" سے الغنی خدا سب سے مستغنی ہے اور غنی کو غریبوں پر خرچ کرنا چاہیئے "ف" سے فوج من افواج النار۔ لوگ اگر گناہ کریں گے تو فوج در فوج جہنم میں جائیں گے۔ "ق" سے قرآن۔ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے جو ہدایت سے پر ہے "ک" سے الکافی۔ خدا بندوں کے لئے کافی ہے۔ "ل" سے لغوالکافرین فی افترائہم علی اللہ الکذب۔ خدا پر جھوٹ کا الزام دینا۔ یہ کافروں کا کام نہایت لغو ہے "م" سے ملک اللہ یوم لا مالک الغیر۔ ایک دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور کوئی بھی زندہ نہ ہوگا اور نہ اس کے سوا کوئی مالک

ہوگا۔ اس دن خدا فرمائے گا "لمن الملک الیوم۔ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو ارواح آئمہ جواب دیں گی۔ للّٰہ الواحد القہار۔ آج صرف خدائے واحد قہار خدا کی حکومت ہے" ن " سے نوال اللّٰہ للمومنین ونکالہ بالکافرین۔ مومنین پر خدا کا کرم اور کافروں پر اس کا عذاب محیط ہوگا۔" و " سے ویل لمن عصی اللّٰہ۔ ویل اور تباہی ہے اس کے لئے جو خدا کی نافرمانی کرے" ہ سے ہان علی اللّٰہ من عصاہ۔ جو خدا کا گناہ کرتا ہے۔ وہ اس کی توہین کرتا ہے "لا" سے لا الٰہ الا اللّٰہ۔ یہ وہ کلمۂ اخلاص ہے کہ جو اسے خلوص و اعتقاد اور شرائط کے ساتھ زبان پر جاری کرے۔ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ "ی" سے ید اللّٰہ۔ اللّٰہ کا ہاتھ جو مخلوقات کو روزی پہنچاتا ہے۔ مراد ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ انہیں حروف پر مشتمل قرآن مجید نازل ہوا ہے اور نزول چونکہ خدا کی طرف سے تھا۔ اس لئے دعوے کر دیا گیا کہ جو کتاب ہم نے حروف و الفاظ میں بھیجی ہے اس کا جواب جن و انس سب مل کر نہیں دے سکتے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۶۱)

امام رضا علیہ السلام اور وقت نکاح

ثقۃ الاسلام حضرت کلینی صاحب کتاب اصول کافی میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ترویج و نکاح کس وقت ہونا چاہیئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح رات کو کرنا سنت ہے۔ اس لئے کہ رات لذت و لطف اور سکون کے لئے بنائی گئی ہے اور عورتیں مردوں کے لئے لطف و لذت اور سکون کا مرکز ہیں (مناقب جلد صفحہ ۹۱ بحوالہ کافی)

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض مرویات و ارشادات

حضرت امام رضا علیہ السلام سے بے شمار احادیث مروی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) بچوں کے لئے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی دودھ نہیں (۲) سرکہ بہترین سالن ہے جس کے گھر میں سرکہ ہوگا۔ وہ محتاج نہ ہوگا (۳) ہر انار میں ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے (۴) منقیٰ صفرا کو درست کرتا۔ بلغم کو دور کرتا۔ پٹھوں کو مضبوط کرتا۔ نفس کو پاکیزہ بناتا اور رنج و غم کو دور کرتا ہے (۵) شہد میں شفا ہے۔ اگر کوئی شہد ھدیہ کرے تو واپس نہ کرو (۶) گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے (۷) بنفشہ کا تیل سر میں لگانا چاہیئے۔ اس کی تاثیر گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتی ہے۔

(۸) جو زیتون کا تیل سر میں لگائے یا کھائے اس کے پاس چالیس دن تک شیطان نہ آئے گا۔ (۹) صلہ رحم اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے مال میں زیادتی ہوتی ہے (۱۰) اپنے بچوں کا ساتویں دن ختنہ کر دیا کرو۔ اس سے صحت ٹھیک ہو جاتی ہے اور جسم پر گوشت چڑھتا ہے۔ جمعہ کے دن روزہ رکھنا دس روزوں کے برابر ہے (۱۱) جو کسی عورت کا مہر نہ دے یا مزدور کی اجرت روکے یا کسی کو فروخت کر دے وہ بخشا نہ جاوے گا (۱۳) قرآن پڑھتے شہد کھاتے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے (۱۴) گوشت کھانے سے شفا ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے (۱۵) کھانے کی ابتداء نمک سے کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے ستر (۷۰) بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے جن میں جذام بھی ہے (۱۶) جو دنیا میں زیادہ کھائے گا قیامت کے دن بھوکا رہے گا (۱۷) مسور ستر (۷۰) انبیاء کی پسندیدہ خوراک ہے۔ اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو بنتے ہیں (۱۸) جو چالیس دن گوشت نہ کھائے گا بد اخلاق ہو جائے گا (۱۹) کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیئے (۲۰) کھانا پیالے کے کنارے سے کھانا چاہیئے (۲۱) طول عمر کے لئے اچھا کھانا، اچھی جوتی پہننا اور قرض سے بچنا، کثرت جماع سے پرہیز کرنا مفید ہے (۲۲) اچھے اخلاق والا پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ساتھ قیامت میں ہوگا (۲۳) جنت میں متقی اور حسن خلق والوں کی اور جہنم میں پیٹو اور زنا کاروں کی اکثریت ہوگی (۲۴) امام حسین علیہ السلام کے قاتل بخشے نہ جاویں گے۔ ان کا بدلہ خود خدا لے گا (۲۵) حسن و حسین علیہم السلام جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بہتر ہیں (۲۶) اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح جیسی ہے۔ نجات وہی پائے گا جو اس پر سوار ہوگا (۲۷) حضرت فاطمہ ساق عرش پکڑ کر قیامت کے دن واقعہ کربلا کا فیصلہ چاہیں گے۔ اس دن ان کے ہاتھ میں امام حسین علیہ السلام کا خون بھرا پیراہن ہوگا (۲۸) خدا سے روزی صدقہ دے کر مانگو (۲۹) سب سے پہلے جنت میں وہ شہداء اور عیالدار جائیں گے جو پرہیزگار رہوں گے اور سب سے پہلے جہنم میں حاکم غیر عادل اور مالدار جائیں گے (مسند امام رضا طبع مصر ۱۳۴۱ھ (۳۰) ہر مومن کا کوئی نہ کوئی پڑوسی اذیت کا باعث ضرور ہوگا (۳۱) بالوں کی سفیدی کا سر کے اگلے حصے سے شروع ہونا سلامتی اور اقبال مندی کی دلیل ہے۔ اور رخساروں ڈاڑھی کے اطراف سے شروع ہونا سخاوت کی علامت ہے۔ اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت کا نشان ہے اور گدی سے شروع ہونا نحوست ہے (۳۲) قضا و قدر کے بارے میں آپ نے فضیل بن سہیل کے جواب میں فرمایا کہ انسان

نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل آزاد ہے (نورالابصار صفحہ ۱۴۰)

حضرت امام رضا علیہ السلام اور مجلس شہداء کربلا

علامہ مجلسی بحارالانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاعر آلِ محمدؐ، دعبل خزاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عاشورا کے دن میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ آپ اصحاب کے حلقہ میں انتہائی غمگین وحزین بیٹھے ہوئے ہیں مجھے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا۔ آؤ، آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پہلو میں مجھے جگہ دے کر فرمایا کہ اے دعبل چونکہ آج یوم عاشورا ہے اور یہ دن ہمارے لئے انتہائی رنج وغم کا دن ہے۔ لہٰذا تم میرے جد مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ سے متعلق کچھ شعر پڑھو۔ اے دعبل جو شخص ہماری مصیبت پر روئے یا رُلائے اس کا اجر خدا پر واجب ہے۔ اے دعبل جس شخص کی آنکھ ہمارے غم میں تر ہو۔ وہ قیامت میں ہمارے ساتھ محشور ہو گا۔ اے دعبل جو شخص ہمارے جد نامدار حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں روئے گا۔ خدا اس کے گناہ بخش دے گا۔

یہ فرما کر امام علیہ السلام نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پردہ کھینچا اور مخدرات عصمت کو بلا کر اس میں بٹھا دیا۔ پھر آپ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ہاں دعبل۔ اب میرے جد امجد کا مرثیہ شروع کرو۔ دعبل کہتے ہیں کہ میرا دل بھر آیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آل محمدؐ میں رونے کا کہرام عظیم برپا تھا۔ صاحب دار المصائب تحریر فرماتے ہیں کہ دعبل کا مرثیہ سن کر معصومہ قم جناب فاطمہ ہمشیرہ حضرت امام رضا علیہ السلام اس قدر روئیں کہ آپ کو غش آ گیا۔

اس اجتماعی طریقہ سے ذکرِ حسینی کو مجلس کہتے ہیں اس کا سلسلہ عہد امام رضا میں مدینہ سے شروع ہو کر مرو تک جاری رہا۔ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ اب امام رضاؑ کو تبلیغ حق کے لئے نام حسینؑ کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق قائم کر چکے تھے۔ مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ جب امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام یا بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اور اب امام رضا علیہ السلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی۔ اس لئے آپ کے دربار میں حاضر ہوتے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مرو کا مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے دوسروں کو بھی ترغیب وتحریص کی جانے لگی کہ آلِ محمدؐ کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات غم کو ظاہر کرو۔

یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا۔ اس دن کہ جب سب کے سب دل مردہ ہوں گے۔ تذکرہ امام حسینؑ کے لئے جو مجمع ہو۔ اس کا نام اصطلاحی طور پر "مجلس" اسی امام رضا علیہ السلام کی حدیث سے ہی ماخوذ ہے۔ آپ نے عملی طور بھی خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے ریان ابن شبیب کی حاضری کے موقع پر جو آپ نے مصائب امام حسین علیہ السلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسینؑ میں اشعار پڑھو۔ وہ ذاکر ہوا۔ اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے (الخ)

خلیفہ مامون رشید عباسی اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام

حضرت امام رضا علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو ۱۸۳ھ میں ہارون رشید عباسی زہر سے شہید کرانے کے بعد ۱۹۳ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں اس کا بیٹا امین خلیفہ ہوا۔ ہارون چونکہ اپنے بیٹوں میں سلطنت تقسیم کر چکا تھا اور اس کے اصول معین کر چکا تھا۔ اس لیے ایک کے بجائے دو حکمران رشید کی حدود سلطنت پر حکمرانی کرنے لگے۔ امین چونکہ نہایت ہی لغو آدمی تھا۔ اس لیے اس نے اپنے وسعت اختیار کی وجہ سے مامون پر جبر و تعدی شروع کر دی۔ بالآخر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور امین چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۲ محرم الحرام ۱۹۸ھ کو قتل کر دیا گیا۔

امین کے قتل کے بعد بھی مامون چار سال تک مرو میں رہا۔ سلطنت کا کاروبار تو فضل بن سہیل کے سپرد کر رکھا تھا اور خود عالموں فاضلوں سے جو اس کے دربار میں بھرے رہتے تھے فلسفی مباحثوں میں مصروف رہتا تھا۔ عراق میں فضل کا بھائی حسن بن سہیل گورنر بنایا گیا تھا الجزیرہ میں نصر بن شبث عقیلی نے بغاوت کی اور وہ پانچ سال تک شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ عراق میں بدوؤں نے لچوں، بدمعاشوں کو بلا کر حسن بن سہیل کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؑ اور جعفر طیار کے بعض بلند نظر نونہالوں نے شاید یہ خیال کیا کہ ان کے حقوق واپس ملنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ جمادی الثانی ۱۹۹ھ کے مطابق ۸۱۴ء میں ابو عبداللہ محمد

بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف بہ طباطبا بن حسن بن علی بن ابی طالب علوی نے جو مذہب زیدیہ رکھتے تھے۔ کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں کو آل رسولؐ کی بیعت اور متابعت کی دعوت کی ان کی مدد پر بنی شیبان کا معزز سردار ابو اسرایا سری بن منصور شیبانی جو ہرثمہ کے فوجی سرداروں میں سے تھا۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے اپنی متفقہ افواج سے حسن کی فوج کو کوفہ کے باہر شکست دے کر تمام جنوبی عراق پر قبضہ کر لیا۔ فتح کے دوسرے دن محمد بن ابراہیم مرگ مفاجات سے فوت ہو گئے۔ ابو اسرایا نے ان کی جگہ محمد بن زید شہید کو امیر بنا لیا۔ حسن نے پھر فوج بھیجی۔ ابو اسرایا نے اسے بھی مار کر فنا کر دیا۔ اسی دوران میں علوی ہر چہار جانب سے ابو اسرایا کی مدد کو جمع ہو گئے اور جابجا شہروں میں پھیل گئے اور ابو اسرایا نے کوفہ میں امام رضا علیہ السلام کے نام کے درہم و دینار "مسکوک" کرائے اور بصرہ و اسطمدائن کی طرف فوج روانہ کی اور عراق کے بہت سے شہر و قریے فتح کر لئے۔ علویوں کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے عباسیوں کے گھر جو کوفے میں تھے پھونک دیئے اور جو عباسی ملا۔ اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد موسم حج آیا۔ تو ابو اسرایا نے حسین بن حسن ابن امام زین العابدین کو جنہیں انطس کہتے ہیں۔ مکہ کا گورنر مقرر کیا اور ابراہیم بن موسےٰ کاظمؑ کو یمن کا عامل بنایا اور فارس پر اسماعیل بن موسےٰ کاظمؑ کو گورنر کیا۔ اور مدائن کی طرف محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جانب شرقی سے بغداد پر حملہ کرے۔ اس طرح ابو اسرایا کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔

فضل بن سہیل نے ہرثمہ کو ابو السرایا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور ابو السرایا نہروان کے قریب شکست کھا کر مارا گیا۔ اور محمد بن محمد بن زید مامون کے پاس مرو بھیج دیئے گئے ابو السرایا کا دور دورہ کل دس ماہ رہا۔ ابو السرایا کے قتل ہو جانے کے بعد حجاز میں لوگوں نے محمد بن جعفر صادق کو امیر المؤمنین بنایا۔ افطس نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ اور یمن میں ابراہیم بن موسےٰ کاظمؑ نے سر اٹھایا۔ اسی طرح ایران کی سرحد سے یمن تک تمام ملک میں خانہ جنگی پھیل گئی۔ ابو السرایا کے قتل کے بعد ہرثمہ مغرب کے حالات بیان کرنے بادشاہ کی خدمت میں مرو حاضر ہوا۔ کیوں کہ وزیر ان تمام حالات کو بادشاہ سے مخفی رکھتا تھا۔ حالات بیان کر کے وہ بادشاہ کے پاس سے واپس آ رہا تھا کہ وزیر نے راستے میں اُسے قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۲۰۰ھ ہجری کا ہے۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر سن کر بغداد کے سپاہیوں نے جو اسے دوست رکھتے تھے۔ بغداد میں بغاوت کر کے حسن بن سہیل کو نکال دیا۔ اور منصور بن مہدی کو اپنا گورنر بنا لیا۔

مامون کو جب باغیوں اور مفسدوں کی کثرت اور اہل بیت کے طلب خلافت میں اٹھنے کی خبر پہنچی تو گھبرا گیا اور اس نے یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضاؑ کو اپنا ولیعہد بنالے چنانچہ ان کو مدینہ سے بلا کر ۲ر رمضان ۲۰۱ھ ہجری مطابق ۸۱۶ء کو باوجود ان کے سخت انکار کے اپنا ولیعہد بنا لیا۔ ان سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ دور کر کے بنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۶۱) اس واقعہ کی تفصیل کثیر کتابوں میں موجود ہے۔ ہم مختصر الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے مرو میں طلبی

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حالات کی روشنی میں مامون نے اپنے مقام پر یہ قطعی فیصلہ اور عزم بالجزم کر لینے کے بعد کہ امام رضا علیہ السلام کو ولیعہد خلافت بنائے گا اپنے وزیر اعظم فضل بن سہیل کو بلا بھیجا۔ اور اس سے کہا کہ ہماری رائے ہے کہ ہم امام رضاؑ کو ولی عہدی سپرد کر دیں۔ تم خود بھی اس پر سوچ وبچار کرو اور اپنے بھائی حسن بن سہل سے مشورہ کرو۔ ان دونوں نے آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کے بعد مامون کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ان کا مقصد تھا کہ مامون ایسا نہ کرے۔ ورنہ خلافت آل عباس سے آلِ محمدؐ میں چلی جائے گی۔ ان لوگوں نے اگرچہ کھل کر مخالفت نہیں کی لیکن دبے لفظوں میں ناراضگی کا اظہار کیا۔ مامون نے کہا۔ میرا فیصلہ اٹل ہے اور میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم مدینہ جا کر امام رضاؑ کو اپنے ہمراہ لاؤ" حکم حاکم مرگ مفاجات" آخر کار یہ دونوں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں مقام مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت امام علی الرضا نے اس عرضداشت کو مسترد کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں اس امر کے لیے اپنے کو پیش کرنے سے معذور رہوں۔ لیکن چونکہ بادشاہ کا حکم تھا کہ انہیں ضرور لاؤ۔ اس لیے ان دونوں نے بے انتہا اصرار کیا اور آپ کے ساتھ اس وقت تک لگے رہے جب تک کہ آپ نے مشروط طور پہ وعدہ نہیں کر لیا۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۱)

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

تاریخ ابو الفداء میں ہے کہ جب امین قتل ہوا تو مامون سلطنت عباسیہ کا مستقل بادشاہ بن گیا یہ ظاہر ہے کہ امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت مامون کے پائے نام ہو گئی۔ مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امین ننہال کی طرف سے عربی النسل تھا اور مامون عجمی النسل تھا۔ امین کے قتل ہونے سے

عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہو سکتے تھے بلکہ وہ ایک غم وغصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی۔ اس سے بھی مامون کو ہر طرح خطرہ لگا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے۔ وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں یا جلا وطن کئے گئے ہوں یا قید رکھے گئے ہوں۔ ان کے موافق ایک جماعت تھی جو اگرچہ حکومت کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھی مگر دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔ ایران میں ابومسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا۔ وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا۔ درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔ مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھل گئی ہوں گی کہ ہم سے کیا کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کر لیا۔ ممکن ہے ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے اور چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور وہ عام طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے اپنی شیعیت اور ولائے اہل بیت کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے ”حق بحق دار رسید“ کے مقولہ کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی شائع کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا اور اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولاد فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہے۔ اس تک پہنچاؤں گا۔ اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے

فتح حاصل ہوئی۔

یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لئے بیان کیا گیا کہ اس کا طرزِ عمل خلوصِ نیت اور حسنِ نیت پر مبنی سمجھا جائے۔ یوں تو اہل بیت کے جو کھلے ہوئے دشمن سخت سے سخت تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں۔ بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوے تشیعیت اور محبت اہل بیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ امام کو اپنے منشاء کے مطابق چلانے کی کوشش تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام رضا علیہ السّلام کا ولی عہدی کو قبول کرنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظمؑ کا جیل خانہ میں چلا جانا۔ اسی لئے جب امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی۔ روضہ رسول صلعم سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا۔ جو حضرت امام حسین علیہ السّلام کا مدینہ سے روانگی کے وقت تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ حالت میں روضہ کے اندر جاتے ہیں اور نالہ و آہ کے ساتھ اُمت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا۔ پھر روضے سے جا کر لپٹ جاتے ہیں۔ یہ ہی صورت کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے قریب گیا، تو فرمایا۔ اے محول! میں اپنے جدّ امجد کے روضے سے بہ جبر جُدا کیا جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں آنا نصیب نہ ہوگا۔ (سوانح امام رضا علیہ السّلام جلد ۲ صفحہ ۷)

محول شیبانی کا بیان ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام علی الرضا علیہ السلام اپنے جدّ بزرگوار کے روضۂ اقدس سے ہمیشہ کے لئے وداع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ اندر جاتے اور با نالہ و آہ باہر آتے ہیں اور ظلم اُمت کی شکایت کرتے ہیں یا باہر آ کر گریہ و بکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس چلے جاتے ہیں۔ آپ نے چند بار ایسا ہی کیا اور مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ مولا۔ اضطراب کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ اے محول! میں اپنے نانا کے روضہ سے جبراً جُدا

کیا جا رہا ہوں۔ مجھے اس کے بعد اب یہاں آنا نصیب نہ ہو گا۔ میں اسی مسافرت اور غریب الوطنی میں شہید کر دیا جاؤں گا اور ہارون رشید کے مقبرہ میں مدفون ہوں گا۔ اس کے بعد آپ دولت سرا میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ سن کر گھر میں ایک عظیم کہرام بپا ہو گیا اور سب چھوٹے بڑے رونے لگے۔ آپؑ نے سب کو تسلی دی اور کچھ دینار اعزا میں تقسیم کر کے راہ سفر اختیار فرما لیا۔ ایک روایت کی بناء پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں طواف کر کے خانہ کعبہ کو رخصت فرمایا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا نیشاپور میں ورود مسعود

رجب ۲۰۰ ہجری میں حضرت مدینہ منورہ سے مرو خراسان کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل و عیال اور متعلقین سب کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑا۔ اس وقت امام تقی علیہ السلام کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ بھی مدینہ ہی میں رہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت کوفہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کا غیر متعارف راستہ اس خطرہ کے پیش نظر اختیار کیا گیا کہ کہیں عقیدت مندان امام مزاحمت نہ کریں اور غرضیکہ قطع مراحل اور منازل طے کرتے ہوئے یہ لوگ نیشاپور کے قریب جا پہنچے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ کی مقدس سواری شہر نیشاپور کے قریب پہنچی تو جملہ علماء و فضلاء شہر نے بیرون شہر حاضر ہو کر آپ کی رسم استقبال ادا کی۔ داخل شہر ہوئے تو تمام خورد و بزرگ شوق زیارت میں امڈ آئے۔ مرکب عالی جب مربعہ شہر (چوک) میں پہنچا تو ہجوم خلائق سے زمین پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام قاطر پر سوار تھے جس کا تمام ساز و سامان نقرئی تھا۔ قاطر پر عماری تھی اور اس پر دونوں طرف پردے پڑے ہوئے تھے اور بروایتے چھتری لگی ہوئی تھی۔ اس وقت امام المحدثین حافظ ابو زرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل علم و حدیث کی ایک عظیم جماعت حاضر خدمت ہوئی اور بایں کلمات امام علیہ السلام کو مخاطب کیا۔ "اے جمیع سادات کے سردار۔ اے تمام اماموں کے امام اور اے مرکز پاکیزگی، آپ کو رسول اکرم صلعم کا واسطہ، آپ اپنے اجداد کے صدقہ میں ہمیں اپنے دیدار کا موقع دیجئے اور کوئی حدیث اپنے جد نامدار کی بیان فرمایئے۔ یہ کہہ کر محمد بن رافع، احمد بن حارث، یحیٰی بن یحیٰی اور اسحاق ابن راہویہ نے آپ کے قاطر کی باگ تھام لی۔ ان کی استدعا سن کر آپ نے سواری روک دیئے جانے کے لئے اشارہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ حجاب اٹھا دیئے جائیں۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ حاضرین نے جونہی وہ نورانی چہرہ

اپنے پیارے رسولؐ کے جگر گوشہ کا دیکھا سینوں میں دل بے تاب ہو گئے۔ وہ زلفیں روئے انور پر مانند گیسوئے مشک بوئے جناب رسول خدا صلعم چھوٹی ہوئی تھیں۔ کسی کو یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ وہ سب کے سب بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بہتوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ کچھ زمین پر گر کر لوٹنے لگے۔ بعض سواری کے گرد و پیش گھومنے اور چکر لگانے لگے اور مرکب اقدس کی زین و لجام چومنے لگے اور عماری کو بوسے دینے لگے۔ آخر مرکب عالی کے قدم چومنے کے اشتیاق میں دیوانہ وار بڑھتے چلے آتے تھے۔ غرضیکہ عجیب طرح کا ولولہ تھا کہ جمال باکمال کو دیکھنے سے کسی کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ ٹکٹکی لگائے رُخ انور کی طرف نگراں تھے۔ یہاں تک کہ دوپہر دن نکل آیا اور ان کے موجودہ شوق و تمنا کی پر جوشیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس وقت علماء اور فضلاء کی جماعت نے باآواز بلند پکار پکار کر کہا کہ اے مسلمانوں ذرا خاموش ہو جاؤ اور فرزند رسولؐ کے لئے آزار نہ بنو۔ ان کی استدعا پر قدرے شور و غل تھما، تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

حدثنی ابی موسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابی زین العابدین عن ابیہ الحسین الشہید بکربلا عن ابیہ علی المرتضیٰ قال حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حدثنی جبرئیل علیہ السلام قال حدثنی رب العزت سبحانہ وتعالیٰ قال لا الہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی۔

مسند امام رضا علیہ السلام صفحہ ۷، طبع مصر ۱۳۴۱ھ

(ترجمہ) میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے بیان فرمایا اور ان سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اور ان سے امام محمد باقرؑ نے اور ان سے امام زین العابدینؑ نے اور ان سے امام حسینؑ نے اور ان سے حضرت علی مرتضےٰ نے اور ان سے حضرت رسول کریم جناب محمد مصطفےٰ صلعم نے اور ان سے جناب جبرئیل امین نے اور ان سے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو اسے زبان پر جاری کرے گا میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو میرے قلعہ رحمت میں داخل ہو گا میرے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔

....

یہ فرما کر آپ نے پردہ کھنچوا دیا اور چند قدم بڑھنے کے بعد فرمایا "بشرطہا وشروطہا وانا من شروطہا" کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا نجات ضرور پا جائے گا لیکن اس کے کہنے اور نجات پانے میں چند شرطیں ہیں جن میں سے ایک شرط میں بھی ہوں یعنی اگر آل محمدؐ کی محبت دل میں نہ ہو گی تو لا الہ الا اللہ کہنا کافی نہ ہو گا۔ علمائے تاریخ نیشاپور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس حدیث کے لکھنے میں مفرد دواتوں کے علاوہ ۲۴ ہزار قلمدان استعمال کئے گئے۔ احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ یہ حدیث جن اسناد اور اسماء کے ذریعہ سے بیان فرمائی گئی ہے۔ اگر انہیں اسماء کو پڑھ کر مجنون پر دم کیا جائے تو "لافاق من جنونہ" ضرور اس کا جنون جاتا رہے گا۔ اور وہ اچھا ہو جائے گا۔ علامہ شبلنجی نور الابصار میں بحوالہ ابو القاسم قشیری لکھتے ہیں کہ سامانہ کے رہنے والے بعض رؤسا نے جب اس سلسلہ حدیث کو سنا تو اسے سونے کے پانی سے لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور مرتے وقت وصیت کی کہ اسے میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مرنے کے بعد اس نے خواب میں بتایا کہ خداوند عالم نے مجھے ان ناموں کی برکت سے بخش دیا ہے۔ اور میں بہت آرام کی جگہ میں ہوں۔ مؤلف کہتا ہے کہ اسی فائدہ کے لئے شیعہ اپنے کفن میں جواب نامہ کے طور پر ان اسماء کو لکھ کر رکھتے ہیں۔ بعض کتابوں میں ہے کہ نیشاپور میں آپ سے بہت کرامات نمودار ہوئے۔

شہر خراسان میں نزول اجلال

ابو الصلت ہروی ناقل ہیں کہ اثنائے سفر میں جب آپ خراسان پہنچے تو دن ڈھل چکا تھا۔ آپ فریضہ ظہر ادا کرنے کے لئے سواری سے اترے اور آپ نے تجدید وضو کے لئے پانی طلب فرمایا۔ عرض کی گئی۔ مولا، اس وقت یہاں پانی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے زمین پر پڑے ہوئے ایک پتھر کے نیچے سے چشمہ جاری فرمایا اور وضو کر کے نماز ادا فرمائی۔ جناب شیخ صدوق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس چشمہ کا ہنوز اثر باقی ہے۔

شہر طوس میں آپ کا نزول

جب اس سفر میں چلتے چلتے شہر طوس پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک پہاڑ سے لوگ پتھر تراش کر ہانڈی وغیرہ بناتے ہیں آپ اس سے ٹیک لگا کے کھڑے ہو گئے اور آپ نے اس کے نرم ہونے کی دعا کی۔ وہاں کے باشندوں کا کہنا ہے کہ اس پہاڑ کا پتھر بالکل نرم ہو گیا اور بڑی آسانی سے برتن بننے لگے۔

قریہ سناباد میں حضرت کا نزول کرم

شہر طوس سے روانہ ہو کر آپ قریہ سناباد پہنچے اور آپ نے محلہ

نوغاں میں قیام فرمایا اور لباس اتار کر دھلنے کے لئے دے دیا۔ حمید بن قحطبہ کا بیان ہے کہ آپ کی جیب میں ایک دعا کنیز نے پائی۔ اس نے مجھے دیا۔ میں نے اسے حضرت تک پہنچاتے ہوئے دریافت کیا کہ اس دعا کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا۔ یہ شریروں کے شر سے حفاظت کا حرز ہے۔ پھر آپ قبہ ہارون میں تشریف لے گئے اور آپ نے قبلہ کی طرف خط کھینچ کر فرمایا کہ میں اسی جگہ دفن کیا جاؤں گا اور یہ جگہ میری زیارت گاہ ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اور وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔

امام رضا کا دارالخلافہ مرو میں نزول

امام علیہ السلام طے مراحل اور قطع منازل کرنے کے بعد جب مرو پہنچے جسے سکندر ذوالقرنین نے بروایت معجم البلدان آباد کیا تھا اور جو اس وقت دارالسلطنت تھا تو مامون نے چند روز ضیافت وتکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیرالمومنین چوتھے موقعہ پر خلافت پیش کئے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے۔ مامون کو خلافت سے دست بردار ہونا درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولیعہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت اس کے بھی انجام سے ناواقف نہ تھے نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ ”لا بد من قبولک“ اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو اس وقت آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جان کا خطرہ قبول کیا جا سکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو۔ ورنہ حفاظت جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ امام نے فرمایا۔ یہ ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں۔ مگر کاروبار سلطنت میں بالکل دخل نہ دوں گا۔ ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائے گا تو نیک مشورہ ضرور دوں گا۔ اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہو۔ مگر امام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضٰیؑ اپنے زمانے کے باقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح و جائز نہیں بنا سکتا تھا۔ ویسے ہی امام رضا علیہ السلام کا اس نوعیت سے ولیعہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا صرف

مامون کی ایک راج ہٹ تھی جو سیاسی غرض کے پیش نظر اس طرح پوری ہو گئی۔ مگر امام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم ونسق سے بالکل الگ رکھا۔

نواریخ میں ہے کہ مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ شرطیں قبول کرلیں۔ اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور بارگاہ احدیت میں عرض کی۔ پروردگار! تو جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے بہ مجبوری و ناچاری اور خوف قتل کی وجہ سے قبول کرلیا ہے۔ خداوندا، تو میرے اس فعل پر مجھ سے اسی طرح مواخذہ نہ کرنا۔ جس طرح جناب یوسفؑ اور جناب دانیال سے باز پرس نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کہا۔ میرے پالنے والے، تیرے عہد کے سوا کوئی عہد نہیں اور تیری عطا کی ہوئی حیثیت کے سوا کوئی عزت نہیں۔ خدا، تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنے نبیؐ کی سنت پر عامل رہنے کی توفیق عنایت فرما۔ خواجہ محمد پارسا کا کہنا ہے کہ ولیعہدی کے وقت آپ رو رہے تھے۔ ملا حسین کہتے ہیں کہ مامون کی طرف سے اصرار اور حضرت کی طرف سے انکار کا سلسلہ دو ماہ جاری رہا۔

جلسہ ولیعہدی کا انعقاد یکم رمضان سنہ ۲۰۱ ہجری بروز پنجشنبہ جلسہ ولیعہدی منعقد ہوا۔ بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی۔ پھر اور لوگ بیعت سے شرف یاب ہوئے۔ سونے اور چاندی کے سکے سر مبارک پر نثار کئے گئے اور تمام ارکان سلطنت اور ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے۔ مامون نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ درہم ودینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔ جمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام نامی داخل کیا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت کے نام مبارک کا سکہ عقیدت مندوں کے لئے تبرک اور ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سکہ کو مفر و حضر میں حرز جان کے لئے ساتھ رکھنا یقینی امر تھا۔ صاحب جنات الخلود نے بحر وبر کے سفر میں تحفظ کے لئے آپ کے توسل کا ذکر کیا ہے۔ اسی کی یادگار میں بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ ہم اب بھی سفر میں بازو پر امام ضامن ثامن کا پیسہ باندھتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۳۳ ہزار عباسی مرد وزن وغیرہ کی موجودگی میں آپ کو ولیعہد خلافت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضاؑ

علیہ السلام کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا گیا جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ مامون کے بعد علی رضا تخت و تاج کے مالک ہیں اور ان کا لقب ہے "الرضا من آلِ محمدؐ" حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ ان کے لئے بیعت عام لی جائے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔

علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو لکھی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ "چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو ان کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کی درخواست ولیعہدی قبول کر لی۔ اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ قبول ولیعہدی کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس پر گواہ کی حیثیت سے فضل بن سہل بن فضل، یحییٰ بن اکثم۔ عبداللہ ابن طاہر۔ ثمامہ بن اشرس۔ بشر بن معتمر۔ حماد بن نعمان وغیرہم کے دستخط تھے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے اس جلسہ ولیعہدی میں اپنے مخصوص عقیدت مندوں کو قریب بلا کر کان میں فرمایا تھا کہ اس تقریب پر دل میں خوشی کو جگہ نہ دو۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ مطالب السئول صفحہ ۲۸۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۲۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۹۳۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۱۲۔ جنات الخلود صفحہ ۳۱۔ المامون صفحہ ۸۲۔ وسیلۃ النجات صفحہ ۳۷۹۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۴۔ مسند امام رضا صفحہ ۷۔ تاریخ طبری۔ شرح مواقف۔ تاریخ آئمہ صفحہ ۴۷۲۔ تاریخ احمدی صفحہ ۳۵۴۔ شواہد النبوت ینابیع المودۃ، فصل الخطاب۔ حلیۃ الاولیاء، روضۃ الصفاء عیون اخبار رضا۔ دمعہ ساکبہ۔ سوانح امام رضاؑ۔

امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا دشمنوں پر اثر

"تاریخ اسلام میں ہے کہ امام رضاؑ کی ولیعہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چلی کمال سوختہ ہوئے اور انہوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا اور محرم ۲۰۲ھ میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ بغداد اور اس کے نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی۔ غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار

کرنے لگے ۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی ۔ فضل سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا مگر امام رضا علیہ السلام نے اسے خبردار کر دیا ۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا ۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا سرخس میں پہنچ کر اس نے فضل بن سہل وزیر سلطنت کو حمام میں قتل کرا دیا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۶۱) شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت امام رضاؑ کی بیعت ولیعہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہلچل مچا دی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا ۔ بعضوں نے (سبز رنگ وغیرہ کے اختیار کرنے) کے حکم کی بہ جبر تعمیل کی ۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی (المامون صفحہ ۸۲)

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کو ولیعہد خلافت مقرر کئے جانے پر مامون کے حاشیہ نشین سخت بدظن اور دل تنگ ہو گئے اور ان پر یہ خوف چھا گیا کہ اب خلافت بنی عباس سے نکل کر بنی فاطمہ کی طرف چلی جائے گی اور اسی تصور نے انہیں حضرت امام رضا علیہ السلام سے سخت متنفر کر دیا (نور الابصار صفحہ ۱۴۳)

واقعہ حجاب

مورخین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ ولیعہدی سے لوگوں میں اس درجہ بغض و حسد اور کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر اس کا مظاہرہ کر دیتے تھے علامہ شبلنجی اور علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ولیعہدی کے بعد یہ اصول تھا کہ آپ مامون سے اکثر ملنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہوتا یہ تھا کہ جب آپ دہلیز کے قریب پہنچتے تھے تو تمام دربان اور خدام آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلام کر کے پردہ درا ٹھایا کرتے تھے ۔ ایک دن سب نے مل کر طے کر لیا کہ کوئی پردہ نہ اٹھائے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو حجاب نے پردہ نہ اٹھایا ۔ مطلب یہ تھا کہ اس سے امام کی توہین ہو گی لیکن اللہ کے ولی کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا ۔ جب ایسا موقعہ آیا تو ایک تند ہوا نے پردہ اٹھایا اور امام داخل دربار ہو گئے ۔ پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو ہوا نے بدستور پردہ اٹھانے میں سبقت کی ۔ اسی طرح کئی دن تک ہوتا رہا ۔ بالآخر وہ سب کے سب شرمندہ ہو گئے اور امام علیہ السلام کی خدمت مثل سابق کرنے لگے (انوار الابصار صفحہ ۱۴۳ ۔ مطالب السئول صفحہ ۲۸۲ ۔ شواہد النبوت صفحہ ۱۹۷)

حضرت امام رضا علیہ السلام اور نماز عید

ولیعہدی کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ عید کا موقع آ گیا ۔ مامون نے حضرت

سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا۔ اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف رکھو۔ مگر مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر تم معاف کر دو تو بہتر ہے۔ ورنہ میں نماز عید کے لئے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد حضرت محمد رسول اللہ صلعم تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مامون نے کہا۔ آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں جائیں۔ اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرت کے دروازے پر حاضر ہوں۔

جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرت کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے۔ ایک بھیڑ لگ گئی۔ عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرت کی زیارت کریں ادھر آفتاب نکلنے کے بعد حضرت نے غسل کیا اور کپڑے بدلے۔ سفید عمامہ سر پر باندھا۔ عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لے کر عید گاہ جانے پر آمادہ ہوئے۔ اس کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل لو اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرت گھر سے باہر نکلے۔ پائجامہ آدھی پنڈلی تک اٹھا لیا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ ننگے پاؤں ہو گئے اور پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ حضرت کے ساتھ نوکروں، غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضا علیہ السّلام تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے اس ہیئت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے۔ سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے کل تسمے کاٹ دیئے اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ایک کہرام بپا ہو گیا۔

اس کی خبر مامون کو بھی ہو گئی۔ اس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضاؑ اسی حالت سے عید گاہ تک پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں۔ کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے پاس سے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو آپ سے عید گاہ جانے کے لئے کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس چلے آئیں اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ فرمائیں پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہ پڑھائے گا۔ یہ سن کر حضرت امام رضاؑ

واپس تشریف لائے اور نماز عید نہ پڑھا سکے (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۸۲ مطالب السئول صفحہ ۲۸۲) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں "فرجع علی الرضا الی بیتہ ورکب المامون فصلی بالناس" کہ امام رضا دولت سرا کو واپس تشریف لائے اور مامون نے جا کر نماز پڑھائی (نورالابصار صفحہ ۱۴۳)

حضرت امام رضا کی مدح سرائی اور دعبل خزاعی اور ابونواس

عرب کے مشہور شاعر جناب دعبل خزاعی کا نام ابوعلی دعبل ابن علی بن زرین ہے آپ ۱۴۸ھ میں پیدا ہو کر ۲۴۶ھ میں وفات پا گئے اور ابونواس کا پورا نام ابوعلی حسن بن ہانی ابن عبدالاول اہوازی بصری بغدادی ہے یہ ۱۳۶ھ میں پیدا ہو کر ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ دعبل، آلِ محمدؐ کے مداح خاص تھے اور ابونواس ہارون رشید امین و مامون کا ندیم تھا۔

دعبل خزاعی کے بے شمار اشعار مدح آل محمدؐ میں موجود ہیں۔ علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام رضاؑ ولیعہد سلطنت تھے دعبل خزاعی ایک دن دارالسلطنت مرو میں آپ سے ملے اور انہوں نے کہا کہ حضور میں نے آپ کی مدح میں ۱۲۰ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اسے سب سے پہلے حضور ہی کو سناؤں۔ حضرت نے فرمایا۔ بہتر ہے۔ پڑھو۔ دعبل خزاعی نے اشعار پڑھنا شروع کیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے:۔

ذکرت محل الربع من عرفات

فاجریت دمع العین بالعبرات

جب دعبل قصیدہ پڑھ چکے تو امام علیہ السلام نے ایک سو اشرفی کی تھیلی انہیں عطا فرمائی۔ دعبل نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ مولا میں نے یہ قصیدہ قربۃً الی اللہ کہا ہے۔ میں کوئی عطیہ نہیں چاہتا۔ خدا نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ البتہ حضور اگر مجھے جسم کے اترے ہوئے کپڑے سے کچھ عنایت فرما دیں تو وہ میری عین خواہش کے مطابق ہوگا۔ آپ نے ایک جبہ عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رقم کو بھی لے لو یہ تمہارے کام آئے گی۔ دعبل نے اسے لے لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دعبل مرو سے عراق جانے والے قافلہ کے ساتھ ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں چوروں اور ڈاکوؤں نے حملہ کر کے سب کا سب کچھ لوٹ لیا اور چند آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا جن میں دعبل بھی تھے۔ ڈاکوؤں نے مال تقسیم کرتے وقت دعبل کا ایک شعر پڑھا۔ دعبل نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے انہوں نے کہا۔ کسی کا ہوگا۔ دعبل نے کہا۔ یہ میرا شعر ہے۔ اس کے بعد

انہوں نے سارا قصیدہ سُنا دیا۔ ان لوگوں نے دعبل کے صدقہ میں سب کو چھوڑ دیا اور سب کا مال واپس کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آئی کہ ان لوگوں نے واقعہ سُن کر امام رضا علیہ السّلام کا دیا ہوا جُبّہ خریدنا چاہا۔ اور اس کی قیمت ایک ھزار دینار لگا دی۔ دعبل نے جواب دیا کہ یہ میں نے بطور تبرّک اپنے پاس رکھا ہے۔ اسے فروخت نہ کروں گا۔ بالآخر بار بار گرفتار ہونے کے بعد انہوں نے اسے ایک ہزار اشرفی پر فروخت کر دیا۔ علامہ شبلنجی بحوالہ ابوالصلت ہروی لکھتے ہیں کہ دعبل نے جب امام رضا کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا تھا تو آپ رو رہے تھے اور آپ نے دو بیتوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اشعار الہامی ہیں (نورالابصار صفحہ ۱۳۸) علامہ عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے قصیدہ سنتے ہوئے نفس زکیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اے دعبل! اس جگہ ایک شعر کا اور اضافہ کر دو تا کہ تمہارا قصیدہ مکمل ہو جائے۔ انہوں نے عرض کی مولا فرمائیے۔ ارشاد ہوا۔

وقبر بطوس یالها من مصیبۃ
الحت علی الاحشاء بالزفرات

دعبل نے گھبرا کے پوچھا۔ مولا۔ یہ کس کی قبر ہو گی۔ جس کا حضور نے حوالہ دیا ہے۔ فرمایا اے دعبل! یہ قبر میری ہو گی اور میں عنقریب اس عالم غربت میں جب کہ میرے اعزاء و اقرباء بال بچے مدینہ میں ہیں شہید کر دیا جاؤں گا اور میری قبر یہیں بنے گی۔ اے دعبل جو میری زیارت کو آئے گا جنت میں میرے ہمراہ ہو گا (شواہد النبوت صفحہ ۲۹۹) دعبل کا یہ مشہور قصیدہ مجالس المومنین صفحہ ۴۲۲ میں مکمل منقول ہے۔

ابونواس کے متعلق علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ ایک دن اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم اکثر اشعار کہتے ہو اور پھر مدح بھی کیا کرتے ہو لیکن افسوس کی بات ہے کہ تم نے حضرت امام رضا علیہ السّلام کی مدح میں اب تک کوئی شعر نہیں کہا۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت کی جلالت قدر ہی نے مجھے مدح سرائی سے روکا ہے۔ میری ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کی مدح کروں۔ یہ کہہ کر اس نے چند اشعار پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو۔ بلکہ اچھے اشعار میں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے ہیں۔ پھر تم نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بیٹے حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں لکھا؟ تو میں

نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیو! جن جلیل الشان امام کے آبائے کرام کے خادم جبرئیل ایسے فرشتے ہوں۔ ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔"

اس کے بعد اس نے چند اشعار آپ کی مدح میں لکھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ حضرات آئمہ طاہرین خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے ہیں اور ان کا لباس بھی طیب و طاہر ہے۔ جہاں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں اُن پر درود کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے جب حسب و نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو ہر طرح استوار کیا اور سنوارا تو اسے خدا کے برگزیدہ حضرات آپ لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی دی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ آپ حضرات ہی ملاء اعلےٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سورتوں کے مطالب و مفاہیم ہیں (دفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۳۲۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۰ طبع مصر)

مذاہبِ عالم کے علماء سے حضرت امام رضاؑ کے علمی مناظرے

مامون رشید کو خود بھی علمی ذوق تھا۔ اس نے ولی عہدی کے مرحلہ کو طے کرنے کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کافی استفادہ کیا۔ پھر اپنے ذوق کے تقاضے پر اس نے مذاہب عالم کے علماء کو دعوت مناظرہ دی اور ہر طرف سے علماء کو طلب کر کے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مقابلہ کرایا۔ عہد مامون میں امام علیہ السلام سے جس قدر مناظرے ہوئے ہیں ان کی تفصیل اکثر کتب میں موجود ہے اس سلسلہ میں احتجاج طبرسی، بحار، دمعہ ساکبہ وغیرہ جیسی کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ میں اختصار کے پیش نظر صرف دو چار مناظرے لکھتا ہوں۔

عالم نصاریٰ سے مناظرہ

مامون رشید کے عہد میں نصاریٰ کا ایک بہت بڑا عالم و مناظر شہرت عامہ رکھتا تھا جس کا نام "جاثلیق" تھا۔ اس کی عادت تھی کہ متکلمین اسلام سے کہا کرتا تھا کہ ہم تم دونوں نبوت عیسےٰ اور ان کی کتاب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اختلاف ہے تو صرف نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ تم ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو اور ہمیں انکار ہے۔ پھر ہم تم ان کی وفات پر متفق ہو گئے ہیں۔ اب ایسی صورت میں کون سی دلیل تمہارے پاس باقی ہے جو ہمارے لئے حجت قرار پائے یہ کلام سن کر اکثر مناظر خاموش ہو جایا کرتے تھے مامون رشید کے اشارے پر ایک دن وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی ہم کلام ہوا۔

موقع مناظرہ میں اس نے مذکورہ سوال دہراتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسےٰؑ کی نبوت اور ان کی کتاب دونوں پر آپ کا ایمان واعتقاد ہے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں اس عیسیٰؑ کی نبوت کا یقیناً اعتقاد رکھتا ہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی نبوت کی اپنے حوارین کو بشارت دی ہے اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے جو عیسائی اس کے معترف نہیں اور جو کتاب اس کی شارح اور مصدق نہیں اس پر میرا ایمان نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر جاثلیق خاموش ہو گیا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے جاثلیق ہم اس عیسےٰ کو جس نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی۔ نبی برحق جانتے ہیں مگر تم اس کی تنقیص کرتے ہو اور کہتے ہو کہ وہ نماز روزہ کے پابند نہ تھے۔ جاثلیق نے کہا کہ ہم تو یہ نہیں کہتے۔ وہ تو ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النہار رہا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ عیسیٰ تو بنا بر اعتقاد و نصاریٰ خود معاذاللہ خدا تھے۔ تو یہ روزہ اور نماز کس کے لئے کرتے تھے۔ یہ سُن کر جاثلیق مبہوت ہو گیا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ البتہ یہ کہنے لگا کہ جو مُردوں کو زندہ کرے، جذامی کو شفا دے۔ نابینا کو بینا بنا لے اور پانی پر چلے، وہ اس کا سزاوار نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔ اور اسے معبود سمجھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ الیسع بھی پانی پر چلتے تھے۔ اندھے کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اسی طرح حزقیل پیغمبر نے ۳۵ ہزار انسانوں کو ساٹھ برس کے بعد زندہ کیا تھا۔ قوم اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سے اپنے گھر چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے۔ حق تعالےٰ نے ایک ساعت میں سب کو مار دیا۔ بہت دنوں کے بعد ایک نبی استخوان ہائے بوسیدہ پر گذرے تو خدا تعالےٰ نے ان پر وحی نازل کی، کہ انہیں آواز دو۔ انہوں نے کہا کہ اے عظام بالیہ (استخوان مُردہ) اٹھ کھڑے ہو۔ وہ سب بحکم خدا اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پرندوں کو زندہ کرنے اور حضرت موسےٰ کے کوہ طور پر لے جانے اور رسولِ خدا کے احیائے اموات فرمانے کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ان چیزوں پر توراۃ و انجیل اور قرآن مجید کی شہادت موجود ہے۔ اگر مُردوں کو زندہ کرنے سے انسان خدا ہو سکتا ہے تو یہ سب انبیاء بھی خدا ہونے کے مستحق ہیں یہ سُن کر وہ چپ ہو گیا اور اسلام قبول کرنے کے سوا چارہ نہ دیکھا۔

عالم یہود سے مناظرہ

علماء یہود میں سے ایک عالم جس کا نام راس الجالوت تھا کو اپنے علم پر بڑا غرور اور تکبّر و ناز

تھا۔ وہ کسی کو بھی اپنی نظر میں نہ لاتا تھا۔ ایک دن اس کا مناظرہ اور مباحثہ فرزند رسول ؐ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ہو گیا۔ آپ سے گفتگو کے بعد اس نے اپنے علم کی حقیقت جانی اور سمجھا کہ میں خود فریبی میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اس نے اپنے خیال کے مطابق بہت سخت سوالات کئے جن کے تسلی بخش اور اطمینان آفرین جوابات سے بہرہ ور ہوا۔ جب وہ سوالات کر چکا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت! تم توراۃ کی اس عبارت کا کیا مطلب سمجھتے ہو کہ "آیا نور سینا سے روشن ہوا یا جبل ساعیر سے اور ظاہر ہوا کوہ فاران سے"۔ اس نے کہا کہ ہم نے اسے پڑھا ضرور ہے لیکن اس کی تشریح سے واقف نہیں ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نور سے وحی مراد ہے۔ طور سینا سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر حضرت موسےٰ ؑ خدا سے کلام کرتے تھے۔ جبل ساعیر سے محل و مقام عیسےٰ علیہ السلام مراد ہے کوہ فاران سے جبل مکہ مراد ہے جو شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ تم نے حضرت موسےٰ ؑ کی یہ وصیت دیکھی ہے کہ تمہارے پاس بنی اخوان سے ایک نبی آئیگا اس کی بات ماننا۔ اور اس کے قول کی تصدیق کرنا"۔ اس نے کہا۔ ہاں دیکھی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ بنی اخوان سے کون مراد ہے۔ اس نے کہا۔ معلوم نہیں۔ آپ ؑ نے فرمایا کہ "وہ اولادِ اسماعیل ؑ ہیں کیوں کہ وہ حضرت ابراہیم ؑ کے ایک بیٹے ہیں اور بنی اسرائیل کے مورث اعلےٰ حضرت اسحاق ؑ بن ابراہیم ؑ کے بھائی ہیں اور انہیں سے حضرت محمد صلعم ہیں"۔

اس کے بعد جبل فاران والی بشارت کی تشریح فرما کر کہا کہ شعیا نبی کا قول توریت میں مذکور ہے کہ میں نے دو سوار دیکھے کہ جن کے پرتو سے دنیا روشن ہو گئی۔ ان میں کا ایک گدھے پر سواری کئے ہوئے تھا اور ایک اونٹ پر۔ اے راس الجالوت تم بتلا سکتے ہو کہ اس سے کون مراد ہے؟ اس نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ راکب الحمار سے حضرت عیسےٰ ؑ اور راکب الجمل سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم مراد ہیں۔

پھر آپ ؑ نے فرمایا کہ تم حضرت حیقوق نبی کے اس قول سے واقف ہو کہ "خدا اپنا بیان جبل فاران سے لایا اور احمد کی تسبیح ان کی امت سموات پر ہو گی۔ ان کا لشکر خشکی اور تری میں جنگ کرے گا۔ ان پر ایک کتاب آئے گی اور سب کچھ بیت المقدس کی خرابی کے بعد ہو گا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس حضرت موسےٰ علیہ السلام کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ ان سے وہ امور ظاہر ہوئے جو ان سے

پہلے کے انبیاء پر نہیں ہوئے تھے مثلاً دریائے نیل کا شگافتہ ہونا۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا اور ید بیضا وغیرہ۔ آپ نے فرمایا کہ جو بھی اس قسم کے معجزات کو ظاہر کرے اور نبوت کا مدعی ہو اس کی تصدیق کرنی چاہیئے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔ کیوں؟ کہا۔ اس لئے کہ موسےٰ کو جو فوقیت یا منزلت حق تعالےٰ کے نزدیک تھی وہ کسی کو نہیں ہوئی۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ جب تک کوئی شخص بعینہٖ وہی معجزات و کرامات نہ دکھلائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہ کریں۔ ارشاد فرمایا کہ تم موسےٰ سے پہلے انبیاء مرسلینؑ کی نبوت کا کس طرح اقرار کرتے ہو حالانکہ انہوں نے نہ کوئی دریا شگافتہ کیا نہ کسی پتھر سے چشمے نکالے نہ ان کا ہاتھ روشن ہوا۔ اور نہ ان کا عصا اژدھا بنا۔ راس الجالوت نے کہا کہ جب ایسے امور و علامات خاص طور سے ان سے ظاہر ہوں جن کے اظہار سے عموماً تمام خلائق عاجز ہو تو وہ اگرچہ بعینہٖ ایسے معجزات ہوں یا نہ ہوں۔ ان کی تصدیق ہم پر واجب ہو جائے گی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت عیسےٰ بھی مُردوں کو زندہ کرتے، کور مادرزاد کو بینا بناتے، مبروص کو شفا دیتے۔ مٹی کی چڑیاں بنا کر ہوا میں اڑاتے تھے۔ وہ یہ امور ہیں جن سے عام لوگ عاجز ہیں پھر تم ان کو پیغمبر کیوں نہیں مانتے؟

راس الجلوت نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں مگر ہم نے ان کو ایسا کرتے دیکھا نہیں ہے فرمایا۔ تو کیا آیات و معجزات موسیٰ کو تم نے بچشم خود دیکھا ہے۔ آخر وہ بھی تو معتبر لوگوں کی زبانی سنا ہی ہوگا۔ ویسا ہی اگر عیسےٰ کے معجزات ثقہ اور معتبر لوگوں سے سنو تو تم کو ان کی نبوت پر ایمان لانا چاہیئے اور بالکل اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار آیات و معجزات کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔ سُنو! ان کا ایک عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت کا جواب قیامت تک نہیں دیا جا سکے گا۔" یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

عالم مجوس سے مناظرہ مجوسی یعنی آتش پرست کا ایک مشہور عالم "ہربذ اکبر" حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی گفتگو کرنے لگا۔ آپ نے اس کے سوالات کے مکمل جوابات عنایت فرمائے۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا کہ تمہارے پاس زرتشت کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ انہوں نے ہماری ایسی چیزوں کی طرف رہبری فرمائی ہے جس کے طرف پہلے کسی نے رہنمائی نہیں کی تھی۔ ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ زرتشت نے ہمارے لئے وہ امور مباح کئے ہیں کہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس امر میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی نبی اور رسول کے فضائل و کمالات تم پر روشن کرے اور تم اس کے ماننے میں پس و پیش کرو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم نے

معتبر لوگوں سے سُن کر زرتشت کی نبوت مان لی۔ اسی طرح معتبر لوگوں سے سُن کر انبیاء اور رسل کی نبوت کے ماننے میں تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور عصمت انبیاء علیہم السلام

انبیاء کرام، دوازدہ امام اور جناب مریمؑ و حضرت فاطمہؑ کی عصمت کا اعتقاد مسلمات سے ہے لیکن بدقسمتی سے بعض مسلمان جو ان کی حیثیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ وہ اس میں کلام کرتے ہیں اس لئے یہ مبحث خاص اہمیت کا مالک بن گیا ہے اور علماء نے اس پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب تنزیہہ الانبیاء۔ احتجاج طبرسی۔ بحار الانوار۔ شرح تجرید وغیرہا دیکھنے کے قابل ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جو خود اپنے آباؤ اجداد اور ابناء و احفاء کی طرح معصوم تھے۔ ان سے جب اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب نہایت خوب صورت طریقے پر دے کر مخاطب کو مطمئن فرما دیا۔ علی بن جہم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مامون رشید نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جب خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے واضح طور پر فرما دیا "فعصیٰ آدم ربہ فغوی" کہ آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی نہ مانی اور وہ بہک گئے۔ تو پھر وہ معصوم کہاں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ اے آدمؑ، تم دونوں بہشت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین" لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ ورنہ اپنا خود بگاڑ لو گے یعنی ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس شجر اور اس کے جنس دیگر سے بھی نہ کھانا اور انہوں نے اس درخت ممنوعہ سے کھایا بھی نہیں۔ مگر شیطان کے وسوسے سے ایک اور ویسے ہی درخت سے کھا لیا۔ کیوں کہ شیطان نے ان سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تم کو خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کے اور درختوں سے ممانعت نہیں فرمائی اور اس کے پاس جانے سے بھی ممانعت نہیں فرمائی۔ کھانے کا ذکر ارشاد خداوندی میں موجود نہیں پھر شیطان نے ان سے قسم کھائی کہ میں تمہارا ناصح مشفق ہوں۔ حضرت آدم و حوا نے اس سے پہلے کسی کو جھوٹی قسم کھاتے نہیں سنا تھا۔ ان کو دھوکا ہو گیا اور اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کے مرتکب ہو گئے اور یہ اضطراب بھی ان حضرت سے قبل نبوت ہوا اور گناہ کبیرہ نہ تھا جس سے مستحق دخول جہنم ہوتے۔ یہ صرف صغائر موہوبہ سے تھا، جو انبیاء علیہم السلام سے قبل از وحی جائز ہے جب خداوند عالم نے

ان کو برگزیدہ کیا اور نبی گردانا، تو وہ معصوم تھے۔ گناہ کبیرہ وصغیرہ ان حضرات سے صادر نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ" پھر خدا نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں۔ صغائر موہوبہ سے ترک اولےٰ مراد ہے جو انبیاء کے لئے قبل از نزول وحی جائز ہے۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ "نہی" کی دو قسمیں ہیں۔ نہی تحریمی اور نہی تنزیہی "لاتقربا" میں نہی تنزیہی تھی یعنی اس کے قریب نہ جانا۔ تمہارے لئے بہتر ہوگا "فتکونا من الظالمین" اور اگر چلے گئے تو تم اپنا خود نقصان کروگے۔

اسی طرح آپ نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسےٰؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت پر روشنی ڈالی اور تبلایا کہ ان حضرات سے گناہوں کا صادر ہونا امکان وقدرت کے باوجود محال تھا۔ ان سے کبھی کوئی گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، صادر نہیں ہوا۔ عیون اخبار رضا صفحہ ۱۰۱ طبع ایران)

آپ کی تصانیف

علماء نے آپ کی تصانیف میں صحیفۃ الرضا۔ صحیفۃ الرضویہ۔ طب الرضا اور مسند امام رضا علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آپ کی تصانیف ہیں۔ صحیفۃ الرضا کا ذکر علامہ مجلسی، علامہ طبرسی اور علامہ زمخشری نے کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ حکیم اکرام الرضا لکھنوی نے طبع کرایا ہے۔ صحیفۃ الرضویہ کا ترجمہ مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے کیا ہے۔ طب الرضا کا ذکر علامہ مجلسی، شیخ منتخب الدین نے کیا ہے۔ اس کی شرح فضل اللہ ابن علی الراوندی نے لکھی ہے۔ اسی کو رسالہ ذھبیہ بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ مولانا حکیم مقبول احمد صاحب قبلہ نے بھی کیا ہے۔ اس کا تذکرہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے المامون صفحہ ۹۲ میں کیا ہے۔ مسند امام رضا علیہ السلام کا ذکر علامہ چیلپی نے کتاب کشف الظنون میں کیا ہے جس کو علامہ عبداللہ امرت سری نے کتاب ارجح المطالب کے صفحہ ۴۵۴ پر نقل کیا ہے۔ ناچیز مؤلف کے پاس یہ کتاب مصر کی مطبوعہ موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۱ھ میں چھپی ہے اور اس کے مرتب علامہ شیخ عبدالواسع مصری اور محشی علامہ محمد ابن احمد منجم ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ماء اللحم بنانے اور موسمیات کے متعلق جو افادہ فرمایا ہے اس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (دمعہ ساکبہ وغیرہ)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور شیر قالین

علامہ محمد تقی ابن محمد باقر، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں ایک دفعہ شدید ترین قحط پڑا۔ مامون نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ مولا۔ کوئی تدبیر کیجئے اور کسی صورت سے دعا فرمائیے کہ خداوند عالم نزول باراں کر دے۔ اب ملک کی بری حالت ہو گئی۔ بھوک اور پیاس سے لوگوں کے جاں بحق ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے بادشاہ! گھبرا نہیں۔ میں دوشنبہ کے دن طلب باراں کے لئے نکلوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے بڑی توقع ہے۔ انشاء اللہ نزول باراں ہوگا اور خلق خدا کی پریشانی دور ہو گی۔ غرضیکہ وقت مقررہ آیا اور امام علیہ السلام صحرا کی طرف برآمد ہوئے۔ آپ نے مصلیٰ بچھایا اور دست دعا بارگاہ احدیت میں بلند کر کے دعا فرمائی۔ ابھی دعا کے کلمے تمام نہ ہوتے پائے تھے کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بادل چھا گیا۔ بوندیں پڑنے لگیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہو گیا۔ بادشاہ بھی خوش ہوا۔ پبلک بھی مطمئن اور آسودہ ہو گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس کرامت خاص اور استجابت دعا کی وجہ سے بہت سے حاسد جل بھن کر خاکستر ہو گئے۔ ایک دن جب کہ دربار آراستہ تھا انہیں حاسدوں میں سے ایک نے کہا۔ لوگ آپ کے بارے میں بہت سے خرافات نشر کرتے ہیں اور آپ کو بڑھانے کی سعی میں منہمک ہیں۔ سب چاہتے ہیں کہ آپ کا پایہ بادشاہ سلامت کے پایہ سے بلند کر دیں اور سنیئے سب سے بڑی کرامت جو آپ کی اس وقت مشہور کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بارش کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب کہ بارش عرصہ سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ آپ دعا کرتے یا نہ کرتے اسے تو ہونا ہی تھا۔ لہٰذا میری نظر میں آپ کی یہ کرامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہاں کرامت اور معجزہ تو یہ ہے کہ پیش نظر قالین اور مسند پر جو شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے اسے مجسم کر دیجئے اور حکم دیجئے کہ مجھے پھاڑ کھائے۔

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ میری کرامت بیان کرے اور نہ ہی کہا ہے کہ مجھے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اب رہ گیا۔ آب بارانی کا واقعہ۔ وہ خدا کی مہربانی اور عنایت سے عمل میں آیا ہے اور اسے دنیا نے دیکھا ہے۔ میں اس میں بھی اپنی کوئی تعریف نہیں چاہتا۔ یہ سب خدا کی عنایت ہے۔ البتہ جو تجھے یہ حوصلہ ہے کہ شیر قالین و مسند مجسم ہو جائے اور تجھے پھاڑ کھائے تو لے " یہ کئے دیتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ شیر کی تصویروں کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ کہ این فاجر کہ نزد شما است اُو را بدرید و از اُو را باقی نگذارید " اس فاسق و فاجر کو چیر پھاڑ کر اس طرح کھا جاؤ کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے "

امام علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ دونوں شیر کی تصویریں مجسّم ہوگئیں اور انہوں نے جھوم جھوم کر کافر ازلی پر حملہ کر دیا جس کا نام حمید بن مہران تھا اور اسے پارا پارہ کر کے کھا ڈالا۔ اس ہنگامہ کو دیکھ کر مامون بے ہوش ہو گیا۔ حضرت نے اسے ہوش میں لا کر شیروں کو حکم دیا کہ اپنی اصلی حالت و صورت میں ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ پھر قالین و مسند تصویریں بن گئے (کاشف الغفاب شرح عیون اخبار رضا صفحہ ۲۱۶)

حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ امّ حبیب بنت مامون کی شادی اور مامون کا سفر عراق

واقعہ ولیعہدی کے قبل و بعد سے لے کر ۲۰۲ھ کے شروع تک حضرت امام رضا علیہ السلام سے مناظرے، مباحثے اور علمی مظاہرے مامون رشید کراتا رہا۔ اب اس کی وجہ یا یہ ہو کہ شہرت عامہ ہو جائے اور علوی سرنگوں رہیں اور عَلَم خروج بلند نہ کریں۔ یا یہ ہو کہ عباسیوں پر حجت تمام ہو جائے اور حضرت کی اہلیت و قابلیت سے مرعوب ہو کر وہ لوگ مخالفت اور تمرد و سرکشی کا قصد نہ کریں اور ٹھیک سے مامون کو حکومت کرنے دیں۔ یا یہ ہو کہ امام رضا علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کے دل صاف ہو جائیں۔ اور کسی کو بعد کے آنے والے واقعات میں یہ شبہ نہ ہو کہ ان کی ذمہ داری مامون پر ہے۔ بہر حال سبب جو بھی ہو لیکن یہ مسلم ہے کہ مناظرے اور مباحثے کے بعد مامون نے اپنے خفیہ مقصد کی تکمیل کے لئے عراق کا سفر کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس سے قبل اس نے یہ ضروری سمجھا کہ شبہ کی گنجائش کو ختم کر دینے کے لئے اپنی لڑکی کی شادی امام رضا علیہ السلام سے کر دے۔ چنانچہ اس نے علی الرُوس الاشہاد بر سر دربار مجلس عقد منعقد کر کے اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ کی شادی حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دی۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ زوجہ المامون ابنتہ ام حبیبہ فی اوّل سنتہ اثنتین ومائتین والمامون متوجہ الی العراق" مامون نے اوائل ۲۰۲ھ میں اپنی لڑکی اُمّ حبیب کا عقد حضرت امام رضا علیہ السلام کے

ساتھ کر دیا۔ یہ اس وقت کیا جب کہ وہ سفر عراق کا تہیہ کر چکا تھا (نور الابصار صفحہ ۱۴۲ طبع مصر علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ام حبیب کو آپ کے تصرف میں نہیں دیا گیا (جنات الخلود صفحہ ۳۲) یہ ۲۰۲ھ ہے جس میں عباسیوں نے بغداد کی حکومت سے مامون کو بیدخل کر کے اس کی جگہ پر ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت بغداد کی حالت یہ تھی کہ وہ انتشار اور بدنظمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ مورخ ذاکر حسین واقعہ ولیعہدی کے بعد کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ بغداد اور اس کے گرد و نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی۔ لچے، غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل سب خبروں کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضا علیہ السلام نے اسے باخبر کر دیا۔ بادشاہ وزیر سے بدظن ہو گیا۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اس نے اپنے وزیر فضل کو حمام میں قتل کرا دیا۔ پھر جب طوس میں پہنچا تو امام رضا علیہ السلام کو (جن کو) ولی عہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی۔ انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امام کی وفات کا حال بغداد لکھ بھیجا جس سے وہاں امن و امان قائم ہو گیا مامون آگے بڑھا یہاں تک کہ مدائن پہنچ کر آٹھ دن قیام کیا جہاں بغداد کے جنگی سرداروں، رئیسوں اور بنی عباس نے اس کا استقبال کیا اور اس نے بعض عمائد کی درخواست پر پھر وہی عباسی سیاہ رنگ اختیار کر لیا۔ مامون کے آنے کی خبر سن کر ابراہیم بن مہدی اور اُن کے طرفدار بھاگ گئے مگر پھر ابراہیم پکڑا ہوا آیا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۶۱ و الفخری و المامون)

مامون رشید عباسی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر معصوم ارباب اقتدار ہوس حکمرانی میں کسی قسم کا صرفہ نہیں کرتے۔ اگر حصول حکومت یا تحفظ حکمرانی میں باپ بیٹے، ماں، بیٹی یا مقدس سے مقدس ترین ہستیوں کو بھینٹ چڑھا دے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ اسی بنا پر عرب میں مثل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ الملک عقیم۔ علامہ وحید الزمان حیدر آبادی لکھتے ہیں کہ "الملک عقیم" بادشاہت بانجھ ہے۔ یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے باپ بیٹے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بیٹا باپ کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بن جاتا ہے (انوار اللغۃ جلد ۸ صفحہ ۴۷) اب اس ہوس حکمرانی میں کسی مذہب

اور عقیدہ کا سوال نہیں۔ ہر وہ شخص جو اقتدار کا بھوکا ہوگا وہ اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔
مثال کے طور پر اسلامی تواریخ کی روشنی میں حضور رسول کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد کے واقعات کو دیکھئے۔ جناب سیدہ کے مصائب و آلام اور وجہ شہادت پر غور کیجئے۔ امام حسنؑ کے ساتھ برتاؤ پر غور فرمائیے۔ واقعۂ کربلا اور اس کے پس منظر نیز دیگر آئمہ طاہرین کے ساتھ بادشاہانِ وقت کے سلوک اور ان کی قید و بند اور شہادت کے واقعات کو ملاحظہ کیجئے۔ ان امور سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حکمرانی کے لئے کیا کیا مظالم کئے جا سکتے ہیں اور کیسی کیسی ہستیوں کی جانیں لی جا سکتی ہیں اور کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ تواریخ میں موجود ہے کہ مامون رشید عباسی کی دادی نے اپنے بیٹے خلیفہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دلوا کر مار دیا۔ مامون رشید کے باپ ہارون رشید نے اپنے وزیروں کے خاندان برامکہ کو تباہ و برباد کر دیا (المامون صفحہ ۲۰) مروان کی بیوی نے اپنے خاوند کو بستر خواب پر دو تکیوں سے گلا گھٹوا کر مروا دیا۔ ولید بن عبد الملک نے فرزند رسول امام زین العابدین علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا۔ ہشام بن عبد الملک نے امام محمد باقرؑ کو زہر دیا۔ امام جعفر صادقؑ کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کیا۔ امام موسٰے کاظمؑ کو ہارون رشید عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ امام علی رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے زہر دے کر شہید کیا۔ امام محمد تقیؑ کو معتصم باللہ نے ام الفضل بنت مامون کے ذریعہ سے زہر دلوایا۔ امام علی نقیؑ کو معتمد عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ اسی طرح امام حسن عسکریؑ کو بھی زہر سے شہید کیا گیا۔ غرضیکہ حکومت کے سلسلہ میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اورنگ زیب کو دیکھئے اس نے اپنے بھائی کو قتل کرایا اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا تھا۔ اسی نے شہید ثالث حضرت نور اللہ شوشتری (آگرہ) کی زبان گدی سے کھنچوائی تھی۔ بہرحال جس طرح سب کے ساتھ ہوتا رہا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ء یوم جمعہ کو بمقام طوس واقع ہوئی ہے

(جلاء العیون صفحہ ۲۸۰۔ انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷۔ جنات الخلود صفحہ ۳۱) آپ کے پاس اس وقت عزیز و اقرباء اولاد وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک تو آپ خود مدینہ سے غریب الوطن ہو کر آئے۔ دوسرے یہ کہ دار السلطنت مرو میں بھی آپ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ آپ سفر کی حالت میں بعالم غربت فوت ہوئے۔ اسی لئے آپ کو غریب الغرباء کہتے ہیں۔
واقعہ شہادت کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

"فما لیقتلنی واللّٰہ غیرہ" خدا کی قسم مجھے مامون کے سوا کوئی اور قتل نہیں کرے گا۔ اور میں صبر کرنے پر مجبور ہوں (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۷۱) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ہرثمہ بن امین سے آپ نے اپنی وفات کی تفصیل بتلائی تھی اور یہ بھی بتلا دیا تھا کہ انگور اور انار میں مجھ کو زہر دیا جائے گا (نورالابصار صفحہ ۱۴۴) علامہ معاصر لکھتے ہیں کہ ایک روز مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے گلے سے لگایا اور پاس بٹھا کر ان کی خدمت میں بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا اور اس میں سے ایک خوشہ اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ ابن رسول اللہ! یہ انگور نہایت ہی عمدہ ہیں۔ تناول فرمائیے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار فرمایا کہ جنت کے انگور اس سے بہتر ہیں۔ اس نے شدید اصرار کیا اور آپ نے اس میں سے تین دانے کھا لیے۔ یہ انگور کے دانے زہر آلود تھے۔ انگور کھانے کے بعد آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے پوچھا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے۔ بالآخر انتقال فرما گئے (تاریخ آئمہ صفحہ ۴۷۶) انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ آپ سے ملے مگر نہ مل سکا (مطالب السئول صفحہ ۲۸۰) اس کے بعد آپ کو بمقام طوس محلہ سناباد میں دفن کر دیا گیا جو آج کل مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے اور اطراف عالم کے عقیدت مندوں کے حوائج کا مرکز ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ ہارون رشید کے پائنتی کے گرد کی مٹی لاؤ۔ جب میں مٹی لایا تو آپ نے اُسے سونگھ کر پھینک دیا اور فرمایا کہ عنقریب میری قبر کے لیے اسی مقام کی زمین کھودیں گے اور ایسا پتھر نکل آئے گا کہ اسے نہ کوئی کاٹ سکے گا اور نہ اکھاڑ سکے گا۔ پھر فرمایا کہ ہارون رشید کے سرہانے کی مٹی لاؤ۔ میں مٹی لے آیا تو آپ نے اُسے سونگھ کر فرمایا کہ اسی مقام پر میری قبر ہوگی۔ پھر فرمایا۔ اے ابوالصلت، کل مجھے مامون طلب کرے گا۔ سنو جب میں جانے لگوں تو تم یہ دیکھ لینا کہ میرے سر پہ کوئی چادر وغیرہ ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو مجھ سے کلام نہ کرنا اور اگر نہ ہو تو مجھ سے باتیں کرنا۔ ابوالصلت کہتے ہیں کہ ہر صبح کے وقت امام علیہ السلام فرائض سے فراغت کے بعد مامون کے پیام کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ مامون رشید کا قاصد آ گیا۔ اور امام علیہ السلام اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے جس وقت آپ جا

رہے تھے۔ آپ کے سر مبارک پر از قسم تولیہ کوئی کپڑا تھا۔ میں نے حسب الحکم ان سے کوئی کلام نہیں کیا اور وہ تشریف لے گئے۔ اس وقت۔ مون کے سامنے بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا ہوا تھا۔ اس نے مراسم تعظیم ادا کرنے کے بعد کہا۔ ابن رسولؐ آپ نے اس سے بہتر انگور کبھی دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت کے انگور اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ پھر مامون نے ایک خوشہ انگور اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیجئے تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ! اسے کھانے کو اس وقت میرا جی نہیں چاہتا۔ لہذا مجھے معاف کر۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔ مامون نے شدید اصرار کرتے ہوئے کہا۔ لیجئے تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ۔ اسے کھانے کو اس وقت میرا جی نہیں چاہتا۔ لہذا مجھے معاف کر۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔ مامون نے شدید اصرار کرتے ہوئے کہا " مارا متہم می داری " آپ کیوں نہیں تناول کرتے۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے اور کیا آپ مجھ پر اتہام لگاتے اور مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے مامون نے ایک خوشہ اٹھایا اور اسے کھانا شروع کیا۔ پھر ایک اور خوشہ اٹھایا اور اسے امام علیہ السلام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیجئے تناول کیجئے۔ امام علیہ السلام نے اس کے شدید اصرار پر اسے لے لیا اور اس میں سے تین دانے تناول فرمائے۔ ان انگوروں کے کھاتے ہی جوہر وجود میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ بقیہ انگوروں کو پھینکتے ہوئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے کہا۔ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بآں جا کہ فرستادی۔ جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ سر مبارک پر چادر ڈال کر روانہ ہو گئے۔

ابوالصلت ہروی کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام دربار سے روانہ ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ دروازہ بند کر دو۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر آپ بستر پر لیٹ گئے۔ آپ کا بستر پر لیٹنا تھا کہ مجھے رنج و الم نے آگھیرا۔ طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے اور میں سخت حیران و پریشان ہو گیا۔ امام علیہ السلام بستر علالت پر تھے اور میں ڈیوڑھی میں رنج و غم کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ناگاہ میں نے گھر کے اندر ایک خوب صورت نوجوان کو دیکھ کر اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اور جب کہ دروازہ بند ہے آپ کو اندر کس نے پہنچا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں حجت خدا محمد تقیؑ ہوں۔ مجھے بند مکان میں وہی لایا ہے جس نے چشم زدن میں مدینہ سے یہاں پہنچایا ہے۔ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے جیسے ہی آپ کو دیکھا فوراً اپنے

سینے سے لگا لیا۔ پیشانی کا بوسہ دیا اور چپکے چپکے آپ سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے دیکھا کہ روح مبارک مفارقت کر گئی اور امام علیہ السلام وفات پا گئے۔ آپؑ کے وفات فرمانے کے بعد حضرت محمد بن علی علیہ السلام نے غسل وکفن اور حنوط کا انتظام فرمایا۔ پھر قدرتی تابوت منگوا کر نماز پڑھنے کے بعد اس میں رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تابوت آسمان کی طرف چلا گیا ــــ ابوالصلت کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے عرض کی۔ مولا۔ ابھی مامون وغیرہ آنے ہوں گے۔ میں انہیں کیا جواب دوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تابوت ابھی ابھی واپس آجائے گا۔ چنانچہ شل سابق چھت شگافتہ ہوئی اور تابوت آگیا۔ آپ نے امام علیہ السلام کو بدستور بستر پر لٹا دیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ اب دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو مامون وغیرہ داخل خانہ ہوئے اور سب آہ وبکا کرنے لگے پھر تجہیز وتکفین کا ازسرنو انتظام ہوا اور آپ ہارون رشید کے سرہانے دفن کر دیئے گئے (شواہد النبوت صفحہ ۲۱۲۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۶۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۹۸) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ مامون نے ہر چند چاہا کہ امام محمد تقیؑ سے ملے۔ مگر آپ کے فوری چلے جانے کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی (مطالب السئول صفحہ ۲۸۸) علامہ نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جو خبر سب سے پہلے اڑی وہ یہ تھی کہ امام رضاؑ کو مامون نے دھوکہ سے شہید کر دیا (تذکرۃ المعصومین) علامہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں کہ مامون رشید نے آپ کو انار اور انگور کے ذریعہ سے زہر دیا تھا (انوار نعمانیہ صفحہ ۲۷) علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ انار کے عرق میں زہر ملا کر اس میں دھاگہ تر کر لیا تھا اور اس دھاگہ کو سوزن کے ذریعہ انگور دل میں گزار کر انہیں مسموم کر دیا تھا (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۹۹)

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خلیفہ مامون نے حالات کی روشنی میں اپنے بھائی امین کی ماتحتی قبول کرلی پھر اسے قتل کر دیا اور جس طرح فضل بن سہل "ذوالریاستین مالک لسان و قلم الفخری" کو وزیر جنگ بنایا۔ پھر اسے بمقام سرخس حمام میں قتل کرا دیا اور جس طرح طاہر کو وزیر اعظم بنایا اور اسی کی وجہ سے استقرار خلافت حاصل کیا پھر اسے قتل کر دیا۔ بالکل اسی طرح اپنی ضرورت کے وقت حضرت امام رضا علیہ السلام کو خلافت کا ولیعہد بنایا۔ ان کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کی اور کام نکلنے کے بعد انہیں اپنے ہاتھوں سے زہر دے کر شہید کر دیا۔ یعنی جب علویوں کا زور ہوا تو ان کی بغاوت کو روکنے کے لیے شدید انکار کے باوجود امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنایا اور جب عباسیوں کا زور بڑھا تو انہیں راضی کرنے کے لئے امام رضا علیہ السلام کو شہید کر دیا اسے کہتے ہیں سیاست جس میں ہر قسم کا حربہ استعمال کرنا جائز ہے

امام رضا علیہ السلام کو کس نے زہر دیا۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مورخین و علمائے اہل تشیع بلا استثناء اس پر متفق ہیں کہ امام رضاؑ کو خود مامون نے زہر دیا ہے لیکن مورخین اہل تسنن میں سے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی (کتاب المامون صفحہ ۶۲)

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ شبلی اس معاملہ میں یا تو بالکل مامون کے ساتھ حسن ظن سے کام لے رہے ہیں یا انہیں علم ہی نہ تھا۔ انہوں نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ کتب اہل تشیع ہمارے پاس نہیں ہیں لیکن یہ نہیں لکھا کہ ہم نے تمام کتب اہل سنت کو دیکھ لیا ہے۔

میرے خیال میں وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف تھے اور ان کی تنگ نظری نے ان سے مذکورہ جملے لکھوا دئے۔ میں کہتا ہوں کہ بہت سے علماء مورخین اہل سنت نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ بعض نے تو بڑی تفصیل کے ساتھ واقعہ شہادت اور حادثہ زہر خورانی کو تحریر کیا ہے اور بعضوں نے اشارۃً و کنایۃً اس پر روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) تاریخ روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱۶ (۲) تاریخ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۲ (۳) تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ (۴) تاریخ مروج الذہب مسعودی جلد ۹ صفحہ ۳۳ (۵) تاریخ نور الابصار صفحہ ۱۴۴ (۶) تاریخ الفخری صفحہ ۱۶۳ (۷) مطالب السؤل صفحہ ۲۸۸ (۸) تاریخ حبیب السیر جلد ۲ جزو اوّل صفحہ ۵۱ (۹) تاریخ آل محمدؐ صفحہ ۶۴ (۱۰) روائح المصطفےٰ صفحہ ۱۷۴ (۱۱) کتاب انساب سمعانی (۱۲) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال (۱۳) مختصر اخبار الخلفاء (۱۴) تاریخ طبری فارسی جلد ۴ صفحہ ۲۰۷)

میرے نزدیک مذکورہ بالا حوالہ جات کی موجودگی میں علامہ شبلی کا یہ کہنا ہے کہ ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی (المامون صفحہ ۹۲) ابن خلدون اور جسٹس امیر علی کا یہ فرمانا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ مامون نے خود امام رضا علیہ السلام کو زہر دے کر ہلاک کیا بالکل لغو اور فضول ہے (تاریخ اسلام امیر علی صفحہ ۱۸۶) حد درجہ مہمل لغو، فضول اور ناقابل اعتنا ہے۔

میں ان منکرین حقائق سے پوچھتا ہوں کہ اگر مامون نے خود زہر نہیں دیا تو کیا کسی ایک تاریخ میں بھی یہ موجود ہے کہ اس نے واقعہ قتل کی تحقیقات کرائی۔ ہرگز نہیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ فرزند رسول کی جیسی شخصیت کے قتل کی تحقیقات نہ کرانی اور

صرف رو پیٹ کر "مگرمچھ" کے آنسوؤں کی طرح آنسو بہانا ارباب نظر کی نگاہوں میں سے الزام قتل سے بری نہیں کرسکتا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مامون کو امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی اور فضل بن سہل کی وزارت جنگ پر تقرری کے بعد سے اس وقت تک سکون نصیب نہیں ہوا جب تک وہ ان دونوں کو نیست و نابود نہیں کر چکا۔ بغدادیوں کی بغاوت روکنے کے لیے چونکہ ان دونوں کو ختم کرنا ضروری تھا اس لیے اس نے ایک ہی سفر میں دونوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اہل بغداد کو لکھا کہ اب کیا چیز باقی ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو۔ شبلی لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے قتل ہونے سے اہل بغداد کی شکایتوں کا فیصلہ ہو گیا (المامون صفحہ ۹۲) یعنی ان دونوں کے قتل سے مامون کی غرض پوری ہو گئی۔ اہل بغداد کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ عباسی قبضے میں گئے اور حکومت از سر نو جم گئی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی تعداد اولاد

امام علیہ السلام کی تعداد اولاد میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۲۶ میں کئی اقوال نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک امام محمد تقی علیہ السلام دوسرے موسیٰ۔ انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی انوار الحسینیہ جلد ۳ صفحہ ۵۲ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی مگر نسل صرف امام محمد تقی ؑ سے جاری ہوئی۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے ایک لڑکی تھی۔ انوار الابصار صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی جن کے نام یہ ہیں امام محمد تقی ؑ۔ حسن جعفر۔ ابراہیم۔ حسین۔ عائشہ۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔ امام محمد تقی۔ حسن۔ جعفر۔ ابراہیم۔ حسین عقب از فرزند بزرگوارش محمد تقی است۔ مگر آپ کی نسل صرف امام محمد تقی سے بڑھی ہے جنات الخلود صفحہ ۳۲ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ روضۃ الاحباب جمال الدین میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۱۰ میں ہے کہ آپ کے چھ اولاد تھی۔ ۵ لڑکے ایک لڑکی۔ یہی مطالب السؤل میں ہے۔
لیکن امام المحدثین تاج المحققین حضرت علامہ محمد بن نعمان بغدادی المتوفی ۴۱۳ھ

المقلب بہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب ارشاد صفحہ ۳۴۵ و ۳۰۱ میں اور زناج المفسرین، امین الدین حضرت ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی المشہدی صاحب مجمع البیان المتوفی ۵۴۸ھ کتاب اعلام الوری صفحہ ۱۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں " کان للرضا من الولد ابنہ ابوجعفر محمد بن علی الجواد لا غیر" حضرت امام محمد تقی کے علاوہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے کوئی اور اولاد نہ تھی۔ یہی کچھ کتاب عمدۃ الطالب صفحہ ۱۸۶ میں ہے۔"

علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے متعلق علامہ سید نور اللہ شوشتری شہید ثالث کتاب "مجالس المؤمنین" کے صفحہ ۲۰۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد قدسی ضمیر اور متکلم بے نظیر تھے پھر صفحہ ۲۰۶ میں بحوالہ خلاصۃ الاقوال تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ موصوف " اوثق اہل زمانہ وعلمھم" اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ ثقہ اور سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی وفات پر امام زمانہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام نے مرثیہ کہہ کر بھیجا تھا اور اس مرثیہ کے چند شعر شیخ علیہ الرحمۃ کی قبر پر کندہ ہیں۔ اسی طرح علامہ طبرسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار بہت بڑے علماء میں تھا۔ آپ تفسیر مجمع البیان کے مصنف و مفسر ہیں اور اس کی جامعیت آپ کی بلندی مقام کی شاھد ہے (مجالس المؤمنین صفحہ ۲۱۲)

ابُو جعفرؑ

حضرت امام محمدؐ تقی

عَلَیہِ السَّلَام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرت

امام محمد تقی

علیہ السلام

ترکِ دُنیا میں نہیں، مشق ریاضت میں نہیں۔ کثرت علم میں توفیق بصیرت میں نہیں
دل کی ایک کیفیت خاص ہے تقویٰ بانو۔ طرز پوشش میں نہیں شکل شباہت میں نہیں

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں جانشین ہمارے نویں امام اور سلسلہ عصمت کی گیارھویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد ولیعہد سلطنت عباسیہ غریب الغرباء شہید جفا حضرت امام رضا علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب خیزران عرف سکینہ تھیں۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ یعنی والدۂ جناب ابراہیم بن رسولِ کریمؐ کی نسل تھیں (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴ و روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱۶)

امام محمد تقی علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے آپ جملہ صفات حسنہ میں یگانۂ روزگار اور ممتاز تھے۔ علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں "ان کان صغیر السن فھو کبیر القدر رفیع الذکر" کہ امام علیہ السلام اگرچہ تمام معصومین میں سب سے کم سن اور چھوٹے تھے لیکن آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباؤ اجداد کی طرح نہایت ہی عظیم تھی اور آپ کا بلند تذکرہ بر سرِ نوکِ زبان تھا (مطالب السئول صفحہ ۱۹۵) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں "مقام وے لبسیار بلند است" آپ کی منزلت اور آپ کی ہستی نہایت ہی بلند ہے (روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸) علامہ خاوند شاہ لکھتے ہیں "کمال فضل و علم و ادب و حکمت میں امام جواد بمرتبہ بودہ کہ ہیچ کس را از اعاظم سادات آں مرتبہ نہ بودہ" علم و فضل، ادب و حکمت میں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو بھی نصیب نہ تھا (روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱۶) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں۔ امام محمد تقی علیہ السلام کمسنی کے باوجود فضائل سے بھرپور تھے۔

ومناقبہ کثیرۃ" اور آپ کے مناقب و مدائح بے شمار ہیں (نور الابصار صفحہ ۱۴۵) علامہ طبری لکھتے ہیں" کان قد بلغ فی کمال العقل والفضل والعلم والحکم والاداب ورفعۃ منزلتہ لم یساوہ فیہا احد من ذوی السن من السادات وغیرھم۔ آپ کمال عقل اور فضل اور علم وحکم اور آداب وبلندی منزلت میں ان مدارج پر فائز تھے جن پر آپ کے سن اور عمر کے سادات اور غیر سادات میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۲) علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ آپ کی بلندی منزلت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ مشائخ اصل زمان با او مساوی در فضل نہ بودند" کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ فضائل وکمالات میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے تھے (ارشاد صفحہ ۴۷۴)

امام علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علماء کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بتاریخ ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ بمطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے (روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱۶ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴ وانوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷) علامہ نگار جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چونکہ حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی اس لئے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شیعوں کے امام منقطع النسل ہیں یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے اس نے مجھے صاحب اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے یہاں مسند امامت کا وارث پیدا ہوگا۔ چنانچہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی (ارشاد ص ۴۷۳) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے یہاں جو بچہ عنقریب پیدا ہوگا وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۰) واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بلا کر کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی جب رات آئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں بھی بلائی گئیں نصف شب سے زیادہ گذرنے پر یکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے انہیں نہلانے کے لئے طشت میں بٹھایا۔ اس وقت جو چراغ روشن تھا۔ گل ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس حجرہ میں روشنی بدستور رہی اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچہ کو نہلا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں

پر بوسہ دے کر پھر مجھے واپس کردیا۔ دو دن تک امام محمد تقی علیہ السّلام کی آنکھیں بند رھیں۔ تیسرے دن جب آنکھیں کھلیں، تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی، پھر دائیں بائیں دیکھ کر کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجّب ہوئی اور میں نے سارا ماجرہ اپنے بھائی سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تعجّب نہ کرو۔ یہ میرا فرزند حجت خدا اور وصی رسول ہدیٰ ہے۔ اس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں ان میں تعجب کیا؟ محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہر امامت تھی جس طرح دیگر آئمہ علیہم السّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہریں ہوا کرتی ہیں (مناقب)

نام، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی، لوح محفوظ کے مطابق ان کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام نے "محمد" رکھا۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور آپ کے القاب جوّاد، قانع، مرتضیٰ تھے اور مشہور ترین لقب تقی تھا (روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱۶۔ اور شواہد النبوت صفحہ ۲۰۲۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۹۹)

بادشاہان وقت

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی ولادت ۱۹۵؁ھ میں ہوئی۔ اس وقت بادشاہِ وقت امین ابن ہارون رشید عباسی تھا (وفیات الاعیان) ۱۹۸؁ھ میں مامون بادشاہ وقت ہوا (تاریخ خمیس و ابو الفداء) ۲۱۸؁ھ میں معتصم عباسی خلیفہ وقت قرار پایا (ابو الفداء) اسی معتصم نے ۲۲۰؁ھ میں آپ کو زہر سے شہید کرادیا (وسیلۃ النجات)

امام محمد تقی کی نشوونما اور تربیت

یہ ایک حسرت ناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السّلام کو نہایت کم سنی ہی کے زمانہ میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ انہیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت اور شفقت اور تربیت کے سایہ میں زندگی گذارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا۔ جب حضرت امام رضاء علیہ السّلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے امام محمد تقی علیہ السّلام اس وقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے، تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا۔ امام محمد تقی علیہ السّلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السّلام کی وفات ہو گئی۔ دنیا سمجھتی ہو گی کہ امام محمد تقی کے لئے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اس لئے اب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے۔ مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کم سن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ و حدیث تفسیر اور کلام پر مناظرے

کرنے اور ان سب کو قائل ہوجاتے دیکھا۔ ان کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی۔ جب تک کہ وہ مادی اسباب کے آگے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہوسکتا ہے (سوانح امام محمد تقی صفحہ ۹) مقصد یہ ہے کہ امام کو علم لدنی ہوتا ہے یہ انبیاء کی طرح پڑھے لکھے اور تمام صلاحیتوں سے بھرپور پیدا ہوتے ہیں انہوں نے سرور کائنات کی طرح کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا اور نہ کرسکتے تھے۔ یہ اس کے بھی محتاج نہیں ہوتے تھے کہ آباؤ اجداد انہیں تعلیم دیں۔ یہ اور بات ہے کہ از دیار علم و شرف کے لئے ایسا کر دیا یا علوم مخصوصہ کی تعلیم دے دی جائے۔

والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محرومی

یوں تو عمومی طور پر کسی کے باپ کے مرنے سے سایۂ عاطفت سے محرومی ہوا کرتی ہے لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے ان کی زندگی ہی میں محروم ہوگئے۔ ابھی آپ کی عمر چھ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی شفقت وعطوفت سے محروم کر دیئے گئے اور مامون رشید عباسی نے آپ کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض کے ماتحت مدینہ سے خراسان طلب کر لیا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی کہ آپ کے بال بچے مدینہ ہی میں رہیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر خراسان تشریف لے گئے اور وہیں عالم غربت میں سب سے جدا مامون رشید کے ہاتھوں ہی شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔

آپ کے مدینہ سے تشریف لے جانے کا اثر خاندان پر یہ پڑا کہ سب کے دل کا سکون جاتا رہا اور سب کے سب اپنے کو زندہ درگور سمجھنے لگے۔ بالآخر وہ نوبت پہنچی کہ آپ کی ہمشیرہ جناب فاطمہ جو بعد میں "معصومہ قم" کے نام سے ملقب ہوئیں۔ انتہائی بے چینی کی حالت میں گھر سے نکل کر خراسان کی طرف روانہ ہوگئیں۔ ان کے دل میں جذبات یہ تھے کہ کسی طرح اپنے بھائی علی رضا علیہ السلام سے ملیں لیکن ایک روایت کی بنا پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر جب مقام "ساوہ" میں پہنچیں تو علیل ہوگئیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دور ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے قم کی مسافت دس فرسخ ہے۔ آپ نے خواہش کی کہ کسی صورت سے وہاں پہنچا دی جائیں چنانچہ آپ آل سعد کے رئیس موسیٰ بن خزرج کی کوششوں سے وہاں پہنچیں اور اسی کے مکان میں ۱۷ یوم بیمار رہ کر اپنے بھائی کو روتی پیٹتی دنیا سے رخصت ہوگئیں اور مقام "بابلان" قم میں دفن ہوئیں یہ واقعہ ۲۰۱ہجری کا ہے (انوار الحسینیہ جلد ۴ صفحہ ۵۳) اور ایک روایت کی بنا پر آپ اس وقت خراسان پہنچیں جب بھائی شہید ہوچکا تھا۔ اور لوگ دفن کے لئے کالے کالے علموں کے سایہ میں لئے جا رہے تھے۔ پھر آپ قم آکر وفات پاگئیں۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لیئے حضرت امام رضا علیہ السلام کی جدائی ہی کیا کم تھی کہ اس پر مستزاد اپنی پھوپھی کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ ہمارے امام کے لیئے کم سنی میں یہ دونوں صدمے انتہائی تکلیف دہ اور رنج رساں تھے لیکن مشیت ایزدی میں چارہ نہیں۔ آخر آپ کو تمام مراحل کا مقابلہ کرنا پڑا اور آپ صبر وضبط کے ساتھ ہر مصیبت کو جھیلتے رہے۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام تقی علیہ السلام کا پہلا سفر عراق

عباسی خلیفہ مامون رشید حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے فراغت کے بعد یا اس لیئے کہ اس پر امام رضاؑ کے قتل کا الزام ثابت نہ ہو سکے یا اس لیئے کہ وہ امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے موقع پر اپنی لڑکی ام الفضل کے شادی کا اعلان بھی کر چکا تھا کہ ولیعہد کے فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کرے گا۔ اسے نباہنے کے لیئے یا اس لیئے کہ ابھی اس کی سیاسی ضرورت اسے امام محمد تقیؑ کی طرف توجہؑ کی دعوت دے رہی تھی بہر حال جو بات بھی ہو، اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد بلایا جائے جو امام رضاؑ کی شہادت کے بعد پایہ تخت بنایا جا چکا تھا۔ چنانچہ اس نے دعوت نامہ ارسال کیا اور انہیں اسی طرح مجبور کر کے بلایا جس طرح حضرت امام رضا علیہ السلام کو بلوایا تھا، حکم حاکم مرگ مفاجات بالآخر امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد آنا پڑا۔

باز اور مچھلی کا واقعہ

امام محمد تقی علیہ السلام جن کی عمر اس وقت تقریباً ۹ سال کی تھی ایک دن بغداد کے کسی گذرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے وہاں کھیل رہے تھے کہ ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی سب لڑکے ڈر کر بھاگ گئے، مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ پہ کھڑے رہے جب مامون کی سواری وہاں پہنچی، تو اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صاحبزادے، جب سب لڑکے بھاگ گئے تو تم کیوں نہیں بھاگے ؟ انہوں نے بے ساختہ بلا تامل جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے راستہ تنگ نہ تھا جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ ڈرتا۔ نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا انداز بیان بہت پسند آیا۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے جب آبادی سے باہر نکل گیا تو اس نے ایک باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی زندہ مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت متعجب ہوا۔ تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف لوٹا تو اس نے حضرت امام

محمد تقی علیہ السلام کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے، لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر پھر بھاگ گئے لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بدستور سابق وہیں کھڑے رہے۔ جب مامون ان کے قریب آیا تو مٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ صاحبزادے بتاؤ۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازوؤں سے اُن مچھلیوں کا شکار کر کے اہل بیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سن کر مامون بولا۔ بے شک تم علی بن موسیٰ رضاؑ کے فرزند ہو۔ پھر ان کو اپنے ساتھ لیتا گیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳۔ مطالب السئول صفحہ ۲۹۰۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴ نور الابصار صفحہ ۱۷۵۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۹) یہ واقعہ ہماری بھی بعض کتابوں میں ہے۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں ہمیں نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں ان اللہ خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغاراً مندرج ہے۔ البتہ بعض کتب میں "بین السماء والھوا" لکھا ہے۔ اول الذکر کے متعلق تو تاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر دریا خدا ہی کی قدرت سے جاری ہے اور مذکورہ واقعہ میں امکان قوی ہے کہ بازاسی زمین پر جو دریا ہیں انہیں کے کسی ایک سے شکار کر کے لایا ہوگا۔ البتہ آخر الذکر کے متعلق کہا جا سکتا ہے (۱) جہاں تک مجھے علم ہے ہر گہرے سے گہرے دریا کی انتہا کسی سطح ارضی پر ہے۔ (۲) بقول علامہ مجلسی بعض دریا ایسے ہیں جن سے ابر چھوٹی مچھلیوں کو اڑا کر اوپر لے جاتے ہیں (۳) ۱۹۳۲ء اخبار میں یہ شائع ہو چکا ہے کہ امریکہ کی نہر پانامہ میں جو سٹول بندرگاہ کے قریب ہے مچھلیوں کی بارش ہوئی ہے (۴) آسمان اور ہوا کے درمیان بحر متلاطم سے مراد فضا کی وہ کیفیات ہوں جو دریا کی طرح پیدا ہوتے ہیں (۵) کہا جاتا ہے کہ علم حیوان میں یہ ثابت ہے کہ مچھلی دریا سے ایک سو پچاس گز تک بعض حالات میں بلند ہو جاتی ہے۔ بہر حال انہیں گہرائیوں کی روشنی میں فرزند رسولؐ نے مامون سے فرمایا کہ بادشاہ بحر قدرت خداوندی سے شکار کر کے لایا ہے اور آلِ محمدؐ کا امتحان لیتا ہے۔

حضرت امام محمد تقیؑ سے علمائے اسلام کا مناظرہ اور عباسی حاسدوں کی شکست فاش

علماء اسلام کا بیان ہے کہ بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضاؑ کو ولیعہد بنایا جانا ہی ناقابل برداشت تھا۔ امام رضاؑ کی وفات سے ایک حد تک انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انہوں نے مامون سے اپنے حسب دلخواہ اس کے بھائی موتمن کی ولیعہدی کا اعلان بھی کرا دیا۔ جو بعد میں معتصم باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضاؑ کی ولی عہدی سے کے

زمانہ میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس ترک ہو کر جو سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا۔ اُسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی۔ تاکہ بنی عباس کے روایات قدیمہ محفوظ رہیں۔ یہ سب باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں۔ مگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقیؑ کو اپنا داماد بنالے۔ ان لوگوں کے لئے پھر تشویش کا باعث بنا۔ اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آ کر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا علیہ السّلام کے ساتھ جو آپ نے طریقہ اختیار کیا وہی ہم کو نا پسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنے اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابل عزت سمجھے بھی جا سکتے تھے، مگر یہ ان کے بیٹے "محمد" تو ابھی بالکل کم سن ہیں۔ ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا جو اس قدر اس کی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کے لئے زیبا نہیں ہے پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جو اب ام الفضل کا نکاح محمد بن علی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے تمام تقریر کا یہ جواب دیا کہ "محمد" کم سن ضرور ہیں، مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے کہ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو، وہ علم میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں بھی میرے فیصلہ سے متفق ہونا پڑے گا۔

یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا، جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرہ کی دعوت منظور کرنا پڑی۔ حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مؤرخین اس کے لئے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں "کان یعد من کبار الفقہاء" یعنی اس کا شمار بڑے بڑے فقیہوں میں ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کی، بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحیی ابن اکثم کو امام محمد تقی علیہ السّلام سے بحث کے لئے منتخب کیا۔

مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرہ کے لئے منعقد کیا اور عام اعلان کر دیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلہ کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا۔ جس میں ایک طرف ایک نو برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور شہرۂ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہو گیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ارکان دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسہ میں نو سو ۹۰۰ کرسیاں فقط علماء و فضلاء کے لئے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی

سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زرّین دَور کا تھا اور بغداد دارالسلطنت تھا۔ جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت کے سامنے یحییٰ ابن اکثم کے لئے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم وگوش بنا ہوا، گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا۔ جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا، حضور، کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابوجعفر سے کوئی مسئلہ دریافت کروں؟"

مامون نے کہا۔ تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر یحییٰ، امام علیہ السلام کی طرف متوجّہ ہُوا اور کہا۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟"

حضرت نے فرمایا۔ اے یحییٰ! تم جو پوچھنا چاہو، پوچھ سکتے ہو؟

یحییٰ نے کہا۔ یہ فرمائیے کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟"

اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا وہ اپنے غرورِ علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کم سن صاحبزادے تو ہیں ہی، روزمرّہ کے روزے، نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں۔ مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالتِ احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔

امام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیئے ہوئے آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہوگیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کو سُبک پانے لگا اور تمام مجمع میں اس کا سُبک ہونا محسوس ہونے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اے یحییٰ۔ تمہارا سوال بالکل مُبہم اور مُہمل ہے۔ سوال کے ذیل میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حِل میں تھا یا حرم میں۔ شکار کرنے والا مسئلہ سے واقف تھا یا ناواقف۔ اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہوگیا۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام، کم سن تھا یا بالغ۔ پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پرند کا تھا، یا کوئی اور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے شکار کیا یا دن دہاڑے، اور علانیہ، احرام عمرہ کا تھا یا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلہ کا کوئی معیّن حکم نہیں بتایا جاسکتا۔

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا، بہرحال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی وہ ان کثیر تعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لئے آسان نہیں ہے۔ اس کے چہرہ پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔

مامون نے اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کرکے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت سے عرض کیا کہ پھر آپ ہی ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے۔ تاکہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔

امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرما دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر احرام باندھنے کے بعد "حل" میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں۔ اور اگر کسی چھوٹے پرندہ کو حل میں شکار کیا تو دنبے کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو۔ کفارہ دے گا۔ اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اس پرندہ کی قیمت اور ایک دنبہ کفارہ دے گا۔ اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے اور اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ، اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو لیکن اگر حرم میں کیا ہو تو یہی کفارے دگنے دینے ہوں گے اور ان جانوروں کو جنہیں کفارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا تو خانہ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکہ میں قربانی کرے گا اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گناہگار بھی ہوگا۔ ہاں، بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا اور غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو۔ آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا"۔

یہ تفصیلات سن کر یحییٰ ہکا بکا رہ گیا اور سارے مجمع سے "احسنت احسنت" کی آواز بلند ہونے لگی۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ یحییٰ کی رسوائی کو انتہائی درجہ تک پہنچا دے۔ اس نے امام سے عرض کی کہ اگر مناسب معلوم ہو تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت نے اخلاقاً یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکہ میں مبتلا تھا۔ اس نے کہا کہ حضور دریافت فرمائیں۔ اگر مجھے معلوم ہوگا تو عرض کروں گا۔ ورنہ خود

ہی حضور سے معلوم کر لوں گا۔ حضرت نے سوال کیا۔

"اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی۔ دن چڑھے حلال ہو گئی۔ پھر ظہر کے وقت حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہو گئی۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو حرام ہو گئی۔ صبح کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ بتاؤ، ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام و حلال ہوتی رہی ؟"

امام علیہ السلام کی زبان معجز بیان سے اس سوال کو سن کر قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ بالآخر انتہائی عاجزی کے ساتھ کہا کہ فرزند رسولؐ آپ ہی اس کی وضاحت فرما دیں اور مسئلہ کو حل کر دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ سنو! وہ عورت کسی کی لونڈی تھی۔ اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی، تو وہ اس کے لئے حرام تھی۔ دن چڑھے اس نے وہ لونڈی خرید لی۔ حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا۔ وہ حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت اس نے نکاح کر لیا پھر حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت اس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہو گئی۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی جس سے پھر حرام ہو گئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کر لیا۔ وہ حلال ہو گئی۔"

مسئلہ کا حل سن کر صرف یحییٰ ہی نہیں بلکہ سارا مجمع حیران رہ گیا اور سب میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا رہنے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابوجعفر محمدؑ بن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۹۱۔ نورالابصار صفحہ ۱۴۶۔ شرح ارشاد صفحہ ۴۷۶، ۴۷۸۔ تاریخ آئمہ صفحہ ۴۸۵۔ سوانح محمد تقی صفحہ ۶)۔

امام محمد تقیؑ کے ساتھ شہزادی ام الفضل کا عقد اور خطبہ نکاح

اس عظیم الشان مناظرہ میں حضرت امام محمد تقیؑ کی شاندار کامیابی نے مامون کو آپ کا گرویدہ بنا دیا اور اس کے فضل و کرم کی منزل اعتراف میں انتہائی بلندی پیدا ہو گئی اس کے ہر قسم کے حسن ظن میں یقین کی روح دوڑ گئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ مامون نے اس کے بعد فوراً ہی اپنے دلی مراد کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لیا اور ذرا بھی تاخیر مناسب نہ سمجھتے ہوئے اسی جلسہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی

ام الفضل کا عقد کر دیا۔ حضرت امام محمد تقیؑ نے خطبہ اور نکاح پڑھا اور یہ تقریب پوری کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔ مامون نے خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپے خیر و خیرات تقسیم کئے گئے اور تمام رعایا کو انعامات و عطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح پڑھا وہ یہ تھا "الحمد للہ اقرارًا بنعمتہ ولا الٰہ الا اللہ اخلاصًا لوحدانیتہ الخ اور جو مہر مقرر کیا وہ مہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا (ارشاد مفید صفحہ ۴۷۷ اور نور الابصار صفحہ ۱۴۶) معلوم ہونا چاہیے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ وہی ہے جو اس وقت بھی نکاح کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ میری نظر میں اس خطبہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خطبہ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ ہر قسم کی خوشبو کی باس میں عقد نکاح ہوا۔ اور حاضرین کی حلوے سے تواضع کی گئی (نور الابصار صفحہ ۱۴۶۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۷۔ ارشاد صفحہ ۴۷۷۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۱۶۔ علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد شب عروسی کی صبح کو جہاں اور لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں مبارک باد ادا کرنے کے لئے آئے ایک شخص محمد بن علی ہاشمی بھی پہنچے ان کا بیان ہے کہ مجھے دفعتہً سخت پیاس محسوس ہوئی۔ میں ابھی پاس ادب سے پانی مانگنے نہ پایا تھا کہ آپ نے میرے چہرہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم پیاسے ہو۔ میں تمہیں پانی منگوائے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور آب خنک آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ درپیش ہوا۔ میں حضرت کے اس علم ضمائر سے بے حد متاثر ہوا اور مجھے یقین ہو گیا کہ امامیہ آپ کے جملہ علوم میں ماہر ہونے کا جو عقیدہ رکھتے ہیں بالکل درست ہے (ارشاد صفحہ ۴۸۱)

ام الفضل کی رخصتی امام محمد تقیؑ کی مدینہ کی طرف واپسی اور حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی لخت جگر ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حبالہ میں دے دیا۔ تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے۔ مامون نے دوران قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی "ثم انتوجہ بزوجتہ ام الفضل الی المدینۃ المشرفۃ" یہاں تک آپ اپنی زوجہ ام الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے (نور الابصار صفحہ ۱۴۶) مامون نے بہت ہی انتظ

واہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

علامہ شیخ مفید، علامہ طبرسی، علامہ شبلنجی، علامہ جامی علیہم الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لئے ہوئے مدینہ تشریف لئے جا رہے تھے۔ آپ کے ہمراہ بہت سے حضرات بھی تھے چلتے چلتے شام کے وقت آپ وارد کوفہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے جناب مسیب کے مکان پر قیام فرمایا اور نماز مغرب پڑھنے کے لئے وہاں کی ایک نہایت ہی قدیم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا۔ پانی آنے پر آپ ایک ایسے درخت کے تھالے میں وضو کرنے لگے جو بالکل خشک تھا اور مدتوں سے سرسبزی اور شادابی سے محروم تھا۔ امام علیہ السلام نے اس جگہ وضو کیا۔ پھر آپ نماز مغرب پڑھ کر وہاں سے واپس تشریف لائے اور اپنے پروگرام کے مطابق وہاں سے روانہ ہو گئے۔

امام علیہ السلام تو تشریف لے گئے لیکن ایک عظیم نشانی چھوڑ گئے اور وہ یہ تھی کہ جس خشک درخت کے تھالے میں آپ نے وضو فرمایا تھا وہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور رات ہی بھر وہ تیار پھلوں سے لد گیا۔ لوگوں نے اسے دیکھ کر بے انتہا تعجب کیا (ارشاد صفحہ ۴۷۹۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۵۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۷، شواہد النبوت صفحہ ۲۰۵) کوفہ سے روانہ ہو کر طے مراحل وقطع منازل کرتے ہوئے آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں منہمک و مشغول ہو گئے۔ پند و نصائح، تبلیغ و ہدایت کے علاوہ آپ نے اخلاق کا عملی درس دینا شروع کر دیا خاندانی طرۂ امتیاز کے بموجب ہر ایک سے جھک کر ملنا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا۔ مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا، مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی و مذہبی پیاسوں کے لئے فیض کے چشموں کا جاری رکھنا، آپ کی سیرتِ زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ اہل دنیا جو آپ کے بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے انہیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کم سن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا یقیناً اس کے چال ڈھال، طور طریقے کو بدل دے گا۔ اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آلِ رسولؐ کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا جتنا ان کے صفات سے تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلہ میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے یہ کسی طرح ٹوٹ جائے

اسی کے لئے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا، اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضاؑ کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ۔ فقط ظاہری شکل و صورت میں ایک کا انداز معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے روپ میں تھا مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی جس طرح امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی، تو وہ شہید کر ڈالے گئے۔ اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہوتے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو زہر کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطۂ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضاؑ کا جانشین ایک آٹھ، نو برس کا بچہ ہے جو تین چار برس پہلے باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچہ کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔

مامون رشید عباسی، امام رضا علیہ السلام کے ولی عہدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا اس لئے کہ امام رضاؑ کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی۔ اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوئی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقیؑ جو آٹھ نو برس کے سن سے قصر حکومت میں نشو و نما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصولِ زندگی پر برقرار رہیں۔

سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا۔ مگر دنیا کو حیرت ہو گئی۔ جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ جسے شہنشاہِ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محلِ شاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں اس سے بھی امام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے جو کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے مگر امام محمد تقیؑ نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے با اقتدار کے لئے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارہ کرنی پڑی اور امام علیہ السلام مع ام الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا نہ پہرہ دار نہ کوئی خاص روک ٹوک نہ تزک و احتشام، نہ اوقات ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرت کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویانِ حدیث، اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے طلاب علم مسائل پوچھتے

تھے، صاف ظاہر تھا کہ جعفر صادق ہی کا جانشین اور امام رضا علیہ السلام کا فرزند ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔

امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جس حدود پر رکھا ہوا تھا۔ انہیں حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا۔ آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہِ وقت کی بیٹی ہے۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا اور قدرت کو نسلِ امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی۔ یہی امام علی نقی کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کے لئے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا، مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا۔ اس نے ام الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابوجعفر کے ساتھ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کردوں۔ خبردار مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی با احترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا جیسے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے لئے جناب خدیجہ اور حضرت علی مرتضیٰ ؑ کے لئے جناب فاطمہ زہرا ؑ۔ مگر شہنشاہِ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لئے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آلِ محمدؐ محافظ تھے۔ اس لئے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا (سوانح محمد تقی ؑ صفحہ ۱۱)

امام محمد تقی علیہ السلام اور طی الارض

امام محمد تقی علیہ السلام اگرچہ مدینہ میں قیام فرما تھے لیکن فرائض کی وسعت نے آپ کو مدینہ ہی کے لئے محدود نہیں رکھا تھا۔ آپ مدینہ میں رہ کر اطرافِ عالم کے عقیدت مندوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے یہ ضروری نہیں کہ جس کے ساتھ کرم گستری کی جائے۔ وہ آپ کے کوائف وحالات سے بھی آگاہ ہو عقیدہ کا تعلق دل کی گہرائی سے ہے یہ شکل وشباہت کے تعارف کا محتاج نہیں۔ امام کے لئے یہ خصوصیت مسلمات سے ہے کہ زمین وآسمان ہی نہیں ساری کائنات ان کے تابع ہوتی ہے انہیں اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ کسی سفر میں طے مراحل کے لئے زمین اپنے قدموں سے ناپا کریں ان کے لئے یہی بس ہے کہ جب اور جہاں چاہیں چشم زدن میں پہنچ جائیں اور یہ عقلاً محال بھی نہیں ہے ایسے خاصانِ خدا کے اس قسم کے واقعات قرآن مجید میں بھی ملتے ہیں۔ آصف بن برخیا وصی جناب سلیمان علیہ السلام کے لئے علماء نے اس قسم کے واقعات کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک واقعہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر

شام پہنچے۔ وہاں ایک شخص کو اس مقام پر عبادت میں معروف و مشغول پایا جس جگہ امام حسینؑ کا سر مبارک لٹکایا گیا تھا آپ نے اس سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو وہ روانہ ہوا۔ ابھی چند قدم بھی نہ چلا تھا کہ کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جو روانگی ہوئی تو صرف چند منٹوں میں مدینہ منورہ جا پہنچے اور زیارت و نماز سے فراغت کی گئی پھر وہاں سے چل کر چند لمحوں میں مکہ معظمہ رسیدگی ہو گئی۔ طواف و دیگر عبادت سے فراغت کے بعد آپ نے چشم زدن میں اسے شام کی مسجد میں پہنچا دیا اور خود نظروں سے اوجھل ہو کر مدینہ منورہ جا پہنچے۔ پھر جب دوسرا سال آیا تو آپ بدستور شام کی مسجد میں تشریف لے گئے اور اس عابد سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو۔ چنانچہ وہ چل پڑا۔ آپ نے چند لمحوں میں اسے سال گذشتہ کی طرح تمام کی زیارت کرا دی پہلے ہی سال کے واقعہ سے وہ شخص بے انتہا متاثر تھا ہی کہ دوسرے سال بھی ایسا ہی واقعہ ہو گیا۔ اب کی مرتبہ اس نے مسجد شام واپس پہنچتے ہی ان کا دامن تھام لیا اور قسم دے کر پوچھا کہ فرمایئے، آپ اس عظیم کرامت کے مالک "کون" ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن علی (امام محمد تقیؑ) ہوں اس نے بڑی عقیدت اور تعظیم و تکریم کے مراسم ادا کیے۔

آپ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد یہ خبر بجلی کی طرح تمام پھیل گئی، جب والی شام محمد بن عبدالملک کو اس کی اطلاع ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ لوگ اس واقعہ سے بے انتہا متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے اس عابد پر "مدعی نبوت" ہونے کا الزام لگا کر اسے قید کر دیا اور پھر شام سے منتقل کر کے عراق بھجوا دیا۔ اس نے والی کو قید خانہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ میں بے خطا ہوں مجھے رہا کیا جائے تو اس نے خط کی پشت پر لکھا کہ "جو شخص تجھے شام سے کوفہ اور کوفہ سے مدینہ اور وہاں سے مکہ اور پھر وہاں سے شام پہنچا سکتا ہے اپنی رہائی میں اسی کی طرف رجوع کر"۔

اس جواب کے دوسرے دن یہ شخص مکمل سختی کے باوجود سخت ترین پہرہ کے ہوتے ہوئے قید خانہ سے غائب ہو گیا۔ علی بن خالد راوی کا بیان ہے کہ جب میں قید خانہ کے پھاٹک پر پہنچا، تو دیکھا کہ تمام ذمہ داران حیران و پریشان ہیں اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عابد شامی زمین میں سما گیا یا آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ علامہ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے علی بن خالد جو دوسرے مذہب کا پیرو تھا۔ امامیہ مسلک کا معتقد ہو گیا (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۵۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۶۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۱۔ ارشاد مفید صفحہ ۴۸۱)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعض کرامات

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے

کرامات بے شمار ہیں (روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸) میں بعض کا تذکرہ مختلف کتب سے کرتا ہوں۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی تحریر کرتے ہیں کہ (۱) مامون رشید کے انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اب تیس ۳۰ ماہ بعد میرا بھی انتقال ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا (۲) ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک مسمات (ام الحسن) نے آپ سے درخواست کی ہے کہ اپنا کوئی جامہ کہنہ دیجئے۔ تاکہ میں اُسے اپنے کفن میں رکھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب جامہ کہنہ کی ضرورت نہیں ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں وہ جواب لے کر جب واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ تیرہ چودہ دن ہو گئے ہیں کہ وہ انتقال کر چکی ہے (۳) ایک شخص (امیہ بن علی) کہتا ہے کہ میں اور حماد بن عیسےٰ ایک سفر میں جاتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے رخصت ہولیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم آج اپنا سفر ملتوی کر دو۔ چنانچہ میں حسب الحکم ٹھہر گیا لیکن میرے ساتھی حماد بن عیسےٰ نے کہا کہ میں نے سارا سامانِ سفر گھر سے نکال رکھا ہے اب اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سفر ملتوی کر دوں۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے رات کو ایک وادی میں جا پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ رات کے کسی حصّہ میں عظیم الشان سیلاب آگیا اور وہ تمام لوگوں کے ساتھ حماد کو بھی بہا لے گیا (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۶) (۴) علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں کہ معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں جب کہ آپ بہت کم سن تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ چلو، میرے ہمراہ چلو۔ چنانچہ میں ساتھ ہو گیا۔ حضرت نے مدینہ سے باہر ایک وادی میں جا کر مجھ سے فرمایا کہ تم ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ آپ نظروں سے غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس ہوئے۔ واپسی پر آپ بے انتہا ملول اور رنجیدہ تھے۔ میں نے پوچھا۔ فرزند رسولؐ! آپ کے چہرہ مبارک سے آثار حزن و ملال کیوں ہویدا ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اسی وقت بغداد سے واپس آرہا ہوں وہاں میرے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السّلام زہر سے شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں ان پر نماز وغیرہ ادا کرنے گیا تھا۔“

(۵) قاسم بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں بغداد میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ کسی شخص کے پاس تمام لوگ برابر آتے جاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ جس کے پاس آنے جانے کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپ ناقہ پر سوار اس طرف سے گذرے۔ قاسم کہتا ہے کہ انہیں دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ وہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں جو آپ کی امامت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی عزت و توقیر کرتے ہیں۔ یہ تو بچے ہیں اور میرے دل میں ان کی کوئی وقعت محسوس نہیں

ہوتی ہیں۔ اپنے دل ہی میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ نے قریب آ کر فرمایا کہ اے قاسم بن عبدالرحمن جو شخص ہماری اطاعت سے گریزاں ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ آپ کے اس فرمانے پر میں نے خیال کیا کہ یہ جادوگر ہیں کہ انہوں نے میرے دل کے ارادے کو معلوم کر لیا ہے جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا خیال بالکل غلط ہے تم اپنے عقیدہ کی اصلاح کرو۔ یہ سن کر میں نے آپ کی امامت کا اقرار کیا اور مجھے ماننا پڑا کہ آپ حجت اللہ ہیں (۶) قاسم بن الحسن کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں تھا مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مفلوک الحال شخص نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک زبردست آندھی آئی اور وہ میری پگڑی اڑا کر لے گئی۔ میں نے بڑی تلاش کی لیکن وہ دستیاب نہ ہوئی۔ جب میں مدینہ پہنچا اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے ملنے گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے قاسم! تمہاری پگڑی ہوا اُڑا لے گئی۔ میں نے عرض کی۔ جی حضور! آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی پگڑی لے آؤ۔ غلام نے پگڑی حاضر کی میں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا کہ مولا! یہ پگڑی یہاں کیسے پہنچی۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے راہِ خدا میں جو روٹی کا ٹکڑا دیا تھا۔ اسے خدا نے قبول فرما لیا ہے۔ اے قاسم! خداوند عالم یہ نہیں چاہتا کہ جو اس کی راہ میں صدقہ دے۔ وہ اسے نقصان پہنچنے دے (۷) ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شکایت اپنے والد مامون رشید عباسی کو لکھ کر بھیجی کہ ابوجعفرؑ میرے ہوتے ہوئے دوسری شادی بھی کر رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تیری شادی ان کے ساتھ اس لئے نہیں کی کہ حلال خدا کو حرام کر دوں انہیں قانونِ خداوندی اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسری شادی کریں۔ اس میں تیرا کیا دخل ہے۔ دیکھ آئندہ سے اس قسم کی کوئی شکایت نہ کرنا اور سن تیرا فریضہ ہے کہ تو اپنے شوہر ابوجعفر کو جس طرح ہو سکے۔ راضی رکھ (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۰)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہدایات و ارشادات

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہلبیت کی تعلیم حاصل کی آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے بعض علماء نے آپ کے مقولوں کی تعداد کئی ہزار بتائی ہے۔ علامہ شبلنجی بحوالہ فصول المہمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ (۱) خداوند عالم جسے جو نعمت دیتا ہے بہ ارادہ دوام دیتا ہے لیکن اس سے اس وقت زائل ہو جاتی ہے۔ جب وہ لوگوں یعنی مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے (۲) ہر نعمت خداوندی

ہیں مخلوق کا حصہ ہے جب خدا کسی کو عظیم نعمتیں دیتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں بھی کثیر ہو جاتی ہیں۔ اس موقع
پر اگر صاحب نعمت (مالدار) عہدہ برآ ہو سکا تو خیر، ورنہ نعمت کا زوال لازمی ہے (۳) جو کسی کو
بڑا سمجھتا ہے اس سے ڈرتا ہے (۴) جس کی خواہشات زیادہ ہوں گی۔ اس کا جسم موٹا ہوگا۔
(۵) صحیفۂ حیات مسلم کا سرنامہ "حسن خلق" ہے (۶) جو خدا کے بھروسہ پر لوگوں سے بے نیاز
ہو جائے گا، لوگ اس کے محتاج ہوں گے (۷) جو خدا سے ڈرے گا، لوگ اسے دوست رکھیں گے۔
(۸) انسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے (۹) انسان کے کمالات کا دارومدار عقل کے کمال پر
ہے (۱۰) انسان کے لئے فقر کی زینت "عفت" ہے۔ خدائی امتحان کی زینت تواضع اور فروتنی
ہے۔ کلام کی زینت "فصاحت" ہے۔ روایات کی زینت "حافظ" ہے۔ علم کی زینت
انکسار ہے۔ ورع و تقویٰ کی زینت، حسن ادب ہے۔ قناعت کی زینت "خندہ پیشانی
ہے۔ ورع و پرہیزگاری کی زینت تمام مہملات سے کنارہ کشی ہے (۱۱) ظالم اور ظالم کا
مددگار اور ظالم کے فعل کو سراہنے والے ایک ہی زمرہ میں ہیں۔ یعنی سب کا درجہ
برابر ہے (۱۲) جو زندہ رہنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ برداشت کرنے کے لئے
اپنے دل کو صبر آزما بنا لے (۱۳) خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے تین
چیزیں ہونی چاہئیں اول استغفار دوم نرمی و فروتنی سوم کثرت صدقہ۔
(۱۴) جو جلد بازی سے پرہیز کرے گا۔ لوگوں سے مشورہ لے گا۔ اللہ پر بھروسہ رکھے گا وہ
کبھی شرمندہ نہ ہوگا (۱۵) اگر جاہل زبان بند رکھے تو اختلافات نہ ہوں (۱۶) تین باتوں
سے دل موہ لئے جاتے ہیں (۱) معاشرہ میں انصاف (۲) مصیبت میں ہمدردی (۳) اور
پریشان خاطری میں تسلی (۱۷) جو کسی بری بات کو اچھی نگاہ سے دیکھے گا وہ اس میں شریک
سمجھا جائے گا (۱۸) کفران نعمت کرنے والا خدا کی ناراضی کو دعوت دیتا ہے (۱۹) جو تمہارے
کسی عطیہ پر شکریہ ادا کرے۔ گویا اس نے تمہیں اس سے زیادہ دے دیا (۲۰) جو اپنے
بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرے وہ اس کا محسن ہے اور جو علانیہ نصیحت کرے۔ گویا
اس نے اس کے ساتھ برائی کی (۲۱) عقل مندی اور حماقت جوانی کے قریب تک
ایک دوسرے پر انسان میں غلبہ کرتے رہتے ہیں اور جب اٹھارہ سال پورے ہو جاتے ہیں تو
استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور راہ معین ہو جاتی ہے (۲۲) جب کسی بندہ پر نعمت کا نزول ہو
اور وہ اس نعمت سے متاثر ہو کر یہ سمجھے کہ یہ خدا کی عنایت و مہربانی ہے تو خداوند عالم
شکر کرنے سے پہلے اس کا نام شاکرین میں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی گناہ کرنے کے ساتھ یہ
محسوس کرے کہ میں خدا کے ہاتھ میں ہوں۔ وہ جب اور جس طرح چاہے عذاب کر سکتا

ہے تو خداوند عالم اُسے استغفار سے قبل بخش دیتا ہے (۲۳) شریف وہ ہے جو عالم اور عقل مندوہ ہے جو متقی ہے (۲۴) جلد بازی کر کے کسی امر کو شہرت نہ دو جب تک تکمیل نہ ہو جائے (۲۵) اپنی خواہشات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ دل تنگ ہو جاؤ (۲۶) اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور ان پر ترحم کے ذریعہ سے اپنے لئے خدا سے رحم کی درخواست کرو (۲۷) عام موت سے بُری موت وہ ہے جو گناہ کے ذریعہ سے ہو اور عام زندگی سے خیر و برکت کے ساتھ والی زندگی بہتر ہے (۲۸) جو خدا کے لئے اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اپنے لئے جنت میں گھر بنا لیا (۲۹) جو خدا پر اعتماد رکھے اور اس پر توکل اور بھروسہ کرے۔ خدا اُسے ہر برائی سے بچاتا ہے اور اس کی ہر قسم کے دشمن سے حفاظت کرتا ہے (۳۰) دین عزت ہے۔ علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔ (۳۱) زہد کی انتہا ورع اور تقویٰ ہے (۳۲) دین کو تباہ کرنے والی چیز بدعت ہے (۳۳) انسان کو برباد کرنے والی چیز "لالچ" ہے (۳۴) حاکم کی صلاحیت، رعایا کی خوشحالی کا دارومدار ہے (۳۵) دعا کے ذریعہ سے ہر بلا ٹل سکتی ہے (۳۶) جو صبر و ضبط کے ساتھ میدان میں آجائے وہ کامیاب ہوگا (۳۷) جو دنیا میں تقوے کا بیج بوئے گا۔ آخرت میں دلی مرادوں کا پھل پائے گا۔
(نور الابصار صفحہ ۱۴۰ طبع مصر)

مامون کی وفات، معتصم کی خلافت، اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی گرفتاری

شادی کے بعد سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینہ میں قدرے پُر سکون زندگی بسر کر رہے تھے یعنی آپ کو وہ خدشہ نہ تھا جو حکومت وقت کی طرف سے آپ کے آباؤ اجداد کو ہر وقت لگا رہتا تھا اور جس کے نتیجہ میں شہادت کا درجہ نصیب ہوتا رہتا تھا۔ آپ کو جو تکلیف تھی وہ ام الفضل کے شکایتی خطوط کی تھی جن کے ذریعہ سے وہ مامون کی عنانِ توجہ آپ کی مخالفت کی طرف موڑنا چاہتی تھی۔ مامون چونکہ ہوشیار اور اپنے کئے کے نباہنے کا عادی تھا۔ اس لئے اس نے کوئی پرواہ نہیں کی لیکن اس کے بعد آنے والے خلیفہ نے اس کو پوری اہمیت دے کر آپ کا کام تمام کر دیا۔ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ ۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا موتمن جو امام رضاؑ کے بعد ولیعہد بنایا جا چکا تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھتے ہی امام

محمد تقی علیہ السلام کے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی، جس طرح کہ اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے جو تمام بنی عباسیوں کی مخالفتوں کے باوجود بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس لئے اپنی بات کی پچ اور کئے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بندی کر دی۔ مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا داغ اپنے سینے پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا۔ اب ام الفضل کے شکایتی خطوط کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا حق بجانب ثابت کرنا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی مرجعیت، آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا وہ بنائے مخاصمت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقی علیہ السلام کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبہ کی شکست کا محسوس ہو جانا، جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقیؑ کو مدینہ سے بغداد کی طرف جبراً بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبدالملک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا۔ مجبوراً امام محمد تقی علیہ السلام اپنے فرزند حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلی کہتے ہیں کہ جب مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا اور اس نے امام محمد تقیؑ کے فضائل کا آوازہ سنا تو براہ بغض و عناد مدینہ منورہ سے بمقام بغداد آپ کو طلب کر لیا۔ امام محمد تقی علیہ السلام جب مدینہ سے چلنے لگے تو انہوں نے اپنے فرزند امام علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دے کر کتب علوم الٰہی اور آثار جناب رسالت پناہی انہیں سپرد فرمایا۔ بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہو کر نویں محرم ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے اور معتصم نے اسی سال ان کو شہید کر دیا (وسیلۃ النجات صفحہ ۳۹۷)

امام محمد تقیؑ کی نظر بندی، قید اور شہادت

مدینہ رسولؐ سے فرزند رسولؐ کو طلب کرنے کی غرض چونکہ نیک نیتی پر مبنی نہ تھی۔ اس لئے عظیم شرف کے باوجود آپ حکومت وقت کی کسی رعایت کے قابل نہیں متصور ہوئے۔ معتصم نے بغداد بلوا کر آپ کو قید کر دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ "چوں معتصم بخلافت بہ نشست آنحضرت را از مدینہ طیبہ بدارالخلافہ بغداد آوردہ حبس فرمودہ" (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۱) ایک سال تک آپ نے قید کی سختیاں صرف اس جرم میں برداشت کیں کہ آپ کمالات امامت کے حامل کیوں ہیں اور آپ کو خدا نے یہ شرف کیوں عطا فرمایا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ پر اس قدر سختیاں تھیں

اور اتنی کڑی نگرانی اور نظربندی تھی کہ آپ اکثر اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے تھے۔ بہرحال وہ وقت آ گیا کہ آپ صرف ۲۵ سال ۳ ماہ ۱۲ یوم کی عمر میں قید خانہ کے اندر آخر ذی قعد بتاریخ ۲۹ ذی قعد ۲۲۰ھ یوم سہ شنبہ معتصم کے زہر سے شہید ہو گئے (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۱۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۱۶۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۵۔ ارشاد صفحہ ۴۸۰۔ نور الثمانیہ صفحہ ۱۲۷۔ انوار الحسینیہ صفحہ ۵۴)

آپ کی شہادت کے متعلق ملا مبین کہتے ہیں کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا (وسیلۃ النجات صفحہ ۲۹۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ "انہ سم ایضاً" کہ آپ کو امام رضا کی طرح زہر سے شہید کیا گیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ "گویند بہ زہر شہید شد" کہتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸) ملا جامی کی کتاب میں ہے "قیل مات مسموماً" کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴) علامہ نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں "مات مسموماً قد سمہم المعتصم" آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں اور یقیناً معتصم نے آپ کو زہر دیا ہے (انوار نعمانیہ صفحہ ۱۹۵) یہی کچھ علامہ طبرسی نے بھی تحریر فرمایا ہے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۵) اور علامہ عبدالرضا نے بھی یہی لکھا ہے (انوار الحسینیہ صفحہ ۵۴) نواب صدیق حسن لکھتے ہیں کہ معتصم عباسی نے زہر سے آپ کو مار دیا (الفرع النامی) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ "انہ مات مسموماً" آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں "یقال ان ام الفضل بنت المامون سقتہ باامر ابیہا" کہا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی ام الفضل نے اپنے باپ مامون کے حکم کے مطابق (معتصم کی مدد سے) زہر دے کر شہید کیا (نور الابصار صفحہ ۱۴۷۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۴) مطلب یہ ہوا کہ مامون رشید نے امام محمد تقیؑ کے والد ماجد امام رضا علیہ السلام کو اور اس کی بیٹی نے امام محمد تقی علیہ السلام کو بقول امام شبلنجی شہید کر کے اپنے وطیرہ مستمرہ اور اصول خاندانی کو فروغ بخشا ہے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ "دخلت امرتہ ام الفضل الی قصر المعتصم" کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو شہید کر کے ان کی بیوی ام الفضل معتصم کے پاس چلی گئی۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شہادت کے وقت ام الفضل کے بدترین مستقبل کا ذکر فرمایا تھا جس کے نتیجہ میں اس کے ناسور ہو گیا تھا اور وہ آخر میں دیوانی ہو کر مری۔

مختصر یہ کہ شہادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آپ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد آپ مقابر قریش میں اپنے جد نامدار حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جواد بھی تھا۔ اس لیے اس شہر کو آپ کی شرکت سے "کاظمین" اور وہاں کے اسٹیشن کو آپ کے دادا کی شرکت کی رعایت سے "جوادین" کہا جاتا ہے۔

چھوڑتا تھا۔ کسی نے کسی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ "آمدند و کندند و سوختند و کشتند و بردند" کہ لشکر والے آئے۔ اکھاڑا، پچھاڑا، جلایا، پھونکا، قتل کیا اور سب لوٹ کرلے گئے" صفحہ ۲۶ "چنگیز خان کے دست برد سے ایران کا کوئی شہر اور نمایاں قریہ نہیں بچا۔ اس نے قتل و غارت کا سلسلہ ۶۲۱ھ تک جاری رکھا۔ یوں تو ہر جگہ تباہ ہوئی اور سب ہی قتل ہوئے لیکن وہ مقامات جن کی تباہی سے ہمارے دلوں کو روحی صدمہ پہنچا وہ بلخ، خراسان، سبزوار، نیشاپور اور قم جیسے شہر ہیں بلخ میں پچاس ہزار سادات تھے جو قتل ہوئے۔ خراسان میں قریب "صدہزار مومن موحد را شہید ساختند" تقریباً ایک لاکھ مومن قتل ہوئے صفحہ ۳۶۔ سبزوار میں ستّر ہزار قتل کیے گئے صفحہ ۳۶ نیشاپور میں تو مقتولین کی اتنی کثرت تھی کہ بارہ دن تک لاشوں کا شمار ہوتا رہا۔ ہرات میں بھی شدید اندھیر گردی تھی۔ بے شمار سادات قتل کیے گئے۔ ان ہنگاموں میں نہایت بربریت کا ثبوت دیا گیا۔ آگ لگائی گئی۔ عصمت دری کی گئی۔ پانی بند کیا گیا اور بے دریغ قتل و خونریزی سے سرزمین ایران لالہ زار بنائی گئی۔ بعض مقامات کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ ظالم یہ کہتے تھے کہ یہ رافضی لوگ ہیں ان کا قتل کرنا "عین صواب و مستلزم ثواب است" نہایت صحیح عمل ہے اور بے حد ثواب کا موجب ہے صفحہ ۳۰ بہر حال انہیں حالات سے متاثر ہو کر سادات ایران سے جان بچا کر نکل کھڑے ہوئے اور اطراف عالم میں جہاں جس کو سوجھا، وہاں جا ٹھہرا۔ صفحہ ۳۹۔ صاحب عمدۃ الطالب کی تحریر کے مطابق حضرت موسےٰ مبرقع کی اولاد بھی ہندوستان آئی۔ بدر مشعشع صفحہ ۳۱۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں سیّد حسام الدین کا تشریف لانا بھی اسی عہد سے متعلق ہے۔

اَبُو الحسن

حضرت امام علی نقی

علیہ السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

آج دسواں (۱۰) نائب خیر البشر پیدا ہوا ہیں لقب ہادی نقیؑ جس کے علیؑ ہے جسکا نام
رہبر دین خدا ہے یہ محمدؐ کا پسر عترت اطہار میں جو تھا علیؑ عالی مقام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسویں جانشین اور ہمارے دسویں امام اور سلسلہ معصومینؑ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقیؑ تھے اور والدہ ماجدہ جناب سمانہ خاتون تھیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ علم سخاوت، طہارت نفس، بلندی کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والد ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲۔ مطالب السئول صفحہ ۲۹۱۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۹) آپ کی والدہ کے متعلق علامہ نے لکھا ہے کہ آپ "سیدہ ام الفضل" کے نام سے مشہور تھیں (مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱۶)

امام علی نقی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۵ رجب المرجب ۲۱۴ھ یوم سہ شنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۹۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۲۰) شیخ مفید کا کہنا ہے کہ مدینہ کے قریب ایک قریہ ہے جس کا نام صریا ہے۔ آپ وہاں پیدا ہوئے ہیں۔ (ارشاد صفحہ ۴۹۴)

اسم گرامی، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی علیؑ، آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے رکھا۔ اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ سرور کائنات نے جو اپنے بارہ جانشین اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں معین فرمائے تھے ان میں سے ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ کے والد ماجد نے اسی معین اسم سے موسوم کر دیا۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ چہاردہ معصومین کے اسماء لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں سرور کائنات نے اسی کے مطابق سب کے نام معین فرمائے ہیں اور ہر ایک کے والد نے اسی کی روشنی میں اپنے

اس مقبرہ قریش میں جسے کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۷ء ہجری میں معز الدولہ اور ۵۲۷ھ مطابق ۱۰۹۴ء میں جلال الدولہ شاہان آل بویہ کے جنازے اعتقاد مندی سے دفن کیئے گئے۔ کاظمین میں جو شاندار روضہ بنا ہوا ہے اس پر بہت سے تعمیری دور گذرے لیکن اس کی تعمیری تکمیل شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۲۶ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں کرائی ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں محمد شاہ قاچار نے اسے جواہرات سے مرصع کیا۔

آپ کی ازواج اور اولاد

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے چند بیویاں تھیں جن میں ام الفضل بنت مامون رشید عباسی اور سمانہ خاتون نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جناب سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یاسر کی نسل سے تھیں کے علاوہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کی اولاد کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ دو نرینہ اور دو غیر نرینہ تھیں جن کے اسماء یہ ہیں (۱) حضرت امام علی نقی علیہ السلام (۲) جناب موسیٰ مبرقع علیہ الرحمہ (۳) جناب فاطمہ (۴) جناب امامہ (ارشاد مفید صفحہ ۴۹۳۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳، روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸۔ نور الابصار صفحہ ۱۴۷۔ انوار نعمانیہ صفحہ ۱۲۷ کشف الغمہ صفحہ ۱۱۶۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۵ وغیرہ

سلسلۂ سادات رضویہ

حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کے حالات میں بحوالہ امام المحدثین حجۃ الاسلام حضرت علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ و علامہ معتمد طبرسی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے صرف ایک فرزند حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے۔ ان حضرات کی تحقیق پر اعتماد و اعتقاد کرنے کے بعد یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی نسل صرف حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے بڑھی۔ بیٹے کی اولاد کا دادا کی طرف انتساب خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ باپ کے علاوہ دادا کے کوئی اور اولاد نہ ہو۔ نہایت مناسب ہے۔ اسی لئے علامہ حسین واعظ کاشفی، علامہ سید نور اللہ شوشتری (شہید ثالث) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد کو "رضوی" کہا جاتا ہے (روضۃ الشہداء صفحہ ۴۳۸) مجالس امیر المومنین و بحار الانوار) علامہ معاصر مولانا سید علی نقی مجتہد العصر رقم طراز ہیں کہ "یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات "رضوی" کہلاتے ہیں وہ دراصل تقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر حضرت امام رضا علیہ السلام کی اولاد امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لئے وہ اپنے کو "رضوی" کہتی اور امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد اپنے کو تقوی کہتی۔ مگر چونکہ

امام رضاؑ کی نسل امام محمد تقیؑ سے چلی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولیعہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی۔ اس لئے تمام اولاد کا حضرت امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت امام محمد تقیؑ کی نسل دو بیٹوں سے بڑھی۔ ایک امام علی نقی علیہ السلام دوسرے حضرت موسےٰ مبرقع علیہ الرحمہ۔ امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد اپنے کو نقوی اور موسےٰ مبرقع کی اولاد مذکورہ وجہ کی بنا پر اپنے کو رضوی کہتی ہے۔

جناب موسےٰ بن امام محمد تقی علیہ السلام کو "مبرقع" اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کمال حسن کی وجہ سے چہرہ پر نقاب ڈالے رہا کرتے تھے (بدر مشعشع) آپ ۱۰ رجب المرجب ۲۱۷ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۲۵۵ھ میں آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے منتقل ہو کر "قم" (ایران) میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے فرزند مطابق تحریر سید حامد حسین کراروی متوفی ۱۲۷۱ھ مخزونہ "لطائف الشرف" تین تھے (۱) سید محمد (۲) سید عمران (۳) سید احمد آپ کی نسل سید احمد سے بڑھی۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں "عقب مبرقع از سید احمد است وعقب احمد از محمد اعرج است (روضۃ الشہدا صفحہ ۴۳۸) سید احمد کے تین ۳ بیٹے تھے (۱) سید صالح (۲) سید جلیل (۳) سید محمد اعرج۔ سید محمد اعرج کے فرزند ابو عبداللہ سید احمد "نقیب القم" تھے۔ جس کے معنی رئیس اعظم، نگران اعلےٰ، سربراہ اور قوم کے ہر داخلی اور خارجی امر میں تدبیر اور سازگاری پیدا کرنے والے کے ہیں (مجمع البحرین صفحہ ۱۵۷) سادات کراروی ضلع الہ آباد کا سلسلہ نسب آپ ہی کی وساطت سے امام محمد تقیؑ اور امام علی رضا علیہم السلام تک پہنچا ہے۔ سادات کراروی کے مورث اعلیٰ سید حسام الدین اعلی اللہ مقامہٗ گورنر متھرا العہد فیروز شاہ تغلق تھے۔ آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے نقیب القم تک پھر چاروں واسطوں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ۷۱۱ھ میں جنگل کاٹ کر "کراری" کو آباد کیا جو تقریباً اڑھائی سو مواضعات پر مشتمل ہے جن پر آپ کی اولاد تا بقی اور متصرف ہے (کتاب شجرۂ سادات کراروی مؤلفہ سید ریاض حسین صفحہ ۴ طبع لکھنؤ ۱۹۲۷ء)

سید حسام الدین کے قم سے ہندوستان تشریف لانے کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ چنگیز خان نے جب ایران فتح کرنے کے لئے لشکر بھیجا اور اس لشکر نے قیامت خیز تباہی مچائی تھی اسی موقع پر دیگر حضرات کی طرح آپ بھی ہندوستان تشریف لائے۔ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۵ صفحہ ۲۵ تا ۳۹ طبع لکھنؤ میں ہے کہ چنگیز خاں کا لشکر ۶۱۵ھ میں فتح ایران کے لئے نکلا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ سیل حوادث کی طرح جس طرف گذرتا تھا تباہ و برباد کر

فرزند کو معصوم کیا ہے (اعلام الوری صفحہ ۲۲۵) آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کے القاب بہت کثیر ہیں۔ جن میں نقی۔ ناصح۔ متوکل۔ مرتضٰی اور عسکری زیادہ مشہور ہیں ۔۔۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۲۲۔ نورالابصار صفحہ ۱۴۹۔ مطالب السئول صفحہ ۲۹۱)

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ جب ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے تو اس وقت بادشاہ وقت مامون رشید عباسی تھا ۲۱۸ھ میں ہی مامون رشید نے انتقال کیا اور معتصم خلیفہ ہوا (ابوالفداء) ۲۲۷ھ میں واثق ابن معتصم خلیفہ بنایا گیا (ابوالفداء) ۲۳۲ھ میں واثق کا انتقال ہوا اور متوکل عباسی خلیفہ مقرر کیا گیا (ابوالفداء) پھر ۲۴۷ھ میں منتصر بن متوکل اور ۲۴۸ھ میں مستعین اور ۲۵۲ھ میں زبیر ابن متوکل المکنی بہ "معتز باللہ" علی الترتیب خلیفہ بنائے گئے (ابوالفداء۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۲۱) ۲۵۴ھ میں معتز کے زہر دینے سے امام علی نقی شہید ہوئے (تذکرۃ المعصومین)

امام محمد تقیؑ کا سفر بغداد اور امام علی نقی کی ولیعہدی

مامون رشید کے انتقال کے بعد جب معتصم باللہ خلیفہ ہوا، تو اس نے بھی اپنے آبائی کردار کو سراہا اور خاندانی رویہ کا اتباع کیا۔ اس کے دل میں بھی آل محمدؐ کی طرف سے وہی جذبات ابھرے جو اس کے آباؤ اجداد کے دلوں میں ابھر چکے تھے۔ اس نے بھی چاہا کہ آل محمدؐ کی کوئی فرد سطح ارض پر باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کر کے نظر بند کر دیا۔ امام محمد تقی علیہ السلام جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قیامت تک کے حالات سے واقف تھے۔ مدینے سے چلتے وقت اپنے فرزند کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور وہ تمام تبرکات جو امام کے پاس ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے امام علی نقی علیہ السلام کے سپرد کر دیئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ ۹ محرم الحرام ۲۲۰ھ کو وارد بغداد ہوئے۔ بغداد میں آپ کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ معتصم عباسی نے آپ کو بتاریخ ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ زہر سے شہید کر دیا۔ (نورالابصار صفحہ ۱۴۷)

اصول کافی میں ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو پہلی بار مدینہ سے بغداد طلب کیا گیا تو راوی خبر اسماعیل بن مہران نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، مولا۔ آپ کو بلانے والا دشمن آل محمدؐ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بے امام ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو علم ہے تم گھبراؤ نہیں۔ اس سفر میں ایسا نہ ہوگا۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ جب دوبارہ آپؑ کو معتصم نے

بلایا تو پھر میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ مولا یہ سفر کیسا رہے گا۔ اس سوال کا جواب آپ نے آنسوؤں کے تار سے دیا اور باچشم نم کہا کہ اے اسماعیل۔ میرے بعد علی نقیؑ کو اپنا امام جاننا اور صبر و ضبط سے کام لینا (تذکرۃ المعصومین ص۲۱۲)

امام علی نقی علیہ السلام کا علم لدنی

بچپن کا ایک واقعہ یہ ہمارے مسلمات سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو علم لدنی ہوتا ہے۔ یہ خدا کی بارگاہ سے علم و حکمت لے کر کامل اور مکمل دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ انہیں کسی سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور انہوں نے کسی دنیا والے کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں فرمایا۔ ذاتی علم و حکمت کے علاوہ مزید شرف کمال کی تحصیل اپنے آباؤ اجداد سے کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی کم سنی میں بھی یہ دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو علمی شکست دینے میں ہمیشہ کامیاب رہے اور اگر کسی نے اپنے کو ان کی کسی فرد سے مافوق سمجھا تو وہ ذلیل ہو کر رہ گیا یا پھر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد امام علی نقی علیہ السلام جن کی اس وقت عمر چھ سات سال کی تھی۔ مدینہ میں مرجع خلائق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ آلِ محمدؐ سے دلی دشمنی رکھتے تھے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کسی طرح ان کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کوئی ایسا معلم ان کے ساتھ لگا دیا جائے جو انہیں تعلیم بھی دے اور ان کی اپنے اصول پر تربیت کرنے کے ساتھ ان کے پاس لوگوں کے پہنچنے کا سدباب کرے۔ یہ لوگ اسی خیال میں تھے کہ عمر بن فرج (رجی) فراغت حج کے بعد مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے اس سے عرض مدعا کیا۔ بالآخر حکومت کے دباؤ سے ایسا انتظام ہو گیا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو تعلیم دینے کے لئے عراق کا سب سے بڑا عالم، ادیب عبیداللہ جنیدی معقول مشاہرہ پر لگایا گیا۔ یہ جنیدی آلِ محمدؐ کی دشمنی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ الغرض جنیدی کے پاس حکومت نے امام علی نقی علیہ السلام کو رکھ دیا اور جنیدی کو خاص طور پر اس امر کی ہدایت کر دی کہ ان کے پاس روافض نہ پہنچنے پائیں۔ جنیدی نے آپ کو قصر صریا میں اپنے پاس رکھا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب رات ہوتی تھی، تو دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور دن میں بھی شیعوں کے ملنے کی اجازت نہ تھی اس طرح آپ کے ماننے والوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کا فیض جاری بند ہو گیا۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ سے محروم ہو گئے راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن جنیدی سے کہا "غلام ہاشمی کا کیا حال ہے؟" اس نے نہایت بری صورت بنا کر کہا انہیں غلام ہاشمی نہ کہو وہ رئیس ہاشمی ہیں خدا کی قسم وہ اس کم سنی میں مجھ سے کہیں زیادہ علم رکھتے ہیں" سنو" میں اپنی پوری کوشش کے بعد جب ادب کا کوئی باب ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا

ہوں "یظن الناس انی اعلمہ وانا والله اتعلم منہ" لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں انہیں تعلیم دے رہا ہوں لیکن خدا کی قسم میں ان سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں میرے بس میں یہ نہیں کہ میں انہیں پڑھا سکوں "ھذا والله خیر اهل الارض وافضل من بقا الله" خدا کی قسم وہ حافظ قرآن ہی نہیں۔ وہ اس کی تاویل تنزیل کو بھی جانتے ہیں اور مختصر یہ ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں (اثبات الوصیت، دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۲۱)

امام علی نقی علیہ السلام کے کرامات اور آپ کا علم باطن

امام علی نقی علیہ السلام تقریباً ۲۹ سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ نے اس مدت عمر میں کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ تقریباً ہر ایک نے آپ کی طرف رخ کرنے سے احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امور امامت کو انجام دیتے ہیں کامیاب رہے یعنی تبلیغ دین اور تحفظ بنائے مذہب اور رہبری ہوا خواہاں میں فائز المرام رہے۔ آپ چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح علم باطن اور علم غیب بھی رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ اپنے ماننے والوں کو ہونے والے واقعات سے باخبر فرما دیا کرتے تھے اور سعی فرماتے تھے کہ حتی الوسع مقدورات کے علاوہ کوئی گزند نہ پہنچنے پائے اس سلسلہ میں آپ کے کرامات بےشمار ہیں جن میں سے ہم اس مقام پر کتاب کشف الغمہ سے چند کرامات تحریر کرتے ہیں۔

(۱) محمد بن فرج رجحی کا بیان ہے کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے تحریر فرمایا کہ تم اپنے تمام امور و معاملات کو راست اور نظام خانہ کو درست کر لو اور اپنے اسلحوں کو سنبھال لو۔ میں نے ان کے حکم کے بموجب تمام درست کر لیا لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ حکم آپ نے کیوں دیا ہے لیکن چند دنوں کے بعد مصر کی پولیس میرے یہاں آئی اور مجھے گرفتار کر کے لے گئی اور میرے پاس جو کچھ تھا سب لے لیا اور مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ میں آٹھ سال اس قید خانہ میں پڑا رہا۔ ایک دن امام علیہ السلام کا خط پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ اے محمد بن فرج، تم اس ناحیہ کی طرف نہ جانا جو مغرب کی طرف واقع ہے۔ خط پاتے ہی میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ میں سوچتا رہا کہ میں تو قید خانہ میں ہوں۔ میرا تو ادھر جانا ممکن ہی نہیں۔ پھر امام نے کیوں یہ کچھ تحریر فرمایا۔ آپ کے خط آئے کو ابھی دو چار ہی یوم گذرے تھے کہ میری رہائی کا حکم آ گیا۔ اور میں ان کے حسب الحکم مقام ممنوع کی طرف نہیں گیا۔ قید خانہ سے رہائی کے بعد میں نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ حضور، میں قید سے چھوٹ کر گھر آ گیا ہوں۔ اب آپ خدا سے دعا فرمائیں کہ میرا مال منصوبہ واپس کرا دے آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ عنقریب تمہارا سارا

مال تمہیں واپس مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) ایک دن امام علی نقی علیہ السلام اور علی بن حصیب نامی شخص دونوں ساتھ ہی راستہ چل رہے تھے۔ علی بن حصیب آپ سے چند گام آگے بڑھ کر بولے۔ آپ بھی قدم بڑھا کر جلد آجائیے حضرت نے فرمایا کہ اے ابن حصیب "تمہیں پہلے جانا ہے" تم جاؤ۔ اس واقعہ کے چار یوم بعد ابن حصیب فوت ہو گئے۔

(۳) ایک شخص محمد بن فضل بغدادی نامی نے حضرت امام نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میرے پاس ایک دکان ہے۔ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ جواب نہ ملنے پر مجھے افسوس ہوا لیکن جب میں بغداد واپس پہنچا تو وہ آگ لگ جانے کی وجہ سے جل چکی تھی (۴) ایک شخص ابو الیوب نامی نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ میری زوجہ حاملہ ہے آپ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ۔ اس کے لڑکا ہی پیدا ہوگا۔ اور جب پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ چنانچہ لڑکا ہی پیدا ہوا۔ اور اس کا نام محمد رکھا گیا۔

(۵) یحییٰ ابن زکریا کا بیان ہے کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میری بیوی حاملہ ہے آپ دعا فرمائیں کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ چنانچہ لڑکی پیدا ہوئی۔

عہد واثق کا ایک واقعہ

(۶) ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ۲۲۷ھ میں ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے آکر کہا۔ کہ ترکوں کی فوج گذر رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو ہاشم، چلو ان سے ملاقات کریں۔ میں حضرت کے ہمراہ ہو کر لشکریوں تک پہنچا۔ حضرت نے ایک غلام ترکی سے اس کی زبان میں گفتگو شروع فرمائی اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس ترکی سپاہی نے آپ کے قدموں کا بوسہ دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے تجھے امام کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ اس نے کہا۔ امام نے مجھے اس نام سے پکارا جس کا جاننے والا میرے باپ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

تہتر (۷۳) زبانوں کی تعلیم

(۷) ابو ہاشم کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے مجھ سے ہندی زبان میں گفتگو کی جس کا میں جواب نہ دے سکا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ابھی ابھی تمام زبانوں کا جاننے والا بنائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک سنگریزہ اٹھایا اور اسے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس سنگریزہ کو مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے چوسو۔ میں نے منہ میں رکھ کر اسے اچھی طرح چوسا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ میں تہتر (۷۳) زبانوں کا عالم بن گیا جن میں ہندی بھی شامل تھی۔ اس کے بعد سے پھر مجھے کسی زبان

کے سمجھنے اور بولنے میں دقت نہ ہوئی۔ صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵۔

امام علی نقی کے ہاتھوں میں ریت کی قلب ماہیت

(۹) آئمہ طاہرین کے اولوالامر ہونے پر قرآن مجید کی نص صریح موجود ہے ان کے ہاتھوں اور زبان میں خداوند عالم نے یہ طاقت دی ہے جو کہیں وہ ہو جائے، جو ارادہ کریں اس کی تکمیل ہو۔ جو حکم دیں اس کی تعمیل ہو۔ ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ بڑی معمولی بات ہے۔ تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ نے رمل یعنی ریت کی ایک مٹھی زمین سے اٹھا کر میرے دامن میں ڈال دی اور فرمایا۔ اسے غور سے دیکھو اور اسے فروخت کر کے کام نکالو۔ ابو ہاشم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم، جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ بہترین سونا تھا۔ میں نے اُسے بازار لے جا کر فروخت کر دیا (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱۹)

امام علی نقیؑ اور اسم اعظم

(۱۰) حضرت ثقۃ الاسلام علامہ کلینی اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا۔ اسم اللہ الاعظم تہتر (۷۳) حروف ہیں۔ ان میں سے صرف ایک حرف آصف بن برخیا وصی سلیمان کو دیا گیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے چشم زدن میں ملک سبا سے تخت بلقیس منگوا لیا تھا اور اس منگوانے میں ہوا یہ تھا کہ زمین سمٹ کر تخت کو قریب لے آئی تھی۔ اے نوفلی (راوی) خداوند عالم نے ہمیں اسم اعظم سے بہتّر حروف دئے ہیں اور اپنے لئے صرف ایک حرف محفوظ رکھا ہے جو علم غیب سے متعلق ہے مسعودی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی قدرت اور اپنے اذن و علم سے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امام جو چاہیں کر سکتے ہیں ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ اصول کافی۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱۸۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۲۶

امام علی نقیؑ اور سال کے چار اہم روزے

(۱۱) شیخ ابو جعفر طوسی کتاب مصباح میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن عبد اللہ علوی عریضی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں بمقام صریا (مدینہ) میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے باپ اور تمہارے تمام چچا کے درمیان یہ امر زیر بحث ہے کہ سال کے وہ کون سے روزے ہیں جن کا رکھنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے اور تم اسی کے متعلق مجھ سے سوال کرنے آئے ہو۔ اس نے کہا۔ اے مولا، بس یہی بات ہے آپ نے فرمایا سنو وہ چار روزے ہیں جن کے رکھنے کی تاکید ہے (۱) یوم ولادت حضرت پیغمبر اسلام ۱۷ ربیع الاوّل

(۲) یوم لعبثت درمعراج ۲۷ رجب المرجب (۳) یوم دحوالارض یعنی جس دن کعبہ کے نیچے سے زمین بچھائی گئی اور سفینۂ نوح کوہِ جودی پر ٹھہرا جس کی تاریخ ۲۵ ذی قعدہ ہے (۴) یوم الغدیر یعنے جس دن حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے جانشین ہونے کا اعلان فرمایا جس کی تاریخ ۱۸ ذوالحجہ ہے اسے عربیّ جو ان دنوں میں سے کسی دن بھی روزہ رکھے اس کے ساٹھ اور ستر سالہ گناہ بخشے جاتے ہیں (کتاب مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۲۳) - دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ -

امام علی نقی علیہ السلام اور متوکل کی تخت نشینی

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ اُن تمام اُمور سے واقف ہوتے ہیں جن سے عوام اس وقت تک باخبر نہیں ہوتے جب تک وہ منظرِ عام پر نہ آجائیں۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ واثق کا ایک منہ چڑھا رفیق اسباطی ایک دن عراق سے مدینہ منورہ پہنچا اور وہاں جا کر امام علی نقی علیہ السلام سے ملا - آپ نے خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ واثق باللہ خلیفۂ وقت کا کیا حال ہے - اس نے کہا - میں نے اسے بہ سلامت چھوڑا ہے اور وہ بالکل بخیریت ہے - میں اسی کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں - آپ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں، کہ وہ فوت ہوگیا ہے - یہ سن کر اسباطی نے سکوت اختیار کیا اور سمجھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا ہے بعلم امامت فرمایا ہے - ہوسکتا ہے کہ درست ہو - پھر آپ نے کہا - اچھا یہ بتاؤ - ابن الزیات کس حال میں ہے - اس نے عرض کی کہ وہ اچھا خاصا ہے - بالکل خیریت سے ہے - اس وقت اُسی کا طوطی بولتا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے - آپ نے ارشاد فرمایا اے اسباطی سنو، حکم خدا کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور قلم قدرت کو کوئی نہیں روک سکتا - مات الواثق و علیس جعفر المتوکل واثق کا انتقال ہوگیا ہے اور متوکل تخت نشین خلافت ہوگیا ہے - "وقتل ابن الزیات" اور ابن زیات قتل کر دیا گیا ہے - اسباطی نے چونک کر پوچھا - یا حضرت، یہ سب کب ہوگیا - میں تو سب کو خیریت و عافیت میں چھوڑ کر آیا ہوں - آپ نے فرمایا - تمہارے عراق سے نکلنے کے چھ یوم بعد یہ انقلاب آیا ہے - اس کے بعد اسباطی آپ سے رخصت ہو کر شہر میں کسی مقام پر جا ٹھہرا - چند دنوں کے بعد متوکل کا نامہ بر مدینہ پہنچا، تو بالکل انہیں حالات کا انکشاف ہوا جن کی خبر امام زمانہ دے چکے تھے - (نورالابصار صفحہ ۱۴۹ طبع مصر) مورخ ابن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ۲۳۲ھ کا ہے - تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین میں ہے کہ ابن الزیات وزیر تھا - اس کے قتل ہوتے ہی متوکل نے اپنا وزیر فتح ابن خاقان کو بنایا -

امام علی نقی علیہ السلام کے آباؤ اجداد کی قبروں کے ساتھ متوکل عباسی کا سلوک

حضرت امام علی نقی علیہ السلام مدینہ ہی میں تھے کہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں ابوالفضل جعفر متوکل عباسی تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے وہ حرکتیں شروع کیں جنہوں نے زار دمشق "یزید" کو بھی شرما دیا۔ مورخین کی نگاہ میں متوکل عباسی کو وہی درجہ حاصل ہے جو بنی امیہ میں یزید کو حاصل تھا۔ یہ دونوں اپنے ذاتی کردار کے علاوہ جو کچھ آل محمدؐ کے ساتھ کرتے رہے۔ اس سے تاریخ اسلام سخت شرمندہ ہے۔ متوکل کے متعلق ابن اثیر لکھتا ہے کہ یہ علی ابن ابی طالب اور ان کے اہل بیت سے سخت بغض رکھتا ہے۔ دمیری کا کہنا ہے کہ متوکل حضرت علیؑ سے بغض شدید رکھتا تھا اور ان کی منقصت کرتا تھا۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ متوکل نے شاعر ابن سکیت کو اس جرم میں کہ اس نے متوکل کے اس سوال کے جواب میں کہ میرے بیٹے معتز اور مؤید بہتر ہیں یا علیؑ کے بیٹے حسنؑ حسینؑ" یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹوں کو میں حسنینؑ کے غلام قنبر کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔" متوکل نے ان کی زبان گدی سے کھینچوائی تھی۔ متوکل کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ آل محمدؐ کی قبروں کو مسمار کرنا ہے۔ اس کے عام حالات یہ ہیں " یہ بڑا ظالم، دائم الخمر اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں ان سب سے مجامعت کر چکا تھا۔ اس کے دربار میں ہزل اور مسخرین بہت ہوتا تھا جو تمسخر میں بڑھ کر ہوتا۔ وہی اس کا زیادہ مقرب ہوتا تھا۔ وہ محفل بزم میں مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ ناخوش ظرافتیں کرتا تھا۔ کبھی مجلس میں شیر کو چھوڑوا دیتا کبھی کسی کی آستین میں سانپ چھوڑ دیتا تھا۔ جب وہ کاٹتا تو تریاق سے مداوا کرتا کبھی مٹکوں میں بچھو بھروا کر انہیں مجلس میں توڑوا دیتا۔ وہ مجلس میں پھیل جاتے کسی کو حرکت کرنے کا یارا نہ ہوتا۔ اس نے ایک فرمان کی رو سے مذہب معتزلہ کو خلاف حکومت قرار دیا تھا۔ معتزلیوں کو سرکاری عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔ سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل ناصبی تھا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ کا سخت دشمن تھا۔ صاحب گلزار شاہی لکھتے ہیں کہ اس کے وقت میں سادات بیچارے مصیبت کے مارے جلاوطن ہو گئے۔ کربلا کے روضے جو عمر بن عبدالعزیز نے بنوائے تھے اور ان کے گرد کے مکانات اس نے مسمار کروا دیئے اور لوگوں کو زیارت سے منع کیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے حکم دیا کہ کوئی مزار حیدر کرار اور ان کی اولاد کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہداء کربلا کے روضے ہموار کر کے ان پر زراعت کے لئے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ اور تاریخ کامل میں ہے کہ متوکل نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے مزار اور اس کے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کی

جائے اور لوگوں کو اس مقام میں جانے کی یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دے گا وہ قید کیا جائے گا۔ تواریخ میں ہے کہ ہر چند فرمان بردوں نے کوشش کی، مگر پانی امامؑ اور تمام شہداء عترت طاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اس ذلت سے اور اس سبب سے اس مشہد مقدس کو حائر کہنے لگے۔ متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں اور ہجویں کہیں۔ اس نے بنی فاطمہ سے باغ فدک بھی چھین لیا تھا۔ غیر مسلموں کو عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ نصاریٰ کو حکم دیا کہ گلے میں زنار باندھیں۔ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، بلکہ گدھے اور خچر پر سوار ہوں اور رکابیں کاٹھ کی رکھیں۔ ۲۳۴ھ میں اس نے تمام محدثین کو سامرہ میں جمع کیا اور انعام و اکرام دے کر حکم دیا کہ صفات ورویت وخلق قرآن کے متعلق حدیثیں بیان کریں۔ چنانچہ اسی لئے ابوبکر ابن شیبہ کو جامع مسجد "رصافہ" میں اور ان کے بھائی "عثمان" کو جامع منصور میں مقرر کیا۔ ان دونوں کے وعظ میں ہر روز قریب ہزار آدمی کے جمع ہوتے تھے۔ سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کیا۔ متوکل کے زمانہ میں بڑی بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں دھنس گئیں۔ آگیں لگیں۔ آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں۔ بادسموم سے بہت سے آدمی اور جانور ہلاک ہوئے۔ آسمان سے مثل ٹڈیوں کے ستارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے (تاریخ اسلام جلد صفحہ ۶۵)

مقام زخار میں ہے کہ متوکل چونکہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس کا مستقل رویہ یہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنے پاس جمع رکھتا تھا جو امیرالمومنین سے بغض وعناد رکھتے تھے اور ان کی توہین میں مسرت محسوس کرتے تھے جیسے ابن جہم شاعر، عمر بن فرج رجی، ابوالسمط ابن انزجہ البوالعیر۔ یہ لوگ متوکل کو ہمیشہ اولادِ علی کے قتل کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ اگر تو نے انہیں باقی رہنے دیا تو یہ ایک نہ ایک دن تیری سلطنت پر قبضہ کر لیں گے۔ ان لوگوں کے ہر وقت ابھارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل کے دل میں آل محمدؐ کی دشمنی پوری طرح قائم ہو گئی۔

وہ چونکہ گانے والی عورتوں کا شائق تھا۔ لہٰذا اس نے شراب پینے کے بعد ایک ایسی عورت کو طلب کیا جس سے وہ بہت زیادہ مانوس تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دوسری عورتیں حاضر ہیں ان سے کام نکالا جائے وہ آجائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ تھوڑی دیر کے بعد پہنچی تو بادشاہ نے پوچھا۔ کہاں گئی تھی اس نے کہا۔ میں حج کو گئی تھی۔ متوکل نے کہا۔ ماہ شعبان میں کون حج کرتا ہے

سچ بتا۔ اُس نے جواب دیا حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لئے چند عورتوں کے ہمراہ چلی گئی تھی یہ سُن کر متوکل بہت غضب ناک ہُوا۔ اور اسے قید کرا دیا۔ اُس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور لوگوں کو زیارت کربلا سے روک دیا اور تین روز کے بعد منادی کرا دی کہ جو شخص حسینؑ کی زیارت کو جائے گا قید کیا جائے گا اور ہر طرف ایک ایک میل کے فاصلہ سے پہرے بٹھا دئیے کہ جو شخص زیارت کو جاتا ہُوا پایا جائے۔ فوراً قید میں بھیج دیا جائے۔ پھر ایک نومسلم یہودی جس کا نام "دیزج" تھا کو حکم دیا کہ کربلا جا کر حسینؑ کی قبر کا نشان مٹا دے اور اس جگہ کو جوتوا کر وہاں کھیت بنا دے اور "ضریح" کو کسی طرف پھینکوا دے" حکم پاتے ہی نومسلم یہودی جسے اسلام اور اسلام کے بانیوں کا صحیح تعارف بھی نہ تھا۔ تعمیل کے لئے روانہ ہوگیا۔ اور وہاں پہنچ کر دو سو جریب زمین اس نے جتوا ڈالی۔ جب قبر منور امام حسینؑ کو جوتنے کے لئے آگے بڑھا تو مسلمانوں نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں اور شہید ہیں۔ قرآن مجید انہیں زندہ بتاتا ہے ہم ہرگز ایسی ناجائز حرکت نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر دیزج نے یہودیوں سے مدد لی۔ اس کے بعد نہر کاٹ کر قبر منور کو زیر آب کرنا چاہا۔ پانی نہر سے چل کر جب قبر کے قریب پہنچا تو اس پر رواں نہ ہوا بلکہ اس کے اردگرد جاری ہوگیا۔ قبر مبارک خشک ہی رہی اس یہودی نے بڑی کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ وہ زمین جہاں تک پانی پھیلا ہوا تھا۔ اسے "حائر" کہتے ہیں۔ کتاب تصویر عزا میں بحوالہ کتاب سرائر مرقوم ہے کہ اس زمین کو حائر اس سبب سے کہتے ہیں کہ لغت عرب میں حائر کے معنی زمین پست کے ہیں۔ اس جگہ بہتا ہوا پانی پہنچ کر ساکن اور حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بہنے کا رستہ نہیں پاتا۔ شیخ شہید علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ زمان متوکل میں چونکہ آپ کی قبر کے نشان کو مٹانے کے لئے پانی جاری کیا گیا تھا اور وہاں پہنچ کر باعجاز حسینی حیران رہ گیا تھا اور اس پر جاری نہیں ہو سکا۔ اس لئے اس مقام کو جس میں پانی ٹھہرا ہُوا تھا "حائر" کہتے ہیں۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ انہدام قبر امام حسینؑ ۲۳۶ھ کا ہے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کی قبر ڈھا دی جائے اور نشان قبر مٹا دیا جائے اور ان کے مزار کے اردگرد جتنے مکانات ہیں انہیں بھی مسمار کر کے اس مقام کو ایک صحرا کی شکل دے دی جائے اور وہاں پر کھیتی کی جائے اور لوگوں کو زیارت امام حسینؑ سے قطعاً روک دیا جائے۔ اس کے بعد سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل بڑا ناصبی تھا۔ اس کے اس فعل سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ اور لوگوں نے اس کی ہجو کی اور دیواروں پر اس کے لئے گالیاں لکھیں۔ یہی کچھ حبیب السیر تاریخ اسلام، تاریخ کامل، حیاۃ الحیوان، تتمۃ زخار۔ امالی شیخ طوسی وغیرہ میں ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر

جن بہت سے شعراء نے اشعار لکھے۔ ان میں ایک شاعر نے کئی شعر کہے ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

(۱) خدا کی قسم بنی اُمیّہ نے اپنے نبی کے نواسہ کو کربلا میں بھوکا اور پیاسا ظلم وجور کے ساتھ قتل کر دیا (۲) تو بنی عباس جو رسولؐ کے چچا کی اولاد ہیں انہوں نے بھی ان پر ظلم میں کمی نہیں کی اور ان کی قبر کو کھدوا کر اسی قسم کے ظلم کا ارتکاب کیا ہے (۳) بنی عباس کو اس قسم کا صدمہ تھا کہ وہ قتل حسینؑ میں شریک نہ ہو سکے تو انہوں نے اس صدمہ کی آگ کو بجھانے کے لئے حضرتؑ کی ہڈیوں پر دھاوا بول دیا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۷)

امالی شیخ طوسی میں ہے کہ متوکل کا فرستادہ جب زیارت سے منع کرنے کے لئے کربلا پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے باز رہنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اگر متوکل ہم سب کو قتل کر دے تب ہی یہ سلسلہ بند ہو سکتا ہے۔ اس نے واپس جا کر متوکل سے واقعہ بیان کیا تو متوکل ۲۴۷ھ تک کے لئے خاموش ہو گیا۔

تواریخ میں ہے کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق امیر فوج نے کربلا والوں کو زیارت امام حسین کرنے سے روکنا چاہا تو ان لوگوں نے فوج سے مرعوب ہونے کے بجائے مقابلہ کا پروگرام بنا لیا۔ اور اپنی جانوں پر کھیل کر اطراف وجوانب سے دس ہزار افراد جمع کر لئے اور سرکاری فوج کے بالمقابل آ کر کہا کہ "اگر متوکل ہم میں سے ایک ایک کو قتل کرڈالے۔ تب بھی یہ سلسلہ بند نہ ہوگا۔ ہماری اولادیں ہماری نسلیں مسلسل اس سنت زیارت کو ادا کریں گی۔ سنو، ہمارے آباؤ اجداد ہی کرتے چلے آئے جو ہم کر رہے ہیں اور ہمارے ابناء واحفاد وہی کریں گے جو ہم کر رہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ تم ہمیں باز رکھنے کی کوشش نہ کرو اور متوکل سے کہہ دو کہ وہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکتیں نہ کرے اور اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے حکم واپس لے لے۔" امیر فوج واپس گیا تو اس نے ساری داستان متوکل کے سامنے دہرا دی۔ متوکل چونکہ ان دنوں سامرہ کی تکمیل میں مشغول تھا۔ اس لئے منصور دوانقی کی طرح تقریباً دس سال خاموش رہا یعنی منصور دوانقی جو تعمیر بغداد کی وجہ سے دس سال تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا۔ متوکل بھی سامرہ کی وجہ سے تقریباً اتنی ہی مدت کے لئے خاموش ہو گیا۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ سامرہ ایک زبردست شہر ہے جو دجلہ کے مشرق میں تکریت اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۲۲۱ھ میں معتصم عباسی نے ڈالی تھی اور مدتوں اس کی تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔

(نور الابصار صفحہ ۱۴۹ و تاریخ قرمانی قلمی)

حکومت کی طرف سے امام علی نقیؑ کی مدینہ سے سامرہ میں طلبی

متوکل ۲۳۲ھ میں خلیفہ ہوا اور اس نے ۲۳۶ھ میں امام حسین علیہ السلام کی قبر کے ساتھ پہلی بار بے ادبی کی لیکن اس میں پوری کامیابی نہ حاصل ہونے پر اپنے فطری بغض کی وجہ سے جو آلِ محمدؐ کے ساتھ تھا۔ وہ حضرت علی نقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ متوکل ۲۴۳ھ میں امام علی نقیؑ کو ستانے کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے حاکم مدینہ عبداللہ بن محمد کو خفیہ حکم دے کر بھیجا کہ فرزند رسولؐ امام علی نقی علیہ السلام کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے حکومت کے منشا کے مطابق پوری توجہ اور پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا۔ خود جس قدر ستا سکا اس نے ستایا اور آپ کے خلاف ریکارڈ کے لیے متوکل کو شکایات بھیجنی شروع کیں۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ حاکم مدینہ نے آپ کے خلاف ریشہ دوانی شروع کر دی ہے اور اس سلسلہ میں اس نے متوکل کو آپ کی شکایات بھیجنا شروع کر دی ہیں، تو آپ نے بھی ایک تفصیلی خط لکھا جس میں حاکم مدینہ کی بے اعتدالی اور ظلم آفرینی کا خاص طور سے ذکر کیا۔ متوکل نے آپ کا خط پڑھ کر آپ کو اس کے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے۔ اس میں حاکم مدینہ کے عمل کی معذرت بھی تھی۔ یعنی جو کچھ وہ کر رہا ہے۔ اچھا نہیں کرتا۔ ہم اس کی طرف سے معذرت خواہ ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اسی بہانہ سے انہیں سامرہ بلا لے۔ خط میں اس نے اتنا نرم لہجہ اختیار کیا تھا جو ایک بادشاہ کی طرف سے نہیں ہوا کرتا۔ یہ سب حیلہ سازی تھی اور غرض محض یہ تھی کہ آپ مدینہ چھوڑ کر سامرہ پہنچ جائیں (نورالابصار صفحہ ۱۴۹) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ کی خاطر سے عبداللہ ابن محمد کو معزول کر کے اس کی جگہ پر محمد بن فضل کو مقرر کر رہا ہوں (جلاء العیون صفحہ ۲۹۲) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ متوکل نے صرف یہی نہیں کیا کہ علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا ہو کہ آپ سامرہ چلے آئیے بلکہ اس نے تین سو (۳۰۰) کا لشکر یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں مدینہ بھیج کر انہیں بلانا چاہا۔ یحییٰ بن ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں حکم متوکل پا کر امام علیہ السلام کو لانے کے لیے بارادہ مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔ میرے ہمراہ تین سو (۳۰۰) کا لشکر تھا اور اس میں ایک کاتب بھی تھا جو امامیہ مذہب رکھتا تھا۔ ہم لوگ اپنے راستہ پر جا رہے تھے اور اس سعی میں تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کو لے آئیں اور متوکل کے سامنے پیش کریں۔ ہمارے ہمراہ جو ایک شیعہ کاتب تھا اس سے ایک لشکر کے افسر سے راستہ بھر مذہبی مناظرہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ ایک عظیم الشان وادی میں پہنچے جس کے اردگرد میلوں کوئی آبادی نہ تھی اور وہ ایسی جگہ تھی، جہاں سے انسان کا مشکل

سے گذر ہوتا تھا۔ بالکل جنگل اور بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ جب ہمارا لشکر وہاں پہنچا تو اس افسر نے جس کا نام "شادی" تھا اور جو کاتب سے مناظرہ کرتا چلا آرہا تھا۔ کہنے لگا۔ اے کاتب تمہارے امام حضرت علی کا یہ قول ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی وادی نہ ہوگی جس میں قبر نہ ہو یا عنقریب قبر نہ بن جائے۔ کاتب نے کہا۔ بے شک۔ ہمارے امام علیہ السلام غالب کل غالب کا یہی ارشاد ہے۔ اس نے کہا۔ بتاؤ اس زمین پر کس کی قبر ہے؟ یا کس کی قبر بن سکتی ہے۔ تمہارے امام یونہی کہہ دیا کرتے ہیں۔ ابن ہرثمہ کا کہنا ہے کہ میں چونکہ حشوی خیال کا تھا لہذا جب یہ باتیں ہم نے سنیں تو ہم سب ہنس پڑے اور کاتب شرمندہ ہوگیا۔ غرض کہ لشکر بڑھتا رہا اور اسی دن مدینہ پہنچ گیا۔ وارد مدینہ ہونے کے بعد میں نے متوکل کا خط امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر لشکر پر نظر ڈالی اور سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن ہرثمہ چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک دوروز کی مہلت ضروری ہے میں نے عرض کی "حضور، خوشی سے" جب حکم ہو فرمائیں۔ میں حاضر ہو جاؤں اور روانگی ہو جائے۔ ابن ہرثمہ کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے میرے سامنے ملازمین سے کہا، کہ درزی بُلا دو اور اس سے کہو کہ مجھے سامرہ جانا ہے لہذا راستے کے لئے گرم کپڑے اور گرم ٹوپیاں جلد سے جلد تیار کر دے۔ میں وہاں سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پر پہنچا اور راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ امامیہ کیسے بے وقوف ہیں کہ ایک شخص کو امام مانتے ہیں جسے (معاذ اللہ) یہ تک تمیز نہیں ہے کہ یہ گرمی کا زمانہ ہے یا جاڑے کا۔ اتنی شدید گرمی میں جاڑے کے کپڑے سلوا رہے ہیں اور اسے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ الغرض میں دوسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جاڑے کے بہت سے کپڑے سلے ہوئے رکھے ہیں اور آپ سامان سفر درست فرما رہے ہیں اور اپنے ملازمین سے کہتے جاتے ہیں دیکھو، کلاہ بارانی اور برساتی وغیرہ رہنے نہ پائے سب ساتھ میں باندھ دو اس کے بعد مجھے کہا اے یحییٰ بن ہرثمہ جاؤ تم بھی اپنا سامان درست کر لو تاکہ مناسب وقت میں روانگی ہو جائے۔ میں وہاں سے نہایت بددل واپس آیا۔ دل میں سوچتا تھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے اس شدید گرمی کے زمانہ میں سردی اور برسات کا سامان ہمراہ لے رہے ہیں اور مجھے بھی حکم دیتے ہیں کہ تم بھی اس قسم کے سامان ہمراہ لے لو۔ مختصر یہ کہ سامان سفر درست ہو گیا اور روانگی ہو گئی۔ میرا لشکر امام علیہ السلام کو گھیرے میں لئے ہوئے جا رہا تھا کہ ناگاہ اسی وادی میں جا پہنچے جس کے متعلق کاتب امامیہ اور افسر شادی میں یہ گفتگو ہوئی تھی کہ یہاں پر کس کی قبر ہے یا ہو گی؟ اس وادی میں پہنچا تھا کہ قیامت آگئی۔ بادل گرجنے لگے بجلی چمکنے لگی اور دوپہر کے وقت اس قدر تاریکی چھائی کہ ایک دوسرے

کو دیکھ نہ سکتا تھا یہاں تک کہ بارش ہوئی اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ عمر بھر نہ دیکھی تھی۔ امام علیہ السلام نے آثار کے پیدا ہوتے ہی ملازمین کو حکم دیا کہ برساتی اور بارانی ٹوپیاں پہن لو اور ایک برساتی یحییٰ بن ہرثمہ اور ایک کاتب کو دے دو۔ غرض کہ خوب بارش ہوئی اور ہوا اتنی ٹھنڈی چلی کہ "جان کے لالے پڑ گئے" جب بارش تھمی اور بادل چھٹے تو میں نے دیکھا کہ ۸۰ افراد میری فوج کے ہلاک ہو گئے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ بن ہرثمہ اپنے مردوں کو دفن کرو اور یہ جان لو کہ "خدائے تعالےٰ ہم چنین پر می گرداند لقاع را از قبور" اس طرح خداوند عالم ہر بقعہ ارض کو قبروں سے پُر کرتا ہے۔ اسی لئے میرے جد نامدار حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ ہوگا جس میں قبر نہ بنی ہو یہ سن کر میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور امام علیہ السلام کے قریب جاکر پابوس ہوا اور ان کی خدمت میں عرض کی "مولا" میں آج آپ کے سامنے مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے اس طرح کلمہ پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ وانکم خلفاء اللہ فی ارضہ اور یقین کر لیا کہ یہی حضرت خدا کی زمین پر خلیفہ ہیں اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر امام علیہ السلام نے جاڑے اور برسات کا سامان نہ لیا ہوتا تو آج کیا ہوتا اور اگر مجھے نہ دیا ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر "عسکر" پہنچا اور آپ کی امامت کا قائل رہ کر زندہ رہا اور تا حیات آپ کے جد نامدار کا کلمہ پڑھتا رہا (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۴) علامہ جامی اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ دو سو سے زائد افراد آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے سامرہ پہنچے۔ وہاں آپ کے قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور حکم تھا متوکل کا کہ انہیں فقیروں کے ٹھہرانے کی جگہ پر اتارا جائے چنانچہ آپ کو "خان الصعالیک" میں اتارا گیا وہ جگہ بدترین تھی وہاں شرفا نہیں جایا کرتے تھے۔ ایک دن صالح بن سعید نامی ایک شخص جو آپ کے ماننے والے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے "مولا" یہ لوگ آپ کی قدر و منزلت پر پردہ ڈالنے اور نور خدا کو چھپانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں، "کجا حضور کی ذات اقدس اور کجا یہ قیام گاہ"۔ حضرت نے فرمایا۔ اے صالح، تم تنگ دل نہ ہو۔ میں اس کی عزت افزائی کا خواہاں اور ان کی کرم گستری کا جویاں نہیں ہوں۔ خداوند عالم نے آلِ محمدؐ کو جو درجہ دیا ہے اور جو مقام عطا فرمایا ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اے صالح بن سعید، میں تمہیں خوش کرنے کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام پر دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ خداوند عالم نے یہاں بھی میرے لئے جنت جیسا بند و بست فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور صالح کی نظر میں بہترین باغ بہترین قصور اور بہترین نہریں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ صالح کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے قدرے

تسلی ہو گئی (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۸ و نور الابصار صفحہ ۱۵۰)

امام علی نقی علیہ السلام کی نظر بندی

امام علی نقی علیہ السلام کو دھوکہ سے بلانے کے بعد پہلے تو خان الصعالیک میں پھر اس کے بعد ایک دوسرے مقام میں آپ کو نظر بند کر دیا اور تا حیات اسی میں قید رکھا۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ متوکل آپ کے ساتھ ظاہرداری ضرور کرتا تھا لیکن آپ کا سخت دشمن تھا۔ اس نے حیلہ سازی اور دھوکہ بازی سے آپ کو بلایا اور در پردہ ستانے اور تباہ کرنے اور مصیبتوں میں مبتلا کرنے کے درپے رہا (نور الابصار صفحہ ۱۵۰)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ متوکل نے آپ کو جبراً بلا کر سامرہ میں نظر بند کر دیا اور تا زندگی باہر نہ نکلنے دیا۔ (صواعق محرقہ ۱۲۴)

امام علی نقی علیہ السلام کا جذبہ ہمدردی

مدینہ سے سامرہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمد کا تانتا بندھا رہا۔ لوگ آپ سے فائدہ اٹھاتے اور دینی اور دنیاوی امور میں آپ سے مدد چاہتے رہے اور آپ حل مشکل میں ان کے کام آتے رہے۔ علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ سامرہ پہنچنے کے بعد جب کہ آپ کی نظربندی میں سختی اور شدت نہ تھی۔ ایک دن آپ سامرہ کے ایک قریہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد ایک سائل آپ کے مکان پر آیا۔ اسے یہ معلوم ہوا کہ آپ فلاں گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ وہاں چلا گیا اور جا کر آپ سے ملا۔ آپ نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ تمہارا کیا کام ہے؟" اس نے عرض کی، مولا! میں غریب آدمی ہوں۔ مجھ پر دس ہزار درہم قرضہ ہو گیا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں۔ مولا، خدا کے لئے مجھے اس بلا سے نجات دلائیے۔ حضرت نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ انشاء اللہ، تمہارے قرضہ کی ادائیگی کا بندوبست ہو جائے گا۔ وہ سائل رات کو آپ کے ہمراہ مقیم رہا صبح کے وقت آپ نے اس سے کہا کہ میں تمہیں جو کہوں اس کی تعمیل کرنا۔ اور دیکھو، اس امر میں ذرا بھی مخالفت نہ کرنا۔ اس نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا۔ آپ نے اسے ایک خط لکھ کر دیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ "میں دس ہزار درہم اس کے ادا کر دوں گا" اور فرمایا کہ کل میں سامرہ پہنچ جاؤں گا۔ جس وقت میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوں، تو تم مجھ سے روپے کا تقاضہ کرنا۔ اس نے عرض کی، حضور! یہ کیوں کر ہو سکتا ہے، کہ میں

لوگوں میں آپ کی توہین کروں۔ حضرت نے فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔ میں تم سے جو کہوں، وہ کرو، غرض کہ سائل چلا گیا اور جب آپ سامرہ واپس ہوئے اور لوگوں کو آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو اعیان شہر آپ سے ملنے آئے۔ جس وقت آپ لوگوں سے محو ملاقات تھے سائل مذکور بھی پہنچ گیا۔ سائل نے ہدایت کے مطابق آپ سے رقم کا تقاضا کیا۔ آپ نے بہت نرمی سے اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ ٹلا اور بدستور رقم مانگتا رہا بالآخر حضرت نے اس سے تین دن میں ادائیگی کا وعدہ فرمایا اور وہ چلا گیا۔ یہ خبر جب بادشاہِ وقت کو پہنچی تو اس نے مبلغ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں بھیج دیئے، تیسرے دن جب سائل آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ تیس ہزار درہم لے لے اور اپنی راہ لگ۔ اس نے عرض کی، مولا، میرا قرضہ تو صرف دس ہزار ہے آپ تیس ہزار دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو قرضہ کی ادائیگی سے بچے اسے اپنے بچوں پر صرف کرنا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور یہ پڑھتا ہوا "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت و امامت کا کون اہل ہے۔ اپنے گھر چلا گیا (نور الابصار صفحہ ۱۴۹ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۷۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۱)

امام علی نقی علیہ السلام کی سامرہ رسیدگی کے بعد

متوکل کی نیت خراب تھی ہی۔ امام علیہ السلام کے سامرہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنی نیت کا مظاہرہ عمل سے شروع کیا اور آپ کے ساتھ نامناسب طریقہ سے دل کا بخار نکالنے کی طرف متوجہ ہوا لیکن "اللہ" جس کی لاٹھی میں آواز نہیں اس نے اسے کیفر کردار تک پہونچا دیا، مگر اس کی زندگی میں بھی ایسے آثار اور اثرات ظاہر کئے جن سے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا، خداوند اسے پسند نہیں کرتا۔ مؤرخ اعظم لکھتے ہیں کہ متوکل کے زمانہ میں بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں دھنس گئیں۔ آگیں لگیں، آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں۔ باد سموم سے بہت سے جانور اور آدمی ھلاک ہوئے۔ آسمان سے مثل ٹڈیوں کے کثرت سے ستارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے۔ رمضان ۲۴۳ھ میں حلب میں ایک پرندہ کوے سے بڑا آکر بیٹھا اور یہ شور مچایا "یاایھا الناس اتقوا اللہ اللہ اللہ" چالیس دفعہ یہ آواز لگا کر اڑ گیا۔ دو دن ایسا ہی ہوا (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۶۵)

امام علی نقیؑ اور سواری کی برق رفتاری

علامہ طبرسی رقم طراز ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مدینہ سے سامرہ تشریف لے جانے کے بعد ایک دن ابوہاشم نے کہا۔ مولا، میرا دل نہیں مانتا کہ میں ایک دن بھی آپ کی زیارت سے محروم رہوں بلکہ جی چاہتا ہے کہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں۔ حضرت نے پوچھا اس کے لئے تمہیں کون سی رکاوٹ ہے انہوں نے عرض کی میرا قیام بغداد میں ہے۔ اور میری سواری کمزور ہے۔ حضرت نے فرمایا "جاؤ" اب تمہاری سواری کا جانور طاقت ور ہو جائے گا اور اس کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔ ابوہاشم کا بیان ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے ایسا ہو گیا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں نماز ظہر سامرہ عسکر میں اور نماز مغرب بغداد میں پڑھنے لگا (اعلام الوری صفحہ ۲۰۸)

دو ماہ قبل عزل قاضی کی خبر

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے آپ کے ایک ماننے والے نے اپنی تکلیف بیان کرتے ہوئے بغداد کے قاضی شہر کی شکایت کی اور کہا کہ مولا وہ بڑا ظالم ہے ہم لوگوں کو بے حد ستاتا ہے آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں وہ دو ماہ بعد بغداد میں نہ رہے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ جونہی دو ماہ پورے ہوئے، قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر اپنے گھر بیٹھ گیا۔

آپ کا احترام جانوروں کی نظر میں

علامہ موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ متوکل کے مکان میں بہت سی بطخیں پلی ہوئی تھیں جب کوئی وہاں جاتا تو وہ اتنا شور مچایا کرتی تھیں کہ کان پڑی بات سنائی نہ دیتی تھی لیکن جب امام علیہ السلام تشریف لے جاتے تھے تو وہ سب خاموش ہو جاتی تھیں اور جب تک آپ وہاں تشریف رکھتے تھے وہ چپ رہتی تھیں (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۹)

امام علی نقی علیہ السلام اور خواب کی عملی تعبیر

احمد بن عیسی الکاتب کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفے صلعم تشریف فرما ہیں اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور اپنے دست مبارک سے ایک مٹھی خرما اس طشت سے عطا

یا جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ میں نے انہیں گنا تو وہ پچیس تھے۔ اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہ رہے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امام علی نقیؑ سامرہ سے تشریف لائے ہیں۔ میں ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک طشت رکھا ہے جس میں خرمے ہیں میں نے حضرت کو سلام کیا۔ حضرت نے جواب سلام دینے کے بعد ایک مٹھی خرما مجھے عطا فرمایا۔ میں نے ان خرموں کو شمار کیا تو پچیس تھے۔ میں نے عرض کی مولا کیا کچھ اور خرما مل سکتا ہے جواب میں فرمایا کہ اگر خواب میں تمہیں رسولؐ نے اس سے زیادہ دیا ہوتا تو میں بھی اضافہ کر دیتا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)۔ اسی قسم کا واقعہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام علی رضا علیہم السلام کے لئے بھی گذرا ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام اور فقہائے مسلمین

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ آلِ محمدؐ ہی وہ ہیں جن کے گھر میں قرآن مجید نازل ہوا۔ ان سے بہتر نہ قرآن کا سمجھنے والا ہے نہ اس کی تفسیر جاننے والا۔ علماء کا بیان ہے کہ جب متوکل کو زہر دیا گیا تو اس نے یہ نذر مانی کہ "اگر میں اچھا ہو گیا تو راہِ خدا میں" مال کثیر" دوں گا۔ پھر صحت پانے کے بعد اس نے اپنے علماء اسلام کو جمع کیا اور ان سے واقعہ بیان کر کے مال کثیر کی تفصیل معلوم کرنی چاہی۔ اس تمام جواب میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بیان دیا۔ ایک فقیہ نے کہا مال کثیر سے ایک ہزار درہم، دوسرے فقیہ نے کہا، دس ہزار درہم تیسرے نے کہا ایک لاکھ درہم مراد لینا چاہیئے۔ متوکل نے جب ہر فقیہ سے علیحدہ جواب سنا، تو تشویش میں پڑ گیا اور غور کرنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ متوکل ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دربان سامنے آیا جس کا نام "حسن" تھا اور عرض کرنے لگا کہ حضور اگر مجھے حکم ہو تو میں اس کا صحیح جواب لا دوں۔ متوکل نے کہا کہ بہتر ہے "جواب لاؤ" اگر تم صحیح جواب لائے تو دس ہزار درہم تم کو انعام دوں گا۔ اگر تسلی بخش جواب نہ لا سکے تو سو کوڑے ماروں گا۔ اس نے کہا۔ مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد دربان حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ امام علیہ السلام جو نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دربان کو دیکھ کر بولے "اچھا! مال کثیر کی تفصیل پوچھنے آیا ہے" جا "اور متوکل سے کہہ دے مال کثیر سے مراد اسی درہم ہے" دربان نے متوکل سے یہی کہہ دیا۔ متوکل نے کہا، جا کر دلیل معلوم کر۔ وہ واپس آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے لئے آیا ہے کہ "لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ" اے رسولؐ! اللہ نے تمہاری مدد مواطن کثیرہ یعنی بہت سے مقامات

پر کی ہے جب ہم نے ان مقامات کا شمار کیا جن میں خدا نے آپ کی مدد فرمائی ہے تو وہ حساب سے اسی ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ لفظ کثیر کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔ یہ سن کر متوکل خوش ہو گیا اور اس نے اسی درہم صدقہ نکال کر دس ہزار درہم دربان کو انعام دیا (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱۶)

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ متوکل کے دربار میں ایک نصرانی پیش کیا گیا جو مسلمان عورت سے زنا کرتا ہوا پکڑا گیا جب وہ دربار میں آیا تو کہنے لگا مجھ پر حد جاری نہ کی جائے۔ میں اس وقت مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ سن کر قاضی یحییٰ بن اکثم نے کہا کہ اسے چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ یہ مسلمان ہو گیا۔ ایک فقیہہ نے کہا کہ نہیں حد جاری ہونا چاہیئے، غرض کہ فقہائے مسلمین میں اختلاف ہو گیا۔ متوکل نے جب دیکھا کہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا تو حکم دیا کہ امام علی نقی علیہ السّلام کو خط لکھ کر ان سے جواب منگایا جائے۔ چنانچہ مسئلہ لکھا گیا۔ حضرت امام علیہ السّلام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا "یضرب حتیٰ یموت" کہ اسے اتنا مارنا چاہیئے کہ مر جائے۔ جب یہ جواب متوکل کے دربار میں پہنچا تو یحییٰ ابن اکثم قاضی شہر اور فقیہہ سلطنت نیز دیگر فقہاء نے کہا۔ اس کا کوئی ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ براہِ مہربانی اس کی وضاحت فرمایئے۔ آپ نے خط ملاحظہ فرما کر یہ آیت تحریر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے (جب کافروں نے ہماری سختی دیکھی تو کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا کہنا ان کے لئے مفید نہ ہوا۔ اور نہ ایمان لانا کام آیا) آیت پڑھنے کے بعد متوکل نے تمام فقہاء کے اقوال کو مسترد کر دیا اور نصرانی کے لئے حکم دے دیا کہ "اسے اس قدر مارا جائے کہ مر جائے"۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰)

شاہِ رُوم کو اِمام علی نقی علیہ السّلام کا جواب

علامہ محمد باقر نجفی لکھتے ہیں کہ بادشاہِ رُوم نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے جس میں یہ سات لفظ نہ ہوں (۱) ت (۲) ج (۳) خ (۴) ز (۵) ش (۶) ظ (۷) ف۔ وہ جنت میں جائے گا۔ اس دیکھنے کے بعد میں نے توریت و زبور کا اچھی طرح مطالعہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی سورہ اس میں نہیں ملا۔ آپ ذرا اپنے علماء سے تحقیق کر کے لکھئے کہ شاید یہ بات آپ کے قرآن مجید میں ہو۔ بادشاہِ وقت نے بہت سے علماء جمع کئے اور ان کے سامنے یہ چیز پیش کی۔ سب نے بہت دیر تک غور کیا لیکن کوئی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ تسلی بخش جواب دے سکے۔ جب خلیفہ وقت تمام علماء سے مایوس ہو گیا تو امام علی نقی کی طرف توجہ کی۔ جب آپ دربار میں تشریف لائے اور آپ کے سامنے مسئلہ لایا گیا تو آپ نے بلا تاخیر فرمایا۔ وہ سورہ حمد ہے۔ اب جو غور کیا گیا تو بالکل ٹھیک پایا گیا۔

بادشاہِ اسلام خلیفۂ وقت نے عرض کی ابن رسول اللہ، کیا اچھا ہوتا، اگر آپ اس کی وجہ بھی یہ بتا دیتے کہ یہ حروف اس سورہ میں کیوں نہیں لائے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سورہ رحمت و برکت ہے۔ اس میں یہ حروف اس لئے نہیں لائے گئے کہ (ث) سے ثبور ہلاکت، تباہی بربادی کی طرف (ج) سے جحیم (جہنم) کی طرف (خ) خبیث یعنی خسران کی طرف (ز) سے زقوم یعنی تھوہڑ کی طرف (ش) سے شقاوت کی طرف (ظ) سے ظلمت کی طرف (ف) سے فرقت کی طرف تبادر ذہنی ہوتا ہے اور یہ تمام چیزیں رحمت و برکت کے منافی ہیں۔

خلیفۂ وقت نے آپ کا تفصیلی بیان شاہ روم کو بھیج دیا۔ بادشاہ روم نے جونہی اسے پڑھا وہ مسرور ہو گیا اور اسی وقت اسلام لایا اور تاحیات مسلمان رہا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ بحوالہ شرح شافیہ ابوفراس)

متوکل کے کہنے سے ابن سکیت و ابن اکثم کا امام علی نقیؑ سے سوال

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر کاموں سے فراغت کے بعد ابن سکیت کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ابوالحسن سے ذرا سخت سوال کرو۔ ابن سکیت نے اپنی قابلیت بھر سوال کئے۔ امام علیہ السلام نے تمام سوالات کے مفصل اور مکمل جواب دیئے۔ یہ دیکھ کر یحییٰ بن اکثم قاضی سلطنت نے کہا۔ اے ابن سکیت، تم نحو، شعر، لغت کے عالم ہو تمہیں مناظرہ سے کیا دلچسپی ٹھہرو، میں سوال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک سوالنامہ نکالا جو پہلے سے لکھ کر اپنے ہمراہ رکھے ہوئے تھا اور حضرت کو دے دیا۔ حضرت نے اس کا اسی وقت جواب لکھنا شروع کر دیا اور ایسا مکمل جواب دیا کہ قاضی شہر کو متوکل سے کہنا پڑا کہ ان جوابات کو پوشیدہ رکھا جائے۔ ورنہ شیعوں کی اور حوصلہ افزائی ہو گی۔ ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قرآن مجید میں "سبعۃ ابحر" اور "ما نفدت کلمات اللہ" جو ہے ان میں کن سات دریاؤں کی طرف اشارہ ہے اور کلمات اللہ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ سات دریا یہ ہیں (۱) عین الکبریت (۲) عین الیمن (۳) عین البرہوت (۴) عین الطبریہ (۵) عین السیدان (۶) عین الافریقہ (۷) عین الباحوران اور کلمات سے ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ مراد ہے، جن کے فضائل احصار ناممکن ہے (مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱۷)

قضا و قدر کے متعلق امام علی نقی علیہ السلام کی رہبری

قضا و قدر کے بارے میں تقریباً تمام فرقے جادہ اعتدال سے

ہٹے ہوئے ہیں اس کی وضاحت میں کوئی جبر کا قائل نظر آتا ہے کوئی مطلقاً تفویض پر ایمان رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے ہمارے امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح قضا و قدر کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے "لاجبر ولا تفویض بل امر بین الامرین" نہ انسان بالکل مجبور ہے نہ بالکل آزاد ہے بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔ میں حضرت کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ انسان اسباب و اعمال میں بالکل آزاد ہے اور نتیجہ کی برآمدگی میں خدا کا محتاج ہے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴)

علماء امامیہ کی ذمہ داریوں کے متعلق امام علی نقی ؑ کا ارشاد

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے علماء غیبت قائم آل محمد ؐ کے زمانہ میں محافظ دین اور رہبر علم و یقین ہوں گے۔ ان کی مثال شیعوں کے لئے بالکل ویسی ہی ہوگی جیسی کشتی کے لئے ناخدا کی ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ضعیفوں کے دلوں کو تسلی دیں گے وہ افضل ناس اور قائد ملت ہوں گے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)

امام علی نقی علیہ السلام کی خانہ تلاشی

مؤرخین کا بیان ہے کہ ۲۴۳ھ میں امام علی نقی علیہ السلام سامرہ پہنچکر نظر بند ہو گئے۔ لیکن آپ نے اس حالت میں بھی فرائض امامت ادا کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں فرمایا۔ اور فریضہ منصبی تبلیغ دین اسلام برابر فرماتے رہے چونکہ آپ فرزند رسول اور عالم اہل زمانہ تھے۔ اس لئے آپ کا وقار لوگوں کی نگاہوں میں روز بروز بڑھتا گیا۔ آپ لوگوں کو اصول اسلام اور عبادت کی تعلیم فرمایا کرتے تھے اور خود بھی شب و روز عبادت گذاری میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ امور سلطنت میں کوئی دخل کسی طرح سے نہ دیں گے اور اپنے کو ہر وقت مشغول حق رکھیں گے اور یہی کچھ کرتے رہے لیکن دنیا والے کب کسی اللہ والے کو چین لینے دیتے ہیں وہ لوگ یہ بھی برداشت نہ کر سکے کہ امام عزت و وقار اور سکون و اطمینان ظاہری کی زندگی بسر کریں۔ بالآخر ظالم متوکل سے چغلی کھانا شروع کیا اور اسے اس درجہ بھڑکایا کہ وہ آپ کی حیثیت سے قطع نظر کر کے آپ کی خانہ تلاشی پر آمادہ ہو گیا۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کی کہ حضرت علی نقی علیہ السلام کے گھر میں ہتھیار اور خطوط وغیرہ ان کے شیعوں کے بھیجے ہوئے جمع ہیں۔ نیز متوکل کو یہ بھی وہم دلایا گیا کہ حضرت علی نقی علیہ السلام اپنے لئے امر خلافت کے طالب ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کئے کہ رات کو انہیں گرفتار کر لائیں۔ سپاہیوں نے اچانک حضرت علی نقی ؑ کے گھر

میں پہنچ کر دیکھا کہ وہ بالوں کا کرتہ پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں سپاہیوں نے ان کو اسی حالت میں لے جا کر متوکل کے سامنے پیش کیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب لئے ہوئے مے نوشی کر رہا تھا۔ حضرت علی نقیؑ کو دیکھ کر اس نے تعظیم کی۔ اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ ان کے گھر میں کوئی شئے از قسم اسلحہ وکتب وغیرہ نہیں ملی اور نہ کوئی ایسی بات پائی گئی جس سے ان پر شک والزام قائم ہو۔ یہ سن کر متوکل نے وہ جام شراب جو اس کے ہاتھوں میں تھا حضرت علی نقیؑ کی جانب بڑھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا گوشت وخون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھ۔ متوکل نے کہا کہ اچھا اگر شراب نہ پیو تو کچھ اشعار پڑھو۔ حضرت علی نقیؑ نے فرمایا کہ مجھے اشعار سے کم دلچسپی ہے۔ متوکل نے نہ مانا اور کہا کہ ضرور کچھ پڑھو۔ امام علی نقیؑ نے مجبور ہو کر چند شعر ارشاد فرمائے جن کا حاصل مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سکونت اختیار کی۔ ان کو بھی موت نے نہ چھوڑا اور عزت کی بلندی سے خاک مذلت پر گرا کر کشاں کشاں قبروں میں پہنچا دیا۔ بعد ازاں ان کو ہاتف نے آواز دی کہ اے قبر والو! کہاں گئے تمہارے تخت وتاج اور کہاں ہیں تمہارے لباس نفیس اور کیا ہوئے وہ ناز پروردہ چہرے جن کے لئے خیمے اور سراپردے نصب کئے جاتے تھے اس وقت قبر نے ان کی جانب سے جواب دیا کہ دنیا میں وہ مدت تک کھاتے پیتے رہے آخر کار خود لقمۂ حشرات الارض ہو گئے اور اب ان پر کیڑے رینگ رہے ہیں۔ علامہ معاصر مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ نے امام علیہ السلام کے اشعار کا ترجمہ اس طرح نظم فرمایا ہے ؎

رہے پہاڑوں کی چوٹی پہ پہرے بٹھلا کر	پہاڑوں کی حراست میں بچ سکے نہ مگر
بلند قلعوں کی عزت جو پست ہو کے رہی	تو کنج قبر میں منزل بھی کیا بری پائی!
صدا یہ ان کو دی ہاتف نے بعد دفن لحد	کہاں ہیں تخت وہ تاج اور وہ لباس جسد
کہاں وہ چہرے ہیں جو تھے ہمیشہ زیر نقاب	غبار جن پہ کبھی آنے دیتے تھے نہ حجاب
زبان حال سے بولے جواب میں مدفن	وہ رخ زمین کے کیڑوں کا بن گئے مسکن
غذائیں کھائیں شرابیں جو پی تھیں حد سے سوا	نتیجہ اس کا ہے خود آج بن گئے وہ غذا

دسویں امام صفحہ ۸

جب امام علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے تو متوکل اور حاضرین پر کمال رقت طاری ہوئی اور متوکل اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ لہذا اس نے حکم دیا کہ شراب

اٹھائی جائے اور حضرت امام علی نقیؑ کو ان کے گھر پہنچا دیا جائے۔ ملاحظہ ہو کتاب وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۳۲۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۰۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۲) علامہ شبلنجی نے ان اشعار کے چار ابتدائی اشعار بھی لکھے ہیں اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہی اشعار سیف بن ذی یزن حمیری کے قصر پر لکھے ہوئے دیکھے گئے ہیں کنز الفوائد اور کنز المدفون میں ہے کہ متوکل نے روتے روتے اپنے ہاتھ سے جام زمین پر پھینک دیا تھا۔

خاندانِ رسولؐ کو بدنام کرنے کی کوشش

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل جب امام علی نقی علیہ السلام کو شراب پلانے میں کامیاب نہ ہوسکا تو ایک دن اپنے ارکان دولت سے کہنے لگا کہ میں نے یہ چاہا تھا کہ امام علی نقیؑ میرے ہمراہ ایک دفعہ شراب پی لیں تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں لیکن وہ کسی طرح اس چیز پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب کیا کرنا چاہیئے کہ ان کی اور ان کے خاندان کی بدنامی ہوسکے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ بادشاہ اس کی ایک ترکیب یہ ہے کہ تو ان کے رشتے کے بھائی موسےٰ کو مدینہ سے بلا کر مجلس شراب میں انہیں شریک کر اور باہر ان کے حالات کا حوالہ دے کر مشہور کرادے کہ امام علی نقی علیہ السلام کے بھائی خوب شراب پیتے ہیں۔ لوگ اس شہرت سے علی نقیؑ اور ان کے خاندان کا بھی قیاس کریں گے۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور انہیں دعوت نامہ ارسال کر دیا۔ وہ چونکہ خود شرابی تھے۔ اس لیے متوکل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ امام علی نقی علیہ السلام نے شہر سے باہر جا کر ان سے ملاقات کی اور تمام راز ان پر ظاہر کر کے فرمایا کہ تم شراب یہاں نہ پینا۔ انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا تم اگر نہیں مانتے تو میری بھی سن لو۔ انشاءاللہ متوکل سے تمہاری بات بھی نہ ہوسکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ تین سال وہاں مقیم رہ کر واپس چلے گئے اور متوکل سے ملاقات نہ کر سکے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۰۹)

امام علی نقی علیہ السلام اور شیر قالین

ملا جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن متوکل کے پاس ایک مشہور ہندی شعبدہ باز آیا اور اس نے بہت سے کرتب دکھلائے متوکل نے اس سے کہا کہ میرے دربار میں ایک نہایت شریف شخص عنقریب آنے والا ہے۔ اگر تو اسے اپنے کرتب سے شرمندہ کر دے تو میں تجھے

ایک ہزار اشرفی انعام دوں گا۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ جب وہ آجائے تو کھانے کا بندوبست کر اور مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دے۔ میں ایسا کروں گا کہ سخت شرمندہ ہو گا یہ سن کر متوکل خوش ہو گیا اور جب آپ تشریف لائے تو ... لایا گیا اور سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ امام علیہ السلام نے جونہی لقمہ اٹھایا اور تناول فرمانا چاہا۔ اس نے جادو کے زور سے اسے اڑا دیا۔ اسی طرح تین مرتبہ اس نے کیا۔ آخر میں سارا مجمع ہنس پڑا۔ امام علی نقی علیہ السلام یہ دیکھ کر اس قالین کی طرف متوجہ ہوئے جو دیوار میں لگا ہوا تھا اور اس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے شیر قالین کو حکم دیا کہ مجسم ہو کر اس کافر ازلی کو نگل لے۔ شیر مجسّم ہوا اور اس نے بڑھ کر کافر ہندی کو مسلم نگل لیا۔ اس واقعہ سے دربار میں ہلچل مچ گئی۔ متوکل سرنگوں ہو گیا۔ اور امام علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس شیر قالین کو جو پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے حکم دیجئے کہ اس کافر ہندی کو اُگل دے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہو گا اور اٹھ کر چلے گئے۔ ایک روایت کی بنا پر آپ نے جواب دیا کہ اگر موسیٰؑ کے اژدھے نے فرعون کے سانپوں کو نگل لینے کے بعد اگل دیا ہوتا تو یہ شیر بھی اُگل دیتا۔ چونکہ اس نے نہیں اُگلا تھا۔ اس لئے یہ بھی نہ اُگلے گا۔ (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۹ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۵)

امام علی نقی علیہ السلام اور عبدالرحمٰن مصری کا ذہنی انقلاب

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ ایک دن متوکل نے برسر دربار امام علی نقی کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر کے آپ کو دربار میں طلب فرمایا۔ آپ سواری پر تشریف لائے۔ عبدالرحمٰن مصری کا بیان ہے کہ میں سامرہ گیا ہوا تھا اور متوکل کے دربار کا یہ حال سنا کہ ایک علوی کے قتل کا حکم دیا گیا ہے تو میں دروازہ پر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ دیکھوں وہ کون شخص ہے جس کے قتل کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ امام علی نقیؑ تشریف لا رہے ہیں مجھے کسی نے بتایا کہ اسی علوی کے قتل کا بندوبست ہوا ہے۔ میری نظر جونہی ان کے چہرہ پر پڑی۔ میرے دل میں ان کی محبت سرایت کر گئی اور میں دعا کرنے لگا۔ خدایا متوکل کے شر سے اس شریف علوی کو بچانا۔ میں دل میں دعا کر ہی رہا تھا کہ آپ نزدیک آپہنچے اور مجھ سے بلا جانے پہچانے فرمایا، کہ اے عبدالرحمٰن، تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے اور میں انشاء اللہ محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ دربار میں آپ پر کوئی ہاتھ نہ اٹھا سکا اور آپ محفوظ رہے۔ پھر آپ نے مجھے دعا دی اور میں مالا مال ہو گیا اور صاحب اولاد ہو گیا عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ میں اسی وقت سے آپ کی امامت کا قائل ہو کر شیعہ ہو گیا ہوں (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۳ - دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵)

امام علی نقی علیہ السلام اور برکۃ السباع

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل کے دربار میں ایک عورت جوان اور خوب صورت آئی۔ اور اس نے آکر کہا کہ میں زینب بنت علی و فاطمہ ہوں۔ متوکل نے کہا کہ تو جوان ہے اور زینبؑ کو پیدا ہوئے اور وفات پائے عرصہ دراز گذر گیا۔ اگر تجھے زینب تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے کہ زینب اتنی عمر تک جوان رہ سکتی ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے رسولِ خدا نے یہ دعا دی تھی کہ میں ہر چالیس اور پچاس سال کے بعد جوان ہو جاؤں۔ اسی لئے میں جوان ہوں۔ متوکل نے علماء دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اس کیس کو پیش کیا۔ سب نے کہا۔ یہ جھوٹی ہے زینبؑ کے انتقال کو عرصہ ہو گیا ہے۔ متوکل نے کہا۔ کوئی ایسی دلیل دو کہ میں اسے جھٹلا سکوں۔ سب نے اپنے عجز کا حوالہ دیا۔ فتح ابن خاقان وزیر متوکل نے کہا کہ اس مسئلہ کو "ابن الرضاؑ" علی نقیؑ کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انہیں بلایا جائے۔ متوکل نے حضرت کو زحمت تشریف آوری دی۔ جب آپ دربار میں پہنچے متوکل نے صورت مسئلہ پیش کی۔ امام نے فرمایا جھوٹی ہے۔ متوکل نے کہا۔ کوئی ایسی دلیل دیجئے، میں اسے جھوٹی ثابت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا۔ میرے جدّ نامدار کا ارشاد ہے کہ "حرم لحوم اولادی علی السباع" درندوں پر میری اولاد کا گوشت حرام ہے۔ اے بادشاہ تو اس عورت کو درندوں میں ڈال دے۔ اگر یہ سچی ہو گی تو اس کا زینب ہونا تو درکنار اگر یہ "سیّدہ" بھی ہو گی تو جانور اسے نہ چھیڑیں گے۔ اور اگر سیادت سے بھی بے بہرہ اور خالی ہو گی تو درندے اسے پھاڑ کھائیں گے۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دربار میں اشارہ بازی ہونے لگی اور دشمنوں نے مل جل کر متوکل سے کہا کہ اس کا امتحان امام علی نقیؑ ہی کے ذریعہ سے کیوں نہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا درندے سیّدوں کو کھاتے ہیں یا نہیں؟ مطلب یہ تھا کہ اگر انہیں جانوروں نے پھاڑ کھایا تو متوکل کا منشا پورا ہو جائے گا اور اگر یہ بچ گئے تو متوکل کی وہ الجھن دور ہو جائے گی جو زینب کذابہ نے ڈال رکھی ہے۔ غرض کہ متوکل نے امام علیہ السلام سے کہا "اے ابن الرضاؑ کیا اچھا ہو تا کہ آپ خود برکۃ السباع میں جا کر اسے ثابت کر دیجئے کہ آلِ رسولؐ کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ امام علی نقی علیہ السلام تیار ہو گئے۔ متوکل نے اپنے بنائے ہوئے برکۃ السباع (شیر خانہ) میں آپؑ کو ڈلوا کر پھاٹک بند کرا دیا اور خود مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا۔ تاکہ وہاں سے امام کے حالات کا مطالعہ کرے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہو گئے جب آپ صحن میں پہنچکر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے آپ کی طرف بڑھنے لگے۔ جن میں تین شیرؑ اور

بروایت دمعہ ساکبہ چھ شیر بھی تھے اور ٹھہر گئے اور آپ کو چھو کر آپ کے گرد پھرنے لگے۔ آپ اپنی آستین ان پر ملتے تھے پھر درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل امام علیہ السلام کے ساتھ چھت پر سے یہ باتیں دیکھتا رہا اور اتر آیا پھر جناب صحن سے باہر تشریف لے آئے۔ متوکل نے آپ کے پاس گراں بہا صلہ بھیجا۔ لوگوں نے متوکل سے کہا تو بھی ایسا کر کے دکھلا دے۔ اس نے کہا شاید تم میری جان لینا چاہتے ہو۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ زینب کذابہ نے جب ان حالات کو بچشم خود دیکھا تو فوراً اپنی کذب بیانی کا اعتراف کر لیا۔ ایک روایت کی بنا پر اسے توبہ کی ہدایت کر کے چھوڑ دیا گیا اور دوسری روایت کی بنا پر اسے درندوں میں ڈلوا کر پھڑوا ڈالا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۱۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۳۔ روضۃ الصفا، فصل الخطاب، علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ عہد رشید عباسی میں جناب یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ابن امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام اور متوکل کا علاج

علامہ عبدالرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نظربندی کی زندگی بسر کر رہے تھے متوکل کے بیٹھنے کی جگہ یعنی کمر کے نیچے جسم کے پچھلے حصہ میں ایک زبردست زہریلا پھوڑا نکل آیا۔ ہر چند کوشش کی گئی مگر کسی صورت سے شفا کی امید نہ ہوئی۔ جب جان خطرہ میں پڑ گئی تو متوکل کی ماں نے منت مانی کہ "اگر متوکل اچھا ہو گیا تو میں "ابن الرضاؑ" کی خدمت میں مال کثیر نذر کروں گی۔ اور فتح بن خاقان نے متوکل سے درخواست کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں مرض کی کیفیت ابوالحسن سے بیان کر کے کوئی دوا تجویز کرا لاؤں متوکل نے اجازت دی اور ابن خاقان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر کے دوا کی تجویز چاہی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا "کسب غنم" لے کر گلاب کے عرق میں حل کر کے لگا دو۔ انشاءاللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وزیر فتح ابن خاقان نے دربار میں امام علیہ السلام کی تجویز پیش کی۔ لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ امام ہو کر کیا دوا تجویز فرمائی ہے۔ وزیر نے کہا۔ اے خلیفہ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اگر حکم ہو تو میں انتظام کروں خلیفہ نے حکم دیا۔ دوا لگائی گئی۔ پھوڑا پھوٹا۔ متوکل کی آنکھ کھل گئی اور رات بھر سویا۔ تین یوم کے اندر شفاء کامل ہو جانے کے بعد متوکل کی ماں نے دس ہزار اشرفی کی سربمہر تھیلی امام علیہ السلام کی خدمت میں بھجوا دی (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۷۔ اعلام الوری صفحہ ۲۰۸)

امام علی نقی علیہ السلام کی دوبارہ خانہ تلاشی

درندوں کی جبہ سائی اور متوکل کے علاج میں امام علیہ السلام کی شاندار کامیابی نے دشمنوں کے دلوں میں حسد کی لگی ہوئی آگ کو اور بھڑکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل جس کی جان آپ ہی کے علاج سے بچی تھی۔ وہ ممنون اور احسان ہونے کی بجائے امام کے درپے آزار ہو کر کھلم کھلا انہیں ستانے کی طرف خصوصی طور پر متوجہ ہو گیا۔ ملا جامی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ واقعہ صحت کے چند ہی دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی اور کہا کہ امام علی نقی ع کے گھر میں سلاح جنگ جمع ہیں اور وہ عنقریب اپنے حامیتیوں کے بل بوتے پر تیری حکومت کا تختہ الٹ دیں گے اور حاکم وقت بن کر تیرے کئے کا بدلہ لیں گے۔ متوکل جو پہلے ہی سے آلِ محمدؐ کا شدید دشمن تھا لوگوں کے کہنے سے بھڑک اٹھا اور اس نے سعید کو بلا کر حکم دیا (جن کی نظر بندی میں اس وقت آپ تھے) کہ تو آدھی رات کو دفعتہً امامؑ کے مکان میں جا کر تلاشی لے اور جو چیز برآمد ہو اسے میرے پاس لے آ۔ سعید حاجب کا بیان ہے کہ میں آدھی رات کو حضرتؑ کے مکان میں کوٹھے کی طرف سے گیا۔ مجھے راستہ نہ ملتا تھا کیونکہ سخت تاریکی تھی۔ امام علیہ السلام نے اپنے مصلےٰ پر سے جو اندر بچھا ہوا تھا۔ آواز دی۔ اے سعید۔ اندھیرا ہے، ٹھہرو، میں شمع لا رہا ہوں۔ غرض کہ میں نے جا کر دیکھا کہ آپ زمین پر مصلےٰ بچھائے ہوئے ہیں اور آپ کے گھر میں ایک شمشیر کے سوا کوئی اسلحہ نہیں ہے اور ایک وہ تھیلی ہے جو متوکل کی ماں نے بھیجی تھی۔ میں نے ان چیزوں کو متوکل کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے انہیں واپس کیا اور وہ اپنے مقام پر شرمندہ ہوا (شواہد النبوت صفحہ ۲۰۸۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۴)

علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ پر پوری سختی شروع کر دی اور آپ کو قید کر دیا۔ پہلے زرافہ کی قید میں رکھا پھر زراقی کی قید میں محبوس کیا (جلاء العیون صفحہ ۲۹۳) علامہ محمد باقر نجفی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ کے پاس جانے پر مکمل پابندی عائد کر دی (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۱) اور حکم دے دیا کہ کوئی بھی آپ کے قریب تک نہ جانے پائے (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۴)

امام علی نقیؑ کے تصورِ حکومت پر خوفِ خدا غالب تھا!

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے قید خانہ اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ اور ہر حال میں یادِ الٰہی عبادت خلق خدا سے استغنا، ثبات قدم صبر استقلال مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا۔ دشمنوں کے ساتھ حلم و مروّت

سے کام لینا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو امام علی نقی علیہ السلام کی سیرت زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے آپ کے مصلّے کے سامنے ایک قبر کھدی تیار رہتی تھی۔ دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت اور دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا۔ میں اپنے دل میں موت کا خیال رکھنے کے لئے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبۂ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک عملی جواب تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا، مگر جو شخص موت کے لئے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے۔ وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سر تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری ہوا کہ باوجود دارالسلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی انتظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح ثابت نہیں ہو سکا اور کبھی سلاطین وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی۔ باوجودیکہ سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دارالسلطنت میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اس کے بیٹے کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغر رومی کی اس سے دشمنی، منتصر کے بعد امرائے حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ مستعین کے دور حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج اور حسن زید الملقب بہ داعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا۔ پھر دارالسلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت، مستعین کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا۔ آخر کو حکومت سے دست برداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترنا۔ پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مویدکی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا۔ ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام بے چینیوں، اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقیؑ کی شرکت کا شبہ تک نہ پیدا ہونا۔ کیا اس طرز عمل کے خلاف نہیں ہے؟ جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والوں کا ہوا کرتا ہے ایک ایسے اقتدار کے مقابلہ میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کے رو سے ناجائز سمجھتے ھیں بلکہ

ان کے ہاتھوں انہیں جلاوطنی، قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ مگر" وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کے کامل مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنی بے لوث حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالف پر پس پشت حملہ کرنے کو اپنے بلند نگاہ اور معیار عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے (دسویں امام صفحہ ۱۶)

قبر حسینی کے ساتھ متوکل کی دوبارہ بے ادبی ۲۴۷ھ

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کو قید کرنے کے بعد پھر متوکل قبر امام حسین علیہ السلام کے انہدام کی طرف متوجہ ہوا اور چاہا کہ اسے نیست و نابود کر دے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کربلا میں قبر حسینی کی زیارت کے لئے اطراف عالم سے عقیدت مندوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا ہے اور بے شمار حضرات زیارت کو آتے ہیں تو متوکل کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور اس نے اس سلسلہ کو بند کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ یہ وہی قبر ہے جس پر حسب تحقیق پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی ۷۰ ہزار فرشتے آسمان سے اُتر کر خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد جاتے اور اس کی زیارت کرتے اور مجاورت کے فرائض روزانہ ادا کرتے ہیں (غنیۃ الطالبین، مجمع البحرین صفحہ ۵۰۲ امالی شیخ طوسی اور جلاء العیون میں ہے کہ متوکل نے اپنی فوج کے دستے کو زیارت کے روکنے اور نہر علقمی کو کاٹ کے قبر سے گذارنے کو بھیجا اور حکم دیا کہ جو شخص زیارت کے آئے اسے قتل کر دیا جائے اور بعض علماء کے بیان کے مطابق یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ پہلے ہاتھ کاٹے جائیں۔ پھر اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس نے معتقدین کو بے چین کر دیا۔ حضرت زید مجنون جو دوست داران آل محمدؐ میں سے تھے، یہ خبر سن کر زیارت کے لئے مصر سے چل کر کوفہ پہنچے۔ وہاں پہنچکر حضرت بہلول دانا سے ملے جو اس وقت بمصلحت اپنے کو دیوانہ بنائے تھے۔ دونوں میں تبادلہ خیالات ہوا اور دونوں زیارت قبر منورؑ کے لئے کربلا روانہ ہو گئے۔ انہوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ ہاتھ کاٹے جائیں تو کٹوائیں گے قتل ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی تو قتل ہو جائیں گے لیکن زیارت ضرور کریں گے۔ جب یہ دونوں کربلا پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ قبر کی طرف نہر علقمی کا رخ موڑ دیا گیا ہے اور اسے زیر آب لانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن نہر کا پانی قبر پر سے گزرنے کی بے ادبی نہیں کرتا۔ پانی قبر تک پہنچکر پھٹ جاتا ہے اور کترا کر اطراف و جوانب قبر کا

بوسہ لیتا ہوا گزر جاتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر ان کا جذبۂ محبت اور ابھر گیا۔ یہ ابھی اسی مقام پر تھے کہ وہ شخص ان کی طرف متوجہ ہوا جو انہدام قبر پر متعین تھا۔ اس نے پوچھا، تم کیوں آئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ زیارت کے لئے، اس نے جواب دیا جو زیارت کو آئے میں اسے قتل کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہوں۔ ان حضرات نے کہا کہ ہم قتل ہی ہونے کی تمنا میں آئے ہیں یہ سن کر وہ ان کے پیروں پر گر پڑا۔ اور اپنے عمل سے تائب ہو کر متوکل کے پاس واپس گیا۔ متوکل نے اسے قتل کرا کے سولی پر چڑھوا دیا۔ پھر پیروں میں رسی باندھ کر بازاروں میں کھنچوایا۔ زید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو فوراً سامرہ پہنچے اور اس کی لاش دفن کی اور اس پر قرآن مجید پڑھا۔

ابھی حضرت زید سامرہ ہی میں تھے کہ ایک دن بڑے دھوم دھام سے ایک جنازہ اٹھایا گیا۔ سیاہ علم ساتھ تھے۔ ارکان دولت اور عمائدین سلطنت ہمراہ تھے۔ چاروں طرف سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ زید نے سمجھا کہ شاید متوکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ متوکل کی ایک کنیز سیاہ کا انتقال ہوا ہے۔ یہ اهتمام اسی کے لئے ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد حضرت زید نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا "اللہ اللہ فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کر دیئے گئے۔ ان پر کوئی رونے والا نہیں بلکہ ان کی قبر کے نشان کو مٹانے کے بھی لوگ درپے ہیں اور ایک منحوس کنیز کا یہ احترام ہے۔ اس کے بعد اسی قسم کے مضامین پر مشتمل چند اشعار لکھ کر حضرت زید مجنون نے متوکل کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے انہیں مقید کر دیا۔ متوکل نے رات کو خواب دیکھا کہ ایک مرد مومن آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید کو اسی وقت رہا کر دے۔ ورنہ میں تجھے ابھی ابھی ہلاک کر دوں گا چنانچہ اس نے اسی وقت زید کو رہا کر دیا۔

متوکل کا قتل

متوکل کے ظلم و تعدی نے لوگوں کو زندگی سے بیزار کر دیا تھا۔ اب اس کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ برسر عام آل محمدؐ کو گالیاں دینے لگا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے بیٹے منتصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہراؑ کے لئے ناسزا الفاظ استعمال کئے۔ منتصر نے علماء سے دریافت کیا کہ جو شخص ایسے الفاظ بنت رسولؐ کے لئے استعمال کرے اس کے لئے کیا حکم ہے۔ علماء نے کہا۔ وہ واجب القتل ہے۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ منتصر نے رات کے وقت بحالت خلوت بہت سے آدمیوں کی مدد سے ظالم متوکل کو قتل کر دیا۔ ہادی التواریخ، تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۶۹۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۴۷ میں ہے کہ یہ واقعہ ۴ شوال ۲۴۷ھ کا ہے بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ متوکل نے اپنے عہد سلطنت میں کئی لاکھ شیعہ قتل کرائے ہیں۔

امام علی نقیؑ کو پیدل چلنے کا حکم

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ قتل متوکل سے تین چار یوم قبل اسی ظالم متوکل نے حکم دیا تھا کہ میری سواری کے ساتھ عام لوگ پیدل تفریح کے لئے چلیں۔ حکم میں امام علیہ السلام خاص طور پر مامور تھے چنانچہ آپ بھی کئی میل پیدل چل کر واپس تشریف لائے اور آپ کو اس سے اس درجہ تعب ہوا کہ آپ سخت عاجز ہو گئے۔ (جلاء العیون صفحہ ۲۹۲

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت

متوکل کے بعد اس کا بیٹا منتصر پھر مستعین پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا معتز ابن متوکل نے بھی اپنے باپ کی سنت کو نہیں چھوڑا۔ اور حضرت کے ساتھ سختی ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی نے آپ کو زہر دے دیا۔ سمہ معتز (انوار الحسینیہ جلد ۲ صفحہ ۵۵) اور آپ بتاریخ ۳ رجب ۲۵۴ھ یوم دوشنبہ انتقال فرما گئے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۹) علامہ ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ معتز کے زمانہ خلافت میں شہید کئے گئے ہیں اور آپ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی ہے۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا ہے (انوار الابصار صفحہ ۱۵۰) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴) دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ میں ہے، کہ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکری علیہ السلام کو مواریث انبیاء وغیرہ سپرد فرمائے تھے۔ وفات کے بعد جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے گریبان چاک کیا تو لوگ معترض ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ سنت انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ نے وفات حضرت ہارون پر اپنا گریبان پھاڑا تھا۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۴۸۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۴۔ آپ پر امام حسن عسکریؑ نے نماز پڑھی اور آپ سامرہ ہی میں دفن کئے گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ (جلاء العیون صفحہ ۲۹۲)

آپکی ازواج واولاد

آپ کی کئی بیویاں تھیں ان میں سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں:۔
(۱) امام حسن عسکری (۲) حسین بن علی (۳) محمد بن علی (۴) جعفر بن علی (۵) دختر مومنہ عائشہ بنت علی (ارشاد مفید صفحہ ۵۰۲۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ طبع مصر)

ابو محمدؑ
حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

بو محمدؐ امام یازدھم جانشین رسول عرش مقام
جس کے جد وجہ خلقت عالم جس کے فرزند سے جہاں کو قیام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارھویں جانشین اور سلسلہ عصمت کی تیرھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب حدیثہ خاتون تھیں۔ محترمہ کے متعلق علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ عفیفہ کریمہ نہایت سنجیدہ اور ورع وتقویٰ سے بھرپور تھیں (جلاء العیون صفحہ ۲۹۵)

حضرت امام علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے (ارشاد مفید صفحہ ۵۰۲) آپ کو صفات حسنہ علم وسخاوت وغیرہ اپنے والد کے ورثہ میں ملے تھے۔ (ارجح المطالب ۴۶۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کو خداوند عالم نے جن فضائل ومناقب اور کمالات اور بلندی سے سرفراز کیا ہے ان میں مکمل ودوام موجود ہے نہ وہ نظر انداز کئے جا سکتے ہیں اور نہ ان میں کہنگی آسکتی ہے اور آپ کا ایک اہم شرف یہ بھی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام آپ ہی کے اکلوتے فرزند ہیں جنہیں پروردگار عالم نے طویل عمر عطا کی ہے (مطالب السئول صفحہ ۲۹۲)

امام حسن عسکری عؑ کی ولادت اور بچپن کے حالات

علماء فریقین کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ آپ بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ یوم جمعہ بوقت صبح بطن جناب حدیثہ خاتون سے بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں ملاحظہ ہو شواہد النبوت صفحہ ۲۱۰ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ نور الابصار صفحہ ۱۰۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۵، ارشاد مفید صفحہ ۵۰۲۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۔ آپ کی ولادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے رکھے ہوئے نام حسن بن علی" سے موسوم کیا (ینابیع المودۃ)

آپ کی کنیت اور آپ کے القاب

آپ کی کنیت "ابو محمد" تھی اور آپ کے القاب

بے شمار تھے جن میں عسکری، ہادی، ذکی خالص، سراج اور ابن الرضا زیادہ مشہور ہیں (نور الابصار صفحہ ۱۵۰۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۱۰۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲) مناقب ابن شہر آشوب جلد ۹ صفحہ ۱۲۵۔ آپ کا لقب عسکری اس لئے زیادہ مشہور ہوا کہ ۱ آپ جس محلہ میں بمقام "سر من رائے" رہتے تھے اسے "عسکر" کہا جاتا تھا اور بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خود بھی قیام پذیر تھا تو اسے "عسکر" کہنے لگے تھے اور خلیفہ متوکل (امام علی نقی علیہ السلام کو مدینہ سے بلا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا تھا۔ نیز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے امام زمانہ کو اسی مقام پر اس نے نوے ہزار لشکر کا معائنہ کرایا تھا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے اسے اپنے خدائی لشکر کا مطالعہ کرایا تھا۔ انہیں وجوہ کی بنا پر اس مقام کا نام "عسکر" ہو گیا تھا۔ جہاں امام علی نقی اور امام حسن علیہم السلام مدتوں مقیم رہ کر عسکری مشہور ہو گئے (بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۴۔ وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۵۔ مجمع البحرین صفحہ ۲۲۲۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ تذکرۃ المعصومین صفحہ ۲۲۲۔

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۲۳۲ھ کے وقت واثق باللہ بن معتصم بادشاہ وقت تھا جو ۲۲۷ھ میں خلیفہ بنا تھا۔ (تاریخ ابو الفداء) پھر ۲۳۲ھ میں متوکل خلیفہ ہوا (تاریخ ابن الوردی) جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے سخت بغض و عناد رکھتا تھا اور ان کی منقصت کرتا تھا (حیاۃ الحیوان و تاریخ کامل) اسی نے ۲۳۶ھ میں امام حسینؑ کی زیارت جرم قرار دی اور ان کے مزار کو ختم کرنے کی سعی کی (تاریخ کامل) اور اسی نے امام علی نقیؑ کو جبراً مدینہ سے سر من رائے میں طلب کرالیا (صواعق محرقہ) اور آپ کو گرفتار کرا کے آپ کے مکان کی تلاشی کرائی (وفیات الاعیان) پھر ۲۴۷ھ میں منتصر بن متوکل خلیفہ وقت ہوا۔ تاریخ ابو الفداء) پھر ۲۴۸ھ میں مستعین خلیفہ بنا (ابو الفداء) پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا (تاریخ ابو الفداء) اسی زمانہ میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا گیا (نور الابصار) پھر ۲۵۵ھ میں بن مہتدی باللہ خلیفہ بنا (تاریخ ابن الوردی) پھر ۲۵۶ھ میں معتمد علی اللہ خلیفہ ہوا (تاریخ ابو الفداء) اسی زمانہ میں ۲۶۰ھ میں امام علیہ السلام زہر سے شہید ہوئے (تاریخ کامل) ان تمام خلفاء نے آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو آل محمدؐ کے ساتھ برتاؤ کئے جانے کا دستور چلا آرہا تھا۔

چار ماہ کی عمر اور منصب امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر جب چار ماہ کے قریب ہوئی تو آپ کے والد امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے بعد کے لئے منصب امامت کی وصیت کی اور فرمایا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہوں گے اور اس پر بہت سے لوگوں کو گواہ بھی کر دیا۔ ارشاد مفید صفحہ ۵۰۲ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ بحوالہ

اصول کافی) علامہ ابن حجر مکی کا کہنا ہے کہ امام حسن عسکری ؑ، امام علی نقی ؑ کی اولاد میں سے زیادہ اجل وارفع، اعلیٰ وافضل تھے۔

چار سال کی عمر میں آپ کا سفر عراق

متوکل عباسی عم آل محمدؐ کا ہمیشہ سے دشمن تھا۔ اس نے امام حسن عسکری کے والد بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً ۲۳۶ھ میں مدینہ سے "سرمن رائے" بلا لیا۔ آپ ہی کے ہمراہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی جانا پڑا۔ اس وقت آپ کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

یوسف آل محمد کنوئیں میں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نہ جانے کس طرح اپنے گھر کے کنوئیں میں گر گئے۔ آپ کے گرنے سے عورتوں میں کہرام عظیم برپا ہو گیا سب چیخنے اور چلانے لگیں۔ مگر حضرت امام علی نقی علیہ السلام جو محو نماز تھے مطلق متاثر نہ ہوئے اور اطمینان سے نماز کا اختتام کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں حجت خدا کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اسی دوران میں دیکھا گیا کہ پانی بلند ہو رہا ہے اور امام حسن عسکری پانی میں کھیل رہے ہیں (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۹)

امام حسن عسکری ؑ اور کم سنی میں عروج فکر

آل محمدؐ جو تدبر قرآنی اور عروج فکر میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان میں کے ایک بلند ہیرو حضرت امام حسن عسکری ہیں۔ علامہ فریقین نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ ایک ایسی جگہ کھڑے رہے جس جگہ کچھ بچے کھیل میں مصروف تھے۔ اتفاقاً ادھر سے عارف آل محمدؐ جناب بہلول دانا گذرے۔ انھوں نے یہ دیکھ کر کہ سب بچے کھیل رہے ہیں اور ایک خوب صورت سرخ و سفید بچہ کھڑا رو رہا ہے۔ ادھر متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے نونہال مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم اس لئے رو رہے ہو کہ تمہارے پاس وہ کھلونے نہیں ہیں جو ان بچوں کے پاس ہیں۔ سنو! میں ابھی ابھی تمہارے لئے کھلونا لے کر آتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کم سنی کے باوجود بولے او احمق! ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ ہم علم و عبادت کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ غرض خلقت علم و عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی طرف قرآن مجید رہبری کرتا ہے۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا نے فرمایا ہے "افحسبتم انما خلقنا کم عبثا الخ (پ ۱۸ رکوع ۶)" کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے، کہ ہم نے تم کو (عبث) کھیل کود کے لئے پیدا کیا ہے؟ اور کیا تم ہماری طرف پلٹ کر نہ آؤ گے۔ یہ سن کر بہلول حیران رہ گئے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اے فرزند تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ گناہ کا تصور تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ تم بہت کم سن ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کم سنی سے کیا ہوتا ہے میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے کہ بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لئے چھوٹی لکڑیاں استعمال کرتی ہیں۔

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جہنم کے بڑے ایندھن کے لئے ہم چھوٹے اور کم سن لوگ استعمال نہ کئے جائیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴، نور الابصار صفحہ ۱۵۰، تذکرۃ المعصومین صفحہ ۲۳۰)

امام حسن عسکریؑ کے ساتھ بادشاہان وقت کا طرز عمل

جس طرح آپ کے آباؤ اجداد کے وجود کو ان کے عہد کے بادشاہ اپنی سلطنت اور حکمرانی کی راہ میں روڑا سمجھتے رہے ان کا یہ خیال رہا کہ دنیا کے قلوب ان کی طرف مائل ہیں کیونکہ یہ فرزند رسول اور اعمال صالحہ کے تاجدار ہیں لہذا ان کو انظار عامہ سے دور رکھا جائے ورنہ امکان قوی ہے کہ لوگ انہیں اپنا بادشاہ وقت تسلیم کر لیں گے اس کے علاوہ یہ بغض و حسد بھی تھا کہ ان کی عزت بادشاہانِ وقت کے مقابلہ میں زیادہ کی جاتی ہے اور یہ کہ امام مہدیؑ انہیں کی نسل سے ہوں گے جو سلطنتوں کا انقلاب لائیں گے انہیں تصورات نے جس طرح آپ کے بزرگوں کو چین نہ لینے دیا اور ہمیشہ مصائب کی آماجگاہ بنائے رکھا۔ اسی طرح آپ کے عہد کے بادشاہوں نے بھی آپ کے ساتھ کیا۔ عہد واثق میں آپ کی ولادت ہوئی اور عہد متوکل کے کچھ ایام میں بچپنا گذرا۔ متوکل جو آلِ محمدؐ کا جانی دشمن تھا۔ اس نے صرف اس جرم میں کہ آلِ محمدؐ کی تعریف کی ہے ابن سکیت شاعر کی زبان گدی سے کھنچوالی (ابو الفدا جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) اس نے سب سے پہلے تو آپ پر یہ ظلم کیا کہ چار سال کی عمر میں ترک وطن کرنے پر مجبور کیا یعنی امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً مدینہ سے سامرہ بلوا لیا جن کے ہمراہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو لازماً جانا تھا پھر وہاں آپ کے گھر کی لوگوں کے کہنے سننے سے تلاشی کرائی اور آپ کے والد ماجد کو جانوروں سے پھڑوا ڈالنے کی کوشش کی غرضیکہ جو جو امکانی سعی آل محمدؐ کو ستانے کی ممکن تھی وہ سب اس نے اپنے عہد حیات میں کر ڈالی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا منتصر خلیفہ ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر آلِ محمدؐ کو ستانے کی سنت ادا کرتا رہا اور اس کی مسلسل کوشش یہ رہی کہ ان لوگوں کو سکون نصیب نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد مستعین کا جب عہد آیا تو اس نے آپ کے والد ماجد کو قید خانہ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی سعی پیہم کی کہ کسی صورت سے امام حسن عسکری کو قتل کرا دے۔ اور اس کے لئے اس نے مختلف راستے تلاش کئے۔ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے شوق کے مطابق ایک نہایت زبردست گھوڑا خریدا لیکن اتفاق سے وہ کچھ اس درجہ سرکش نکلا کہ اس نے بڑے بڑے لوگوں کو سواری نہ دی اور جو اس کے قریب گیا اس کو زمین پر دے مار کر ٹاپوں سے کچل ڈالتا تھا۔ ایک دن خلیفہ مستعین باللہ کے ایک دوست نے رائے دی کہ امام حسن عسکری کو بلا کر حکم دیا جائے کہ وہ اس پر سواری کریں۔ اگر وہ اس پر کامیاب ہو گئے

تو گھوڑا رام ہو جائے گا اور اگر کامیاب نہ ہوئے اور کچل ڈالے گئے تو تیرا مقصد حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اللہ رے شانِ امامت جب آپ اس کے قریب پہونچے تو وہ اس طرح بھیگی بلی بن گیا کہ جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ گھوڑا حضرت ہی کے حوالے کر دے (شواہد النبوۃ صفحہ ۲۱۰) پھر مستعین کے بعد جب معتز باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے بھی آلِ محمدؐ کو ستانے کی سنت جاری رکھی اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ عہد حاضر کے امام زمانہ اور فرزند رسول امام علی نقیؑ کو درجۂ شہادت پر فائز کر دے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس نے ۲۵۴ھ میں آپ کے والد بزرگوار کو زہر سے شہید کرا دیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو بے انتہا مایوس کر دیا۔ امام علی نقی کی شہادت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام خطرات میں محصور ہو گئے کیونکہ حکومت کا رخ آپ کی طرف رہ گیا اور آپ کو کھٹکا لگا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے عمل درآمد شروع ہو گیا معتز نے ایک شقی ازلی اور ناصب ابدی ابن یارش کی حراست اور نظربندی میں امام حسن عسکری علیہ السلام کو دے دیا اس نے ان کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن آخر میں وہ آپ کا معتقد بن گیا۔ آپ کی عبادت گذاری اور روزہ داری نے اس پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور آپ کو دولت سرا تک پہنچا دیا۔ علی بن محمد بن زیاد کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے خط تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ تم خانہ نشین ہو جاؤ کیونکہ ایک بہت بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے غرضیکہ تھوڑے دنوں کے بعد ایک ہنگامہ عظیم برپا ہوا اور حجاج بن سفیان نے معتز کو قتل کر دیا (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۷) پھر جب مہدی باللہ کا عہد آیا تو اس نے بھی بدستور اپنا عمل جاری رکھا اور حضرت کو ستانے میں ہر قسم کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن اس نے صالح بن وصیف نامی ناصبی کے حوالہ آپ کو کر دیا اور حکم دیا کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستائے۔ صالح کے مکان کے قریب ایک بدترین حجرہ تھا جس میں آپ قید کئے گئے۔ صالح بدبخت نے جہاں اور طریقہ سے ستایا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ کو کھانا اور پانی سے بھی حیران اور تنگ رکھتا تھا آخر ایسا ہوتا رہا کہ آپ تیمم سے نماز ادا فرماتے رہے۔ ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اے دشمن خدا یہ فرزند رسول ہیں۔ ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کر۔ اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ ایک دن کا ذکر ہے بنی عباسیہ کے ایک گروہ نے صالح محمد سے جا کر درخواست کی کہ حسن عسکری پر زیادہ ظلم کیا جانا چاہیئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے اوپر دو ایسے شخصوں کو مسلط کر دیا ہے جن کا ظلم و تشدد میں جواب نہیں ہے لیکن میں کیا کروں کہ ان کے تقویٰ اور ان کی عبادت گذاری سے وہ اس درجہ متاثر ہو گئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں نے ان سے جواب طلبی کی تو انہوں نے قلبی مجبوری ظاہر کی یہ سن کر وہ لوگ مایوس واپس گئے (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۲۲۳) غرضیکہ مہدی کا ظلم و تشدد زوروں پر تھا

در یہی نہیں کہ وہ امام علیہ السلام پر سختی کرتا تھا بلکہ یہ کہ وہ ان کے ماننے والوں کو برابر قتل کر رہا تھا۔ ایک دن آپ کے ایک اصحابی احمد بن محمد نے ایک عریضہ کے ذریعہ سے اس کے ظلم کی شکایت کی تو آپ نے تحریر فرمایا نہ گھبراؤ نہیں مہدی کی عمر اب صرف پانچ یوم باقی رہ گئی ہے چنانچہ چھٹے دن اسے کمال ذلت وخواری کے ساتھ قتل کر دیا گیا (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۶) اسی کے عہد میں جب آپ قید خانہ میں پہنچے تو عیسیٰ بن فتح سے فرمایا کہ تمہاری عمر اس وقت ۶۵ سال ایک ماہ دو یوم کی ہے اس نے نوٹ بک نکال کر اس کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا کہ خدا تمہیں اولاد نرینہ عطا کرے وہ خوش ہو کر کہنے لگا۔ مولا! کیا آپ کو خدا فرزند نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا، خدا کی قسم عنقریب مجھے مالک ایسا فرزند دے گا جو ساری کائنات پر حکومت کرے گا اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا (نور الابصار صفحہ ۱۰۱) پھر جب اس کے بعد محمد خلیفہ ہوا تو اس نے امام علیہ السلام پر ظلم وجور وستم واستبداد کا خاتمہ کر دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن عسکری کا آغاز امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی شادی جناب نرجس خاتون سے کر دی جو قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی عیسیٰ کی نسل سے تھیں (جلاء العیون صفحہ ۲۹۸) اس کے بعد آپ ۳ رجب ۲۵۴ھ کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوا۔ آپ کے تمام معتقدین نے آپ کو مبارک بادی اور آپ سے ہر قسم کا استفادہ شروع کر دیا۔ آپ کی خدمت میں آمد ورفت اور سوالات وجوابات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آپ نے جوابات میں حیرت انگیز معلومات کا انکشاف فرمایا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ آپ نے علم غیب اور علم بالموت تک کا ثبوت پیش فرمایا اور اس کی بھی وضاحت کی کہ فلاں شخص کو اتنے دنوں میں موت آجائے گی۔

علامہ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد سمیت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی راہ میں بیٹھ کر یہ سوال کرنا چاہا کہ باپ کو ۵۰۰ درہم اور بیٹے کو ۳۰۰ درہم اگر امام دے دیں تو سارے کام ہو جائیں۔ یہاں تک امام علیہ السلام اس راستے پر آپہونچے۔ اتفاقاً یہ دونوں امام کو پہچانتے نہ تھے امام خود ان کے قریب گئے اور ان سے کہا کہ تمہیں آٹھ سو درہم کی ضرورت ہے۔ آؤ میں تمہیں دے دوں دونوں ہمراہ ہو لئے اور رقم معہود حاصل کر لی۔ اسی طرح ایک شخص قید خانہ میں تھا۔ اس نے قید کی پریشانی کی شکایت امام علیہ السلام کو لکھ کر بھیجی اور تنگ دستی کا ذکر شرم کی وجہ سے نہ کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ تو آج ہی قید سے رہا ہو جائے گا اور تو نے جو شرم سے تنگ دستی کا ذکر نہیں کیا اس کے متعلق معلوم

کر، میں اپنے پہنچتے ہی سو دینار بھیج دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ سے اپنی تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے زمین کرید کر ایک اشرفی کی تھیلی نکالی اور اس کے حوالہ کر دی اس میں سو دینار تھے اسی طرح ایک شخص نے آپ کو تحریر کیا کہ مشکواۃ کے معنی کیا ہیں؟ نیز یہ کہ میری عورت حاملہ ہے اس سے جو فرزند پیدا ہوگا اس کا نام رکھ دیجئے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مشکواۃ سے مراد قلب محمد مصطفےٰ صلعم ہے اور آخر میں "عظم اللہ اجرک واخلف علیک" خدا تجھے اجر دے اور نعم البدل عطا کرے چنانچہ ایسا ہوا کہ اس کے یہاں مردہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس کی بیوی حاملہ ہوئی۔ فرزند نرینہ متولد ہوا۔ ملاحظہ ہو شواہد النبوت صفحہ ۲۱۱) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حسن ابن ظریف نامی ایک شخص نے حضرت سے لکھ کر دریافت کیا کہ قائم آل محمدؑ پوشیدہ ہونے کے بعد کب ظہور کریں گے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ جب "خدا کی مصلحت ہوگی" اس کے بعد لکھا کہ تم تپ ربع کا سوال کرنا بھول گئے جسے تم مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے تو دیکھو ایسا کرو کہ جو اس میں مبتلا ہو اس کے گلے میں آیہ "یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم" لکھ کر لٹکا دو۔ شفایاب ہو جائے گا۔ علی بن زید ابن حسین کا کہنا ہے کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کی عمر صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ صبح ہونے سے پہلے مر گیا۔ اسمٰعیل بن محمد کا کہنا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ قسم مت کھاؤ۔ تمہارے گھر دو سو دینار مدفون ہیں یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ پھر حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ انہیں سو اشرفیاں دے دو۔ عبدی روایت کرتا ہے کہ میں اپنے فرزند کو بصرہ میں بیمار چھوڑ کر سامرہ گیا اور وہاں حضرت کو تحریر کیا کہ میرے فرزند کے لئے دعا شفا فرمائیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "خدا اس پر رحمت نازل کرے" جس دن یہ خط اسے ملا۔ اسی دن اس کا فرزند انتقال کر چکا تھا۔ محمد بن افرغ کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے سوال کیا کہ کیا آئمہ کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ جب خط روانہ کر چکا تو خیال ہوا کہ احتلام تو وسوسہ شیطانی سے ہوا کرتا ہے اور امام تک شیطان پہنچ نہیں سکتا۔ بہرحال جواب آیا کہ امام نوم اور بیداری دونوں حالتوں میں وسوسہ شیطانی سے دور ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے دل میں بھی خیال پیدا ہوا ہے پھر احتلام کیونکر ہو سکتا ہے۔ جعفر بن محمدؑ کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ دل میں خیال آیا کہ میری عورت جو حاملہ ہے اگر اس سے فرزند نرینہ پیدا ہو تو بہت اچھا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اے جعفر لڑکا نہیں لڑکی پیدا ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۸)

اپنے عقیدت مندوں میں حضرت کا دورہ

جعفر بن شریف جرجانی بیان کرتے ہیں کہ حج سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کی مولا! اہل جرجان آپ کی تشریف آوری کے خواستگار اور خواہشمند ہیں آپ

نے فرمایا کہ تم آج سے ایک سو نوے ۱۹۰ دن کے بعد واپس جرجان پہنچو گے اور جس دن تم پہنچو گے اسی دن شام کو میں بھی پہنچوں گا۔ تم انہیں باخبر کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں وطن پہنچکر لوگوں کو آگاہ کر ہی چکا تھا کہ امام علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے سب سے ملاقات کی اور سب نے شرف زیارت حاصل کیا۔ پھر لوگوں نے اپنی مشکلات پیش کیں۔ امام علیہ السلام نے سب کو مطمئن کر دیا۔
اسی سلسلہ میں نصر بن جابر نے اپنے فرزند کو پیش کیا جو نابینا تھا۔ حضرت نے اس کے چہرہ پر دست مبارک پھیر کر اسے بینائی عطا کی۔ پھر آپ اسی روز واپس تشریف لے گئے (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۸)
ایک شخص نے آپ کو ایک خط بلا روشنائی کے قلم سے لکھا۔ اس نے اس کا جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی لکھنے والا اور اس کے باپ کا نام بھی تحریر فرما دیا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص حیران رہ گیا اور اسلام لایا اور آپ کی امامت کا معتقد بن گیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۷۲)

امام حسن عسکریؑ کا پتھر پر مُہر لگانا

ثقۃ الاسلام علامہ کلینی اور امام اہلسنّت علامہ جامی رقم طراز ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں ایک خوب صورت یمنی آیا اور اس نے ایک سنگ پارہ یعنی پتھر کا ٹکڑا پیش کر کے خواہش کی کہ آپ اس پر اپنی امامت کی تصدیق میں مہر ثبت کر دیں۔ حضرت نے مُہر نکالی اور اس پر لگا دی آپ کا اسم گرامی اسی طرح کندہ ہو گیا جس طرح موم پر لگانے سے کندہ ہوتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آنے والا مجمع ابن الصلت بن عقبہ بن سمعان ابن غانم ابن ام غانم تھا۔ یہ وہی سنگ پارہ لایا تھا جس پر اس کے خاندان کی ایک عورت ام غانم نے تمام آئمہ طاہرین سے مُہر لگوا رکھی تھی اس کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امامت کا دعوے کرتا تھا، تو وہ اس کو لے کر اس کے پاس چلی جاتی تھی۔
اگر اس مدعی نے پتھر پر مُہر لگا دی تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ امام زمانہ ہیں اور اگر وہ اس عمل سے عاجز رہا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتی تھی۔ چونکہ اس نے اسی سنگ پارہ پر کئی اماموں کی مُہر لگوائی تھی اس لیے اس کا لقب (صاحبۃ الحصاۃ) ہو گیا تھا۔ علامہ جامی لکھتے ہیں کہ جب مجمع بن صلت نے مُہر لگوالی تو اس سے پوچھا گیا کہ تم حضرت امام حسن عسکریؑ کو پہلے سے پہچانتے تھے اس نے کہا نہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ آپ تشریف لائے لیکن میں چونکہ پہچانتا نہ تھا اس لئے خاموش بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک ناشناس نوجوان نے میری نظروں کے سامنے آ کر کہا کہ یہی حسنؑ بن علیؑ ہیں۔ راوی ابو ہاشم بیان کرتا ہے کہ جب وہ جوان آپ کے دربار میں آیا تو میرے دل میں یہ آیا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون ہے؟ دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا

کہ مہر لگوانے کے لیئے وہ سنگ پارہ لایا ہے جس پر میرے باپ دادا کی مہریں لگی ہوئی ہیں چنانچہ اس نے پیش کیا اور آپ نے مہر لگا دی وہ شخص آیۃ "ذریۃ بعضہا من بعض" پڑھتا ہوا چلا گیا۔ (اصول کافی و دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۶۴ - شواہد النبوت صفحہ ۲۱۱ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء - اعلام الوریٰ ص ۲۱۴)

امام حسن عسکری ع کے علمی خدمات
تفسیر القرآن

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کو سکون نصیب نہ ہو تو دل و دماغ از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور اس میں اتنی صلاحیت نہیں رہتی کہ وہ کوئی عیر فانی دماغی کردار پیش کر سکے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام جنہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ خلفاء بنی عباسیہ کے سات ظالموں کے دست استبداد سے متاثر ہونا پڑا۔ کبھی آپ کے والد ماجد کو قید کیا گیا کبھی آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ کبھی آپ کو قید ظلم میں مقید کیا گیا۔ کبھی نظر بندی کی زندگی لبسر کرنے پر مجبور کیا گیا، غرضیکہ آپ کا کوئی لمحہ حیات پر سکون نہیں گذرا۔ پھر عمر آپ نے صرف ۲۸ سال کی پائی تھی انہیں وجوہ سے آپ کے کمالات علمیہ کا کما حقہ اظہار و انکشاف نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ آپ دنیا میں اتنے دنوں بقید حیات رہے ہی نہیں کہ آپ کے فضائل و مناقب اور علوم و حکم لوگوں پر ظاہر ہو سکتے (اخبار الدول صفحہ ۱۱۷) تاہم ان حالات میں بھی آپ نے اپنے علم لدنی نیز اپنے والد بزرگوار سے حاصل کردہ علم کے سہارے تبحر علمی کے ساتھ بڑے بڑے علمی کارناموں سے لوگوں کو حیران کر دیا ہے آپ نے مخالفین اسلام اور عظیم جاثلیقوں سے اہم مناظرے کیئے اور علوم و حکم کے دریا بہائے ہیں آپ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہے جو تفسیر امام حسن عسکریؑ کے نام سے موسوم و مشہور ہے یہ تفسیر علوم قرآنی اور حکم نبوی سے مملو ہے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۵) میرے نزدیک اس کا انتساب تشنۂ تحقیق ہے۔

آپ نے اپنے قلمی صلاحیت کو محل افتخار میں اکثر ذکر فرمایا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ ہم وہ ہیں جنہیں خدا نے صاحب قلم قرار دیا ہے۔ علماء کا بیان ہے کہ جب آپ لکھتے لکھتے نماز کے لیے چلے جایا کرتے تھے تو آپ کا قلم برابر چلتا رہتا تھا اور آپ کا مافی الضمیر بحکم خداوندی سطح قرطاس پر مرقوم ہوتا رہتا تھا (بحار الانوار۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ بحوالہ اثبات الہدایہ حر عاملی) علامہ شیخ مفید کا کہنا ہے کہ آپ علم و فضل، زہد و تقویٰ، عقل و عصمت، شجاعت و کرم۔ اعمال و عبادت میں افضل اہل زمانہ تھے (ارشاد صفحہ ۵۰۲ - ثقتہ الاسلام - علامہ کلینیؒ کا بیان ہے کہ حضرت

امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح تمام زبانوں سے واقف تھے۔ آپ ترکی، رومی غرضیکہ ہر زبان میں تکلّم کیا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کو ہر زبان سے بہرہ ور فرمایا تھا اور آپ علم رجال علم انساب، علم حوادث میں کمال رکھتے تھے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ، بحوالہ اصول کافی) عبداللہ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت کو بھیڑیے سے بات چیت کرتے ہوئے خود سنا ہے۔ (کتاب مناقب فاطمہ)

امام حسن عسکریؑ کا عراق کے ایک عظیم فلسفی کو شکست دینا

مؤرخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کندی کو یہ خبط سوار ہوا کہ قرآن مجید میں تناقض ثابت کرے اور یہ بتادے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے۔ اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کتاب "تناقض القرآن" لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہوگیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کردیا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ اس کے خبط کو دُور کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی اعتراض کردیا جائے کہ جس کا وہ جواب نہ دے اور مجبوراً اپنے ارادے سے باز آجائے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اسحاق کندی کو "تناقض القرآن" لکھنے سے باز رکھ سکے اس نے عرض کی مولا! میں اس کا شاگرد ہوں۔ بھلا اس کے سامنے لب کشائی کرسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ تو کرسکتے ہو کہ جو میں کہوں وہ اس تک پہنچادو۔ اس نے کہا کرسکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے تو تم اس سے موانست پیدا کرو اور اس پر اعتبار جماؤ جب وہ تم سے مانوس ہوجائے اور تمہاری بات توجہ سے سننے لگے تو اس سے کہنا کہ مجھے ایک شبہ پیدا ہوگیا ہے آپ اس کو دُور فرمائیں جب وہ کہے کہ بیان کرو تو کہنا کہ "ان اتاک ھذا المتکلم بھذا القرآن ھل یجوز ان یکون مرادہ بما تکلم منہ عن المعانی التی قد ظننتھا انک ذھبتھا الیھا" اگر اس کتاب یعنی قرآن کا مالک تمہارے پاس اسے لائے تو کیا ہوسکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو وہ تمہارے سمجھے ہوئے معانی مطالب کے خلاف ہوگا"۔ جب وہ تمہارا یہ اعتراض سنے گا تو چونکہ ذہین آدمی ہے فوراً کہے گا کہ بے شک ایسا ہوسکتا ہے جب وہ یہ کہے تو تم اس سے کہنا کہ پھر کتاب "تناقض القرآن" لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کررہے ہو۔ وہ خدائی مقصود کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری محنت

ضائع اور برباد جائے گی کیونکہ تناقص تو جب ثابت ہو سکتا ہے کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے مطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں تو تناقص کہاں رہا؟ الغرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور اس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اس سے مذکورہ سوال کیا۔ اسحاق کندی یہ اعتراض حسن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ پھر سوال کو دہراؤ۔ اس نے پھر اعادہ کیا۔ اسحاق تھوڑی دیر کے لئے محو تفکر ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ بے شک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور بلحاظ فکر و تدبر ممکن ہے، پھر اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمہیں یہ اعتراض کس نے بتایا ہے۔ اس نے جواب دیا میرے شفیق استاد یہ میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے۔ اسحاق نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ یہ تمہارے جیسے علم والے کی بس کی چیز نہیں ہے۔ تم سچ کہو کہ تمہیں کس نے بتایا اور اس اعتراف کی طرف کس نے رہبری کی ہے۔ شاگرد نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے انہیں کے بتائے ہوئے اصولوں پر آپ سے سوال کیا ہے۔ اسحاق کندی بولا "الان جئت بہ" اب تم نے سچ کہا ہے ایسے اعتراضات اور ایسی اہم باتیں خاندان رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں "ثم انہ دعا بالنار داحرق جمیع ما کان الفہ" پھر اس نے آگ منگائی اور کتاب تناقض القرآن کا سارا مسودہ نذر آتش کر دیا (مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ و بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۲۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۸۳)

امام حسن عسکری علیہ السلام اور خصوصیات مذہب

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہمارے مذہب میں ان لوگوں کا شمار ہو گا جو اصول و فروع اور دیگر لوازم کے ساتھ ساتھ ان دس چیزوں کے قائل بلکہ ان پر عامل ہوں (۱) شب و روز میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنا (۲) سجدہ گاہ کربلا پر سجدہ کرنا (۳) داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا (۴) اذان و اقامت کے جملے دو دو مرتبہ کہنا (۵) اذان و اقامت میں "حی علی خیر العمل" کہنا (۶) نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا (۸) آفتاب کی زردی سے پہلے نماز عصر اور تاروں کے ڈوب جانے سے پہلے نماز صبح پڑھنا (۹) سر اور ڈاڑھی میں وسمہ کا خضاب کرنا (۱۰) نماز میت میں پانچ تکبیر کہنا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

امام حسن عسکری علیہ السلام کے پند سودمند

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پند و نصائح حکم اور مواعظ میں مشتے از خروارے یہ ہیں

(۱) دو بہترین عادتیں یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھے اور لوگوں کو فائدے پہنچائے (۲) اچھوں کو دوست رکھنے میں ثواب ہے (۳) تواضع اور فروتنی یہ ہے کہ جب کسی کے پاس سے گذرے تو سلام کرے اور مجلس میں معمولی جگہ بیٹھے (۴) بلا وجہ ہنسنا جہالت کی دلیل ہے (۵) پڑوسیوں کی نیکی کو چھپانا اور برائیوں کو اچھالنا ہر شخص کے لئے کمر توڑ دینے والی مصیبت اور بے چارگی ہے (۶) یہی عبادت نہیں ہے کہ کہ نماز روزے ادا کرتا رہے بلکہ یہ بھی اہم عبادت ہے کہ خدا کے بارے میں سوچ بچار کرے (۷) وہ شخص بدترین ہے جو دو مُونہا اور دو زبانا ہو۔ جب دوست سامنے آئے تو اسے اپنی زبان سے خوش کردے اور جب وہ چلا جائے تو اسے کھا جانے کی تدبیر سوچے۔ جب اُسے کچھ ملے، تو یہ حسد کرے اور جب اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو قریب نہ پھٹکے (۸) غصہ ہر برائی کی کنجی ہے (۹) حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے کو کبھی سکون قلب نصیب نہیں ہوتا (۱۰) پرہیزگار وہ ہے جو شب کے وقت توقف سے کام لے (۱۱) بہترین عبادت گذار وہ ہے جو فرائض کو ادا کرتا رہے (۱۲) بہترین متقی اور زاہد وہ ہے جو گناہ مطلقاً چھوڑ دے (۱۴) جو بوؤ گے وہی کاٹو گے (۱۵) موت تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے اچھا بوؤ گے تو اچھا کاٹو گے، بُرا بوؤ گے تو ندامت ہوگی (۱۶) حرص اور لالچ سے کوئی فائدہ نہیں جو ملتا ہے وہی ملے گا (۱۷) ایک مومن اور دوسرے مومن کے لئے برکت ہے۔ (۱۸) بیوقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقل مند کا منہ اس کے دل میں ہوتا ہے (۱۹) دنیا کی تلاش میں کوئی فریضہ نہ گنوا دینا (۲۰) طہارت میں شک کی وجہ سے زیادتی کرنا غیر ممدوح ہے (۲۱) کوئی کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو جب وہ حق کو چھوڑ دے گا تو ذلیل ہو جائے گا (۲۲) معمولی آدمی کے ساتھ اگر حق ہو تو وہی بڑا ہے (۲۳) جاہل کی دوستی مصیبت ہے (۲۴) غمگین کے سامنے ہنسنا بے ادبی ہے (۲۵) وہ چیز موت سے بدتر ہے جو تمہیں موت سے بہتر نظر آئے (۲۶) وہ چیز زندگی سے بہتر ہے جس کی وجہ سے تم زندگی کو بُرا سمجھو (۲۷) جاہل کی درستگی اور اس کے ساتھ گذارا کرنا معجزہ کے مانند ہے (۲۸) کسی کی پڑی ہوئی عادت کا چھڑانا اعجاز کی حیثیت رکھتا ہے (۲۹) تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جا سکتا (۳۰) اس انداز سے کسی کی تعظیم نہ کرو جسے وہ بُرا سمجھے (۳۱) اپنے بھائی کی پوشیدہ نصیحت کرنی اس کی زینت کا سبب ہوتا ہے (۳۲) کسی کی علانیہ نصیحت کرنا برائی کا پیش خیمہ ہے (۳۳) ہر بلا اور مصیبت کے پس منظر میں رحمت اور نعمت ہوتی ہے (۳۴) میں اپنے ماننے والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈریں۔ دین کے بارے میں پرہیزگاری کو شعار بنالیں۔ خدا کے متعلق پوری سعی کریں اور اس کے احکام کی پیروی میں کمی نہ کریں۔ سچ بولیں۔ امانتیں چاہے مومن کی ہوں یا کافر کی۔ ادا کریں اور اپنے سجدوں کو طول دیں اور سوالات کے شیریں جواب دیں۔ تلاوت قرآن مجید کیا کریں۔ موت اور

خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہوں (۳۵) جو شخص دنیا سے دل کا اندھا اٹھے گا آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ دل کا اندھا ہونا ہماری مسدت سے غافل رہنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن ظالم کہیں گے "رب لما حشرتنی اعمی وکنت بصیرًا" میرے پالنے والے ہم تو دنیا میں بینا تھے۔ ہمیں یہاں اندھا کیوں اٹھایا ہے۔ جواب ملے گا ہم تے جو نشانیاں بھیجی تھیں تم نے انہیں نظر انداز کیا تھا" لوگو! اللہ کی نعمت اللہ کی نشانیاں ہم آلِ محمدؐ ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں بطن جناب نرگس خاتون سے قائم آلِ محمدؐ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے دشمنوں کے خوف سے آپ کی ولادت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ملا جامی لکھتے ہیں کہ امام مہدیؑ کی ولادت کے بعد حضرت جبرئیلؑ انہیں پرورش و پرداخت کے لئے اٹھا کر لے گئے (شواہد النبوت) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آپ تین سال کی عمر میں دیکھے گئے اور آپ نے حجۃ اللہ ہونے کا اظہار کیا (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۸)

معتمد عباسی کی خلافت اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرفتاری

گر قلم در دست غدارے بود ٭ لاجرم منصور بر دارے بود!

۲۵۶ھ میں معتمد عباسی خلافت مقبوضہ کے تخت پر متمکن ہوا۔ اس نے حکومت کی عنان سنبھالتے ہی اپنے آبائی طرز عمل کو اختیار کرنا اور جدی کردار کو پیش کرنا شروع کر دیا اور دل سے اس کی سعی شروع کر دی کہ آلِ محمدؐ کے وجود سے زمین خالی ہو جائے۔ یہ اگرچہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی ملکی بغاوت کا شکار ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اپنے وظیفے اور مشن سے غافل نہیں رہا۔ اس نے حکم دیا کہ عہد حاضر میں خاندان رسالتؐ کی یادگار امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید کر دیا جائے اور انہیں قید میں کسی قسم کا سکون نہ دیا جائے "حکم حاکم مرگ مفاجات" آخر امام علیہ السلام بلا جرم وخطا آزاد فضا سے قید خانہ میں پہونچا دئے گئے اور آپ پر علی بن اوتاش نامی ایک ناصبی مسلّط کر دیا گیا جو آلِ محمدؐ اور آل ابی طالبؑ کا سخت ترین دشمن تھا اور اس سے کہہ دیا گیا کہ جو جی چاہے کرو تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ابن اوتاش نے حسب ہدایات آپ پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں۔ اس نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پیغمبر کی اولاد ہونے کا لحاظ کیا لیکن اللہ رے آپ کا زہد و تقوی کہ دو چار ہی یوم میں دشمن کا دل موم ہو گیا اور وہ حضرت کے پیروں پر پڑ گیا آپ کی عبادت گذاری اور تقوی و طہارت دیکھ کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ حضرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ آپ

کی عظمت و جلالت کی وجہ سے سر جھکا کر آتا اور چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ دشمن بصیرت آگیں بن کر آپ کا معترف اور ماننے والا ہو گیا (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۸)

ابوہاشم داؤد بن قاسم کا بیان ہے کہ میں اور میرے ہمراہ حسن بن محمد العقیقیؒ و محمد بن ابراہیم عمری اور دیگر بہت سے حضرات اس قید خانہ میں آل محمدؐ کی محبت کے جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ ناگاہ ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے امام زمانہ حضرت حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لا رہے ہیں ہم نے ان کا استقبال کیا۔ وہ تشریف لا کر قید خانہ میں ہمارے پاس بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی ایک اندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ بتا دیتا کہ اندرونی معاملہ کیا ہے اور تم کب رہا ہو گے لوگوں نے یہ سُن کر اس اندھے سے کہا کہ تم ذرا ہمارے پاس سے چند منٹ کے لئے ہٹ جاؤ۔ چنانچہ وہ ہٹ گیا اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ نابینا "قیدی نہیں ہے بلکہ تمہارے لئے حکومت کا جاسوس ہے اس کی جیب میں ایسے کاغذات موجود ہیں جو اس کی جاسوسی کا ثبوت دیتے ہیں یہ سن کر لوگوں نے اس کی تلاشی لی اور واقعہ بالکل صحیح نکلا۔ ابوہاشم کہتے ہیں کہ ہم قید کے ایام گذار رہے تھے کہ ایک دن غلام کھانا لایا حضرت نے شام کا کھانا لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا افطار قید سے باہر ہو گا۔ اس لئے کھانا نہ لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ عصر کے وقت قید خانہ سے برآمد ہو گئے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۴)

اسلام پر امام حسن عسکریؑ کا احسان عظیم

امام علیہ السلام قید خانہ ہی میں تھے کہ سامرہ میں جو تین سال سے قحط پڑا ہوا تھا اس نے شدت اختیار کر لی اور لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے زندگی سے عاجز کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر خلیفہ معتمد عباسی نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقا پڑھیں چنانچہ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہ برسا۔ چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور ان میں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا اس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا۔ اسی طرح اس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اس دن بھی باران رحمت کا نزول ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا۔ حتیٰ کہ بعض جاہلوں کے دلوں میں شک پیدا ہو گیا بلکہ بعض ان میں سے اسی وقت مرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت شاق گذرا اور اس نے حضرت حسن عسکریؑ کو طلب کر کے کہا۔ اے ابو محمدؑ، اپنے جد کے کلمہ گویوں کی خبر لو اور ان کو ہلاکت یعنی گمراہی سے بچاؤ۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آکر دعائے باران کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دوں گا۔ پھر جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کے لئے جمع ہوئے تو

اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسن عسکری نے ایک شخص سے کہا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز راہب کے ہاتھ میں ہے "لے لے" اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اور اس سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کر اس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ نکل آئی۔ لوگ کمال متعجب ہوئے اور خلیفہ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری سے پوچھا کہ اے ابو محمدؑ یہ کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک نبیؑ کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مدعا میں کامیاب ہوتا رہا کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائے گی تو باران رحمت ضرور نازل ہوگی۔ یہ سن کر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اس کی تاثیر وہی دیکھی جو حضرت امام حسن عسکریؑ نے بیان کی تھی۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں کے وہ شکوک زائل ہو گئے جو پہلے پیدا ہو گئے تھے۔ پھر امام حسن عسکری علیہ السلام اس ہڈی کو لے کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۲۹)

پھر آپ نے اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا (اخبار الدول صفحہ ۱۱۷) شیخ شہاب الدین قلیوبی نے کتاب غرائب و عجائب میں اس واقعہ کو صوفیوں کی کرامات کے سلسلہ میں لکھا ہے بعض کتابوں میں ہے کہ ہڈی کی گرفت کے بعد آپ نے نماز ادا کی اور دعا فرمائی۔ خداوند عالم نے اتنی بارش کی کہ جل تھل ہو گیا اور قحط جاتا رہا۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ امام علیہ السلام نے قید سے نکلتے وقت اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ فرمایا تھا جو منظور ہو گیا تھا اور وہ لوگ بھی راہب کی ہوا اکھاڑنے کے لئے ہمراہ تھے (نور الابصار صفحہ ۱۵۱)

واقعہ قحط کے بعد

۲۵۶ھ کے اخیر میں واقعہ قحط کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا چرچا تمام عالم میں پھیل گیا۔ اب کیا تھا موافق و مخاطب سب ہی کا میلان اور رجحان آپ کی طرف ہونے لگا۔ آپ کے وہ ماننے والے جن کے دلوں میں آل محمدؐ کی مودت کمال کو پہنچی ہوئی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے امام کی خدمت میں امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کی مبارکباد پیش کریں لیکن اس کا موقع نہ ملتا تھا کیونکہ یا امام قید میں ہوتے یا حراست میں، ان سے ملنے کی کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی لیکن قحط کے واقعہ سے اتنا ہوا کہ آپ تقریباً ایک سال قید خانہ سے باہر رہے اسی دوران میں لوگوں نے مسائل وغیرہ دریافت کئے اور جو لوگ زیارت کے مشتاق تھے انہوں نے زیارت کی اور جو خفیہ تہنیت ولادت حضرت حجت علیہ السلام ادا کرنا چاہتے تھے انہوں نے تہنیت ادا کی۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ ۲۵۷ھ میں تقریباً ۷۰ آدمی مدائن سے کربلا ہوتے ہوئے سامرہ

پہونچے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر تہنیت گذار ہوئے حضرت نے فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر کر انکا استقبال کیا اور ان کے سوالات کے جواب دیئے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)
عقیدت مندوں کی آمد کا چونکہ تانتا بندھ گیا تھا۔ اس لئے خلیفہ معتمد نے آپ کے حالات کی نگرانی کے لئے بیشمار جاسوس مقرر کر دیئے امام علیہ السلام جنہیں حکومت کی نیت کا بہت اچھی طرح علم تھا خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے اور آپ نے اس کا التزام رکھا کہ ملکی معاملات پر کوئی تبصرہ نہ کیا جائے اور صرف دینی امور سے بحث کی جائے چنانچہ ۲۵۷ھ کے اخیر تک یہی کچھ ہوتا رہا لیکن خلیفہ مطمئن نہ ہوا۔ اور اس نے حسب عادت روک ٹوک شروع کی اور سب سے پہلے اس نے خمس کی آمد کی بندش کر دی۔

امام حسن عسکری اور عبید اللہ وزیر معتمد عباسی

اسی زمانہ میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام متوکل کے وزیر فتح ابن خاقان کے بیٹے عبید اللہ ابن خاقان جو کہ معتمد کا وزیر تھا ملنے کے لئے تشریف لے گئے اس نے آپ کی بے انتہا تعظیم کی اور آپ سے اس طرح محو گفتگو رہا کہ معتمد کا بھائی موفق دربار میں آیا تو اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ یہ حضرت کی جلالت اور خدا کی دی ہوئی عزت کا نتیجہ تھا ہم اس واقعہ کو عبید اللہ کے بیٹے احمد خاقان کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ کتب معتبرہ میں ہے کہ جس زمانہ میں احمد خاقان قم کا والی تھا اس کے دربار میں ایک دن علویوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ وہ اگرچہ دشمن آل محمدؐ ہونے میں مثالی حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میری نظر میں امام حسن عسکریؑ سے بہتر کوئی نہیں ہے ان کی جو وقعت ان کے ماننے والوں اور اراکین دولت کی نظر میں تھی وہ ان کے عہد میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ سنو، ایک مرتبہ میں اپنے والد عبید اللہ ابن خاقان کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ ناگاہ دربان نے آکر اطلاع دی کہ امام حسن عسکریؑ تشریف لائے ہوئے ہیں وہ اجازت داخلہ چاہتے ہیں یہ سنکر میرے والد نے پکار کر کہا کہ حضرت ابن الرضا کو آنے دو۔ والد نے چونکہ کنیت کے ساتھ نام لیا تھا۔ اس لئے مجھے سخت تعجب ہوا کیونکہ اس طرح خلیفہ یا ولیعہد کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ ایک صاحب جو سبز رنگ، خوش قامت، خوب صورت۔ نازک اندام جوان تھے داخل ہوئے جن کے چہرہ سے رعب جلال ہویدا تھا۔ میرے والد کی نظر جونہی ان کے اوپر پڑی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور انہیں سینے سے لگا کر ان کے چہرہ اور سینہ کا بوسہ دیا اور اپنے مصلےؐ پر ان کو بٹھا لیا اور کمال ادب سے ان کی طرف مخاطب رہا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے تھے میری جان آپ پر قربان اے فرزند رسولؐ۔ اسی اثنا میں دربان نے آکر اطلاع دی کہ خلیفہ کا بھائی موفق آیا ہے میرے والد نے کوئی توجہ نہ کی حالانکہ اس کا عموماً یہ اعتراض رہتا تھا کہ جب تک واپس نہ چلا جائے دربار کے لوگ دو رویہ سر جھکائے کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ موفق کے غلامان خاص کو اس نے اپنی نظروں سے

سے دیکھ لیا انہیں دیکھنے کے بعد میرے والد نے کہا یا ابن رسول اللہ، اگر اجازت ہو تو میں موفق سے کچھ باتیں کر لوں۔ حضرت نے وہاں سے اٹھ کر روانہ ہو جانے کا ارادہ کیا۔ میرے والد نے انہیں سینے سے لگایا اور دربانوں کو حکم دیا کہ انہیں دو مکمل صفوں کے درمیان سے لے جاؤ کہ موفق کی نظر آپ پر نہ پڑے چنانچہ حضرت اسی انداز سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد میں نے خادموں اور غلاموں سے کہا کہ وائے ہو تم نے کنیت کے ساتھ کس کا نام لے کر اسے میرے والد کے سامنے پیش کیا تھا جس کی اس نے اس درجہ تعظیم کی جس کی مجھے توقع نہ تھی ان لوگوں نے پھر کہا کہ یہ شخص سادات علویہ میں سے تھا اس کا نام حسنؑ بن علیؑ اور کنیت ابن الرضاؑ ہے یہ سن کر میرے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں دن بھر اسی غصہ میں بھُنتا رہا کہ علوی سادات کی میرے والد نے اتنی عزت و توقیر کیوں کی یہاں تک کہ رات آگئی۔ میرے والد نماز میں مشغول تھے جب وہ فریضہ عشا سے فارغ ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پوچھا اے احمد اس وقت آنے کا کیا سبب ہے میں نے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو میں کچھ کہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو جی چاہے پوچھو۔ میں نے کہا کہ یہ کون شخص تھا؟ جو صبح آپ کے پاس آیا تھا جس کی آپ نے زبردست تعظیم کی اور ہر بات میں اپنے کو اور اپنے ماں باپ کو اس پر سے فدا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے فرزند، یہ رافضیوں کے امام ہیں ان کا نام حسن بن علی اور ان کی مشہور کنیت ابن الرضا ہے یہ فرما کر وہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر بولے۔ اے فرزند یہ وہ کامل انسان ہے کہ اگر عباسیوں سے سلطنت چلی جائے تو اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ اس حکومت کا مستحق کوئی نہیں ہے۔ یہ شخص عفت زہد، کثرت عبادت حسن اخلاق۔ صلاح۔ تقوےٰ وغیرہ میں تمام بنی ہاشم سے افضل اور اعلےٰ ہے اور اے فرزند اگر تو ان کے باپ کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ وہ اتنے صاحب کرم اور فاضل تھے کہ ان کی مثال بھی نہیں ہے یہ سب باتیں سنکر میں خاموش تو ہو گیا لیکن والد سے حد درجہ ناخوش رہنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ ابن الرضاؑ کے حالات کا تفحص کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ اس سلسلہ میں میں نے بنی ہاشم، امرا لشکر، منشیان دفتر، قضاۃ اور فقہا اور عوام الناس سے حضرت کے حالات کا استفسار کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابن الرضاؑ کو جلیل القدر اور عظیم پایا اور سب نے بالاتفاق یہی بیان کیا کہ اس مرتبہ ان خوبیوں کا کوئی شخص کسی خاندان میں نہیں ہے جب میں نے ہر ایک دوست اور دشمن کو حضرت کے بیان اخلاق اور اظہار مکارم اخلاق میں متفق پایا تو میں بھی ان کا دل سے ماننے والا ہو گیا اور اب ان کی قدر منزلت میرے نزدیک بے انتہا ہے یہ سن کر تمام اہل دربار خاموش ہو گئے البتہ ایک شخص بول اٹھا کہ اے احمد تمہاری نظر میں ان کے برادر جعفر کا کیا خیال ہے۔ احمد نے کہا کہ ان کے مقابلہ میں اس کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا۔ دائم الخمر تھا۔ خفیف العقل تھا انواع ملاہی و مناہی کا مرتکب

ہوتا تھا ابن الرضا کے بعد جب خلیفہ معتمد سے اس نے ان کی جانشینی کا سوال کیا تو اس نے اس کے کردار کی وجہ سے اسے دربار سے نکلوادیا تھا (مناقب ابن آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ - ارشاد مفید ص۵۰۵) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ گفتگو امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے ۱۰ سال بعد ماہ شعبان ۲۷۰ھ کی ہے (دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۹۲ جلد ۳ طبع نجف اشرف)

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی دوبارہ گرفتاری

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلفائے بنی عباسیہ خوب جانتے تھے کہ سلسلہ آل محمدؐ کے وہ افراد جو رسول اللہ کی صحیح جانشینی کے مصداق وحقدار ہوسکتے ہیں وہ یہی افراد ہیں جن میں سے گیارھویں ہستی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہے اس لئے ان کا فرزند وہ ہوسکتا ہے جس کے بارے میں رسولؐ کی پیشگوئی صحیح قرار پاسکے۔ لہٰذا کوشش یہ تھی کہ ان کی زندگی کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے اس طرح کہ ان کا جانشین دنیا میں موجود نہ ہو۔ یہی سبب تھا کہ امام حسن عسکری کے لئے نظربندی پر اکتفا نہیں کی گئی جو امام علی نقیؑ کے لئے ضروری سمجھی گئی تھی بلکہ آپ کے لئے اپنے گھربار سے الگ قید تنہائی کو ضروری سمجھا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ قدرتی انتظام کے ماتحت درمیان میں انقلابات سلطنت کے وقفے آپ کی قید مسلسل کے بیچ میں فوری رہائی کے سامان پیدا کر دیا کرتے تھے مگر پھر بھی جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا وہ اپنے پیش رو کے نظریہ کے مطابق آپ کو دوبارہ مقید کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ اس طرح آپ کی مختصر زندگی جو دور امامت کے بعد تھی اس کا بیشتر حصہ قید وبند ہی میں گذرا۔ اس قید کی سختی معتمد کے زمانہ میں بہت بڑھ گئی تھی اگرچہ وہ مثل دیگر سلاطین کے آپ کے مرتبہ اور حقانیت سے خوب واقف تھا لیکن پھر بھی وہ بغض للہی کو چھوڑ نہ سکا اور دستور سابق کے مطابق انہیں زندگی کی منزل آخر تک پہنچانے کے درپے رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نظربندیوں سے مطمئن نہ ہوسکا اور اس نے ۲۵۸ھ میں امام علیہ السلام کو پھر مقید کر دیا۔ (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۴) اور اب کی مرتبہ چونکہ نیت بالکل خراب تھی اس لئے قید میں بھی پوری سختی کی گئی۔ حکم تھا کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی جائے چنانچہ یہی کچھ ہوتا رہا لیکن اسے اس سے تسلی نہیں ہوئی اور اس نے اپنے ایک ظالم خدمت گار جس کا نام "نحریر" تھا کو بلا کر کہا کہ انہیں تو اپنی نگرانی میں لے لے اور جس درجہ ستا سکے انہیں پریشان کر، نحریر نے حکم پاتے ہی تشدد شروع کر دیا۔ امام کو دن کی روشنی اور پانی کی فراوانی تک سے محروم کر دیا آپ کو دن اور رات کا پتہ سورج کی روشنی سے نہ چلتا تھا صرف تاریکی ہی رہتی تھی۔ ایک دن اس کی بیوی نے اس سے درخواست کی کہ فرزند رسول ہے اس کے ساتھ تمہارا یہ برتاؤ اچھا نہیں ہے۔ اس نے کہا یہ کیا ہے ابھی

تو انہیں جانوروں سے پھڑوا ڈالنا باقی ہے۔

حجتہ خدا درندوں میں

چنانچہ اس نے اجازت حاصل کر کے امام حسن عسکری علیہ السلام کو درندوں میں ڈال دیا۔ شیر اور دیگر درندوں کی نظر جب آپ پر پڑی تو انہوں نے حجت خدا کو پہچان لیا اور انہیں پھاڑ کھانے کے بجائے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ امام علیہ السلام نے ان کے درمیان مصلےٰ بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ دشمنوں نے ایک بلند مقام سے یہ حال دیکھا اور سخت شرمندہ ہو کر امام کی فضیلت کا اعتراف کیا (اعلام الوری صفحہ ۲۱۸۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۲۷۔ ارشاد صفحہ ۵۱۴) اس واقعہ نے آپ کی دبی ہوئی فضیلت کو اور ابھار دیا۔ لوگوں میں اس کرامت کا چرچا ہو گیا۔ اب تو معتمد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انہیں جلد سے جلد اس دار فانی سے رخصت کر دے چنانچہ اس نے ایک ایسے قید خانہ میں آپ کو مقید کر دیا جس میں رکھ کر زندہ رہنے سے موت بہتر تھی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت

امام یازدہم حضرت عسکری علیہ السلام قید و بند کی زندگی گذارنے کے دوران میں ایک دن اپنے خادم ابو الادیان سے ارشاد فرما ہوئے کہ تم جب اپنے سفر مدائن سے ۱۵ یوم کے بعد پلٹو گے تو میرے گھر سے شیون و بکا کی آواز آتی ہو گی (جلاء العیون صفحہ ۲۹۹) نیز آپ کا یہ فرمانا بھی منقول ہے کہ ۲۶۰ھ میں میرے ماننے والوں کے درمیان انقلاب عظیم لائے گا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۷) الغرض امام حسن عسکری ؑ کو بتاریخ یکم ربیع الاول ۲۶۰ھ معتمد عباسی نے زہر دلوا دیا اور آپ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو جمعہ کے دن بوقت نماز صبح خلعت حیات ظاہری اتار کر بطرف ملک جاودانی رحلت فرما گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ فصول المہمہ و ارجح المطالب صفحہ ۴۶۴۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۶۔ انوار الحسینیہ جلد ۳ صفحہ ۵۶) علماء کا بیان ہے کہ وفات سے قبل آپ نے امام مہدی علیہ السلام کے سپرد تبرکات فرما دیئے تھے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲) انتقال کے وقت آپکی عمر ۲۸ سال تھی (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴) علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے حضرت امام مہدی ؑ کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی (مطالب السئول صفحہ ۲۹۲ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴۔ نور الابصار۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۲۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۲۶۔ اعلام الوری صفحہ ۲۱۸)

شہادت کے بعد

دافعہ قحط، درندوں کی سجدہ ریزی اور آپ کی مظلومیت کی وجہ سے ہر کہ دمہ کے دل میں آپ کی دفعت آپ کی محبت جاگزین ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کی خبر کا شہرت پانا تھا کہ ہر گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں ہر دل میں اضطراب کی

لہریں دوڑنے لگیں۔ شور و شیون سے سامرہ کی گلیاں قیامت کا منظر پیش کرنے لگیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جب پندرہ دن کے بعد ابو الادیان داخل سامرہ ہوئے، تو آپ شہید ہو چکے تھے اور شیون و ماتم کی آوازیں بلند تھیں (جلاء العیون صفحہ ۲۹۰)

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کے انتقال کی خبر کے مشہور ہوتے ہی تمام سامرہ میں ہلچل مچ گئی ہر طرف سے رونے پیٹنے کا شور بلند ہو گیا۔ بازاروں میں ہڑتال ہو گئی دکانیں بند ہو گئیں۔ تمام بنی ہاشم اور حاکمان قصاص ارکان عدالت اعیان حکومت، منشی، قاضی اور عامۂ خلائق آپ کے جنازے میں شرکت کے لئے دوڑ پڑے۔ سرمن رائے اس دن قیامت کا نمونہ تھا۔ نور الابصار صفحہ ۱۶۸ فصول مہمہ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۸)

غرضیکہ نہایت تزک و احتشام اور ظاہری شان و شوکت کے ساتھ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور اس مقام پر لے جا کر رکھا گیا جس جگہ نماز پڑھائی جاتی تھی اتنے میں معتمد کے حکم سے عیسیٰ بن متوکل جو عموماً نماز میت پڑھایا کرتا تھا آگے بڑھا اور اس نے چہرہ سے کفن سرکا کر بنی ہاشم علوی و عباسی اور سب امیروں، منشیوں، قاضیوں غرضیکہ کل اشراف و اعیان کو دکھاتے ہوئے کہا "مات حتف انفہ علی فراشہ" دیکھو یہ اپنی موت سے مرے ہیں یعنی انہیں کسی نے کچھ کھلایا نہیں ہے (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۲۲۹) اس کے بعد جعفر تواب نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے ابھی آپ تکبیرۃ الاحرام نہ کہنے پائے تھے کہ محمد بن حسن القائم المہدی برآمد ہو کر سامنے آگئے اور آپ نے اپنے چچا کو ہٹا کر نماز جنازہ پڑھائی (جلاء العیون صفحہ ۲۹۲) اس کے بعد آپ کو امام علی نقی علیہ السلام ہی کے روضہ مبارک میں دفن کر دیا گیا۔ ارجح المطالب صفحہ ۲۶۴۔ یہ آپ کی خاندانی کرامت ہے کہ آپ کے روضہ پر طائر بیٹھ نہیں کرتے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ طبع نجف اشرف)

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تدفین کے بعد امام مہدی کے تجسس میں آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور آپ کی عورتوں کو گرفتار کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ امام مہدی کو گرفتار کیا جائے تاکہ خاندان رسالت کا خاتمہ ہو جائے اور قیامت کے قریب عدل و انصاف کی بستی نہ بسائی جا سکے اور ظالموں کے ظلم کا بدلا نہ لیا جا سکے لیکن خداوند عالم نے اپنے وعدہ "واللہ متم نورہ" کے مطابق انہیں اس ظالم معتمد کے دسترس سے محفوظ کر دیا۔ اب انشاء اللہ جب حکم خدا ہوگا، ظہور فرمائیں گے۔

قائم آلِ محمدؐ

ابو القاسمؑ

حضرت امام محمد مہدیؑ

علیہ السلام

صاحب الزماں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

(۱۴)

یا الٰہی مہدیم از غیب آر ٭ تا بگردد، در جہاں عدل آشکار

حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلہ عصمت محمدیہ کی چودھویں کڑی اور مسلک امامت علویہ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب نرجس[1] خاتون تھیں۔

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں، آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴) آپ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی جیسی حضرت یحییٰ کو ملی تھی اور آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دیئے گئے تھے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پائے تھے (کشف الغمہ صفحہ ۱۳۰) آپ انبیاء سے بہتر ہیں۔ (اسعاف الراغبین صفحہ ۱۲۸) آپ کے متعلق حضرت رسول کریم علیہ السلام نے بے شمار پیشگوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ حضور کی عترت اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد سے ہوں گے ملاحظہ ہو جامع صغیر سیوطی صفحہ ۱۶۰ طبع مصر و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۴ طبع مصر و کنوز الحقائق صفحہ ۱۲۲ و مستدرک جلد ۴ صفحہ ۵۲۰ و مشکوٰۃ شریف) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مہدی کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے، ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ ۱۴ صفحہ ۳۹۹ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۵ صحیح ترمذی صفحہ ۲۷۰ و صحیح ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ و صحیح ابن ماجہ صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۹ جامع صغیر ص ۱۳۴ و کنوز الحقائق صفحہ ۹۰) آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ امام مہدی میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے اور "یختم

---

[1] نرجس ایک یمنی بوٹی کو کہتے ہیں جس کے پھول کی شعراء آنکھوں سے تشبیہ دیتے ہیں (المنجد صفحہ ۸۶۵ منتہی الارب جلد ۴ صفحہ ۲۶۷ میں ہے کہ یہ کلمہ دخیل اور معرب یعنی کسی دوسری زبان سے لایا گیا ہے صراح جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ مؤلف الفاظ صدیق حسن صفحہ ۴۷ میں ہے کہ یہ لفظ نرجس، نرگس سے معرب ہے جو کہ فارسی ہے رسالہ "آج کل" لکھنؤ کے سالنامہ ۱۹۴۷ء کے صفحہ ۱۱۸ میں ہے کہ یہ لفظ یونانی نرکسوس سے معرب ہے جسے لاطینی میں نرکسس اور انگریزی میں نرسسس کہتے ہیں۔ ۱۲

الدین بنا کما فتح بنا" جس طرح میرے ذریعہ سے دین اسلام کا آغاز ہوا۔ اسی طرح ان کے ذریعہ سے مہر اختتام لگا دی جائے گی۔ ملاحظہ ہو کنوز الحقائق صفحہ ۲۰۵۔ آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ امام مہدی کا اصل نام میرے نام کی طرح "محمدؐ" اور کنیت میری کنیت کی طرح "ابوالقاسم" ہوگی وہ جب ظہور کریں گے تو ساری دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوگی ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۱۰۴ اور مستدرک امام حاکم صفحہ ۴۲۲، ۵۱۴۔ ظہور کے بعد ان کی فوراً بیعت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ خدا کے خلیفہ ہوں گے (سنن ابن ماجہ اُردو صفحہ ۲۶۱ طبع کراچی ۱۳۷۷ھ)

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کی ولادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے جیسا کہ وفیات الاعیان، روضۃ الاحباب، تاریخ الوردی، ینابیع، تاریخ کامل، تاریخ طبری، کشف الغمہ، جلاء العیون، اصول کافی، نورالابصار، ارشاد، جامع عباسی، اعلام الوریٰ، انوار الحسینیہ میں موجود ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ ولادت کا سن ۲۵۶ھ اور مادۂ تاریخ نور ہے یعنی آپ شب برات کے اختتام پر بوقت صبح صادق عالم ظہور و شہود میں تشریف لائے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام حسن عسکریؑ کے پاس گئی تو آپ نے فرمایا کہ اے پھوپھی آپ آج ہمارے ہی گھر میں رہیئے کیونکہ خداوند عالم مجھے آج ایک وارث عطا فرمائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ بطن نرجس سے متولد ہوگا۔ جناب حکیمہ نے کہا، بیٹے! میں تو نرجس میں کچھ بھی حمل کے آثار نہیں پاتی۔ امام نے فرمایا کہ اے پھوپھی، نرجس کی مثال مادر موسیٰ جیسی ہے جس طرح حضرت موسیٰ کا حمل ولادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح اس میرے فرزند کا حمل بھی بروقت ظاہر ہوگا۔ غرضیکہ میں امام کے فرمانے سے اس شب وہیں رہی جب آدھی رات گذر گئی تو میں اٹھی اور نماز تہجد میں مشغول ہوگئی اور نرجس بھی اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے لگی۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ صبح قریب ہے اور امام عسکریؑ نے جو کہا تھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ اس خیال کے دل میں آتے ہی امام علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی۔ اے پھوپھی جلدی نہ کیجئے۔ حجت خدا کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے یہ سن کر میں نرجس کے حجرے کی طرف پلٹی۔ نرجس مجھے راستے ہی میں ملیں۔ مگر ان کی حالت اس وقت متغیر تھی وہ لرزہ براندام تھیں اور ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر ان کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور سورۂ قل ھو اللہ، انا انزلنا و آیۃ الکرسی پڑھ کر ان پر دم کیا بطن مادر سے بچے کی آواز آنے لگی یعنی میں جو کچھ پڑھتی تھی وہ بچہ بھی بطن مادر میں وہی کچھ پڑھتا تھا۔ اس کے بعد

میں نے دیکھا کہ تمام حجرہ روشن و منور ہو گیا۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو ایک نو مولود مسعود زمین پر سجدہ میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے بچہ کو اٹھا لیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی اے پھوپھی۔ میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ میں لے گئی۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بیٹھا لیا اور زبان در دہان دے کر" اپنی زبان بچے کے منہ میں دے دی اور کہا کہ اے فرزند! حکم خدا سے کچھ بات کرو۔ بچے نے اس آیت" بسم اللہ الرحمن الرحیم ونرید ان نمن علی الذین استضعفو فی الارض ونجعلھم الوارثین" کی تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ" اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں اور ان کو امام بنائیں اور انہیں کو روئے زمین کا وارث قرار دیں۔

اس کے بعد کچھ سبز طائروں نے آکر ہمیں گھیر لیا۔ امام حسن عسکری نے ان میں سے ایک طائر کو بلایا اور بچے کو دیتے ہوئے کہا" خذہ فاحفظہ الخ" اس کو لے جا کر اس کی حفاظت کرو یہاں تک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے۔ کیونکہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے رہے گا۔ میں نے امام حسن عسکری سے پوچھا کہ یہ طائر کون تھا اور دوسرے طائر کون تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے اور وہ دوسرے فرشتگان رحمت تھے اس کے بعد فرمایا کہ اے پھوپھی اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے جاؤ تاکہ اس کی آنکھیں خنک ہوں اور محزون و مغموم نہ ہو اور یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ واکثرھم لا یعلمون" لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ اس کے بعد اس مولود مسعود کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا (شواہد النبوت صفحہ ۲۱۲ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء) علامہ حائری لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کو جبرئیل پرورش کے لئے اٹھا کر لے گئے (غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۷۵) کتاب شواہد النبوت اور وفیات الاعیان و روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو مختون اور ناف بریدہ تھے۔ اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت منقوش تھی" جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کے قابل تھا" حضرت نسیم امروہی لکھتے ہیں:۔

چشم و چراغ دیدۂ نرجس، عین خدا کی آنکھ کا تارا
بدر کمال نیمۂ شعبان چودھواں اختر اوج بقا کا
حامی سنت، ماحی بدعت کفر مٹانے خلق میں آیا
وقت ولادت ماشاء اللہ قرآن صورت دیکھ کر بولا
جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

محدث دہلوی شیخ عبدالحق اپنی کتاب مناقب آئمہ اطہار میں لکھتے ہیں کہ حکیمہ خاتون جب نرجس کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک مولود پیدا ہوا ہے جو مختون اور مفروغ منہ ہے یعنی جس کا ختنہ کیا ہوا ہے اور نہلانے دھلانے کے کاموں سے جو مولود کے ساتھ ہوتے ہیں بالکل مستغنی ہے۔ حکیمہ خاتون بچے کو

امام حسن عسکری کے پاس لائیں۔ امام نے بچے کو لیا اور ان کی لپشت اقدس اور چشم مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ اپنی زبانِ مطہر ان کے منہ میں ڈالی اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ یہی مضمون فصل الخطاب اور بحارالانوار میں بھی ہے۔ کتاب روضۃ الاحباب اور ینابیع المودۃ میں ہے کہ آپ کی ولادت بمقام سر من رائے "سامرہ" میں ہوئی ہے۔

کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۲۰ میں ہے کہ آپ کی ولادت چھپائی گئی اور پوری سعی کی گئی کہ آپ کی پیدائش کسی کو معلوم نہ ہوسکے۔ کتاب دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ میں ہے کہ آپ کی ولادت اس لئے چھپائی گئی کہ بادشاہِ وقت پوری طاقت کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ میں ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت حجت کو قتل کر کے نسل رسالت کا خاتمہ کردے۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ بادشاہِ وقت معتز باللہ تھا۔ تذکرہ خواص الامت میں ہے کہ اسی کے عہد میں امام علی نقی ؑ کو زہر دیا گیا تھا۔ معتز کے بارے میں مورخین کی رائے کچھ اچھی نہیں ہے۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے صفحہ ۳۶۳ میں ہے کہ خلیفہ معتمد بن متوکل کمزور، متلون مزاج اور عیش پسند تھا۔ یہ عیاشی اور شراب نوشی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں ہے کہ معتمد حضرت امام حسن عسکری ؑ کو زہر سے شہید کرنے کے بعد حضرت امام مہدی ؑ کو قتل کرنے کے درپے ہوگیا تھا۔

آپ کا نسب نامہ

آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی ابن موسیٰ ابن جعفر بن محمد بن علی ؑ بن حسین ؑ بن علی ؑ و فاطمہ ؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ یعنی آپ کا فرزند رسول ؐ دلبند علی ؑ اور نور نظر بتول علیہم السلام ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اس سلسلۂ نسب کے اسماء کو اگر کسی مجنون پر دم کر دیا جائے تو اسے یقیناً شفا حاصل ہوگی (مسند امام رضا صفحہ ۷)۔ آپ کا سلسلۂ نسب ماں کی طرف سے حضرت شمعون بن حمون الصفا وصی حضرت عیسیٰ تک پہنچتا ہے۔ علامہ مجلسی اور علامہ طوسی لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون تھیں جن کا نام "ملیکہ" بھی تھا۔ نرجس خاتون یشوعا کی بیٹی تھیں، جو روم کے بادشاہ "قیصر" کے فرزند تھے جن کا سلسلۂ نسب وصی حضرت عیسیٰ جناب شمعون تک منتہی ہوتا ہے۔ ۱۳ سال کی عمر میں قیصر روم نے چاہا تھا کہ نرجس کا عقد اپنے بھتیجے سے کردے لیکن بعض قدرتی حالات کی وجہ سے وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ بالآخر ایک ایسا وقت آگیا کہ عالم ارواح میں حضرت عیسیٰ جناب شمعون حضرت محمد مصطفےٰ جناب امیرالمومنین اور حضرت فاطمہ بمقام قصر قیصر جمع ہوئے۔ جناب سیدہ نے نرجس خاتون کو اسلام کی تلقین کی اور آنحضرت صلعم نے بتوسط حضرت عیسیٰ جناب شمعون سے امام حسن عسکری ؑ کے لئے نرجس خاتون کی خواستگاری کی۔ نسبت کی تکمیل کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ایک نوری منبر پر بیٹھ کر عقد پڑھا اور کمال مسرت کے ساتھ یہ محفل نشاط برخاست ہوگئی۔

جس کی اطلاع جناب نرجس کو خواب کے طور پر ہوئی ۔ بالآخر وہ وقت آگیا کہ جناب نرجس خاتون حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں آپہنچیں اور آپ کے بطن مبارک سے نور خدا کا ظہور ہوا (کتاب جلاء العیون صفحہ ۲۹۸ ۔ کتاب التخبیہ وغایتہ المقصود صفحہ ۱۷۵)

آپ کا اسم گرامی آپ کا نام نامی اور اسم گرامی "محمد" اور مشہور لقب "مہدی" ہے ۔ علماء کا کہنا ہے کہ آپ کا نام زبان پر جاری کرنے کی ممانعت ہے علامہ مجلسی اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حکمت آں مخفی است" اس کی وجہ پوشیدہ اور غیر معلوم ہے (جلاء العیون صفحہ ۲۹۸) علماء کا بیان ہے کہ آپ کا یہ نام خود حضرت محمد مصطفےٰ ص نے رکھا تھا ۔ ملاحظہ ہو روضتہ الاحباب ، ینابیع المودۃ ۔ مورخ اعظم مسٹر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۱ میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرت ص نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہوں گے ۔" آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو میری اولاد میں سے مہدی ہوگا جو ظلم و جور کو دور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا ۔ شرک و کفر کو دنیا سے نابود کردے گا ۔ نام "محمد" اور لقب "مہدی" ہوگا ۔ حضرت عیسےٰ ع آسمان سے اتر کر اس کی نصرت کریں گے اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کریں گے ۔"

آپ کی کنیت اس پر علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت "ابوالقاسم" اور ابوعبداللہ تھی اور اس پر بھی علماء متفق ہیں کہ ابوالقاسم کنیت خود سرور کائنات کی تجویز کردہ ہے ۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر صفحہ ۱۰۴ ۔ تذکرہ خواص الامت صفحہ ۲۰۴ ۔ روضتہ الشہدا صفحہ ۴۳۹ ۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴ ۔ شواہد النبوت صفحہ ۲۱۲ ۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۳۰ ۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۸ ۔

یہ مسلمات سے ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مہدی کا نام میرا نام اور ان کی کنیت میری کنیت ہوگی ۔ لیکن اس روایت میں بعض اہل اسلام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہدی کے باپ کے نام میرے والد محترم کا نام ہوگا ۔ مگر ہمارے راویوں نے اس کی روایت نہیں کی اور خود ترمذی شریف میں بھی "اسم ابیہ اسم ابی" نہیں ہے ۔ تاہم بقول صاحب المناقب علامہ گنجی شافعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ "ابیہ" سے مراد ابوعبداللہ الحسین ہیں یعنی اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امام مہدی حضرت امام حسین ع کی اولاد سے ہیں ۔

آپ کے القاب آپ کے القاب مہدی ، حجتہ اللہ خلف الصالح ، صاحب العصر ، صاحب الامر الزمان القائم الباقی اور المنتظر ہیں ۔ ملاحظہ ہو تذکرہ خواص الامت صفحہ ۲۰۴ روضتہ الشہداء صفحہ ۴۳۹ ۔ کشف الغمہ صفحہ ۱۳۱ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴ ۔ مطالب السئول صفحہ ۲۹۴ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۴۰ ۔ حضرت دانیال نبی نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے ۱۴۲۰

سال پہلے آپ کا لقب منتظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب دانیال باب ۱۲، آیت ۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی المنتظر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہیں منتظر یعنی جس کا انتظار کیا جائے۔ اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ مدینہ کے سرداب میں غائب ہو گئے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں چلے گئے (مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کا انتظار کر رہے ہیں) شیخ العراقین علامہ شیخ عبدالرضا تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو منتظر اس لیئے کہتے ہیں کہ آپ کی غیبت کی وجہ سے آپ کے مخلصین آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو (انوار الحسینیہ جلد ۲ صفحہ ۵۷ طبع بمبئی)

آپ کا حلیہ مبارک

کتاب اکمال الدین میں شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مہدی، شکل و شباہت خلق و خلق شمائل و خصائل، اقوال و افعال میں میرے مشابہ ہوں گے۔

آپ کے حلیے کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا رنگ گندم گوں، قد میانہ تھا، آپ کی پیشانی کھلی ہوئی اور آپ کے ابرو گھنے اور باہم پیوستہ تھے۔ آپ کی ناک باریک اور بلند تھی۔ آپ کی آنکھیں بڑی اور آپ کا چہرہ نہایت نورانی تھا۔ آپ کے داہنے رخسارہ پر ایک تل تھا "کانہ کوکب دری" جو ستارہ کی مانند چمکتا تھا۔ آپ کے دانت چمکدار اور کھلے ہوئے تھے آپ کی پشت پر اسی طرح مہر امامت ثبت تھی جس طرح پشت رسالت مآب پر مہر نبوت ثبت تھی (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۵ و غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۶۴، نور الابصار صفحہ ۱۵۲)

تین سال کی عمر میں حجت اللہ ہونے کا دعویٰ

کتب تواریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش کا کام جناب جبرئیل علیہ السلام کے سپرد تھا اور وہ ہی آپ کی پرورش و پرداخت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو بچہ ولادت کے وقت کلام کر چکا ہو اور جس کی پرورش جبرئیل جیسے مقرب فرشتہ کے سپرد ہو وہ یقیناً دنیا میں چند دن گذارنے کے بعد بہر صورت اس صلاحیت کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے حجت اللہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ احمد ابن اسحاق اور سعد الاشعری ایک دن حضرت امام حسن عسکری ؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ آج امام علیہ السلام سے یہ دریافت کریں گے کہ آپ کے بعد حجت اللہ فی الارض کون ہوگا، جب سامنا ہوا تو امام حسن عسکری ؑ نے فرمایا کہ اے احمد تم جو دل میں لے کر آئے ہو میں اس کا جواب تمہیں دیئے دیتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ اپنے مقام سے اٹھے اور اندر جا کر یوں واپس آئے کہ آپ کے کندھے پر ایک نہایت خوب صورت بچہ تھا جس کی عمر تین سال کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اے احمد! میرے بعد حجت خدا یہ ہوگا اس کا نام محمد اور اس کی کنیت "ابو القاسم" ہے۔ یہ خضر کی طرح زندہ رہے گا اور ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔

احمد ابن اسحاق نے کہا۔ مولا۔ کوئی ایسی علامت بتا دیجئے جس سے دل کو اطمینان کامل ہو جائے۔ آپ نے امام مہدی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ بیٹا! اس کا تم جواب دو۔ امام مہدی علیہ السلام نے کم سنی کے باوجود بزبان فصیح فرمایا "انا حجۃ اللہ وانا بقیۃ اللہ" میں ہی خدا کی حجت اور حکم خدا سے باقی رہنے والا ہوں۔ ایک دن وہ آئے گا جس میں یک دشمنانِ خدا سے بدلہ لوں گا۔ یہ سن کر احمد مطمئن ہو گئے (کشف الغمہ صفحہ ۱۳۸)

پانچ سال کی عمر میں خاص الخاص اصحاب سے آپکی ملاقات

یعقوب بن منقوش و محمد بن عثمان عمری و ابی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی: مولا! آپ کے بعد امر امامت کس کے سپرد ہوگا اور کون حجت خدا قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند محمد میرے بعد حجت اللہ فی الارض ہوگا۔ ہم نے عرض کی مولا! ہمیں ان کی زیارت کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا وہ پردہ جو سامنے آویختہ ہے اسے اٹھاؤ۔ ہم نے پردہ اٹھایا تو اس سے ایک نہایت خوب صورت بچہ جس کی عمر پانچ سال تھی۔ برآمد ہوا۔ اور وہ آ کر امام حسن عسکریؑ کی آغوش میں بیٹھ گیا۔ امام نے فرمایا کہ یہی میرا فرزند میرے بعد حجت اللہ ہوگا۔ محمد بن عثمان کا کہنا ہے کہ ہم اس وقت چالیس افراد تھے اور ہم سب نے ان کی زیارت کی۔ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند امام مہدیؑ کو حکم دیا کہ وہ اندر واپس چلے جائیں اور ہم سے فرمایا "شما او را نخواہید دید غیر از ہمروز" کہ اب تم آج کے بعد پھر اسے نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر غیبت شروع ہو گئی (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۹ — و شواہد النبوت صفحہ ۲۱۳) علامہ طبرسی کتاب اعلام الوریٰ کے صفحہ ۲۴۳ میں فرماتے ہیں کہ آئمہ کے نزدیک محمد اور عثمان عمری دونوں ثقہ ہیں پھر اسی صفحے میں فرماتے ہیں کہ ابو ہارون کا کہنا ہے کہ میں نے بچپن میں صاحب الزمان کو دیکھا ہے وجہہ کانہ القمر لیلۃ البدر" ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

امام مہدی نبوت کے آئینہ میں

علامہ طبرسیؒ بحوالہ حضرات معصومین علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام میں بہت سے انبیاء کے حالات و کیفیات نظر آتے ہیں اور جن واقعات سے مختلف انبیاء کو دو چار ہونا پڑا وہ تمام واقعات آپ کی ذات ستودہ صفات میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے لئے حضرت نوح حضرت ابراہیم، حضرت موسےٰؑ، حضرت عیسےٰؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ، حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو لے لیجئے اور ان کے حالات پر غور کیجئے۔ آپ کو حضرت نوح کی طویل زندگی نصیب ہوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آپ کی ولادت چھپائی گئی اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر روپوش ہونا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح حجت کے زمین سے اٹھ جانے کا خوف لاحق ہوا۔ اور انہیں کی ولادت کی طرح آپ کی ولادت

بھی پوشیدہ رکھی گئی اور انہیں کے ماننے والوں کی طرح آپ کے ماننے والوں کو آپ کی غیبت کے بعد ستایا گیا۔ حضرت عیسیٰ کی طرح آپ کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ایوبؑ کی طرح تمام امتحانات کے بعد آپ کو فرج و کشائش نصیب ہوئی۔ حضرت یوسف کی طرح عوام اور خواص سے آپ کی غیبت ہو گئی۔ حضرت یونسؑ کی طرح غیبت کے بعد آپ کا ظہور ہو گا یعنی جس طرح وہ اپنی قوم سے غائب ہو کر بڑھاپے کے باوجود نوجوان تھے اسی طرح آپ کا جب ظہور ہو گا تو آپ چالیس سالہ جوان ہوں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ کی طرح آپ صاحب السیف ہوں گے (اعلام الوریٰ ۲۶۴ طبع بمبئی ۱۳۱۲ھ)

امام حسن عسکری کی شہادت

امام مہدی علیہ السلام کی عمر ابھی صرف پانچ سال کی ہوئی تھی کہ خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی نے مدتوں قید رکھنے کے بعد امام حسن عسکریؑ کو زہر دے دیا جس کی وجہ سے آپ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء بعمر ۲۸ سال رحلت فرما گئے "وخلف من الولد ابنہ محمدؑ" اور آپ نے اولاد میں صرف امام محمد مہدی کو چھوڑا (نور الابصار صفحہ ۱۵۲ دمعہ ساکبہ صفحہ ۱۹۱) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو سارے شہر سامرہ میں ہلچل مچ گئی۔ فریاد و فغاں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ سارے شہر میں ہڑتال کر دی گئی یعنی ساری دوکانیں بند ہو گئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ تمام بنی ہاشم، حکام دولت، منشی، قاضی ارکان عدالت، اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرت کے جنازے کے لئے دوڑ پڑے۔ حالت یہ تھی کہ شہر سامرہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تجہیز اور نماز سے فراغت کے بعد آپ کو اسی مکان میں دفن کر دیا جس میں حضرت امام علی نقیؑ مدفون تھے نور الابصار صفحہ ۱۵۲۔ تاریخ کامل، صواعق محرقہ و فصول مہمہ۔ جلاء العیون صفحہ ۲۹۶۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد نماز جنازہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے پڑھائی۔ ملاحظہ ہو دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ و جلاء العیون صفحہ ۲۹۷) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ نماز کے بعد آپ کو بہت سے لوگوں نے دیکھا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۴۲) علامہ ابن طاؤس کا ارشاد ہے کہ ۸ ربیع الاول کو امام حسن عسکری کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربیع الاول سے حضرت حجت کی امامت کا آغاز ہوا۔ اسی وجہ سے ہم ۹ ربیع الاول کو خوشی مناتے ہیں (کتاب اقبال) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول کو عمر بن سعد بدست مختار آل محمد قتل ہوا ہے (زاد المعاد صفحہ ۵۸۵) جو عبید اللہ ابن زیاد کا سپہ سالار تھا جس کے قتل کے بعد آل محمدؐ نے پورے طور پر خوشی منائی (بحار الانوار) کتاب دمعہ ساکبہ کے صفحہ ۱۹۲ میں ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے ۲۵۹ھ میں اپنی والدہ کو حج کے لئے بھیج دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ ۲۶۰ھ میں میری شہادت ہو جائے گی۔ اسی سن میں آپ نے حضرت امام مہدی کو جملہ تبرکات دے دیئے تھے اور اسم اعظم

وغیرہ تعلیم کر دیا تھا (دمعہ ساکبہ وجلاء العیون صفحہ ۲۹۸) انہیں تبرکات میں حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا وہ قرآن بھی تھا جو ترتیب نزولی پر سرور کائنات کی زندگی میں مرتب کیا گیا تھا (تاریخ الخلفا لقمان) اور جسے حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اس لیئے رائج نہ کیا تھا کہ اسلام میں دو قرآن رواج پا جائیں گے اور اسلام میں تفرقہ پڑ جائے گا (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۳) میرے نزدیک اسی سن میں حضرت نرجس خاتون کا انتقال ہوا ہے اور اسی سن میں حضرت نے غیبت اختیار فرمائی ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور اسکی ضرورت

بادشاہ وقت خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح ظلم وستم کا خوگر اور آلِ محمدؐ کا جانی دشمن تھا۔ اس کے کانوں میں مہدی کی ولادت کی بھنک پڑ چکی تھی اس نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد تکفین وتدفین سے پہلے بقول علامہ مجلسی حضرت کے گھر پر پولیس کا چھاپہ ڈلوایا اور چاہا کہ امام مہدی علیہ السلام کو گرفتار کرالے لیکن چونکہ وہ بحکم خدا ۲۳ رمضان المبارک ۲۵۹ھ کو سرداب میں جا کر غائب ہو چکے تھے جیسا کہ شواہد النبوت نور الابصار، دمعہ ساکبہ، روضۃ الشہدا، مناقب الائمہ، انوار الحسینیہ وغیرہ سے مستفاد و مستنبط ہوتا ہے۔ اس لیئے وہ اسے دستیاب نہ ہو سکے۔ اس نے اس کے ردعمل میں حضرت امام حسن عسکریؑ کی تمام بیبیوں کو گرفتار کرالیا اور حکم دیا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ آیا کوئی ان میں سے حاملہ تو نہیں ہے۔ اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ضائع کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ حضرت سرور کائنات صلعم کی پیشینگوئی سے خائف تھا کہ آخری زمانہ میں میرا ایک فرزند جس کا نام مہدی ہوگا کائنات عالم کے انقلاب کا ضامن ہوگا اور اُسے یہ معلوم تھا کہ وہ فرزند امام حسن عسکریؑ کی اولاد سے ہی ہوگا۔ لہذا اس نے آپ کی تلاش اور آپ کے قتل کی پوری کوشش کی۔ تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں ہے کہ ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد جب معتمد خلیفہ عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لیئے آدمی بھیجے تو آپ سرداب "مدسرمن رائے" میں غائب ہو گئے۔ بعض اکابر علماء اہلسنّت بھی اس امر میں شیعوں کے ہم زبان ہیں چنانچہ ملا جامی نے شواہد النبوت میں امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار والیواقیت والجواہر میں اور شیخ احمد محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں اور خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں اور عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ آئمہ طاہرین میں اور جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں اور ابو عبداللہ شامی صاحب کفایۃ الطالب نے کتاب التبیان فی اخبار صاحب الزمان میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامت میں اور ابن صباغ نور الدین علی مالکی نے فصول المہمہ میں اور کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور شاہ ولی اللہ نے فضل المبین

ہیں اور شیخ سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور بعض دیگر علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور جو لوگ ان حضرات کے طول عمر میں تعجب کر کے انکار کرتے ہیں ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تمام اہل اسلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اب تک زندہ مانا ہوا ہے۔ ادریسؑ بہشت میں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اب تک زندہ مانے جاتے ہیں۔ اگر خدائے تعالےٰ نے آل محمد میں سے ایک شخص کو طول عمر عنایت کیا تو تعجب ہے۔ حالانکہ اہل اسلام کو دجال کے موجود ہونے اور قریب قریب ظہور کرنے سے بھی انکار نہیں ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۶۸ میں ہے خاندان رسالت کے گیارھویں امام حسن عسکری ۲۶۰ھ میں زہر سے شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کی وفات پر ان کے صاحبزادے محمد ملقب بہ مہدی شیعوں کے آخری امام ہوئے۔ مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ خاندان رسالت کے ان اماموں کے حالات نہایت دردناک ہیں۔ ظالم متوکل نے حضرت امام حسن عسکری کے والد ماجد امام علی نقیؑ کو مدینہ سے سامرہ میں پکڑ بلایا تھا اور وہاں ان کی وفات تک ان کو نظر بند رکھا تھا (پھر زہر سے ہلاک کر دیا تھا) اسی طرح متوکل کے جانشینوں نے بدگمانی اور حسد کے مارے حضرت امام حسن عسکری کو قید کر رکھا تھا۔ ان کے کم سن صاحبزادے محمد المہدی کو جن کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال کی تھی خوف کے مارے اپنے گھر کے قریب ہی ایک غار میں چھپ گئے اور غائب ہو گئے الخ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جس غار میں امام مہدیؑ کی غیبت بتائی جاتی ہے اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے (نور الابصار جلد ۱ صفحہ ۱۵۲) علامہ ابن حجر مکی کا ارشاد ہے کہ امام مہدی سرداب میں غائب ہوئے ہیں "فلم یعرف این ذھب" پھر معلوم نہیں کہاں تشریف لے گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۴)

غیبت امام مہدی پر علماء اہل سنّت کا اجماع

جمہور علماء اسلام امام مہدیؑ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اس میں شیعہ اور سنّی کا سوال نہیں ہر فرقہ کے علماء یہ مانتے ہیں کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں۔ ہم علماء اہل سنت کے اسماء مع ان کی کتابوں اور مختصر اقوال کے درج کرتے ہیں (۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی کتاب مطالب السئول میں یہ فرماتے ہیں کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے (۲) علامہ علی بن محمد بن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ میں ہے کہ امام حسن عسکری گیارھویں امام نے اپنے بیٹےؑ امام مہدی کی ولادت بادشاہ وقت کے خوف سے پوشیدہ رکھی (۳) علامہ شیخ عبداللہ ابن احمد خشاب کی کتاب تاریخ موالید میں ہے کہ امام مہدیؑ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہے آپ آخری زمانہ میں ظہور و خروج کریں گے (۴) علامہ محی الدین ابن عربی حنبلی کی کتاب فتوحات میں ہے کہ جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو امام مہدیؑ ظہور کریں گے (۵) علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی

کی کتاب الیواقیت والجواہر میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ ار شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں آپ اس وقت یعنی ۹۵۸ھ میں ان کی عمر ۷۰۳ سال کی ہے۔ یہی مضمون علامہ بدخشانی کی کتاب مفتاح النجات میں بھی ہے (۶) علامہ عبدالرحمٰن جامی حنفی کی کتاب شواہد النبوت میں ہے کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی ولادت پوشیدہ رکھی گئی ہے وہ امام حسن عسکری کی موجودگی میں غائب ہو گئے ہیں۔ اسی کتاب میں ولادت کا پورا واقعہ حکیمہ خاتون کی زبانی مندرج ہے (۷) علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مناقب الآئمہ میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ ار شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ امام حسن عسکریؑ نے ان کے کان میں اذان و اقامت کہی ہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اس مالک کے سپرد ہو گئے جن کے پاس حضرت موسےؑ بچپنے میں تھے (۸) علامہ جمال الدین محدث کی کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ ار شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور زمانہ معتمد عباسی میں بمقام "سرمن رائے" "از نظر برایا غائب شد" لوگوں کی نظروں سے سرداب میں غائب ہو گئے (۹) علامہ عبدالرحمٰن صوفی کی کتاب مرأۃ الاسرار میں ہے کہ آپ بطن نرجس سے ۱۵ ار شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں (۱۰) علامہ شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج کی کتاب ہدایۃ السعداء میں ہے کہ خلافت رسولؐ حضرت علیؑ کے واسطے سے امام مہدی تک پہنچی۔ آپ ہی آخری امام ہیں (۱۱) علامہ نصر بن علی جہمتی کی کتاب موالید آئمہ میں ہے کہ امام مہدی نرجس خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں (۱۲) علامہ ملا علی قاری کی کتاب مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام مہدی بارھویں امام ہیں۔ شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہل سنت اہل بیت کے دشمن ہیں (۱۳) علامہ جواد ساباطی کی کتاب براہین ساباطیہ میں ہے کہ امام مہدی اولاد فاطمہ سے ہیں۔ وہ بقولے ۲۵۵ھ میں پیدا ہو کر ایک عرصہ کے بعد غائب ہو گئے ہیں (۱۴) علامہ شیخ حسن عراقی جن کی تعریف کتاب الواقح میں ہے کہ انہوں نے امام مہدی سے ملاقات کی ہے (۱۵) علامہ علی خواص جن کے متعلق شعرانی نے لواقح اور الیواقیت میں لکھا ہے کہ انہوں نے امام مہدیؑ سے ملاقات کی ہے (۱۶) علامہ شیخ سعد الدین کا کہنا ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں "و در آخر زمانہ آشکار گردد" اور وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے جیسا کہ کتاب مقصد اقصی میں ہے (۱۷) علامہ علی اکبر ابن اسد اللہ کی کتاب مکاشفات میں ہے کہ آپ پیدا ہو کر قطب ہو گئے ہیں (۱۸) علامہ احمد بلاذری بحوالہ احادیث لکھتے ہیں کہ آپ پیدا ہو کر محجوب ہو گئے ہیں (۱۹) علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ نوادر میں ہے محمد بن حسن (المہدی) کے بارے میں شیعوں کا کہنا درست ہے (۲۰) علامہ شمس ابن جزری نے بحوالہ مسلسلات بلاذری اعتراف کیا ہے (۲۱) علامہ علاؤ الدولہ احمد سمنانی صاحب تاریخ خمیس در احوال النفس نفیس اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امام مہدی غیبت کے بعد ابدال پھر قطب بن گئے (۲۲) علامہ ملا حسین میبذی کی شرح دیوان میں ہے کہ امام مہدی تکمیل

صفات کے لیئے غائب ہوئے ہیں (۲۴) علامہ ذہبی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام مہدیؑ ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر معدوم ہو گئے ہیں (۲۵) علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ میں ہے کہ امام مہدی المنتظر پیدا ہو کر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں (۲۶) علامہ عصر کی کتاب وفیات الاعیان کی جلد ۲ ص ۴۵۱ میں ہے کہ امام مہدی کی عمر امام حسن عسکری کی وفات کے وقت ۵ سال کی تھی وہ سرداب میں غائب ہو کر پھر واپس نہیں ہوئے (۲۷) علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الآئمہ کے صفحہ ۲۰۴ میں ہے کہ آپ کا لقب القائم، المنتظر، الباقی ہے (۲۸) علامہ عبیداللہ امرتسری کی کتاب ارجح المطالب کے صفحہ ۳۷۷ میں بحوالہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں ہے کہ آپ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح عیسیٰؑ، خضرؑ، الیاس وغیرہم زندہ اور باقی ہیں (۲۹) علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۳۹۳ میں (۳۰) علامہ ابن خشاب نے کتاب موالید اہل بیت میں (۳۱) علامہ شبلنجی نے نورالابصار کے صفحہ ۱۵۲ طبع مصر ۱۳۲۲ھ میں بحوالہ کتاب البیان لکھا ہے کہ امام مہدی غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی ہیں اور ان کا وجود باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں وہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت عیسےٰؑ، حضرت خضرؑ اور حضرت الیاس وغیرہم زندہ اور باقی ہیں۔ ان اللہ والوں کے علاوہ دجال، ابلیس بھی زندہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید، صحیح مسلم، تاریخ طبری وغیرہ سے ثابت ہے لہٰذا "لا امتناع فی بقائہ" ان کے باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ چلپی کتاب کشف الظنون کے صفحہ ۲۰۸ میں لکھتے ہیں کہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی کی تصنیف ہے (۳۲) علامہ فاضل روزبہان کی ابطال الباطل میں ہے کہ امام مہدی قائم و منتظر ہیں۔ وہ آفتاب کی مانند ظاہر ہو کر دنیا کی تاریکی، کفر زائل کر دیں گے (۳۳) علامہ علی متقی کی کتاب کنز العمال کی جلد ۷ کے صفحہ ۱۱۴ میں ہے کہ آپ غائب ہیں ظہور کر کے ۹ سال حکومت کریں گے (۳۴) علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب دُر منثور جلد ۳ صفحہ ۲۳ میں ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد عیسیٰؑ نازل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام مہدیؑ علیہ السلام کی غیبت

امام مہدی کی غیبت اور آپ کا وجود و ظہور قرآن مجید کی روشنی میں

اور آپ کے موجود ہونے اور آپ کے طول عمر نیز آپ کے ظہور و شہود اور ظہور کے بعد سارے دین کو ایک کر دینے کے متعلق ۹۴ آئتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن میں سے سب کو دونوں فریق نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بے شمار خصوصی احادیث بھی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، غایۃ المقصود و غایۃ المرام علامہ ہاشم بحرانی و ینابیع المودۃ میں اس مقام پر صرف دو تین آئتیں لکھتا ہوں (۱) آپ کی غیبت کے متعلق "الٓمٓ ذالک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب" ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان بالغیب سے امام مہدیؑ کی غیبت مراد ہے نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان کی غیبت پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں وہ سمجھ دار لوگ جو غیبت میں بھی ان کی محبت پر قائم رہیں گے (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۷۰ طبع بمبئی) ۲۔ آپ کے موجود اور باقی ہونے کے متعلق "جعلها کلمة باقیة فی عقبه" ہے۔ ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ کو قرار دیا ہے جو باقی اور زندہ رہے گا۔ اس کلمہ باقیہ سے امام مہدی امام مہدی کا باقی رہنا مراد ہے۔ اور وہی آل محمدؐ میں باقی ہیں (تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی صفحہ ۲۲۶) ۳۔ آپ کے ظہور اور غلبہ کے متعلق "لیظهره علی الدین کله" جب امام مہدیؑ بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دینوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے یعنی دنیا میں سوا ایک دین اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا (نور الابصار صفحہ ۱۵۳ طبع مصر)

امام مہدیؑ کا ذکر کتب آسمانی میں

حضرت داؤد کی زبور کی آیت ۴ مرموز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں جو انصاف کا مجسمہ انسان آئے گا اس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ کتاب صفیائے پیغمبر کے فصل ۳ آیت ۹ میں ہے آخری زمانے میں تمام دنیا موحد ہو جائے گی۔ کتاب زبور مرموز ۱۲۰ میں ہے جو آخر الزمان آئے گا اس پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا۔ صحیفہ شعیا پیغمبر کے فصل ۱۱ میں ہے کہ جب نور خدا ظہور کرے گا تو عدل و انصاف کا ڈنکا بجے گا۔ شیر اور بکری ایک جگہ رہیں گے چیتا اور بزغالہ ایک ساتھ چریں گے۔ شیر اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے۔ گوسالہ اور مرغ ایک ساتھ ہوں گے۔ شیر اور گائے میں دوستی ہوگی۔ طفل شیر خوار سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے گا اور وہ کاٹے گا نہیں۔ پھر اسی صحفہ کے فصل ۲۷ میں ہے کہ یہ نور خدا جب ظاہر ہوگا تو تلوار کے ذریعہ سے تمام دشمنوں سے بدلہ لے گا۔ صحیفہ تنجاکس حرف الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دنیا کے بُت مٹا دیئے جائیں گے۔ یہ ظہور کرنے والا کنیز (نرجس) کا بیٹا ہوگا۔ توریت کے سفر انبیاء میں ہے کہ مہدیؑ ظہور کریں گے۔ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ دجّال کو قتل کریں گے انجیل میں ہے کہ مہدیؑ اور عیسیٰؑ، دجال اور شیطان کو قتل کریں گے۔ اسی طرح مکمل واقعہ جس میں شہادت امام حسینؑ اور ظہور مہدی علیہ السلام کا اشارہ ہے انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۴۔ رویائے ۱۲ میں موجود ہے (کتاب الوسائل صفحہ ۱۲۹ طبع بمبئی ۱۳۳۹ھ)

امام مہدیؑ کی غیبت کی وجہ

مذکورہ بالا تحریروں سے علماء اسلام کا اعتراف ثابت ہو چکا یعنی واضح ہو گیا کہ امام مہدیؑ کے متعلق جو عقائد اہل تشیع کے ہیں وہی منصف مزاج اور غیر متعصب اہل تسنن کے علماء کے بھی ہیں اور مقصد اصلی کی تائید قرآن کی آیتوں نے بھی کر دی

اب رہی غیبت امام مہدیؑ کی ضرورت، اس کے متعلق عرض ہے کہ (۱) خلاقِ عالم نے ہدایت خلق کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور کثیر التعداد ان کے اوصیا بھیجے۔ پیغمبروں میں سے ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو ننانوے (۱۲۳۹۹۹) انبیاء کے بعد چونکہ حضور رسول کریمؐ تشریف لائے تھے لہذا ان کے جملہ صفات و کمالات و معجزات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم میں جمع کر دیئے گئے تھے اور آپ کو خدا نے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ گر بنایا بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ آپ کو بھی اس دنیائے فانی سے ظاہری طور پر جانا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو ہر قسم کے کمالات سے بھرپور کر دیا تھا یعنی حضرت علیؑ اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہو گئے تھے۔ سرورِ کائنات کے بعد کائناتِ عالم میں صرف ایک علیؑ کی ہستی تھی جو کمالاتِ انبیاء کی حامل تھی آپ کے بعد سے یہ کمالات اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے امام مہدیؑ تک پہونچے۔ بادشاہِ وقت امام مہدیؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا اگر وہ قتل ہو جاتے تو دنیا سے انبیاء و اوصیاء کا نام و نشان مٹ جاتا اور سب کی یادگار یک ضرب شمشیر ہو جاتی اور چونکہ انہیں انبیاء کے ذریعہ سے خداوندِ عالم متعارف ہوا تھا لہذا اس کا بھی ذکر ختم ہو جاتا اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی ہستی کو محفوظ رکھا جائے جو جملہ انبیاء اور اوصیاء کی یادگار اور تمام کے کمالات کی مظہر ہو (۲) خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے "وجعلها کلمة باقیة فی عقبه" ابراہیمؑ کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دے دیا ہے۔ نسلِ ابراہیمؑ دو فرزندوں سے چلی ہے۔ ایک اسحاقؑ اور دوسرے اسماعیلؑ۔ اسحاقؑ کی نسل سے خداوندِ عالم نے جناب عیسیٰؑ کو زندہ و باقی قرار دے کر آسمان پر محفوظ کر چکا تھا۔ اب یہ مقتضائے انصاف ضرورت تھی کہ نسلِ اسمٰعیلؑ سے بھی کسی ایک کو باقی رکھے اور وہ بھی زمین پر کیونکہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا لہذا امام مہدیؑ کو جو نسلِ اسماعیل سے ہیں۔ زمین پر زندہ اور باقی رکھا اور انہیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا۔ جس طرح حضرت عیسےٰؑ کو محفوظ کیا تھا (۳) یہ مسلمات اسلامی سے ہے کہ زمین حجتِ خدا اور امام زمانہ سے خالی نہیں رہ سکتی (اصول کافی صفحہ ۱۰۳ طبع نولکشور) چونکہ حجتِ خدا اس وقت امام مہدیؑ کے سوا کوئی نہ تھا اور انہیں دشمن قتل کر دینے پر تُلے ہوئے تھے اس لئے انہیں محفوظ و مستور کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حجتِ خدا کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کے ذریعہ سے روزی تقسیم کی جاتی ہے (بحار) (۴) یہ مسلّم ہے کہ حضرت امام محمد مہدیؑ جملہ انبیاء کے مظہر تھے اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں کی طرح ان کی غیبت بھی ہوتی یعنی جس طرح بادشاہِ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسےٰ، حضرت عیسےٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے عہدِ حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے اسی طرح یہ بھی غائب رہتے (۵) قیامت کا آنا مسلم ہے اور واقعہ قیامت میں امام مہدی کا ذکر بتاتا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت خداوندی کی بنا پر ہوئی ہے (۶) سورہ انا انزلناہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ نزول ملائکہ انبیاء و اوصیاء ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امام مہدیؑ کو اس لئے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزولِ ملائکہ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے اور شب قدر میں انہیں پر نزول ملائکہ ہو سکے۔ حدیث میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی روزی وغیرہ امام مہدیؑ تک پہنچا دی جاتی ہے اور وہی اسے تقسیم کرتے رہتے ہیں (۷) حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عام لوگ اس حکمت و مصلحت سے واقف نہ ہوں۔ غیبت امام مہدی اسی طرح مصلحت و حکمت خداوندی کی بنا پر عمل میں آئی ہے جس طرح طواف کعبہ، رمی جمرۃ وغیرہ ہے جس کی اصل مصلحت خداوندعالم ہی کو معلوم ہے۔ (۸) امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ امام مہدیؑ کو اس لئے غائب کیا جائے گا۔ تاکہ خداوند عالم اپنی ساری مخلوقات کا امتحان کر کے یہ جانچے کہ نیک بندے کون ہیں اور باطل پرست کون لوگ ہیں (اکمال الدین) (۹) چونکہ آپ کو اپنی جان کا خوف تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ "من خلف علی نفسہ احتاج الی الاستتار" کہ جسے اپنے نفس اور اپنی جان کا خوف ہو وہ پوشیدہ ہونے کو لازمی جانتا ہے (المرتضیٰ) (۱۰) آپ کی غیبت اس لئے واقع ہوئی ہے کہ خداوند عالم ایک وقت معین میں آلِ محمدؐ پر جو مظالم کئے گئے ہیں ان کا بدلہ امام مہدیؑ کے ذریعہ سے لے گا یعنی آپ عہد اوّل سے لے کر بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لیں گے (اکمال الدین)

غیبت امام مہدی جفر جامع کی روشنی میں

علامہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی حنفی رقم طراز ہیں کہ سدیر صیرفی کا بیان ہے کہ ہم اور مفضل بن عمر ابو بصیر ابان بن تغلب ایک دن صادق آل محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اے محمد" تمہاری غیبت کی خبر نے میرا دل بے چین کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رولائے۔ بات کیا ہے کس لئے حضور گریہ کناں ہیں۔ فرمایا۔ اے سدیر! میں نے آج کتاب "جفر جامع" بوقت صبح امام مہدی کی غیبت کا مطالعہ کیا ہے۔ اے سدیر! یہ وہ کتاب ہے جس میں "علم ما کان و ما یکون" کا اندراج ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اس میں لکھا ہوا ہے۔ اے سدیر! میں نے اس کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ ہماری نسل سے امام مہدی ہوں گے پھر وہ غائب ہو جائیں گے اور ان کی غیبت نیز عمر بہت طویل ہوگی۔ ان کی غیبت کے زمانہ میں مومنین مصائب میں مبتلا ہوں گے اور ان کے امتحانات ہوتے رہیں گے اور غیبت میں تاخیر کی وجہ سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہوں گے پھر فرمایا۔ اے سدیر سنو۔ ان کی ولادت حضرت موسیٰؑ کی ولادت کی طرح ہوگی اور ان کی غیبت حضرت عیسیٰؑ کی مانند ہوگی اور ان کے ظہور کا حال حضرت نوحؑ کے مانند ہوگا اور ان کی عمر حضرت خضرؑ کی عمر جیسی ہوگی (ینابیع المودۃ) اس حدیث کی مختصر شرح یہ ہے کہ (۱) تاریخ میں ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا زوال ایک مولود

بنی اسرائیل کے ذریعہ ہوگا تو اس نے حکم جاری کر دیا کہ ملک میں کوئی عورت حاملہ نہ رہنے پائے اور کوئی بچہ باقی نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ہزار بچے ضائع کئے گئے لیکن خدا نے حضرت موسےٰ کو فرعون کی تمام ترکیبوں کے باوجود پیدا کیا۔ باقی رکھا اور انہیں کے ہاتھوں سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹوا دیا۔ اسی طرح امام مہدی کے لئے ہوا کہ تمام بنی امیہ اور بنی عباسیہ کی سعی بلیغ کے باوجود آپ بطن نرجس خاتون سے پیدا ہوئے اور کوئی آپ کو دیکھ تک نہ سکا (۲) حضرت عیسےٰ کے بارے میں تمام یہودی اور نصرانی متفق ہیں کہ آپ کو سولی دے دی گئی اور آپ قتل کئے جا چکے لیکن خداوند عالم نے اس کی رد فرما دی اور کہہ دیا کہ وہ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ ان کو سولی دی گئی ہے یعنی خداوند عالم نے اپنے پاس بلا لیا ہے اور وہ آسمان پر امن و امان خدا کے پاس ہیں اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بھی لوگوں کا کہنا ہے کہ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ پیدا ہو کر حضرت عیسےٰ کی طرح غائب ہو چکے ہیں (۳) حضرت نوح نے لوگوں کی نافرمانی سے عاجز آ کر خدا سے عذاب کے نزول کی درخواست کی۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ پہلے ایک درخت لگاؤ وہ پھل لائے گا، تب عذاب کروں گا۔ اسی طرح نوحؑ نے سات مرتبہ کیا۔ بالآخر اس تاخیر کی وجہ سے آپ کے تمام دوست و موالی اور ایماندار کافر ہو گئے اور صرف تھوڑے مومنین رہ گئے۔ اسی طرح غیبت امام مہدیؑ اور تاخیر ظہور کی وجہ سے ہو رہا ہے لوگ فرامین پیغمبر اور آئمہ علیہم السلام کی تکذیب کر رہے ہیں اور عوام مسلم بلاوجہ اعتراضات کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور شاید اسی وجہ سے مشہور ہے کہ جب دنیا میں چالیس مومن کامل رہ جائیں گے تب آپ کا ظہور ہوگا (۴) حضرت خضر جو زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک زندہ اور موجود رہیں گے انہیں کی طرح حضرت امام مہدی بھی زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اور جب کہ حضرت خضر کے زندہ اور باقی رہنے میں مسلمانوں کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام مہدیؑ کے زندہ اور باقی رہنے میں کوئی اختلاف کی وجہ نہیں ہے۔

غیبت صغریٰ و کبریٰ اور آپ کے سفر

آپ کی غیبت کی دو حیثیت تھی ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ۔ غیبت صغریٰ کی مدت ۷۵، یا ۷۳، سال تھی۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں آپ کا ایک نائب خاص ہوتا تھا جس کے زیر اہتمام ہر قسم کا نظام چلتا تھا۔ سوال و جواب، خمس و زکوٰۃ اور دیگر مراحل اسی کے واسطے سے طے ہوتے تھے۔ خصوصی مقامات محروسہ میں اسی کے ذریعہ اور سفارش سے سفراء مقرر کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے جنہیں نائب خاص ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ان کا نام نامی و اسم گرامی حضرت عثمان بن سعید عمری تھا۔ آپ حضرت امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے معتمد خاص اور اصحاب خلص میں

میں سے تھے۔ آپ قبیلہ بنی اسد سے تھے آپ کی کنیت ابوعمر تھی۔ آپ سامرہ کے قریہ عسکر کے رہنے والے تھے۔ وفات کے بعد آپ بغداد میں دروازہ جبلہ کے قریب مسجد میں دفن کئے گئے ہیں۔
آپ کی وفات کے بعد بحکم امام علیہ السلام آپ کے فرزند، حضرت محمد بن عثمان بن سعید اس عظیم منزلت پر فائز ہوئے آپ کی کنیت ابوجعفر تھی۔ آپ نے اپنی وفات سے ۲ ماہ قبل اپنی قبر کھدوادی تھی۔ آپ کا کہنا تھا کہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے امام علیہ السلام نے بتا دیا ہے اور میں اپنی تاریخ وفات سے واقف ہوں۔ آپ کی وفات جمادی الاولیٰ ۳۰۵ھ میں واقع ہوئی اور آپ ماں کے قریب بمقام دروازہ کوفہ سر راہ دفن ہوئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد بواسطہ مرحوم حضرت امام علیہ السلام کے حکم سے حضرت حسین بن روح اس منصب عظیم پر فائز ہوئے۔ جعفر بن محمد بن عثمان سعید کا کہنا ہے کہ میرے والد حضرت محمد بن عثمان نے میرے سامنے حسین بن روح کو اپنے بعد اس منصب کی ذمہ داری کی متعلق امام علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تھا۔ حضرت حسین بن روح کی کنیت ابوالقاسم تھی آپ محلہ نوبخت کے رہنے تھے۔ آپ خفیہ طور پر جملہ ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا کرتے تھے آپ دونوں فرقوں کے نزدیک معتمد، ثقہ صالح اور امین قرار دیئے گئے ہیں آپ کی وفات شعبان ۳۲۶ھ میں ہوئی اور آپ محلہ نوبخت کوفہ میں مدفون ہوئے ہیں آپ کی وفات کے بعد بحکم امام علیہ السلام حضرت علی بن محمد السمری اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی آپ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے جب وقت قریب آیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد کا کیا انتظام کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اب آئندہ یہ سلسلہ قائم نہ رہے گا (مجالس المومنین صفحہ ۸۹ و جزیرہ خضرا ص۶ و انوار الحسینیہ صفحہ ۵۵) ملا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت کے صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد السمری کے انتقال سے ۶ یوم قبل امام علیہ السلام کا ایک فرمان ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہوا جس میں ان کی وفات کا ذکر اور سلسلہ سفارت کے ختم ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ امام مہدی کے خط کے عیون الفاظ یہ ہیں:۔

بیاعلی بن محمد عظم اللّٰہ اجر اخوانک فیک فانک میت ما بینک وبین ستۃ ایام فاجمع امرک ولاتوص الی احد لیقوم مقامک لبعد وفاتک فقد وقعت الغیبۃ التامۃ فلا ظہور الا بعد اذن اللّٰہ تعالیٰ ذکرہ اللّٰہ لبعد طول الامد الخ۔ (ترجمہ) اے علی بن محمد، خداوند عالم تمہارے بارے میں تمہارے بھائیوں اور دوستوں کو اجر جمیل عطا کرے تمہیں معلوم ہو کہ تم چھ یوم میں وفات پانے والے ہو تم اپنے انتظامات کرلو اور آئندہ کے لئے اپنا کوئی قائم مقام تجویز و تلاش نہ کرو۔ اس لئے کہ غیبت کبریٰ واقع ہوگئی ہے اور اب اذن خدا کے بغیر ظہور نا ممکن ہوگا۔ یہ ظہور بہت طویل عرصہ کے بعد ہوگا۔

غرضکہ چھ یوم گذرنے کے بعد حضرت ابوالحسن علی بن محمد السمری بتاریخ ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ انتقال فرما گئے اور پھر کوئی خصوصی سفیر مقرر نہیں ہوا اور غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

سفراء عمومی کے اسماء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سفراء کے اسماء بھی درج ذیل کر دیئے جائیں جو انہیں نواب خاص کے ذریعہ اور سفارش سے بحکم امام مالک محروسہ مخصوصہ میں امام علیہ السلام کا کام کرتے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

(۱) بغداد سے حاجز۔ بلالی۔ عطار (۲) کوفہ سے عاصمی (۳) اہواز سے محمد بن ابراہیم بن مہریار (۴) ہمدان سے محمد ابن صالح (۵) رے سے بسامی واسدی (۶) آذربائیجان سے قم بن علاء (۷) نیشاپور سے محمد بن شاذان (۸) قم سے احمد بن اسحاق (غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)

امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے بعد

امام مہدی علیہ السلام کی غیبت چونکہ خداوند عالم کی طرف سے بطور لطف خاص عمل میں آئی تھی۔ اس لئے آپ خدائی خدمت میں ہمہ تن منہمک ہو گئے اور غائب ہونے کے بعد آپ نے دین اسلام کی خدمت شروع فرما دی، مسلمانوں، مومنوں کے خطوط کے جوابات دینے ان کی بوقت ضرورت رہبری کرنے اور انہیں راہ راست دکھانے کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ضروری خدمات آپ زمانہ غیبت صغریٰ میں بواسطہ سفراء یا بلاواسطہ اور زمانہ غیبت کبریٰ میں بلاواسطہ انجام دیتے رہے اور قیامت تک انجام دیتے رہیں گے۔

۳۰۷ھ میں آپ کا حجر اسود نصب کرنا

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زمانہ نیابت میں بعہد حسین بن روح، ابوالقاسم، جعفر بن محمد بن قولویہ بارادہ حج بغداد گئے اور انہوں نے مکہ معظمہ پہنچ کر حج کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن وہ بغداد پہنچ کر سخت علیل ہو گئے۔ اسی دوران میں آپ نے سنا کہ قرامطہ نے حجر اسود کو نکال لیا ہے اور وہ اسے کچھ درست کر کے ایام حج میں پھر نصب کریں گے۔ کتابوں میں چونکہ پڑھ چکے تھے کہ حجر اسود صرف امام زمانہ ہی نصب کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے آنحضرت صلعم نے نصب کیا تھا پھر زمانہ حجاج میں امام زین العابدین نے نصب کیا تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے ایک کرم فرما ابن ہشام کے ذریعہ سے ایک خط ارسال کیا اور اسے کہہ دیا کہ جو حجر اسود نصب کرے اسے یہ خط دے دینا۔ نصب حجر کی لوگ سعی کر رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ پر قرار نہیں لیتا تھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت نوجوان ایک طرف سے سامنے آیا اور اس نے اسے نصب کر دیا اور وہ اپنی جگہ پر مستقر ہو گیا جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو ابن ہشام ان کے پیچھے ہو لیا۔ راستے میں انہوں نے پلٹ کر کہا اے ابن ہشام تو جعفر بن محمد کا خط مجھے دے دے دیکھ

اس میں اس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس سے کہہ دینا وہ ابھی تیس سال اور زندہ رہے گا یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ ابن ہشام نے سارا واقعہ بغداد پہنچکر جعفر بن قولویہ سے بیان کر دیا غرضکہ وہ تیس سال کے بعد وفات پا گئے (کشف الغمہ صفحہ ۱۳۲)۔ اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں موجود ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن ملا جامی رقم طراز ہیں کہ ایک شخص اسماعیل بن حسن ہرقلی جو نواحی حلہ میں مقیم تھا اس کی ران پر ایک زخم نمودار ہو گیا تھا جو ہر زمانہ بہار میں ابل آتا تھا جس کے علاج سے تمام دنیا کے اطبا عاجز اور قاصر ہو گئے تھے وہ ایک دن اپنے بیٹے شمس الدین کو ہمراہ لے کر سید رضی الدین علی بن طاؤس کی خدمت میں گیا انہوں نے پہلے تو بڑی سعی کی لیکن کوئی چارہ کار نہ ہوا۔ ہر طبیب یہ کہتا تھا کہ یہ پھوڑا رگ اکحل پر ہے اگر اسے نشتر دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اس لئے اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ "چوں از اطبا مایوس شدم عزیمت مشہد شریف، سرمن رائے کردم" جب میں تمام اطبا سے مایوس ہو گیا تو سامرہ کے سرداب کے قریب گیا اور وہاں پر حضرت صاحب الامر کو متوجہ کیا۔ ایک شب دریائے دجلہ سے غسل کر کے واپس آ رہا تھا کہ چار سوار نظر آئے۔ ان میں سے ایک نے میرے زخم کے قریب ہاتھ پھیرا اور میں بالکل اچھا ہو گیا۔ میں ابھی اپنی صحت پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک سوار نے جو سفید ریش تھے کہا کہ تعجب کیا ہے تجھے شفا دینے والے امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ یہ سن کر میں نے ان کے قدموں کا بوسہ دیا اور وہ لوگ نظروں سے غائب ہو گئے (شواہد النبوت صفحہ ۲۱۴ و کشف الغمہ صفحہ ۱۳۲)

اسحاق بن یعقوب کے نام امام عصر کا خط

علامہ طبرسی بحوالہ محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ اسحٰق بن یعقوب نے بذریعہ محمد بن عثمان عمری حضرت امام مہدی علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں کئی سوالات مندرج تھے حضرت نے بخط خود جواب تحریر فرمایا اور تمام سوالات کے جوابات تحریراً عنایت فرما دیئے جس کے اجزا یہ ہیں ۱۔ جو ہمارا منکر ہے وہ ہم سے نہیں ۲۔ میرے عزیزوں میں سے جو مخالفت کرتے ہیں ان کی مثال ابن نوح اور برادران یوسف کی ہے ۳۔ فقاع یعنی جو کی شراب کا پینا حرام ہے ۴۔ ہم تمہارے مال صرف اس لئے (بطور خمس) قبول کرتے ہیں کہ تم پاک ہو جاؤ اور عذاب سے نجات حاصل کر سکو ۵۔ میرے ظہور کرنے اور نہ کرنے کا تعلق صرف خدا سے ہے جو لوگ وقت ظہور مقرر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جھوٹ بولتے ہیں ۶۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ قتل نہیں ہوئے وہ کافر جھوٹے اور گمراہ ہیں ۷۔ تمام واقع ہونے والے حوادث میں میرے سفراء پر اعتماد کرو وہ میری طرف سے تمہارے لئے حجت ہیں اور میں حجت اللہ ہوں ۸۔ محمد بن عثمان امین اور ثقہ ہیں اور ان کی تحریر میری تحریر ہے ۹۔ محمد بن علی مہزیار اہوازی کا دل انشاء اللہ صاف ہو جائے گا اور انہیں کوئی شک نہ رہے گا ۱۰۔ گانے والی کی اجرت وقیمت حرام ہے ۱۱۔ محمد بن شاذان

بن نعیم ہمارے شیعوں میں سے ہیں ۱۲ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب اجدع ملعون ہے اور ان کے ماننے والے بھی ملعون ہیں۔ میں اور میرے باپ دادا اس سے اور اس کے باپ دادا سے ہمیشہ بیزار رہے ہیں ۱۳ جو ہمارا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (۱۴) خمس ہمارے سادات شیعہ کے لئے حلال ہے ۱۵ جو لوگ دین خدا میں شک کرتے ہیں وہ اپنے خود ذمہ دار ہیں ۱۶ میری غیبت کیوں واقع ہوتی ہے یہ بات خدا کی مصلحت سے متعلق ہے اس کے متعلق سوال بیکار ہے میرے آباؤ اجداد دنیا والوں کے شکنجہ میں ہمیشہ رہے ہیں لیکن خدا نے مجھے اس شکنجہ سے بچا لیا ہے جب میں ظہور کروں گا بالکل آزاد ہوں گا ۱۷ زمانہ غیبت میں مجھ سے فائدہ کیا ہے؟ اس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ میری مثال غیبت میں ویسی ہے جیسے ابر میں چھپے ہوئے آفتاب کی۔ میں ستاروں کی مانند اہل ارض کے لئے امان ہوں۔ تم لوگ غیبت اور ظہور سے متعلق سوالات کا سلسلہ بند کرو اور خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا کرو کہ وہ جلد میرے ظہور کا حکم دے اے اسحٰق، تم پر اور ان لوگوں پر میرا سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرتے ہیں (اعلام الوری صفحہ ۲۵۸۔ مجالس المومنین صفحہ ۱۹۰، کشف الغمہ صفحہ ۱۴۰)

شیخ محمدؒ بن محمدؒ کے نام امام زمانہ کا مکتوب گرامی

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام عصر علیہ السلام نے جناب شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا۔ جس میں انہوں نے شیخ مفید کی مدح فرمائی ہے اور بہت سے واقعات سے موصوف کو آگاہ فرمایا ہے ان کے مکتوب گرامی کا ترجمہ یہ ہے۔ میرے نیک برادر اور لائق محب، تم پر میرا سلام ہو تمہیں دینی معاملہ میں خلوص حاصل ہے اور تم ہمارے بارے میں یقین کامل رکھتے ہو۔ ہم اس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہم درود بھیجتے ہیں حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ان کی پاک آل پر۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تمہاری توفیقات دینی ہمیشہ قائم رکھے اور تمہیں نصرت حق کی طرف ہمیشہ متوجہ رکھے۔ تم جو ہمارے بارے میں صدق بیانی کرتے رہتے ہو خدا تم کو اس کا اجر عطا فرمائے تم نے ہم سے جو خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور دوستوں کو فائدہ پہنچایا وہ قابل مدح و ستائش ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تم کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب رکھے۔ اب ذرا ٹھہر جاؤ اور جیسا ہم کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔ اگرچہ ہم ظالموں کے امکانات سے دور ہیں لیکن ہمارے لئے خدا کافی ہے جس نے ہم کو ہمارے شیعہ مومنین کی بہتری کے لئے ذرائع دکھا دیئے ہیں جب تک دولت دنیا فاسقوں کے ہاتھ میں رہے گی ہم کو تمہاری خبریں پہنچتی رہیں گی اور تمہارے معاملات کے متعلق کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہ رہے گی ہم ان لغزشوں کو جانتے ہیں جو لوگوں سے (اپنے نیک اسلاف کے خلاف ظاہر ہو رہی ہیں (شاید اس سے اپنے چچا جعفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے) انہوں نے اپنے عہد کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ تاہم ہم ان کی رعائتوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ان کے ذکر بھولنے والے ہیں اگر ایسا ہوتا تو

ان پر مصیبتیں نازل ہو جاتیں اور دشمنوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا۔ پس ان سے کہو کہ خدا سے ڈرو اور ہمارے امر و نہی کی حفاظت کرو اور اللہ اپنے نور کا کامل کرنے والا ہے چاہے مشرک کیسے ہی کراہت کریں۔ تقیہ کو پکڑے رہو۔ میں اس کی نجات کا ضامن ہوں جو خدا کی مرضی کا راستہ چلے گا اس سال جب جمادی الاولیٰ کا مہینہ آئے گا تو اس کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا تمہارے لئے آسمان و زمین سے روشن آئتیں ظاہر ہوں گی مسلمانوں کے گروہ حزن و قلق میں بمقام عراق پھنس جائیں گے اور ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے رزق میں تنگی ہو جائے گی پھر یہ ذلت و مصیبت شریروں کی ہلاکت کے بعد دُور ہو جائے گی۔ ان کی ہلاکت سے نیک اور متقی لوگ خوش ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے کام کریں جن سے ان میں ہماری محبت زیادہ ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جب موت یکایک آ جائے گی تو باب توبہ بند ہو جائے گا اور خدائی قہر سے نجات نہ ملے گی خدا تم کو نیکی پر قائم رکھے اور تم پر رحمت نازل کرے"

میرے خیال میں یہ خط عہد غیبت کبریٰ کا ہے کیونکہ شیخ مفید کی ولادت ۱۱ ذیلقعدہ ۳۳۶ھ اور وفات ۳ رمضان ۴۱۳ھ میں ہوئی ہے اور غیبت صغریٰ کا اختتام ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ میں ہوا ہے۔ علامہ کبیر حضرت شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری مجالس المومنین کے صفحہ ۲۰۶ میں لکھتے ہیں کہ شیخ مفید کے مرنے کے بعد حضرت امام عصر نے تین شعر ارسال فرمائے تھے جو مرحوم کی قبر پر کندہ ہیں۔

ان حضرات کے نام جنہوں نے زمانہ غیبت صغریٰ میں امام کو دیکھا ہے

چار وکلائے خصوصی اور ساٹھ وکلائے عمومی کے علاوہ جن لوگوں نے حضرت امام عصر علیہ السلام کو دیکھا ہے ان کے اسماء میں سے بعض کے نام یہ ہیں (بغداد کے رہنے والوں میں سے) ۱ ابوالقاسم بن رئیس ۲ ابوعبداللہ بن فروخ ۳ مسرور الطباخ ۴، ۵ احمد و محمد پسران حسن ۶ اسحاق کاتب از نوبخت ۷ صاحب الفراء ۸ صاحب الصرۃ المختومہ ۹ ابوالقاسم بن ابی جلیس ۱۰ ابوعبداللہ الکندی ۱۱ ابوعبداللہ الجنیدی ۱۲ ہارون القزاز ۱۳ النیلی (ہمدان کے باشندوں میں سے) ۱۴ محمد بن کشمرد ۱۵ جعفر بن حمدان (دینور کے رہنے والوں میں سے) ۱۶ حسن بن ہارون ۱۷ احمد بن ہارون (از اصفہان) ۱۸ ابن بازشالہ (از ضیمر) ۱۹ زیدان (از قم) ۲۰ حسن بن نصر ۲۱ محمد بن محمد ۲۲ علی بن محمد بن اسحاق ۲۳ محمد بن اسحاق ۲۴ حسن بن یعقوب (از رے) ۲۵ قسم بن موسےٰ ۲۶ فرزند قسم بن موسےٰ ۲۷ ابن محمد بن ہارون ۲۸ صاحب الحصاۃ ۲۹ علی بن محمد ۳۰ محمد بن یعقوب کلینی ۳۱ ابوجعفر الرقاء (از قزھوین) ۳۲ مرداس ۳۳ علی بن احمد (از فارس) ۳۴ المجروح (از شہرزور) ۳۵ ابن الجمال (از قدس) ۳۶ مجروح (از مرو) ۳۷ صاحب الالف دینار ۳۸ صاحب المال والرقعۃ البیضاء ۳۹ ابوثابت (از نیشاپور) ۴۰ محمد بن شعیب بن صالح (از یمن) ۴۱ فضل بن زید ۴۲ حسن بن فضل ۴۳ جعفری ۴۴ ابن الاعجمی ۴۵ شمشاطی (از مصر) ۴۶ صاحب المولودین ۴۷ صاحب المال ۴۸ ابورجاء (از نصیبین) ۴۹ ابومحمد ابن الوجنا (از اہواز) ۵۰ الحصینی (غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

زیارت ناحیہ اور اصول کافی

کہتے ہیں کہ اسی زمانہ غیبت صغریٰ میں ناحیہ مقدسہ سے ایک ایسی زیارت برآمد ہوئی ہے جس میں تمام شہداء کربلا کے نام اور ان کے قاتلوں کے اسماء ہیں۔ اسے زیارت ناحیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصول کافی جو کہ حضرت ثقۃ الاسلام علامہ کلینی المتوفی ۳۲۸ھ کی ۲۰ سالہ تصنیف ہے وہ جب امام عصر کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا "ھذا کاف لشیعتنا" یہ ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ زیارت ناحیہ کی توثیق بہت سے علماء نے کی ہے جن میں علامہ طبرسی اور مجلسی بھی ہیں۔ دعائے سباسب بھی آپ ہی سے مروی ہے۔

غیبت کبریٰ میں امام مہدی کا مرکزی مقام

امام مہدی علیہ السلام چونکہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت عیسےٰ، حضرت ادریسؑ، حضرت خضرؑ حضرت الیاس، نیز دجال لبطال، یاجوج ماجوج اور ابلیس لعین زندہ اور باقی ہیں اور ان سب کا مرکزی مقام موجود ہے جہاں یہ رہتے ہیں مثلاً حضرت عیسےٰ چوتھے آسمان پر (قرآن مجید) حضرت ادریسؑ جنت میں (قرآن مجید) حضرت خضر اور الیاس مجمع البحرین یعنی دریائے فارس وروم کے درمیان پانی کے قصر میں (عجائب القصص علامہ عبدالواحد صفحہ ۱۷۰) اور دجال لبطال طبرستان کے جزیرہ مغرب میں (کتاب غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۱۰۲) اور یاجوج ماجوج بحیرہ روم کے عقب میں دو پہاڑوں کے درمیان (غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۴۷) اور ابلیس لعین استعمار ارضی کے وقت والے پایۂ تخت سلتان میں (کتاب ارشاد الطالبین علامہ اخوند درویزہ صفحہ ۲۴۳) تو لامحالہ حضرت امام مہدیؑ کا بھی کوئی مرکزی مقام ہونا ضروری ہے جہاں آپ تشریف فرما ہوں اور وہاں سے ساری کائنات میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوں۔ اسی لئے لکھا جاتا ہے کہ زمانۂ غیبت میں حضرت امام مہدیؑ جزیرۂ خضراء اور بحر ابیض میں اپنی اولاد اپنے اصحاب سمیت قیام فرما ہیں اور وہیں سے باعجاز تمام کام کیا کرتے اور ہر جگہ پہنچا کرتے ہیں یہ جزیرہ خضراء سرزمین بربر میں دریائے اندلس کے درمیان واقع ہے یہ جزیرہ معمور وآباد ہے اس دریا کے ساحل میں ایک موضع بھی ہے جو بشکل جزیرہ ہے اسے اندلس والے (جزیرہ رقصہ) کہتے ہیں کیونکہ اس میں ساری آبادی شیعوں کی ہے۔ اس تمام آبادی کی خوراک وغیرہ جزیرہ خضراء سے براہ بحر ابیض سال میں دو بار ارسال کی جاتی ہے ملاحظہ ہو تاریخ جہاں آراء۔ ریاض العلماء کفایۃ المہدی کشف القناع۔ ریاض المومنین، غایۃ المقصود۔ رسالہ جزیرہ خضراء و بحر ابیض اور مجالس المومنین علامہ نور اللہ شوشتری بحار الانوار، علامہ مجلسی نیز کتاب روضۃ الشہداء علامہ حسین واعظ کاشفی صفحہ ۴۳۹ میں امام مہدیؑ کے افضائے بلاد مغرب میں ہونے اور ان کے شہروں پر تصرف رکھنے اور صاحب اولاد وغیرہ ہونے کا حوالہ ہے۔ امام شبلنجی علامہ عبدالمومن نے بھی اپنی کتاب نور الابصار کے صفحہ ۱۵۲ میں اس کی طرف بحوالہ کتاب جامع الفنون اشارہ کیا ہے غیاث اللغات کے صفحہ ۴۹ میں ہے کہ یہ وہ دریا ہے جس کے جانب مشرق چین، جانب غربی یمن جانب شمال ہند جانب جنوب دریائے محیط واقع ہے اس بحر ابیض واخضر کا طول ۲ ہزار فرسخ اور عرض ۵ سو فرسخ ہے

اس میں بہت سے جزیرے آباد ہیں جن میں ایک سراندیپ بھی ہے اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۵ میں ہے کہ صاحب الزمان حضرت امام مہدی علیہ السلام کا لقب ہے علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ جس مکان میں رہتے ہیں اسے بیت الحمد کہتے ہیں (اعلام الوری صفحہ ۲۶۳)

جزیرہ خضرا میں امام علیہ السلام سے ملاقات

حضرت امام مہدیؑ کے قیام گاہ جزیرہ خضراء میں جو لوگ پہنچے ہیں ان میں سے شیخ صالح شیخ زین العابدین علی بن فاضل مازندرانی کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے آپ کی ملاقات کی تصدیق فضل بن یحیٰی بن علی طیبی کوفی و شیخ عالم عامل شیخ شمس الدین نجیح حلی و شیخ جلال الدین عبداللہ ابن عوام حلیؒ نے فرمائی ہے۔ علامہ مجلسی رحؒ نے آپ کے سفر کی ساری روئداد ایک رسالہ کی صورت میں ضبط کیا ہے جس کا مفصل ذکر بحار الانوار میں موجود ہے رسالہ جزیرہ خضرا کے صفحہ ۸ میں ہے کہ شیخ اجل سعید شہید بن محمد مکیؒ اور میر شمس الدین محمد اسد اللہ شوشتری نے بھی تصدیق کی ہے۔

مؤلف کتاب ہذا کہتا ہے کہ حضرت کی ولادت حضرت کی غیبت، حضرت کا ظہور وغیرہ جس طرح رمز خداوندی اور راز الٰہی ہے اسی طرح آپ کی جائے قیام بھی ایک راز ہے جس کی اطلاع عام ضروری نہیں ہے واضح ہو کہ کولمبس کے ادراک سے قبل بھی امریکہ کا وجود تھا۔

امام غائب کا ہر جگہ حاضر ہونا

احادیث سے ثابت ہے کہ امام علیہ السلام جو کہ مظہر العجائب حضرت علیؑ کے پوتے ہیں ہر مقام پر پہنچتے اور ہر جگہ اپنے ماننے والوں کے کام کرتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ بوقت ضرورت مذہبی لوگوں سے ملتے ہیں لوگ انہیں دیکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ انہیں پہچان نہ سکیں (غایۃ المقصود)

امام مہدیؑ اور حج کعبہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت امام مہدیؑ ہر سال حج کعبہ کے لئے مکہ معظمہ اسی طرح تشریف لے جاتے ہیں جس طرح حضرت خضرؑ و الیاسؑ جاتے ہیں۔ (سراج القلوب صفحہ ۷۷) علی بن احمد کوفی کا بیان ہے کہ میں طواف کعبہ میں مصروف و مشغول تھا کہ میری نظر ایک نہایت خوب صورت نوجوان پر پڑی۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا "انا المہدی و انا القائم" میں مہدیؑ آخر الزمان اور قائم آل محمدؐ ہوں۔ غانم ہندی کا بیان ہے کہ میں امام مہدیؑ کی تلاش میں ایک مرتبہ بغداد گیا۔ ایک پل سے گذرتے ہوئے مجھے ایک صاحب ملے اور مجھے ایک باغ میں لے گئے اور انہوں نے مجھ سے ہندی زبان میں کلام کیا اور فرمایا کہ تم امسال حج کے لئے نہ جاؤ ورنہ تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ محمد بن شاذان کا کہنا ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام مہدیؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرا پورا نام لے کر مجھے پکارا۔ چونکہ میرے پورے نام سے کوئی واقف نہ تھا اس لئے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا۔ میں امام زمانہ ہوں علامہ

شیخ سلیمان قندوزی بلخی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن صالح نے کہا کہ میں نے غیبت کبریٰ کے بعد امام مہدی علیہ السلام کو حجر اسود کے نزدیک اس حال میں کھڑے ہوئے دیکھا کہ انہیں لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں (ینابیع المودۃ)

زمانہ غیبت کبریٰ میں امام مہدیؑ کی بیعت

حضرت شیخ عبداللطیف حلبی حنفی کا کہنا ہے کہ میرے والد شیخ ابراہیم حسین کا شمار حلب کے مشائخ عظام میں تھا وہ فرماتے تھے کہ میرے مصری استاد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام مہدیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (ینابیع المودۃ باب ۸۵ صفحہ ۳۹۲)

امام مہدی کی مومنین سے ملاقات

رسالہ جزیرہ خضرا کے صفحہ ۱۶ میں بحوالہ احادیث آل محمد مرقوم ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ہر مومن کی ملاقات ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ مومنین انہیں مصلحت خداوندی کی بنا پر اس طرح نہ پہچان سکیں جس طرح پہچاننا چاہیئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس مقام پر میں اپنا ایک خواب لکھ دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل جب کہ میں امام زمانہ کے حالات لکھ رہا ہوں حدیث مذکورہ پر نظر ڈالنے کے بعد فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مولا سب کو دکھائی دیتے ہیں لیکن مجھے آج تک نظر نہ آئے اس کے بعد میں بستر استراحت پر گیا اور سونے کے ارادے سے لیٹا ابھی نیند نہ آئی تھی اور قطعی طور پر نیم بیداری کی حالت تھی کہ ناگاہ میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے جانب مشرق تاحد نظر ایک قوسی خط پڑا ہوا ہے یعنی شمال کی جانب کا سارا حصہ عالم پہاڑ ہے اور اس پر امام مہدی علیہ السلام برہنہ تلوار لئے کھڑے ہیں کہ یہ کہتے ہوئے کہ نصف دنیا آج ہی فتح کر لوں گا شمال کی جانب ایک پاؤں بڑھا رہے ہیں۔ آپ کا قد عام انسانوں کے قد سے ڈیوڑھا اور جسم دوہرا ہے بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں اور چہرہ انتہائی روشن ہے آپ کے پٹے کٹے ہوئے ہیں اور سارا لباس سفید ہے اور وقت عصر کا ہے یہ واقعہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء شب یک شنبہ بوقت ۱/۲ ۴ بجے شب کا ہے

ملا محمد باقر داماد کا امام عصر سے استفادہ کرنا

ہمارے اکثر علماء علمی مسائل اور مذہبی و معاشرتی مراحل حضرت امام زمانہ ہی سے طے کرتے آئے ہیں ملا محمد باقر داماد جو ہمارے عظیم القدر مجتہد تھے ان کے متعلق ہے کہ ایک شب آپ نے ضریح نجف اشرف میں ایک مسئلہ لکھ ڈالا اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ تمہارا امام زمانہ اس وقت مسجد کوفہ میں نماز گذار رہے تم وہاں جاؤ۔ وہ وہاں پہنچے خود بخود دروازہ مسجد کھل گیا اور آپ اندر داخل ہو گئے۔ آپ نے مسئلہ کا جواب حاصل کیا اور آپ مطمئن ہو کر برآمد ہوئے۔

جناب بحر العلوم کا امام زمانہ سے ملاقات کرنا

کتاب قصص العلماء مؤلفہ علامہ تنکابنی صفحہ ۵۵ میں مجتہد اعظم کربلائے معلیٰ جناب آقا سید محمد مہدی بحر العلوم

کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ ایک شب آپ نماز میں اندرون حرم مشغول تھے کہ اتنے میں امام عصر اپنے آب وجد کی زیارت کے لئے تشریف لائے جس کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت ہوئی اور بدن میں ایک قسم کا رعشہ پیدا ہو گیا۔ پھر جب وہ واپس تشریف لے گئے تو مجھ پر جو ایک خاص قسم کی کیفیت طاری تھی۔ وہ جاتی رہی اس کے علاوہ آپ کے اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں مندرج ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا حمایت مذہب فرمانا

کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۳۲ میں ہے کہ سید باقی بن عطوہ امامیہ مذہب کے تھے اور ان کے والد زیدیہ خیال رکھتے تھے ایک دن ان کے والد عطوہ نے کہا کہ میں سخت علیل ہو گیا ہوں اور اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہر قسم کے اطبا کا علاج کر چکا ہوں اے نور نظر! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے تمہارے امام نے شفا دے دی تو میں مذہب امامیہ اختیار کر لوں گا یہ کہنے کے بعد جب یہ رات کو بستر پر گئے تو امام زمانہ کا ان پر ظہور ہوا۔ امام نے مقام مرض کو اپنے ہاتھ سے مس کر دیا اور وہ مرض جاتا رہا عطوہ نے اسی وقت مذہب امامیہ اختیار کر لیا اور رات ہی میں جا کر اپنے فرزند باقی علوی کو خوشخبری دے دی۔

اسی طرح کتاب جواہر البیان میں ہے کہ بحرین کا والی نصرانی اور اس کا وزیر خارجی تھا۔ وزیر نے بادشاہ کے سامنے چند تازہ انار پیش کئے جن پر خلفاء کے نام علی الترتیب کندہ تھے اور بادشاہ کو یقین دلایا کہ ہمارا مذہب حق ہے اور ترتیب خلافت نشا قدرت کے مطابق درست ہے بادشاہ کے دل میں یہ بات کچھ اس طرح بیٹھ گئی کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ وزیر کا مذہب حق ہے اور امامیہ راہ باطل پر گامزن ہیں چنانچہ اس نے اپنے خیال کی تکمیل کے لئے جملہ علماء امامیہ کو جو اس کے عہد حکومت میں تھے بلا بھیجا اور انہیں انار دکھا کر ان سے کہا کہ اس کی رد میں کوئی معقول دلیل لاؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر کے تمام مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں گے۔ اس واقعہ نے علماء کرام میں ایک عجیب قسم کا ہیجان پیدا کر دیا۔ بالآخر سب علماء آپس میں مشورہ کے بعد ایسے دس علماء پر متفق ہو گئے جو ان میں نسبتاً مقدس تھے اور پروگرام یہ بنایا کہ جنگل میں ایک ایک عالم بوقت شب جا کر امام زمانہ سے استعانت کرے چونکہ ایک شب کی مہلت فی مدت ملی تھی اس لئے پریشانی زیادہ تھی غرضکہ علماء نے جنگل میں جا کر امام زمانہ سے فریاد کا سلسلہ شروع کیا دو عالم اپنی اپنی مدت فریاد وفغاں ختم ہونے پر جب واپس آئے اور تیسرے عالم حضرت محمد بن علی کی باری آئی تو آپ نے بدستور صحرا میں جا کر مصلےٰ بچھا دیا اور نماز کے بعد امام زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہو کر واپس آتے ہوئے انہیں ایک شخص راستے میں ملا اس نے پوچھا کیا بات ہے کیوں پریشان ہو؟ آپ نے عرض کی امام زمانہ کی تلاش ہے اور وہ تشریف نہیں لا رہے اس شخص نے کہا "انا صاحب العصر فاذکر حاجتک" میں ہی تمہارا امام زمانہ ہوں کہو کیا کہتے ہو۔ محمد بن علی نے کہا کہ اگر آپ صاحب العصر ہیں تو آپ سے حاجت بیان کرنے کی ضرورت کیا۔ آپ کو خود ہی علم ہوگا۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ سنو! وزیر کے فلاں کمرہ میں ایک لکڑی کا صندوق ہے اس میں مٹی کے چند سانچے رکھے ہوئے ہیں جب انار چھوٹا ہوتا ہے وزیر اس پر سانچہ چڑھا دیتا ہے اور جب وہ بڑھتا ہے تو اس پر وہ نام کندہ ہو جاتے ہیں جو سانچے میں کندہ ہیں۔ محمد بن علی! تم بادشاہ کو اپنے ہمراہ لے جا کر وزیر کے دجل وفریب کو واضح کرو وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے گا اور وزیر کو سزا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وزیر برخاست کر دیا گیا (کتاب بدائع الاخبار ملا اسماعیل سبزواری صفحہ ۵۰)۔

امام عصر کا واقعہ کربلا بیان کرنا

حضرت امام مہدی علیہ السلام سے پوچھا کہ "کھیعص" کا کیا مطلب ہے تو فرمایا کہ اس میں (ک) سے کربلا (ھ) سے ہلاکت عترت (ی) سے یزید ملعون (ع) سے عطش حسینی (ص) سے صبر آل محمدؐ مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت میں جناب ذکریا کا ذکر کیا گیا ہے جب ذکریا کو واقعہ کربلا کی اطلاع ہوئی تو وہ تین روز تک مسلسل روتے رہے (تفسیر صافی ص۲۹)

امام مہدی علیہ السلام کے طولِ عمر کی بحث

بعض مستشرقین وماہرین اعمار کا کہنا ہے کہ جن کے اعمال وکردار اچھے ہوتے ہیں اور جن کا صفائے باطن کامل ہوتا ہے ان کی عمریں طول ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ علماء وفقہا اور صلحا کی عمریں اکثر طویل دیکھی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ طول عمر مہدی علیہ السلام کی یہ بھی ایک وجہ ہو ان سے قبل جو آئمہ علیہم السلام گزرے وہ شہید کر دیئے گئے اور ان پر دشمنوں کا دسترس نہ ہوا تو یہ زندہ رہ گئے اور اب تک باقی ہیں لیکن میرے نزدیک عمر کا تقرر وتعین دست ایزدی میں ہے اسے اختیار ہے کہ کسی کی عمر کم رکھے کسی کی زیادہ۔ اس کی معین کردہ مدت عمر میں ایک پل کا بھی تفرقہ نہیں ہو سکتا۔

تواریخ واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے بعض لوگوں کو کافی طویل عمریں عطا کی ہیں عمر کی طوالت مصلحت خداوندی پر مبنی ہے اس سے اس نے اپنے دوست اور دشمن دونوں کو نوازا ہے دوستوں میں حضرت عیسےٰ، حضرت ادریس، حضرت خضر، حضرت الیاس اور دشمنوں میں سے ابلیس لعین دجال لیطال یاجوج ماجوج وغیرہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ چونکہ قیامت اصول دین اسلام سے ہے اور اس کی آمد میں امام مہدیؑ کا ظہور خاص حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ان کو زندہ وباقی رکھنا مقصود رہا ہو اور ان کے طول عمر کے اعتراض کو رد اور رفع ودفع کرنے کے لئے اس نے بہت سے افراد کی عمریں طویل کر دی ہوں۔ مذکورہ افراد کو جانے دیجئے عام انسانوں کی عمروں کو دیکھئے بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کی عمریں کافی طویل رہی ہیں۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) لقمان کی عمر ۳۵۰۰ سال (۲) عوج بن عنق کی عمر ۳۳۰۰ سال اور یعقوب نے ۳۶۰۰ سال (۳)

ذوالقرنین کی عمر ۳۰۰۰ سال (۴) حضرت نوح (۵) ضحاک (۶) طہمورث کی عمریں ۱۰۰۰ سال (۷) تینان کی عمر ۹۰۰ سال (۸) مہلائیل کی عمر ۸۰۰ سال (۹) نفیل بن عبداللہ کی عمر ۷۰۰ سال (۱۰) ربیعہ بن عمر عرف سطیح کاہن کی عمر ۶۰۰ سال (۱۱) حاکم عرب عامر بن ضرب کی عمر ۵۰۰ سال (۱۲) سام بن نوح کی عمر ۵۰۰ سال (۱۳) حرث بن مضاض جرہمی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۴) ارفخشد کی عمر ۴۰۰ سال (۱۵) وریدبن زید کی عمر ۴۵۶ سال (۱۶) سلمان فارسی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۷) عمر بن دوسی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۸) زہیر بن جناب عبداللہ کی عمر ۴۴۰ سال (۱۹) حرث بن مضاض کی عمر ۴۰۰ سال (۲۰) کعب بن حجمہ کی عمر ۳۹۰ سال (۲۱) نصر بن رحمان بن سلیمان کی عمر ۳۹۰ سال (۲۲) قیس بن ساعدہ کی عمر ۳۸۰ سال (۲۳) عمر بن ربیعہ کی عمر ۳۳۲ سال (۲۴) اکثم بن صنیفی کی عمر ۳۳۶ سال (۲۵) عمر بن طفیل عدوانی کی عمر ۲۰۰ سال تھی (غایۃ المقصود صفحہ ۱۰۳ - اعلام الوریٰ صفحہ ۲۷۰) ان لوگوں کی طویل عمروں کو دیکھنے کے بعد یہ ہرگز نہیں جا سکتا کہ چونکہ اتنی عمر کا انسان نہیں ہوتا اس لئے ہم امام مہدی کا وجود تسلیم نہیں کرتے کیونکہ امام مہدی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۱۳۷۸ھ میں صرف گیارہ سو تیئس سال کی ہوتی ہے جو مذکورہ عمروں میں سے لقمان حکیم اور ذوالقرنین جیسے مقدس لوگوں کی عمروں میں سے بہت کم ہے۔

الغرض قرآن مجید، اقوال علماء اسلام اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں اور قیامت کے قریب ظہور کریں گے اور آپ اسی طرح زمانہ غیبت میں بھی حجت خدا ہیں جس طرح بعض انبیاء اپنے عہد نبوت میں غائب ہونے کے دوران میں بھی حجت تھے (عجائب القصص ص۱۹۱) اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ زندہ اور باقی موجود ہیں کیونکہ جس کے پیدا ہونے پر علماء کا اتفاق ہو اور وفات کا کوئی ایک بھی غیر متعصب عالم قائل نہ ہو اور طویل العمر انسانوں کے ہونے کی مثالیں بھی موجود ہوں تو لامحالہ اس کا موجود اور باقی ہونا ماننا پڑے گا۔ دلیل منطقی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے (شکل اول) یہ ہے کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں اور جو پیدا ہو کر مرے نہیں وہ زندہ اور باقی ہوتا ہے لہٰذا امام مہدی زندہ اور باقی ہیں۔

ان تمام شواہد اور دلائل کی موجودگی میں جن کا ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے مولوی محمد امین مصری کا رسالہ "طلوع اسلام" کراچی جلد ۱۴ صفحہ ۵۴ اور ۴۹ میں یہ کہنا کہ:-

"شیعوں کو ابتداً روئے زمین پر کوئی ظاہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ان کو تکلیفیں دی گئیں اور پراگندہ اور منتشر کر دیا گیا تو انہوں نے ہمارے خیال کے مطابق امام منتظر اور مہدی وغیرہ کے پرامید عقائد ایجاد کر دیئے تاکہ عوام کی ڈھارس بندھی رہے۔"

اور ملا اخوند درویزہ کتاب ارشاد الطالبین صفحہ ۳۹۶ میں یہ فرمانا کہ:-

"ہندوستان میں ایک شخص عبداللہ نامی پیدا ہوگا جس کی بیوی آمنہ (آمنہ) ہوگی اس کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا وہی کوفہ جا کر حکومت کرے گا۔ لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام مہدی وہی ہیں جو امام حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ الخ"

حد درجہ مضحکہ خیز؛ افسوسناک اور حیرت انگیز ہے کیونکہ علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ "المھدی من ولد الامام الحسن العسکری" امام مہدی حضرت امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں اور ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہو ہوچکے ہیں ملاحظہ ہو اسعاف الراغبین، وفیات الاعیان، روضۃ الاحباب، تاریخ ابن الوردی۔ ینابیع المودۃ۔ تاریخ کامل، تاریخ طبری، نور الابصار، اصول کافی، کشف الغمہ، جلاء العیون، ارشاد مفید۔ اعلام الوریٰ، جامع عباسی، صواعق محرقہ، مطالب السئول، شواہد النبوت، ارجح المطالب، بحار الانوار۔ مناقب۔

حدیث نعثل اور امام عصر

نعثل ایک یہودی تھا جس سے حضرت عائشہ، حضرت عثمان کی تشبیہ دیا کرتی تھیں اور رسول اسلام علیہ السلام کے بعد فرمایا کرتی تھیں "اقتلوا نعثلاً" اس نعثل اسلامی عثمان کو قتل کردو (ملاحظہ ہو نہایۃ اللغۃ علامہ ابن اثیر جزری صفحہ ۳۲۱) یہی نعثل ایک دن حضور رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا۔ مجھے اپنے خدا، اپنے دین اپنے خلفاء کا تعارف کرایئے اگر میں آپ کے جواب سے مطمئن ہوگیا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضرت نے نہایت بلیغ اور بہترین انداز میں خلاق عالم کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد دین اسلام کی وضاحت کی" قال صدقت" نعثل نے کہا۔ آپ نے بالکل درست فرمایا۔ پھر اس نے عرض کی مجھے اپنے وصی سے آگاہ کیجئے اور بتایئے کہ وہ کون ہے یعنی جس طرح ہمارے نبی حضرت موسےٰ کے وصی یوشع بن نون ہیں اس طرح آپ کے وصی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے وصی علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن و حسین پھر حسین کے صلب سے نو بیٹے قیامت تک ہوں گے۔ اس نے کہا سب کے نام بتایئے۔ آپ نے بارہ اماموں کے نام بتائے۔ ناموں کو سننے کے بعد وہ مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں نے کتب آسمانی میں ان بارہ[۱۴] ناموں کو اسی زبان کے الفاظ میں دیکھا ہے پھر اس نے ہر وصی کے حالات بیان کئے کربلا کا ہونے والا واقعہ بتایا۔ امام مہدیؑ کی غیبت کی خبر دی اور کہا کہ ہمارے بارہ اسباطیں سے لاوی بن برخیا غائب ہوگئے تھے پھر مدتوں کے بعد ظاہر ہوئے اور از سر نو اسلام کی بنیادیں استوار کیں۔ حضرت نے فرمایا۔ اسی طرح ہمارا بارھواں جانشین امام مہدی محمد بن حسن طویل مدت تک غائب رہ کر ظہور کرے گا اور عدل وانصاف سے بھر دے گا (غایۃ المقصود صفحہ ۱۳۴ بحوالہ فرائد السمطین حموینی)

علامات ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق ارباب عصمت کے ارشادات

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے بیشمار علامات ظاہر ہوں گے پھر آخر میں آپ کا ظہور ہوگا مغرب و مشرق پر آپ کی حکومت ہوگی زمین خود بخود تمام دفائن اگل دے گی دنیا کی کوئی زمین ایسی نہ باقی رہے گی جس کو آپ آباد نہ کردیں۔ علامات ظہور میں چند یہ ہیں:۔

(۱) عورتیں، مردوں کے مشابہ ہوں گی (۲) مرد عورتوں جیسے ہوں گے (۳) عورتیں زین جیسی چیزوں گھوڑے

سائیکلوں پر سواری کرنے لگیں گی (۴) نماز جان بوجھ کر قضا کی جانے لگے گی (۵) لوگ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے (۶) قتل کرنا معمولی چیز سمجھا جائے گا (۷) سُود کا زور آئے گا (۸) زنا عام ہوگا (۹) اچھی اچھی عمارتیں بہت بنیں گی (۱۰) جھوٹ بولنا حلال سمجھا جائے گا (۱۱) رشوت عام ہوگی (۱۲) شہوت نفسانی کی پیروی کی جائے گی (۱۳) دین کو دنیا کے بدلے بیچا جائے گا (۱۴) عزیز داری کی پرواہ نہ ہوگی (۱۵) احمقوں کو عامل بنایا جائے گا (۱۶) بردباری کو کمزوری و بزدلی پر محمول کیا جائے گا (۱۷) ظلم فخر کے طور پر کیا جائے گا (۱۸) بادشاہ اور امراء فاسق و فاجر ہوں گے (۱۹) وزیر جھوٹے ہوں گے (۲۰) امانت دار خائن ہوں گے (۲۱) ہر ایک کے مددگار ظلم پرور ہوں گے (۲۲) قاریان قرآن فاسق ہوں گے (۲۳) ظلم وجور عام ہوگا (۲۴) طلاق بہت زیادہ ہوگی (۲۵) فسق و فجور نمایاں ہوں گے (۲۶) فریبی کی گواہی قبول کی جائے گی (۲۷) شراب نوشی عام ہوگی (۲۸) اغلام بازی کا زور ہوگا (۲۹) سحق یعنی عورتیں، عورتوں کے ذریعہ شہوت کی آگ بجھائیں گی (۳۰) مال خدا و رسول کو مال غنیمت سمجھا جائے گا (۳۱) صدقہ خیرات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا (۳۲) شریروں کی زبان کے خوف سے نیک بندے خاموش رہیں گے (۳۳) شام سے سفیانی کا خروج ہوگا (۳۴) یمن سے یمانی برآمد ہوگا (۳۵) مکہ اور مدینہ کے درمیان بمقام "بیدا" زمین دھنس جائے گی (۳۶) رکن اور مقام کے درمیان آلِ محمدؐ کی ایک معزز فرد قتل ہوگی (نور الابصار صفحہ ۱۵۵ طبع مصر) (۳۷) بنی عباس میں شدید اختلاف ہوگا۔ (۳۸) ۱۵ رشعبان کو سورج گرہن اور اسی ماہ کے آخر میں چاند گرہن ہوگا (۳۹) زوال کے وقت آفتاب تا وقت عصر قائم رہے گا (۴۰) مغرب سے آفتاب کا نکلنا (۴۱) نفس زکیہ اور ستر صالحین کا قتل ہونا (۴۲) مسجد کوفہ کی دیوار خراب و برباد کر دی جائے گی (۴۳) خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں گے (۴۴) مصر میں ایک مغربی کا ظہور ہوگا (۴۵) ترک جزیرہ میں ہوں گے (۴۶) روم رملہ میں پہنچ جائیں گے (۴۷) مشرق میں ایک ستارہ نکلے گا جس کی روشنی مغرب تک پھیلے گی (۴۸) ایک سرخی ظاہر ہوگی جو آسمان اور سورج پر غالب آجائے گی (۴۹) مشرق سے ایک زبردست آگ بھڑکے گی جو ۳ یا ۷ روز باقی رہے گی اور بروایت شبلنجی صفحہ ۱۲۱ وہ آگ مغرب تک پھیل کر عالم کو تہس نہس کر دے گی (۵۰) عرب مختلف بلاد پر قابو پالیں گے اور عجم کے بادشاہ کو مغلوب کر دیں گے (۵۱) مصری اپنے بادشاہ و حاکم کو قتل کر دیں گے (۵۲) شام تباہ و برباد ہو جائے گا (۵۳) قیس و عرب کے جھنڈے مصر پر لہرائیں گے (۵۴) خراسان میں بنی کندہ کا پرچم لہرائے گا (۵۵) فرات کا پانی اس درجہ چڑھ جائے گا کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں پانی ہوگا (۵۶) ۶۰ عدد مدعیان نبوت ظاہر ہوں گے (۵۷) ۱۲ نفر اولاد ابوطالب سے دعوے امامت کریں گے (۵۸) بنی عباس کا ایک عظیم شخص بمقام جلولا و خانقین نذر آتش کیا جائے گا (۵۹) بغداد میں کرخ جیسا پل بنایا جائے گا (۶۰) سیاہ آندھی کا آنا (۶۱) زلزلوں کا آنا (۶۲) اکثر مقام پر زمین کا دھنس جانا (۶۳) موت فجاۃ یعنی ناگہانی موت کا زیادہ ہونا (۶۴) جان و مال اور ثمرات کی تباہی (۶۵) چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی کثرت جو کھیتی کو کھا جائیں (۶۶) غلہ کا کم اگنا (۶۷) باہمی کشت و خون کی کثرت (۶۸) اپنے سیدوں سے لوگوں کا نافرمان ہونا (۶۹) اپنے سرداروں کا

کو قتل کرنا (۷۰) بعض گروہ کا سور اور بندر کی صورت میں مسخ ہونا (۷۱) آسمان سے ایک آواز کا آنا جسے تمام اہل زمین سنیں گے (۷۲) آسمانی آواز کا ہر زبان والے کے کان میں اسی کی زبان میں پہنچنا (۷۳) بعض صورتوں کا مقام عین الشمس میں ظاہر ہونا (۷۴) بارشوں کا پے درپے ہونا (۷۵) زمین کا زندہ ہوکر اپنے تمام معلومات ظاہر کرنا (کشف الغمہ صفحہ ۱۳۴) (۷۶) اچھائی اور برائی ایک نظر سے دیکھی جائے گی (۷۷) برائی کا حکم اپنی اولاد کو دیا جائے گا اور اچھائی سے روکا جائیگا (۷۸) لالچ کی وجہ سے باطن خراب ہو جائیں گے (۷۹) خوف خدا دل سے نکل جائے گا (۸۰) قرآن کا صرف نشان رہ جائے گا (۸۱) مسجدیں آباد مگر ہدایت سے خالی ہوں گی (۸۲) فقہا فتنہ پرور ہوں گے (۸۳) عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا (۸۴) گناہ کھلم کھلا کیا جائے گا (۸۵) بدعہدی عام ہو گی (۸۶) عورتوں کو تجارت میں شریک کیا جائے گا (۸۷) ذلیل ترین شخص قوم کا سردار ہوگا (۸۸) گانے والیوں کا زور ہوگا (۸۹) اس زمانے کے لوگ اگلوں پر بلاوجہ لعنت کریں گے (۹۰) جھوٹی گواہی دی جائے گی (۹۱) حق ختم ہو جائے گا باطل فروغ پائے گا (۹۲) قرآن ایک کہنہ کتاب سمجھی جائے گی (۹۳) دین اندھا کر دیا جائے گا (۹۴) بدکاری اعلان کے ساتھ کی جائے گی (۹۵) فسق و فجور میں جس کی مدح کی جائے گی خوش ہوگا (۹۶) لڑکے عورتوں کی طرح اجرت پر استعمال ہوں گے (۹۷) معصیت پر مال خرچ کرنے والے کو ٹوکا نہ جائے گا (۹۸) ہمسایہ ہمسایہ کو اذیت دے گا (۹۹) نیکی کا حکم کرنے والا ذلیل رہے گا (۱۰۰) نیکی کے راستے چھوڑ دیئے جائیں گے (۱۰۱) بیت اللہ معطل کر دیا جائے گا (۱۰۲) عورتیں انجمنیں قائم کریں گی (۱۰۳) لوگ عورتوں کی طرح کنگھی کریں گے (۱۰۴) مردوں کو شرمگاہوں کا معاوضہ ملے گا (۱۰۵) مومن سے زیادہ صاحب مال کی عزت ہوگی (۱۰۶) عورتیں اپنے شوہروں کو مردوں کے ساتھ بدفعلی پر مجبور کریں گی (۱۰۷) عورتوں کی دلالی کرنے والے معزز سمجھے جائیں گے۔ (۱۰۸) مومن غمگین اور ذلیل ہوگا (۱۰۹) حرام کو حلال کیا جائے گا (۱۱۰) دین میں خود رائی کی جائے گی (۱۱۱) معاصی کے لئے پردہ شب کی ضرورت نہ ہوگی (۱۱۲) بڑے بڑے مال خدا کی معصیت میں صرف ہوں گے (۱۱۳) حکام دینداروں سے دور بھاگیں گے (۱۱۴) جج فیصلہ پر رشوت لیں گے (۱۱۵) حرام عورتوں سے زنا کیا جائے گا جیسے ماں بہنیں (۱۱۶) مرد اپنی زوجہ کی حرام کمائی کھائے گا (۱۱۷) عورتیں اپنے مردوں پر حکومت کریں گی (۱۱۸) مرد اپنی زوجہ اور لونڈی کو کرایہ پر چلائے گا (۱۱۹) شریف کو ذلیل سمجھا جائے گا (۱۲۰) حکام میں اس کی عزت ہوگی جو آل محمدؐ کو برا کہے گا۔ (۱۲۱) قرآن پڑھنا اور سننا بار ہوگا (۱۲۲) چغلخوری عام ہوگی (۱۲۳) غیبت کو اچھا سمجھا جائے گا (۱۲۴) حج اور جہاد خدا کے لئے نہیں دیگر مقاصد کے لئے کیا جائے گا (۱۲۵) بادشاہ یعنی برسر اقتدار طبقہ مومن کو کافر کے لئے ذلیل کرے گا (۱۲۶) ویرانہ آبادی سے بدل جائے گا (۱۲۷) ناپ تول میں کمی لوگوں کا ذریعہ معاش ہوگا (۱۲۸) لوگ ریاست طلبی کے لئے اپنے کو بدزبانی میں مشہور کریں گے۔ تاکہ خوف کے مارے حکومت ان کے سپرد کر دی جائے (۱۲۹) نماز بالکل ترک کر دی جائے گی (۱۳۰) مال کثیر کے باوجود زکوٰۃ نہ دی جائے گی (۱۳۱) میت قبر سے نکالی جائے گی (۱۳۲) قبر سے کفن چرا کر بیچا جائے گا (۱۳۳) انسان صبح و شام نشہ میں ہوگا (۱۳۴) چوپایوں کے ساتھ بدفعلی کی جائے گی (۱۳۵) چوپائے چوپایوں کو پھاڑ کھائیں گے (۱۳۶) لوگ جانماز پر برہنہ جائیں گے (۱۳۷) لوگوں کے قلوب

سخت ہو جائیں گے (۱۳۸) لوگوں کی آنکھیں بے حیائی کریں گی (۱۳۹) ذکر خدا لوگوں پر بار ہوگا (۱۴۰) مال حرام عام ہوگا (۱۴۱) نماز صرف ریا و سمعہ یعنی دکھانے کے لئے پڑھی جائے گی (۱۴۲) فقیہ دین کے ماسوا دوسرے کاموں کے لئے فقہ حاصل کرے گا (۱۴۳) لوگ غائب کا ساتھ دیں گے (۱۴۴) حلال روزی کمانے والے کی مذمت کی جائے گی (۱۴۵) طالب حرام کی مدح کی جائے گی (۱۴۶) حرمین شریفین میں ایسے عمل ہوں گے جو منشائے خداوندی کے خلاف ہوں گے (۱۴۷) آلات غنا مکہ و مدینہ میں عام ہو جائیں گے (۱۴۸) حق کی ہدایت کرنے کو منع کیا جائے گا (۱۴۹) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور اہل شہر کی اقتدار کریں گے چاہے وہ کچھ کریں (۱۵۰) نیکی کے راستے خالی ہو جائیں گے (۱۵۱) ہر سال برائیوں میں نمایاں اضافہ ہوگا (۱۵۲) میت کا مضحکہ اڑایا جائے گا (۱۵۳) مجالس میں صرف مالدار کی عزت کی جائے گی (۱۵۴) فقیروں کو مضحکہ کے طور پر مال دیا جائے گا (۱۵۵) آسمانی مخاوف سے کوئی خوف نہ کھائے گا (۱۵۶) مرد اور عورتیں سب کے سامنے خواہشات نفسانی کی آگ بجھائیں گے (۱۵۷) اپنی عزت کے خوف سے کوئی شریف کسی کو روک ٹوک نہ سکے گا (۱۵۸) معصیت میں مال خوشی سے صرف کیا جائے گا لیکن خدا کی راہ میں بالکل نہ دیا جائے گا (۱۵۹) والدین کی طرف سے اولاد کو عاق کرنا عام ہو جائے گا (۱۶۰) والدین اپنی اولاد کی نگاہ میں سبک ہوں گے (۱۶۱) اولاد اپنے والدین پر افترا کرنے میں خوشی محسوس کرے گی (۱۶۲) عورتیں ملک و حکومت پر غالب ہو جائیں گی (۱۶۳) فرزند اپنے باپ پر بہتان باندھے گا (۱۶۴) لڑکا ماں باپ پر بدعا کرے گا (۱۶۵) فرزند ماں باپ کے جلد مرنے کی تمنا کرے گا (۱۶۶) انسان جس دن کوئی گناہ نہ کرے گا اس دن غمگین رہے گا (۱۶۷) بادشاہ گرانی کے لئے غلہ روکے گا (۱۶۸) امرا کا مال فریب سے تقسیم کیا جائے (۱۶۹) جوا کھیلا جائے گا (۱۷۰) شراب کے ذریعہ سے مریضوں کا علاج کیا جائے گا (۱۷۱) اچھائی اور برائی دونوں کی تلقین برابر حیثیت رکھے گی (۱۷۲) منافق اور دشمن خدا کی ہوا بندھے گی اور اہل حق مقہور رہیں گے (۱۷۳) اجرت لے کر اذان کہی جائے گی اور عوض لے کر نماز پڑھائی جائے گی (۱۷۴) خدا سے نہ ڈرنے والے مسجدوں پر قابض ہوں گے (۱۷۵) مسجدوں میں نااہل جمع ہو کر غیبتیں کریں گے (۱۷۶) بدمست رسمی طور پر جماعت میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا (۱۷۷) یتیموں کا مال کھانے والے کی مدح کی جائے گی (۱۷۸) قاضی حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے گا (۱۷۹) حکام لالچ کی وجہ سے خائنوں پر بھروسہ کریں گے (۱۸۰) میراث بدکاری میں صرف کی جائے گی (۱۸۱) منبروں پر تقوے کا ذکر کیا جائے گا لیکن واعظ خود عمل نہیں کریں گے (۱۸۲) نماز کے اوقات کی پروا نہ کی جائے گی (۱۸۳) صدقہ و خیرات خوشنودی خدا کے لئے نہیں صرف سفارش پر دیا جائے گا (۱۸۴) انسان کا مقصود حیات صرف پیٹ پالنا اور عیش کرنا ہوگا (۱۸۵) حق کی نشانیاں مٹ جائیں گی (۱۸۶) بھائی بھائی سے حسد کرے گا (۱۸۷) اپنے دوستوں کے ساتھ خیانت کی جائے گی (۱۸۸) دلوں میں زہر کی طرح تکبر دوڑے گا (۱۸۹) زہد ختم ہو جائے گا۔ (۱۹۰) لوگوں کی شکلیں انسانی اور دل شیطانی ہوں گے (۱۹۱) ان کی عمریں قلیل اور ان کی تمنائیں کثیر ہوں گی (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۷ طبع ایران) (۱۹۲) کنیزوں سے مشورے کئے جائیں گے (۱۹۳) بچے منبروں پر بیٹھیں گے (۱۹۴)

ایسے حاکم ہوں گے کہ جب ان سے کوئی بات کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا (۱۹۵) حکام شرفاء کے مال کو اپنا مال سمجھیں گے (۱۹۶) عورتوں کی آبروریزی کریں گے (۱۹۷) کچھ چیزیں مشرق سے اور کچھ مغرب سے لائی جائیں گی جن سے ہماری امت کا امتحان کیا جائے گا (۱۹۸) مسجدیں نقش و نگار سے مزین کی جائیں گی (۱۹۹) قرآن مجید سجائے جائیں گے (۲۰۰) مسجدوں کی میناریں بلند بنائی جائیں گی (۲۰۱) مرد سونا استعمال کریں گے (۲۰۲) ریشمی کپڑے پہنیں گے (۲۰۳) چیتے کی کھال کا فرش بنائیں گے (۲۰۴) سود خوری ظاہر بظاہر ہوگی (۲۰۵) حد شرعی جاری نہ کی جائے گی (۲۰۶) شریر افراد حاکم ہوں گے (۲۰۷) مالدار تفریح کے لئے نائب دکھاوے کے لئے متوسط تجارت کے لئے حج کریں گے (۲۰۸) قرآن مجید سُر سے پڑھا جائے گا (۲۰۹) والدالزنا کی کثرت ہوگی (۲۱۰) خوشامد بہت زیادہ رائج ہوگی (۲۱۱) لباس پر فخر و مباہات کیا جائے گا (۲۱۲) امراء شطرنج کھیلیں گے (۲۱۳) قاریان قرآن اور عباد ایک دوسرے پر لعنت کریں گے (۲۱۴) مالدار فقیروں سے دور بھاگیں گے (۲۱۵) ملکی نظم و نسق میں وہ لوگ دخیل ہوں گے جن کو اس سے حس و مس نہ ہوگا (۲۱۶) زمین اطراف سے دھنس جائے گی (تفسیر علی بن ابراہیم قمی صفحہ ۶۲۹) (۲۱۷) درندے انسانوں سے باتیں کرنے لگیں گے (۲۱۸) لوگوں سے ان کے کوڑے اور جوتے کلام کرنے لگیں گے (۲۱۹) انسان کی رانیں بولنے لگیں گی اور وہ اس کے گھر کے لوگوں نے جو کچھ کیا ہوگا گھر کے مالک سے بتانے لگیں گی (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۱ بحوالہ ترمذی) (۲۲۰) سفیانی، خراسانی، یمانی کا خروج ایک ہی دن، ایک ہی مہینہ، ایک ہی سال میں ہوگا (۲۲۱) حکومت شام، ملک دمشق، حمص، فلسطین، اردن، قنسرین پر غالب آجائے گی (۲۲۲) طوفان کا زور ہوگا (۲۲۳) وادی یابس سے "ابن آکلۃ الاکباد" خروج کرے گا (۲۲۴) مومنین کا امتحان خوف، جوع، نقص اموال، نقص الانفس، نقص ثمرات سے ہوگا (۲۲۵) شام کا قریہ جابیہ زمین میں دھنس جائے گا (۲۲۶) قتل نفس زکیہ کے ۱۵ دن بعد امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا (اعلام الوریٰ طبرسی صفحہ ۲۶۲ طبع بمبئی ۱۳۱۲ھ) ۲۲۷۔ دنیا میں جھگڑے بکھیڑے بے انتہا ہوں گے (۲۲۸) نئے نئے فتنے پیدا ہوں گے (۲۲۹) آمد و رفت کے راستے بند ہو جائیں گے (۲۳۰) لوگ ایک دوسرے کو لوٹنے لگیں گے (ارجح المطالب صفحہ ۴۷۲) (۲۳۱) مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی ہوگی (۲۳۲) حجاز سے آگ نکلے گی (۲۳۳) مسجدوں سے (لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے ذریعہ سے) آوازیں بلند ہوں گی (۲۳۴) ریشمی لباس مرد پہنیں گے (۲۳۵) مشرق، مغرب اور جزیرہ عرب میں زمینیں دھنس جائیں گی (۲۳۶) یمن اور عدن سے آگ بھڑکے گی (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۱) (۲۳۷) اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے اور بروں کی کثرت ہوگی (۲۳۸) مقدرات الٰہی کی مخالفت عام ہوگی (۲۳۹) مال کے لانے، لے جانے والے چوری کریں گے (۲۴۰) حرام خوری عام ہوگی (۲۴۱) گرانی حد سے بڑھ جائے گی (۲۴۲) دریا خشک ہو جائیں گے (۲۴۳) بارش بند ہو جائے گی (۲۴۴) اہل بربر زرد جھنڈا لے کر مصر پہنچ جائیں گے (۲۴۵) صخر کی اولاد سے ایک شخص خروج کرے گا (۲۴۶) بر سر عام عورتوں کی چھاتیوں سے کھیلا جائے گا (۲۴۷) سفید پنڈلیوں کی عورتیں برہنہ سڑکوں پر ملیں گی (۲۴۸) ایک یمنی بادشاہ "حسن"

نامی یمن سے خروج کرے گا (۲۴۹) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں قرص آفتاب کے قریب آسمان پر ایک ہاتھ ظاہر ہوگا (۲۵۰) حج کا راستہ بند کر دیا جائے گا (۲۵۱) مردوں سے بدفعلی کے لئے مقوی غذائیں کھائی جائیں گی (۲۵۲) دولت کے زور سے حکومت حاصل کی جائے گی (۲۵۳) جھوٹی قسمیں کھانا فیشن میں داخل ہوگا (۲۵۴) ذخیرہ اندوزی ہوگی (۲۵۵) مسجد براثا جو جنگ نہروان کے بعد حضرت علیؑ نے راہب کے ذریعہ سے بنائی تھی تباہ کر دی جائے گی (۲۵۶) قزوین میں ایک کافر کی عظیم حکومت ہوگی (۲۵۷) تکریت سے ایک شخص "معوف سلمی" نامی خروج کرے گا (۲۵۸) مقام قرقیا میں جنگ عظیم ہوگی (۲۵۹) ترک میدان جنگ میں اتر آئیں گے (۲۶۰) اہل ناقوس "نصاریٰ" کی حکومت عالم پر چھا جائے گی (۲۶۱) اسلامی ممالک میں بے شمار کلیسے بنائے جائیں گے (کتاب الوسائل الحاج محمد علی صفحہ ۲۰۷ طبع بمبئی ۱۳۲۹ھ

حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور موفور السرور

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے جو علامات ظاہر ہوں گے ان کی تکمیل کے دوران ہی میں نصاریٰ فتح ممالک عالم کا ارادہ کر کے اٹھ کھڑے ہوں گے اور بے شمار ممالک پر قابو حاصل کرنے کے بعد ان پر حکمرانی کریں گے۔ اسی زمانہ میں ابوسفیان کی نسل سے ظالم پیدا ہوگا جو عرب و شام پر حکمرانی کرے گا اس کی دلی تمنا یہ ہوگی کہ سادات کے وجود سے ممالک محروسہ خالی کر دیئے جائیں اور نسل محمدی کا ایک فرزند بھی باقی نہ رہے چنانچہ وہ سادات کو نہایت بیدردی سے قتل کرے گا پھر اسی اثنا میں بادشاہ روم کو نصاریٰ کے ایک فرقہ سے جنگ کرنی پڑے گی۔ شاہ روم ایک فرقہ کو ہمنوا بنا کر دوسرے فرقہ سے جنگ کرے گا اور شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کرے گا۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ وہاں سے بھاگ کر شام میں پناہ لے گا پھر وہ نصاریٰ کے دوسرے فرقہ کی معاونت سے فرقہ مخالف کے ساتھ نبرد آزما ہوگا۔ یہاں تک کہ اسلام کو زبردست فتح نصیب ہوگی فتح اسلام کے باوجود نصاریٰ شہرت دیں گے کہ "صلیب" غالب آگئی اس پر نصاریٰ اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی اور نصاریٰ غالب آجائیں گے بادشاہ اسلام قتل ہو جائے گا اور ملک شام پر بھی نصرانی جھنڈا لہرانے لگے گا اور مسلمانوں کا قتل عام ہوگا۔ مسلمان اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف کوچ کریں گے اور نصرانی اپنی حکومت کو وسعت دیتے ہوئے خیبر تک جا پہنچیں۔ اسلامیوں کے لئے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ مسلمان اپنی جان بچانے سے عاجز ہوں گے اس وقت وہ گروہ در گروہ سارے عالم میں امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کریں گے تاکہ اسلام محفوظ رہ سکے اور ان کی جانیں بچ سکیں اور عوام ہی نہیں بلکہ قطب، ابدال اور اولیاء جستجو میں مشغول و مصروف ہوں گے کہ آپ ناگاہ مکہ معظمہ میں رکن و مقام کے درمیان سے برآمد ہوں گے (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین دہلوی صفحہ ۳ طبع لشاور ۱۳۲۶ھ) علماء فریقین کا کہنا ہے کہ آپ قریہ "کرعہ" سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ سے ظہور فرمائیں گے (غایۃ المقصود صفحہ ۱۶۵۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۴) علامہ کنجی شافعی اور علی بن محمد صاحب کفایۃ الاثر

کا بحوالہ ابوہریرہ بیان ہے کہ حضرت سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی قریہ (کرعہ) جو مدینہ سے بطرف مکہ ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے (مجمع البحرین صفحہ ۵۳۴) نکل کر مکہ معظمہ سے ظہور کریں گے وہ میری زرہ پہنے ہوں گے، میری تلوار لگائے ہوں گے اور میرا عمامہ باندھے ہوں گے ان کے سر پر ابر کا سایہ ہوگا اور ملک آواز دیتا ہوگا کہ یہی امام مہدیؑ ہیں ان کی اتباع کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ آواز دیں گے اور "ہوا" اس کو ساری کائنات میں پہنچا دے گی اور لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے (غایۃ المقصود ۱۹۵)

لغات سروری صفحہ ۵۳۰ میں ہے کہ آپ قصبہ خیرداں سے ظہور فرمائیں گے۔ معصوم کا فرمانا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے متعلق کسی کا کوئی وقت معین کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو علم غیب میں خدا کا شریک قرار دینا ہے وہ مکہ میں بےخبر ظہور کریں گے۔ ان کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ ہوگا۔ بدن پر جناب رسالت مآبؐ کی چادر اور پاؤں میں انہیں کی نعلین مبارک ہوگی۔ وہ اپنے سامنے چند بھیڑیں رکھیں گے کوئی انہیں پہچان نہ سکے گا اور اسی حالت میں یکہ و تنہا بغیر کسی رفیق کے کعبۃ اللہ میں آجائیں گے جس وقت عالم سیاہی شب کی چادر اوڑھ لے گا اور لوگ سو جائیں گے اس وقت ملائکہ صف بر صف ان پر اتریں گے اور حضرت جبرئیل و میکائیل انہیں نوید الٰہی سنائیں گے کہ ان کا حکم تمام دنیا پر جاری و ساری ہے۔ یہ بشارت پاتے ہی امام علیہ السلام شکر بجا لائیں گے اور رکن حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہوکر بآواز بلند ندا دیں گے کہ اے وہ گروہ جو میرے مخصوصوں اور بزرگوں سے ہو اور وہ لوگو جن کو حق تعالیٰ نے روئے زمین پر میرے ظاہر ہونے سے پہلے میری مدد کے لئے جمع کیا ہے "آجاؤ" یہ ندا حضرت کے ان لوگوں تک خواہ وہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں، پہنچ جائے گی اور وہ لوگ یہ آواز سن کر چشم زدن میں حضرت کے پاس جمع ہو جائیں گے یہ لوگ ۳۱۳ ہوں گے اور نقیب امام کہلائیں گے اسی وقت ایک نور زمین سے آسمان تک بلند ہوگا جو صفحہ دنیا میں ہر مومن کے گھر میں داخل ہوگا جس سے ان کی طبیعتیں مسرور ہو جائیں گی مگر مومنین کو معلوم نہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کا ظہور ہوا ہے صبح امام علیہ السلام مع ان ۳۱۳ اشخاص کے جو رات کو ان کے پاس جمع ہو گئے تھے کعبہ میں کھڑے ہوں گے اور دیوار سے تکیہ لگا کر اپنے ہاتھ کھولیں گے جو ید بیضا کی مانند ہوگا اور کہیں گے کہ جو کوئی اس ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ ایسا ہے گویا اس نے ید اللہ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے جبرئیل شرف بیعت سے مشرف ہوں گے ان کے بعد ملائکہ بیعت کریں گے پھر مقدم الذکر نقباء (۳۱۳) بیعت سے مشرف ہوں گے اس ہلچل اور ازدہام میں مکہ میں تہلکہ مچ جائے گا اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ہر سمت سے استفسار کریں گے کہ یہ کون شخص ہے یہ تمام واقعات طلوع آفتاب سے پہلے سرانجام ہو جائیں گے پھر جب سورج چڑھے گا تو قرص آفتاب کے سامنے ایک منادی کرنے والا ظاہر ہوگا اور بآواز بلند کہے گا جس کو تمام ساکنان زمین و آسمان سنیں گے کہ اے گروہ خلائق یہ مہدی آل محمدؐ ہیں ان کی بیعت کرو پھر ملائکہ اور ۳۱۳ آدمی تصدیق کریں گے اور

دنیا کے ہر گوشہ سے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے لوگ روانہ ہو جائیں گے اور عالم پر حجت قائم ہو جائیگی اس کے بعد دس ہزار افراد بیعت کریں گے اور کوئی یہودی اور نصرانی باقی نہ چھوڑا جائے گا صرف اللہ کا نام ہوگا اور امام مہدیؑ کا کام ہوگا جو مخالفت کرے گا اس پر آسمان سے آگ برسے گی اور اسے جلا کر خاکستر کر دے گی (نور الابصار امام شبلنجی شافعی صفحہ ۱۵۵۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۴)

علامہ نے لکھا ہے کہ ۲۷ مخلصین آپ کی خدمت میں کوفہ سے اس قسم کے پہنچ جائیں گے جو حاکم کئے جائیں گے جن کے اسماء (کتاب منتخب بصائرؒ) یہ ہیں۔ یوشع بن نون سلمان فارسی، ابو دجانہ انصاری، مقداد بن اسود، مالک اشتر اور قوم موسیٰ کے ۱۵ افراد اور سات اصحاب کہف (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۴۔ ارشاد مفید صفحہ ۵۳۶) علامہ عبدالرحمٰن جامی کا کہنا ہے کہ قطب ابدال عرفاء سب آپ کی بیعت کریں گے۔ آپ جانوروں کی زبان سے بھی واقف ہوں گے اور آپ انسانوں اور جنوں میں عدل و انصاف کریں گے (شواہد النبوت صفحہ ۲۱۶۔ علامہ طبرسی کا کہنا ہے کہ آپ حضرت داؤد کے اصول پر احکام جاری کریں گے آپ کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ ہر ایک کے عمل سے بالہام خداوندی واقف ہوں گے۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۴۔ امام شبلنجی شافعی کا بیان ہے کہ جب امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا تو تمام مسلمان خواص اور عوام خوش و مسرور ہو جائیں گے ان کے کچھ وزراء ہوں گے جو آپ کے احکام پر لوگوں سے عمل کرائیں گے (نور الابصار صفحہ ۱۵۴، بحوالہ فتوحات مکیہ۔ علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ اصحاب کہف آپ کے وزراء ہوں گے (سیرت حلبیہ) حموینی کا بیان ہے کہ آپ کے جسم کا سایہ نہ ہوگا (غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۵۰) حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ انصار و اصحاب امام مہدیؑ خالص اللہ والے ہوں گے۔ (ارجح المطالب صفحہ ۴۶۹) اور آپ کے گرد اس طرح لوگ جمع ہو جائیں گے جس طرح شہد کی مکھی اپنے یعسوب بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہیں (ارجح المطالب صفحہ ۴۶۹)

امام مہدیؑ کا سن ظہور

خلاق عالم نے پانچ چیزوں کا علم اپنے لئے مخصوص رکھا ہے جن میں ایک قیامت بھی ہے (قرآن مجید) ظہور امام مہدی علیہ السلام چونکہ لازماً قیامت سے ہے لہٰذا اس کا علم بھی خدا ہی کو ہے کہ آپ کب ظہور فرمائیں گے۔ کون سی تاریخ ہوگی کون سا سن ہوگا۔ تاہم احادیث معصومین جو الہام اور قرآن سے مستنبط ہوتی ہیں ان میں اشارے موجود ہیں علامہ شیخ مفید۔ علامہ سید علی، علامہ طبرسی، علامہ شبلنجی رقم طراز ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ طاق سن میں ظہور فرمائیں گے جو ۱۔۳۔۵۔۷۔۹ سے مل کر بنے گا مثلاً ۱۳سو، ۱۵سو، ۱۷سو، ۱۹سو یا ایک ہزار، ۳ ہزار، ۵ ہزار، ۷ ہزار، ۹ ہزار۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اسم گرامی کا اعلان بذریعہ جناب جبرئیلؑ ۲۳ ویں تاریخ کو کر دیا جائے گا اور ظہور یوم عاشورا ہوگا جس دن امام حسینؑ بمقام کربلا شہید ہوئے ہیں (شرح

ارشاد مفید صفحہ ۵۳۲۔ غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۱۶۱۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۵۔ میرے نزدیک ذی الحجہ کی ۲۲ تاریخ ہوگی کیونکہ نفس زکیہؑ کے قتل اور ظہور میں ۱۵ راتوں کا فاصلہ ہونا مسلم ہے۔ امکان ہے کہ قتل نفس زکیہؑ کے بعد ہی نام کا اعلان کر دیا جائے پھر اس کے بعد ظہور ہو۔ ملا جواد ساباطی کا کہنا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام یوم جمعہ بوقت صبح بتاریخ ۱۰ محرم الحرام ۱۲۰۰ھ میں ظہور فرمائیں گے (غایۃ المقصود صفحہ ۱۶۱ بحوالہ براہین ساباطیہ) امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امام مہدیؑ کا ظہور بوقت عصر ہوگا اور یہی عصر آیۃ "والعصر ان الانسان لفی خسر" سے مراد ہے۔ شاہ نعمت اللہ ولی کاظمی المتوفی ۸۲۷ھ (مجالس المومنین صفحہ ۲۷۶) جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم اور منجم بھی تھے آپ کو علم جفر میں بھی دخل تھا۔ آپ نے اپنی مشہور پیشینگوئی میں ۱۳۸۰ھ کا حوالہ دیا ہے جس کے وہ ذمہ دار ہیں۔ (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین صفحہ ۳۸ (والعلم عند اللہ)

ظہور کے وقت امام علیہ السلام کی عمر

یوم ولادت سے تا ظہور آپ کی کیا عمر ہوگی؟ اسے تو خدا ہی جانے لیکن یہ مسلمات سے ہے کہ جس وقت آپ ظہور فرمائیں گے مثل حضرت عیسیٰؑ آپ چالیس سالہ جوان کی حیثیت میں ہوں گے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۵ و غایۃ المقصود صفحہ ۱۱۹-۷۶)

آپ کا جھنڈا

حضرت امام مہدیؑ کے جھنڈے پر "البیعۃ للہ" لکھا ہوگا اور آپ اپنے ہاتھوں پر خدا کے لئے بیعت لیں گے اور کائنات میں صرف دین اسلام کا پرچم لہرائے گا (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۴)

ظہور کے بعد

ظہور کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے۔ ابر کا سایہ آپ کے سر مبارک پر ہوگا۔ آسمان سے آواز آتی ہوگی کہ "یہی امام مہدیؑ ہیں۔ اس کے بعد آپ ایک منبر پر جلوہ افروز ہوں گے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں گے اور دین حق کی طرف آنے کی سب کو ہدایت فرمائیں گے آپ کی تمام سیرت پیغمبر اسلام کی سیرت ہوگی اور انہیں کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں گے ابھی آپ کا خطبہ جاری ہوگا کہ آسمان سے جبرئیل و میکائیل آ کر بیعت کریں گے پھر ملائکہ آسمانی کی عام بیعت ہوگی ہزاروں ملائکہ کی بیعت کے بعد وہ ۳۱۳ مومنین بیعت کریں گے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہوں گے پھر عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوگا دس ہزار افراد کی بیعت کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائیں گے اور دشمنان آل محمدؐ کا قلع قمع کریں گے آپ کے ہاتھ میں عصائے موسیٰؑ ہوگا جو اژدھے کا کام کرے گا۔ اور تلوار حمائل ہوگی (عین الحیات مجلسی صفحہ ۹۲) تواریخ میں ہے کہ جب آپ کوفہ پہنچیں گے تو کئی ہزار کا ایک گروہ آپ کی مخالفت کے لئے نکل پڑے گا اور کہے گا کہ ہمیں بنی فاطمہ کی ضرورت نہیں آپ واپس جائیے

بیسن کر آپ تلوار سے ان سب کا قصہ پاک کر دیں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے جب کوئی بھی دشمن آلِ محمدؐ و منافق وہاں باقی نہ رہے گا تو آپ ایک منبر پر تشریف لے جائیں گے اور واقعہ کربلا کا ذکر کریں گے اس وقت لوگ محوِ گریہ ہو جائیں گے اور کئی گھنٹے تک رونے کا سلسلہ جاری رہے گا پھر آپ حکم دیں گے کہ مشہد حسین تک نہر فرات کاٹ کر لائی جائے اور ایک مسجد کی تعمیر کی جائے جس کے ایک ہزار در ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ زیارت سرورِ کائنات کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۳۔ ارشاد مفید صفحہ ۵۳۲۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۵)

قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین رقم طراز ہیں کہ حضرت امام مہدیؑ جو علم لدنی سے بھرپور ہوں گے جب مکہ سے آپ کا ظہور ہوگا اور اس ظہور کی شہرت اطراف و اکناف عالم میں پھیلے گی تو افواج مدینہ و مکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گی اور شام و عراق و یمن کے ابدال اور اولیاء خدمت شریف میں حاضر ہوں گے اور عرب کی فوجیں جمع ہو جائیں گی آپ ان تمام لوگوں کو اس خزانہ سے مال دیں گے جو کعبہ سے برآمد ہوگا اور مقام خزانہ کو تاج الکعبہ کہتے ہوں گے۔ اسی اثنا میں ایک شخص خراسانی عظیم فوج لے کر حضرت کی مدد کے لئے مکہ معظمہ کو روانہ ہوگا۔ راستے میں اس لشکر خراسانی کے مقدمۃ الجیش کے کمانڈر منصور سے نصرانی فوج کی ٹکر ہوگی اور خراسانی لشکر نصرانی فوج کو پسپا کر کے حضرت کی خدمت میں پہنچ جائے گا اس کے بعد ایک شخص سفیانی جو بنی کلب سے ہوگا حضرت سے مقابلہ کے لئے لشکر عظیم ارسال کرے گا لیکن بحکم خدا جب وہ لشکر مکہ معظمہ اور کعبہ منورہ کے درمیان پہنچے گا اور پہاڑ میں قیام کرے گا تو زمین میں وہیں دھنس جائے گا پھر سفیانی جو دشمن آلِ محمدؐ ہوگا، نصاریٰ سے ساز باز کر کے امام مہدیؑ سے مقابلہ کے لئے زبردست فوج فراہم کرے گا۔ نصرانی اور سفیانی فوج کے ۸۰ نشان ہوں گے اور ہر نشان کے نیچے ۱۲ ہزار کی فوج ہوگی۔ ان کا دارالخلافہ شام ہوگا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی مدینہ منورہ ہوتے ہوئے جلد سے جلد شام پہنچیں گے جب آپ کا ورود دمسود دمشق میں ہوگا تو دشمن آلِ محمد سفیانی اور دشمن اسلام نصرانی آپ سے مقابلہ کے لئے صف آرا ہوں گے۔ اس جنگ میں فریقین کے بے شمار افراد قتل ہوں گے۔ بالآخر امام علیہ السلام کو فتح کامل ہوگی اور ایک نصرانی بھی زمین شام پر باقی نہ رہے گا اس کے بعد امام علیہ السلام اپنے لشکریوں میں انعام تقسیم کریں گے اور ان مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے واپس بلالیں گے جو نصرانی بادشاہ کے ظلم و جور سے عاجز آکر شام سے ہجرت کر گئے تھے (قیامت نامہ صفحہ ۴) اس کے بعد آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لے جائیں گے اور مسجد سہلہ میں قیام فرمائیں گے (ارشاد صفحہ ۵۲۳) اس کے بعد مسجد الحرام کو از سرِ نو بنائیں گے اور دنیا کی تمام مساجد کو شرعی اصول پر کر دیں گے ہر بدعت کو ختم کریں گے اور ہر سنت کو قائم کریں گے۔ نظام عالم درست کریں گے اور شہروں میں فوجیں ارسال کریں گے انصرام و انتظام کے لئے وزراء روانہ ہوں گے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۴)

اس کے بعد آپ مومنین، کاملین اور کافرین کو زندہ کریں گے اور اس زندگی کا مقصد یہ ہوگا کہ مومنین اسلامی عروج سے خوش ہوں اور کافرین سے بدلہ لیا جائے ان زندہ کئے جانے والوں میں قابیل سے لے کرامت محمدیہ کے فراعنہ تک زندہ کئے جائیں گے اور ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ انہیں دیا جائے گا جو جو ظلم انہوں نے کئے ان کا مزہ چکھیں گے، غریبوں، مظلوموں اور بے کسوں پر جو ظلم ہوا ہے اس کی ظالم کو سزا دی جائے گی سب سے پہلے جو واپس لایا جائے گا وہ یزید بن معاویہ ملعون ہوگا اور امام حسینؑ تشریف لائیں گے (غایۃ المقصود)

دجّال اور اس کا خروج

دجّال دجل سے مشتق ہے جس کے معنی فریب کے ہیں اس کا اصل نام صائف، باپ کا نام صائد۔ ماں کا نام ہنیہ عرف قطامہ ہے یہ عہد رسالتمآب میں بمقام تیہ جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے چہار شنبہ کے دن بوقت غروب آفتاب پیدا ہوا ہے پیدائش کے بعد آناً فاناً بڑھ رہا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ پھوٹی تھی اور بائیں آنکھ پیشانی پر چمک رہی تھی وہ چند دنوں میں کافی بڑھ کر دعویٰ خدائی کرنے لگا۔ سرور کائناتؐ جو حالات سے برابر مطلع ہو رہے تھے انہوں نے سلمان فارسی اور چند اصحاب کو لیا اور بمقام تیہہ جا کر اس کو تبلیغ کرنی چاہی اس نے بہت برا بھلا کہا اور چاہا کہ حضرت پر حملہ کر دے لیکن آپ کے اصحاب نے مدافعت کی۔ آپ نے اس سے یہ فرمایا تھا کہ خدائی کا دعوےٰ چھوڑ دے اور میری نبوت کو مان لے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دجال کی پیشانی پر بخط یزدانی "الکافر باللّٰہ" لکھا ہوا تھا اور آنکھ کے ڈھیلے پر بھی (ک، ف، ر) مرقوم تھا غرضیکہ آپ نے وہاں سے مدینہ منورہ واپس لانے کا ارادہ کیا۔ دجال نے ایک سنگ گراں جو پہاڑ کی مانند تھا حضرت کی راہ میں رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرئیلؑ آسمان سے آئے اور راہ سے ہٹا دیا۔ ابھی آپ مدینہ پہنچے ہی تھے کہ دجال لشکر عظیم لے کر مدینہ کے قریب جا پہنچا۔ حضرت نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی، خدایا، اسے اس وقت کے لئے محبوس کر دے جب تک اسے زندہ رکھنا مقصود ہے۔ اسی دوران میں جناب جبرئیل آئے اور انہوں نے دجال کی گردن کو پشت کی طرف سے پکڑ کر اٹھا لیا اور اسے لے جا کر جزیرہ طبرستان میں محبوس کر دیا ہے لطیفہ یہ ہے کہ جب جبرئیل اسے لے کر جانے لگے تو اس نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر تحت الثریٰ تک کی دو مٹھی خاک لے لی اور اسے طبرستان میں ڈال دیا۔ جبرئیلؑ نے سرور کائناتؐ کے سوال کے جواب میں کہا کہ آپ کی وفات سے ۹۷۰ سال بعد یہ خاک عالم میں پھیلے گی اور اسی وقت سے آثار قیامت شروع ہو جائیں گے (غایۃ المقصود صفحہ ۶۴۔ ارشاد الطالبین صفحہ ۲۹۴۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ دجال کو محبوس ہونے کے بعد تمیم داری نے جو پہلے نصرانی تھا جزیرہ طبرستان میں بچشم خود دیکھا ہے اس کی ملاقات کی تفصیل کتاب صحاح المصابیح، زہرۃ الریاض، صحیح بخاری، صحیح مسلم میں موجود ہے۔
غرضیکہ اکثر روایات کے مطابق دجال حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے ۱۸ یوم بعد خروج کرے گا مجمع البحرین صفحہ ۵۶۰ و غایۃ المقصود صفحہ ۶۹ جلد ۲۔ ظہور امام اور خروج دجال سے پہلے تین

سال تک سخت قحط پڑے گا۔ پہلے سال ۱/۳ بارش اور ۱/۳ زراعت ختم ہو جائے گی دوسرے سال آسمان و زمین کی برکت و رحمت ختم ہو جائے گی تیسرے سال بالکل بارش نہ ہو گی اور ساری دنیا والے موت کی آغوش میں پہنچنے کے قریب ہو جائیں گے۔ دنیا ظلم و جور، اضطراب و پریشانی سے بالکل پُر ہو گی امام مہدی کے ظہور کے بعد ۱۸ ہی دن میں کائنات نہایت اچھی سطح پر پہنچی ہو گی کہ ناگاہ دجال ملعون کے خروج کا غلغلہ اٹھے گا۔ وہ بروایت اخوند درویزہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر نمودار ہو گا اور وہاں سے بآواز بلند کہے گا میں خدائے بزرگ ہوں میری اطاعت کرو۔ یہ آواز مشرق و مغرب میں پہنچے گی۔ اس کے بعد ۳ یوم یا بروایت ۴۰ یوم اسی پر مقیم رہ کر لشکر تیار کرے گا۔ پھر شام و عراق سے ہوتا ہوا اصفہان کے ایک قریہ "یہودیہ" سے خروج کرے گا۔ اس کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہو گا جس کی تعداد ۷۰ لاکھ مرقوم ہے۔ جن۔ دیو۔ پری شیطان ان کے علاوہ ہوں گے۔ وہ ایک گدھے پر سوار ہو گا جو ابلق رنگ کا ہو گا۔ اس کے جسم کا بالائی حصّہ سرخ۔ ہاتھ پاؤں تا زانو سیاہ۔ اس کے بعد سے سُم تک سفید ہو گا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ۴۰ میل کا فاصلہ ہو گا وہ ۱۱۲ میل اونچا اور ۹۰ میل لمبا ہو گا۔ اس کا ہر قدم ایک میل کا ہو گا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں خلق کثیر بیٹھی ہو گی چلنے میں اس کے بالوں سے ہر قسم کے باجوں کی آواز آئے گی وہ اسی گدھے پر سوار ہو گا۔ سواری کے بعد جب وہ روانہ ہو گا تو اس کے داہنی طرف ایک پہاڑ ہو گا جو ہمراہ چلتا رہے گا۔ اس میں نہریں، میوہ جات اور ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی اور بائیں جانب ایک پہاڑ ہو گا جس میں ہر قسم کے سانپ بچھو وغیرہ ہوں گے۔ وہ لوگوں کو انہیں چیزوں کے ذریعہ سے بہکائے گا اور کہے گا کہ میں خدا ہوں جو میرا حکم مانے گا جنت میں رکھوں گا جو نہ مانے گا اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح چالیس یوم میں ساری دنیا کا چکر لگا اور سب کو بہکا کر امام مہدی علیہ السلام کی اسکیم کو ناکامیاب بنانے کی سعی میں وہ خانہ کعبہ کو گرانا چاہے گا اور ایک عظیم لشکر بھیجکر کعبہ اور مدینہ کو تباہ کرنے پر مامور کرے گا اور خود بارادہ کوفہ روانہ ہو گا۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ کوفہ جو امام مہدی کی آماجگاہ ہے اسے تباہ کر دے۔ "چوں آں لعین نزدیک کوفہ برسد امام محمد مہدیؑ باستیصالِ او برسد" لیکن خدا کا کرنا دیکھئے کہ جب وہ کوفہ کے قریب پہنچے گا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام خود وہاں پہنچ جائیں گے اور اسے بحکم خدا بیخ و بن سے اکھاڑ دیں گے غرضیکہ گھمسان کی جنگ ہو گی اور شام تک پھیلے ہوئے لشکر پر امام مہدی علیہ السلام زبردست حملے کریں گے۔ بالآخر وہ ملعون آپ کی ضربوں کی تاب نہ لاکر شام کے مقام عقبہ رفیق یا بمقام لُدیں جمعہ کے دن تین گھڑی دن چڑھے مارا جائے گا۔ اس کے مرنے کے بعد دس میل تک دجال اور اس کے گدھے اور لشکر کا خون زمین پر جاری رہے گا۔ علماء کا کہنا ہے کہ قتل دجال کے بعد امام علیہ السلام اس کے لشکریوں پر ایک زبردست حملہ کریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس وقت جو کافر زمین کے کسی گوشہ میں چھپے گا وہ آواز دے گا کہ فلاں کافر یہاں روپوش ہے۔ امام علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے آخر کار

زمین پر کوئی دجّال کا ماننے والا نہ رہے گا (ارشاد الطالبین صفحہ ۳۹۷۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۷۸ عین الحیات صفحہ ۱۲۔ کتاب الوسائل صفحہ ۱۸۱۔ قیامت نامہ صفحہ ۷۔ معارف الملۃ صفحہ ۳۷۸۔ صحیح مسلم لمعات شرح مشکوٰۃ عبدالحق۔ مرقات شرح مشکوٰۃ۔ مجمع البحار) بعض روایات میں ہے کہ دجال کو حضرت عیسےٰ بحکم حضرت مہدی علیہ السلام قتل کریں گے۔

نزول حضرت عیسیٰ

حضرت امام مہدی علیہ السلام سُنّت کے قائم کرنے اور بدعت کے مٹانے نیز انصرام و انتظام عالم میں مشغول و مصروف ہوں گے کہ ایک دن نماز صبح کے وقت بروایتے نماز عصر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ شرقی پر نزول فرمائیں گے حضرت امام مہدیؑ ان کا استقبال کریں گے اور فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسےٰ کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ نماز آپ کو پڑھانی ہوگی چنانچہ حضرت امام محمد مہدیؑ امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے (نور الابصار صفحہ ۱۵۴۔ غایۃ المقصود صفحہ ۱۰۴۔ ۱۵ بحوالہ مسلم و ابن ماجہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸) اس وقت حضرت عیسےٰ کی عمر چالیس سالہ جوان جیسی ہوگی۔ وہ اس دنیا میں شادی کریں گے اور ان کے دو لڑکے پیدا ہوں گے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا نام موسےٰ ہوگا (اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار صفحہ ۱۳۵۔ قیامت نامہ صفحہ ۹ بحوالہ کتاب الوفا ابن جوزی و مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۵ و سراج القلوب صفحہ ۷۷)

امام مہدیؑ اور عیسیٰ ابن مریم کا دورہ

اس کے بعد حضرت امام مہدیؑ اور حضرت عیسےٰ بلاد، ممالک کا دورہ کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے برآمد ہوں گے اور دجال ملعون کے پہنچائے ہوئے نقصانات اور اس کے پیدا کئے ہوئے بدترین حالات کو بہترین سطح پر لائیں گے۔ حضرت عیسےٰ خنزیر کو قتل کرنے صلیبوں کو توڑنے اور لوگوں کے قبول کرنے کا انصرام و بندوبست فرمائیں گے۔ عدل مہدی سے بلاد عالم میں اسلام کا ڈنکا بجے گا اور ظلم و ستم کا تختہ سیاہ ہو جائے گا (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین صفحہ ۸ بحوالہ صحیح مسلم)

امام مہدی کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا

روایات میں ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قسطنطنیہ، چین اور جبل دیلم کو فتح کریں گے۔ یہ وہی قسطنطنیہ ہے جسے استنبول کہتے ہیں اور جس پر اس زمانہ میں نصاریٰ کا قبضہ ہوگا اور ان کا قبضہ بھی مسلمان بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد ہوا ہوگا چین اور جبل دیلم پر بھی نصاریٰ کا قبضہ ہوگا اور وہ حضرت مہدیؑ سے مقابلہ کا پورا انتظام کریں گے چین جس کو عربی میں "صین" کہتے ہیں اس کے بارے میں روایت کے حوالہ سے علامہ طبرسی نے مجمع البحرین کے صفحہ ۶۱۵ میں لکھا ہے کہ ۱۔ صین ایک پہاڑی ہے ۲۔ مشرق میں ایک مملکت ہے ۳۔ کوفہ میں ایک موضع ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ ساری چیزیں فتح کی جائیں گی۔ ان کے علاوہ سندھ اور

ہند کے مکانات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بہر حال امام مہدی علیہ السلام شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوں گے اور ان کے ہمراہ جو ۷۰ ہزار بنو اسحاق کے نوجوان ہوں گے انہیں دریائے روم کے کنارے شہر میں جا کر اسے فتح کرنے کا حکم ہوگا۔ جب وہ وہاں پہنچکر فصیل کے کنارے نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو خود بخود راستہ پیدا ہو جائے گا اور یہ داخل ہو کر اسے فتح کرلیں گے۔ کفار قتل ہوں گے اور اس پر پورا پورا قبضہ ہو جائے گا (نور الابصار صفحہ ۱۵۵ بحوالہ طبرانی۔ غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ بحوالہ نعیم اعلام الوری بحوالہ امام جعفر صادق صفحہ ۲۶۴۔ قیامت نامہ بحوالہ صحیح مسلم)

یاجوج ماجوج اور ان کا خروج

قیامت صغریٰ یعنی ظہور آلِ محمدؐ اور قیامت کبریٰ کے درمیان دجال کے بعد یاجوج اور ماجوج کا خروج ہوگا یہ سد سکندری سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائیں گے اور دنیا کے امن و امان کو تباہ کر دینے میں پوری سعی کریں گے۔

یاجوج ماجوج حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں۔ یہ دونوں چارسو قبیلوں اور اُمتوں کے سردار اور سربرآوردہ ہیں۔ ان کی کثرت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مخلوقات میں ملائکہ کے بعد انہیں کثرت دی گئی ہے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے ایک ایک ہزار اولاد نہ ہو یعنی یہ اس وقت تک مرتے ہی نہیں جب تک ایک ہزار بہادر پیدا نہ کرلیں۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو تاڑ سے زیادہ لمبے ہیں دوسرے وہ جو لمبے اور چوڑے برابر ہیں جن کی مثال بہت بڑے ہاتھی سے دی جا سکتی ہے۔ تیسرے وہ جو اپنا ایک کان بچھاتے اور دوسرا اوڑھتے ہیں۔ ان کے سامنے لوہا، پتھر، پہاڑ تو دہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں دنیا کے آخر میں اس جگہ پیدا ہوئے ہیں جہاں سے پہلے پہل سورج نے طلوع کیا تھا۔ زمانہ فترت سے پہلے یہ لوگ اپنی جگہ سے نکل پڑتے تھے اور اپنے قریب کی ساری دنیا کو کھا پی جاتے تھے یعنی ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، انسان، جانور، غرضکہ جو کچھ سامنے آتا تھا سب کو ہضم کر جاتے تھے۔ وہاں کے لوگ ان سے سخت تنگ اور عاجز تھے یہاں تک کہ زمانہ فترت میں حضرت عیسیٰؑ کے بعد جب ذوالقرنین اس منزل تک پہنچے تو انہیں وہاں کا سارا واقعہ معلوم ہوا۔ اور وہاں کی مخلوق نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس بلائے بے درماں یاجوج ماجوج سے بچائیے۔ چنانچہ انہوں نے دو پہاڑوں کے اس درمیانی راستہ کو جس سے وہ آیا کرتے تھے بحکم خدا لوہے کی دیوار سے جو ۲۰۰ گز اونچی اور ۵۰ یا ۶۰ گز چوڑی تھی بند کر دیا۔ اسی دیوار کو "سد سکندری" کہتے ہیں کیونکہ ذوالقرنین کا اصل نام سکندر اعظم تھا۔ سد سکندری کے لگ جانے کے بعد ان کی خوراک سانپ قرار دی گئی جو آسمان سے برستے ہیں۔ یہ تا بظہور امام مہدی علیہ السلام اسی میں محصور رہیں گے۔ ان کا اصول اور طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی زبانوں سے سد سکندری کو ساری رات چاٹ کر کاٹتے ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے اور دھوپ لگتی ہے تو ہٹ جاتے ہیں پھر دوسری رات کٹی ہوئی دیوار بھی پُر ہو جاتی ہے اور وہ پھر اسے کاٹتے

میں لگ جاتے ہیں۔

حکم خدا سے یہ لوگ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں خروج کریں گے۔ دیوار کٹ جائے گی اور یہ نکل پڑیں گے اس وقت کا عالم یہ ہوگا کہ یہ لوگ، اپنی ساری تعداد سمیت ساری دنیا میں پھیل کر نظام عالم کو درہم برہم کرنا شروع کر دیں گے۔ لاکھوں جانیں ضائع ہوں گی اور دنیا کی کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو کھائی اور پی جا سکے اور یہ اس پر تصرف نہ کریں۔ یہ بلا کے جنگ جو لوگ ہوں گے۔ دنیا کو مار کر کھا جائیں گے اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینک کر آسمانی مخلوق کو مارنے کا حوصلہ کریں گے اور جب ادھر سے بحکم خدا تیر خون آلود آئے گا تو یہ بہت خوش ہوں گے اور آپس میں کہیں گے کہ اب ہمارا اقتدار زمین سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ اسی دوران میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی برکت اور حضرت عیسیٰؑ کی دعا کی وجہ سے خداوند عالم ایک بیماری بھیج دے گا جس کو عربی میں "نغف" کہتے ہیں۔ یہ بیماری ناک سے شروع ہو کر طاعون کی طرح ایک ہی شب میں ان سب کا کام تمام کر دے گی پھر ان کے مُردار کو کھانے کے لیے "عنقا" نامی طائر پیدا ہوگا جو زمین کو ان کی گندگی سے صاف کرے گا اور انسان ان کے تیر و کمان اور قابل سوختنی آلات حرب کو سات سال تک جلائیں گے (تفسیر صافی صفحہ ۲۷۲۔ صحیح مسلم، ترمذی، ارشاد الطالبین صفحہ ۳۹۸۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۷ مجمع البحرین صفحہ ۴۷۶۔ قیامت نامہ صفحہ ۸)

امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت اور خاتمہ دُنیا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا پایۂ تخت شہر کوفہ ہوگا۔ مکہ میں آپ کے نائب کا تقرر ہوگا آپ کا دیوان خانہ اور آپ کے اجرائے حکم کی جگہ مسجد کوفہ ہوگی۔ بیت المال مسجد سہلہ قرار دی جائے گی۔ اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا (حق الیقین صفحہ ۱۴۵) آپ کے عہد حکومت میں مکمل امن و سکون ہوگا۔ بکری اور بھیڑ گائے اور شیر، انسان اور سانپ، زنبیل اور چوہے سب ایک دوسرے سے بے خوف ہوں گے۔ (دُر منثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۳) معاصی کا ارتکاب بالکل بند ہوگا اور تمام لوگ پاک باز ہو جائیں گے جہل جبن بخل کافور ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہوگی۔ ظلم دنیا سے مٹ جائے گا۔ اسلام کے قالب بے جان میں روح تازہ پیدا ہو جائے گی۔ دنیا کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی نہ کوئی اور مسلک ہوگا۔ صرف اسلام ہوگا اور اسی کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ آپ دعوت بالسیف دیں گے جو آپ کے درپے نزاع ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ جزیہ موقوف ہوگا۔ خدا کی جانب سے شہر عکا کے ہرے بھرے میدان میں مہمانی ہوگی۔ ساری کائنات مسرتوں سے مملو ہوگی غرضیکہ عدل و انصاف سے دنیا بھر جائے گی (الیواقیت الجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

دنیا کے تمام مظلوم بلائے جائیں گے اور ان پر ظلم کرنے والے حاضر کئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ آلِ محمد تشریف لائیں گے اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے بلائے جائیں گے۔ حضرت امام علیہ السلام مظلوم کی دادرسی فرمائیں گے اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام امور میں نگرانی کا فریضہ ادا فرمانے کے لئے جلوہ افروز ہوں گے۔ اسی دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی سابقہ ارضی ۳۳ سالہ زندگی میں ۷ سالہ موجودہ ارضی زندگی کا اضافہ کر کے ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کر جائیں گے اور آپ کو روضۂ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم میں دفن کر دیا جائے گا (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲) سراج القلوب صفحہ ۷۷۔ عجائب القصص صفحہ ۲۲۳) اس کے بعد حضرت امام مہدیؑ کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور حضرت امیر المؤمنین نظام کائنات پر حکمرانی کریں گے جس کی طرف قرآن مجید میں "دابۃ الارض" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اب رہ گیا یہ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ ارشاد مفید کے صفحہ ۵۳۳ میں سات سال اور مدت ۵۳۳ میں ۱۹ سال اور اعلام الوریٰ کے صفحہ ۳۶۵ میں ۱۹ سال اور ۳۹ سال۔ مشکوٰۃ کے صفحہ ۴۶۲ میں ۷۔ ۸۔ ۹ سال نور الابصار کے صفحہ ۱۵۴ میں ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰ سال۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء ۷۔ ۸۔ ۹ سال اور ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی بلخی کے صفحہ ۴۳۳ میں ۲۰ سال مرقوم ہے۔ میں نے حالات احادیث اقوال علماء سے استنباط کر کے علامہ ابن صباغ مالکی کی طرح (الفصول صفحہ ۱۳۰) بیس سال کو ترجیح دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سال دس سال کے برابر ہو (ارشاد مفید صفحہ ۵۳۳۔ نور الابصار صفحہ ۱۵۵) غرضیکہ آپ کی وفات کے بعد حضرت امام حسینؑ آپ کو غسل و کفن دیں گے اور نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے جیسا کہ علامہ سید علی بن عبدالحمید نے کتاب انوار المضیئہ میں تحریر فرمایا ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہد ظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے کو رجعت کہتے ہیں یہ رجعت ضروریات مذہب امامیہ سے ہے (مجمع البحرین صفحہ ۲۲۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہور کے بعد بحکم خدا شدید ترین کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین حضرت رسول کریمؐ آئمہ طاہرین، بعض انبیاء سلف برائے اظہار دولتِ حق محمدیؐ دنیا میں پلٹ کر آئیں گے (تکلیف المکلفین فی اصول الدین صفحہ ۲۵) اس عہد میں ظالموں کو ظلم کا بدلہ اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا جائے گا اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا، کہ لیظھرہ علی الدین کلہ" دنیا میں صرف ایک اسلام رہ جائے گا (معارف الملۃ الناجیہ والناریہ صفحہ ۳۰۰) امام حسین علیہ السلام کا مکمل بدلہ لیا جائے گا (غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ بحوالہ تفسیر عباسی) اور دشمنان آلِ محمدؐ کو قیامت میں عذاب اکبر سے پہلے رجعت میں عذاب ادنیٰ کا مزہ چکھایا جائے گا (حق الیقین صفحہ ۱۴۰ بحوالہ قرآن مجید) شیطان، سرور کائنات کے ہاتھوں سے نہر فرات پر ایک عظیم جنگ کے بعد قتل ہوگا۔ آئمہ طاہرین کے ہر عہد حکومت میں اچھے برے زندہ کئے جائیں گے اور

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ ہوں گے ان کی تعداد چار ہزار ہوگی (غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۱۷۰) شہداء کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اس سے آیت کے حکم کی تکمیل ہو سکے اور انہیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے (غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۱۰۳) اسی رجعت میں بوعدہ قرآنی آل محمد کو حکومت عامہ عالم دی جائے گی اور زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جس پر آل محمدؐ کی حکومت نہ ہو۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم الوارثین" موجود ہے (حق الیقین صفحہ ۱۴۶)

اب رہ گیا یہ کہ کائنات کی ظاہری حکومت وراثت آل محمدؐ کے پاس کب تک رہے گی۔ اس کے متعلق ایک روایت آٹھ ہزار سال کا حوالہ دے رہی ہے اور پتہ یہ چلتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیر نگرانی حکومت کریں گے اور دیگر آئمہ طاہرین ان کے وزراء اور سفراء کی حیثیت سے ممالک عالم میں انتظام و انصرام فرمائیں گے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہر امام علی الترتیب حکومت کریں گے (حق الیقین و غایۃ المقصود) حضرت علیؑ کے ظہور اور نظام عالم پر حکمرانی کے متعلق قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

"اخرجنا دابۃ من الارض" (پ ۲ رکوع ۱)

علمائے فریقین یعنی شیعہ و سنی کا اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال۔ علامہ ذہبی و معالم التنزیل علامہ بغوی و حق الیقین علامہ مجلسی و تفسیر صافی علامہ محسن فیض اس کی طرف توریت میں بھی اشارہ موجود ہے (تذکرۃ المعصومین صفحہ ۲۴۶) آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ ایسے لوگوں کی تصدیق نہ کریں گے جو خدا کے مخالف اور اس کی آیتوں پر یقین نہ رکھنے والے ہوں گے۔ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سے برآمد ہوں گے ان کے ہاتھ میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی اور حضرت موسےٰؑ کا عصا ہوگا۔ جب قیامت قریب ہوگی تو آپ عصا اور انگشتری سے ہر مومن و کافر کی پیشانی پر نشان لگائیں گے۔ مومن کی پیشانی پر "ھذا مومن حقا" اور کافر کی پیشانی پر "ھذا کافر حقا" تحریر ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو کتاب ارشاد الطالبین اخوند درویزہ صفحہ ۴۰۰ و قیامت نامہ قدوۃ المحدثین علامہ رفیع الدین صفحہ ۱۰۔ علامہ بغوی کتاب مشکواۃ المصابیح کے صفحہ ۴۶۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض دوپہر کے وقت نکلے گا اور جب اس دابۃ الارض کا عمل درآمد شروع ہو جائے گا تو باب توبہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کسی کا ایمان لانا کارگر نہ ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ مسجد میں سو رہے تھے اتنے میں حضرت رسول کریم صلعم تشریف لائے اور آپ نے

فرمایا "فتم یا دابتہ اللہ" اس کے بعد ایک دن فرمایا "یا علی اذا کان آخر الزمان اخرجک اللہ - الخ" اے علی ! جب دنیا کا آخری زمانہ آئے گا تو خداوند عالم تمہیں برآمد کرے گا - اس وقت تم اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگاؤ گے (مجمع البحرین ۱۲۷ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "علی دابتہ الجنۃ" ہیں - لغت میں ہے کہ دابہ کے معنی پیر دل سے چلنے پھرنے والے کے ہیں (مجمع البحرین صفحہ ۱۲۷)

کثیر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمد کی حکمرانی جسے صاحب ارجح المطالب نے بادشاہی لکھا ہے - اس وقت تک قائم رہے گی جب تک دنیا کے ختم ہونے میں ۴۰ یوم باقی رہیں گے - (ارشاد مفید صفحہ ۱۲۷ - اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ۴۰ دن کی مدت قبروں سے مردوں کے نکلنے اور قیامت کبریٰ کے لئے ہو گی - حشر و نشر، حساب و کتاب، صور پھونکنا، اور دیگر لوازم قیامت کبریٰ اسی میں ادا ہوں گے (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۵) اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام لوگوں کو جنت کا پروانہ دیں گے - لوگ اسے لے کر پل صراط پر سے گذریں گے (صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی صفحہ ۷۵ - اسعاف الراغبین صفحہ ۷۵ برحاشیہ نور الابصار) پھر پھر آپ حوض کوثر کی نگرانی کریں گے جو دشمن آلِ محمدؐ حوض کوثر پر ہو گا اسے آپ اٹھا دیں گے - (ارجح المطالب صفحہ ۷۷۶) پھر آپ لواء الحمد یعنی محمدی جھنڈا لے کر جنت کی طرف چلیں گے - پیغمبر اسلام آگے آگے ہوں گے - انبیاء اور شہداء وصالحین اور دیگر آلِ محمدؐ کے ماننے والے پیچھے ہوں گے (مناقب اخطب خوارزمی قلمی وارجح المطالب صفحہ ۴۷۷) پھر آپ جنت کے دروازے پر جائیں گے اور اپنے دوستوں کو بغیر حساب داخل جنت کریں گے اور دشمنوں کو جہنم میں جھونک دیں گے (کتاب شفا قاضی عیاض وصواعق محرقہ) اسی لئے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور بہت سے اصحاب کو جمع کر کے فرما دیا تھا کہ علیؑ زمین اور آسمان دونوں میں میرے وزیر ہیں - اگر تم لوگ خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو تو علیؑ کو راضی کرو - اس لئے کہ علیؑ کی رضا خدا کی رضا اور علیؑ کا غضب خدا کا غضب ہے (مودۃ القربیٰ صفحہ ۵۵ - ۶۲) علیؑ کی محبت کے بارے میں تم سب کو خدا کے سامنے جواب دینا پڑے گا اور تم علیؑ کی مرضی کے بغیر جنت میں نہ جا سکو گے اور علیؑ سے کہہ دیا کہ تم اور تمہارے شیعہ "خیر البریہ" یعنی خدا کی نظر میں اچھے لوگ ہیں یہ قیامت میں خوش ہوں گے اور تمہارے دشمن ناشاد و نامراد رہیں گے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ وتحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۰۴ تفسیر فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۲۳)

والسلام

سید نجم الحسن کراروی (دکو چہ مولانا صاحب پشاور سٹی)

قطعہ تاریخ کتاب چودہ ستارے

از

عمدۃ الشعراء جناب مومن علی صاحب جے پوری مقیم پشاور

ملے پیشوا ہم کو معصوم سارے چمکتے رہیں گے مقدر ہمارے

زمانے میں ظلمت تھی گویا، جو ہوتے نہ برج شریعت کے چودہ ستارے

سنہ ۱۹۵۹ء

حصّہ دوم

چہاردہ (۱۴) معصومینؑ کے حالاتِ زندگی

افاداتِ علمائے کرام

درگاہِ اقدس حضرت امام حسینؑ

الحاج ملک صادق علی عرفانی

عرضِ حال

کتاب چودہ ستارے ۱۹۵۹ء سے شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہورہی ہے اور یہ کتاب ہماری ہی فرمائش پر لکھی گئی اور اس کے جس قدر بھی ایڈیشن شائع ہوئے حسبِ دستور مؤلف ہذا کو کتابیں دی جاتی رہیں۔ اس کے باوجود لاہور کے ایک ادارہ نے ہماری اجازت کے بغیر کتاب ہذا کو شائع کردیا جس کی وجہ سے ہماری کتاب کی اشاعت پر کافی اثر پڑا اس لئے کتاب ہذا میں حصہ دوم چہاردہ معصومین علیہ السلام کے حالات پر مشتمل مزید مضامین کا اضافہ کیا جارہا ہے امید ہے کہ ناظرین اضافہ شدہ حصہ دوم کے ایڈیشن کو خرید فرمائیں گے۔

مینیجر شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاق سرور کائنات

سرور کائنات انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے. ہر شعبۂ حیات میں آپ کی
والا صفات مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے. خداوند عالم آپ کی سیرت و اخلاق کے بارے میں
و فرماتا ہے لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کہ تمہارے لئے سیرت رسول کی اقتدا میں
ین نمونہ موجود ہے اور آپؐ نے زوردار الفاظ میں اپنی غرض بعثت ان الفاظ میں بیان فرمائی
بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کردوں"
مانے ہدایت یہ تھا کہ امت پر رسول کی اطاعت واجب قرار دی جائے تاکہ غرض بعثت بوجہ
پوری ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی امت پر آپؐ کی اتباع کو فرض قرار دیا اور فرمایا قُلْ
کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ. اے نبی
سے کہدو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں
محبوب بنالے گا اور تمہارے تمام گناہ بخش دے گا.

اور بارہا فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کہ اللہ و اللہ کے رسول کی اطاعت کرو.

بہرحال ہدایت صرف اسی طرح سے حاصل ہو سکتی ہے کہ ہر امر میں رسول کی اقتدا کی جائے اور زمانہ حاضر
آنحضرتؐ کا وجود ذیجود چونکہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اس لئے اس دور میں ان کی اقتدا کے ذریعہ
یت حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ آپؐ کے اقوال و افعال اور اخلاق و اطوار کی یاد تازہ کی جائے
ریہ عموماً دو ہی طرح سے ہو سکتی ہے یا زبان سے اور یا قلم سے. لہٰذا جہاں اس کی ضرورت ہے کہ اہل منبر
پنے خطبات میں خلق خدا کی ہدایت کے لئے آنحضرتؐ کے اخلاق سے رطب اللسان ہوں. وہاں اس کی
ی اشد ضرورت ہے کہ اہل قلم بذریعہ قلم صفحۂ قرطاس پر آنحضرتؐ کے اخلاق حمیدہ کی درخشانی کریں تاکہ ہدایت
ملق کا امر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے.

یہ تھی وہ مصلحت جس کے تحت اخلاق سرور رسالت کی سرخی کو رحمۃ للعالمین میں جاگزیں کیا
گیا ہے کیونکہ اس میں راز ہدایت مضمر ہے ورنہ وہ ذات جس کے وجود ذیجود کے تصدق دنیائے کائنات عالم
شہود میں آئی ہو اور جس کے طفیل عرش و فرش اور لوح و قلم کو خلعت وجود عطا ہوا ہو اس کے فضل و شرف کے
اثبات کے لئے اس کے حسن اخلاق کو اجاگر کرنے کی ضرورت نہیں. حسن اخلاق کے ثبوت پیش کرنے کی

تو اس شخص کے حق میں ضرورت ہوتی ہے جس کے حسن اخلاق کے متعلق کس طرح سے شک وشبہ راہ پا سکتا ہو اور رحمۃ للعالمین کی ذات بے شک اس سے بلند و بالا اور افضل و برتر ہے اور قبل اس کے آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ و خصائل حمیدہ کو زینت قرطاس بنایا جائے۔ ماہیت اخلاق کی مختصر توضیح مناسب ہے تاکہ افادہ مضمون میں اضافہ ہو جائے۔

ماہیت اخلاق کی مختصر تشریح

اخلاق باعتبار لغت خلق کی جمع ہے اور خلق اس کیفیت راسخہ نفسانیہ کا نام ہے کہ جس کے طفیل صاحب خلق کے افعال بسہولت صادر ہوتے ہیں اور یہ ایک کلی بمنزل جنس ہے جس کے تحت میں دو بڑی قسمیں ہیں۔ خلق حسن اور خلق سیٔ اور ان میں سے ہر ایک بکثرت انواع پر مشتمل ہے ہر خلق حسن کے مقابلہ میں خلق بد ہوتا ہے مثلاً سخاوت کے مقابلہ میں بخل۔ شجاعت کے مقابلہ میں بزدلی۔

آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ کا اجمالی تذکرہ

چونکہ حضور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اخلاق حسنہ کا سرچشمہ اور جملہ ستودہ خصال کا مصدر اور مرجع تھے اس لئے دامن علم ناقص میں وسعت نہیں اور قلم تام کو یارا نہیں کہ حضرت رسالت پناہ علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کے اخلاق حمیدہ کی تفصیلاً تصویر کشی کر سکے پس اجمالاً اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ آپ دنیائے امکان میں ہر حکیم سے حکیم تر۔ ہر دانا سے دانا تر۔ ہر عدالت شعار سے زیادہ عادل اور ہر رحیم و مہربان سے زیادہ بڑھ کر رحیم بلکہ مجسمہ حکمت و دانش اور عدل و رحمت تھے آپ کے عدل وانصاف کے تذکرہ میں حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی اس صحیح السند حدیث کا مضمون سپرد قرطاس کر دینا کافی ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے میں بھی مساوات برتتے تھے کسی ایک طرف دوسرے سے زیادہ نظر بھی نہ کرتے تھے اور اسی حدیث میں منقول ہے کہ بلندی تہذیب کا یہ معیار تھا کہ کبھی آپ نے اپنے اصحاب کے حضور میں اپنے پائے مبارک کو دراز نہ کیا ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا جب کوئی آپ سے مصافحہ کرتا تھا تو حضور انور اپنے دست مبارک کو اسوقت تک نہ کھینچتے تھے جب تک وہ مصافحہ کنندہ اپنے ہاتھ کو نہ کھینچتا تھا۔ جب لوگوں کو اس امر کا علم ہوا تو صحابہ میں سے جو آپ کے ساتھ مصافحہ کرتا جلدی سے دست کش ہونے کی کوشش کرتا تاکہ حضورؐ کو زیادہ تکلیف کا سامنا نہ ہو۔

زھد از دُنیا

بسند صحیح منقول ہے کہ ایک شخص ایک مرتبہ دربار رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھا کہ حضرت سرکار رسالتؐ ایک چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں اور چٹائی کے نقش آپ کے نورانی پہلو پر نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ زیر سر ایک تکیہ رکھا ہوا ہے جس کی بھرتی برگہائے خرما سے کی گئی ہے اور اس کا نقش آپ کے رخسارہ انور پر ظاہر ہو رہا ہے وہ شخص عرض گذار ہوا کہ یا حضرت بادشاہ عجم و روم ریشم اور دیباج پر سویا کرتے ہیں مگر آپ اس قسم کی

چٹائی کو فرش اور ایسے تکیہ کو اپنا سرہانہ قرار دیتے ہیں بس اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً ارشادِ نبوی اس طرح صادر ہوا کہ اگرچہ وہ ریشم و دیباج پر سوتے ہیں لیکن دربارِ رب العزت میں ان سے زیادہ باعزت اور گرامی تر ہوں۔ رہی دنیا تو مجھے دنیا سے کیا سروکار۔ کیونکہ دنیا میں تو انسان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی سوار (عالم سفر میں) ایک درخت کے پاس سے گزر رہا ہو اور اس درخت کے سایہ میں ایک گھڑی بھر آرام کے لئے اُترے اور تھوڑی دیر کے بعد جب سایہ ڈھل پڑے تو اٹھ کر اپنا سامان باندھ درخت کو خیرباد کہہ کر چلتا بنے۔

ایک حدیث دیگر میں وارد ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ صحابہ کی ایک جماعت کیساتھ ایک رستہ پر جا رہے تھے ایک مزبلہ کے پاس سے آپؐ کا گذر ہوا جس پر ایک بکری کا مرا ہوا بچہ جس کے دونوں کان کٹے ہوئے تھے پڑا تھا حضورؐ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ اس مردار کو ایک درم کے بدلے خرید لے۔ تو تمام صحابہ عرض گذار ہوئے کہ حضرت ہم تو اس کو کسی قیمت پر بلکہ مفت بھی لینا نہیں چاہتے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قسم بخدا اس مردار کی جو قدر آپ لوگوں کے ہاں ہے دنیا میرے ہاں اس سے بھی زیادہ بے قدر ہے۔

ایک حدیث معتبر میں حضرت ابوسعید خدری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تمہیں یہ خوف عارض ہو کہ دنیا تم پر غالب آ جائیگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگانی کو یاد کرو کیونکہ آپؐ کی غذا جو کی روٹی تھی اور حلوا اور شیرینی آپؐ کی خرما تھی اور جلانے کی لکڑی آپ کی کھجور کی چھڑیاں تھیں بشرطیکہ یہ بھی دستیاب ہو سکیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث معتبر میں منقول ہے کہ اس دن سے لیکر جس روز آپ مبعوث برسالت ہوئے دنیا سے رحلت تک آپ نے کبھی تین دن متواتر گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی تھی اور آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضرت کو نان گندم میسر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ آپؐ ایک ایک آدمی کو بعض اوقات سو سو اونٹ بخش دیتے تھے لہٰذا اگر آپ چاہتے تو گندم کی روٹی کیا اعلیٰ اعلیٰ کھانے کھا سکتے تھے لیکن قصداً آپ لذائذ دنیا سے اجتناب کرتے تھے۔ تین مرتبہ حضرت جبرائیل امین گنج ہائے زمین کی کنجیاں لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قدرت کی طرف سے پیغام پہنچایا کہ اگر آپ چاہیں تو تمام روئے زمین کی بادشاہی کو آپ اختیار فرماویں کہ جو کچھ روئے زمین پر موجود ہے آپ کو عطا ہو جائیگا اور معہ اس کے آخرت کے ثواب میں بھی آپ کے کوئی کمی نہیں ہو گی لیکن حضرتؐ نے قبول نہ کیا اور گنج ہائے زمین کی کنجیاں واپس کر دیں۔

ایک حدیث میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری آنحضرتؐ کے لئے ایک صاع بھر تازہ کھجوریں ہدیۃً لے آیا تو حضرت نے خادم کو فرمایا اندر جائیے اور کوئی تھال یا کاب اگر ملے تو لے آیئے کہ یہ کھجوریں اس میں ڈال لی جائیں۔ خادم اندر گیا مگر واپس آ کر کہا کہ حضرتؐ حضور انور کے خانہ اقدس میں کوئی برتن ایسا نہیں مل سکا کہ جس میں یہ کھجوریں ڈالی جائیں تو آپ نے اپنے جامہ مقدس سے زمین کو جاروب کر کے فرمایا کہ خرما اسی زمین پر ڈال دیجئے اور فرمایا کہ اس ذات پروردگار کے حق کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے کہ اگر دنیا کو خداوندِ عالم کے نزدیک ایک مچھر کے بتنی وقعت بھی ہوتی تو کبھی منافق اور کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ ہوتا۔

خندہ روئی

آپ بکثرت تبسم فرمایا کرتے اور عموماً ہر شخص کو خندہ روئی سے پیش آتے۔ ہاں آپ کی ہنسی کی آواز کبھی بلند نہ ہوئی بلکہ آپ کا تبسم انتہائی سکینہ و وقار سے محفوف رہتا اگر کوئی نااہل کج خلقی سے بھی آپ کو پیش آتا تو اس کی درشتی کا مقابلہ بھی آپ حسن سلوک اور خندہ پیشانی سے فرمایا کرتے تھے چنانچہ حضرت صادق آل محمد سے بسند معتبر منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل خدمت حضور میں آیا اور کچھ بخشش کا طلبگار ہوا تو آپ نے فرمایا کوئی شخص ہے جو ہمیں کچھ قرض دے دے، تو انصاری نے سرو قد کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں اس ارشاد کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں تو آپ نے فرمایا کہ چار وسق خرما اس سائل کو دے دیجئے تو اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے سائل مذکور کو خرما دے دیا کچھ مدت گزرنے کے بعد یہ انصاری خدمت آنحضرتؐ میں آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اِنْشَاءَ اللّٰہ میسر ہونے پر دے دیا جائے گا۔ کچھ مدت گذار کر وہ دوبارہ آیا اور یہی جواب پایا۔ تیسری مرتبہ پھر آیا اور یہی جواب پایا تو کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہ آپ نے بارہا یہی جواب دیا کہ انشاءَ اللّٰہ میسر ہو گا تو دیا جائے گا۔ آپ نے اس کے اس مناسب جواب پر مسکرا دیا اور فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ہمیں کچھ قرض دینے کو تیار ہو تو ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا میں حضرت کو قرضہ دے سکتا ہوں۔ فرمایا کتنی مقدار میں قرضہ دے سکے گا۔ عرض کیا جس قدر حضرت چاہیں تو ارشاد ہوا کہ آٹھ وسق خرما اس شخص کو دے دیجئے۔ اس انصاری نے کہا حضرت میں نے تو چار وسق خرما آپ کو قرض دیا تھا تو ارشاد نبوی ہوا۔ چار وسق دیگر ہم نے آپ کو بخش دیئے۔

تواضع و انکساری

تواضع و انکساری حضرتؐ کا شعار و دثار تھا۔ باوجودیکہ آپ معصومین کے سرتاج اور ہر گناہ سے پاک تھے اور روزانہ کم از کم ستر مرتبہ توبہ کرتے اور اتوب الی اللّٰہ فرمایا کرتے۔ بکثرت احادیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے کبھی دائیں یا بائیں جانب تکیہ کرکے کوئی چیز نہ کھائی کیونکہ تواضع و انکساری کے باعث آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ سے بادشاہان دنیا کا مشابہ اطوار سرزد ہوں۔ جس شخص سے ملاقی ہوتے۔ سلام شرعی ادا کرنے میں اس سے سبقت کرتے نیز مصافحہ کرنے میں بھی ابتدا کرتے غلاموں اور کنیزوں تک کے پست طبقہ لوگوں کی بہ نفس نفیس ہمدردی اور اعانت کرنے میں آپ کو ذرہ بھر باک نہ ہوتا۔

حضرت صادق آل محمدؐ امام جعفر صادق سے بسند حسن منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا جامۂ مبارک کہنہ ہو چکا تھا۔ ایک شخص نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر بارہ درہم ہدیہ پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یا علیؑ یہ درہم لے لو اور بازار سے میرے لئے نیا پیراہن

خرید لاؤ۔ حضرت امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ میں بازار گیا اور بارہ درہم دے کر حضرتؐ کے لئے ایک پیراہن خرید لایا جب حضرتؐ نے وہ پیراہن دیکھا تو فرمایا کہ اس سے گھٹیا درجے کا پیراہن مجھے پسند ہے۔ یا علیؑ کیا خیال ہے؟ کیا اس پیراہن کا فروخت کنندہ اسے واپس لے لے گا تو میں عرض گذار ہوا کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا نہ معلوم واپس کرے یا نہ کرے تو فرمایا اچھا جاؤ دیکھو تو سہی شاید واپس کرلے چنانچہ میں پیراہن لے کر گیا تو اس شخص نے واپس کر لیا جب رقم لے کر واپس حضرتؐ کی خدمت میں پہنچا تو آپؐ میرے ساتھ بازار تشریف لائے کہ اپنے حسب منشا پیراہن خرید کریں اس اثنا میں اچانک ایک کنیز پہ آپ کی نگاہ پڑی کہ جو بیٹھی رو رہی تھی حضرتؐ نے (بہ شفقت) اس سے دریافت کیا کہ کیوں رو رہی ہے؟ کنیز نے عرض کیا یارسول اللہ میرے اہل خانہ نے مجھے چار درہم دیئے تھے کہ ان کے لئے کچھ چیزیں خرید لاؤں لیکن وہ مجھ سے گم ہو گئے۔ اب جرأت نہیں کر سکتی ہوں کہ واپس گھر جاؤں حضرتؐ نے چار درہم اس کنیز کو عطا فرما دیئے اور فرمایا کہ لیجئے اور اپنے گھر واپس جانے کی تیاری کیجئے۔ آپؐ بازار پہنچے اور چار درہم پہ ایک پیراہن خریدا اور زیب تن فرما کر حمد الٰہی کیا جب بازار سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک برہنہ تن آدمی ندا کر رہا ہے کہ جو شخص مجھے کپڑا پہنائے گا حق تعالیٰ اس کو بہشتی جامہ عطا کرے گا۔ حضرت نے جو پیراہن ابھی ابھی بازار سے خریدا تھا اس کو پہنا دیا اور خود بازار واپس تشریف لے گئے اور جو چار درہم باقی رہ گئے تھے ان سے ایک اور پیراہن خرید فرمایا اور پہن کر شکر خدا کیا اور واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں اسی کنیز کو دیکھا کہ بیٹھی ہے تو فرمایا کہ تو گھر کیوں نہیں گئی۔ عرض کی یارسول اللہ! دیر ہو گئی ہے اور ڈرتی ہوں کہ گھر والے مجھے ماریں گے کہ تو نے دیر کیوں کی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ چلو ہمیں اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔ آپؐ اس کنیز کے ہمراہ روانہ ہوئے تا آنکہ ان کے دروازے پر پہنچے اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اے اہل خانہ! انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بار دیگر حضرتؐ نے سلام ادا کیا۔ پھر وہ جواب دہ نہ ہوئے تو حضرتؐ نے تیسری بار پھر سلام ادا کیا تو پھر انہوں نے کہا۔ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ حضرتؐ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ تم نے جواب سلام کیوں نہ دیا۔ عرض گذار ہوئے کہ ہم نے چاہا کہ آپؐ بکثرت ہم پر سلام کریں تاکہ ہمارے لئے بکثرت برکت کا موجب متحقق ہو جائے پھر حضرتؐ نے اس کنیز کی سفارش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کنیز دیر سے واپس ہوئی ہے لہٰذا اس کو کچھ نہ کہئے گا انہوں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ آپؐ کے تشریف لانے کے لئے ہم نے اس کنیز کو آزاد کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے اس سے زیادہ برکت والے کوئی بارہ درہم نہیں دیکھے کہ جن کے طفیل دو برہنہ تن ملبوس ہو گئے اور ایک بندہ آزاد ہو گیا۔

سخاوت

سخاوت آنحضرتؐ کا یہ معیار تھا کہ کبھی درہم اور دینار آپ کے پاس باقی نہ رہا اگر آپؐ کی خدمت میں ہدایا وغیرہ کے ذریعہ مال بکثرت پہنچ جاتا اور شب آجاتی تو اس وقت تک آپؐ آرام فرما نہ ہوتے کہ جب تک اس مال کو صرف نہ کر دیتے اور ایک سال سے اخراجات سے

زائد کا ذخیرہ آپ نے کبھی نہ فرمایا۔

کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ سے کسی شخص نے کوئی سوال کیا ہو اور آپ نے کچھ دینے سے معذرت کی کوشش کر کے اسے ٹالا ہو بلکہ اگر کچھ حاضر ہوتا تو دے دیتے ورنہ فرماتے کہ جب میسّر ہو گا تو دوں گا۔

عموماً طرزِ معاشرت و حُسنِ سلوک

آپ زمین پر بیٹھا کرتے اور بر روئے زمین نشستہ ہی کھانا تناول فرمایا کرتے اور زمین ہی پر سویا کرتے اور بدست خود اپنے نعلین اور جامعہ وغیرہ کو پیوند لگاتے اپنے خانۂ اقدس کا در خود کھولتے۔ بکری کا شیر دوہنے کی ضرورت ہوتی تو خود دوہتے۔ اونٹ کو پائے بند خود لگاتے جب خادم چکی پیسنے سے تھک جاتا تو بہ نفسِ نفیس اس کی مدد فرماتے اپنے لئے آبِ وضو بدست خود فرماتے۔ شب ہمیشہ آپ کا سرِ اقدس بغیر تکیہ ہوتا بلکہ آدمیوں کی موجودگی میں آپ تکیہ کے سہارے سے نہ بیٹھا کرتے۔ اپنے اہلِ خانہ کی خدمت انجام دیتے۔ کھانا کھانے کے بعد اپنی انگشت ہائے مبارکہ کو چوس لیا کرتے۔ کبھی آپ کو ڈکار لیتے نہ دیکھا گیا جو بھی آپ کی ضیافت کے لئے دعوت کرتا خواہ وہ غلام ہوتا یا آزاد۔ آپ بخوشی اس کی دعوت کو قبول فرمایا کرتے خواہ وہ ضیافت میں کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ پیش کرتا آپ ہدیہ کو ضرور قبول فرماتے خواہ وہ پانی کا ایک گھونٹ ہی ہوتا۔ آپ صدقہ کو تناول نہیں فرماتے تھے۔ کثرت سے لوگوں کیطرف نظر نہیں کرتے تھے۔ آپ جب بھی کسی پر ناراض ہوتے تو اللہ۔ دنیا کے لئے آپ نے کبھی کسی پر رنجش کا اظہار نہ فرمایا۔ بعض اوقات بھوک کی شدت کے باعث آپ شکم اقدس پر پتھر باندھے کرتے اور تناول کیلئے جو کچھ حاضر کیا جاتا بہ خوشی نوش فرماتے۔ کبھی کسی چیز کو رد نہیں فرماتے تھے۔ موٹے سوت کا کپڑا، کھدر نیز اون کا کپڑا زیبِ تن فرماتے۔ یمنی چادر بھی استعمال فرمایا کرتے۔ اکثر حضرت کا لباس سفید ہوا کرتا سرِ اقدس پر عمامہ پہنا کرتے۔ جامہ پہننے کیوقت دائیں جانب سے ابتدا فرماتے۔ ایک فاخرہ لباس بھی رکھتے جو بالخصوص بروز جمعہ زیبِ تنِ اقدس فرماتے اور جب نیا لباس پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو عطا فرما دیتے۔ ایک عبا بھی رکھتے کہ جب کسی جگہ تشریف فرما ہوتے تو اس کو دوتہہ کر کے نیچے بچھا لیتے دست راست کی انگشت کوچک میں چاندی کی انگشتری استعمال فرمایا کرتے فرمایا کرتے۔ خربوزہ سے آپکو محبت تھی اور بو سے بد سے سخت نفرت۔ ہر وقت وضو مسواک فرتے سوار ہونے کیوقت اپنے غلام کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے نیز دیگر لوگوں کو بھی اس شرف سے مشرف فرمایا کرتے اور جو سواری میسّر ہوتی اسی پر سوار ہو لیتے چنانچہ گھوڑے۔ خچر۔ دراز گوش اور اونٹ میں سے ہر جانور کو آپ نے اپنی سواری کا شرف بخشا بغیر پالان اور زین کے بھی آپ سواری فرما لیتے کبھی کبھی پیادہ پا، برہنہ بغیر چادر اور عمامہ کے بھی آپ راستہ چل لیتے۔ بیماروں کی عیادت اور تشییع جنازہ کے لئے انتہائے مدینہ تک تشریف لے جایا کرتے۔ فقراء کو ہمنشینی کا شرف بخشتے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا کرتے ارباب علم صاحبان صلاح اور اخلاق حسنہ رکھنے والے اشخاص سے محبت فرمایا کرتے۔ ہر قوم کے سردار اور شریف کے تالیف قلب اور اپنے اقرباء اور رشتہ داروں پر احسان فرمایا کرتے اور سوائے

چنانچہ جن کے کہ قدرت کیطرف سے جن کا حکم وارد ہوا تھا۔ دیگر تمام امور میں اپنے رشتہ داروں کو دیگر لوگوں پر ترجیح نہیں دیا کرتے تھے ہر شخص کیساتھ رعایت اداب کیساتھ سلوک فرماتے کسی معاملہ میں اگر کوئی معذرت خواہ ہوتا تو اس کے عذر کو شرف قبولیت بخشتے۔ جو کچھ خود کھاتے یا پہنتے وہی اپنے غلاموں اور کنیزوں کو بھی کھلاتے اور پہناتے کبھی آپ کی زبان مبارک پر کلمہ ناسزا و دشنام وغیرہ جاری نہ ہوا۔ اپنی ازواج اور خدمت گذاروں کو آپؐ نے کبھی نفرین نہ فرمائی جو شخص بھی حاجت لیکر حاضر خدمت ہوتا آپؐ اس کیساتھ اس کی حاجت روائی کیلئے بنفس نفیس تشریف لیجاتے اور صرف امرا اور بڑے آدمیوں سے ہی نہیں بلکہ یہی سلوک آپ غلاموں اور کنیزوں تک سے فرمایا کرتے۔ درشت خوی سے آپ کبھی رونما نہیں ہوئے۔ اسی لئے قدرت نے فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کہ بے شک تو خلق عظیم کا مالک ہے لو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك کہ اگر تو درشت خو اور سخت دل ہوتا تو لوگ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے۔ نزاع اور جھگڑے کے وقت بھی آپؐ کی بلند آواز نہ ہوا کرتی۔ بد کو آپ نیکی سے جزاء دیا کرتے جس مجلس میں بھی آپ تشریف فرما ہوتے۔ ہر وقت یاد خدا میں رہا کرتے۔ اکثر بیٹھنے کے وقت آپؐ رو بہ قبلہ بیٹھا کرتے جو شخص آپکی خدمت میں آتا اسے عزت سے پیش آتے۔ بعض اوقات آنے والے کیلئے اپنی چادر بچھا دیتے اور اسے عزت کی جا پر بٹھاتے اور آنیوالے کو سرہانے بٹھانے کی سعی فرماتے کلمہ کہنے سے کوئی چیز آپؐ کو مانع نہ ہوتی اس امر میں کسی کے راضی ہونے کی کبھی پرواہ نہ فرماتے اکثر آپ کی خوراک خرما اور پانی یا شیر اور خرما تھی۔ گوشت اور کدو کے ثرید کو محبوب رکھتے تھے شکار خود نہیں فرماتے تھے لیکن شکار کا گوشت تناول فرما لیتے تھے۔

ہر چھوٹے اور بڑے سے وسعت اخلاق کی یہ حد تھی کہ ایک روز آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ ایک انصاری کی کنیز مسجد میں داخل ہوئی اور آپ کے پیراہن اقدس کے کنارہ کو اس نے پکڑا۔ حضرت کو خیال ہوا کہ آپ کیساتھ اس کو کوئی کام اور حاجت درپیش ہے۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اس کنیز نے کچھ عرض نہ کیا اور دامن اس سے چھوٹ گیا۔ حضرتؐ نے کچھ دیر انتظار کیا لیکن جب اس نے کچھ نہ کہا تو حضرت پھر بیٹھ گئے اس نے دوبارہ حضرتؐ کے جامہ اقدس کیطرف دست دراز کیا حضرت پھر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن پھر بھی وہ خاموش رہی حضرت پھر بیٹھ گئے۔ تیسری مرتبہ پھر اس نے اسی طرح کیا حتی کہ چوتھی مرتبہ پھر جب حضرتؐ اٹھے تو اس نے حضرت کی چادر مبارک سے ایک تار توڑا۔ صحابہ نے اس کنیز کو عتاب کیا کہ تیرا کیا مطلب ہے کہ تو نے آنحضرتؐ کو تکلیف دی ہے کہ حضرتؐ کو بار بار اٹھنا اور بیٹھنا پڑا۔ تو اس نے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک آدمی بیمار ہے اور گھر والوں نے مجھے بھیجا تھا کہ حضرتؐ کے لباس مبارک سے ایک تار توڑ لاؤں تاکہ اس کی برکت سے اس بیمار کے لئے وہ استشفا کریں اور قدرت اسے شفا عطا کرے لیکن میں نے جتنی مرتبہ حضرت کے لباس سے تار الگ کرنے کا قصد کیا تو حضرتؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے شرم مانع ہوئی کہ میں آپؐ سے اس کا سوال کروں تاآنکہ آخر میں میں نے تار الگ کرنے کی جرأت کی

یہ تھی آنحضرتؐ کے اخلاق کی وسعت اور انہیں آثار کے نقش پر چلنے اور اتباع کرنے پر ہم مامور ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت

جناب شرف الدین نجفی نے اپنی کتاب تاویل الآیات الباہرہ میں ابو جعفر طوسیؒ سے بیان کیا ہے اور انہوں نے اپنے استاد کے ذریعہ مفضل بن شاذان سے بیان کیا ہے اور انہوں نے کتاب البلدان میں ذکر کیا ہے کہ حدیث مرفوع میں سلمان فارسی سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ دونوں شاہزادے حسنؑ و حسینؑ بی بی کے پاس بیٹھے ہیں اور آپ ان کو دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں ابھی کچھ دیر نہیں گذری کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان حضرات کی فضیلت بیان فرمایئے تاکہ میری محبت میں اور اضافہ ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے سلمان مجھے جب خدا نے معراج کرائی اور جبریل میرے ہمراہ تھے تو میں جنت کے قصر اور باغ کی سیر کر رہا تھا کہ مجھے ایک ایسی بہترین خوشبو آئی کہ دل و دماغ معطر ہو گئے اور وہ خوشبو مجھے بے حد پسند آئی میں نے جبریل سے کہا کہ یہ کس چیز کی خوشبو ہے جو جنت کی تمام خوشبوؤں پر غالب ہے جبریل نے عرض کی یا رسول اللہ یہ ایک سیب ہے جس کو خدا نے اپنے خاص ید قدرت سے پیدا کیا ہے یہ تین سو سال سے اسی طرح خوشبو دے رہا ہے ہمیں کوئی علم نہیں کہ سیب کس غرض کے لئے پیدا کیا ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سیب کو لے لیا اور جب میں معراج سے واپس آیا تو بحکم خدا میں نے اس سیب کو نوش کیا خدا نے اس سیب کا جوہر میری پشت میں جمع فرما دیا اور یہی وہ جوہر تھا جو خدا نے خدیجۃ الکبریٰ کے شکم میں منتقل کیا اور وہ حاملہ ہو گئیں پس خدا نے مجھے خبر دی کہ اس پسندیدہ سیب کے جوہر سے فاطمہؑ پیدا ہو گی۔ یہ بشکل انسان حور ہو گی اس کا نکاح علی بن ابی طالبؑ سے کرنا کیونکہ ہمارا فیصلہ ہے کہ نور کا نکاح نور سے کیا جائے ان دونوں سے ذریت طاہرہ پیدا ہو گی اور دو شہزادے حسنؑ و حسینؑ پیدا ہوں گے جو جنت کے چشم و چراغ ہوں گے اور ائمہ پیدا ہوں گے جن کو قتل کیا جائے گا اور ان کی نصرت نہیں کی جائے گی ان کے قاتلوں اور دشمنوں کے لئے جہنم ہے۔ شیخ ابو جعفر طوسیؒ اپنی کتاب مصباح الانوار میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نماز صبح با جماعت جناب رسالت مآبؐ کیساتھ آنحضرتؐ نے جب نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف اپنا چہرۂ انور موڑا تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ آیہ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاۗءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰۗئِکَ رَفِیْقًا۔ کا مقصد بیان فرمایئے اور اس کی تفسیر کیجئے تو آنحضرتؐ

نے فرمایا کہ انبیاء کی فرد اکمل میں ہوں اور صدیقین کی فرد اکمل میرا بھائی علی ابن ابی طالب ہے اور شہداء کی فرد اکمل میرے چچا حمزہ ہیں اور صالحین کی فرد اکمل میری بیٹی فاطمہ اور حسن وحسین ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھے اور علی و فاطمہ وحسن وحسین کو اس وقت پیدا کیا جبکہ آسمان کا شامیانہ تھا نہ زمین کا فرش تھا اور نہ جنت تھی نہ دوزخ نہ سورج تھا نہ چاند نہ روشنی تھی نہ تاریکی پروردگار عالم نے پہلے ایک نور پیدا کیا پھر ایک روح پیدا کی اور ان دونوں کو ملا دیا اور ہم پنجتن کو پیدا کر دیا ہم اس وقت حمد خدا کرتے تھے جب کوئی حمد کرنے والا نہ تھا اور تسبیح خدا بجا لاتے تھے جب کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا پھر خدا نے میرے نور سے عرش پیدا کیا اور میری بیٹی کے نور سے آسمان وزمین پیدا کئے اور میرے بھائی علیؑ کے نور سے ملائکہ پیدا کئے اور حسن کے نور سے شمس قمر پیدا کئے اور حسین کے نور سے جنت وحور پیدا کئے اور ہم سب ان سے افضل ہیں پھر خدا نے تاریکیوں کو حکم دیا کہ آسمان پر چھا جائیں چنانچہ آسمان تیرہ تار ہو گئے اور فرشتے چیخنے لگے تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند کرنے لگے اور عرض کی کہ اے پالنے والے ان پانچ مقدس و بزرگ ہستیوں کا واسطہ ان تاریکیوں کو دور کر پس خداوند عالم نے میری بیٹی فاطمہ کے نور سے ایک قندیل نور روشن کی جو عرش پر آویزاں کی گئی اس کے نور سے تمام آسمان چمک اٹھے اور زمین بھی روشن ہو گئی اسی وجہ سے میری بیٹی فاطمہ کو زہراء کا لقب ملا ہے فرشتوں نے جب جگمگاتی قندیل کو دیکھا تو دریافت کیا پروردگارا یہ کس ہستی کا نور ہے جس نے زمین و آسمان کو منور کر دیا ہے خداوند عالم نے فرمایا کہ یہ نور میں نے اپنی کنیز خاص فاطمہ کے نور سے پیدا کیا ہے جو میرے حبیب محمد مصطفیؐ کی بیٹی ہے اور میرے ولی خاص علی کی زوجہ ہے جو میرے حبیب کے برادر اور میری حجتوں کے باپ ہیں اے فرشتو! میں تمہاری تمام تسبیحوں کا ثواب جو تم قیامت تک ادا کرو گے اپنی اس کنیز خاص اور اس کے شیعوں اور محبت رکھنے والوں کے لئے مقرر و معین کرتا ہوں

جناب فضل بن عمر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب بی بی خدیجہ نے جناب رسالتمآبؐ سے نکاح کر لیا تو مکہ معظمہ کی عورتوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا کوئی عورت ان کے پاس دل بہلانے کے لئے نہیں آتی تھی پس خداوند عالم نے بی بی خدیجہ کو امیدوار کیا اور فاطمہ ان کے حمل میں آئیں تو فاطمہ ان کے شکم مبارک میں ان سے باتیں کیا کرتی تھیں جناب رسالت مآبؐ نے ایک روز فرمایا کہ اے خدیجہ یہ میری بیٹی جو تم سے شکم میں باتیں کیا کرتی ہے اللہ نے اس کو ایک بہترین اور مبارک و پاکیزہ خوشبو بنایا ہے اسی بیٹی سے میری نسل چلے گی چنانچہ جب وقت ولادت قریب ہؤا تو بی بی خدیجہ تنہائی کی وجہ سے غمناک ہونے لگیں۔ خداوند عالم نے چار بیبیاں بھیج دیں ان میں سے ایک نے کہا کہ اے بی بی گھبراؤ نہیں ہم تمہارے پاس خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آئی ہیں۔ میں سارہ ہوں اور یہ آسیہ ہیں یہ مریم اور یہ کلثوم خواہر موسیٰ ہیں ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ فاطمہ طاہرہ پیدا ہو گئیں اور ان کے نور سے تمام گھر بلکہ مکہ معظمہ کے مکانات میں روشنی پھیل گئی اور

فوراً دس حوریں جنت سے اتریں کسی کے ہاتھ میں لوٹا کسی کے ہاتھ میں لگن کسی کے ہاتھ میں لباس اور کسی کے ہاتھ میں خوشبو چنانچہ کوثر کے پانی سے بی بی فاطمہ کو نہلایا خوشبوئیں لگائیں سفید رنگ کا لباس پہنایا فاطمہ نے پیدا ہو کر یہ کلمہ ادا کیا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور میرے باپ محمد اللہ کے رسول اور پیغمبروں کے سردار ہیں اور میرا شوہر تمام اوصیاء و اولیاء کا سردار ہے اور میری اولاد تمام سباط کی سردار ہے پھر بی بی فاطمہ نے ان تمام عورتوں کو نام بنام سلام کیا یہ حالت دیکھ کر حوران جنت نے بی بی خدیجہ کو مبارکباد دی اور کہا اے خدیجہ مبارک ہو خدا نے تمہیں طاہرہ و مطہرہ وزکیہ و مبارکہ بیٹی عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نسل میں برکت عطا فرمائے۔ بی بی فاطمہ ایک دن ایس اتنی بڑھتی تھیں جتنا ایک ماہ میں بچے بڑھتے ہیں۔

بی بی کی ولادت ظاہری مکہ مظمہ میں بعثت کے پانچ سال بعد اور معراج کے تین سال بعد بیس تاریخ جمادی الثانیہ کو ہوئی۔

فاطمہ رسول خدا کی اکلوتی بیٹی

مسئلہ بنات رسول کے سلسلہ میں مختلف و متعدد روایات کتب اسلام میں وارد ہوئی ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ لڑکیاں ہالہ بنت خویلد کی تھیں اور ان کا باپ ابو الہند تھا جیسکہ مرجا الانس میں علامہ مقصد بدخشانی نے بھی تحریر کیا ہے اور دوسری روایات یہ ہے کہ یہ لڑکیاں آنحضرتؐ کی تھیں۔ بطن خدیجہ سے پہلی روایت قرآن و حدیث کے مطابق صحیح و درست ہے اور دوسری اور تیسری قرآنی معیار کے خلاف ہے لہٰذا قابل رد ہے خداوند عالم نے حضرت رسول خدا اور آپ کے متبعین کو حکم دیا ہے کہ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا یعنی تم اپنی عورتوں مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یہ قانون مسلمانوں اور رسول اسلام دونوں کے لئے ہے مگر فرق اتنا ہے کہ مسلمانوں پہ بعد ظہور اسلام پابندی عائد ہوتی ہے اور رسول خدا قبل بعثت بھی اس قانون کے پابند تھے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی اپنی شریعت کے فعل حرام کا ارتکاب نہیں کیا نہ قبل بعثت اور نہ بعد بعثت یعنی حضور سرور دو عالم نے کبھی کوئی فعل حرام نہیں کیا جو آپ کی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے نہ ظہور اسلام سے پہلے اور نہ اس کے بعد جیسا کہ مکتوبات مجلد سرہندی جلد ۳ صہ ۲۶ میں بھی ہے اور علامہ قاضی عیاض نے بھی تحریر کیا ہے کہ آپ قبل خلقت آدم نبی تھے اور تمام دنیا کیلئے نمونہ عمل بن کر تشریف لانے والے تھے لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرتؐ نے اپنی شریعت کے محرمات کا ارتکاب نہیں کیا۔

جب یہ امر مسلم ہے تو آپ کی شریعت میں اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرکین میں دینا فعل حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا آپ نے اس قانون کی یقینی طور پہ پابندی کی ہے اور خدا کے اس حکم کی قانون شکنی نہیں کی ہے اب قابل غور امر یہ ہے کہ جن روایات میں تین لڑکیاں زینب و رقیہؓ و امّ کلثوم رسول خدا کی بیٹیاں ظاہر

ں ہیں وہ روایات قرآن مجید کے حکم مذکورہ کے سراسر خلاف ہیں کیونکہ مذکورہ لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہونا
خلاف ثابت ہیں کہ یہ لڑکیاں عتبہ و عتیبہ پسران ابولہب اور ابوالعاص کے نکاح میں دی گئیں اگر یہ
خدا کی لڑکیاں ہوتیں تو آپ ہرگز اپنی لڑکیاں ہوتیں تو آپ ہرگز اپنی لڑکیاں مشرکوں کو نہ دیتے اور یہ
لم ہے کہ جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہو وہ قابل رد ہے اور اس روایت کا امام معصوم کی طرف
د غلط ہے یعنی وہ روایت جو مخالف قرآن ہو وہ امام معصوم کی روایت نہیں ہو سکتی کیونکہ خود ائمہ معصومین
رمایا ہے کہ ہمارے بعد بکثرت کذاب پیدا ہوں گے جو غلط روایات کو ہماری طرف منسوب کریں گے
م ان روایات کو قرآن مجید کے مطابق کر کے دیکھ لینا اگر مخالف قرآن ہوں تو ان کو دیوار پہ دے مارنا یہ
ی روایت نہ ہوگی اور اگر مطابق قرآن ہو تو عمل کر لینا اس قانون کے مطابق جب ہم ان روایات کو
ۃ ہیں جن میں ان لڑکیوں کو بنات رسول کہا گیا ہے تو یہ روایات خلاف قرآن ثابت ہوتی ہیں لہٰذا بقول
معصومین یہ روایات قطعاً غلط اور قابل رد ہیں اور ان کی نسبت امام کی طرف غلط دی گئی ہے لہٰذا یہ
لکل واضح ہو گیا کہ یہ لڑکیاں رسول خدا کی حقیقی بیٹیاں نہیں ہیں اب یہ روایت قابل غور ہے کہ آیا یہ لڑکیاں
خدیجہ کے بطن سے شوہر اول کی ہیں تو یہ روایت بھی درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ بی بی خدیجہ
ح جب حضور سرور دو عالم سے ہوا تھا تو آپ باکرہ تھیں جیسا کہ محققین علمائے شیعہ کا مسلک ہے
کا تذکرہ مناقب ابن شہر آشوب میں موجود ہے لہٰذا یہ دونوں روایتیں معارض ہونے کی وجہ سے ساقط
گی اب صرف ایک ہی روایت باقی رہ گئی کہ یہ لڑکیاں ہالہ بنت خویلد کی تھیں اور ان کو بی بی خدیجہ نے اپنی
ہالہ کے مر جانے کی وجہ سے پرورش کیا تھا اور پرورش کی وجہ سے یہ بی بی خدیجہ کی بیٹیاں کہلاتی تھیں
ب میں ایسا دستور موجود ہے کہ پروردہ بچوں کو بیٹا اور بیٹی کہتے تھے اسی نسبت سے یہ لڑکیاں بنات
ں کہلائیں یعنی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ ربیبہ تھیں اور محاورہ عرب میں ربائب کو بیٹیاں کہا جاتا ہے اور جب
بت محاورہ عرب کے مطابق ہے تو اسی نسبت سے بنات رسول کہلائیں اور ان کا نکاح جن جن سے
وہ اسی نسبت سے محاورہ عرب میں داماد رسول کہلائے گئے یعنی جس نسبت کے لحاظ سے لڑکیاں
اسی نسبت کے لحاظ سے رشتہ دامادی بھی ہے لہٰذا جب کہ یہ حقیقی لڑکیاں نہیں ہیں تو حقیقی دامادی بھی
ں ہے۔ دامادی کا رشتہ سببی کہلاتا ہے اور یہ ادنیٰ تعلق و ملابست سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی حقیقی خوشدامن
نہیں بھی خوشدامن کہلاتی ہیں اور ان کے شوہر خسر کہلاتے ہیں اسی لحاظ سے لفظ صہر الرسول عثمان کیلئے
۔ اور صرف عثمان نہیں بلکہ عتبہ و عتیبہ اور ابوالعاص کے لئے بھی ہے اور یہ سب محاورہ عرب کے مطابق
ہر ملک و ہر قوم کے رواج کے مطابق ہے۔

قرآن مجید میں لفظ بنات جس طرح حقیقی بیٹیوں کے لئے آیا ہے اسی طرح پوتی اور نواسی کے لئے بھی
ہے چنانچہ آیہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ میں لفظ بنات میں پوتی اور نواسی شامل

وداخل ہے ورنہ پوتیوں اور نواسیوں کے حرمت نکاح کی کوئی اور آیت نہیں ہے اسی آیت کے ماتحت یہ حرام قرار دی گئی ہیں لہذا جب لفظ بنات پوتیوں اور نواسیوں کے لئے بھی قرآن مجید میں موجود ہے تو آیہ حجاب میں جہاں خدا نے حضور کو حکم دیا ہے قُل لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ میں بھی پوتیاں اور نواسیاں داخل و شامل ہیں اور یقیناً داخل و شامل ہیں کیونکہ جن لڑکیوں کو حضور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے ہی وفات پا چکی تھیں اور اس وقت سوائے بی بی فاطمہ کے کوئی لڑکی موجود نہ تھی اس وقت خدا کا آیۂ حجاب میں فرمانا کہ اے رسول اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو پردہ کا حکم سنا دے کیونکر درست ہو سکتا ہے جبکہ سوائے فاطمہ کے کوئی لڑکی موجود ہی نہیں ہے وہ بہت پہلے مر چکی ہیں لہذا اس آیۂ میں حضور کی لڑکیوں سے مراد حضرت علی و فاطمہ کی بیٹیاں ہیں اور اسی لئے بی بی ام کلثوم نے بازار کوفہ میں فرمایا تھا کہ نحن بنات رسول اللہ یعنی ہم رسول کی بیٹیاں ہیں۔

نیز اس حقیقت کی طرف بھی غور کرنا چاہیئے کہ حضور سرور دو عالم کا نکاح جب بی بی خدیجہ سے ہوا تھا تو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو چکا تھا یعنی یہ تینوں لڑکیاں اتنی عمر کی تھیں کہ ان کا نکاح ہو چکا تھا اور حضور سرکار دو عالم کا نکاح ۲۵ سال کے سن میں خدیجہ سے ہوا اور تیس سال کے سن تک کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سن میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا ہے اور ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے آپ کی چالیس سال عمر سے پہلے ہو چکا تھا اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ کے فرزند بھی پیدا ہونا اور یہ تین لڑکیاں پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے جیسا کہ مدارج النبوت وغیرہ میں بتفصیل موجود ہے بھلا غور تو کیجیئے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں پیدا ہو گئیں اور اتنی عمر بھی ہو گئی کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا کیا یہ عقل و فہم میں آنے والی بات ہے۔ چار پانچ سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا اور عثمان سے ایک لڑکی کا نکاح حالت شرک ہی میں ہو گیا جیسا کہ مدارج النبوۃ میں مذکور ہے۔

اس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور کی نہ تھیں بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھیں کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کا احتجاج

مسلمانوں کی تاریخ میں جو سیاست کے زیر اثر مرتب ہوئی ہے کئی تعجب خیز منازل آتے ہیں ان سب کا یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں ہے اگرچہ یہ کہانی بھی بذات خود ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے ان میں سے ہم فقط ایک کا ذکر کرتے ہیں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔

جس صورت سے اُمت نے اپنے رسول کی اکلوتی بیٹی کو اس کے باپ کی رحلت پر پُرسا دیا اس کو ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست سے ہم نقل کرتے ہیں

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی بیعت سے تخلف کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علی کے یہاں جمع ہیں پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا انہوں نے حضرت علی کے گھر پر آن کر آواز دی۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا اس پر حضرت عمر نے جلنے والی لکڑیاں منگائیں اور کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے تم باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسول ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے ان کی پرواہ نہیں اس پر سب لوگ سوائے حضرت علی کے باہر نکل آئے اور جا کر بیعت کر لی

حضرت فاطمہ اپنے گھر کے باہر دروازے پر آن کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے تم رسول خدا کے جنازے کو ہمارے درمیان چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر (خلافت) کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا حضرت عمر واپس آئے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم اس متخلف سے بیعت کیوں نہیں لیتے (حضرت ابوبکر نے اپنا غلام قنفذ کئی دفعہ حضرت علی کے بلانے کے لئے بھیجا۔ حضرت علی نہ آئے تو) پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہ نے ان کی آواز سنی تو باآواز بلند فرمایا کہ اے والدِ بزرگوار اے رسول خدا، ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصائب دیکھنے پڑے جب اس جماعت نے حضرت فاطمہ کی آواز سنی اور ان کو گریہ وزاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے۔"

اس کے بعد مولف نے حضرت علی کا دربار میں لے جایا جانا اور وہاں رد و قدح لکھی ہے اور تحریر کیا ہے کہ حضرت علی بغیر بیعت کئے ہوئے واپس آ گئے اور قبر رسول پر جا کر فریاد کی پھر فاضل لکھتے ہیں

"اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں ہم نے ان کو غضبناک کر دیا ہے پس ان دونوں نے حضرت فاطمہ سے دروازے پر آ کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو یہ دونوں حضرت علی کے پاس آئے پس حضرت علیؑ ان کو اندر لے گئے جب وہ دونوں فاطمہ کے پاس آن کر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ نے ان کی طرف منہ موڑ کر دیوار کی طرف رُخ کر لیا۔ ان دونوں نے آپ پر سلام کیا تو حضرت فاطمہ نے جواب سلام نہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے کہنا شروع کیا کہ اے رسول کی پیاری بیٹی۔ بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابتدار..... بس اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ جناب فاطمہ نے فرمایا کہ تم دونوں چاہتے ہو کہ میں تمہیں جناب رسولِ خدا کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو

انہوں نے کہا کہ ضرور وہ حدیث آپ ہمیں سنائیں حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے پس جس نے میری دختر فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضبناک اور آزردہ کیا اس نے مجھے غضبناک اور آزردہ کیا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسول خدا سے سنی ہے اس طرح اس پر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزردہ کیا اور غضبناک کیا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا اور جب میں رسول خدا سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی حضرت ابوبکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ جان نازنین بدن سے مفارقت کر جاتے لیکن حضرت فاطمہ برابر کہتی جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو میں پڑھوں گی تیرے لئے بددعا کروں گی۔"

کتاب الامامت والسیاست تالیف ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۱۴
حضرت فاطمہ کے گھر کے جلانے کے لئے لکڑیوں کے لے جانے کا واقعہ ہر ایک مورخ نے بیان کیا ہے۔ دیکھو تاریخ طبری میں الجزء الثالث ص ۱۹۸، تاریخ الفداء الجزء الاول ص ۱۵۶ا۔
مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث ص ۲۴۔ الاستیعاب الجزء الاول ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ص ۲۴۵۔ اردو ترجمہ ازالہ الخفا مقصد دوم ماثر ابی بکر ص ۲۲۶۔ روضۃ المناظر ابن تحفہ بر حاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل ص ۱۱۲۔

فدک کا دعویٰ

حضرت فاطمہؑ سے جب باغ فدک چھین لیا گیا اور ان کو دعویٰ کرنے پر مجبور کیا گیا تو جناب فاطمہ نے فدک کا دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حضرت علیؑ و ام ایمن اور جناب حسنین علیہم السلام کو بطور گواہ پیش کیا لیکن ان بزرگواروں کی گواہی رد کی گئی اور حضرت معصومہ کا دعویٰ خارج کر دیا گیا حالانکہ دیگر صحابہ کے دعویٰ مثلاً جابر ابن عبداللہ اور غلام رباع والد رباع کے دعویٰ محض ان کے بیانات پر ان کے حق میں فیصل کئے گئے اپنے دعویٰ کی ناکامیابی کو سن کر جناب فاطمہ کو بہت غصہ آیا اور ردا اوڑھ کر لونڈیوں کے حلقہ میں حضرت ابوبکر کے دربار رفیعہ میں تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت ابوبکر اور مجمع مسلمین کو مخاطب کر کے ایک نہایت بلیغ خطبہ ادا فرمایا ہے یہاں ہم اس کے اردو ترجمہ کے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں بعد حمد خدا جو کہ حکمت کے باریک نکتوں سے مملو ہے اور بعد نعت رسول اللہ جو اس زمانہ کی ضلالت و غوایت کا جو رسول اللہ کے ذریعہ سے رفع ہوئی تاریخی آئینہ ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

حضرت فاطمۃ الزہرا کا خطبہ

اے لوگو! جان لو کہ میں فاطمہ ہوں میرے والد محمد مصطفیٰ ہیں جو بات میں تم سے پہلے سے کہہ رہی ہوں وہی آخر تک کہتی رہوں گی اور میں جو کہتی ہوں وہ غلط نہیں کہتی اور اپنے فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ یقیناً ہمارے پاس خدا کا وہی رسول آیا ہے جو تم ہی لوگوں میں سے ہے۔ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور وہ تمہاری بہبودی بہت چاہتا ہے۔ ایمانداروں پہ حد درجہ شفیق اور مہربان ہے پس اگر تم ان کی طرف کسی کو نسبت دو اور ان کا تعارف کراؤ تو تم ان کو میرا باپ پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں کا اور میرے ابن عمّ (علی ابن ابیطالب) کا بھائی پاؤ گے نہ اپنے مردوں میں سے کسی کا اور وہ جناب بہترین شخص ہیں جن کی طرف نسبت کی جائے پس حضرت نے خدا کا پیغام بہت اچھی طرح اور پوری طرح پہنچا دیا اس طرح کہ خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا اور مشرکوں کے مسلک سے بالکل علیحدہ اور مخالف راہ نکالے ہوئے تھے مشرکوں کے مسلک کی ممتاز چیزوں پہ ضرب کاری لگا رہے تھے اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھے اور اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے بتوں کو توڑ رہے تھے اور اہل شرک کے سرداروں کو نگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ گروہ مشرکین کو شکست ہوئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے یہانتک کہ جہالت کی رات ختم ہوئی۔ ہدایت کی صبح نے جلوہ دکھایا اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا۔ دین کا ڈنکہ بولنے لگا اور شیطانوں کے ناطقے گم ہو گئے۔ نفاق پرور کمینے ہلاک ہو گئے۔ کفر اور بے دینی کی گرہیں کھل کر رہ گئیں اور تم نے چند روشن نسب اور گرسنہ (روزہ دار) لوگ یعنی اہل بیت رسول کے درمیان زبان پر کلمۂ ہدایت جاری کیا درآنحالیکہ تم جہنم کے کنارے پر تھے ایسے بے مقدار جیسے پینے والے کا ایک گھونٹ، طمع کرنے والے کا ایک چلو۔ عجلت کرنے والے کی ایک چنگاری اور ایسے ذلیل تھے جیسے پیر تلے کی خاک۔ گندہ پانی پیتے تھے اور بے باعث کی ہوئی کھال چباتے تھے ـــــ ذلیل وھتکارے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے کہ وہ لوگ جو تمہارے اردگرد ہیں تم کو ہلاک نہ کر ڈالیں ایسے وقت پر خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰ کے ذریعے سے ان مکروں سے نجات دی ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد اور اس کے بعد کہ بہادروں کے ساتھ ان کی آزمائش کی گئی عرب کے ڈاکوؤں اور اہل کتاب کے سرکشوں سے آنحضرتؐ کو سابقہ پڑا تھا جب کبھی ان لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی خدا نے اسے خاموش کر دیا یا جب کبھی شیطان نے سر اٹھایا یا مشرکوں کی شرارت کے اژدھے نے منہ کھولا تو آنحضرت نے اپنے بھائی علی ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا پس اس بہادر اور جوانمرد علی کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹتا کہ جب تک اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر نہ کچل دیئے اور فتنے کی آگ نہ بجھا دی وہ خدا کے بارے میں مشقت برداشت کرنے والا تھا اور امر خدا میں پوری کوشش

کرنے والا تھا اور ہر بات میں رسول خدا سے قریب تھا۔ اولیاء خدا کا سردار۔ ہدایت پر کمربستہ۔ بندگان خدا کا ناصح مفید باتیں کرنے والا اور کوشش وسعی بلیغ کرنے والا تھا اور تم لوگ زندگی کی خوشگوار حالت میں پڑے ہوئے۔ اطمینان و خوش طبعی کے ساتھ بیخوف زندگی بسر کر رہے تھے (ہم پر مصیبتیں آپڑنے کی آرزو کرتے تھے یعنی رسول خدا کی موت چاہتے تھے) اور ہمارے لئے فتنوں اور مصیبتوں کی امید رکھتے تھے، تم لوگ تو جنگ کے موقعوں پر پسپا ہو جاتے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے پس جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کے لئے گذشتہ انبیاء کے گھر اور اپنے اصفیاء کے مسکن کو پسند فرمایا تو تم لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوئی دین کی چادر بوسیدہ ہوگئی گمراہوں کی زبان کھل گئی اور گمنام اور ذلیل لوگ ابھر گئے اور باطل پرستی کا اونٹ بولنے لگا اس نے تم لوگوں کے صحن میں دم ہلانی شروع کر دی۔ شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا اس نے تمہیں بلانے کے لئے آواز دی اور اپنی آواز پر تم لوگوں کو لبیک کہتا ہوا پایا اپنے قریب کی طرف تمہیں نگراں دیکھ لیا پھر اس نے تم کو اپنی اطاعت کے لئے اٹھنے کا حکم دیا تو تمہیں فوراً تیار ہونے والا پایا اور تمہیں بھڑکایا تو اپنی مدد میں تمہیں غضبناک اور تند پایا لہٰذا تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے کے اونٹ کو داغا اور اپنا گھاٹ چھوڑ کر دوسرے کے گھاٹ پر پانی پلایا یعنی دوسرے کا حق تھا اسے زبردستی اپنا حق بنا لیا درآنحالیکہ رسول خدا کا زمانہ نزدیک اور ان کی جدائی کا زخم ہرا تھا۔ جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور رسول خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے سبقت کی یہ گمان کر کے کہ فتنے کا خوف پیدا ہو چکا تھا حالانکہ یہ گمان غلط تھا آگاہ ہو جاؤ کہ منافقین پھر بھی فتنے میں جا گرے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کا گھیرنے والا ہے تم سے سخت تعجب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کہاں حق سے منہ موڑے ہوئے چلے جا رہے ہو یہ خدا کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے اس کے امور ظاہر ہیں اس کے احکام روشن ہیں اور اس کی نشانیاں واضح ہیں اس کی تنبیہیں صاف و علانیہ ہیں اور اس کے اوامر آشکارا ہیں ایسی کتاب کہ تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ کیا اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے ہو یا غیر قرآن کے ساتھ احکام جاری کرنے پر تیار ہو گئے ظالموں کے لئے ان کے ظلم کا بہت بڑا بدلہ ہے اور جو شخص کہ اسلام کے سوا کسی اور طریقہ پر چلے گا تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کی نفرت ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا ذرا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو اور زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کی چنگاریاں تیز کرنے لگے۔ شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے۔ دین روشن کے نور بجھانے اور پیغمبر برگزیدہ کی سنتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور در اصل باطن میں منافق ہو۔ رسول خدا کے اہل بیت اور اولاد کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنے لگے اور ہم لوگ تمہارے افعال پر یوں صبر کرنے لگے جیسے کوئی چھری کی کاٹ اور نیزے کے سینے میں پیوست ہونے پر صبر کرتا ہے اور اب تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار

ت کریں کوئی حق وراثت نہیں ہے کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو خدا سے بہتر حکم کرنے والا
ن رکھنے والی قوم کے لئے اور کون ہے کیا تم نہیں جانتے، نہیں تم بے شک جانتے ہو اور تمہارے
یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ کیوں مسلمانو! کیا تم اس پر راضی
کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جائے اور اے ابو قحافہ کے بیٹے۔ کیا یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تو اپنے
ب کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں تو نے یہ کیا بری بات پیش کی ہے کیا تم
ں نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ اس میں ذکر
کہ جناب سلیمان نے اپنے باپ داؤد کی میراث پائی اور جناب یحییٰ کے حصہ میں حضرت ذکریا کی یہ
ا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا وارث عطا فرما جو میراث پائے اور آل یعقوب
رثہ بھی لے پھر اسی کتاب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے میں
و وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو پھر ارشاد ہے کہ اگر
ں مرتے وقت مال چھوڑے تو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے
ا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے میں اپنے باپ کی وارث
نہیں بن سکتی اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی قرابت ہی نہیں ہے کیا خداوند تعالیٰ نے میراث کے
طہ میں تم کو کسی آیت کیساتھ مخصوص کیا ہے جس سے میرے پدر بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے یا تم کہتے ہو
و ملت والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے تو کیا میں اور میرے والد بزرگوار ایک ملت
نہیں ہیں شاید تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم (علی) سے قرآن کی خاص اور عام آیات کو بہتر سمجھتے
اچھا آج فدک کو اس طرح قبضہ میں کر لو جس طرح مہار دار پالان بستہ ناقہ کے قبضہ میں کیا جاتا ہے۔ لے
بکر تو اس کے نتائج سے تو قیامت کے دن ملاقی ہوگا اور خدا بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا اور محمد بدلے
ضامن اور کفیل ہوں گے۔ پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے اور قیامت کے دن
باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لئے
یک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اے لوگو اس شخص کو معلوم کر لوگے جس پر عذاب نازل ہو کر اسے رسوا
کرے گا اور اس کے لئے دائمی عذاب مقرر ہوگا پھر جناب فاطمہ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہ فرمایا
اے جوانمردوں کے گروہ۔ اے ملت کے دست و بازو۔ اے اسلام کی حفاظت کرنے والو! میرے حق میں یہ
کیسی سستی ہے اور میری فریاد سے یہ کیسی غفلت ہے کیا میرے پدر بزرگوار اور تمہارے رسول یہ نہیں فرماتے
تھے کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت کر کے ہوتی ہے کتنی جلدی ہی تم نے دین میں بدعت پیدا کر
دی ہے اور اس کے قبل از وقت مرتکب ہوئے درآنحالیکہ تم کو اس بات کی طاقت حاصل ہے جس کا میں
مطالبہ کر رہی ہوں اور تم کو قوت حاصل ہے اس چیز پر جو میں تم لوگوں سے طلب کر رہی ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک

ہے کہ جناب رسول خدا نے انتقال فرمایا یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس کا رخنہ وسیع ہے جس کا شگاف بہت زیادہ ہے اور اس کا اتصال افتراق سے بدل چکا ہے زمین ان کی وفات سے تاریک ہو چکی ہے خدا کے برگزیدہ بندے ان کی مصیبت میں محزون و مغموم رہتے ہیں۔ شمس و قمر بے نور اور ستارے پریشان ہیں ان بزرگوار کی ذات سے جو آرزوئیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو چکی۔ اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بھی آب آب ہو رہے ہیں۔ حرمت رسول ضائع کر دی گئی اور حریم رسول کی عظمت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی پس یہ مصیبت قسم خدا کی بہت بڑی بلا اور عظیم مصیبت ہے اس کے مثل کوئی اور بلا نہیں اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والی تیز مصیبت ہے اور بلا کی خبر خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے گھروں میں صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پہنچا دی گئی تھی اور بے شک آنحضرتؐ سے پہلے خدا کے پیغمبروں اور رسولوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ امر واقعی اور قضا حتمی تھیں چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمدؐ فقط خدا کے رسول تھے ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں پس اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم لوگ اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق جاہلیت کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پر پلٹ گا وہ ہرگز خداوند عالم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا اور خداوند عالم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ اے قبیلہ اوس و خزرج، اے انصار محمدؐ میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا جائے۔ درآنحالیکہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو اور میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم ایک ہی مجمع میں موجود ہیں تم سب کے سب میرے قضیئے سے واقف ہو تم سب سمجھنے والے ہو تمہارے پاس سامان جنگ موجود ہے تم قوت رکھتے ہو۔ تمہارے پاس حملہ کرنے کے لئے ہتھیار بھی ہیں اور سپر بھی ہے تم تک میری پکار پہنچ رہی ہے مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے پاس فریاد کی آواز آ رہی ہے اور تم فریاد رسی نہیں کرتے۔ درآنحالیکہ تم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت و استعداد رکھتے ہو اور خیر و صلح کے ساتھ مشہور و معروف ہو اور تم وہ منتخب افراد ہو اور ایسے عمدہ ہو کہ تمہیں ہم اہلبیت کے لئے اختیار کر لیا گیا ہے۔ تم نے عرب سے جنگ کی تعب و مشقت برداشت کی دوسری امتوں سے جنگ کی اور بہادروں کا مقابلہ کیا۔ ہمیشہ ہم حکم کرتے رہے اور تم ہمارا حکم مانتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارے ذریعہ سے آسیائے اسلام نے چلنا شروع کیا۔ زمانہ کا نفع بڑھنے لگا۔ شرک کی آواز دب گئی، دین کا انتظام درست ہو گیا تو اب تم حق کے واضح ہونے کے بعد کہاں اس سے منہ موڑے جاتے ہو اور اعلان حق کے بعد اس کی آواز چھپا رہے ہو۔ آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ رہے ہو اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہوئے جاتے ہو۔ خدا برا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور رسول کو نکالنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے ہماری دشمنی میں دوسروں کو ملانے کی ابتدا تم سے کی تم ان سے ڈرتے ہو درآنحالیکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام طلبی پر مائل ہو گئے ہو اور اس شخص (علی) کو دور کر دیا ہے جو دین کے حل وعقدہ زیادہ حقدار ہے تم زندگی کی تنگی سے نکل کر تونگری میں آ گئے ہو اور دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں ان کو تم نے دماغ سے بالکل نکال کر

پھینک دیا ہے اور جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے اگل دیا پس اگر تم لوگ اور تمام اس زمین والے کافر ہو جائیں تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں ہے آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جو تمہارے مزاج میں داخل ہو گئی ہے اور اس غداری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمہارے سینے نے چھپا رکھا ہے یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری فریاد پر لبیک نہ کہو گے لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غم کا اظہار ہے کھولتے ہوئے دل کی آہ ہے اب یہ ناقہ (حکومت) تمہارے سامنے ہے اسے لو اس پر پالان باندھو مگر یاد رہے کہ اس کی پشت مجروح ہے اور پاؤں زخمی ہیں اس کا عیب باقی رہنے والا ہے جس پر غضب خدا کی نشانی اور دائمی رسوائی کا یہ نشان ہے۔ خدا کی آگ سے متصل ہے جو بھڑک رہی ہے اور قیامت میں دلوں پر وارد ہوگی پس جو کچھ کرتے ہو یاد کرو گے وہ خدا کی نظروں کے سامنے ہے اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ ان کی بازگشت کتنی بری ہے میں اس پیغمبر کی بیٹی ہوں جو تم کو تمہارے سامنے آنے والے عذاب شدید سے ڈراتا تھا پس تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا عمل کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو اور ہم انتظار کرتے ہیں۔" اس کو سن کر حضرت ابوبکر نے کہا (خدا ان سے بہت راضی ہوا کہ تم جو کچھ کہتی ہو سچ کہتی ہو لیکن میں نے تمہارے والد سے ایک حدیث سنی ہے یہاں انہوں نے لاوارث حدیث سنائی اس پر حضرت فاطمہ نے فرمایا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کا جواب

سبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتاب خدا سے روگردان تھے اور نہ اس کے احکام کے مخالف تھے بلکہ اس کے حکم کے تابع اور اس کی آیتوں اور سورتوں کے پیرو تھے کیا تم لوگوں نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ سے دغابازی پر اجماع کر لیا ہے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ حرکت ایسی ہی ہے جیسے آنجناب کی زندگی میں ان کو ہلاک کرنے کے لئے جاری تھی۔ یہ کتاب خدا حاکم، عادل فیصلہ کن ناطق ہے اس کا ارشاد ہے کہ حضرت ذکریا نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آل یعقوب کا بھی ورثہ لے اور یہ بھی اس میں ارشاد ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے حضرت داؤدؑ کا ورثہ لیا۔ پس خدا تعالیٰ نے مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کر دی ہے اور بنی آدم کے عورتوں اور مردوں کا جو حصہ میراث میں قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے گمان اور شبہات کو زائل کر دے بیشک تمہارے نفوس نے تمہارے سامنے ایک برے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے پس میرے لئے صبر جمیل ہی مناسب ہے اور جو باتیں تم بتا رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جائے گی

لاوارث حدیث اس طرح ختم ہوئی۔ اب حضرت ابوبکر نے کچھ اور چارہ کار نہ دیکھا تو فرمایا کہ خدا بھی سچا، خدا کا رسول بھی سچا اور رسول کی بیٹی بھی سچی (گویا جناب فاطمہ نے جو لاوارث حدیث کو غلط، کذب اور دھوکہ فرمایا تھا اس کو حضرت ابوبکر نے تسلیم کر لیا) تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو تمہاری

درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں یہ جواب سن کر جناب فاطمہؑ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔

اے انسانوں کا وہ گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنیوالا ہے اور فعل قبیح ونقصان دہ سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا رنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے چشم و گوش کو بالکل بیکار کر دیا ہے جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بُری ہے اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بہت لغو و بدتر ہے اور وہ بہت شر عظیم ہے جس کو تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے۔ قسم خدا کی تم اس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور گھن دار جنگل کے ادھر کی چیزیں تمہارے سامنے آجائیں گی اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں وہ سزائیں ملیں گی جس کا تم گمان ہی نہیں کرتے تھے اس وقت باطل پرست گھاٹا اٹھائیں گے۔ یہ فرما کر آپ قبر رسول کی طرف متوجہ ہوئیں اور چند اشعار انشاء کئے ان میں سے دو کا ترجمہ یہ ہے۔

پدر بزرگوار آپ کے بعد نئی نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہو گئیں اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ باتیں نہ ہوتیں ہم آپ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین آب باران سے محروم ہو جاتی ہے آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے ملاحظہ فرمایئے کہ یہ لوگ کس طرح راہِ حق سے ہٹ گئے ہیں۔

بلاغات النساء کے مولف کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں ہم نے نہیں دیکھیں

احتجاج طبری میں سوید بن غفلہ سے۔ معانی الاخبار و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں فاطمہ بنت الحسین سے ان کے فرزند ارجمند عبداللہ بن الحسن کی زبانی امالی شیخ مفید میں ابن عباس سے۔ کشف الغمہ میں کتاب السقیفہ ابی بکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کے حوالہ سے بروایت عبداللہ بن الحسن عن امہ فاطمہ بنت الحسین مروی ہے کہ جب جناب معصومہ کے مرض موت میں شدت ہوئی تو آپ کے پاس مہاجرین و انصار کی عورات جمع ہوئیں سلام عرض کرنے کے بعد دریافت کیا کہ بنت رسول آپ نے کس حالت میں صبح کی۔ جناب معصومہ نے حمد و ثنائے الٰہیؔ و درود و سلام کے بعد فرمایا

حضرت فاطمۃ الزہرا کا ارشاد

میں نے آج اس حالت میں صبح کی ہے تمہاری دنیا سے بیزار ہوں اور تمہارے مردوں کی دشمن ہوں میں نے انہیں اس طرح دور کیا ہے جیسے فاسد خرمہ تھوک دیا جاتا ہے اور پوری طرح جانچ کر ان سے دشمنی کی ہے ان کی تلواروں کی باڑھ کند ہو جانے ان کی عمدہ باتوں کے بعد مہملات میں پڑ جانے۔ ان کے ساتھ دوسری قوموں کے برا سلوک کرنے۔ ان کے نیزوں کے ٹوٹ جانے، ان کی رایوں کے فاسد اور ان کی خواہشوں کے خراب ہو

جانے کا خدا بُرا کرے (ان کے نفسوں نے ان کے لئے ایسے اعمالوں کا توشہ بھیجا تھا کہ خدا ان پر غضبناک ہو گیا اور اب یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) بہ تحقیق کہ حکومت و سلطنت نے ان کی گردنوں میں اپنا بوجھ ڈال دیا ہے اور انہیں بار بار تباہ و برباد کر دیا ہے۔ خدا ظالموں کی ناک کاٹے اور انہیں بے دست و پا کرے اور انہیں اپنی رحمت سے دُور رکھے۔ ان پر افسوس ہے کہ انہوں نے خلافت کو ایسے شخص سے دُور کر دیا ہے جو رسالت کا مستحکم کرنے والا، نبوت و ہدایت کا سبنھالنے والا، روح الامین کی منزل اور امور دین و دنیا میں ماہر ہے۔ ان کا یہ عمل خسران میں ہے۔ آخر یہ لوگ ابوالحسن سے کس بات سے ناراض ہیں۔ ہاں بخدا۔ ابوالحسن کی تلوار نے جو ضلالت دور کی اس سے ناراض ہیں۔ ابوالحسن کی موت سے بے پرواہی (جرأت) ان کی سخت جنگ (جہاد) اور مثل عذاب حملوں اور خدا کی بارے میں ان کی جرأت و ہمّت سے ناخوش ہیں حالانکہ قسم خدا اگر یہ لوگ کھلے ہوئے صحیح راستے سے نہ ہٹ جاتے اور واضح دلیل کے قبول کرنے سے کنارہ کشی نہ کرتے تو ابوالحسن ان کو پھر ان باتوں کی جانب واپس لاتے اور انہیں اسی راہ پر لگا دیتے اور قسم بخدا اگر لوگ ابوالحسن سے اس مہار کو الگ نہ کرتے جو رسول خدا نے ان کے حوالہ کی تھی تو ابوالحسن اسے نہ چھوڑتے بلکہ اس مہار کے سہارے بڑی نرم رفتاری سے انہیں لے چلتے کہ نہ اس مہار کا حلقہ چوبین زخم پہنچاتا نہ اس کا راہرو تھکتا اور نہ سوار درماندہ ہوتا اور ابوالحسن ان کو ایسے گھاٹ پر پہنچاتے جس کا پانی مثل آب باران صاف، شفاف اور کثیر ہوتا جس گھاٹ کے دونوں کناروں سے پانی اچھل کر بہتا اور کبھی گندا اور مکدر نہ ہوتا اور پھر سیر و سیراب واپس لاتے اور ان کی ظاہر و باطن ہر حالت میں خیر خواہی کرتے۔ دولت سے اپنی کوئی زینت نہ کرتے اور دنیا سے کوئی حصہ نہ لیتے سوائے اتنی مقدار کے جو پیاسے کی پیاس بجھا دے یا بھوکے کو سیراب کر دے اور اس دنیا سے منہ پھیرنے والے اور دنیا کے طالب کا اور نیز صادق و کاذب کا فرق ظاہر ہو جاتا (آیۂ قرآنی) اور اگر اہل قریہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں مبتلائے عذاب کر دیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم بھی کیا تو ان کو عنقریب ان کی برائی کا بدلہ ملے گا اور وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے) ہاں بلنے والے ذرا ادھر متوجہ ہوں اور سُن لیں کہ جب تک تو زندہ رہے گا زمانہ تجھ کو عجب باتیں دکھاتا رہے گا (اگر تم تعجب کرتے ہو تو سب سے زیادہ قابل تعجب ان کا قول ہے) کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ ابوالحسن کو چھوڑ کر کس جا پناہ کی طرف مائل ہوئے ہیں اور کس سہارے سے ٹھکانہ لیا ہے کس ستون پر بھروسہ کیا ہے کس حلقہ رسن کو پکڑا ہے۔ رسول خدا کی ذریت کو چھوڑ کر کس کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے وابستہ ہوئے ہیں۔ (کیسے بُرے ہیں پناہ لینے والے اور کیسا بُرا ہے۔ وہ قبیلہ جس کی پناہ میں داخل ہوئے ہیں اور ظالموں کو بُرا ہی بدلہ ملتا ہے) انہوں نے بازوں کے پروں کے بدلے پیروں کے پروں کو پکڑا ہے اور ان کے گوشت کے بجائے کندھے کی ہڈیوں کو اختیار کیا ہے۔ خدا ایسی قوم کی ناک رگڑے (جو ایسی برائیوں کے بعد بھی) خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں (آیہ قرآنی۔ وہ یقیناً مفسد ہیں لیکن وہ جانتے

ہیں ان کا برا ہو (آیہ قرآنی۔ آیا وہ شخص پیروی کئے جانے کے قابل ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہے کیا برا فیصلہ ہے جو تم کرتے ہو) میری جان کی قسم، خلافت کی اونٹنی حاملہ ہو چکی ہے مہلت دو کہ بچہ جنے۔ پھر پیالے بھر بھر کے خون گندہ اور زہر ہلاہل اس میں سے لو گے۔ فتنہ کے لئے دل کو مطمئن کر لو اور تیغ بران اور ظالم بیداد گر کے تسلط کی خوش خبری لے لو اور ایسے فساد کے منتظر رہو جو پائندہ اور سب کو لپیٹنے والا ہو گا اور ظالموں کے استبداد اور خود رائی کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمہارے مال کی قیمت کم کر دیگا اور تمہاری جماعت کو کاٹ کے ڈال دے گا۔ تم پر افسوس ہے اب تم راہ راست پر نہیں آ سکتے ہو۔ راہِ مستقیم تمہاری نظر سے اوجھل ہو چکی ہے ہم زبردستی اس کو تمہارے گلے میں کیونکر ڈال دیں جب کہ تم راہِ مستقیم سے کراہت کرتے ہو۔ سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ جناب معصومہ کا یہ قول ان عورتوں نے اپنے مردوں سے نقل کیا تو ایک گروہ مہاجرین وانصار کا جناب سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کر کے سب نے کہا کہ اے سیدۃ النساء اگر ابوالحسن ہم لوگوں سے اس عہد و عقد خلافت کے مستحکم ہونے سے پہلے اس امر کا ذکر کرتے تو ہم ان کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار نہ کرتے۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے چلے جاؤ تمہاری تقصیر و کوتاہی کے بعد اب کوئی معذرت کی صورت باقی نہیں رہی۔

جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے ان احتجاجات وخطب پر خود صاحبان عقل وفہم غور وفکر کریں ان میں معاملات خلافت وفدک پر گفتگو کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حق کس کی طرف تھا اور صاحبان جور وظلم کون تھے کون راہِ ہدایت پر چل رہے تھے اور کون ضلالت وگمراہی کی تاریکی میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ سیدہ خاتون جنت کی ایک پیش گوئی کی طرف ناظرین کی توجہ دلانے ضروری سمجھتا ہوں آپ فرماتی ہیں کہ جو راہ تم نے خلافت کے متعلق اختیار کی ہے وہ گمراہی کی طرف جاتی ہے اور اب تم کبھی راہ راست پر نہ آؤ گے اور ہمیشہ فتنہ وفساد میں رہو گے ظالموں کے جبر واستبداد سے ہی تم کو پالا پڑتا رہے گا اور خود رائی کی ضلالت میں پھنسے رہو گے اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی تاریخ کی طرف غور کریں کیا کبھی کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں انہوں نے عمل وعدل کی زندگی گذاری ہو، ہمیشہ ان کو جور وظلم سے سابقہ پڑا۔ کبھی خود ان کے بادشاہوں نے ان پر جور وستم کیا کبھی ان بادشاہوں پر دوسرے ملکوں نے جور وستم کیا۔ مسلمانوں کی ساری تاریخ ایک قتل وغارت وفتنہ وفساد بے اطمینانی غداری۔ مکاری کی داستان ہے آج ایک امیر دوسرے امیر سے غداری کر رہا ہے کل حاکم کے خلاف غداری ہوتی ہے کسی کو کسی سے اطمینان نہیں اس زمانہ میں کہ جو مسلمانوں کے عروج کا زمانہ کہلاتا ہے ان کے اندرونی معاملات میں یہ ہی ظلم وتعدی کا رواج رہا ہے۔ عبدالملک اموی اور ہارون عباسی کے زمانے عروج کے زمانے کہلاتے ہیں۔ ذرا ان کے اندرونی معاملات وظلم وستم کے رواج پر تو غور کرو۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی سلطنت (حکومت کے اندرونی مظالم وفتنہ وفساد وغداری کی داستان لکھے تو وہ بھی عجیب قصہ ہو گا ع سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں، لیکن قوموں کا بھی وہ ہی حال ہے جو افراد کا ہوتا ہے اپنی

یف خواہ کتنی ہی غلط و مبالغہ سے بھری ہوئی ہو بہت شوق سے سنتے ہیں لیکن اگر کوئی سچی سچی اور کھری
بں سناتا ہے تو تیوری پر بل آجاتا ہے حق گوئی اس ہی وجہ سے مشکل ہے کہ لوگوں میں حق سننے کی برداشت
ںیں ہوتی۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات

روایات میں ہے کہ حضرت محسن بن علی کی شہادت خاتون معظمہ کی بیماری کا سبب ہے جیسا کہ بحارالانوار میں علامہ مجلسی
ذکر فرمایا ہے نیز جناب رسالت مآبؐ نے رحلت سے قبل انہی امور سے آگاہ کر دیا تھا۔ محسن کا نام بھی آپ
نے تجویز فرمایا تھا پھر امت کے بیہمانہ سلوک سے اس کا قبل از وقت پیدا ہو کر شہید ہونا اور جناب فاطمہ
اسی تکلیف کی وجہ سے صاحب فراش ہونا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جس طرح حضرت مریم کے ساتھ ملائکہ کلام کرتے
تھے اسی طرح میری دختر فاطمہ کے ساتھ ملائکہ خطاب کریں گے اور اسی زمانہ میں خدا مریم بنت عمران کو تیمارداری
کے لئے مقرر کرے گا جو زمانِ مرض میں فاطمہ کی خدمت کرے گی ابتدائے مرض اور ایام مرض میں مورخین کے درمیان
ں اختلاف واقع ہے جیسا کہ تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے اسی بنا پر مدت حیات بھی مختلف فیہ ہے۔

رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد خاتون کی مدت حیات میں اقوال مورخین بہت زیادہ ہیں لیکن بالجملہ چھ ماہ
سے زیادہ اور چالیس روز سے کم کا قائل کوئی نہیں ہے بحارالانوار میں کافی اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ
مدت حیات کہی گئی ہے لیکن یہ قول بہت شاذ ہونے کی وجہ سے قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا سب اقوال میں زیادہ
معتبر ترین قول قرار دیئے گئے ہیں۔

ایک قول یہ کہ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد چالیس روز زندہ رہیں۔ دوسرا قول اڑھائی ماہ کا اور تیسرا قول
تین ماہ پانچ دن کا ہے۔

وصایائے فاطمہ صلوات اللہ علیہا

بحارالانوار میں جناب فضہ سے ایک طویل رویت نقل کی گئی ہے جس میں خاتون معظمہ کا حزن و ملال اور گریہ اور بیت الاحزان
میں روزانہ حسنینؑ کو ہمراہ لے جا کر رونا شام کو حضرت علیؑ کے ہمراہ واپس لانا ذکر کیا ہے۔ اسی رویت کے ذیل
میں مذکور ہے کہ بیماری کے تیرھویں روز جب کہ حضرت امیرؑ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لا رہے تھے
راستہ میں کنیزیں روتی ہوئی ملیں۔ آپ نے سبب گریہ دریافت کیا تو عرض کرنے لگیں۔ اے امیرالمومنینؑ فاطمۃ الزہرا
کی جلد خبر لیجئے کیونکہ وہ بہت جلد اپنے بابا کی خدمت میں پہنچنے والی ہیں حضرت بہت تیزی سے گھر پہنچے اور
اور خاتون معظمہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ خاتون جنت اپنے بستر پر کسی وقت دائیں کروٹ بدلتی ہیں
اور کسی وقت بائیں کروٹ بدلتی ہیں حضرت نے اپنی ردا مبارک کو اپنے سر سے اتار کر پھینک دیا اور قمیص کے
بٹن کھول کر بتولؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور پھر آواز دی یا زھرا خاتون خاموش رہی پھر آواز دی یا بنت محمدؐ
بی بی خاموش رہی۔ پھر فرمایا اے اس شہنشاہ کی شہزادی جو اپنی ردائے مبارک میں زکواۃ کو اٹھا کر فقراء میں تقسیم

فرماتے تھے پھر بھی جواب نہ ملا پھر آواز دی اے اس کی شہزادی جس نے آسمانوں پر ملائکہ کو نماز پڑھائی تب بھی کوئی جواب نہ آیا آخر میں حضرت نے ان الفاظ سے خطاب فرمایا۔

اے فاطمہ میرے ساتھ کلام کر میں علی ابن ابی طالب ہوں پس بی بی نے آنکھیں کھولیں اور رونے لگیں۔ حضرت نے رو کر فرمایا ــــ "خاتون! طبیعت کا کیا حال ہے"؟

جواب دیا۔ میں عنقریب آپ سے جدا ہونے والی ہوں اور آپ کو چند وصیتیں کرنا چاہتی ہوں۔ (اس کے بعد پانچ وصیتیں ذکر کی ہیں)

۱۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے بعد آپ شادی ضرور کریں گے لہٰذا میری وصیت ہے کہ اگر شادی کریں تو ایک رات اپنی زوجہ کے لئے مقرر کریں اور ایک رات میرے بچوں کے پاس رہیں۔

۲۔ میرے بعد میرے بچے یتیم۔ غریب اور شکستہ خاطر ہو جائیں گے ان کو جھڑکنا نہیں کیوں کہ کل یہ بچے اپنے مہربان نانا سے جدا ہوئے ہیں اور آج اپنی ماں سے جدا ہو جائیں گے۔ ویل ہو اس امت کے لئے جو ان سے بغض رکھے گی اور ان کو قتل کرے گی۔

۳۔ بس یا علی جب میرے اوپر یٰسین تلاوت کرنا سمجھ لینا میں بابا سے ملحق ہو گئی ہوں۔ مجھے غسل دینا لیکن میری قمیص کو میرے بدن سے علیحدہ نہ کرنا۔

۴۔ میرے نماز جنازہ میں صرف میرے قریبیوں کو شریک کرنا۔

۵۔ میری میت رات کو اٹھوانا اور دفن بھی رات کو کرنا (ایک روایت میں دفن کے بعد نشان کو مٹا دینے کی وصیت بھی فرمائی) بحارالانوار میں ایک دوسری روایت کی بنا پر معصومہ نے تین وصیتیں اور بھی فرمائیں اور وہ یہ ہیں)

۶۔ میرے بعد آپ امامہ کی بیٹی سے شادی کریں کیونکہ وہ میری اولاد سے زیادہ محبت کرتی ہے (دوسری روایت میں خود امامہ سے شادی کرنے کی وصیت فرمائی)

۷۔ میرے لئے تابوت بنا کر میری نعش کو اس میں رکھنا اور اس تابوت کا نمونہ ملائکہ نے میرے سامنے پیش کیا ہے (پھر بی بی نے اس کی صفت بیان کی)

۸۔ میرے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے کسی کو میرے جنازہ پر حاضر ہونے کی اجازت نہ دینا اور نہ کوئی ان میں سے میرے جنازہ میں شریک ہو)

۹۔ بروایت بیت الاحزان شیخ کلینی نے ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کو حضرت فاطمہ کا میت نامہ پڑھ کر سنایا جس میں بتول مظلمہ نے اپنے سات باغات کی وصیت حضرت علی علیہ السلام کے لئے فرمائی۔ ان باغات کی تفصیل یہ ہے (۱) العواف (۲) الدلال (۳) البرقۃ (۴) المبیت (۵) الحسنیٰ (۶) الصیانیہ (۷) باغ ام ابراھیم (یہ باغات حضرت علی کی زندگی میں ان کے لئے ہیں) اور ان

کے بعد امام حسن علیہ السلام کے لئے اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام کے لئے اور ان کے بعد امام حسین ؑ کی اولاد میں سے بڑے بڑے شہزادے کے لئے (یہ سلسلہ تا قیامت رہے گا) لکھنے والے حضرت امیر علیہ السلام اور گواہ ایک بندہ اور امت میں مقداد بن اسود اور زبیر بن العوام۔

۱۰۔ بروایت بیت الاحزان میں جملہ وصایا کے یہ وصیتیں بھی فرمائی تھیں (یا علی) میری تجہیز و تکفین و جنازہ کے بعد مجھے قبر میں اتار کر لحد میں سلا کر قبر کی مٹی کو درست کر کے قبر کے سرہانے میرے منہ کے سامنے بیٹھ کر تلاوت قرآن اور دعائیں پڑھنا کیوں کہ زمان تنہائی میں کسی مونس کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور مرجانے والوں کو زندوں کے انس کی احتیاج ہوتی ہے پس یا علی تجھے اللہ کو سونپا ہے۔

۱۱۔ یا علی میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ اولاد کے متعلق وصیت کر لینے کے بعد اپنی شہزادے کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا میرے بعد یہ میرے گھر کی مالک ہو گی اور اس کا بھی اللہ محافظ ہے۔

۱۲۔ یا علی تجھے اللہ کو سونپتی ہوں (اور آخری وصیت یہ ہے) کہ قیامت تک میری ہونے والی اولاد کو میرا سلام پہنچا دیں۔

غسل اور کفن

حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ خاتون جنت کو غسل کس نے دیا تھا آپ نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین نے غسل دیا تھا کیونکہ وہ صدیقہ تھیں اور صدیق کو غیر صدیق غسل نہیں دے سکتا خود خاتون معظمہ کی وصیت تھی کہ جب میں دنیا سے رحلت کر جاؤں تو مجھے خود غسل دینا لیکن میرے لباس کو میرے بدن سے جدا نہ کرنا کیونکہ میں طاہرہ ہوں بروایت فضہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے خاتون جنت کو قمیص کے اوپر سے غسل دیا کیونکہ وہ طاہرہ و مطہر تھیں۔ بحار میں مفضل سے روایت ہے کہ جب حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتون کو علی نے غسل دیا تو میرے دل میں ایک انکار کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ آپ فوراً سمجھ گئے اور فرمانے لگے کہ کیا تیرا دل میری بات کو قبول نہیں کر رہا گویا کہ تو اس بات سے دل تنگ ہو رہا ہے میں نے عرض کی جی ہاں ایسا ہی ہے تو آپ نے فرمایا تنگ دل نہ ہو وہ صدیقہ تھیں اور صدیق کو غیر صدیق غسل نہیں دے سکتا کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ نے غسل دیا تھا اسی طرح اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ فاطمہ نے مجھے قبل از وفات وصیت کی تھی کہ مجھے کوئی غسل نہ دے سوائے تیرے اور علی کے۔ پس بنا بر وصیت فاطمہ میں نے علی کی غسل میں معاونت کی۔

بحار میں بروایت فضہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غسل کے بعد میں نے جناب رسالت مآب کے بقیہ حنوط سے حنوط دیا اور پھر کفن دیا۔ جب میں نے کفن کی گرہیں باندھنے کا ارادہ کیا تو آواز دی۔ یا ام کلثوم یا زینب۔ یا فضہ۔ یا حسن۔ یا حسین۔ آؤ اپنی اماں جان کی آخری زیارت کر لو کیونکہ اس فراق کی آخری کنارہ قیامت ہے امام حسن و امام حسین علیہما السلام نے جنازہ کا رخ کیا اور دونوں شہزادے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اب ہماری حسرت مٹنے والی نہیں کہ ہمارا نانا بھی ہم سے جدا ہو گیا اور مادر گرامی بھی رخصت ہو گئی یا ام الحسن یا ام الحسین

جب ہمارے نانا کے پاس آپ پہنچیں تو ہمارا سلام عرض کر دینا اور عرض کرنا کہ ہم آپ کے بعد یتیم رہ گئے ہیں۔
حضرت امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ خدا شاہد کہ معصومہ کی لاش میں تڑپ پیدا ہوئی اور رونے کی آواز آئی۔ پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر شہزادوں کو سینے سے لگا لیا اور کافی دیر گزر گئی۔ اتنے میں آسمان سے ہاتف کی آواز آئی کہ اے ابوالحسن دونوں شہزادوں کو ماں سے جدا کر لو۔ خدا کی قسم ان کی وجہ سے ملائکہ آسمان میں گریہ طاری ہو گیا ہے۔ پس حضرت نے ان کو لاش مبارک سے جدا کر لیا بعض کتب میں ہے کہ جب امیر علیہ السلام نے بلایا تو میں نے جنازہ کے قریب پہنچ کر عرض کی حضرت مریمؑ نے کفن کے اندر سے حضرت عیسےؑ کو بلایا تھا کیا میری ماں کا مرتبہ مادر عیسیٰؑ سے کم تو نہیں پس بند کفن ٹوٹے اور شہزادے کو ماں نے سینے سے لگا لیا روایت میں ہے کہ معصومہ کے کفن کا کپڑا موٹا تھا اور کنارہ کفن پر یہ لکھا گیا تھا فاطمہ تشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ اور بحار میں مروی ہے کہ فاطمہ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

بحار الانوار میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے نماز جنازہ اور دفن مروی ہے کہ فاطمہ کا جنازہ رات کو پانچ تکبیروں سے پڑھا گیا۔ بروایت فضہ جب حسنینؑ نے لاش مبارک سے وداع کر لیا تو حضرت امیر علیہ السلام نے تابوت کو اٹھا لیا اور رسالت مآبؐ کی قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ زیارت پڑھی۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ۔ السلام علیک یا نور اللہ۔ السلام علیک یا صفوۃ اللہ منی السلام علیک والتحیہ والصلوٰۃ منی الیک ولدیک ومن ابنتک النازلۃ علیک بفنائک وان الودیعۃ قد استردت والرھینہ قد اخذت فواحزناہ علی الرسول ثم من بعدہ علی البتول ولقد اسودت علی الغبراء وبعدت عنی الخضراء فواحزناہ ثم واسغاہ پھر جائے دفن پر لائے اور وہاں نماز جنازہ پڑھی اور مقام دفن قبر رسول اور منبر رسول کے درمیان ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جنت البقیع میں ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اپنے گھر میں دفن ہوئیں۔ روایات میں ہے کہ شرکاء جنازہ یہ اشخاص تھے حضرت امیرالمومنینؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ۔ حضرت عقیل و سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و بریدہ بعض روایات میں حذیفہ اور ابن مسعود بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اصبغ بن نباتہ نے حضرت امیر علیہ السلام سے بتول کے رات کو دفن کرنیکا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ چونکہ بتول چند آدمیوں پر ناراض تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ وہ لوگ ان کے جنازہ میں شامل ہوں اور ان لوگوں کی محبت رکھنے والوں پر بھی حرام ہے کہ بتول کی اولاد میں سے کسی فرد کے جنازہ میں شریک ہوں دفن کرنے کے بعد اردگرد بہت سی قبریں بنائیں روایات میں ہے کہ چالیس قبروں پر پانی چھڑک دیا تاکہ بتول کی قبر معلوم نہ ہو سکے۔ بحار میں ہے کہ جب دفن کا ارادہ کیا تو قبر سے دو ہاتھ نکلے اور انہوں نے بتول کی میت کو لے لیا اور ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ وہ ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے مشابہ تھے۔ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے مصباح الانوار سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت فرمایا گیا کہ امیرالمومنینؑ نے فاطمہ کا جنازہ کتنی تکبیروں سے پڑھا تو حضرت نے جواباً فرمایا کہ حضرت جب تکبیر کہتے تھے تو جبرائیل اقتداء میں تکبیر کہتا

ما اور ملائکہ مقربین بھی تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے پانچ تکبیرات کہیں پھر دریافت کیا
یا کہ جنازہ کہاں پڑھا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر میں جنازہ پڑھا گیا اور پھر باہر لے گئے۔ بحارالانوار
ں ہے کہ جب رات چھا گئی تو حضرت نے غسل و کفن سے فارغ ہو کر لاش کو تابوت میں رکھا پھر امام حسنؑ
سے فرمایا کہ ابوذر کو بلا لائیں جب ابوذر پہنچے تو انہوں نے جنازہ اٹھوایا اور مقام جنازہ پر لے جا کر رکھا
حضرت نے وہاں نماز جنازہ پڑھی اور بعد فراغت دو رکعت نماز ادا کی اور آسمان کی طرف ہاتھ بلند
کے عرض کی کہ اے میرے اللہ کہ یہ فاطمہ بنت محمدؐ ہے جس کو تو نے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف بھیجا
تھا ظلمات عدم سے نور وجود بخشا تھا جس نے اپنے نور سے زمین کو منور کیا تھا پس جب دفن کرنے کا
رادہ کیا تو جنت البقیع کے ایک خطے سے آواز آئی اِلَیَّ اِلَیَّ (میری طرف میری طرف آؤ) کیونکہ بتول کا
فن میں ہوں۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو تیار شدہ قبر نظر آئی۔ پس تابوت کو وہاں لائے اور دفن کیا پھر قبر کے کنارے بیٹھ
ر زمین کو ارشاد فرمایا کہ اے زمین میں نے تجھے اپنی امانت حوالے کر دی ہے یہ دختر رسول اللہ ہے زمین سے آواز آئی
یا علی میں نہایت نرمی سے پیش آؤں گی آپ بے فکر رہیں پس حضرت نے قبر کے اوپر زمین کو ہموار کر دیا تاکہ نشان
معلوم نہ ہو سکے۔

بیت الاحزان میں شیخ ابوجعفر الطوسی سے روایت ہے کہ جب حضرت امیرالمومنین دفن کر چکے تو قبر کی مٹی
کو ہاتھ سے جھاڑا پس رخ مبارک سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی۔ جناب رسالت مآبؐ کی قبر کی طرف منہ کر کے عرض
کی یا رسول اللہ میری طرف سے آپ پر سلام ہو اور تیری دختر اور آنکھوں کی ٹھنڈک جناب فاطمہ کی طرف سے بھی
سلام ہو جو کہ تیری زائرہ بن کر خدمت میں پہنچ چکی ہے یا رسول اللہ! میرا کاسہ صبر لبریز ہو چکا ہے اور دامن ضبط
کوتاہ ہے مگر حضور کی تاسی سہلا دل ہے جب آپ ایسی مبارک ہستی کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتار چکا ہوں تو اس سے
بڑھ کر اور کونسی مصیبت ہو سکتی ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضور! آپ کی امانت مجھ سے واپس لے لی گئی
ہے۔ زہرا مجھ سے رخصت ہو گئی ہے۔ اب زمین و آسمان میرے سامنے بے رونق ہیں۔ میرا غم اب غیر متناہی ہو گا اور
یہ ایسا غم ہے کہ کبھی دل سے اترنے والا نہیں جب تک کہ خدا مجھے بھی اسی گھر نہ پہنچائے جہاں آپ مقیم ہیں (ہائے
کتنا جلدی ہم میں فراق حائل ہو گیا۔ اللہ کی طرف شکوہ ہے (باقی) امت کے احسانات آپ کو آپ کی دختر خود بیان
کرے گی کہ میرے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ذرا ان سے دریافت فرما لینا اس کے بعد جناب رسالت مآبؐ کی
قبر سے وداعی زیارت پڑھی اور پھر اپنے مصائب کی داستان بیان کی۔ مصائب زہرا کو ایک بار پھر دہرایا۔ پھر قبر کو بند
کر کے زمین کو برابر کر دیا اور حکم دیا کہ پانی چھڑک دیا جائے پس جب پانی چھڑکا گیا تو بہت دیر تک قبر کے پاس بیٹھ
کر روتے رہے پھر اپنے چچا حضرت عباس کے ہمراہ واپس تشریف لائے جب عام مسلمانوں کو خاتون معظمہ کی وفات
کی خبر ہوئی اور صبح کو جنت البقیع میں پہنچے تو وہاں چالیس نئی قبریں پائیں اور ان قبروں میں جناب فاطمہؑ کی قبر کو معلوم
نہ کر سکے پس ایک شور بپا ہو گیا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تمہارے پیغمبر نے صرف ایک بیٹی چھوڑی تھی وہ

بھی مرگئی اور دفن بھی کر دی گئی نہ ہم اس کی وفات کے وقت پہنچ سکے اور نہ جنازہ میں شریک ہو سکے اور نہ اس کی قبر معلوم کر سکے پھر جو لوگ حاکمِ وقت تھے انہوں نے حکم دیا کہ مومنین کی عورتوں کو حکم دیا جائے کہ ان قبروں کو کھودیں تاکہ بتول کی قبر معلوم کی جاسکے حضرت امیر علیہ السلام کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو نہایت غضبناک ہو کر نکلے۔ آنکھیں سرخ تھیں اور رگ ہائے گردن گُلِ گلاب تھیں اور وہی زرد قبا زیب تن تھی جو ہمیشہ لڑائی کے لئے پہنا کرتے تھے۔ ہاتھ میں ذوالفقار تھی جب اس حالت میں جنت البقیع میں پہنچے تو لوگوں میں خوف طاری ہو گیا اور کسی کہنے والے نے کہہ دیا کہ دیکھو علی ابن ابی طالب اس حالت میں آرہا ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ ان قبروں میں سے کسی قبر کا پتھر بھی اپنی جگہ سے ہٹایا گیا تو تلوار کو اس وقت تک بند نہ کروں گا جب تک اوّل سے آخر تک صفائی نہ کر لوں گا۔ پس حضرت عمر اور اس کے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ یا ابا الحسن کیا بات ہے ہم تو قبر ضرور کھودیں گے اور ضرور نماز جنازہ پڑھیں گے پس یہ کہنا تھا کہ جلال حیدری جوش میں آیا اور کہنے والے کے کمر بند سے پکڑا اور ایک ہی جنبش میں اسے ہٹا کر زمین پہ دے مارا اور فرمانے لگے اے حبشیہ عورت کے فرزند میں نے اپنا حق تو اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ کہیں لوگ اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں لیکن قبر فاطمہ بس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں علی کی جان ہے اگر تو نے یا تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے اس طرف قدم اٹھایا تو زمین کو تمہارے خون سے سیراب کر دوں گا اگر جرأت ہے تو بڑھ کر دکھاؤ۔ اتنے میں حضرت ابوبکر تشریف لائے اور عرض کی۔ یا ابا الحسن! تجھے رسول اللہ کی قسم اور رب العرش کی قسم کہ اس کو چھوڑ دو ہم کچھ نہ کریں گے پس حضرت نے چھوڑ دیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت

وقتیکہ بکعبہ مرتضےٰ شد پیدا   در ارض وسما جلوۂ تماشد پیدا
جبریل ز آسمان فرود آمد وگفت   فرزند بخانۂ خدا شد پیدا

تاریخ ولادت:۔ ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل جب کہ جناب رسالتمآب کی عمر ۳۰ سال تھی اور سرکار رسالت کی بعثت میں دس سال باقی تھے، اور ۶۰۰ء بروز جمعہ المبارک مولود کعبہ علی مرتضیٰ کی ولادت ہوئی۔

مقام ولادت:۔ جوف بیت اللہ کعبہ زاد اللہ شرفہا ۱۔ تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبۃ۔
(مستدرک امام حاکم جلد ۳ صہ ۴۸۳)

اس امر میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ کہ جناب فاطمہ بنت اسد صلوٰۃ اللہ علیہما نے سرکار ولایت جناب امیر علی ابن ابی طالب (علیہما السلام) کو وسط بیت اللہ میں جنم دیا۔

(۲) کون امیر کرم اللہ وجہہ ولد فی البیت امر" مشہور فی الدنیا وذکر فی کتب الفریقین السنۃ والشیعۃ (عینیہ جس کے شارح علامہ الوموسیٰ مؤلف تفسیر روح المعانی ہیں)

ترجمہ) جناب امیر علیہ السلام کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہونا، دنیا بھر میں مشہور رہے۔ اور سنی شیعہ دونوں فرقوں نے اس کا ذکر اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ہم یہاں برادران اہل سنت کی ان کتب سیر و تاریخ میں سے چند کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جن میں جناب امیر علیہ السلام کی خانہ کعبہ میں ولادت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۔ مروج الذہب جلد ۵ صہ ۱۲۵ یہ کتاب علامہ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی کی ہے جن کی وفات ۳۴۶ھ مطابق ۹۵۷ء میں ہوئی۔ ان کی مشہور تالیفات مروج الذہب۔ معادن الجوہر فی التاریخ۔ کتاب الاشراف والتنبیہ اہل سنت کے دور حاضر کے مؤرخ اور سیرت نگار علامہ شبلی ان کے متعلق اپنی شہرہ آفاق تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"ابوالحسن علی بن حسین مسعودی فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا، وہ دنیا کی اور قوموں کی تاریخ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں مل جاتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب

اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔" (الفاروق حصہ اوّل دیباچہ ص۸)
مروج الذہب مسعودی علامہ محمد محی الدین عبدالحمید پروفیسر ازہر یونیورسٹی کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مصر میں چھپی ہے۔

۲۔ مطالب السئول فی مناقب آل رسول ص۱۳۷ یہ کتاب علامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ کی ہے جن کی ولادت ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں ہوئی اور وفات ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء میں ہوئی۔ شافعی المذہب ہیں۔ اور فرقہ اہل سنّت کے جلیل الشان عالم ہیں۔ علامہ یافعی ان کے متعلق لکھتا ہے :۔

"محمد بن طلحہ رئیس صاحب حشمت بزرگ تھے۔ علم مناظرہ و فقہ میں انہوں نے درجہ کمال حاصل کیا، بادشاہ کے وزیر تھے پھر وزارت چھوڑ دی۔ اور زہد اختیار کیا اور اپنے نفس کو مائل ریاضت کر لیا۔" (مراۃ الجنان یافعی جلد ۴ ص۱۲۸)

۳۔ " ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص۲۵۱ یہ کتاب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے۔ وہ ہمارے برصغیر ہند و پاکستان کے مشاہیر علمائے اہلِ سنّت میں سے ہیں۔ اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔"

۴۔ جناب امیر علیہ السلام کی خانہ کعبہ میں ولادت کو صاحب مناقب مرتضوی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

" در بشائر مصطفٰی از یزید بن قعنب مروی است کہ من با عباس عبدالمطلب بودم و جمعے از بنی عبدالعزےٰ برابر بیت الحرام نشستہ بودند کہ فاطمہ بنت اسد در مسجد کعبہ در آمد در عین طواف اثر تلق بر دئے ظاہر شد چون بحال بیرون رفتن نماند گفت خداوند بحرمت این خانہ کعبہ زحمات ولادت بر من آسان گردان دیدیم کہ دیوار خانہ کعبہ شق شد فاطمہ درون رفت در روز چہارم جناب امیر را بر دست گرفتہ بیرون آمد"

(مناقب مرتضوی ص۱۶۵ مطبوعہ بمبئی)

بشائر مصطفٰی میں یزید بن قعنب سے روایت ہے کہ میں عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ تھا۔ اور اولاد عبدالعزیٰ کا ایک گروہ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ فاطمہ بنت اسد بیت اللہ میں آئیں عین طواف کی حالت میں ان پر آثار ولادت طاری ہوئے باہر جانے کے لئے وقت نہ تھا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد نے دعا کی۔ خداوندا! اس بابرکت خانہ کعبہ کی حرمت کا واسطہ ولادت کی تکالیف کو مجھ پر آسان فرما۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ دیوار خانہ کعبہ شق ہوئی جناب فاطمہ بنت اسد اندر گئیں۔ اور چوتھے دن جناب امیر کو اپنے ہاتھوں پر لئے برآمد ہوئیں۔

مناقب مرتضوی اس کتاب کے مؤلف میر صالح کشفی ہیں، ان کے متعلق روایح المصطفےٰ ص۳۸۹ میں لکھا ہے۔ کہ :۔ "یہ صاحب انوار جلیہ اور جامع علوم دینی و دنیوی تھے۔ ان کے خوارق و کرامات مشہور ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں ان کو شاہ نعمت اللہ سے بیعت تھی۔ دیگر سلاسل کی اجازت بھی انہیں حاصل تھی۔ انہوں نے ۱۰۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔"

(نفائس السنن فی ذکر فضائل سیدنا ابی الحسن محمد علی حیدر علوی مطبوعہ مدینہ بجنور)

ان کی عبارت کا ترجمہ ہے ۔حضرت علی علین کعبہ کے بیچوں بیچ پیدا ہوئے۔ آپ کے سوا کوئی کعبہ میں پیدا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضیلت یہ آپ کو ہی بخشی اور کعبہ کو آپ کی جائے ولادت بنا کر معزز و سرفراز کیا کتب سیر میں بریرے سے منقول ہے کہ میں اور عباس اور اولاد ہاشم و عبدالمطلب کے کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ ناگاہ حضرت فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علی آئیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگیں۔ دوران طواف میں درد زہ عارض ہوا اور علامات وضع حمل نمایاں ہوئے طاقت بدن کی جاتی رہی اور میں نے دیکھا کہ دیوار خانہ کعبہ کی شق ہوئی اور فاطمہ اندر گئیں ہم لوگوں نے ہر چند چاہا کہ اندر جائیں مگر اندر جانا ممکن نہ ہوا۔ چوتھے روز فاطمہ بنت اسد اپنے فرزند کو لئے ہوئے برآمد ہوئیں (وسیلۃ النجات مطبوعہ لکھنؤ ص۶)

۴۔ دور متاخر کے جلیل الشان سُنی محدث شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جناب علی مرتضیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"از مناقب وے (علی) در حین ولادت او ظاہر گشت یکے آن است کہ در جوفِ کعبہ معظمہ تولد یافت فقد تواتر الاخبار ان فاطمہ بنت اسد ولدت امیرالمومنین علیاً۔ فی جوف الکعبہ"

(ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۲۵۱)۔ ترجمہ : منجملہ فضائل حضرت امیرالمومنین جو وقت ولادت ظاہر ہوئے ایک یہ بھی ہے، کہ آپ خانہ کعبہ کے بیچوں بیچ پیدا ہوئے، اس باب میں حدیثیں حدِ تواتر تک پہنچیں ہوئی ہیں کہ جناب فاطمہ بنتِ اسد نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو جوف کعبہ میں جنم دیا۔"

اپنی اس ولادت کی شان کو جناب امیر علیہ السلام نے خود مدح سرکار رسالت فرماتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔ سرکار رسالت کی عترت بہترین عترت ہے، ان کا خاندان بہترین خاندان ہے۔ ان کی اولاد کا شجرہ نسب بہترین شجرہ نسب ہے۔ جو حرم یعنی خانہ کعبہ میں اُگا۔ اور جو اللہ کے فضل و کرم سے پھولا پھلا اس کی شاخیں دراز اور پھل ایسے بے نظیر ہیں کہ کوئی ان تک پہنچ نہیں سکتا۔

سرکار رسالت کا شجرۂ نسب جناب امیر کے ذریعہ چلا اور بقائے نسل جناب امیر کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ خود فرماتے تھے۔ ہر نبی کی اولاد اس کی اپنی صلب سے ہوئی میری اولاد کو اللہ تعالیٰ

نے صلب علی ابن ابی طالب سے قرار دیا، وہ علی جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور جن کی تربیت آغوش رسالت کی فضا میں ہوئی ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ؎

وہ رنگ تیرا جو ایمان کو جلا بخشے ۔۔۔ وہ نسل تیری جو کہلاتی ہے رسول کی آل

جناب امیر علیہ السلام کے مولد بیت اللہ کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ میں ہوا ہے :-
ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ ایات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امنا۔ (آل عمران آیت ۹۶-۹۷ پ۴) ترجمہ (لوگوں کی عبادت کے واسطے) جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا، وہ تو یہی خانہ کعبہ ہے جو مکہ میں ہے بڑی خیر و برکت والا ہے۔ اور سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے اس میں حرمت کی بہت سی واضح اور روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیمؑ ہے جو اس گھر میں داخل ہوا امن میں آ گیا۔

۲۔ انجعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے وعھدنا الی ابراھیم واسماعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ (البقرہ آیت ۱۲۴ - پ۱) ترجمہ :- اے رسول! وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے اس بیت کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا، کہ مقام ابراہیمؑ کو مصلےٰ بناؤ اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے عہد لیا، کہ میرے اس گھر کو طواف اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و پاکیزہ رکھو۔

۳۔ لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد۔ (البلد آیت ۱-۲ پ۳۰) ترجمہ مجھے شہر مکہ کی قسم درحالیکہ تم اس میں رہتے ہو اور والد کی قسم جو وہاں پیدا ہوا۔

۱۔ خانہ کعبہ اس کائنات میں اللہ کی سب سے پہلی عبادت گاہ ہے ؎

دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا ۔۔۔ ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسبان ہمارا

۲۔ یہ گھر بہت ہی خیر و برکت کی جگہ ہے۔ ۳۔ یہ گھر سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے سب کے لئے قبلہ ہے جس کی طرف لوگ منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ۴۔ اس میں روشن اور واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیمؑ ہے۔ ۵۔ وہ جائے امن و مامن کائنات ہے۔ ۶۔ وہ کائنات کے ثواب حاصل کرنے اور امن پانے کی جگہ ہے۔ ۷۔ وہ مقام طہارت ہے اور اسے پاکیزہ و پاک رکھنے کا حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے عہد لیا گیا ہے۔ ۸۔ خانہ کعبہ کے عز و شرف کی وجہ سرکار رسالت میں اس کا رہنا ہے۔ ۹۔ اس کی عظمت کا سبب ایک والد ہے۔ جس کا بیٹا اس خانہ کعبہ میں پیدا ہوا۔ یعنی حضرت ابوطالب عمران علیہ السلام۔ ۱۰۔ اس

کی جلالت شان کا موجب وہ مولود ہے جو اس میں متولد ہوا۔ یعنی حضرت علی علیہ السّلام تلک عشرہ کاملہ۔

اب ذرا ان خصوصیات و امتیازات کو ولادت جناب امیر علیہ السّلام کے واقعات سے تطبیق دے کر پھر ان نتائج پر غور و فکر کیجئے۔ جو ان سے برآمد ہوتے ہیں:۔

ا۔ سب سے پہلی اللہ کی عبادت گاہ منشائے ایزدی نے علی کی ولادت گاہ اور علی کا زچہ خانہ قرار دے کر یہ واضح کر دیا کہ علی علیہ السّلام کو اللہ سے کس قدر لگاؤ ہے۔ علی علیہ السّلام کا ذکر جب بھی کیا جائے تو اس عبد کو اپنے معبود سے اتنا ربط ہے کہ اس کا ذکر اللہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً:۔ علی کہاں پیدا ہوئے؟ جواب ہوگا فی بیت اللہ اللہ کے گھر میں۔ کس مہینے میں پیدا ہوئے؟ جواب ہوگا۔ اللہ کے محترم مہینے رجب میں۔ کب شہید ہوئے؟ اللہ کے مہینے رمضان میں۔ کہاں شہید ہوئے؟ اللہ کے گھر مسجد میں۔ ؎

موت ہو یا ولادت جو ہوا اپنے گھر میں ہو   مولد و مشہد تمہارا گھر خدا کا ہو گیا

علی نے کس لئے جہاد کیا۔ اللہ کے لئے علی بستر رسالت پر کیوں سوئے۔ اللہ کے پاس اپنے نفس کو بیچنے کے لئے۔ تین دن لگاتار فاقہ سے رہ کر مسکین یتیم اسیر کو کھانا کیوں کھلایا؟ اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ اپنی پہلی عبادت گاہ کو علی کا مولد اور زچہ خانہ بنا کر اس عبادت گذار اور آڈیل عبد کی یاد کو تازہ رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ دنیا کے انسان اس کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر والہانہ عبادت کر سکیں۔ حضرت علی اپنے ذوق عبادت کا اپنی زبان سے اس طرح تذکرہ کرتے ہیں:۔ استلذذت استلذاذاً ظننت ان اللہ لا یوجر فی علیہ۔ (زہرالربیع) ترجمہ: مجھے اللہ کی عبادت میں ایسی لذت حاصل ہوئی، کہ جو لذت حاصل ہونے کا حق ہے۔ حتیٰ کہ میں نے گمان کیا، کہ اب اس پر میرے لئے اللہ کے پاس کوئی اجر باقی نہیں رہا۔

چونکہ علی کا ذکر اللہ کے ذکر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اس لئے علی کا ذکر بھی عبادت ہے ذکر علی عبادۃ:۔

۲۔ خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ خیر و برکت کا مقام ہے۔ علی کی ولادت وہ خیر و برکت تھی جس نے اس خانہ کعبہ کو جب کہ وہ خیر و برکت کھو چکا تھا پھر مرکزی خیر و برکت بنا دیا۔ منشاء قدرت تھا کہ اس کی ولادت بیت اللہ میں ہو تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسی مولود نے بیت اللہ کی کھوئی ہوئی برکت کو اپنی جد و جہد سے پھر پلٹانا ہے۔

۳۔ یہ گھر سارے جہاں کے بنی نوع انسان کا رہنما ہے مگر علی کی ولادت سے پہلے اس

کی کیا حالت تھی ؎

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلے خدا کا | خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا | کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ اک بت پرستوں کا معبد بنا تھا | جہاں تین سو ساٹھ بت پج رہا تھا (حالی)

مولود کعبہ کی وفا، مولود کعبہ کا ایثار، مولود کعبہ کی مواسات، مولود کعبہ کی جان نثاریاں، مولود کعبہ کے مجاہدات بدر و احد و خندق تھے، جنہوں نے اپنے مولد کو ھدیً للعالمین ہونے کا دوبارہ فخر و شرف بخشا۔ اگر علی نہ ہوتے تو علی کا مولد جو صنم خانہ بن چکا تھا مرکز توحید و قبلہ انام نہ بنتا۔ علی علیہ السّلام کی ولادت علی کی عظمت و رفعت کی ایک پیشین گوئی ہے۔

۴۔ اس گھر میں روشن اور واضح نشانیاں ہیں، یوں تو ہر چیز اس صانع کی نشانی ہے۔ مگر اس کی خاص نشانیاں نبوت و رسالت امامت و ولایت ہیں۔ اسی لئے جناب مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام کو آیت الٰہیہ کہا گیا۔ محمد و آلِ محمد علیہم السّلام آیات اللہ ہیں، اس خاندان کا ہر فرد آیت اللہ الکبریٰ ہے۔ جناب امیر بھی آیت اللہ الکبریٰ ہیں۔ اور ان کی ولادت بیت اللہ میں خود آیت من آیات اللہ ہے اس خانہ کعبہ میں مقام ابراہیمؑ ہے، معنوی لحاظ سے مقام ابراہیمؑ سے مراد مقام امامت ہے، جو سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو عطا ہوا۔ اِنی جاعلك للناس اماماً خطاب سرکار احدیت ہوا۔ اے ابراہیمؑ میں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ آپ نے دعا کی قال من ذریتی پالنے والے میری اولاد سے بھی امام بنا۔ دعا مستجاب ہوئی۔ ارشاد ہوا۔ تیری اولاد سے آئمہ ہوں گے۔ مگر وہی جو معصوم ہوں، کیوں کہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اس لئے اولاد ابراہیمؑ کے افراد معصوم میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ سرکار رسالت پر پہنچ کر یہ امامت امامت مطلقہ ہوگئی۔ انسانوں میں ہی محدود نہ رہی۔ سرکار رسالت کے بعد اس سلسلہ کا امام اوّل مولود کعبہ ہوا۔ اب یہ سلسلہ مولود کعبہ کی اولاد میں جاری و ساری قیامت تک رہے گا۔ یہ مطلب ہے کعبہ میں آیات بینات اور مقام ابراہیمؑ کا۔ فتدبر و لا تکن من الجاحدین۔

۵۔ وہ جائے امن و مامن کائنات ہے، اسے مامن کائنات بنانے والے بھی محمد و آلِ محمد ہیں انہوں نے ہمیشہ اس مامن کی حفاظت کی۔ مولود کعبہ نے جب ابوسفیان اموی کہہ رہا تھا کہ میں حجاز کے میدانوں کو سوار و پیادہ سے پُر کر دوں گا۔ اگر تم اجتماعی خلیفہ کے خلاف تلوار اٹھالو مگر حضرت علی جذبات کی رو میں نہ بہے اور تخت و تاج کو ٹھکرا کر حجاز کے امن و امان کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ جب مجبوراً آپ کو لڑنا بھی پڑا، تو کوفہ کو دارالخلافہ بنا کر

زمین حجاز کے امن میں فرق نہ آنے دیا۔

عبداللہ ابن زبیر اور بنی امیہ کی چپقلش نے بیت اللہ کو جسے اللہ نے مامن قرار دیا مرکز جنگ و جدل بنایا مگر مولودِ کعبہ کے فرزند سرکار سید الشہداء نے حرمت بیت اللہ کے پیش نظر کعبہ سے ہجرت فرمائی، کربلا میں شہید ہوئے مگر اسلام کے مامن کے امن و امان میں فرق نہ آنے دیا۔

۶۔ مولد علی جائے ثواب بھی ہے اور جائے امن بھی علی ابن ابی طالب مولود کعبہ نے اس شرف کو چار چاند لگا دیئے اور کعبہ آج مثاب و مامن ہے اور قیامت تک رہے گا۔

۷۔ اللہ کا یہ گھر طہارت کا مرکز ہے اور اس کی طہارت کو قائم رکھنے کا حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے عہد لیا گیا ہے یہ عہد مولود کعبہ علی ابن ابی طالب کی طہارت کا شاہد ناطق ہے، جوفِ کعبہ میں علی ابن ابی طالب کی ولادت بتلا رہی ہے کہ علی مطلق طور پر طاہر و مطہر ہیں اور ان کی ولادت عام انسانوں کی ولادت سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیوں کہ ولادت کے وقت ماں پر جو آثار و کیفیاتِ نجاست طاری ہوتے ہیں۔ ان سے فاطمہؑ بنت اسد والدہ علی مبرا و منزہ تھیں حیض و نفاس رجس ہیں نجس ہیں فاطمہ بنت اسد فاطمہ بنت محمد علیہم السلام کی طرح بتول اور حیض و نفاس سے پاک تھیں۔ اگر ان میں شائبہ نفاس ہوتا تو قدرت انہیں خانہ کعبہ میں دیوار کو شگافتہ کر کے ولادت کا موقعہ نہ دیتی۔ انبیا و رسل ائمہ و اولیا کی ولادت عوام سے بالکل جداگانہ ہے، اس کے شواہد قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ ولادت انبیاء و ائمہ ایک مستقل عنوان ہے یہ مختصر مقالہ اس کی تفصیل کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ المختصر البیت مقام طہارت ہے۔ اسی لئے معصومین و مطاہرین کو اہل البیت کہتے ہیں۔ بیت پر آل تعریف و تخصیص کے لئے ہے۔ محمد و آلِ محمد کی طہارت کو اسی لئے قرآن حکیم میں اہلبیت کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے " انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا " رجس پر ال استغراق کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہل البیت ہر قسم کی نجاست سے وہ مادی ہو، یا ذہنی، روحانی ہو یا اخلاقی، عقلی ہو یا جسمانی پاک و پاکیزہ ہیں۔ اسی لئے اہل اہلبیت کے دروازے مسجد نبوی میں کھلے رہے اور اصحاب کے بند کروا دیئے۔ اہل بیت پر کیفیات نجاست کبھی طاری نہیں ہوئیں اس لئے وہ مسجد نبوی میں ہر وقت آمد و رفت کر سکتے ہیں اور خانہ کعبہ کی حرمت قائم رہ سکتی ہے خلاصہ کلام علی علیہ السلام کی عین جوف میں ولادت نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ علی کی کیفیات نجاست سے مبرا و منزا ہیں۔ اور ان کی ساجی منزلت والدہ بھی۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔

۸۔ خانہ کعبہ کی عز و شرف کی وجہ سرکار رسالت کا وجود ذی جود ہے صحیح ہے اگر حضور علیہ السلام

خانہ کعبہ میں ورود نہ فرماتے تو اسے عزت و شرف کی وہ بلندی حاصل نہ ہوتی جو اب ہے۔

۹ - خانہ کعبہ کی عظمت کا سبب مولود کعبہ کا والد ہے، یہ امر بھی سرکار احسان ابو طالبؑ عمران کی عملی جد و جہد سے آشکار ہے۔

۱۰ - عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولود کعبہ کا یہ شرف ہے کہ ان کی ولادت بیت اللہ میں ہوئی: بجا ہے مگر یہ بھی تو کہیئے کہ خانہ کعبہ کا یہ شرف ہے کہ مولود کعبہ کی ولادت سے وہ مشرف ہوا، جیسا کہ ما ولد کی قسم سے ظاہر و باہر ہے۔ ؎

گویا یہ کہہ رہی ہے ہنس کر جدار کعبہ — آؤ دکھائیں محسن تجھ کو بہار کعبہ

کسی امر میں حصول درجہ یقین کے لئے علمائے متکلمین فریقین نے دو امور میں سے ایک ضروری قرار دیا ہے: نص محکم یا خبر متواتر مولود کعبہ علی ابن ابی طالب کی جوف کعبہ میں ولادت دونوں طریق سے ثابت ہے نص محکم لفظ ما ولد میں موجود ہے۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے کو شیخ محدث شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی تسلیم کیا ہے اور علامہ حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اُس کی توضیح کر دی ہے۔ جیساکہ ہم اس مقالہ میں اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

تمام تاریخیں بتلاتی ہیں، کہ حضرت علی نے ولادت کے بعد سب سے پہلے جس کی گود میں آنکھیں کھولیں۔ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنالہ الفدا کی ذات قدسی صفات تھی۔ آپ کی نگاہیں سب سے پہلے جمال سید البشر پر پڑھیں۔ سرکار رسالت نے اپنے لعاب دہن سے سرکار ولایت علی ابن ابی طالب کو پہلی غذا دی۔ خدا گواہ ہے کہ یہ پہلی (بلکہ آخری بھی) صورت تھی جو ہمیشہ علی کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی۔

جناب امیر نے آغوش رسالت میں پہنچ کر قبل نزول قرآن سورہ المومنون کے پہلے رکوع کی تلاوت کی ــــــ ولادت کے بعد آپ کی مادر گرامی نے آپ کا نام اسد و حیدر، جناب ابو طالب نے زید اور اللہ اور رسولؐ نے علیؑ رکھا۔

امام نودی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ جب ولادت جناب امیر ہوئی تو حضرت ابو طالب موجود نہ تھے، کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا ــــــ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: عطا کا قول ہے کہ علی مرتضیٰ کی والدہ نے ان کا نام حیدر رکھا۔ اور اس کی دلیل یہ کہ غزوہ خیبر کے دن جناب حیدر کرار نے رجز میں فرمایا تھا:- انا الذی سمتنی امی حیدرہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ (تذکرہ خواص الامہ)

فخر الاسلام ابوبکر نجم الدین لکھتے ہیں: "بعضوں کا قول ہے کہ جناب امیر المومنین جب پیدا ہوئے تو حضرت ابو طالب مکان پر موجود نہ تھے۔ والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اس کی وجہ

یہ ہوئی، کہ جناب امیر ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے اور تنہا گھر میں تھے۔ آپ کی والدہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ ان کا گھر مکہ میں ایک پہاڑ کے پہلو میں تھا۔ ایک سانپ پہاڑ سے اُترا، اس نے جناب امیر کو کاٹنا چاہا، جناب امیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا، وہ اُن کے ہاتھ میں مر گیا، اتنے میں ان کی والدہ باہر سے تشریف لائیں اور سانپ کو مرا ہوا ہاتھ میں دیکھ کر کہنے لگیں "حَيَّاكَ اللهُ يا حيدر" اے میرے شیر! خدا تجھے زندہ رکھے، اس وجہ سے حیدر نام ہو گیا۔" (مناقب الصحابہ)

حافظ علی بن برہان الدین شافعی لکھتے ہیں:۔ "جناب امیر کا اپنے آپ کو حیدر کہنا امور کشفیہ میں سے ایک کشف تھا، کیوں کہ اسی رات مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اسے ایک شیر نے پھاڑ ڈالا ہے۔ جناب امیر نے اسے خوفزدہ کرنے کے لئے اس کا ذکر کیا کہ میں وہ شیر ہوں جسے خواب میں تو نے دیکھا ہے۔ اس واقعہ کو ابو حاتم نے تفسیر میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الجہاد میں بھی لکھا ہے۔" (سیرت حلبیہ)

دراصل جناب فاطمہؑ بنت اسد نے مولود کعبہ کا نام عرب کی رسم کے مطابق اپنے باپ کے نام پر اسد رکھا۔ پھر واقعہ مار کے بعد دوسرا نام حیدر بھی رکھ دیا۔

مُلا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں:۔ "یہ بھی مشہور ہے کہ جناب ابی طالب نے اپنے جدِ اعلیٰ جامع قبائل عرب قصیٰ کے نام پر جناب امیر کا نام زید رکھا۔ سرکار رسالت تشریف لائے آپ نے نام کے متعلق پوچھا۔ ابو طالب اور جناب فاطمہ نے اسد بتایا۔ حضور نے فرمایا: نہیں علی نام ہونا چاہیئے۔ فاطمہ بنت اسد کہنے لگیں، بخدا میں نے ایک روز ہاتفِ غیبی سے اس بچہ کا یہی نام سُنا تھا۔" (روضۃ الشہدا)

حقیقت یہ ہے کہ جناب امیر المومنین کا نام ازل میں خدائے لم یزل 'علی' رکھ چکا تھا، چنانچہ حضرت آدمؑ کو جبرئیل امین نے جو کلمات تعلیم دیئے تھے، وہ یہی اسمائے خمسہ نجباء (پنجتن پاک) تھے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ کلمات یہ تھے:۔ " الٰهی بحق محمد و انت المحمود بحق علی و انت الاعلٰی بحق فاطمة و انت فاطر السموٰت والارض بحق الحسن و انت المحسن و بحق الحسین و انت قدیم الاحسان۔" (تفسیر درمنثور سیوطی)

ترجمہ:۔ " اے میرے معبود محمد مصطفٰےؐ کا صدقہ درحالیکہ تو محمود ہے علی مرتضٰے کا صدقہ درحالیکہ تو اعلٰے ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کا صدقہ کہ تو زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت حسن مجتبٰی کا صدقہ کہ تو محسن ہے اور حضرت حسین شہید الشہداء کا صدقہ کہ تو قدیم الاحسان ہے۔"

قدیم کتب الہامیہ اور صحف انبیا میں حضرت علی کے متعلق پیشینگوئیاں موجود ہیں جن میں آپ کو ایلیا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے ہی جناب امیر کا نام علی رکھا۔ علامہ محمد بن یوسف کنجی الشافعی اس کے قائل ہیں چنانچہ انہوں نے اس کی تائید میں حضرت ابوطالب کا یہ شعر لکھا ہے : ؎

سمیتہ بعلی کی یدوم لہ عز العلو فخر الفرا دومہ

ترجمہ :- میں نے اس کا نام علی اس لئے رکھا، تاکہ سربلندی کی عزت اس کے لئے ہمیشہ رہے اور عزت کا افتخار اس کے لئے دائمی رہے۔ (کفایۃ الطالب)

حضرت ابوطالب نے یہ نام سرکار احدیت کے ایما پر رکھا تھا۔ چنانچہ مناقب کی کتابوں میں تسمیہ علی ابن ابی طالب کا ذکر اس طرح موجود ہے کہ حضرت ابی طالب نے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر اس طرح دعا کی: ماذا تری اسم ھذا الصبی میرے معبود تیرے نزدیک اس بچہ کا کیا نام ہے۔ فھتف ھاتف من السماء آسمان سے غیب کی ندا دینے والے نے اس طرح ندا دی:

اسمہ فی شوامخ العلا علی ن اشتق من العلی

ترجمہ :- بلند دنیا کی بلند چوٹیوں میں اس کا بچہ کا بلند نام علی (بلند) ہے۔ جو میرے بلند نام علی سے مشتق ہے۔ مشتق بھی علی ہے' اس لئے علی علی کرنا بھی عبادت ہے'' اس نام ''علی'' کی خصوصیات سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ سرکار احدیت نے انوار محمد و آل محمد علیہم السلام کو علی کی مناسبت سے ''عالین'' کہا۔ چنانچہ شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ استکبرت ام کنت من العالین ''اے شیطان کیا تو نے تکبر کیا، یا تو اپنے آپ کو ''عالین'' (علی والوں) میں سے سمجھا ہے' اسی نام کی عظمت کو ملحوظ رکھ کر روحانیت کے بلند مقام کو ''علیین'' سے تعبیر فرمایا۔ عربی میں ایک ضرب المثل ہے: ان الاسماء تنزل من السماء تحقیق نام بھی آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ ضرب المثل صحیح معنوں میں جناب امیر کے نام ''علی'' پر صادق آتی ہے، عرب میں نام کی دو قسمیں ہیں۔ مشتق اور مرتجل مشتق اس نام کو کہتے ہیں کہ جو اسم بامسمیٰ ہو۔ جیسا نام ہو، ویسا ہی نام والا ہو۔ مرتجل اس نام کو کہتے ہیں، جو مسمیٰ کے خلاف ہو۔ نام تو فاضل ہو اور نام والا جاہل، نام عام طور پر اس لئے مرتجل ہو جاتے ہیں، چونکہ نام رکھنے والا علم غیب نہیں رکھتا گویا نام کا مرتجل ہو جانا نام رکھنے والے کی جہالت کی دلیل ہے حضرت علی کا نام اللہ نے رکھا جو عالم الغیب والشہادت ہے اس لئے علی ہمیشہ علی رہے اور ہیں۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب

یہ حسن اتفاق ہے کہ امیرالمومنین حضرت علیہ السلام کے جتنے اصحاب تھے ان کی غالب اکثریت ان ایمانداروں پر مشتمل تھی جن کو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ ہم آپ کے کثیر اصحاب میں سے چند بزرگوں کے حالات پیش کرتے ہیں۔

جناب ابوذر علیہ الرحمۃ :۔ آپ کا نام جندب تھا۔ آپ کے والد جنادہ بن سفیان قبیلہ غفار کے ایک شخص تھے۔ جب آنحضرت مکہ میں تھے تب ہی مسلمان ہونے میں آپ کا چوتھا یا پانچواں نمبر تھا۔ مگر مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں حضرت ابوذر جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ جب آنحضرت کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں۔ وہ مکہ میں آئے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں واپس جاکر ابوذر سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے۔ اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہیں کچھ اور چیز ہے۔ تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہیں ہوئی خود مکہ میں آئے زبان مبارک سے آپ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے علیحدہ رہے ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہیں۔ چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا (سیرۃ النبی جلد ص ۱۵۲) یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسولؐ کو اسلامی سلام کیا۔ جب یہ مسلمان ہو چکے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ نبی صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو جنگ بدر و احد میں اور خندق کے بعد پھر یہ آنحضرت کے پاس چلے گئے اور وہیں رہے۔ انہوں نے نبی صلعم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ خدا کی راہ میں ن کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ ہوگا۔ اور یہ کہ حق بات کہہ دیا کریں گے۔ گو وہ تلخ ہو آپ کے فضائل کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم یہ فرماتے تھے۔ آسمان نے سایہ نہیں کیا ہے اور زمین نے اپنے اوپر نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص کو جو ابوذر سے زیادہ راست گفتار ہو۔ نبیؐ نے فرمایا کہ ابوذر دنیا میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے زہد پر چل رہے ہیں۔ خلیفہ اول کے مرنے پر یہ ملک شام چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں معویہ کی شکایت پر جناب ابوذر کو

بلایا اور ربذہ میں رہنے کی جگہ دی یہاں تک کہ وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی بی بی رونے لگیں۔ جناب ابوذر نے وجہ پوچھی تو کہا ہمارا کفن کہاں سے آئے گا۔ آپ نے کہا نہ روؤ۔ میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے فرماتے تھے تم میں سے ایک شخص ویران زمین میں مرے گا۔ اس تجہیز و تکفین میں مومنین کی ایک جماعت شریک ہوگی وہ میں ہی ہوں۔ تم راستے میں جاکر انتظار کرو۔ واللہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے۔ بی بی جا کر راہ میں کھڑی ہوگئیں تو دیکھا کہ کچھ لوگ سواریاں دوڑاتے آرہے ہیں۔ بی بی نے جناب ابوذر کے انتقال کی خبر دی وہ سب وہاں پہنچے اور غسل و کفن دے کر دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۲ھ کا ہے جناب ابوذر گندمی رنگ کے دراز قامت تھے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید تھے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۴)

کتاب مذکور میں جناب ابوذر کی جلاوطنی کو بہت مختصر کر کے لکھا ہے۔ جناب ابوذر شام میں رہنے لگے تھے۔ معویہ کی دنیا پسندی مشہور ہے جناب ابوذر ہمیشہ سمجھاتے کہ یہ روش اسلام اور خدا و رسولؐ کے خلاف ہے۔ غرض وہ برابر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے۔ معویہ سے یہ باتیں برداشت نہ ہوسکیں۔ حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ابوذر کو کسی طرف سے بھیج دیجئے۔ حضرت عثمان نے معویہ کو لکھا کہ ابوذر کو فوراً ایک ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے کسی سخت مزاج رہبر کے ساتھ جو رات دن اونٹ کو دوڑاتا لائے اور کسی جگہ بھی نہ ٹھہرنے دے۔ تاکہ ابوذر پر نیند کا غلبہ ہو کہ اس کی اذیت سے وہ میرا اور تمہارا ذکر کرنا بھول جائیں میرے پاس بھیج دو۔ معویہ نے ایسا ہی کیا۔ جناب ابوذر بلند قامت، کمزور، دبلے پتلے شخص تھے۔ اور اتنے بوڑھے ہوگئے تھے کہ پورے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ پھر اب ایسے اونٹ پر سوار کئے گئے جس پر نہ کوئی زین تھا نہ ساز نہ کپڑا۔ غرض رہبر بہت بری طرح نہایت سختی سے اونٹ کو ہنکاتا لایا۔

جناب ابوذر کو ایسی اذیت ہوئی کہ ان کی ران کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا تھا۔ اور بری حالت ہوگئی تھی۔ جب آپ اس تباہ حال میں حضرت عثمان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ روشن نہ ہو اور دیر تک سخت کلامی کی جناب ابوذر نے کہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کوئی گناہ نہیں ہے حضرت عثمان نے پوچھا کیا تم نے لوگوں سے رسولؐ اللہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب بنی اُمیہ کی تیس اولاد ہو جائیں گی تو مال خدا کو اپنی دولت اور مال غنیمت قرار دے لیں گے خدا کے بندوں کو لونڈی اور غلام بنالیں گے۔ اور خدا کے دین کو فریب و مکاری کر ڈالیں گے۔ حضرت ابوذر نے کہا ہاں میں نے ضرور سُنا ہے کہ رسولؐ اسی طرح فرماتے تھے۔ حضرت عثمان کو بہت غصہ آیا اور جناب ابوذر کو ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا جو مدینہ سے تین منزل پر جنگل میں

ایک مقام تھا۔ یہ بھی حکم دیا کہ بہ ربذہ سے کہیں جانے نہ پائیں اور مروان سے کہا کہ ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ سے باہر نکال دو۔ اور کسی کو ان کے رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نہ جانے دینا غرض آپ اس سختی سے نکال دیئے گئے اصحاب رسولؐ کو اس کا نہایت صدمہ ہوا اور باوجود خلیفہ کے حکم کے بعض لوگ جناب ابوذر کو رخصت کرنے گئے۔

مثلاً حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ جناب عبداللہ ابن عباس۔ جناب عمار یاسر۔ جناب مقداد وغیرہ ان لوگوں نے جناب ابوذر کو تسلی دی اور صبر کی فرمائش کی۔ جناب ابوذر ۳۰ھ میں جلاوطن کئے گئے اور ۳۲ھ تک ربذہ ہی میں رہے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس آپ کی بیوی تھیں یا بیٹی اس میں اختلاف ہے۔ اسد الغابہ۔ اصابہ استیعاب وغیرہ میں بی بی کو لکھا ہے۔ مگر تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۵۱ وطبری و یعقوبی وغیرہ میں بیٹی کو لکھا ہے اور یہی صحیح تر معلوم ہوتا ہے جب وقت وفات قریب ہوا تو اُن کی لڑکی نے کہا اے بابا میں اس جگہ اکیلی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ آپ کو درندوں سے کس طرح بچا سکوں گی۔ جب ابوذر نے کہا خوف نہ کرو بہت جلد چند دیندار مرد یہاں آیا چاہتے ہیں۔ دیکھ کوئی نظر آتا ہے یا کہ نہیں صاحبزادی نے کہا نہیں جناب ابوذر بولے شاید ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد پھر پوچھا اب کوئی دکھائی دیتا ہے۔ صاحبزادی بولیں ہاں کچھ سوار اسی طرف سے چلے آرہے ہیں جناب ابوذر جوش میں بولے اللہ اکبر خدا اور اس کے رسولؐ کتنے سچے ہیں اب میرا منہ قبلے کی طرف کردے اور جب وہ سوار یہاں پہنچیں تو ان سب سے میرا اسلام کہنا اور جس وقت وہ میری تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہو جائیں تو ان کے لئے یہ بکری ذبح کرنا اور میری جانب سے قسم دے کر کہنا کہ بغیر کھانا کھائے تم لوگ یہاں سے نہ جاؤ اتنا کہہ کر جناب ابوذر انتقال کر گئے اس کے بعد وہ سوار وہاں پہنچے تو صاحبزادی نے ان لوگوں سے کہا کہ ابوذر صحابی رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ بے گور و کفن پڑے ہیں یہ سن کر وہ سوار جو تعداد میں سات تھے سواریوں سے اتر پڑے ان میں مالک اشتر بھی تھے جناب ابوذر پر وہ بہت روئے اور ان کو غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر سب نے دفن کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا میرے باپ نے آپ لوگوں کو قسم دی ہے کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے یہاں سے تشریف نہ لے جایئے۔ ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جناب ابوذر کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو حضرت رسول خدا کا خلیفہ بلافصل جانتے تھے۔ مسجد رسول میں بیٹھ کر یہ تقریر کرتے تھے اے لوگو جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ اب جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں میرا نام جندب بن عبادہ ربذی ہے۔ خدا

نے حضرت آدم و نوح و آلِ ابراہیم و آلِ عمران کو تمام عالم والوں پر برگزیدہ کیا ہے۔ حضرت آدم کے علم بلکہ کل فضائل کے وارث حضرت محمد مصطفےٰ تھے جن سے انبیا کو فضیلت حاصل ہوئی تھی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے وصی اور وارث علم حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہی ہیں۔ لئے وہ امت جو اپنے نبیؐ کے بعد حیران و سرگرداں ہو رہی ہے۔ اگر تم اپنے نبیؐ کے بعد (خلیفہ بناتے ہیں) اسی شخص کو مقدم کرتے جس کو خدا نے مقدم کیا ہے اور اس شخص کو موخر کرتے جسے خدا نے موخر کیا ہے اور اسلام کی حکومت اور حضرت رسول خدا صلعم کی میراث کو اپنے نبیؐ کی اہلبیت میں قرار دیتے تو خدا کی نعمتیں تمہارے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے سے بیحد و حساب حاصل ہوتیں اور خدا کا کوئی دوست فقر و محتاج نہیں رہتا۔ اور فرائض خدا کا کوئی حصہ بیکار نہ جاتا اور کبھی دو شخص حکم خدا میں اختلاف نہیں کرتے اس لئے کہ ہر امر کا حکم ان لوگوں کو اپنے نبیؐ کے اہلبیت کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسولؐ موجود ملتا۔ لیکن جب تم لوگوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی اور جو کچھ اپنے نفس کی پیروی میں کرنا تھا کر چکے تو آپ اپنے کرتوت کے وبال کا مزہ چکھو اور بہت جلد وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جان لیں گے کہ ان کی جائے بازگشت کس طرف ہے۔ اور حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہنچی کہ انہوں نے سنت رسولؐ اور سنت پنجتن میں جو تغیر و تبدل کیا ہے جناب ابوذر اس کی شکایت لوگوں سے کرتے رہتے ہیں (تاریخ یعقوبی۔ مجالس المومنین صـ۹۲) جناب ابوذر کی عظمت و جلالت کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ علم کے خزانہ تھے۔ حضرت امیرالمومنین سے لوگوں نے آپ کے متعلق پوچھا تو فرمایا ابوذر ایسے شخص ہیں کہ انہوں نے جس قدر دینی علوم اور مذہبی مسائل کو سمجھا ہے اور یاد کیا ہے دوسرے لوگ ان کے سمجھنے سے عاجز رہے۔ حضرت رسولؐ خدا صلعم کے بعد اکثر صحابہ نے حضرات اہلبیت کا ساتھ چھوڑ دیا مگر جو مقدس اور خدا رسیدہ صحابہ حق پر قائم رہے ان میں جناب ابوذر بھی تھے اس وجہ سے حضرات اہلبیت ان کو مانتے تھے اور خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو آپ کی محبت کی تاکید کا حکم دیا ہے۔ (تاریخ آئمہ صـ۲۱۴)

جناب سلمان فارسی علیہ الرحمہ:۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب سلمان خیر تھا۔ حضرت رسولِ خدا صلعم کے خاص غلام تھے آپ سے آپ کا نسب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں۔ آپ کی اصل فارس (ایران) ام ہرمز سے ہے اور بعض کہتے ہیں جی سے ہیں جو اصفہان کا ایک شہر ہے۔ آپ کا نام اسلام سے پہلے مابہ بن بوذخشان بن مورسلاں تھا شاہ آپ کی اولاد سے ہیں آپ پہلے ایران میں مجوسی (آگ کے پوجنے والے) تھے۔ مسلمان ہونے کا سبب آپ خود اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کہ میں اہل فارس علاقہ اصفہان کے شہر جی کے ایک زمیندار کا لڑکا تھا۔ میرے باپ مجھ کو بہت چاہتے تھے یہاں تک کہ مجھ کو گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھایا تھا۔ میں فارسی زبان حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میرے والد صاحب جائیداد اور مکان والے تھے اور اسی کے انتظام میں رہتے تھے انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا بیٹا تم دیکھتے ہو میں یہاں مشغول ہوں تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن رک نہ جانا کہ میں جائیداد کا خیال چھوڑ کر تمہاری فکر میں پڑ جاؤں۔ غرض میں کھیتوں کے دیکھنے کو نکلا اور نصرانیوں کے گرجا کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھتے ہیں میں ان کی طرف جھکا کیوں کہ مجھ کو ان کی یہ عبادت اچھی معلوم ہوئی۔ اور میں نے کہا خدا کی قسم یہ طریقہ میرے دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ غرض میں انہیں کے پاس کھڑا رہ گیا۔ یہاں تک آفتاب ڈوب گیا کہ نہ میں کھیتوں پر گیا اور نہ گھر پلٹا۔ جب میرے واپس جانے میں دیر ہوئی تو میرے والد نے کئی قاصد میرے بلانے کو بھیجے۔ جب نصاریٰ کا فعل مجھ کو پسند آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے ان لوگوں نے بتایا کہ شام میں۔ اس کے بعد میں والد صاحب کے پاس پلٹ آیا۔ انہوں نے پوچھا۔ بیٹا کہاں تھے میں نے تمہاری تلاش میں قاصد روانہ کئے ہیں۔ میں نے کہا میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو گرجا میں نماز پڑھتے تھے مجھ کو ان کا یہ دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا یہ دین میرے (موجودہ) دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ میرے والد نے کہا میں تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین ان (نصاریٰ) کے دین سے بہتر ہے میں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے اس پر ان کو میرے متعلق اندیشہ ہوا کہ کہیں میں نصرانی نہ ہو جاؤں۔ انہوں نے مجھ کو قید کر دیا۔ مگر میں نے نصاریٰ کے ہاں کہلا بھیجا کہ میں نے ان کے دین سے موافقت کا اظہار کیا اور ان سے خواہش کی کہ جو شخص شام جانے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے مجھے آگاہ کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو میں نے بیڑیوں کو اپنے پاؤں سے نکالا اور ان کے ساتھ شام چلا گیا۔ اور وہاں کے اسقف (پادری) کے ساتھ رہنے لگا جب وہ پادری مرنے لگا تو مجھے موصل کی طرف ایک بڑے پادری کے پاس بھیج دیا جب وہ بھی مرنے لگا تو کہا اب اس نبیؐ کا زمانہ قریب ہے جو دین حنیف ابراہیم پر مبعوث ہوگا۔ اس کی ہجرت کھجوروں والی زمین (مدینہ) ہے۔ جب وہ مرگیا تو عرب کا ایک قافلہ میری طرف سے گزرا میں اس کے ساتھ مکہ چلا آیا اور اس قافلہ نے مجھ کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس یہودی سے قبیلہ بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے خرید لیا۔ اور مدینہ میں لایا۔ جب حضرت محمد مصطفیٰؐ مدینہ میں تشریف لائے تو میں حضرت سے ملا اور مسلمان ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا اے سلمان تم اپنے مالک کو کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کرکے اپنے کو آزاد کرا لو میں راضی ہوگیا اور اپنے مالک سے تین سو درخت لگنے اور چالیس اوقیہ سونا دینے پر مکاتبت کرلی۔

غرض میں نے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کی مدد سے تین سو درخت لگا دیئے۔ پھر حضرتؐ نے سونے کے انڈے سے میری مدد کی تو میں اپنی دونوں شرطیں پوری کر کے آزاد ہو گیا۔ سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد کسی جہاد میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آنحضرتؐ نے اُن کے اور ابوذر دا کے درمیان مواخاۃ کی تھی۔ جناب سلمان فارسی بڑے مقدس اور خدا رسیدہ صحابی تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت بھی تین شخصوں حضرت علیؑ۔ عمار یاسرؓ اور سلمان فارسی کی مشتاق ہے۔ آپ بہترین صحابہ اور زہاد اور فضلاء میں سے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے نہایت مقرب تھے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ سلمان رسول خدا صلعم کے پاس رات کو بیٹھتے تھے یہاں تک کہ قریب ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے رسول خدا صلعم کے بارے میں سبقت لے جائیں۔ حضرت علیؑ سے سلمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا، ان کو اولین و آخرین (سب) کا علم حاصل ہے وہ ایسے دریا ہیں جو خشک نہیں ہوتا۔ سلمان اہلبیت (سلمان ہم اہلبیت سے ہیں) ابوذر دیار شام میں چلے گئے اور سلمان عراق میں رہے۔ ابوذر نے جناب سلمان کو خط لکھا کہ خدا نے مجھے تمہارے بعد مال اور لڑکے عنایت کئے اور میں پاک زمین پر فروکش ہوا۔ اس کے جواب میں جناب سلمان نے ابوذر کو کیسی اچھی بات کہی کہ اے ابوذر اس کو خوب یاد رکھو کہ مال اور اولاد کی زیادتی خیر نہیں ہے خیر یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع دے۔ اور تم نے مجھے لکھا ہے کہ تم پاک زمین پر فروکش ہو۔ حالانکہ زمین کسی کے واسطے عمل نہیں کرتی۔ تم خود اس طرح عمل کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اور اپنے آپ کو مردوں سے شمار کرو۔ حذیفہ نے جناب سلمان سے کہا میں تم کو ایک گھر نہ بنا دوں۔ آپ نے پوچھا کیوں کیا میرے لئے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا مدائن میں تمہارا گھر ہے۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ پھوس کا مکان جس کی چھت چٹائی کی ایسی ہو کہ جب تم کھڑے ہو تو وہ تمہارے سر پر گرنے کے قریب ہو اور جب تم سو رہو تو وہ تمہاری آنکھ پر گرنے کے قریب ہو۔ جناب سلمان نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور میری جو خواہش تھی اس کو تم نے بیان کیا۔ آپ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا۔ مگر آپ ایسے زاہد تھے کہ جب وظیفہ ملتا سب کو تقسیم کر دیتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر خود کھاتے تھے آپ نے غزوہ احزاب میں حضرت رسول خدا کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہوا۔ مہاجر کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ ہم میں سے ہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا سلمان منا اھل البیت (سلمان ہم اہلبیت سے ہیں) آپ کی وفات خلیفہ سوئم کی آخری خلافت ۳۵ھ (غالباً ۶۵۶ء) میں ہوئی۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے لیکن ڈھائی سو برس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ آپ کی تین لڑکیاں تھیں ایک اصفہان اور

دوسری مصر میں (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۱) علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے۔ کہ آپ کو آپ کے یہودی مالک سے حضرت رسول خدا صلعم نے خرید لیا تھا جس زمانہ میں آپؓ مدائن کے حاکم تھے اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتے بنتے تھے لوگوں نے کہا آپ حاکم ہیں اور مشاہرہ پاتے ہیں پھر کیوں مزدوری کرتے ہیں؟ تو کہا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنی غذا کا سامان کیا کروں آپ کی ایک چادر تھی جس کی آدھی کو آپ بطور لباس پہنتے اور آدھی کو بطور فرش بچھاتے تھے آپ کا کوئی گھر نہیں تھا دیواروں اور درختوں کے سایہ میں بسر کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ آپ کے رہنے کو مکان بنوا دوں تو کہا مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کی مدح میں فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا پر ہو گا تب بھی اس کو سلمان پا لیں گے۔ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھے چار شخصوں کو دوست رکھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ وہ (خالی چاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ حضرت علیؑ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ اور سلمانؓ ہیں۔ آپ انجیل اور قرآن دونوں کے عالم تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ سلمان مثل حکیم لقمان کے ہیں۔ کعب الاحبار کہتے تھے کہ سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ جناب سلمان کے پاس صہیب و بلال وغیرہ کچھ لوگ موجود تھے وہاں ابوسفیان آیا تو ان لوگوں نے کہا اللہ کی تلواروں نے ابھی تک اس (ابوسفیان) کی گردن نہیں اُڑائی۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے ایں؟ تم لوگ قریش کے بزرگ اور سردار (ابوسفیان) کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو۔ اس کے بعد وہ حضرت رسول خداؐ کے پاس آئے اور کہا یا حضرتؐ میں نے سلمان سے ایسی بات سُنی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنی اس بات سے ان لوگوں کو غضبناک کر دیا۔ یاد رکھو اگر ان لوگوں کو تم نے غضبناک کیا تو یقیناً تم نے اپنے پروردگار عالم کو غضبناک کر دیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر ان کے پاس آئے اور گویا ان سے معافی مانگ لی۔

آپ حکام خدا کی ہر طرف پر نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ابودرداء کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ ابودرداء کی بیوی میلا لباس پہنے میلی صورت بنائے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا تمہارے بھائی (ابودرداء) کو دنیا کی کوئی حاجت نہیں ہے (نہ ان کو کوئی مجھ سے کام ہے پھر کیوں زینت کروں) اتنے میں ابودرداء آ گئے اور جناب سلمان کے لئے کھانا پیش کیا آپ نے کہا تم بھی کھاؤ تو کھاؤں۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ انہوں نے کہا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہ کھاؤں گا۔ اس رات کو جناب سلمان وہیں رہے۔ دیکھا کہ ابودرداء نے رات کو بھی عبادت شروع کی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور کہا جس طرح تم پر خدا کا حق ہے تمہارے اہل کا بھی حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی حق ہے ہر حقدار کا حق پہنچانا چاہیئے (یعنی عبادت بھی کرو بیوی سے معاشرت بھی کرو۔ دوسرے دن دونوں شخص رسولؐ کی خدمت میں گئے اور یہ سب واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا سلمان نے بالکل ٹھیک

کہا ہے ۔غرض آپ کے فضائل و مناقب بیحد و حساب ہیں ۔ آپ کی وفات مدائن میں ہوئی (استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۳) اوپر لکھا گیا ہے کہ اہل علم آپ کی عمر ڈھائی سو سال بتاتے ہیں مگر علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی عمر اسی سال سے زیادہ نہیں تھی ۔

جناب عمّار بن یاسر علیہ الرحمۃ :- مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عمار یمن کے رہنے والے تھے ان کے والد یاسر مکہ میں آئے ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہ تھا شادی کر دی ۔ عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے ۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے ۔ ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا ۔ سمیہ حضرت عمّار کی والدہ تھیں ۔ ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں یاسر حضرت عمار کے والد تھے یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے ۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۱۶۸) اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں عمّار کی کنیت ابوالیقظان تھی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی ان کی والدہ سمیہ تھیں اور پہلی خاتون ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید کی گئیں ۔ جناب عمار تین سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے یہ اللہ کی راہ میں بیحد ستائے گئے ۔

(ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ ص ۱۶)

مسئلہ تقیہ :- جناب عمّار کا واقعہ اسلام کے مشہور مسئلہ تقیہ کو اچھی طرح واضح کرتا ہے ۔ تمام مورخین و مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں (پ ۱۴ ۔ ع ۲۰) جناب عمار ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مشرکوں نے پکڑ کر مارنا شروع کیا اور کسی طرح نہیں چھوڑا یہاں تک کہ انہوں نے نبی صلعم کی برائی بیان کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی اس وقت کافروں نے ان کو چھوڑ دیا ۔ پھر جب یہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت ہی بری خبر ہے میں اس وقت اس سبب سے زندہ بچ کر آیا ہوں کہ میں نے آپ کی برائی بیان کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی ۔ حضرت نے پوچھا کہ تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو ۔ انہوں نے کہا کہ دل تو ایمان پر قائم ہے ۔ حضرتؐ نے کہا کہ پھر کچھ مضائقہ نہیں ۔ اگر اب بھی وہ تم سے ایسا کریں ۔ تو تم پھر ایسا ہی کرنا ۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ ص ۱۶ و استیعاب جلد ۲ ص ۴۲۵) علامہ ابن عبدالبر نے

س واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ هذا مما اجتمع اهل التفسير عليه یہ وہ امر ہے جس پر کل علماء علم تفسیر کا اجماع ہے۔ مورخین بھی باتفاق لکھتے ہیں کہ جناب عمار کو اس طرح تقیہ کرنے کا حکم حضرت نے دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۲۴ و طبری و خمیس و سیرت ابن ہشام وغیرہ) مگر ان حضرات کی قوت ایمانیہ قابل ملاحظہ ہو کہ :۔

لوگ جناب عمار اور ان کے باپ ماں کو جلتے ہوئے پتھر پر لٹاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم ادھر سے گزرے تو فرمایا اے آل یاسر صبر کرو کیوں کہ تم لوگوں کی وعدہ گاہ جنت ہے۔ یاسر تو اسی عذاب میں مرگئے اور سمیہ نے ابوجہل کو برابر کا جواب دیا تو اس نے آپ کی اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے وہ فوراً جاں بحق تسلیم ہوگئیں اور یہ اسلام میں پہلی شہید بی بی ہیں۔ اور جناب یاسر پر لوگوں نے اور زیادہ سختی کی کہ کبھی ان کو ڈبو دیتے (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۲۴) ایک مرتبہ رسول خدا صلعم کا گزر عمار بن یاسر کی طرف ہوا وہ رو رہے تھے اور اپنی آنکھیں مل رہے تھے رسول خدا نے پوچھا کیا حال ہے کیا کافروں نے پکڑ کر تم کو پانی میں غوطہ دیا اور تم نے ایسا ایسا کہا اگر اب پھر وہ ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کہہ دینا۔ سعید بن جبیر کہتے تھے میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ کیا مشرکین مسلمانوں کو ایسا ستاتے تھے کہ مسلمان اپنے دین کو چھوڑ دینے میں معذور سمجھے جاتے تھے انہوں نے کہا اللہ کی قسم بہت مارتے تھے بھوکا رکھتے تھے پیاسا رکھتے تھے کہ اٹھ کر بیٹھنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ کہتے تھے کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں اس کو منظور کرو۔ اور کہو لات وعزیٰ ہمارے معبود ہیں اللہ ہمارا معبود نہیں ہے جب وہ ایسا کہہ دیتے تھے تو چھوڑے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مزدور اس طرف سے نکلتا تو کہتے کہ یہی تیرا معبود ہے۔ اللہ تیرا معبود نہیں۔ جان بچانے کے لئے اس کا بھی اقرار کرنا پڑتا تھا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صـ۶۲) حضرت عمار نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور غزوہ احد و خندق و بیعتہ الرضوان میں رسول خدا صلعم کے ساتھ شریک تھے۔ اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جناب عمار بن یاسر غزوہ احد وغیرہ میں بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ اے لوگو عمار کی روش سیکھو مسلمانوں میں خالد بن ولید کا بڑا درجہ مانا جاتا ہے اور ان کو سیف اللہ کا لقب دیا جاتا ہے مگر جناب عمار کے مقابلہ میں خالد بھی کوئی چیز نہ تھے۔ خود خالد کہتے تھے کہ میرے اور عمار کے درمیان کچھ گفتگو ہوگئی تو میں نے ان کو سخت بات کہی اس پر عمار میری شکایت کرنے حضرت رسول خدا کے پاس گئے۔ اس کے بعد میں بھی آنحضرت کی خدمت میں پہنچا اس وقت عمار میری شکایت کر رہے تھے۔ وہاں بھی میں نے ان کو سخت باتیں کہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم چپ بیٹھے ہوئے تھے کچھ بولتے نہیں تھے۔ میری گالی دینے پر عمار رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ خالد کا ظلم ملاحظہ نہیں فرماتے تب رسول خدا نے سر اٹھایا اور فرمایا جو شخص

عمارؓ سے دشمنی رکھے اللہ اس سے دشمنی رکھے جو شخص عمار سے بغض رکھتا ہو اللہ بھی اس کو مبغوض بنادے۔ خالد کہتے تھے اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ کسی طرح عمار مجھ سے راضی ہو جائیں۔ چنانچہ میں وہاں سے نکل کر عمار سے ملا تو وہ راضی ہو گئے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ عمار ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں گئے اور اندر جانے کی اجازت مانگی تو آنحضرتؐ نے ان کو یہ کہہ کر اجازت دی۔ مرحبا بالطیب المطیب (مرحبا پاک دپاکیزہ صحابی کے لئے جگہ بہت کشادہ ہے وہ خوشی سے آئیں) رسول خدا نے فرمایا کہ عمار کے سامنے جب کبھی دو باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں جس میں نیکی اور خوبی زیادہ ہوتی ہے۔

جناب عمارؓ کا ایک کان کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا اس وجہ سے ایک شخص نے حضرت عمار سے کہا اے کن کٹے غلام۔ انہوں نے کہا میرے کان کی خبر اس قدر مشہور ہو گئی۔ جناب عمار پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے مسجد بنائی۔ کیوں کہ جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے پتھر جمع کئے اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی پس یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو بنائی گئی۔ جناب عمار سلیمہ کذاب کی لڑائی میں شریک تھے۔ آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں سب کے بیان کرنے میں طول ہوگا۔ خلیفہ دوم ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عمارؓ رسول خدا صلعم کے برگزیدہ اصحاب سے تھے۔ یہ علیؑ کی خدمت میں رہنے لگے تھے اور حضرت کے ساتھ جنگ جمل اور صفین میں شریک ہوئے جن میں آپ نے کارنمایاں انجام دئے۔

جناب مقداد علیہ الرحمۃ:۔ جناب مقداد بن عمرو حضرت رسول خداؐ کے مقدس صحابی تھے۔ آپ کو مقداد کندی بھی کہتے ہیں آپ ان لوگوں میں ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ پھر حبشہ سے مکہ واپس آئے اور جب رسول خدا صلعم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو مقداد ہجرت نہ کر سکے بلکہ مکہ میں رہے اس وقت تک کہ رسولؐ نے علبیدہ بن حارث کو ایک سریہ کا افسر کر کے بجانب مکہ روانہ فرما دیا۔ یہ لوگ مشرکوں کی اس جماعت سے ملے جن کا سردار عکرمہ بن ابو جہل تھا اور مقداد وہاں بھی مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کسی حیلہ سے مسلمانوں کی جماعت تک پہنچ جائیں غرض دونوں فریق ملے مگر لڑائی سے باز رہے پھر موقع پا کر مقداد و عتبہ مسلمانوں کی جماعت میں مل گئے مقداد غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اس غزوہ میں ان سے کارنمایاں ظاہر ہوئے۔ جب رسول بدر کی طرف روانہ ہوئے اور ان کو یہ خبر پہنچی کہ قریش روانہ ہو چکے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے قافلہ کو سفر سے روک دیں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا اس مشورہ میں جناب

نے حضرت رسول خدا صلعم کی اطاعت و رضا جوئی کا سب سے زیادہ ثبوت دیا۔ کیوں کہ اکثر لوگوں کے مشورہ سے حضرت رسول خدا صلعم کو رنج پہنچا۔ اور بار بار آپ فرماتے رہے کہ پھر تم لوگ مشورہ دو آخر جناب مقداد نے کہا۔" یا حضرت ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰؑ کے اصحاب نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰؑ آپ اور آپ کے اللہ جائیں اور آپ دونوں جہاد کریں۔ ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں (تفسیر درمنشور جلد ۳ صـ۶۶ جناب مقداد نے یہ بھی کہا قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی بنا کر دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ ہم سب کو برک عماد تک لے چلیں گے تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہو کر تندہی اور جانفشانی سے ان لوگوں سے مقابلہ کریں گے جو برک عماد سے اس طرف ہیں۔ اور آپ مقام مطلوب تک بہ آسانی پہنچ جائیں گے۔ آپ کی اس تقریر سے حضرت رسول خدا کا وہ صدمہ زائل اور وہ غیظ و غضب رفع ہو گیا جو دیگر حضرات کے جواب سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور آپ نے جناب مقداد کی تعریف کی اور ان کے واسطے دعا فرمائی۔ راوی کہتا ہے کہ اس بات پر میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور اس بات کو آپ نے نہایت درجہ پسند کیا۔ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ جنگ بدر، احد اور کل غزوات میں شریک رہے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ نے مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ خود بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔ کسی نے سوال کیا یا حضرت ان کے نام بتا دیجئے تو فرمایا وہ علیؑ۔ ابوذرؓ۔ سلمانؓ اور مقدادؓ ہیں۔ جناب مقداد فتح مصر میں شریک تھے حضرت عثمان کے عہد خلافت میں آپ نے بمقام جرف اپنی زمین میں ۳۳ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں آپ کی لاش آئی اور وہیں آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔ جناب مقداد کی یہ جلالت، قدر تھی کہ ایک مرتبہ وہ اور عبدالرحمٰن بن عوف بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا اے مقداد تم شادی کیوں نہیں کرتے۔ مقداد نے کہا تم اپنی بیٹی سے کر دو تو میں کر لوں۔ عبدالرحمٰن نے اس بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نہایت درجہ غضبناک ہو کر مقداد کو بہت کچھ گالیاں دے ڈالیں۔ مقداد نے اس کی شکایت رسول خدا صلعم سے کی تو حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری شادی میں کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی چچازاد بہن ضباعہ دختر زبیر بن عبدالمطلب سے ان کی شادی کر دی (اصابہ جلد ۶ صـ۱۳۴) آپ کی موت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ آپ بلغمی موٹے آدمی تھے۔ پیٹ بھی نکلا ہوا تھا۔ آپ کے پاس ایک رومی غلام تھا۔ اس کمبخت نے کہا کہ میں آپ کا پیٹ چاک کر کے چربی نکال دیتا ہوں اس سے آپ کا بلغم نکل جائے گا اور آپ ہلکے ہو جائیں گے۔ آپ نے

اس کی بات مان لی۔ اس نے آپ کا پیٹ چاک کر کے پھر سی دیا جس سے آپ انتقال کر گئے اور وہ غلام بھاگ گیا۔ (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴) پہلے سات شخص جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان میں آپ بھی تھے۔ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے فاضل۔ نجیب الشان اور نیکو کار صحابہ سے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کو سات شریف وزیر اور رفیق ملتے تھے اور مجھے چودہ ملے ہیں۔ جن میں جعفر۔ حمزہ۔ علی۔ حسن۔ حسین۔ سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد۔ بلال بھی ہیں۔ جب آپ مدینہ میں پہونچے تو حضرت کے ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے۔ (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۹) جناب مقداد اور حضرت علیؑ میں بڑے اچھے مراسم تھے اور آپ حضرت کے مخصوص اصحاب میں تھے ملا ابوالقاسم ومشقی نے ابوسعید خذری سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہ سے دوپہر کا کھانا طلب کیا جناب سیدہ نے قسم کھائی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور حیا کی وجہ سے آپ سے ذکر نہ کر سکیں۔ حضرت اسی فکر میں باہر نکلے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے۔ دیکھا مقداد باحال پریشان چلے آتے ہیں۔ دھوپ کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور صورت بدل گئی ہے۔ حضرت نے سبب پوچھا تو کہنے لگے اس وقت کچھ نہ پوچھئے اور مجھے جانے دیجئے۔ حضرت امیر نے فرمایا بھائی تم کو تو یہ مناسب نہیں کہ اپنا حال مجھ سے چھپاؤ۔ تب جناب مقداد نے عرض کی مولا میں کیا کہوں۔ میرے بچے اس وقت سے رو رہے ہیں۔ اور مجھ سے ان کا حال تباہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے بھائی جو باعث تمہارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی مجھے بھی درپیش ہے۔ مگر میں اپنے اوپر تمہیں ترجیح دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دینار ان کے حوالے کیا۔ اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آئے۔ یہاں خدا نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ اہلبیت خود بھوکے رہتے ہیں مگر دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں۔ (پ ۲۸ - ع ۴) جامع صغیر علامہ سیوطی میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا یقیناً بہشت چار شخصوں کی مشتاق ہے۔ علیؑ۔ عمار۔ سلمان اور مقداد (مجالس امیر المومنین مطبوعہ ایران ورق ۱۴۱)

جناب جابر بن عبداللہ انصاری :-

آپ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں اور خوش قسمت ایسے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ حضرت کے پانچ جانشیں جناب امیرؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ۔ حضرت زین العابدینؑ اور حضرت محمد باقرؑ کا زمانہ پایا اور ان حضرات کی صحبت میں رہ کر ارشاد و ہدایات سے مستفیض ہوتے رہے سلسلہ نسب یہ ہے۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن اسلمہ آپ انصاری ہیں۔ آپ کی جائے ولادت بھی مدینہ منورہ

ہے ۔ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں بحالت صغیر سنی اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے ۔ آپ بیان کرتے تھے کہ میں حضرت رسول اللہ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا مگر غزوہ بدر و احد میں شریک نہیں ہو سکا ۔ کیوں کہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا ۔ جب وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرتؐ سے جدا نہیں ۔ ہا ۔ آپ کہتے تھے کہ رسولؐ خدا تو میرے لئے اونٹ والی رات میں ۲۵ بار استغفار کیا ۔ اونٹ والی رات سے مراد وہ رات ہے جس میں انہوں نے رسول خدا کے ہاتھ ایک اونٹ بھیجا تھا اور یہ شرط کر لی تھی کہ مدینہ تک میں اس پر سوار ہو کر چلوں گا ۔ یہ واقعہ ایک جہاد کا ہے ۔ غرض آپ برابر آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ۔ اس سبب سے آنحضرت کی حدیثیں بھی بکثرت نقل کیں ۔ آپ جنگ صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ بھی تھے (استیعاب جلد ا صـ۸۹) حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ جابر آخری شخص ہیں جو اصحاب پیغمبر سے رہ گئے تھے اور ان کی بازگشت ہم اہلبیت کی طرف ہوئی ۔ فضل بن شاداں سے روایت ہے کہ جابر ان صحابہ سابقین سے تھے جو آنحضرتؐ کے بعد جناب امیر کے شیعوں میں داخل ہوئے اور ابن عقدہ نے بھی جو اکابر محدثین اہل سنت سے ہیں تصریح کر دی ہے کہ جابر نے دامن اہلبیت سے تمسک کیا اور انہیں حضرات کی متابعت میں عمر بسر کر دی ۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ کربلا کے خونی واقعہ کے بعد حضرت امام حسینؑ کے روضہ منورہ کی زیارت کا شرف سب سے پہلے جناب جابر ہی کو حاصل ہوا ۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے ۔ جب حضرات اہلبیت قید سے چھوٹ کر چلے تو رہبر سے کہا کہ ہم کو کربلا کی طرف سے لے چلو اس طرح یہ حضرات دوبارہ کربلا میں داخل ہوئے تو جابر بن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کی ایک جماعت اور آل رسولؐ کے ایک گروہ کو کربلا میں پایا جو سب کے سب روضہ امام حسینؑ کی زیارت کو حاضر ہوئے تھے ۔ دونوں قافلے جس وقت ملے ہیں شور و گریہ کا نعرہ بلند کیا ۔ ہر شخص اپنے منہ پر طمانچہ مارنے لگا اور ایسا کہرام بپا ہوا کہ اس کو سن کر غیروں کے جگر بھی ٹکڑے ہونے لگے ۔ (بحار جلد ا صـ۲۲۹) اور زیارت اربعین کی تاکید میں چند وجہوں کو لکھ کر اور سب کو ضعیف قرار دے کر تحریر فرمایا ہے ۔ حدیثوں سے دو معقول وجہیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ سب سے پہلے جو بزرگ آنحضرتؐ کے صحابہ سے جناب امام حسینؑ کے روضہ کی زیارت کے لئے آئے اور اس شرف کو حاصل کیا وہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری تھے ۔ اور وہ اسی روز اربعین کو کربلا میں پہنچے اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی زیارت کی زیارت بھی کی اور چونکہ جناب جابر بزرگ صحابہ سے تھے اور اس عظیم الشان عبادت (زیارت امام حسینؑ علیہ السلام) کی بنیاد انہیں نے قائم کی اس سبب سے ہو سکتا ہے کہ آج کے روز حضرت امام حسینؑ کی زیارت کا پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہو ۔ (زاد المعاد اعمال اربعین) اس بیان سے آپ کی جلالت قدر منتہائے کمال پر پہنچ گئی کہ محض آپ کے سبب سے خا

نے حضرت امام حسینؑ کی زیارت بروز اربعین کا خاص شرف و فضل مقرر کیا۔ غرض خاندان رسالتمآب صلعم سے آپ کی خصوصیات بہت زیادہ ہیں منجملہ ان کے ایک یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب کربلا سے لٹ کر مدینہ میں جناب زینبؑ اپنے اور اپنے بھائی کے غم میں زندگی بسر کرنے لگیں تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے بھتیجے سید سجادؑ عبادت خدا میں ہلاک ہوئے جا رہے ہیں اور کسی طرح اس سے آپ کو سیری نہیں ہوتی تو آپ کی حالت پر بیچین ہو کر خود جناب جابر بن عبداللہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان سے کہلایا جد بزرگوار کے جلیل القدر صحابی آپ جانتے ہیں کہ آپ پر ہمارے خاندان کے کتنے حقوق ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ دیکھیں ہم میں کوئی شخص عبادت خدا میں ہلاک ہو رہا ہے تو اس کو خدا کا واسطہ دے کر اپنی حالت پر رحم کرنے کے لئے آمادہ کریں۔ دیکھئے سید سجاد عبادت خدا میں کس قدر متغیر ہو گئے ہیں۔ جابر آپ جانتے ہیں کہ اب میرے بھائی کی نشانی روئے زمین پر یہی فرزند رہ گیا ہے جو تمام خاندان کا ملجا و ماوی ہے۔ آپ ان سے کہیئے کہ وہ اپنی حالت پر رحم کریں (امالی و مناقب ابن شہر اشوب علیہ الرحمہ ص۱۱۱) ابو الزبیر مکی کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے دریافت کیا کہ علیؑ بن ابیطالب کیسے شخص تھے۔ جناب جابر کی بھویں بڑھاپے سے آنکھوں پر لٹک آئی تھیں ان کو الٹا کر انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ خیر البشر تھے۔ خدا کی قسم ہم لوگ جناب رسالتمآب صلعم کے زمانہ میں منافقوں کو حضرت علیؑ کے بغض و عداوت سے پہچان لیتے تھے۔ (جو شخص حضرت علیؑ سے بغض رکھتا تھا وہ سچا مسلمان نہیں بلکہ منافقین کی جماعت سے ہوتا تھا جو اسلام کے مٹانے کے درپے رہتے تھے۔)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ اصحاب رسولؐ سے جو لوگ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے ان سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔ وہ ہم اہلبیت سے متمسک رہے دور آخر میں ان کی یہ حالت تھی کہ مسجد رسول صلعم میں سیاہ عمامہ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم پکارا کرتے تھے مدینہ والے یہ سن کر کہتے کہ یہ جابر کیا مہملات پکارا کرتے ہیں۔ جس کا جواب جناب جابر دیتے کہ میں خدا کی قسم لغو نہیں بکتا ہوں۔ بلکہ مجھ سے جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا تھا کہ اے جابر تم میرے اہلبیت کے ایک فرزند سے ملوگے جس کا نام میرا نام اور جس کی صورت و سیرت میری صورت و سیرت ہوگی۔ وہ کل علموں کا باقر ہوگا۔ اسی قول رسولؐ کی وجہ سے میں اس باقر کو پکارتا ہوں۔ چنانچہ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعتہً اس گلی میں پہنچ گئے جس میں مدرسہ تھا۔ وہاں حضرت محمد (باقرؑ) ابن علیؑ (زین العابدینؑ بن حسینؑ) تشریف فرما تھے۔ جناب جابر نے آپ کو دیکھا اور رسالتمآب صلعم کے حلیہ سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے ذرا میری طرف رخ کیجئے۔ حضرت نے ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے کہا اب ذرا

پشت ادھر کیجئے حضرت پھر گئے جب پشت دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہ ہو بہ شمائل رسول خدا صلعم ہیں اور پوچھا صاحبزادے آپ کا اسم گرامی فرمایا محمد بن علیؑ۔ یہ سن کر جناب جابر دوڑ پڑے اور حضرت کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسول صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ آنحضرتؐ کا سلام آپ کو پہنچا دوں۔ اس کا جواب حضرت نے دیا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھی سلام پہنچے اور آپ بھی میرا سلام قبول کیجئے۔ اس کے بعد جناب جابر نے عرض کی یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بروز قیامت آپ میری شفاعت کی ضمانت فرمالیں۔ حضرت نے جواب دیا جابر ہاں میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی صـ۲۹) اس کے بعد جناب جابر نے عادت کرلی کہ ہر روز بلا ناغہ صبح و شام حضرت باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جس پر اہل مدینہ تعجب کرتے اور مضحکہ کرتے کہ جابر کو کیا ہو گیا ہے جو اس بچے کی خدمت میں اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں وکان جابر واللہ یاتیہ یتعلم منہ خدا کی قسم جابر امام محمد باقرؑ سے علم حاصل کرتے تھے۔

ابو زبیر بیان کرتے تھے کہ میں دیکھا جناب جابر ہاتھ میں عصا لئے ہوئے مدینہ کی گلیوں اور لوگوں کے مجمعوں میں گھومتے پھرتے اور کہتے جاتے تھے علی خیر البشر من ابی فقد کفر حضرت رسول خدا صلعم کے بعد کل لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں۔ جو شخص ان سے انکار کرے گا وہ کافر ہے۔ اے انصار رسولؐ تم لوگ اپنی اولاد کو حضرت علیؑ کی محبت سکھاؤ۔ اور اگر کوئی بچہ حضرت علیؑ کی محبت سے انکار کرے تو اس کی ماں کی عفت کی تحقیق کرو کیوں کہ یہ اسی کے سبب سے ہے۔

جناب جابر اگرچہ معرفت و یقین کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے مگر پھر بھی صحابی ہی تھے۔ امام نہ تھے۔ اس سبب سے معرفت کا وہ درجہ حاصل ہی نہ کر سکتے تھے جو انبیاء و آئمہ طاہرین سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جناب جابر آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تو حضرت امام باقرؑ آپ کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو جناب جابر نے کہا کہ میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے بہتر۔ بیماری کو تندرستی سے اچھا اور مرنے کو زندہ رہنے سے افضل جانتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت امام باقرؑ نے تنبیہہ اور ارشاد کے طور پر بیان فرمایا اے جابر لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ اگر خدا ہم کو بوڑھا کر دے تو بڑھاپے ہی کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور جوان کر دے تو جوانی کو خوب سمجھیں اور اگر بیمار رکھے تو بیماری کو پسند کریں اور شفا عطا فرمائے تو شفا ہی میں راضی ہیں۔ اگر موت دے تو موت ہی کو گوارا کریں اور اگر زندہ رکھے تو زندگی ہی کو اختیار کریں۔ غرض خدا ہمیں جس حال میں رکھے اسی حالت کو اپنے لئے سب سے بہتر اور مناسب و نفع بخش

سمجھیں۔ جناب جابر نے یہ سُنا تو فرطِ مسرت سے اُٹھے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر فرمایا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے کس قدر سچ فرمایا تھا کہ اے جابر تم میری اولاد سے ایک ایسے لڑکے سے ملوگے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ معرفت کو اس طرح شگافتہ کرے گا جس طرح زمین کو بیل زراعت کے لئے شگافتہ کر دیتا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جناب جابر مرتبہ صبر پر فائز تھے جناب محمد امام باقر مرتبہ رضا پر (مجالس المومنین ص۱۱۷) علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے مسجد نبوی صلعم میں لوگ جابر کو حلقہ کئے رہتے اور آپ اپنی داڑھی اور سر میں زرد خضاب لگاتے تھے۔ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اصحاب رسولؐ سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان سب کے آخر جناب جابر تھے۔ آپ نے ۷۸ھ (غالباً ۶۹۸ء) میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپ کے جنازے کی نماز نہ پڑھائے (اصابہ جلد ۱ ص۲۲۳)

جناب حذیفہ علیہ الرحمۃ:۔ حذیفہ بن یمان انصاری حضرت رسول خدا صلعم کے بڑے مقدس صحابی تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں احد وغیرہ میں شریک ہوئے ان کے والد اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کا نام اسی طرح لیا جاتا تھا حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا صلعم نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہیں بتلائے۔ حضرت عمر کی عادت تھی جب کوئی شخص مر جاتا تو جناب حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوگے۔ اگر وہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے تو حضرت عمر اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ورنہ ہٹ جاتے۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ آپ کو منافقین کا حال کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ ابوبکر و عمر کو بھی معلوم نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا شب عقبہ میں رسولؐ کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرت کو نیند آگئی تھی تو میں نے سُنا کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ ان کی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان کے ہاتھ سے نجات ملے۔ یہ سُن کر میں ان کے درمیان پہنچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس سے حضرت بیدار ہو گئے اور پوچھا کون۔ میں نے عرض کی حذیفہ پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتائے حضرت نے فرمایا یہ سب منافقین ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا۔

جناب حذیفہ حضرت رسول صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ ان سے بچیں۔ جب ان پر موت کی کیفیت طاری تو انہوں نے بہت جزع کی اور روئے کسی نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں کہا دنیا کے چھوڑنے پر نہیں روتا بلکہ اس پر کہ مجھے معلوم نہیں خدا کی رضامندی کی طرف جا

...ہوں یا ناخوشی کی طرف۔ ان کی وفات ۳۶ھ ، ۶۵۵ء میں ہوئی۔

...جناب سعد بن عبادہ انصاری رحمتہ اللہ:۔ قبیلہ انصار کے شریف اور سردار بزرگ تھے تمام مشاہد میں انصار ...علم انہیں کے پاس رہتا تھا۔ یہ انصار میں صاحب وجاہت و ریاست تھے۔ رسولؐ کے پاس ...ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا لاتے تھے۔ ایک دفعہ سعد آنحضرتؐ کو اپنے گھر ...لائے اور ایسی خصوصیت برتی کہ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کہ "اے اللہ اپنا درود اور رحمت سعد ...بن عبادہ کی آل پر نازل فرما۔ سعد بہت غیرت مند آدمی تھے آنحضرت نے آپ کی عزت کی ہی ...مدح فرمائی ہے۔ جب رسول خداؐ صلعم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر و عمر سقیفہ میں جمع ہو کر ...خلافت کا انتظام کرنے لگے تو جناب سعد کو بہت رنج ہوا کیوں کہ تمام انصاری کہتے رہے کہ لا نبایع الا علیا ہم لوگ حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کریں گے (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۸) ...آپ نے نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور نہ حضرت عمر کی بلکہ شام کی طرف چلے گئے۔ یہاں تک کہ ...۱۱ھ یا ۱۴ھ ۱۵ھ میں مقام حوران میں انتقال کیا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کا مزار مشہور ہے۔ جس کی زیارت آج تک ہوتی ہے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۹۴) جب آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تو آپ پر بڑی بڑی سختیاں کی گئیں اور اس تک کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ آپ صحابی رسولؐ ہیں۔ خود حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا آوازیں بلند ہو گئیں تو مجھے اختلاف کا خوف ہوا یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کر لوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے جھٹ بیعت کر لی پھر اور لوگوں نے بیعت کر لی۔ پھر ہم لوگ سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے کسی طرفدار نے کہا ہائے تم نے سعد کو قتل کر ڈالا میں (حضرت عمر) نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے۔ بیچارے سعد اس وقت نہایت کمزور اور بیمار تھے اس سبب سے ان لوگوں کو موقع مل گیا کہ جس جس طرح ممکن ہوا ان کو سزا دی صرف اس غصہ میں کہ کیوں انصار ان کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ جب انصار نے دیکھا کہ یہ لوگ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ پھر انصار ہی میں سے کوئی شخص کیوں نہ خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اور کہنے لگے ایک حاکم تم لوگوں میں سے ہو اور ایک انصار میں سے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے تو قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں جس پر ان کے ساتھیوں نے انہیں روکا۔ مگر حضرت عمر بولے سعد کو قتل کر ڈالو خدا بھی اس کو قتل کر دے پھر ان کے سر پر چڑھ گئے اور کہنے لگے میں نے ٹھان لیا ہے

کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالوں گا اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی بھی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے۔ تب حضرت عمر سعد کے اوپر سے اترے۔ اس وقت سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی بھی قوت ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری وہ ہیبتناک آواز سنتے جس پر تم اور تمہارے ساتھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے سردار نہیں بننے پاتے مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے اس جگہ سے اٹھا لے چلو۔ لوگ ان کو اٹھا لے گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۰) آپ اس زمانہ میں عربی رسم الخط لکھتے تھے۔ اور تیرنے، تیراندازی میں بہت ماہر تھے۔ آپ ایسے سخی تھے کہ عالیشان محل پر ہر روز آپ کی طرف سے منادی کی جاتی تھی کہ جس کو گوشت اور چربی کھانا ہو وہ چلا آئے۔ اہل صفہ سے ہر رات میں اسی آدمیوں کو آپ لے جا کر کھلاتے پلاتے تھے۔ (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۸۰)

جناب عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ: حضرت رسولؐ خدا و جناب امیرؑ کے چچا زاد بھائی اور جناب امیر کے خاص شاگرد بھی تھے ان کو لوگ بحر اور حبر الامہ بھی کہتے تھے۔ آپ حضرت رسولؐ خدا کی حدیثوں و رسولؐ کے احکام شعر۔ عربیت۔ تفسیر قرآن حساب فرائض وغیرہ کے بڑے علامہ تھے۔ صحابہ میں جب اختلاف ہوتا کہ کس کی بات صحیح ہے تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ حدیث قرطاس یاد کر کے بہت رویا کرتے تھے اور کہتے تھے افسوس لوگوں نے رسول صلعم کو وصیت نہیں لکھنے دی۔ آپ کو حضرت علیؑ نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت علیؑ کے ساتھ آپ جنگ صفین میں شریک تھے۔ آپ نے ۶۸ھ میں بمقام طائف انتقال کیا۔ آپ کے جنازے کی نماز جناب محمد بن حنفیہ نے پڑھائی۔ ان کی وفات پر جناب محمد حنفیہ کہتے تھے واللہ اس امت کا عالم مر گیا۔ آپ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ آپ ہی کی روایت سے ہے جو صحیح بخاری مسند احمد۔ کنز العمال وغیرہ میں بھرا ہوا ہے۔

جناب حجر بن عدی: آپ حضرت رسولؐ خدا صلعم کے صحابی بھی ہیں مگر زیادہ زمانہ حضرت امیر المومنین کے ساتھ گذرا۔ علامہ ابن اثیر آپ کے حالات میں لکھتے ہیں آپ حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آنحضرت کی خدمت میں یہ اور ان کے بھائی

ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلا صحابہ میں تھے۔ جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے۔ اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے آپ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے سختی اور بد چلنی شروع کی تو حجر نے اس کی بیعت فسخ کر دی۔ شیعیان علیؑ کی ایک جماعت ان کی پیرو ہو گئی۔ ایک دن تاخیر نماز کی بابت انہوں نے اور ان کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے ان کی شکایت معویہ کو لکھ بھیجی معویہ نے لکھا کہ ان کو مع ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بڑی جماعت تھی۔ جب یہ مقام مرج عذرائیں پہنچے تو کہا میں پہلا مسلمان ہوں جو اس پر مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔ پھر یہ اور ان کے اصحاب عذرا و نواحی دیہات میں جو دمشق کے پاس ہے اترے۔ معویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر معویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی تو وہ چھوڑ دیئے گئے اور حجر اور ان کے ساتھ ۶ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ جب لوگوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا میرے ہتھیار نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا میں قیامت میں اسی طرح معویہ سے ملوں گا۔ جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بدسلوکی کی خبر ملی تو انہوں نے عبدالرحمٰن کو معویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لئے حجر اور اُن کے اصحاب کی بے حرمتی نہ کرنا۔ مگر عبدالرحمٰن کے پہنچنے سے پہلے حجر قتل ہو چکے تھے تو عبدالرحمٰن نے معویہ سے کہا تم نے ان کو قید کیوں نہ کر دیا۔ یا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیج دیا۔ معویہ نے کہا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے لوگ نہ تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تم کو نہ صاحب علم سمجھیں گے۔ نہ صاحب عقل تم نے ایسے لوگوں کو قتل کرا دیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے۔ معویہ نے مدینہ آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی تو ممدوحہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ان پر اعتراض کیا۔ معویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں خدا کے ہاں ملیں۔ ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کی وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہو سکا اٹھ کھڑے ہوئے اور زور زور سے رونے لگے۔ حسن بصری حجر اور ان کے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ سمجھتے تھے۔ ان کا قتل ۵۲ھ میں ہوا۔ ان کی قبر مقام عذراء میں مشہور ہے جو دمشق سے صرف دو فرسخ ادھر ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صـ۲۶۱)

جناب حجر حضرت امیرؑ المومنین اور امام حسنؑ کے مخصوص شیعوں سے تھے اسی وجہ سے معویہ نے آپ کو بڑے ظلم سے شہید کیا جناب ابوذر غفاری کی وفات ربذہ میں ہوئی تو ان کے دفن میں حجر بھی شریک تھے۔

معویہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ حضرت امیرالمومنین (علیؑ) پر لعنت کرو انہوں نے کس خوبصورتی سے اس پر عمل کیا۔ کہا ان امیر ابو خذ امرنی ان العن علیا فالعنوہ لعنہ اللّٰہ یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ حضرت علیؑ پر لعنت کروں۔ پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے۔ چونکہ آپ شیعان کوفہ کے رئیس تھے اس وجہ سے زیاد نے آپ کو قتل کرانے کی تدبیر کی جب اس نے آپ کو گرفتار کر کے معویہ کی طرف روانہ کیا اور یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دمشق کے قریب پہنچے تو معویہ نے ایک افسر کو ان کی طرف بھیج کر حکم دیا کہ اگر وہ محبت علیؑ سے باز آئیں تو چھوڑ دو ورنہ قتل کر دو اس نے آکر کہا مگر جناب حجر نے حضرت امیرالمومنین کی محبت نہیں چھوڑی تو اس نے قتل کر دیا۔ آپ کے عشق امیرالمومنین کی یہ حالت تھی کہ زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے جب بلایا اور کہا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ان کی تعریف کرتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے کہا اس کو مارو۔ سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے۔ پھر چھوڑ کر پوچھا کہ اب کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تو استرے سے میری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے تب بھی میں حضرت کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا۔ جو رسولؐ خدا سے آپ کے فضائل و مناقب میں سنا ہے (تاریخ کامل جلد ۳ صـ۱۸۹) جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب معلوم ہوا کہ کل قتل کئے جائیں گے تو اس رات کو شب بھر یہ حضرات عبادت خدا کرتے نمازیں پڑھتے اور تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسرے دن جب یہ قتل ہونے لگے اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلی تلوار لگائی تو پھر کہا اب بھی علیؑ سے برات کر دو تو چھوڑ دئے جاؤ گے آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا آخر قتل کر دیئے گئے (کامل جلد ۳ صـ۱۹۲)

جناب قنبر رحمتہ اللّٰہ علیہ :۔ حضرت امیرالمومنین کے مشہور غلام تھے۔ حضرت آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی آپ کے بڑے جاں نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا مولیٰ من ضرب بسیفین وطعن برمحین وصلی القبلتین وھاجر الھجرتین ولم یکفر باللہ طرفتہ عین اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا۔ اور دو نیزوں سے لڑتا تھا جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی دونوں بیعتیں کیں۔ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرت کی کرتے تھے۔ حجاج نے آپ کو بھی قید کر کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کون سی خدمت انجام دیتے تھے۔ کہا وضو کے لئے حضرت کے پاس پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے کہا آیت

کی تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے (پھر جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر نعمت کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پاکر خوش ہوئے تو ہم نے انہیں ناگہاں لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہوکر رہ گئے۔ (پ ۷ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھنے اور ہم لوگوں کو ہی اس کا مصداق جانتے اور انہیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ حجاج نے کہا اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو۔ قنبر نے کہا سبحان اللہ زہے نصیب میرے تو میں پھر شہیدوں کا درجہ پالوں گا۔ اور تو ظالموں بدبختوں کے گروہ میں ہو جائے گا۔ حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دئے گئے (رجال کشی ص۴۸)

ابو النوار جو کہ پاس کا (سوتی) کپڑا بیچتا تھا کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے اور پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو قنبر نے ان دونوں میں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا کپڑا خود پہنا۔ (ینابیع المودت و ریاض نفرہ جلد۲ ص۲۲۹)

جناب مالک اشتر علیہ الرحمہ:۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے۔ آپ کا نام مالک اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو حضرت امیرالمومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرت کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المنزلت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرت نے سُنی تو فرمایا وہ میرے لئے ویسے ہی تھے جیسا میں حضرت رسولؐ خدا کے لئے تھا۔ یہ بھی فرمایا رحمہ اللہ مالکا وما مالك عز علی بہ ھالکا۔ لوکان صخرۃ لکان صلدا ولوکان جبلا لکان فندا کان قد فی قدا خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لئے بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت و وفا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے تو بڑے اونچے پہاڑ تھے ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دئے تھے۔

عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب انہوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا کہ اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہر کہ میں دیر سے تیری فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر میری نظر ہے۔ اب دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہوں ذرا مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کیا۔ دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزہ کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے۔ آخر مالک اشتر نے

عبداللہ بن زبیر کو ایسا زبردست نیزہ لگا یا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آ رہے مالک اشتر بھی گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس روز آپ روزہ سے تھے۔ اس سے پہلے بھی روزے سے کچھ کھایا نہ تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے آخر حضرت امیر المومنین اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔ جنگ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے اُستاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔

جنگ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازار موت گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزہ لئے ہوئے شیر ژیان کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو الٹتے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معویہ کے لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرآنوں کو نیزوں پر بلند کر دیا جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکا کھا گئی اور حضرت کو مجبور کیا کہ آپ جنگ روک دیجئے۔ حضرت نے ہاتھ روک لیا۔ تو سب نے کہا کہ مالک اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ مالک اس وقت بڑی تاک میں تھے دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھاڑا ہی چاہتے ہیں اتنے میں حضرت کا قاصد پہنچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ انہوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرت کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔ یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے۔ حضرت نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔ پھر جب معویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کر دیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرت نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انہیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا۔ مگر خوارج نے اعتراض کیا تب حضرت نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔ جس سے معلوم ہوا مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل اور بے نظیر نہ تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلہ میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور حضرت

کی فوج والے اگر اس پر راضی ہوجاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہ ہونے دیتے۔
معویہ نے ۳۸ھ کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۹ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرت نے مالک اشتر کو جو اس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کر دیا۔ جب معویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لئے روز بددعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گذریں گے تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تک تمہارا اخراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہوگیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزہ سے تھے اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہوگئے۔ معویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے۔ اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے کیوں کہ عمار یاسر صفین میں شہید ہوچکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہوگئے (تاریخ طبری جلد ۹ ص ۵۴)، مگر حضرت علیؑ نے سنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس کہ وہ راستہ ہی میں شہید ہوگئے یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔

مالک اشتر جس طرح کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح نور علم و زہد و فقر و دور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا۔ کہ مالک اشتر تھے۔ تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمہارے لئے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت۔ فصاحت۔ بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعہ کمالات تھے۔ اور حضرت امیرالمومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہوگیا تھا۔

جناب میثم تمار:۔ آپ بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے۔ وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جیتے والے خاندان سے تھے۔ جس کو وہاں بیت رین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے۔ اور وہ سب کے سب شیعیان حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنینؑ صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔ کیوں میثم اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کرے گا۔ اور کہے گا کہ مجھ سے تبرا کر دو۔ میں

نے عرض کیا کیا مضائقہ ہے۔ میں صبر کروں گا۔ کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا
اے میثم اگر تم صبر کروگے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے۔ اس کے بعد میثم
اپنی قوم کے چوہدری کی طرف سے گذرے اور اس سے کہنے کہ اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ
ہے۔ جب تم کو بنی اُمیہ کا حاکم ابن زیاد بلاکر میری گرفتاری کو بھیجے گا۔ اور چند روز تک تم مجھے
طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا۔ تو مجھے اس کے پاس پہنچا دو گے۔ جس کے بعد وہ مجھے عمرو
بن حریث کے دروازے پر قتل کر دے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے
تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر
اس درخت کے پاس سے گذرتے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لئے
غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لئے غذا پا رہا ہوں۔ کہ تجھ پر سولی پاؤں۔
آپ عمر بن حریث کے پاس سے گذرتے اور اس سے کہتے اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا۔
تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مقصد نہیں سمجھتا اور خیال کرتا
کہ معلوم ہوتا ہے کہ میثم اس محلہ میں کوئی مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو جواب
دیتا کہ سبحان اللہ تم اس محلہ میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لئے
مکہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے چودھری کو بلاکر کہا میثم کو گرفتار کر
لاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا۔ اگر تم
ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ چودھری نے اس کا کام کے لئے کچھ مہلت طلب کی
ابن زیاد نے مہلت دے دی۔ جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم
مکہ سے واپس آکر دربار ابن زیاد میں پہنچے۔ تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو۔ انہوں نے کہا ہاں میں ہی
میثم ہوں۔ اس نے کہا ابو تراب سے تبرا کرو۔ انہوں نے کہا میں ابو تراب کو کیا جانوں کہا علیؑ ابن
ابیطالب سے تبرا کرو۔ آپ نے جواب دیا۔ اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا۔ کہا خدا کی قسم میں تم کو
ضرور قتل کروں گا۔ آپ نے کہا میرے آقا اور مولا تو مجھے پہلے ہی سے خبر دیتے تھے۔ کہ تو مجھے قتل
کرے گا۔ اور عمر بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا۔ اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک
کے نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے سولی پر چڑھا دئے گئے آپ نے
اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو قتل
ہونے سے پہلے خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں۔
اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ
ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آگیا۔ اور ایک لگام آپ کے منہ

میں لگا دی۔ جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔ امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیرالمومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سوتے ہیں۔ انہوں نے حضرت کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی۔ اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو۔ تیسرے پر محمد بن اکثم کو۔ اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرت کی ان باتوں سے مجھے شک ہوا۔ اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم سے غیب کی باتیں بیان کر رہے ہیں۔ اور حضرت سے عرض کی حضور کیا واقعاً یہ باتیں ہونے والی ہیں۔ حضرت نے کہا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔ کیوں کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا میری یہ سزا کس جرم میں کی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا اس لئے ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا۔ اور مجھ سے تبرّا کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے۔ میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گذرے اور مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب حضرت امیرالمومنین کے بہت دنوں بعد ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا۔ اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس لئے اس سے فال بد لی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا۔ اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھونک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گذر گئے اور ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا کہ آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علیؑ ابن ابیطالب کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا۔ اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا (یہ عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے۔ بلکہ میں صادق اور میرے آقا اور مولی علیؑ ابن ابیطالب بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرّا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرو۔ عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تم قتل نہیں کئے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی

خبر سے نہیں رونا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا۔ جس دن میرے آقا میرے مولا اور سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا انہوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی۔ میں نے کہا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے مبہوت ہو گیا پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے کہ تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص علی علیہ السلام کی لازوال حدیثیں سننی چاہتے ہیں وہ جلد آ کر سن لیں۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرت کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے۔ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا۔ وہ لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم۔ انہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے۔

اب میری زبان خوشی سے کاٹ لے۔ غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا۔ تو دیکھا کہ وہ کھجور کی اسی شاخ پر سولی دئے گئے تھے۔ جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا اس کے بادبان باندھ دو۔ معویہ اس وقت مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔ (رجال کشی صہ ۵۳)

جناب کمیل بن زیاد:۔ آپ مشہور تابعی حضرت امیرالمومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا۔ اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ میں آپ خوب ہوشیار تھے آپ صدق و تقوہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرت کی فوج کے نام آور اور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے تنہائی میں آپ کو حقائق اور معارف کی تعلیم فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا اے کمیل لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اوّل علماء ربانین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبان علم و سالکان راہ حق کا گروہ تیسرا عوام فی الانعام کا جھنڈ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا۔ بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی و مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے اِدھر اُدھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے۔ اور کسی ایک رکن رکین کو ملجاو ماوا نہیں جانتا۔ اے کمیل مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔ اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

اے کمیل دولت جمع کرنے والے مرگئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن علماء تا قیام قیامت زندہ ہیں۔ ان کا نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا۔ اس سلسلہ گفتگو میں حضرت نے اپنے سینہ مبارک کی طرف جو درحقیقت گنجینہ اسرارِ الہٰی تھا اشارہ کرکے فرمایا۔

ھا ان ھھنا لعلما جما۔ لو اصبت لہ حملتہ الخ۔ اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوتے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا۔ جناب کمیل حضرت امیرالمومنین کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے بھی حاکم رہے ہیں۔ اور حضرت ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض بطور نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیرالمومنینؑ نے وہ دعا تعلیم فرمائی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔

مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ھ غالباً (۷۰۱ء) میں جب حجاج ثقفی نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعان حضرت امیرالمومنینؑ چن چن کر شہید کئے جاتے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اس وقت ہشیم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اس

سے پوچھا۔ کمیل کا پتہ ہے کہ کہاں ہیں۔ ہیثم نے سفارشانہ لہجہ میں جواب دیا کہ کمیل تو ایک بوڑھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔ مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے غضبناک ہو کر ان کے پورے کنبے کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دئے۔ جناب کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے میں ایک پیر ضعیف ہوں میرے تو یوں ہی مرنے کے دن آ گئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کر دوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے اور خود حجاج کے پاس آ کر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی۔ پھر کہا "حجاج میری عمر کا بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے۔ لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر گذر۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیوں کہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہو گا۔ حجاج تو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیرالمومنینؑ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا۔ حجاج غضبناک ہو کر بولا "ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا" تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے۔ غرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کر دئے گئے۔ اور جیسا کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے پیشین گوئی فرما دی تھی لفظ بلفظ صحیح واقعہ ہوا اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

تاریخ نجف اشرف

دریائے فرات سے چار میل مغرب کی جانب ہٹ کر، کوفہ کے قریب، ایک بلند خطہ زمین پر، بادلوں سے سرگوشی کرنے والا قبہ طلا ہے، —— جس کے نیچے محمد عربی کے بھائی —— اور خدا کے شیر —— علیؑ ابن ابیطالب کی آرام گاہ ہے۔

اسی کو نجف اشرف کہتے ہیں —— وہ نجف اشرف —— کہ جہاں کے آستانہ کی جبہ سائی کے لئے غلامان حیدر کرار عمر بھر تڑپتے رہتے ہیں۔

آیئے! تھوڑی دیر کے لئے اس رشک جنت سرزمین کی زیارت کریں۔

نجف کا ماضی:- یہ معتدل ترین زمین ہے۔ باعتبار ہوا کے اور صحت بخش ہے بر لحاظ مزاج دریائی کے، اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے عقل سلیم وزنی رائے، خوبصورت شکل و شمائل، ہر فن میں دستگاہی، موزونیت اعضا، تناسب اخلاط، معتدل گندم گون رنگت کے دارا ہوتے ہیں۔ اور —— یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو بطن مادر میں برابر کی گرمی پہنچائی گئی ہے۔ اور اس لئے وہ کالے، سفید یا چتکیلے نہیں ہوا کرتے۔" یہ ہیں وہ الفاظ جن کے ذریعہ سے حمولی نے اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں "عراق کا ایک بہترین خطہ ہے "نجف اشرف"، کہ جو کوفہ کی پشت کی جانب ایک پہاڑی کی چوٹی پر اب سے ہزاروں سال پیشتر سے آباد چلا آرہا ہے —— اور جس کے دامن میں دنیا کو زیروزبر کر دینے والی ذات علیؑ ابن ابیطالب علیہ السّلام محو آرام ہیں۔ نجف اب سے پیشتر اپنے سرسبز و شاداب مرغزاروں، موتی جیسی جھیلوں کی بدولت "خدالعذراء" (رخسارۂ خاتون) کے دلآویز نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی بوقلمونیاں، گلہائے رنگارنگ، ٹھنڈی و شفاف ہوائیں۔ منادرہ و ساسانی و عباسی بادشاہوں کو دعوت گلگشت دیتی تھیں اور وہ اس سمت آکر سکونت کرتے تھے جدھر سے "نجف کی ہوا آتی تھی۔

خلفائے بنی عباس حیرہ میں اس لئے قیام کرتے تھے کہ اس میں منجملہ اور خوبیوں کے ایک خوبی یہ تھی کہ نجف وہاں سے قریب تھا (ج ۱ ص ۲۹۷)

(ج ۱ ص ۳۰۷ پر ہے) نعمان بن منذر (ملک حیرہ) ایک روز اپنے دربار (خورنق) میں بیٹھا ہوا تھا کہ

اس کی نگاہ نجف اشرف کی جانب اُٹھ گئی اس نے دیکھا کہ نجف کو گھنے باغات و نخلستان اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اس کے مغرب کی طرف نہریں جاری ہیں، مشرق کی طرف دریائے فرات بہ رہا ہے (فرات اس وقت نجف سے ہو کر گزرتا تھا) موسم بھی موسم بہار تھا لہٰذا یہ پھول و غنچے اور یہ نہریں اور یہ ہرا بھرا منظر اس کو بہت بھایا۔

یہ تھا نجف اشرف کی طبعی حالت کا سرسبز و شاداب ماضی کہ جو امام علیہ السلام کے دفن کے سینکڑوں برس بعد تک رہا۔ مگر ابھی تقریباً ایک قرن قبل کی بات ہے کہ صفحۂ نجف نے قدرت کی ایک ادنیٰ مگر پر مصلحت جنبش پر جو پلٹا کھایا تو وہی نجف کہ جو کبھی ایک بحر عظیم کے کنارے اپنے دامن میں لہکتے ہوئے گلزاروں اور بہتی ہوئی نہروں کو لئے ہوئے تھا۔ ایک ریگستان کی صورت میں مبدل ہو گیا۔ اور اس طرح اس کا دامن رنگین گلوں سے تو ضرور خالی ہو گیا مگر ان کے بدلہ دُر ہائے آبدار سے پُر ہو گیا۔ آج بھی وادی السلام میں جستجو کرنے والے کا دامن دُر ہائے نجف سے بھر جاتا ہے۔ لیکن ان دودھ کی طرح سپید و شفّاف دُرّوں سے نورانی تر اور بدرجہا اشرف وہ جواہر علمی ہیں جن کو نجف کرنوں سے عالم پر نچھاور کر رہا ہے۔ آج دنیا کے جس خطہ میں بھی علم حقیقی کی ضیا پاشیاں ہیں وہ صدقہ ہے ان لاتعداد ماہ و انجم کا کہ جو دور و دراز کے علاقوں سے آتے اور اس چشمۂ نور سے اقتباس کر کے واپس جاتے اور دنیا کو اس سے اُجاگر کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ الحمدللہ آج بھی باقی ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت باقی رہے گا۔

نجف اشرف کا جغرافیہ:۔ نجف اپنے طول البلد کے لحاظ سے ۴۴ درجہ شرق، اور عرض کے اعتبار سے ۳۲ درجہ دو دقیقہ طرف شمال، اور سطح بحر سے تقریباً ۷۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور زمین ریگستانی ہونے کی وجہ سے حرارت و برودت اتنی زائد قبول کرتی ہے کہ گرمی میں اس کا درجہ حرارت ۵، ۵۴ تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ سردیوں میں صفر سے بھی گر جاتا ہے اور پانی منجمد ہو جاتا ہے۔

نجف کے نام:۔ نجف کے بہت سے اسما ہیں کہ جن میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کا ذکر صرف اخبار اہلبیت علیہ السلام میں ملتا ہے جیسے۔ طور۔ ظہر۔ جودی۔ ربوۃ۔ وادی السلام۔ بانقیا۔ اللسان اور بعض وہ ہیں کہ جو لسان ائمہ علیہم السلام اور دیگر افراد میں مشترک ہیں۔ جیسے نجف۔ غری۔ مشہد۔ ان تمام اسامی کی الگ الگ وجہ تسمیہ بھی ہے کہ جس میں سے ہم اس وقت سب سے مشہور نام نجف کی وجہ تسمیہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

نجف کو نجف کیوں کہتے ہیں:۔ نجف کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت سے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں کہ جن میں سے ہم یہاں وہ وجہ

ذکر کرتے ہیں کہ جس کو لسان صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ نجف ایک عظیم الشان پہاڑ تھا اور یہ وہی پہاڑ تھا کہ جس کو دیکھ کر فرزند نوحؑ نے کہا تھا کہ (ساوی الی جبل الخ) میں پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ جو مجھ کو پانی کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ اس پر خداوند عالم نے اس سے خطاب کیا کہ کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ میرے عذاب سے بچالے یہ خطاب سُن کر یہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اور بہت باریک ریل کی صورت میں مبدل ہو کر بلاد شام میں منتشر ہوگیا۔ اور پھر اس کی جگہ عظیم الشان سمندر موجیں مارنے لگا۔ کہ جس کا نام (نے) پڑ گیا تھوڑے عرصہ کے بعد یہ سمندر خشک ہوگیا تو کہا گیا "نی جف" (یعنی نے خشک ہوگیا) اس کے بعد نیجف کہنے لگے اور آخر میں سہولت کی وجہ سے نجف کہا جانے لگا (ص ۲۲، باب ۲۶)

نجف کی فضیلت اور اہمیت لسان آئمہؑ میں:۔

نجف اشرف کی اہمیت اور اس بقعۂ مبارکہ کی فضیلت میں آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین سے بکثرت روایات صحیحہ کتب اخبار مثل علل الشرائع۔ مناقب و بحار الانوار وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ بقعۂ زمین جس پر خدائے کریم کی سب سے پہلے عبادت کی گئی ہے ظہر الکوفہ (نجف) ہے جس وقت خداوند عالم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو انہوں نے کوفہ کے پیچھے جو زمین ہے اس پر سجدہ کیا۔ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غری طور سینا کا ایک ٹکڑا ہے اور یہی وہ جبل ہے کہ جس پر عیسےؑ نے خدا کی تقدیس کی اور اسی جگہ خدا نے ابراہیمؑ کو درجہ خلت پر فائز کیا۔ اور محمدؐ کو اپنا حبیب بنایا اور اس کو انبیاءؑ کا مسکن قرار دیا۔ آپ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ روز طوفان نوحؑ چار زمینوں نے اللہ سے فریاد کی بیت معمور۔ غری۔ کربلا وطوس۔ فرمایا کہ غری جنت عدن کا ایک ٹکڑا ہے۔ امام سے روایت ہے کہ مغرب یا مشرق میں کوئی مومن نہیں مرتا ہے الا یہ کہ اس کی روح سے کہا جاتا ہے کہ وادی السلام چلی جا امام سے دریافت کیا گیا کہ وادی السلام کہاں ہے؟ فرمایا وہ کوفہ کی پشت پر واقع ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گروہ در گروہ نور کے منبروں پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ امام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امیرالمومنین کی ایک روز کی مجاورت سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے مجاورۃ قبر امیرالمومنینؑ و مجاورۃ قبر امام حسینؑ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قبر علیؑ کی ایک رات کی مجاورۃ سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور امام حسینؑ کی مجاورت ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ صادق علیہ السلام سے قبر امیرالمومنین کے پاس نماز کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ قبر امیرالمومنین کے پاس ایک نماز دو ہزار نمازوں کے حکم میں ہے۔ امام سے مروی ہے کہ نجف میں ایک شب سو رہنا سات سو سال کی عبادت کے مساوی ہے۔

ان روایات کے علاوہ دوسری روایات سے اس سرزمین کی اہمیت کا اور بھی اندازہ ہوتا ہے۔ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ نجف میں دفن ہونے والا محاسبہ و سوال منکر و نکیر و فشار قبر کی اذیت سے محفوظ ہے اور منجملہ کثیر انبیاء کے حضرت آدمؑ و نوحؑ و ہود علی انبینا و علیہم السلام مدفون ہیں اور یہ وہ زمین ہے جس کو پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اور بعد کو خود حضرت علی علیہ السلام نے خرید فرمایا ہے۔ فرحتہ الغریٰ میں ہے۔

"عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین نے خورنق و حیرہ سے کوفہ تک کسانوں سے ساری زمین کو چالیس ہزار درہم میں خرید لیا جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس زمین کو خرید رہے ہیں اور آنحالیکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سُنا ہے کوفان! کوفان اس کا اوّل اور اس کے آخر سے مل جائے گا اور اس سے ستر ہزار افراد ایسے محشور ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے میں نے چاہا کہ وہ میری ملکیت سے محشور ہوں۔"

سرزمین نجف اشرف کی تاریخ اور اس کی جلالت مقام کے بیان کر چکنے کے بعد اب ہم اس پاک ظرف کے نورانی مظروف یعنی قبر اطہر کا حال مختصر لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

مرقد علوی:۔ چشمۂ آفتاب سے نگاہیں لڑانے والا عظیم الشان سنہری قبہ ـــــ اور اونچے بادلوں سے سرگوشیاں کرنے والے خالص سونے کے مینار ان پر رات کے وقت دُور سے چمکتی ہوئی دلفریب روشنیاں" یہ مزار ہے اس غالب کل غالب ذات کا کہ جس کا نام شجاعان عالم کی فہرست میں سب سے پہلے آتا ہے اور مظلوموں کی فہرست میں بھی سرفہرست نظر آئے گا۔ حرم اقدس کی جھلجھلاتی محرابوں کے نیچے، اور ریشم سے زائد نرم و نازک بیش بہا قالینوں کے اوپر بہت سے چلنے والے زائرین کو اس وقت کا کیا اندازہ ہو کہ جب یہ پرشوکت بارگاہ ایک پرحسرت قبر تھی۔ کہ جو شب دیجور کے پردہ میں لوگوں کی آبادی سے ہٹ کر، دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنائی گئی تھی اور جس کے جاننے والے صرف حسنؑ و حسینؑ و محمد حنفیہ میثم تمار، صعصعہ بن صوحان۔ قیس بن سعد و حجر بن عدی و عمرو بن الحمق و دیگر چند گنتی کے اقربا و احباب تھے اور ان کو بھی تاکید یہ تھی کہ وہ اس راز کو سینہ کا دفینہ کریں اور کسی

پر مزار مقدس کو ظاہر نہ کریں۔

اخفاء قبر کا راز:- قتال عرب۔ علی بن ابیطالبؑ کے دوست اگر انگلیوں پر گن لینے کے لائق تھے تو اس کے برخلاف دشمن لاتعداد تھے۔ وہ بہ ظاہر تین طبقوں پر منقسم تھے۔ (۱) کفار و صنادید عرب کی وہ اولادیں کہ جن کے اسلاف کو آپ نے اسلام کی حمایت میں تہ تیغ کیا تھا۔ اور وہ وقت پڑنے پر جنگ صفین وجمل اور پھر میدان کربلا میں مقابلہ پر صف آرا ہو گئے۔ (۲) وہ خوارج کہ جن کی شقاوت کا مظاہرہ ۱۲ رمضان کو محراب کوفہ میں ہو چکا تھا۔ (۳) معاویہ اور اس کے زرخرید تابعین۔ ان تینوں گروہوں میں ہزاروں افراد تھے کہ جن میں سے ہر ایک کو اس گلدستہ کمالات ذات سے اتنا بیر تھا کہ وہ اس کے مزار کو بھی ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور شاید اسی لئے امام کی وصیت کے مطابق اولاد و اصحاب نے نہ صرف اصلی قبر کو اخفا کیا بلکہ اس کو مختلف مقامات پر ظاہر کیا تاکہ قبر کا راز معرض اختلاف میں آکر دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کسی نے کہا کہ آپ مسجد جامع کوفہ میں دفن کئے گئے اور کسی نے کہا کہ اپنے گھر ہی میں دفن ہوئے۔ کسی نے کہا کہ "رحبہ" میں تو کسی نے کہا کہ "حیرہ" میں غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں حالانکہ حقیقی قبر کا پتہ سوائے ان اولاد اصحاب کے کسی کو نہ تھا کہ جو لیلتہ الدفن خود اس کا مشاہدہ کر چکے تھے مگر وصیت امام کا قفل ان کے لبوں پر لگا ہوا تھا یہاں تک کہ جب زمان اخفاء قبر منقضی ہوا اور وہ دور گزر گیا کہ جس میں علیؑ پر علی رؤس الاشہاد سب وشتم کیا جاتا تھا، اور تشنگان زیارت کے لئے کوئی مانع باقی نہ رہا تو یکایک قبر مطہر سے کھلی نشانیاں اور روشن معجزے ظاہر ہونے لگے اور ان ظاہر ہونے والے لاتعداد معجزات نے دشمنوں کو بھی یہ یقین دلا دیا کہ معجز نما یہیں دفن ہے۔ دوسری طرف اہلبیت اطہار کی طرف سے بھی مکان قبر کا اعلان ہونے لگا۔ اور لوگوں کو زیارت کی دعوت دی جانے لگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد روایات صحیحیہ وارد ہیں (کہ جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا) اس خبر کے پاتے ہی مشتاقان زیارت پروانہ وار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے تاریکی شب میں دفن ہونے والے ایک مظلوم کی قبر مرکز ہر خاص و عام بن گئی۔

مورخین عامہ اور مزار علیؑ:- جب تک قبر امیرالمومنینؑ دشمنوں کے خوف سے پوشیدہ رہی اس وقت تک شمع امامتؑ کے چند خاص پروانوں کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ چلا مگر جب یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اہلبیتؑ طاہرین جو اس کے حامل تھے وہی اس کا اعلان کرنے لگے دوسری طرف معجزات نے ظاہر ہونا شروع کیا

اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے پرائے سب ہی مقر ہوئے جب کہ داؤد اور ہارون رشید جیسے افراد کو خود قبر اقدس پر عمارت بنانا پڑی کہ جس کا ذکر آگے آئے گا تو اب یہ امر ناقابل انکار حیثیت بن گیا اور عام مسلمانوں کو اس کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی چنانچہ ابوالفرح اسفہانی۔ ابن ابی حدید۔ طبری۔ ابن اثیر۔ ابوالفدا۔ ابن جوزی۔ ابوشحنہ۔ دردی اور دوسرے مورخین کا اسی پر اجماع ہوگیا کہ آپ کا مزار پاک نجف میں ہے اور کسی خاص و عام کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

تاریخ فخری میں ہے (صہ) محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ دفن بالغری جوف اللیل (صہ ۶۳) اعثم کوفی نے کتاب فتوح میں لکھا ہے۔ نجف وغری ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں جیسا کہ نام کے بیان میں آئے گا) اسی طرح جملہ مورخین عامہ وعلماء اہلسنت نے حضرت کی قبر اطہر کا اپنی اپنی کتابوں میں صریحی ذکر کیا

اس قدر شواہد بنیات اور اتنے مورخین کے اتفاق کے بعد تصور بھی نہ ہونا چاہیئے کہ کسی کو اس ناقابل انکار حقیقت سے انکار ہوگا۔ مگر اس عادت دیرینہ اور گمراہ کن کینہ کو کیا کہیئے کہ جس نے مذہب حق پر دلالت کرنے والے ہر آفتاب پر خاک اچھالنے کی ہمیشہ افسوسناک کوشش کی ہے جب صاحب قبر کی خلافت برحق کا انکار بڑی ڈھٹائی سے کر دیا گیا تو قبر بیچاری کس شمار میں ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے (جو ایک شیعہ دشمن مورخ ہیں) اس مسلم اور بین الفریقین حقیقت کا بڑی آسانی سے انکار کر دیا ہے بلکہ بعض دوسرے نادانوں کی عقلوں نے اور جولانی جو دکھائی تو کہہ دیا کہ حضرت علیؑ کے جنازہ کو سرے سے کہیں دفن ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو ایک ناقہ کی پشت پر باندھ کر بیابان میں چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ اس روز سے تاروز قیامت چلتا رہے گا۔ (نہ زمین ختم ہوگی اور نہ اس کی عمر) دیکھا آپ نے اس مضحکہ خیزی کو۔ اب ان صاحب سے کون پوچھے کہ مرکوب امام کی عمر تا قیامت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں البتہ اگر خود امام کی عمر بحکم خدا دی اپنے حدود سے متجاوز نہ ہو جائے تو وہ قابل قبول نہیں شاید یہ حدیث گھڑتے وقت اس کا دھیان نہیں رہا تھا۔ ایسے من گھڑت فضول اور بے بنیاد روایتوں کی رد کے لئے جمہور عامہ کے متذکرہ بالا متواتر اقوال ہی کافی و وافی ہیں لیکن خطیب بغدادی اور ان کے دو ایک تابعین کی مزید فہمائش کے لئے اگر ابن بطوطہ کی زبانی خود ان کے نزدیک معتبر حالات بیان کر دیئے جائیں تو شاید بے محل نہ ہوگا اور اتفاق سے یہ ابن "بطوطہ" وہ بزرگ ہیں کہ جو خطیب بغدادی کی طرح شیعوں کی دشمنی میں دو چار ہاتھ آگے ہی ہیں جیسا کہ ان کے رحلتہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ کس کس طرح شیعوں کے عقائد کا مضحکہ اڑایا ہے۔ خصوصاً جب وہ

حلہ کے حالات پر آتے ہیں تو انہوں نے اس دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ جیسا کہ ارباب نظر جانتے ہیں۔ بہرحال یہی بزرگ تکہ سے جس وقت نجف اشرف وارد ہوئے تو انہوں نے یہاں جو کچھ دیکھا اس کو ان الفاظ میں "رحلہ" میں لکھتے ہیں :۔" اس شہر کے تمام باشندے رافضی ہیں اور اس روضہ کے کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ شب، ۲۷ رجب کو کہ نام اس شب کا ان لوگوں کے یہاں لیلتہ احیاء ہے عراقین، وخراسان و بلاد فارس و روم سے ہر شل و مفلوج و زمین گیر کو یہاں لاتے ہیں کہ جن کی تعداد ۳۰۔۴۰ نفر تک پہنچ جاتی ہے اور بعد نماز عشا ان مرضاء کو ضریح مقدس کے پاس لاتے ہیں، لوگ جمع ہو کر ان کے اچھے ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور یہ لوگ نماز و دعا و تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے ہیں بعض روضہ کی زیارت کرتے ہیں یہاں تک کہ نصف شب یا دو ثلث شب گذر جاتی ہے اور اس وقت وہ زمین گیر مرضا کہ جو حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے ایک مرتبہ صحیح و تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں درآنحالیکہ مرض کا نشان تک ان میں باقی نہیں رہتا۔

قبر اطہر کا پہلی بار ظہور :۔ جیسا کہ سطور گزشتہ میں بیان کیا گیا کہ حضرت کی قبر شریف کو آپ کی اولاد نے حکم امامؑ کے مطابق پردۂ شب میں چھپا کر بنایا بالکل اسی طرح کہ جس طرح خود حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہ عالم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر کو رات کی تاریکی میں دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنایا تھا۔ چنانچہ نجف کے غیر آباد حصہ میں زکواۃ بیض (تین معروف بلندیوں) کے وسط میں یہ قبر مبارک ایک عرصہ تک گنج مخفی بنی رہی کہ جس کو سوائے امام علیہ السلام اور خواص شیعہ کے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ مزار کا راز یونہی پوشیدہ رہا یہاں تک کہ سلطنت امویہ مع اپنے رسوائے اسلام کارناموں کے ختم ہوئی اور سلطنت عباسیہ کا قیام ہوا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ سلطنت عباسیہ کا قیام محض اس جذبہ ہمدردی کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے کہ جو آل رسولؐ کی طرف اموی سلاطین کے روح فرسا مظالم کی وجہ سے لوگوں کے قلوب میں پیدا ہو گیا تھا۔ اسی لئے یہ نئی حکومت اگرچہ اہلبیت اور ان کے ماننے والوں کو ایک لمحہ بھی روئے زمین پر دیکھنا پسند نہیں کرتی مگر ظاہر بہ ظاہر بربنائے سیاست اس کو اس طبقہ کی خاطر داری کرنا ہی پڑتی تھی اور اس کے لئے ان کو اموی دور گزرنے کے بعد سفاح کی حکومت قائم ہوتے ہی پہلی بار اطمینان و آزادی نصیب ہوئی اور یہی وہ زمانہ تھا کہ جس کی مہلت سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے علم نبیؐ کے رکے ہوئے دریا کا بندھ کھول دیا اور عالم میں رہتی دنیا تک علم دین و مذہب حق کے زندہ رہنے کا سامان کر دیا۔

یہی وہ دور تھا کہ جس میں وہ سربستہ راز جو مدتوں سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا تھا رفتہ رفتہ ظاہر ہونے لگا اور آل اطہار کے شیدائی اس خبر کی بو پاتے ہی جوق در جوق زیارت کے لئے نجف اشرف آنے لگے۔ مگر ابھی تک یہ خبر زیادہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچی تھی۔ اگر ایک اس چیز کا اثبات کرتا تو دوسرا نفی کر دیتا تھا۔ کہ یکایک ایک طرف امامؑ کی بارگاہ سے قبر کی تعیین کا اعلان اور دوسری جانب خود قبر مبارک سے معجزوں کا اظہار ہونے لگا۔ اور اب لوگوں کو کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔

صفوان جمال نے جب امام صادق علیہ السلام سے قبر امیرالمومنین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس وقت کوفہ کی پشت پر مقام غری میں پہنچنا تو کوفہ کو اپنی پشت پر رکھنا اب تمہارا منہ نجف کی طرف ہوگا تھوڑا سا داہنی طرف مڑتے ہوئے آگے بڑھنا یہاں تک کہ جب سفید ٹیلوں تک پہنچو اس وقت مقام "ذکوات" سامنے ہوگا۔ بس یہی امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر اطہر ہے (بحارالانوار)

تعمیر اوّل:- قبر مبارک اسی طرح شب و روز لوگوں کی زیارت گاہ بنی رہی، ہر وقت صاحبان حاجت آتے اور گوہر مراد سے اپنے دامن کو پر کرکے واپس جاتے تھے۔ لیکن قبر مطہر کسی قسم کی تعمیر سے اب تک خالی تھی یہاں تک کہ داؤد بن علی عباسی کوفی ۱۳۳ھ نے اس پر ایک صندوق بنوایا اور اس کا واقعہ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے فرحۃ الغری میں یوں تحریر کیا ہے۔

جب داؤد عباسی نے کہ جو اس وقت کوفہ کا حاکم تھا۔ لوگوں کا ہجوم قبر مبارک پر دیکھا تو اس نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ معمار لائے جائیں پھر ان معماروں کو اپنے ایک حبشی غلام کے ہمراہ (جس کا نام "جمل" تھا اور جو وقت دنیاری میں بہت زائد تھا نجف روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہاں جو قبر ہے جا کر کھود و اس کی تہ میں سے جو کچھ برآمد ہو اس کو میرے پاس لے آؤ کیونکہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ علی بن ابیطالب علیہ السلام کی قبر ہے۔ اسماعیل بن عیسیٰ عباسی کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ ہو گیا یہاں تک کہ یہ لوگ مقام مذکور پر پہنچے تو میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اپنا کام شروع کرو۔ چنانچہ عمال کھدائی میں مصروف ہوئے اور وہ لوگ لاحول پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب پانچ ہاتھ کی گہرائی تک پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اب ہم ایک ایسی سخت چٹان تک پہنچے کہ جس کے کھود دینے پر ہم قادر نہیں ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اس گڑھے میں اس طاقتور حبشی کو اتارا اور اس نے کدال ہاتھ میں لے کر پوری قوت سے چٹان پر ماری کہ اس کی گونج تمام جنگل میں گونج اٹھی اس کے بعد اس نے دوسری چوٹ لگائی اور پہلی مرتبہ سے زاید آواز آئی پھر تیسری مرتبہ ضرب ماری اب کی دفعہ بڑی شدت کی آواز نکلی اور ساتھ ہی غلام نے ایک زوردار چیخ ماری یہ سن کر ہم لوگ اٹھے اور اس گڑھے میں جھانکنے لگے۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے کہا کہ پوچھو تو اس پر کیا گذر گئی ان لوگوں

نے پوچھنا شروع کیا مگر اس میں جواب دینے کی طاقت نہ تھی وہ برابر چیختے جا رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ہم نے اس کو نکال کر ایک خچر پہ لادا اور کوفہ کی طرف واپس چلے کہ اتنے میں غلام کا گوشت اس کے بازو سے اور دہنی جانب سے پھٹ پھٹ کر گرنے لگا اور تھوڑی دیر میں اس کے سارے جسم کی یہی حالت ہوگئی یہاں تک کہ ہم لوگ داؤد کے پاس پہنچے اس نے پوچھا کہ کیا ہوا ہم نے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تو خود دیکھ لے اور پھر سارا ماجرا بیان کیا یہ سُن کر اس نے قبلہ کی طرف رُد کر کے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کی اور مذہب حق کو قبول کر لیا اور اس کے بعد ایک رات کو داؤد علی بن مصعب بن جابر کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ قبر مبارک پر ایک صندوق بنا دے۔ لیکن اصل قصہ اس سے مخفی رکھا چنانچہ قبر پر اس کے حسب حکم صندوق بنا یا گیا۔ اور غلام اسی وقت مر چکا تھا۔

عمارت ثانیہ ۱۵۵ھ:۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اولاد علیؑ کو سلطنت بنی اُمیہ کے زوال اور بنی عباس کے داعی اپنی تقریروں میں بنی فاطمہ و آل رسولؐ کے فضائل اور بنی اُمیہ کے ان پر شدید مظالم بیان کر کر کے لوگوں کو مائل کرتے تھے اور اس کی حکمت عملی کے ماتحت آل رسولؐ کی ابتدائے امر خلافت میں پاسداری بھی بہت کی جاتی تھی لیکن جوں جوں خلافت کی جڑیں استوار ہوتی گئیں حکومت کی نظریں بھی بنی فاطمہؑ کی طرف سے پھرتی گئیں اور بالآخر وہ وقت پھر آگیا کہ جس میں ان پر دنیا پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہوگئی اور وہی اولاد رسولؐ کہ جن کے نام پر خلافت کی بھیک مانگی گئی تھی دیواروں میں قصروں کی بنیادوں میں چنی جانے لگی لہذا ایسی صورت حال کے ہوتے ہوئے کو بوجہ خوف ہراس زوار قبر علیؑ کا وہ سلسلہ جو سفاح کے دور میں جاری ہوا باقی نہ رہ سکا اور مزار اقدس پر دوبارہ حسرت برسنے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ صندوق بھی خورد برد ہو گیا کہ جو داؤد نے بنایا تھا۔ کیونکہ خلفاء جور کے ظلم سے اس کو بھی اس کی خبر گیری کی ہمت نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا جبکہ حضرت علی علیہ السلام کی قبر مبارک پہلے کی طرح خاک کے اندر روپوش ہوگئی۔ اور اس کو اتنا عرصہ گذر گیا کہ ہارون رشید تخت خلافت پر بیٹھا اور ایک واقعہ کے ماتحت اس کو قبر کا حال معلوم ہوا اور پھر اس نے اس پر روضہ بنوایا۔ اس واقعہ کو عمدۃ المطالب و ارشاد القلوب و دیگر کتب نے اس طرح تحریر کیا ہے:۔

"ہارون رشید ایک روز پشت کوفہ پر شکار کی غرض سے نکلا تو اس کو کچھ نخچیر اور آہو نظر آئے اس نے ان کے پیچھے اپنے شکاری کتے ڈال دئے اور خود بھی ان کا پیچھا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان حیوانوں نے بھاگنا شروع کیا اور بالآخر ربوات بیض کے وسط میں آکر وہ رک گئے۔ ہارون نے خیال کیا کہ شاید ان ٹیلوں کے درمیان کوئی چیز ہے جس کو دیکھ کر یہ کتے رک گئے ہیں۔ پھر جب کتے اس مقام سے ہٹا لئے گئے تو ہرن باہر نکلے کتے پھر دوڑے اور ہرن نے پھر وہیں پناہ لی اور کتے اس

جگہ کے اندر نہ گئے ہارون کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور اس نے وہاں کے پیر مردوں کو بلا کر یہ واقعہ بیان کیا اور وجہ دریافت کی۔ ان میں سے ایک بڈھے نے کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو اس راز کو عرض کروں ہارون نے کہا تو مامون ہے بیان کر! اس نے کہا کہ ان ٹیلوں کے وسط میں آنحضور کے ابن عم حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے کہ جس کی زیارت سے تمام انبیاء و اولیاء مشرف ہوتے ہیں۔ رشید کو اس بات کا یقین آ گیا اور اس نے پیر مرد کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور پھر اس نے قبر مبارک پر ایک روضہ تعمیر کیا۔ اس پر برنگ سُرخ ایک قبہ بنوایا اس میں ایک سبز رنگ کی خوبصورت قندیل آویزاں کی اور قبہ کے چار دروازے چار سمتوں پر بنوائے۔ ایک مدت دراز کے بعد جب تعمیر کی گئی تو یہ قندیل حضرت کے خزانہ میں دستیاب ہوئی۔ اس قبہ کے علاوہ ہارون رشید نے سفید پتھر کی ایک ضریح بھی قبر منور پر تعمیر کی ایک انتہائی خوشنما تصویر جو قلعی زدہ بلوری پلیٹ پر بنائی گئی ہے اب تک حضرت کے خزانہ میں موجود تھی۔ جس میں آہو اور ہارون کے شکار کا منظر دکھایا گیا ہے، یہ تصویر فن مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور ابھی سال میں میرے زمانہ قیام میں موجودہ شاہ ایران (محمد رضا شاہ) کی بنوائی آئینہ کاری کے موقعہ پر حضرت کے بالائے سر آئینوں سے ملا کر جڑ دی گئی ہے۔

تیسری تعمیر ۲۷۹ھ:- روضہ اقدس کی تیسری تعمیر محمد استحاذ یدالداعی نے کی اور اس نے قبر شریف پر قبہ چار دیواری اور ایک ستر طاق کا قلعہ تعمیر کیا اور یہ تعمیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس تعمیر کے ہونے سے بہت پہلے اس کی خبر دے دی تھی۔ تحفۃ العالم میں مدینۃ المعاجز کے حوالہ سے ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

چوتھی تعمیر ۳۶۰ھ:- روضہ اقدس پر ہونے والی چوتھی تعمیر عضدالدولتہ کی ہے۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت اپنے وقت کی بہترین عمارتوں میں سے تھی اور اس عہد میں انسانی قدرت کی جتنی دسترس تھی وہ اس پر صرف کر دی گئی تھی۔ ارشاد القلوب دیلمی میں ہے کہ عضدالدولتہ ان اطراف میں آ کر تقریباً ایک سال کی طویل مدت تک اقامت گزیں رہا اور اس نے اطراف عالم سے بہترین صناع و استادان فن معماری کو طلب کیا اور پہلی عمارت کو خراب کر کے کافی دولت سے ایک بہترین روضہ تعمیر کیا کہ جو آج سے قبل تک باقی تھا۔" اور اس کے لئے بہت سے اوقاف بھی قائم کئے اور شہر کو آباد کیا، بازار بنوائے۔ شہر پناہ کی دیوار کو مضبوط کیا۔

پانچویں تعمیر ۷۶۰ھ:- یہ آگ ۷۵۵ھ میں لگی کہ جس نے حرم اقدس کی تمام زینت کو برباد کر دیا لیکن اس کے بعد ہی اویس بن حسن جلائری نے فوراً تعمیر کا

ارادہ کیا اور چند ہی روز میں روضہ کو پہلے کی طرح شاندار بنا دیا۔ اور اب کی اس نے بجائے ساج کے دیواروں پر رخام (ایک پتھر) سے زینت دی کہ جس میں بہترین نقش و نگار کئے گئے تھے۔ انہی ایام میں اتفاق سے بغداد میں گرانی پڑی جس کی وجہ سے لوگوں نے کتابیں فروخت کرنا شروع کیں کہ جن کو اہل نجف نے غلہ کے مول کافی تعداد میں خرید لیا اور اس طرح لاتعداد بہترین کتب سے حضرت کا خزانہ مملو ہو گیا۔

چھٹی تعمیر ۹۱۴ھ :- اس سنہ میں شاہ اسماعیل نے ایک ضریح تعمیر کی جو فولاد کی بنی ہوئی تھی اور اس کے اندر حضرت آدمؑ و حضرت نوح و حضرت امیر علیہ السلام کے الگ الگ صندوق بنوائے اور روضہ اقدس کی رنگ برنگ قندیلوں سے تزئین کی۔

ساتویں تعمیر ۱۰۳۲ھ :- اس سال شاہ عباس نے تعمیر کی اور صحن کو کشادہ کیا اور قبہ کو مضبوط کیا ضریح کی مرمت کی فرش بنوائے اور ایک ضیافت خانہ بنوایا۔

آٹھویں تعمیر ۱۰۴۷ھ :- اس سال شاہ صفی صفوی شاہ عباس کے پوتے نے تعمیر میں حصہ لیا اور قبر اطہر کو رخام کا بنایا اور قبہ کو دو میناروں کے بیچ میں پھر سے تعمیر کیا۔ رواق بنوایا۔ رواق کی روکار میں ایوان کی تعمیر کی صحن میں اوپر نیچے کمرے بنوائے قبہ کو کاشانی سے زینت بخشی اور مقام کے چھ دروازے بنائے دو بالائے سر دو پائین پا اور دو دو پہلوؤں میں رواق میں پانچ دروازے کھولے اور صحن میں بھی تین جہتوں میں تین دروازے لگائے۔

نویں تعمیر ۱۱۵۵ھ :- اس سال نادر شاہ نے قبہ پر سونا چڑھایا اور اس کے داخلی حصہ کو کاشی سے آراستہ کیا اور صندوق ضریح کی مرمت کی۔

صندوق کے آگے اپنا تاج رکھا کہ جو راقم الحروف کے عہد تک موجود تھا۔ قبہ ذھبیہ کی تاریخ ہے "نور علیٰ نور حکم تجلی" اس کے ایک سال کے بعد اس نے دونوں منارے بھی سونے کے بنوائے جس کی تاریخ کہی گئی "سعد اعظما" یہ تاریخ بائیں منارے پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ضریح بھی کسی صاحب خیر کی طرف سے چاندی کی کر دی گئی۔ اور کسی شخص کی جانب سے صدر دروازے پر گھڑی لگائی گئی۔

حرم علوی و ملا طاہر سیف الدین :- موجودہ روضہ شاہ صفی صفوی کا بنوایا ہوا ہے کہ جو فن تعمیر کا ایک عجوبہ ہے۔ استحکام۔

قواعد علم ہندسہ" خوبصورتی اس کے حکم امتیازی ہیں۔ اس روضہ اقدس میں یوں تو آئے دن نئی نئی اصلاحیں ہوتی رہتی ہیں، میرے دیکھتے دیکھتے بائیں طرف کا منارہ سرے سے کھود کر دوبارہ بنایا گیا سال میں ہزاروں دینار اس کی مرمت وغیرہ میں صرف ہوتے رہتے ہیں مگر ماضی قریب میں جو خاص اصلاحیں ہوئی ہیں اس میں امیر البواہیر ملا طاہر سیف الدین کی پیش کردہ ضریح کو بڑا دخل ہے۔ یہ ضریح عظمت، مضبوطی، نزاکت جیسی عسیر الاجتماع خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ ہی نے حرم کی دیواروں اور فرش میں ایک خاص قسم کا پتھر لگایا ہے کہ جو اتنا شفاف ہے کہ اس میں صورت دکھائی دیتی ہے۔

حرم اقدس کی آئینہ کاری و موجودہ شاہ ایران:۔ گزشتہ شاہ ایران رضا شاہ آنجہانی کے طرز عمل سے ایمان والوں کے قلوب میں جو زخم پڑ گئے تھے ان کو موجودہ شاہ محمد رضا شاہ نے جو کہ متوفی شاہ کے فرزند ہیں اپنے طرز عمل سے ایک حد تک مندمل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے عمل خیر کئے ہیں جن میں حرم اقدس کی موجودہ آئینہ کاری بھی ہے۔ یہ آئینہ کاری اپنی خوشنمائی اور بجلی کی فٹنگ کے لحاظ سے بڑی دیدہ زیب ہے۔ جس کا اندازہ دیکھنے والوں کو ہی ہو سکتا ہے۔

حرم اقدس اور سونے کا پھاٹک:۔ زمانہ جتنا جتنا آگے بڑھتا جا رہا ہے دنیا سے یقین و عمل مفقود ہوتا جاتا ہے اور یہی اخبار و حدیث سے بھی مستفاد ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے دور میں ایسی عزیز ذاتیں نایاب ہوتی جاتی ہیں کہ جو عتبات مقدسہ و دیگر مذہبی امور کی خاطر کسی ایثار سے کام لے سکیں۔ بھلا کس میں ہمت کہ وہ آجکل اتنا عظیم الشان روضہ نئے سرے سے پھر تعمیر کر سکے یا گنبد کا سونا بدلوا سکے اس لئے موجودہ زمانہ میں کسی کے تصور میں بھی نہ آتا تھا کہ حضرت کے ایوان کا دروازہ سونے کا بھی بن سکتا ہے۔ کہ یکایک یہ خبر سننے میں آئی کہ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ ایک غیر معروف ایرانی تاجر دس لاکھ تومان (تقریباً ۶½ لاکھ روپیہ) صرف کر کے ایک باب الذہب بنوا رہا ہے۔ ابھی چند روز گزرے کہ یہ خبر، خبر کی حد سے نکل کر عالم فعلیت میں بھی آگئی جب کہ ایک شاندار خالص سونے کا دروازہ کہ جو اپنے طول و عرض میں پہلے چاندی کے دروازے سے تقریباً دوگنا بڑا تھا بڑے تزک و احتشام کے ساتھ لا کر نصب کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر اہل نجف نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اطراف کے عرب اس سونے کے چمکتے ہوئے اور شیشہ کی طرح صاف نائلوں کی چادروں سے ڈھکے ہوئے، خوشنما در کو بڑی حیرت سے دیکھتے اور مختلف

طریقوں سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اس بیش قیمت دروازہ نے حرم کی شان کو اور دوبالا کر دیا ہے۔ سونے کا پھاٹک، سونے کی دیواریں۔ سونے کے مینار اور ان کے بیچ میں سونے کا عظیم ہیکل قبہ دیکھنے سے پورا روضہ سونے کا ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس طلا کاری کی اس دین و دنیا بادشاہ کے آگے کیا حقیقت جس کی ایک ٹھوکر پر سونے کے دریا ابل پڑتے تھے اور اتنے اقتدار کے باوجود جس کو خاک پر بیٹھ کر نان جویں توڑنے ہی میں مزا ملتا تھا۔ البتہ ان چیزوں سے عقیدتمندوں کو امام کی بارگاہ میں اپنی محبت کا مظاہرہ کرنے کا موقعہ مل گیا، نیز اس طلا کاری سے حضرت کے ایک ارشاد کی بھی تصدیق ہوگئی کہ جس میں آپ نے دنیا کی کجرفتاری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا (نہج البلاغۃ) یہ دنیا وہ ہے کہ جو اس کو پانے کے لئے اس کے پیچھے دوڑتا ہے یہ اس کے ہاتھ نہیں آتی اور جو اس سے روگردانی کرکے بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے پاس آموجود ہوتی ہے حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ دنیا کو تین طلاقیں دیدی تھیں۔ اس لئے وہ آج بھی آپ کے پیروں سے لگی بیٹھی ہے۔

زمانہ سابق:۔ اگر آپ اب سے ساٹھ ستّر سال پہلے یہاں آتے تو آپ کو نجف اس شان سے ملتا ـــــ الجھی ہوئی ڈور کی طرح پیچیدہ گلیاں، پتھر کے بنے مختصر مکانات، نیچے دروازے، پانی دودھ سے زیادہ مہنگا، اگر کوئی نجف سے باہر چلا گیا تو راہ کی دشواری کے باعث آنا مشکل، اور اگر آگیا تو پھر نکلنا مشکل، گرمی پڑی تو نجف کا طبق ایک دہکتا ہوا انگارہ، سردی آئی تو رگوں کے اندر خون سلاخ بن گیا ـــــ یہی وہ صبر آزما حالات تھے جن کی بنا پر اس تارک الدنیا کی زیارت یا مجاورت کی وہی ہمت کرتا تھا۔ کہ جو علیؑ کا پکا شیدائی اور سچا دوست ہو۔ اس زمانہ میں نجف کی آبادی بیشک قلیل تھی مگر ان قلیل افراد میں شیخ طوسی۔ شیخ مرتضیٰ انصاری، بحرالعلوم، اخوند ملا کاظم و سید کاظم یزدی جیسی جلیل القدر ہستیاں پائی جاتی تھیں۔

اب آج:۔ نجف کا نقشہ بدلا ہوا ہے تنگ گلیوں کی جگہ بڑی بڑی شاہراہوں نے لے لی ہے جن کے دو طرفہ عالیشان بلڈنگیں زیر تعمیر ہیں، کوفہ کا واٹر ورکس دن رات دریائے فرات کا پانی نجف اشرف کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہے اس لئے جہاں کہیں ہری ترکاری بھی نایاب تھی۔ اب وہاں سبزہ لہلہا رہا ہے، موٹروں کی اس قدر کثرت ہے کہ ہر گھنٹہ اطراف و جوانب کی طرف لاریاں چھوٹتی رہتی ہیں۔ نلوں کے ذریعہ بہائے ہوئے کثیر پانی۔ بلند عمارتوں کے سایہ، پھیلے ہوئے سبزے کی وجہ سے اب گرمی میں بھی وہ جلد سوزیش بھی باقی نہیں رہی۔ خلاصہ یہ کہ ـــــ سو برس ادھر کا انسان آج اگر قبر سے اٹھ کر ادھر آنکلے تو اس کو اونچے اونچے مکانات، بجلی کی

روشنیاں، موٹروں کی کثرت، سجے ہوئے ہوٹل، ریڈیو سے نکلتی ہوئی خارق عادت آوازیں بھونچکا کر دیں گی ـــــ

تازہ کوائف:- زندہ باد! اے ایمان کی جولانگاہ ـــــ ایران! جس نے حرم اقدس میں ایسی صناعی کی ہے جس کی لاگت کا اندازہ مشکل ہے۔ حضرت اسد اللہ کی پر نور ضریح دیکھ کر ہم سمجھے تھے کہ اب اس کا جواب نہیں ہو سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ ـــــ فارس کے رہنے والوں نے اس خیال کی اپنے عمل سے تکذیب کر دی۔ در و دیوار پر بلوریں نقش و نگار بنائے جن کی تصویر کاغذ پر بنانا مشکل ہے۔ ہر آئینہ کی تراش نگاہ مردم کو خیرہ کر رہی ہے شیشے کو کاٹ کر گل بوٹے بنانا ایرانی ہی سلیقہ پر موقوف ہے۔ اور اس نقاشی پر چار چاند لگا دیئے ہیں اس شکمی برق نے جو خفیہ طریقہ سے بلوریں پھولوں کے اندر ہی اندر چوطرفہ بچھا دی گئی ہے جب یہ برقی قمقمے بلوریں پھولوں کے اندر روشن ہو جاتے ہیں اور مخفی گوشوں میں چھپے ہوئے رنگ برنگی ٹیوب یک بیک بھڑک اٹھتے ہیں تو حرم اقدس کی غرق آئینہ دیواروں پر عجب کیف طاری ہوتا ہے۔ کہیں آبی شعاعیں کروٹیں لے رہی ہیں تو کہیں سبز نور کا دریا موجزن ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں "خاک زمرد" اڑ رہی ہے۔ حرم مطہر کا ہر ہر گوشہ ان روپہلی سنہری کرنوں سے تمام شب معمور رہتا ہے اور یہ بجلی اس افراط سے ہے کہ اب حرم میں آویزاں جھاڑ و فانوس کی بھی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی، ایوان طلا اور منارہ طلا کا سونا خراب ہو گیا تھا اس کو دوبارہ نیا سونا چڑھایا گیا ہے۔ حکومت نے بھی اصلاحوں میں کافی روپیہ صرف کیا ہے۔ چنانچہ کربلا کی طرح یہاں بھی بارگاہ کے گرداگرد ایک سڑک بنا دی گئی ہے۔ ایک سڑک در باب طوسی سے کربلا کے رخ وادی السلام تک بنائی گئی ہے گویا اب حضرت ابو الشہدا و حضرت سید الشہدا کے روضے آمنے سامنے ہو گئے، علاوہ ازیں اور بھی نئی سڑکوں اور اصلاحوں کے تجاویز زیر غور ہیں

نجف اشرف کی روحانی مرکزیت:- نجف صدیوں سے علم و عمل کا مرکز رہا ہے۔ اور یہ مرکزیت باب مدینۃ العلم کی ذات اقدس کی وجہ سے ہے۔ نجف ہی میں شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی، مجدد شریعت علامہ حلی، مقدس اردبیلی، محمد مہدی، بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، محمد حسین صاحب جواہر، شیخ مرتضیٰ انصاری، شیخ عباس قمی رضوان اللہ اجمعین جیسے بلند پایہ علماء و مجتہدین کی قبور ہیں۔

نجف جس طرح علماء دین کا مرکز رہا ہے اسی طرح کتابوں کا بھی پرانا مرکز رہا ہے۔ سب سے بڑا اور نایاب کتب خانہ محلہ عمارہ میں "کتب خانہ شوستری" ہے۔ دوسرے مشہور کتب خانے

خانوں میں مکتبہ کاشف الغطاء، مکتب النجف، مکتبہ بروجردی، مکتبہ حکیم، مکتبہ امیرالمومنینؑ، کتب خانہ شیخ علی کاشف الغطاء اور کتب خانہ سید آقا جزائری ہیں۔

نجف اشرف میں قدم قدم پر مسجدیں ہیں۔ ان میں تین تاریخی شان کی حامل ہیں۔ ایک "مسجد طوسی"، اس مسجد میں شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ کی قبر مطہر ہے۔ دوسرے "مسجد ترک"، جس کی تاسیس شیخ مرتضیٰ انصاری نے کی ہے۔ تیسرے "مسجد ہندی" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس ہندی تاجر نے اس کو تعمیر کیا ہے وہ ہانگ کانگ میں تجارت کرتے تھے۔ مسجد کی تاسیس کے وقت انہوں نے کہا کہ میں نے نذر کی ہے کہ اس کی نیو ایسے متبرک ہاتھوں سے پڑے گی جس کی نماز شب کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ یہ وہ تھا جس پر بڑے بڑے مقدسین وقت پورے نہ اتر سکے۔ بالآخر خود انہوں نے اس کی خشتِ اول رکھی۔

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ

انسانی زندگی کو اپنے راستے میں طرح طرح کے نرم اور گرم حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر طرح کے حالات میں اپنے فرض کو محسوس کرنا چاہیے وہ دلی خواہشوں اور طبیعت کے حوصلوں پر کتنا ہی بار ہو۔ یہی انسانیت کی رُوح اور اخلاق کی جان ہے اور اس کے لئے ایسے رہنماؤں کی ـــــ زندگی کے مطالعہ کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نفس پر قابو حاصل تھا اور جو ہر موقعہ پر جذبات سے نہیں بلکہ فرائض کے احساسات سے کام لیتے تھے اور جنہوں نے دنیا کے سامنے ضبط و صبر و تحمل اور ایثار کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔

آلِ محمدؐ علیہم السلام میں یکے بعد دیگرے جو امام ہوتے رہے ان سب کی مجموعی سیرت ایک جامع انسانیت اور اخلاق کی کتاب ہے جس میں کہیں شجاعت کے مظاہرات ہیں۔ کہیں حلم کے۔ کہیں سخاوت کے کارنامے ہیں کہیں ایثار کے۔ کہیں حکمت کے نمونے ہیں کہیں علم و معرفت کے۔ چونکہ ان حضرات کو حالاتِ زمانہ یکساں نہیں ملے تھے بلکہ زمانہ کی کج رفتاری اور انقلابی چال سے ان کو مختلف حالات سے سابقہ پڑا اور ہر حالت کے موافق ان کو بہترین طرزِ عمل اختیار کرنا پڑا۔ اس لئے نوعِ انسانی کی بہتری کے لئے ان میں سے ہر فرد کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے مطالعہ کے انسانیت کا کوئی ایک گوشہ تشنۂ ہدایت رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ حالات آئمہ کا پیش کیا جا رہا ہے اور یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

نام و نسب حسن نام، مجتبیٰ لقب اور ابو محمد کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معزز بیٹی حضرت فاطمہ الزہراؑ کے بطن سے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے بڑے فرزند تھے۔

ولادت ۱۵ ر ماہ رمضان المبارک کو ہجرت کے تیسرے سال آپ کی ولادت ہوئی۔ رسولؐ کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ جب مکہ معظمہ میں رسولؐ کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے اور سوائے لڑکی کے آپ کی اولاد میں کوئی نہ رہا تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ کو معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل کہنے لگے اس سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ کی تسلّی کے لئے قرآن مجید میں سورۂ کوثر نازل ہوا۔ جس میں آپ کو خوشخبری دی گئی کہ خدا نے آپ کو کثرتِ اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہو گا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مدینہ میں آنے کے تیسرے ہی سال پیدائش گویا سورۂ کوثر کی پہلی تفسیر تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ انہی امام حسنؑ اور ان کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے اولادِ رسولؐ کی وہ کثرت ہوئی کہ باوجود ان کوششوں کے جو دشمنوں کی طرف سے اس خاندان کے ختم کرنے کی ہمیشہ ہوتی رہیں جن میں ہزاروں کو سولی

دے دی گئی۔ ہزاروں تلوار سے قتل کئے گئے اور کتنوں کو زہر دیا گیا۔ اس کے باوجود آج تک دنیا آلِ رسولؐ کی نسل سے چھلک رہی ہے۔ عالم کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ہوگا جہاں اس خاندان کے افراد موجود نہ ہوں۔ جب کہ رسولؐ کے دشمن جن کی اس وقت کثرت سے اولاد موجود تھی ایسے فنا ہوئے کہ نام و نشان بھی ان کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ ہے قرآن کی سچائی اور رسولؐ کی صداقت کا زندہ ثبوت جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور اس لئے امام حسن علیہ السلام کی پیدائش سے پیغمبر کو ویسی ہی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک نانا کو نواسے کی ولادت سے ہونا چاہیئے بلکہ آپ کو خاص مسرت یہ ہوئی کہ آپ کی سچائی کی پہلی نشانی دنیا کے سامنے آئی ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا ہوئی اور پیغمبر نے بحکم خدا اپنے اس فرزند کا نام حسنؑ رکھا۔ یہ نام اسلام سے پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ سب سے پہلے پیغمبر کے اسی فرزند کا نام قرار پایا جس طرح حسینؑ ان کے چھوٹے بھائی کا نام بھی بس انہی سے مخصوص تھا۔ ان سے پہلے کسی کا یہ نام نہ ہوا تھا۔

تربیت حضرت امام حسنؑ علیہ السلام کو تقریباً آٹھ برس اپنے نانا رسول اللہ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کا موقع ملا۔ رسالت مآب اپنے اس نواسے سے جتنی محبت فرماتے تھے اس کے واقعات دیکھنے والوں نے ہمیشہ یاد رکھے۔ اکثر حدیثیں محبت اور فضیلت کی حسنؑ اور حسینؑ دونوں صاحبزادوں میں مشترک ہیں۔ مثلاً حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔ دونوں گوشوارۂ عرش ہیں، یہ دونوں میرے گلدستے ہیں۔ خداوندا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ تو بھی ان کو محبوب رکھنا اور اس طرح کے بے شمار ارشادات پیغمبر کے دونوں نواسوں کے بارے میں کثرت سے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی جانب ہوتی ہے مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان دونوں نواسوں کی یہ خصوصیت صراحت کے ساتھ.... بتائی کہ انہیں میرا صرف نواسہ نہیں بلکہ میرا فرزند کہنا درست ہے۔

یہ حدیث حضرت کی تمام اسلامی حدیث کی کتابوں میں درج ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ خدا نے ہر شخص کی اولاد کو خود اس کے صلب سے قرار دیا اور میری اولاد کو اس نے علی ابن ابی طالب کی صلب سے قرار دیا پھر بھلا ان بچوں کی تربیت میں پیغمبرؐ کس قدر اہتمام صرف کرنا ضروری سمجھتے ہوں گے جب کہ خود بچے بھی وہ تھے جنہیں قدرت نے طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کمسنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا رعب و داب اور شانِ سرداری اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔ شانِ سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصافِ کمال کی جھلک نظر آرہی ہے اس کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں سے رسولؐ نے اپنے مشن کے کام میں ان کو اسی بچپن کے عالم میں شریک بھی کیا جس سے یہ ثابت بھی ہوا کہ پیغمبر اپنے بعد حفاظتِ اسلام کی مہم کو اپنے ہی اہلبیتؑ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک موقع مباہلہ کے میدان میں تھا۔ جہاں حضرت امام حسنؑ بھی اپنے نانا کے ساتھ تھے۔

جب جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور امام حسن علیہ السلام اس اطمینان اور مسرت

کی زندگی سے محروم ہوئے۔ نانا کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد امام حسنؑ کو اپنی مادرِ گرامی حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا اب حسنؑ کے لئے گہوارۂ تربیت اپنے مقدس باپ حضرت علی ابن ابی طالب کی ذات تھی۔ حسنؑ اسی دور میں جوانی کی حدوں تک پہنچے۔ اور کمالِ شباب کی منزلوں کو طے کیا۔ پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد جب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو مسلمانوں نے خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اور اس کے بعد جمل۔ صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ تھے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کار ہائے نمایاں بھی دکھلائے۔

خلافت

۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اس وقت تمام مسلمانوں نے مل کر حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت تسلیم کی۔ آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ بیان کئے جناب امیرؑ کی سیرت اور مالِ دنیا سے پرہیز کا تذکرہ کیا۔ اس وقت آپ پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ گلے میں پھندا پڑ گیا اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کئے۔ عبداللہ ابن عباس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے انتہائی خوشی اور رضامندی کے ساتھ بیعت کی۔ آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ شرط کر دی کہ "اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح کرنی ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی۔" سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ آپ نے انتظامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ اطراف میں عمال مقرر کئے۔ احکام معین کئے۔ اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

یہ وقت وہ تھا کہ دمشق میں امیرِ شام معاویہ کا تختِ سلطنت پر قبضہ مضبوط ہو چکا تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ صفین میں جو لڑائیاں امیرِ شام کی ہوئی تھیں۔ ان کا نتیجہ تحکیم کی سازشانہ کارروائی کی بدولت امیرِ شام کے موافق نکل چکا تھا۔ ادھر حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی سلطنت کے اندر جہاں اب حضرت امام حسنؑ حکمران ہوئے تھے۔ باہمی تفرقے اور بددلی پیدا ہو چکی تھی خود جناب امیرؑ کے احکام کی تعمیل میں جس طرح کوتاہیاں کی جاتی تھیں وہ حضرت کے آخر عمر کے خطبوں سے ظاہر ہے۔ خوارج نہروان کا فتنہ مستقبل طور پر بے اطمینانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ جن کی اجتماعی طاقت کو اگرچہ نہروان میں شکست ہو گئی تھی مگر ان کے منتشر افراد اب بھی ملک کے امن و امان کو صدمہ پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ بظاہر اسی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے حضرت امیرؑ کے سر پر سجدے میں ضربت لگائی اور جس کے صدمہ سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

ابھی ملک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے غم میں سوگوار تھا۔ اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ امیرِ شام کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہو گئی اور ان کے خفیہ کارکنوں نے اپنی کارروائیاں جاری کر دیں۔ چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں آیا اور ایک شخص بنی قین میں

میں سے بصرہ میں پکڑا گیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوش گوار بنائیں غنیمت ہے کہ اس کا انکشاف ہوگیا۔ حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قینؑ والا آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم اپنی دراندازیوں سے باز نہیں آئے۔ تم نے لوگ بھیجے ہیں تاکہ میرے ملک میں بغاوت کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہشمند ہو۔ ایسا ہے تو پھر تیار رہو۔ منزل کچھ دور نہیں ہے۔ نیز مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفات پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے موت سب کے لئے ہے۔ آج ہمیں اس حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہونا ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے ایک منزل سے منتقل ہو کر اپنی دوسری منزل میں جا کر آرام کی نیند سو جائے۔"

اس خط کے بعد امیر شام اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی ردّ و بدل ہوئی۔ امیر شام کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اہلِ کوفہ کے باہمی تفرقہ اور بد دلی اور عملی کمزوریوں کا علم ہوگیا اس لئے اس نے سوچا کہ یہی موقعہ ہے کہ عراق پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر عراق کی حدود تک پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت امام حسنؑ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور حجر ابن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے اطرافِ ملک کے حکام کو مقابلے کے لئے آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کریں۔ مگر جو خیال تھا وہی ہوا کہ عام طور پر سرد مہری سے کام لیا گیا۔ تھوڑی فوج تیار ہوئی تو ان میں کچھ فرقہ خوارج کے لوگ تھے۔ کچھ شورش پسند اور مالِ غنیمت کے طلبگار اور کچھ لوگ صرف اپنے سردارانِ قبائل کے دباؤ سے شریک تھے۔ بہت کم وہ لوگ تھے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے شیعہ سمجھے جا سکتے ہوں۔

اُدھر معاویہ نے عبداللہ ابن عامر ابن کریز کو آگے روانہ کیا اور اُس نے مقام انبار میں جا کر چھاؤنی چھائی ادھر امام حسنؑ اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے اور مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لئے سب کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "دیکھو مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں ہے۔ میں تمہارا اتنا ہی بہی خواہ ہوں جتنا خود اپنی ذات کی نسبت مجھے ہونا چاہیئے۔ میں تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کن رائے قائم کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم میری رائے سے انحراف نہ کرو گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر کی ہمت جہاد سے پست ہوگئی ہے اور میں کسی طرح یہ صحیح نہیں سمجھتا کہ تمہیں بادلِ نخواستہ کسی مہم پر مجبور کروں۔ اس تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں ہنگامہ پیدا ہوگیا۔ یقینی علیؑ ایسے بہادر باپ کا بہادر فرزند تن تنہا اس ہنگامہ آور جماعت کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ اگر یہ کھلم کھلا دشمنوں کی جماعت ہوتی۔ مگر اس کے پہلے خود حضرت علیؑ بھی اس وقت بظاہر بے بس ہو گئے تھے۔

جب نیزوں پر قرآن اونچے کئے جانے کے بعد صفین میں خود آپ کی فوج کے آدمی آپ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے کہ اب آپ جنگ کو روک کئے نہیں ورنہ ہم آپ کو قید کر کے دشمن کے سپرد کر دیں گے۔ اس وقت جناب امیرؑ نے ایسا نہیں کیا کہ تلوار لے کر ان سے لڑنے لگتے بلکہ مجبوراً جنگ کو ملتوی فرمایا۔ اس سے زیادہ سخت صورت سے اس وقت امام حسنؑ کو سامنا کرنا پڑا کہ مجمع نے آپ پر حملہ کر دیا اور مصلّا قدم کے نیچے سے کھینچ لیا۔ چادر آپ کے دوش سے اُتار لی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آواز بلند کی کہ کہاں ہیں "ربیعہ اور ہمدان" فوراً یہ دونوں جاں نثار قبیلے اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے اور لوگوں کو آپ سے دُور کیا۔ آپ یہاں سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے مگر جراح ابن قبیصہ اسدی ایک شخص انہی خوارج میں سے کمین گاہ میں چھپ گیا اور اس نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہو گئی۔ حملہ آور گرفتار کیا گیا اور اُسے سزا دی گئی۔ عرصہ تک مدائن میں علاج ہونے کے بعد اچھے ہوئے اور پھر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کی تیاری کی۔

صلح امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السّلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن علیہ السّلام کے لئے جنگ کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں مگر وہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐ کے نواسے ہیں اس لئے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعے یہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو اور خون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر میں صلح کے لئے تیار ہوں۔

امام حسنؑ یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیشِ نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دھبہ میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انہیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوقِ الٰہی کا اجرا ہو۔ اب امیر معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا یہ کہ امیر شام صلح کے شرائط پر عمل نہ کریں گے۔ بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور حجت تمام کیوں کر ہو سکتی تھی۔ پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کیا اور تقریر فرمائی "آگاہ رہو کہ تم میں وہ خوں ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے۔ کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لئے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسے پر تلواروں سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس

کو قبول کریں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔" جواب میں لوگوں نے ہرطرف سے پکارنا شروع کیا کہ "ہم زندگی چاہتے ہیں۔ ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجئے۔" اس کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کرکے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے:۔

۱۔ یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کریں گے۔
۲۔ یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔
۳۔ یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔
۴۔ یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔
۵۔ معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ ابن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔
۶۔ جناب امیر علیہ السّلام کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیئے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السّلام موجود ہوں اس موقع پر ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاوّل یا جمادی الاوّل سنہ ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

صلح کے بعد

فوجیں واپس چلی گئیں۔ معاویہ کی شہنشاہی ممالک اسلامیہ میں عمومی طور پر مسلّم ہوگئی اور اب شام و مصر کے ساتھ عراق و حجاز یمن اور ایران نے بھی اطاعت کرلی۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام کو اس صلح کے بعد اپنے بہت سے ساتھیوں کی طرف سے جس طرح کے دل خراش اور توہین آمیز الفاظ کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا برداشت کرنا انہی کا کام تھا۔ وہ لوگ جو کل تک امیرالمومنین کہہ کے تسلیم بجالاتے تھے آج "مذل المومنین" یعنی مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے کے الفاظ سے سلام کرنے لگے مگر امام حسن علیہ السّلام نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہوکر نخلیہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیئے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ "میرا مقصد جنگ سے یہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو۔ روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلّم ہوجائے اور یہ مقصد میرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا اور باوجود

تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے کامیاب کر دیا رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ اُن کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے۔" مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا مگر اب کس میں دم تھا کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔ انتہا یہ ہے کہ کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی میں امیرِ شام نے حضرت امیرؑ اور امام حسنؑ کی شان میں کلماتِ نازیبا استعمال کئے جس کو سُن کر امام حسینؑ بھائی کی جانب سے جواب دینے کے لئے کھڑے ہوگئے مگر حضرت امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں امیرِ شام کی تقریر کا جواب دیا۔ اسی طرح جتنی شرطیں معاہدہ کی تھیں۔ امیرِ شام نے سب کی مخالفت کی اور کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا۔

باوجودیکہ آپ بالکل خاموشی کی زندگی گذار رہے تھے مگر آپ خود بھی اس دَور میں بنی اُمیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں تھے ایک طرف غلط پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات جن سے آپ کی بلندی مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے مثلاً کثرتِ ازدواج اور کثرتِ طلاق یہ چیز اپنی جگہ پر شریعتِ اسلام میں جائز ہے مگر بنی اُمیہ کے پروپیگنڈے نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقے پر پیش کیا جو ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ دوسرے بنی اُمیہ کے ہواخواہوں کا برابر تاوُ سخت کلامی اور دشنام دہی اس کا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان سے فرمائے تھے۔ امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا "آج تم روتے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم انہیں غم و غصہ کے گھونٹ پلاتے تھے جنہیں دل ہی خوب جانتا ہے۔" مروان نے کہا "ٹھیک ہے مگر وہ سب میں ایسے انسان کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والا تھا۔

اخلاق و اوصاف

امام حسنؑ کی ایک غیر معمولی صفت جس کے دوست اور دشمن سب معترف تھے وہ یہی حلم کی صفت تھی جس کا اقرار ابھی مروان کی زبان سے آپ سُن چکے ہیں۔ حکومت شام کے ہواخواہ صرف اس لئے جان بوجھ کر سخت کلامی اور بد زبانی کرتے تھے کہ امام حسن علیہ السّلام کو غصہ آجائے اور کوئی ایسا اقدام کر دیں جس سے عہد شکنی کا الزام آپ کی طرف عائد کیا جا سکے اور اس طرح خوں ریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے مگر آپ ایسی صورتوں میں حیرت انگیز قوت برداشت سے کام لیتے تھے جو کسی دوسرے انسان کا کام نہیں ہے۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ نے تین مرتبہ اپنا تمام مال راہِ خدا میں لٹا دیا اور دو مرتبہ اپنی تمام ملکیت یہاں تک کہ اثاث البیت اور لباس تک کو آدھوں آدھ راہِ خدا میں دے دیا۔ سائلوں کو ایک ایک دفعہ میں ہزاروں روپیہ دے دیئے ہیں اور حقیقت میں معاویہ کے ساتھ شرائط صلح میں جو بہت سے مؤرخین کے بیان کے مطابق ایک خاص رقم کی شرط ملتی ہے کہ معاویہ کی جانب سے ہر سال امام حسن علیہ السّلام کے پاس روانہ کی جائے وہ اگر صحیح ہو تو اس کا صرف یہی مقصد

تھا کہ اس ذریعے سے مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ روپیہ مستحقین تک بھی پہنچ سکے۔ ہرگز اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے آپ نے اس رقم کی شرط قرار نہیں دی تھی چنانچہ جو کچھ پاس موجود ہوتا تھا چاہے زیادہ سے زیادہ رقم کیوں نہ ہو۔ آپ فوراً سائلوں کو عطا فرما دیتے تھے کسی نے آپ سے پوچھا کہ " باوجودیکہ آپ خود ضرورت مند ہیں پھر بھی کیا بات ہے کہ سائل کو رد نہیں فرماتے۔" آپ نے فرمایا۔ میں خود خدا کی بارگاہ کا سائل ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ خود سائل ہوتے ہوئے دوسرے سائلوں کے سوال کو رد کروں اس صورت میں مجھے کیا حق ہوگا کہ میں اپنے خدا سے اپنے سوال کے پورا ہونے کی تمنا رکھوں۔

اس کے ساتھ آپ کے علمی کمالات بھی وہ تھے جن کے سامنے دنیا سر تسلیم خم کرتی تھی۔ اگرچہ عبداللہ ابن عباس امیرالمومنینؑ سے حاصل کئے ہوئے علوم سے دنیائے علم میں اپنا ڈنکا بجا رہے تھے مگر جب امام حسن علیہ السلام کے خداداد علم کا سامنا ہو جاتا تھا تو خاندانِ رسالت کی بزرگی کا دنیا کو اقرار کرنا پڑتا تھا چنانچہ ایک سائل نے مسجدِ نبوی آ کر ایک آیت کی تفسیر ابنِ عباس سے بھی پوچھی۔ عبداللہ ابنِ عمر سے بھی پوچھی اور پھر امام حسن علیہ السلام سے دریافت کی اور آخر میں اس نے اقرار کیا کہ امام حسن علیہ السلام کا جواب یقیناً دونوں سے بہتر تھا۔ اکثر آپ نے اپنے دشمن معاویہ کے دربار اور وہاں کے مخالف ماحول میں فضائل اہلبیت اور مناقب امیرالمومنین پر ایسی مؤثر تقریریں فرمائی ہیں کہ دشمنوں کے سر جھک گئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور حقانیت کا ان کے دلوں پر سکہ قائم ہو گیا۔

عبادت بھی آپ کی امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ بیس[۲] یا پچیس[۵] حج پا پیادہ کئے۔ جب موت۔ قبر۔ قیامت اور صراط کو یاد فرماتے تھے تو رونے لگتے تھے۔ جب بارگاہِ الٰہی میں اعمال کے پیش ہونے کا خیال آتا تھا۔ تو ایک نعرہ مار کر بیہوش ہو جاتے تھے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو جسم لرزنے لگتا تھا۔

وفات

اس بے ضرر اور خاموش زندگی کے باوجود بھی امام حسن علیہ السلام کے خلاف وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی اُمیہ میں اکثر صرف کیا جاتا رہا تھا۔ امیرِ شام نے اشعث ابنِ قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں تھی ساز باز کرکے ایک لاکھ درہم انعام اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعے سے حضرت کو زہر دلوایا۔ امام حسنؑ کے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور حالت خراب ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو بلایا اور وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے جدِ بزرگوار رسول خدا کے جوار میں دفن کرنا۔ لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون نہ گرنے پائے۔ میرے جنازے کو واپس لے آنا اور جنت البقیع میں دفن کرنا ۲۸ صفر ۵۰ھ کو امام حسنؑ دنیا سے رخصت ہو گئے حسینؑ حسبِ وصیت بھائی کا جنازہ روضۂ رسولؐ کی طرف لے گئے مگر جیسا کہ امام حسنؑ کو اندیشہ تھا۔ وہی ہوا۔ اُم المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی۔ نوبت یہ پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کر دی اور کچھ تیر جنازہ امام حسنؑ تک پہنچے۔ بنی ہاشم کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ تھی۔ امام حسینؑ نے بھائی کی وصیت پر عمل کیا۔ اور امام حسنؑ کا تابوت واپس لا کر جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

مسلم بن عقیل

آپ کی والدہ کا نام علیّہ تھا، ابو مخنف وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب اہل کوفہ کے خطوط جناب امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے حضرت مسلم کو نصیحت و ہدایت فرما کر مع قیس بن مسہر اور عبدالرحمٰن ارجی کے جو کوفہ سے خطوط لانے والوں میں سے تھے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو ایک خط بھی لکھا یہ خط لے کر جناب مسلم اواخر رمضان میں مکہ سے روانہ ہوئے، مدینہ آئے، اہل و عیال سے رخصت ہوئے اور دو رہبر لے کر کوفہ کی طرف چلے۔ راستہ میں وہ دونوں راہ بھول گئے اور پیاس سے مر گئے۔ جناب مسلم ایک کنویں پر پہنچے جس کا پتہ اور نشان ان راہبروں نے بتایا تھا، یہاں پہنچ کر آپ نے یہ سب کچھ حضرت کو لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اس واقعہ کو میں فالِ بد خیال کرتا ہوں، یہ خط قیس بن مسہر کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اے مسلم تم ڈر گئے جہاں میں نے بھیجا ہے۔ جاؤ وسواس نہ کرو۔ جواب بھی قیس بن مسہر ہی جناب مسلم کے پاس لائے۔ جس کے بعد آپ روانہ ہوئے۔ جب طے کے چشمہ سے بھی آگے بڑھے، تو دیکھا، کہ ایک شخص نے ہرن شکار کیا، آپ نے فرمایا، کہ انشاء اللہ اسی طرح ہمارے دشمن بھی قتل ہوں گے۔ غرض آپ کوفہ پہنچے، مختار بن ابو عبیدہ کے گھر میں مقیم ہوئے۔ اہل کوفہ آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے امام حسینؑ کا خط انہیں سنایا۔ جس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ حاکم کوفہ نعمان بن بشیر نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں پر سختی نہیں کی۔ اس کی شکایت یزید کو لکھی گئی۔ ادھر اٹھارہ ہزار یا اس سے زائد آدمی بیعت میں آگئے، آپ نے حضرت امام علیہ السلام کو لکھا، کہ آپ تشریف لے آئیں۔ حالات معلوم کر کے یزید نے ابن زیاد حاکم بصرہ ہی کو کوفہ کا حاکم بھی بنایا، ابن زیاد بصرہ میں حضرت کے خلاف لوگوں پر سختی کر ہی رہا تھا، اب کوفہ کے انتظام کے لئے بھی چلا، ابن زیاد قطع منازل طے کرتا ہوا کوفہ پہنچا۔ اس طرح کے ڈھاٹا باندھے تھا، لباس ایسا تھا کہ لوگوں کو آنحضرت کے تشریف لانے کا شبہ ہوا۔ نعمان بن بشیر بھی یہی سمجھا، بہت سے لوگ پیشوائی کو آگئے اور وہ سب خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ نعمان نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا تھا، جب دروازہ پہ پہنچ کر ابنِ زیاد نے آواز دی، تو لوگوں نے پہچانا۔ نعمان نے دروازہ کھولا، اور سب لوگ وہاں سے بھاگ کر بغرض حفاظت حضرت مسلم کے پاس آ رہے، اس کے بعد جناب

مسلم حضرت ہانی کے گھر آگئے۔ ابن زیاد کے جاسوس نے اس کو اطلاع دی کہ مسلم ہانی کے گھر میں ہیں، ابن زیاد نے ہانی کو پکڑ بلایا اور قید کر دیا، یہ سُن کر جناب مسلم اپنے اصحاب کا باقاعدہ منظم لشکر لے کر پہنچے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، قلعہ کے اوپر سے رؤساء و عمائد نے ہمراہیان جناب مسلم کو ڈرایا دھمکایا، بہت سے لوگ فرار ہو گئے کچھ لوگوں نے باہر آکر بقیہ جماعت کو ملامت کی یہاں تک کہ حضرت کے ساتھی گرفتار کر کے قید کئے جانے لگے، جب یہ نوبت پہنچی تو جناب مسلم مسجد سے یکہ و تنہا نکلے راستوں سے واقف نہ تھے۔ پھرتے پھرتے طوعہ کے مکان پر پہنچے، اس سے پانی مانگا اس نے پانی پلایا، آپ پانی پی کر اس کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ طوعہ نے کہا: اے شخص! تو کیوں بیٹھا ہے، شہر پر آشوب ہے اپنے گھر جا۔ آپ نے اس سے ٹھہرنے کی خواہش کی، اس نے آپ کو مہمان کیا، پہچان کر بہت خاطر و مدارات کی حجرہ میں چھپایا طوعہ کا فرزند بلال جب آپ کے حال پر مطلع ہوا، تو اس نے ابن زیاد کو خبر دی، ابن زیاد نے ایک جماعت کو محمد بن اشعث کی سرکردگی میں بھیجا، جناب مسلم تلوار لے کر باہر نکلے جنگ شروع کی، بہت سے مارے گئے، اکثر نے آپ کو اُٹھا اُٹھا کر چھت پر پھینک دیا اشقیا جو چھتوں پر چڑھے ہوئے یہ حال دیکھ رہے تھے، انہوں نے لکڑیاں جلا کر اور پتھر حضرت پر مارنا شروع کئے۔ بکیر بن حمران کی تلوار آپ کے چہرہ پر پڑی۔ جو اوپر کا ہونٹ کاٹتی ہوئی، نیچے تک پہنچی، دندان مبارک شہید ہوئے، آپ نے بھی جھپٹ کر اس کو تلوار سے زخمی کیا، محمد بن اشعث نے آپ کو امان و تسلی دی۔ آپ زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے دیوار سے تکیہ لگا کر ٹھہرے، آپ کو ایک خچر پر سوار کر کے ابن زیاد کی طرف لے چلے، تلوار آپ سے لے لی۔ آپ نے فرمایا، کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے اور رونے لگے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے لئے نہیں روتا ہوں، بلکہ جو میرے عزیز میرے بعد یہاں آنے والے ہیں، ان کے لئے روتا ہوں، محمد بن اشعث سے کہا، کہ تو میرا حال امام حسینؑ تک پہنچا اور حضرت کو آنے سے روک دے۔ اس نے وعدہ کیا۔ اور اس اثنا میں تسلی دیتا رہا کہتے ہیں کہ محمد بن اشعث نے اس وعدہ کے مطابق ایک شخص کو خدمت امام میں بھیجا۔ لیکن وہ منزل زبالہ سے آگے نہ جا سکا۔ اس لئے کہ وہاں حصین ابن نمیم دو ہزار کا لشکر لئے ہوئے بحکم ابن زیاد پڑا ہوا تھا۔ اور اس نے راستے بند کر دیئے تھے۔ غرض محمد بن اشعث آپ کو لے کر ابن زیاد کی طرف چلا، پہلے تنہا اس کے پاس گیا۔ حضرت مسلم کی شجاعت کا حال بیان کیا اور کہا، کہ میں مسلم کو امان دے کر لایا ہوں، مگر ابن زیاد نے اس کی بات کو رد کر دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

جناب مسلم دروازہ پر کھڑے رہے، پیاس کا غلبہ ہوا، آپ نے پانی مانگا ایک شخص نے

ایسے بدکلامی کی جس کا آپ نے سخت جواب دیا۔ عمرو بن حریث اور عمارہ نے اپنے غلاموں سے پانی منگوایا اور آپ کو دو مرتبہ پانی دیا گیا مگر ہر مرتبہ خون سے مخلوط ہو گیا تیسری مرتبہ اوپر کے دو دانت کاسہ میں گر پڑے، آپ نے فرمایا: الحمد اللہ! اگر یہ پانی میرے رزق میں ہوتا تو میں پی سکتا، معلوم ہوا اب میرا رزق نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ کو داخلِ دربار کیا گیا، آپ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا۔ جب ابن زیاد سے آپ نے اپنے قتل کا فیصلہ سُنا۔ تو فرمایا، میں کچھ وصیتیں کرنا چاہتا ہوں، اور عمر سعد سے بطور راز یہ وصیتیں کیں، کہ میں یہاں سات سو درہم کا مقروض ہوں، میرا سامان بیچ کر یہ قرضہ ادا کر دینا۔ ابن زیاد سے میری لاش لے کر دفن کر دینا، امام حسین علیہ السلام کو میرے قتل کی خبر دینا اور یہاں آنے سے روک دینا۔ جب ابن سعد نے ابن زیاد سے یہ باتیں بیان کیں، تو اس نے کہا کہ مسلم کے سامان کا تجھے اختیار ہے، لاش کا ہمیں اختیار رہے، اگر امام حسین علیہ السلام ہمارے خلاف کچھ نہ کریں گے تو ہم بھی کچھ نہ کریں گے ورنہ ہم بھی باز نہ رہیں گے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے بہت سخت و درشت الفاظ میں آپ پر الزام فتنہ و فساد لگایا، یزید کو حقدار خلافت کہا اور بہت کچھ یاوہ گوئی کی، آپ بھی برابر جواب دیتے رہے، اپنی بے گناہی حمایت حق، عدل و انصاف نوازی اور اس کی ظلم کوشی، حق دشمنی، معصیت و سیہ کاری بیان فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ابن زیاد نے بکیر بن حمران کو جس نے آپ پر پہلے تلوار ماری تھی۔ بلایا اور کوٹھے پر لے جا کر قتل کر کے سر و بدن نیچے پھینک دینے کا حکم دیا، اس وقت آپ نے محمد بن اشعث کو متوجہ و مخاطب کیا۔ جس نے آپ کو امان دی تھی، مگر اس نے منہ پھیر لیا۔ بکیر آپ کو لے کر چلا، آپ تسبیح و تحمید کرتے درود پڑھتے اور خدا سے مناجات کرتے ہوئے کوٹھے پر پہنچے، بکیر نے آپ کو قتل کیا، جسم شریف کو نیچے پھینک کر کوٹھے سے اترا، ابن زیاد نے پوچھا: اے بکیر! قتل کے وقت مسلم کیا کہتے تھے! کہا۔ تسبیح و استغفار، اے حاکم جب میں نے مسلم پر تلوار لگائی، تو اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس وقت مسلم نے مجھ سے کہا کہ اے شخص دیکھا تو نے، یہ دیکھ کر بھی تجھے خوف خدا نہیں ہوا، ابن زیاد کہنے لگا: مرتے دم بھی مسلم نے یہ فخر کیا، اچھا پھر کیا ہوا۔ کہا پھر دوسری ضرب پر ان کا کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد بحکم ابن زیاد حضرت ہانی اور آپ کے دوسرے ساتھی بھی قتل کئے گئے۔ حضرت مسلم اور ہانی کی لاشیں، پیروں میں رسی باندھ کر بازاروں میں کھنچوائی گئیں۔ ۸ ذی الحجہ کو حضرت مسلم شہید ہوئے اور اسی روز سید الشہداء مکہ سے کوفہ کی طرف چلے۔

بناء بر روایت ابی مخنف بنی اسد کے بعض لوگ حج سے واپس آتے ہوئے دریافت حالات سید الشہداء کے لئے منزل زرود پر آکر آپ کے لشکر میں پہنچ گئے، اور کوفہ سے بنی اسد کا ایک شخص

جا رہا تھا، جس کو وہاں کے حوادث و وقائع کا علم تھا۔ حضرت نے اس کو دیکھا، اور انتظار کرنے لگے، لیکن اس نے اپنا راستہ بدلا، ان لوگوں نے اس کے پاس جا کر کوفہ کا حال پوچھا تو اس نے حضرت مسلم و ہانی کی شہادت اور لاشوں کی تشہیر کا حال بیان کیا۔ انہوں نے منزل ثعلبیہ پر حضرت کو یہ خبر سنائی آپ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور حضرت مسلم و ہانی کے لئے دعا فرمائی۔ ان لوگوں نے حضرت کو کوفہ نہ جانے کا مشورہ بھی دیا، لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ منزل زبالہ میں حضرت نے ایک تحریر نکالی، اصحاب کے سامنے اس کو پڑھا اور فرمایا: دیکھو یہ خبر وحشت اثر ہم کو ملی ہے کہ مسلم و ہانی اور عبداللہ بن یقطر مارے گئے، کوفہ کے حالات اس طرح ہیں۔ اہل کوفہ ہم سے پھر گئے۔ جس کا جی چاہے ہمیں چھوڑ دے، اس پر کوئی ہرج نہیں یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے جو طمع جاہ و مال میں ساتھ ہوئے تھے، اور خواص رہ گئے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ منزل ثعلبیہ میں حضرت خبر شہادت جناب مسلم سن کر خیمہ میں تشریف لائے، دختر جناب مسلم کو بھی یہ خبر سنائی، حضرت بھی روئے، بچی بھی رونے لگی۔ اور تمام مخدرات عصمت و طہارت میں بھی حضرت مسلم کا ماتم ہوا، ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی کے سر یزید کے پاس بھیجے۔ اور لاشوں کو لوگوں نے اس سے لے کر دارالحکومت کے قریب اس مقام پر دفن کیا جہاں اب تک علیحدہ علیحدہ قبریں موجود ہیں اور لوگ زیارت کرتے ہیں۔

مسلم:- معرکہ کربلا کے سلسلہ میں پہلے شہید اور بعض فضائل و خصوصیات میں اکثر شہداء سے افضل نظر آتے ہیں۔ حسین علیہ السلام کے مدینہ کے ساتھیوں میں یہ فضیلت مسلم ہی کو حاصل ہے کہ امامؑ نے اپنا سفیر بنا کر کوفہ بھیجا، جس سے آپ کی شان و شوکت، علمی جلالت اور شجاعت و جوانمردی پر گہرا امامت ثبت نظر آتی ہے، اگر مسلم اور محمد حنفیہ جیسے بہادر امامؑ کے ہمراہ کربلا میں موجود ہوتے اور امام اذنِ جہاد بھی فرما دیتے تو کربلا کی جنگ اور فتح و نصرت کا نقشہ ہی بدلا ہوا نظر آتا۔ لیکن امامؑ یہ سمجھتے تھے، کہ کل کا مذہب سے غافل مسلمان یہ نہ کہہ دے کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا ہے، لہذا امامؑ نے مسلم جیسے جری اور بہادر جانثار کو کوفہ بھیج دیا۔ اس میں کوئی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ مسلم نہایت غربت اور اہانت کی حالت میں شہید کئے گئے ہیں جیسا کہ آپ کی شہادت کے حالات سے واضح اور روشن ہے، کوفہ پہنچنے کے بعد آپ مختارؒ کے یہاں قیام فرمانے میں بیعت کرنے والوں کا تانا بندھ گیا۔ لیکن مختصر سے وقت میں نقشہ بدلا۔ انسان کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی اہم امر میں کامیابی حاصل کرتا ہے، تو اس کو غیر معمولی خوشی ہوتی ہے۔ مسلم نے جب کوفہ کے لوگوں کو امامؑ کی طرف مرغوب اور جانثار دیکھا ہوگا، تو وہ واقعتاً مسرور ہوئے ہوں گے۔ لیکن جب آنکھوں سے یہ بدلے ہوئے واقعات ملاحظہ فرمائے ہوں گے، تو مسلم کا

کیا حال ہوا ہوگا۔ یک لخت جو واقعات و حوادث رونما ہوتے ہیں انسان ان کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ایسے وقت میں بہادر سے بہادر انسان کا بھی جادۂ صبر پر قائم رہنا مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن یہ مسلمؑ ہی کا کلیجہ تھا، کہ باوجود اتنی کثیر جماعت کی مخالفت کے حقانیت پر ثابت قدم رہے اور ہم کو مذہب کی خدمت کرنے کا درس زریں دیا۔

شہداء کربلا میں جس کو جتنی زیادہ تکلیف و اذیت پہنچی ہے، اسی لحاظ سے اس شہید کو دوسرے شہداء پر فضیلت حاصل ہے۔ کربلا میں جو بھی شہید ہوا، اس کو یقین تھا کہ آخری وقت میں حسینؑ بالیں پر تشریف لائیں گے اور جب روح جسم سے مفارقت کر جائے گی، تو لاش خیمہ میں لے جائیں گے۔ لیکن مسلم غریب کو دیکھیے کہ امام حسینؑ کو یاد کرتے جاتے ہیں، اور روتے جاتے ہیں۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ جب آپ نے امامؑ کی شان میں ابن زیاد کے نامناسب فقرات کو سنا ہوگا۔ آپ کو معلوم تھا کہ حسینؑ آخری وقت میں لاش پر نہ پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا پہلے ہی آپ اس طرح مدینہ کا رخ کرکے سلام فرماتے ہیں۔ السلام علیک یا ابن رسول اللہ۔

مسلم ـــــ اسلام کے قوانین پر عمل کرنے کو فہ تشریف لے گئے تھے، اور مرتے دم تک اسلامی دستور العمل پر کاربند رہے اور اس کٹھن وقت میں ایسے جواہر پیش کئے کہ جن کی مثال و نظیر دنیا آج تک پیش نہ کر سکی، مسلم نے کمال ایمان کا ثبوت ایسے وقت میں دیا، کہ جب مخالف دربار، موت کا یقین اور تلواروں کا سایہ تھا، ابن زیاد کے لئے علیؑ کا نام گویا زخم تلوار تھا، مگر آپ نے مطلقاً پروا نہیں کی، اور آخر وقت تک خدا و رسولؐ اور علیؑ و حسینؑ کی یاد رہی۔

انسانی حقوق کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے پسر سعد میری دوسری وصیت یہ ہے، کہ تو میری زرہ بیچ کر ایک ہزار درہم ادا کر دینا جو میں نے یہاں آکر بطور قرض لئے تھے۔ مسلمؑ ہی کا کام تھا کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، تلوار کا سایہ ہے، اور آپ حقوق بندگان کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس وقت کا مسلم کی زبان سے نکلا ہوا ہر ہر فقرہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابن سعد میرے آقا و سردار کو لکھ بھیجنا، کہ یہاں تشریف نہ لائیں، میں نے سنا ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کو لے کر روانہ ہو چکے ہیں یہاں پہنچیں گے تو وہی مصیبت ان پر بھی نازل ہوگی جو مجھ پر پڑی ہے۔

مسلم کے ان الفاظ میں تعلیمات کے دریا جوش مار رہے ہیں۔ ہر ہر لفظ اپنی جگہ پر ناقابل انکار حقیقت ہے مسلم نے ان چند فقروں میں مواساۃ و موافاۃ، صلہ رحم، معرفت و اطاعت امام اور محبت اہلبیتؑ کے گرانقدر پہلوؤں کی طرف روشنی ڈالی ہے۔ اپنے اوپر مصیبت کا پہاڑ گرے تو گرے لیکن حسینؑ نواسہ رسولؐ، امام وقت کہیں ان مصائب میں مبتلا نہ ہوں۔

مسلم سے ابن زیاد کہتا ہے کہ اے ابن عقیل! تم نے اپنے پیشواء پر خروج کیا، مسلمانوں میں تفرقہ و فتنہ اندازی کی اور ہزاروں خون بہائے، تم نے مرتبہ خلافت کی امید کی، جس کے تم اہل نہیں بلکہ خدا نے وہ اہل کو دیا، تم نے آکر یہاں جمعیت کو کیوں پریشان کر دیا۔

آپ نے جواب میں وہ فصیح و بلیغ مختصر جملے فرمائے ہیں کہ جن سے حقیقت واضح و روشن ہو جاتی ہے اور ہم کو سبق ملتا ہے، کہ اگر کوئی غلط آواز بلند کرے خواہ وہ جابر و ظالم حکومت ہی کی آواز کیوں نہ ہو، اس کا جواب جوانمردی اور دلیری سے دینا چاہیئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اے ابن زیاد تو بالکل جھوٹا ہے ہمارا یہ کام نہیں۔ یہ تمام فرقہ پردازی معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کی ہے، اور یہ سارا فتنہ تو نے اور تیرے باپ زیاد نے اٹھایا ہے جو قبیلہ ثقیف میں سے بنی حلاج کا غلام تھا۔ اب میں اس کی تمنا کرتا ہوں، کہ تجھ جیسے بدترین مخلوق کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کروں۔ ہم طلب حکومت و خلافت کے لئے نہیں آئے، بلکہ تم نے بدکرداریاں شروع کر دیں خوش کرداریوں کو دفن کر دیا، لوگوں پر جابرانہ حکومت کی، ان کو حکم خدا کے خلاف چلایا۔ ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ کا جیسا ظالمانہ عملدرآمد کیا، اس لئے ہم اے کہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کریں۔ برائیوں سے بچائیں، کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں۔

شہداء کربلا نے اگر وصیتیں کرنا چاہی ہیں تو اپنے اعزہ و اقارب یا احباب سے وصیتیں کیں اور ان وصیتوں پر عمل ہوا، لیکن مسلم غریب کو دیکھئے کہ وصیت کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی عزیز و قریب پاس نہیں اور جب آپ نے وصایا کیں تو ان پر عمل بھی نہیں کیا گیا۔

ایک مصیبت جو مسلم کے لئے نہایت زبردست تھی وہ یہ کہ جب آپ کو فریب و دغا کے ساتھ ملاعین نے گرفتار کر لیا تو آپ کی مشکیں کس کر ابن زیاد کے پاس لے گئے اول تو اس طرح ایک شجاع ترین شخص کا گرفتار ہو کر دربار میں جانا ہی کیا کم مصیبت ہے۔ دوسرے جب آپ دربار میں داخل کئے گئے تو آپ پر جھوٹے الزامات عائد کئے گئے۔

کربلا میں جو انصار امام شہید ہوئے وہ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے، لیکن مسلم کو ظالموں نے کوٹھے سے زمین پر گرایا جس کے سبب یقیناً آپ کو زیادہ تکلیف پہنچی ہوگی۔

جناب مسلمؑ کا گھر کربلا کے واقعہ میں شریک تھا، سب سے پہلے مسلمؑ نے جام شہادت نوش فرمایا اور جناب محمد و عبداللہ بن مسلم نے کربلا میں حسینؑ پر جان نثار کی جناب رقیہ زوجہ جناب مسلمؑ اور آپ کی صاحبزادی حمیدہ نے جناب زینب و ام کلثوم کیساتھ تمام مصائب و الام کا صابرانہ انداز میں مقابلہ کیا۔ واقعہ کربلا کا اختتام بھی جناب مسلم کے صاحبزادوں (جناب جعفر بن مسلم و ابراہیم بن مسلم) پر ہوا۔ جو بقول شیخ صادق شط فرات پر امام حسینؑ کے درجہ شہادت پر فائز ہونیکے بعد شہید ہوئے۔ ان حالات و واقعات کے بعد انسان پر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ واقعہ کربلا کے آغاز و انجام کا سہرا جناب مسلمؑ کے سر رہا۔

کربلا میں حق و باطل کی جنگ

اصحاب سرکار سیّد الشہداءؑ

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دمِ واپسیں کے واقعات، امیر المومنین علیہ السلام کے حالات اور امام حسن علیہ السّلام کی بے بسی اور ان کی شہادت امام حسین علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی، کہ بھائی کے بعد آپ نے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ امورِ سلطنت میں دخل دینا تو درکنار معمولی معمولی معاملات میں آپ دلچسپی لینے سے احتراز کرتے تھے امیر شام جب ایک ہزار کا لشکر لے کر یزید کی سلطنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے نکلا اور مدینہ پہنچ کر امام حسینؑ سے ملا۔ تو آپ نے سوالِ بیعت کے جواب میں فرمایا تھا کہ مجھے یزید سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور ساتھ ہی اس کے کیریکٹر کا حوالہ بھی دیا تھا۔

رجب ۶۰ھ میں جب معاویہ نے انتقال کیا اور یزید تخت نشین ہوا تو اس نے سب سے پہلے امام حسینؑ سے بیعت لینے کی سعی کی۔ لیکن دنیائے اسلام کی وہ سب سے عظیم شخصیت جس نے باپ کی بیعت نہ کی ہو، بھلا وہ بدکار بیٹے کی بیعت کیا کرتی۔ آخر آپ نے ولید بن عقبہ والیٔ مدینہ کے اس کہنے کا جواب کہ "مجھے یزید نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے بیعت لے لوں" نفی میں جواب دے دیا، اور فرمایا کہ میرے لئے یزید کی بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے کمال تدبر کی وجہ سے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا۔ اور آپ ۲۸ رجب کو اپنے بال بچوں سمیت مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ جا پہنچے۔ پورے چار ماہ اور چند یوم مکہ میں قیام پذیر رہنے کے بعد اُسے مدینہ کی طرح مقام خوف جان کر تحفظ حرمت کعبہ کے پیش نظر اہل کوفہ کی دعوت کے سہارے ۸ ذی الحجہ کو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں بمقام شراف آپ کی پیش قدمی کو روکنے نیز آپ کی گرفتاری اور نظر بندی کے لئے ایک ہزار کا لشکر آ گیا جس کا سپہ سالار حُر ابن یزید ریاحی تھا۔

حُر کا لشکر آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے جا رہا تھا کہ ۲ محرم الحرام کو کربلا میں ورود ہوا۔ آپ نے حُر کے منشا کے مطابق نہر سے کافی دور اپنے خیمے نصب کرائے۔

۳ محرم سے لشکر کی آمد کا تانتا بندھا اور یوم عاشورہ تک ہزاروں کی فوج آ گئی۔ ساتویں

سے پانی بند ہوا، اور دسویں کو ارضِ نحوست کے خونخواروں کی وجہ سے آسمانِ وفا کے "بہتر تارے" درچرخ رسالت کے متعدد شمس و قمر اور ماہ پارے خاک میں مل گئے۔
مورخین کا بیان ہے کہ جب صبح عاشور نمایاں ہوئی تو سرکار سیّد الشہداء اپنے اصحاب کے ساتھ نماز کے لئے آمادہ ہوئے۔ پانی نہیں تھا، تیمم کیا۔ آنحضرتؑ کے خاص موذن ـــــــ جن کا نام حجاج ابن مسروق تھا جو ان شہداء میں سے ایک تھے، ہمیشہ وہی اذان کہا کرتے تھے۔ لیکن آج حضرت نے اپنے فرزند ارجمند شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ سے فرمایا کہ بیٹا! آج تم اذان کہو۔ حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی۔ حضرت نے نماز ادا کی، اور تمام اصحاب نے حضور کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ آنحضرتؑ نے نماز کے بعد اصحاب اور اہلبیتؑ کے مردوں سے خطاب فرمایا۔ اشہد بان نقتل کلنا الا علی " میں گواہی دیتا ہوں کہ علی زین العابدین کے علاوہ ہم سب شہید ہو جائیں گے۔ جونہی ان حضرات نے سرکار سیّد الشہداء سے اس خوشخبری کو سُنا، تمام نے مسرت اور خوشی کا اظہار کیا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض اسی خوشی میں ایک دوسرے سے مذاق کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا: یہ مذاق کا وقت نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ خدا کی قسم! میں نے زندگی بھر کبھی مذاق نہیں کیا، اور نہ میں مذاق کو پسند کرتا ہوں، لیکن آج تو انتہائی خوشی کا دن ہے۔ ان کی رفعت پر غور کیجئے۔

دوسری طرف طلوع صبح سے پہلے عمر بن سعد لعین نے لشکر کی صف آرائی کی۔ بحر المصائب کی روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار اور ایک قول کے ایک لاکھ۔ اور دوسرے قول کے مطابق اسّی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے تھے۔ ان اختلافات روایات میں لشکر یزید کی کم از کم تعداد تیس ۳۰ ہزار تھی۔ سب صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ لشکر کمانڈر انچیف خود عمر سعد تھا۔ ڈپٹی کمانڈر انچیف اس کا بیٹا تھا۔ میمنہ کا سردار عمر بن حجاج اور میسرہ کا سردار شمر ابن ذی الجوشن۔ تیر اندازوں کا سردار محمد ابن اشعث تھا۔ یہ جمِ غفیر امام مظلوم کے خلاف صف آراء ہوا۔

سرکار سیّد الشہداء نے بھی صف آرائی کی۔ زیادہ سے زیادہ لشکر کی تعداد ۱۴۵، اور بروائتے ۱۹۲، اور کم سے کم ۷۲ تھی۔ بیالیس پیادے اور تیس سوار۔ میمنہ کے سردار حبیب ابن مظاہر اور میسرہ کے زہیر ابن القین۔ ایک علم حضرت حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ اور سراثت سب سے بڑا علم حضرت ابو الفضل العباس علیہ السّلام کے قبضہ میں تھا۔ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ کتاب البلدان ابن فقیہ طبع ایران کے صفحہ ۱۷۳ پر ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ ۷۲ میں سے ۴۰ کوفی تھے۔ کتاب نور العین علامہ ابو اسحاق اسفرائنی میں ہے کہ

لشکر مخالف میں چالیس ہزار کوفی تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد لشکر ابن سعد میں جنگ کا بگل بجا اور ٹڈی دل فوج نے شاہ کم سپاہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ جس نے امام مظلوم کے تقریباً تمام مجاہدوں کو زخمی کر دیا اور تیس بروایتے بیالیس بہادر تو اسی وقت جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اس جنگ کو تاریخ نے "جنگ مغلوبہ" کا نام دیا ہے۔

پھر اس کے بعد انفرادی نبرد آزمائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور کسی کسی موقعہ پر اجتماعی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ سلسلہ جنگ عصر کے بعد تک جاری رہا۔ اور پنجتن پاک کے خاتمہ پر جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں: کہ امام حسین علیہ السلام کی جنگ آخر تیس ہزار دشمنوں سے تھی۔ ہنگام عصر جب امام حسینؑ کے لڑنے کی باری آئی تو اس وقت تیس ہزار دشمن باقی رہ گئے تھے۔ جنہوں نے مل کر امام حسین علیہ السلام کو قتل کر کے پنجتن کا خاتمہ کیا۔ جنگ کے اختتام پذیر ہوتے ہی خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ بی بیوں کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔ شہداء کے سر تن سے جدا کئے گئے۔ اور لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے۔

گیارہ محرم الحرام کو مخدرات عصمت و طہارت کو ناقوں کی پشت برہنہ پر سوار کر کے کوفہ پہنچا دیا گیا۔ پھر وہاں سے ایک ہفتہ بعد شام لے جایا گیا۔ کوفہ و شام کے درباروں میں ہر ممکن توہین کی گئی، اور شام کے قید خانہ میں ایک سال قید رکھنے کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ ۲۰ صفر ۶۲ھ کو یہ قافلہ کربلا واپس پہنچا۔ پھر وہاں سے ۸ ربیع الاول ۶۲ ہجری کو مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا۔ باشندگان مدینہ نے ان مخدرات عصمت کا استقبال آہ وزاری اور فریاد و فغاں سے کیا۔ پندرہ شبانہ روز کسی نے اپنے گھر میں چولہا نہیں جلایا، بالآخر ۶۳-۶۴ھ میں سب نے متفقاً یزید کی حکومت سے بغاوت کر دی۔ جس کے نتیجہ میں تین یوم کے لئے حرمت مدینہ آزاد کر دی گئی۔ اور تین شبانہ روز اصحاب رسولؐ، حفاظ قرآن کے قتل اور عورات مدینہ کی عصمت دری کا سلسلہ جاری رہا۔ مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوائے گئے۔ منبر رسولؐ کے ساتھ غلط سلوک کیا گیا۔ تاریخ یزید کے اس اہم کردار کو "واقعہ حرّہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اس کے بعد حضرت مختار بن عبیدہ ثقفی نے ۶۵ھ میں شہدائے کربلا کے قاتلوں کو قتل کرنے کا عزم بالجزم کیا اور قاتلین امام حسین علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شہدائے کربلا کا خون بہا اس وقت کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک ۶۱ھ سے لے کر قیامت کی آخری شام تک ایسے پیدا ہونے والوں کے ساتھ جو یزید کے اس فعل پر راضی ہوں، وہی سلوک نہ کیا جائے جو مختار آل محمدؐ نے عمر سعد وغیرہ کے ساتھ کیا ہے۔

چند اصحاب حسینی کے مختصر حالات درج کرتے ہیں جنہوں نے آپ کی رفاقت میں جام شہادت نوش فرما کر حیات ابدی حاصل کر لی، میری تحقیق کے مطابق ان وفاداران اسلام کی تعداد بہتر تھی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

دشمنان چون ریگ صحرا لا تعداد
دوستان او بہ "یزدان" ہم عدد

حُر ابن یزید الرّیاحی :- آپ کا نام نامی اور اسم گرامی حُر بن یزید ابن ناجیہ ابن قعنب بن عتاب بن ہرمی ابن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ ابن تمیم الیربوعی الرّیاحی تھا۔

آپ اپنے ہر عہد حیات میں شریف قوم تھے، آپ کے باپ دادا کی شرافت مسلمات سے تھی۔ پیغمبر اسلام کے مشہور صحابی زید بن عمر بن قیس بن عتاب جو "احوص" کے نام سے مشہور تھے۔ اور شاعری میں باکمال مانے جاتے تھے وہ آپ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

حضرت حُر کا شمار کوفے کے رؤساء میں تھا۔ ابن زیاد نے جب آپ کو ایک ہزار کے لشکر سمیت امام حسینؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اُس وقت آپ کو ایک غیبی فرشتے نے جنت کی بشارت دی تھی۔ جناب حُر کا لشکر میدان مارتا ہوا، جب مقام "شراف" پر پہنچا اور امام حسینؑ کے قافلہ کو دیکھ کر دوڑا تو تمازت آفتاب اور راستہ کی دوش نے پیاس سے بے حال کر دیا تھا۔ مولا کی خدمت میں پہنچ کر جناب حُرؑ نے پانی کا سوال کیا۔ ساقیٔ کوثر کے فرزند نے سیرابی کا حکم دے کر آنے کی غرض پوچھی۔ انہوں نے عرض کی: مولا! آپ کی پیشقدمی روکنے اور آپ کا محاصرہ کرنے کے لئے ہم بھیجے گئے ہیں۔ پانی پلانے سے فراغت کے بعد امام حسینؑ نے نماز ظہر ادا فرمائی۔ حُرؑ نے بھی ساتھ ہی نماز پڑھی۔ پھر نماز عصر پڑھ کر حضرت امام حسین علیہ السّلام نے کوچ کر دیا۔ حُرؑ اپنے لشکر سمیت قافلہ حسینی سے قدم ملائے ہوئے چل رہے تھے، اور کسی کسی مقام پر حضرت کی خدمت میں موت کا حوالہ دیتے تھے۔ مقصد یہ تھا، کہ یزید کی بیعت کرکے اپنے کو ہلاکت سے بچا لیجئے، آپ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے تھے: "حق پر جان دینا ہماری عادت ہے"۔ راستہ میں بمقام غذیب طرماح ابن عدی اپنے چار ساتھیوں سمیت امام حسین علیہ السّلام سے آملے۔ حُرؑ نے کہا: کہ یہ آپ کے ہمراہی نہیں ہیں، اس وقت کوفہ سے آرہے ہیں، میں انہیں آپ کے ہمرکاب نہ رہنے دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معاہدہ سے ہٹ رہے ہو۔ سنو! اگر تم نے اپنے معاہدہ کے خلاف ابن زیاد کے حکم پہنچنے سے پہلے ہم سے کوئی مزاحمت

کی تو پھر ہم تم سے جنگ کریں گے۔ یہ سُن کر حُر خاموش ہو گئے اور قافلہ آگے بڑھ گیا" قصر بنی مقاتل پر مالک ابن نصر نامی ایک شخص نے حُر کو ابن زیاد کا حکمنامہ دیا، جس میں مرقوم تھا کہ جس جگہ میرا یہ خط تمہیں ملے۔ اُسی مقام پر امام حسین علیہ السلام کو ٹھہرا دینا۔ اور اس امر کا خاص خیال رکھنا، کہ جہاں وہ ٹھہریں وہاں پانی اور سبزی کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اس حکم کو پاتے ہی حُر نے آپ کو روکنا چاہا۔ آپ طرماح بن عدی کے مشورہ سے آگے بڑھے، اور ۲ محرم الحرام یوم پنجشنبہ بمقام کربلا جا پہنچے۔

حُر نے آپ کو بے گیاہ جنگل میں پانی سے بہت دور ٹھہرایا۔ اور اس امر کی کوشش کی کہ حکم ابن زیاد میں فرق نہ آنے پائے۔ [1]

دوسری محرم تک زمین کربلا پر حر ریاحی، ابن زیاد اور ابن سعد کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ اور حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ صبح عاشور آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جنت و دوزخ کا فیصلہ کر لینا چاہیئے۔

چنانچہ آپ انتہائی تردد و تفکر میں ابن سعد کے پاس گئے اور پوچھا: کہ واقعی امام حسینؑ سے جنگ کی جائے گی؟ ابن سعد نے جواب دیا:" بیشک تن پھڑکیں گے، سر برسیں گے اور کوئی بھی حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں میں سے نہ بچ سکے گا۔

یہ سُن کر حُر خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ امام حسینؑ کے لشکر کی طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ کی خدمت میں آ پہنچے بنی ہاشم نے استقبال کیا۔ امام حسینؑ نے سینہ سے لگایا۔ حُرؑ نے عرض کی:" مولا! خطا معاف میرے پدرِ نامدار نے آج شب کو خواب میں مجھے ہدایت کی ہے! کہ میں شرف قدم بوسی حاصل کر کے درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں۔ مولا! میں نے ہی سب سے پہلے حضور کو روکا تھا۔ اب سب سے پہلے حضور پر قربان ہونا چاہتا ہوں، اِذنِ جہاد دیجئے، تاکہ گردن کٹا کر بارگاہ رسالتؐ میں سرخرو ہو سکوں۔

امام حسین علیہ السلام نے اجازت دی، جناب حُرؑ میدان میں تشریف لائے اور دشمنوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

" اے دشمنانِ اسلام شرم کرو۔ ارے تم نے نواسۂ رسول کو خط لکھ کر بلایا، ان کی نصرت و حمایت کا وعدہ کیا، اور خطوط میں ایسی باتیں تحریر کیں کہ حضورؑ کو شرعاً تعمیل کرنی پڑی۔

---

[1] مورخین کا کہنا ہے کہ ابن زیاد اور عمر سعد کو حُر پر بڑا اعتماد تھا۔ اسی لئے سب سے پہلے انہیں کو روانہ کیا تھا اور پھر یوم عاشور لشکر کی تقسیم پر بھی انہیں لشکر کے چوتھائی حصہ پر جو قبیلہ تمیم و ہمدان پر مشتمل تھا، سردار قرار دیا تھا۔

اور جب وہ تمہارے دعوت ناموں پر بھروسہ کرکے آگئے ہیں تو تم ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہو۔ انھیں چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے، اور ان کے لئے پانی کی بندش کر دی ہے۔

اے ظالمو! سوچو یہود و نصاریٰ پانی پی رہے ہیں اور ہر قسم کے جانور پانی میں لوٹ رہے ہیں، لیکن آلِ محمدؐ ایک ایک قطرۂ آب کے لئے ترس رہے ہیں۔ ارے تم نے محمدؐ کی آل کے ساتھ کتنا بُرا سلوک روا رکھا ہے۔"

جناب حُرؑ کی بات ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ آپ زخمی ہو کر امام حسین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی مولا! اب آپ مجھ سے خوش ہو گئے۔ امام حسین علیہ السّلام نے دعا دی۔ اور فرمایا:۔ "اے حُرؑ! فردا آزاتشِ دوزخ آزاد خواہی بود"۔ تو فردائے قیامت میں آتشِ جہنم سے آزاد ہو گا۔

اس کے بعد جناب حُر پھر میدان میں تشریف لائے اور نہایت بے جگری سے نبرد آزما ہوئے اور آپ نے پچاس دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا۔ دوران جنگ میں ایوب ابن مشرح نے ایک ایسا تیر مارا، جو جناب حُرؑ کے گھوڑے کے پیٹ میں لگا، اور آپ کا گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ آپ پیادہ ہو کر لڑنے لگے، ناگاہ آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اور آپ نے تلوار سنبھال لی، عملدار لشکر کو آپ قتل ہی کیا چاہتے تھے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے شدید حملہ کر دیا۔ بالآخر فتور ابن کنانہ نے سینہ حُرؑ پر ایک زبردست نیزہ مارا، جس کے صدمہ سے آپ زمین پر گر پڑے اور امام حسین علیہ السّلام کو آواز دی۔ مولا خبر لیجئے! امام حسینؑ جناب حُرؑ کی آواز پر میدان جنگ میں پہنچے، اور دیکھا، کہ جاں نثار ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ آپ اس کے قریب گئے، اور آپ نے اُن کے سر کو اپنی آغوش میں اٹھا لیا۔ جناب حُرؑ نے آنکھیں کھول کر چہرۂ امامت پر نگاہ کی اور امام حسین علیہ السّلام کو بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر جنّت کا راستہ لیا۔

ریاض الشہادت میں ہے کہ آپ کو سب شہدا کی تدفین کے موقع پر بنی اسد نے امام حسین علیہ السّلام سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر غربی جانب دفن کیا تھا اور وہیں پر اب آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔

بریر ابن خضیر الھمدانی:۔ آپ کا پورا نام بریر ابن خضیر الہمدانی المشرقی تھا۔ آپ قبیلۂ ہمدان کی شاخ بنو مشرق کی ایک عظیم شخصیت تھے، آپ کافی عمر رسیدہ اور تابعی ہونے کے ساتھ نہایت عابد و زاہد، قاریِ قرآن، بلکہ "استاد القراء" تھے۔ آپ کا شمار امیر المومنین علیہ السّلام کے اصحاب اور شرفاء کوفہ میں تھا۔ آپ نے کوفہ سے مکّہ جا کر امام حسین علیہ السّلام کی ہمراہی اور معیت اختیار کی تھی آپ نے

امام حسینؑ اور اُن کے اہل بیتؑ کی جیسی خدمت ہے اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ شب عاشورہ پانی کی جد و جہد میں آپ نے جو کارنامہ کیا ہے وہ صفحات تاریخ میں سونے کے حروف سے لکھنے کے قابل ہے، میں آپ کے شب عاشور والے کارنامہ کو اپنی کتاب "ذکر العباس" سے نقل کرتا ہوں۔

اہل بیتؑ رسولؐ اسلام پر ساتویں سے پانی بند ہے، سعی آپ کی ہر سبیل غیر مفید ثابت ہو چکی ہے، تگ و دَو کی گئی۔ کنویں کھودے گئے، مگر پانی دستیاب نہ ہو سکا، عاشور کی رات آ گئی ہے۔ پیاسوں کی آنکھوں میں موت کا نقشہ نظر آ رہا ہے۔ اضطراب اہل بیتؑ کی کوئی حد نہیں۔ حضرت سکینہ بنت الحسینؑ فرماتی ہیں کہ نویں محرم کا دن گذرنے کے بعد جب رات آئی تو پانی کی نایابی نے ہم لوگوں کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا۔ خشک برتنوں اور مشکیزوں کی طرح ہماری زبان اور لب بھی خشک ہو گئے اور ایسی حالت پیدا ہو گئی جو برداشت نہ ہو سکی۔ بالآخر میں بچوں سمیت اپنی پھوپھی زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ ہم انہیں اپنی حالت سے آگاہ کر کے پانی کی خواہش کریں، شاید وہ کوئی سبیل پیدا کر سکیں۔ میں نے انہیں اپنے خیمہ میں پایا وہ آغوشِ محبت میں میرے بھائی علی اصغرؑ کو لئے ہوئے تھیں، اور ان کی حالت یہ تھی کہ کبھی کھڑی ہوتی تھیں، اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں، اور میرا بھائی ان کی آغوش میں تڑپتا تھا جس طرح چھوٹی مچھلی پانی میں تڑپتی ہے۔ اور وہ تڑپتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں، اور میری پھوپھی انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں: میرے برادر زادے! صبر کرو، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتی ہیں: "وانی لك الصبر" اور تجھے صبر کیوں کر آ سکتا ہے، جب کہ تیری یہ حالت ہے۔ اے بیٹا! کیا کروں، اس بات سے سخت تکلیف ہے کہ میں تیری حالت دیکھتی ہوں اور تیرا بیان سنتی ہوں اور کچھ نہیں کر سکتی۔ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں، کہ جب میں نے پھوپھی جان کا بیان سنا اور علی اصغرؑ کی حالت دیکھی تو میں بھی رونے لگی، پھوپھی اماں نے پوچھا: کون ہے، "سکینہ" میں نے عرض کی: ہاں پھوپھی جان میں ہوں۔ انہوں نے پوچھا، کیوں رو رہی ہو؟ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں نے اپنی پیاس کا ذکر کیا تو وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔ میں نے کہا، اے پھوپھی جان! اگر آپ انصار کے عیال کے پاس کسی کو بھیجیں تو شاید کچھ پانی کہیں سے دستیاب ہو جائے۔ یہ سُن کر حضرت زینبؑ نے میرے بھائی کو آغوش میں اٹھا لیا، اور خود میری دیگر پھوپیوں کے خیمہ میں گئیں۔ لیکن کہیں پانی کی سبیل نظر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس ہو کر بعض فرزندانِ امام حسنؑ کے خیمہ میں پہنچیں تو آپ کے ساتھ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہو گئے اور سب کو یہ امید تھی کہ حضرت زینبؑ

کہیں سے پانی کی سبیل نکالیں گی۔ غرضکہ آخر میں میری پھوپھی زینبؑ نے اصحاب کے خیموں میں پانی کا پتہ لگایا۔ مگر مایوسی رہی۔ جب پانی ملنے سے ناامیدی ہوئی، تو اپنے خیمہ میں پلٹ آئیں۔ اب آپ کے پاس تقریباً بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئے تھے جو سب کے سب حد سے زیادہ پیاسے تھے۔

حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں کہ ہم سب اطفال حسینی خیموں میں رو پیٹ رہے تھے کہ ناگاہ ہمارے خیمہ کی طرف سے بریر ہمدانی گذرے۔ انہوں نے جب ہماری حالت کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ رونے لگے، اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیگر اصحاب سے ملے، اور ان سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے، کہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار ہونے کے باوجود خاندانِ رسالتؐ کے بچے پیاس سے مر رہے ہیں۔ میرے دوستو! اگر ہم انہیں سیراب نہ کر سکے اور وہ پیاس سے مر جائیں تو اس سے کہیں بہتر ہے، کہ ہم لوگ موت کی آغوش میں چلے جائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ان بچوں کے ہاتھ پکڑ لیں اور نہر پر لے چلیں، اور انہیں سیراب کرنے کی سعی کریں۔

یہ سن کر یحییٰ مازنی بولے: میرے خیال میں بچوں کا لے جانا درست نہیں کیوں دشمن یقیناً حملہ کریں گے۔ مگر اس حملہ میں خدانخواستہ کوئی بچہ شہید ہو گیا تو ہم اس کا سبب قرار پائیں گے۔ بہتر یہ ہے، کہ مشکیزے لے لیں اور نہر پر چل کر پانی حاصل کریں۔ پانی دستیاب ہونے پر ان پیاسوں کو سیراب کریں۔ جناب یحییٰ مازنی کی رائے سب نے پسند کی، اور چار اصحاب مشکیزے لے کر نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جن کے قائد بریر ہمدانی تھے۔ یہ لوگ فرات کے قریب پہنچے، محافظین نہر نے ان کی آمد محسوس کر لی، پوچھا: من ھولاء القوم: یہ کون لوگ ہیں، یعنی تم کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو، کیا غرض ہے؟ فرمایا، پانی پینے اور پانی لے جانے کے لئے آئے ہیں! اس نے کہا، ٹھہرو! میں اپنے سردار سے دریافت کر لوں۔ اگر اجازت ملے گی تو پانی لے جانے کا امکان ہو گا، ورنہ ناممکن ہے۔ ایک شخص محافظین نہر کے سردار اسحاق بن حثوہ کے پاس گیا۔ وہ جناب بریر کا رشتہ دار تھا، اور کہا، بریر پانی پینے اور پانی خیام حسینی تک لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ اس نے کہا پانی پینے کے لئے راستہ دے دو، جتنا جی چاہے پی لیں، لیکن لے جانے کی اجازت نہیں۔ اجازت ملی، پانی میں اُترے۔ پانی کی ٹھنڈک نے دل پگھلا دیا۔ بریر نے پانی پئے بغیر اپنے ساتھیوں سے کہا، مشکیزے جلدی بھرو، اور چل کھڑے ہو۔ کیونکہ فرزندانِ رسولؐ کے دل پیاس سے پگھلے جا رہے ہیں۔

بریر کی آواز ایک دشمن نے سن لی، اور پکار کر کہا: تمہیں پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے، تم پانی لے جا نہیں سکتے۔ میں فوراً اسحاق کو باخبر کرتا ہوں۔ لیکن یہ بھی سن لو، اگر اُس نے

بپاس قرابت پانی لے جانے کی اجازت بھی دے دی تو میں پانی نہ لے جانے دوں گا۔
بریر نے اپنا لہجہ کمال سیاست کی بناء پر نرم کرکے اُسے گرفتار کرنا چاہا، مگر وہ گرفت میں نہ آیا اور اس نے اسحق کو خبر کردی۔ اسحق نے حکم دیا کہ پانی لے جانے سے روکو، اور اگر نہ مانے تو گرفتار کرکے میرے پاس لے آؤ وہ آیا اور اس نے مشکیز خالی کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت بریر نے فرمایا: خدا کی قسم میں پانی بہانے سے اپنا خون بہانا بہتر سمجھتا ہوں۔ میں نے ایک قطرہ بھی پانی نہیں پیا۔ ہماری پوری غرض خیام حسینی تک پانی پہنچانا ہے، جب تک دم میں دم ہے ہمارے مشکیزوں کو کوئی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔
ان لوگوں کے ارادے معلوم کرنے کے بعد دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان حسینی بہادروں نے مشکیزے زمین پر رکھ دیئے، اور ان کے گرد اگرد گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ تیر بارانی کا حکم ہوا، اور تیر برسنے لگے۔ ایک ایک بہادر نے مشکیزہ اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور چاہا کہ جلدی سے نکل کر تا بہ خیامگاہ پہنچ جائیں اتنے میں ایک تیر کندھے پر آلگا، تسمہ کٹ گیا اور خون جاری ہو گیا، اور قدم تک پہنچا، اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے میری گردن کو مشکیزے کے لئے سپر بنایا، یعنی میری گردن چھدی تو چھدی، مشکیزہ تو بچ گیا ابھی تک ان بہادروں کی تلواریں نیام میں تھیں، مگر حضرت بریر اب سمجھ چکے ہیں کہ یہ پانی روکنے میں اپنی ساری کوشش ختم کر دیں گے۔ اتمام حجت کے لئے کہا کہ دیکھو! فرزندانِ رسولؐ پیاسے ہیں اور ان کے اطفال و عوارت بھی پیاسے ہیں۔ ہمیں پانی لے جانے دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا: "حسینؑ اور ان کے بچوں کے لئے ہم نے فرات کا پانی حرام کر دیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تم پانی لے جاسکو۔" بریر نے کہا: دیکھو! ہماری تلواریں ابھی تک نیام میں سو رہی ہیں، انہیں بیداری کا موقع نہ دو۔ ورنہ بڑی خونریزی ہوگی۔
دشمن پانی روکنے میں مبالغہ کر رہا تھا، اور یہ پانی لے جانے پر اصرار۔ بات بڑھی، آواز بلند ہوئی۔ امام حسین علیہ السلام کے گوش گذار ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "الحقوا بہ" اے عباسؑ کچھ لوگوں کو لے کر بریر کی کمک میں پہنچو۔ وہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ حضرت عباسؑ چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے اور ان کے ہمراہ بعض محافظین بھی ہو لئے عمر بن حجاج نے جب دیکھا تو اس نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اگرچہ رات ہے لیکن تیر بارانی شروع کر دو۔ حکم پاتے ہی دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ بریر نے بڑھ کر ایک مشکیزہ اُٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ، تاکہ تیر مشکیزہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور پانی بہنے سے بچ جائے۔ بریر مشک لئے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان ہیں اور ساتھی اردگرد

ہیں، جس قدر تیر آتے ہیں یہ بہادر اپنے سینوں پر لیتے ہیں، اور مشکیزہ تک کسی تیر کی رسائی نہیں ہونے دیتے۔ بریر ہمدانی کے سات تیر لگ چکے ہیں۔ لیکن مشکیزہ ابھی تک محفوظ ہے، قضارا ایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ اُڑتا ہوا آیا۔ اور ایک بہادر کے سینے پر لگا۔ لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ تیر مشکیزہ پر لگ گیا ہے۔ حضرت بریر سے پوچھا: ذرا بتاؤ تو سہی کہ یہ تیر کہاں لگا؟ بریر نے کمال عقیدت سے جواب دیا، کہ مشکیزہ بچ گیا۔ الحمد للہ! یہ تیر میری گردن پر لگا ہے۔ الغرض کمک پہنچ گئی۔ دشمنوں کے دل چھوٹ گئے۔ یہ حضرات دشمنوں کو ہٹا کر بریر وغیرہ کو ہمراہ لے آئے۔

حضرت بریر مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ کے قریب پہنچے اور پکار کر کہا: اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے بچو! آؤ پانی آگیا، بخوشی پیو! بچوں میں شور مچ گیا، ایک دوسرے کو پکارنے لگے، آؤ! بریر پانی لائے ہیں۔ تمام بچے دوڑ پڑے، اور انھوں نے اپنے کو مشکیزہ پر گرا دیا۔ مشکیزے کو کوئی آنکھوں سے اور کوئی رخسار سے کوئی پہلو سے لگانے لگا۔ مشکیزہ پر دباؤ پڑا، اور اس کا دہانہ بند الٹ گیا منہ کھل گیا، اور سارے کا سارا پانی بچوں کے سامنے زمین پر بہہ گیا۔ بچے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سب نے مل کر آواز دی: بریر پانی بہہ گیا۔

بریر اس آواز کو سنتے ہی منہ پیٹنے لگے اور بڑی مایوسی اور زبردست افسوس کے ساتھ رو کر کہا: ہائے کس عرق ریزی سے پانی دستیاب ہوا تھا، مگر افسوس کہ پیغمبر اسلام کی اولاد سیراب نہ ہو سکی۔

غرضیکہ پانی زمین پر بہہ گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے کمال تشنگی کی وجہ سے اُس تر زمین پر گرنے لگے، حضرت عباسؑ نے اس حشر آفرین واقعہ کو اپنی نظروں سے دیکھا اور آپ بے تاب ہو کر نہایت مایوسی کے عالم میں کف افسوس ملنے لگے۔ (ماتئین ص ۳۱۶-۳۱۳)

شب عاشورہ کے بعد صبح عاشور آپ نے زبردست نبرد آزمائی کی، بڑھاپے کے باوجود آپ نے ایسی جنگ کی، کہ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے، آپ جس پر بھی حملہ کرتے اُسے فنا کے گھاٹ اُتار دیتے تھے۔ سب سے پہلے آپ سے جس نے مقابلہ کیا، وہ یزید بن معقل تھا۔ آپ نے اُسے چند واروں میں فنا کر دیا۔ اسی طرح آپ نے تیس ۳۰ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر میں رضی بن منقذ سامنے آیا۔ آپ نے اسے زمین پر دے مارا، اور اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ اتنے میں کعب بن ازدی نے آپ کی پشت مبارک پر نیزہ کا گھاؤ وار کیا آپ نے غصہ میں آ کر رضی جس کے سینہ پر سوار تھے اس کی دانتوں سے ناک کاٹ لی، کعب کا نیزہ جناب بریر کی پشت میں رہ گیا۔ اس کے

بعد کعب نے نیزہ اور تلوار سے متعدد وار کرکے جناب بریر کو سخت زخمی کر دیا۔ اور بالآخر آپ کو بحیر ابن اوس الضبی نے شہید کر ڈالا۔ شہادت کے وقت آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ آپ اُن کی لاش پر پہنچے اور آپ نے نہایت درد آگیں لہجہ میں فرمایا: "ان بریرا من عباد اللہ الصالحین" ہائے بریر ہم سے جدا ہو گئے۔ جو خدا کے بہترین بندوں میں سے ایک تھے۔

وہب بن عبداللہ الکلبی:۔ آپ کا نام وھب ابن عبداللہ ابن حباب الکلبی تھا آپ بنی کلب کے ایک فرد تھے۔ حسن و جمال میں نیظر نہ رکھتے تھے۔ جوان رعنا ہونے کے ساتھ ساتھ خوش کردار اور خوش اطوار بھی تھے۔ اور آپ نے کربلا کے میدان میں بڑی دلیری کے ساتھ درجۂ شہادت حاصل کیا ہے۔ ہم آپ کے واقعات شہادت کو کتاب ذکرالعباس سے نقل کرتے ہیں۔

"کربلا کی ہولناک جنگ میں حسینی بہادر نہایت دلیری سے جان دے دے کر شرف شہادت حاصل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جناب وہب بن عبداللہ بن حباب الکلبی کی باری آئی۔ یہ حسینی بہادر پہلے نصرانی تھا، اپنی بیوی اور والدہ سمیت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ آج جب کہ یہ امام حسینؑ پر فدا ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں، ان کی والدہ ہمراہ ہیں، ماں نے دل بڑھانے کے لئے وہب سے کہا: بیٹا! آج فرزند رسولؐ پر قربان ہو کر روح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کر دو، بہادر بیٹے نے کہا: مادرِ گرامی! آپ گھبرائیں نہیں، انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔

الغرض آپ امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے، آپ نے کمال جوشِ شجاعت میں جماعت کی جماعت کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اپنی ماں "قمری" اور بیوی کی طرف واپس آئے ماں سے پوچھا: مادرِ گرامی آپ خوش ہو گئیں! ماں نے کہا: میں اس وقت تک خوش نہ ہوں گی، جب تک فرزندِ رسولؐ کے سامنے تجھے خاک و خون میں غلطاں نہ دیکھوں۔ یہ سُن کر بیوی نے کہا: اے وہب مجھے اپنے بارے میں کیوں ستاتے ہو اور اب کیا کرنا چاہتے ہو۔ ماں پکاری "یا بنی لا تقبل قولھا" بیٹا! بیوی کی محبت میں نہ آجانا۔ خدارا جلد یہاں سے رخصت ہو کر فرزندِ رسولؐ پر اپنی جان قربان کر دو" وہب نے جواب دیا: مادرِ گرامی! ایسا ہی ہو گا، میں موقع کی نزاکت کو جانتا اور پہچانتا ہوں، مجھے امام حسینؑ کا اضطراب اور حضرت عباسؑ جیسے بہادر کی پریشانی دکھائی دے رہی ہے۔ بھلا کیوں کر ممکن ہے کہ میں ایسی حالت میں ذرا بھی کوتاہی کروں۔ اس کے بعد جنابِ وہب میدان جنگ

کی طرف واپس چلے گئے اور کچھ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے انیس[۱] اور بقولے بارہ سوار اور چوبیس[۲] پیادے قتل کئے۔ اسی دوران میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے، ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کی بیوی کو جوش آگیا اور وہ ایک چوب خیمہ لے کر میدان کی طرف دوڑیں، اور اپنے شوہر کو پکار کر کہا: خدا تیری مدد کرے۔ ہاں! فرزندِ رسول ؐ کے لئے جان دے دے، اور سُن! اس کے لئے میں اب بھی آمادہ ہوں یہ دیکھ کر وہب اپنی بیوی کی طرف اس لئے فوراً آئے کہ انہیں خیمہ تک پہنچا دیں۔ اس مخدرہ نے ان کا دامن تھام لیا اور کہا، میں تیرے ساتھ موت کی آغوش میں سوؤں گی۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اُسے حکم دیا کہ وہ خیمہ میں واپس چلی جائے۔ چنانچہ وہ واپس چلی گئی۔ اس کے بعد وہب مشغول کارزار ہو گئے، اور کافی دیر تک نبرد آزمائی کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ وہب کے زمین پر گرتے ہی اُن کی بیوی نے دوڑ کر اُن کا سر اپنی آغوش میں اُٹھا لیا ان کے چہرے سے گرد و غبار اور سر و آنکھ سے خون صاف کرنے لگیں۔ اتنے میں شمر کے حکم سے اس کے غلام رستم نے اس مومنہ کے سر پر گرزِ آہنی مارا اور یہ بیچاری بھی شہید ہو گئیں۔ مؤرخین کا کہنا ہے، کہ "وھی اوّل امراۃ قتلت فی عسکر الحسینؑ" یہ پہلی عورت ہے جو لشکر حسینؑ میں قتل کی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہب زمین پر گرے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ یعنی ان کی لاش پر قبضہ کر کے سر کاٹ لیا گیا۔ اس کے بعد اس سر کو خیمہ حسینی کی طرف پھینک دیا گیا۔ ماں نے سر کو اُٹھایا، بوسے دیئے، اور دشمن کی طرف پھینک کر کہا: ہم راہ مولا میں جو چیز دے دیتے ہیں اُسے واپس نہیں لیتے۔ کہتے ہیں کہ وہب کا پھینکا ہوا سر ایک دشمن کے لگا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ پھر ماں چوب خیمہ لے کر نکلی اور دو دشمنوں کو قتل کر کے بحکم امام حسین علیہ السلام خیمہ میں واپس چلی گئی (دمعہ ساکبہ ص۳۳۱۔ تاریخ کامل، طوفان بکا شعلہ ص۱۳ طبع ایران ۱۳۱۱ھ)

مسلم بن عوسجۃ الاسدی:۔ آپ کا پورا نام و نسب یہ ہے کہ: مسلم بن عوسجہ بن ثعلبہ ابن دودان بن اسد بن خزیمہ ابو حجل اسدی سعدی۔ آپ بڑے شریف النفس اور شریف القوم تھے۔ عبادت اور زہد میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ آپ کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہونے کا بھی شرف حاصل تھا! اسلامی فتوحات میں آپ نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے ہیں ۲۲ھ میں فتح آذربائیجان میں حذیفہ یمان کے ہمراہ جو کارِ نمایاں انہوں نے کیا ہے وہ تاریخ میں یادگار رہے۔

امام حسینؑ کو دعوتِ کوفہ دینے والوں میں آپ کا اسم گرامی بھی ہے۔ آپ نے مسلم بن عقیل کی مقبولیت اور بعد میں ان کے تحفظ میں کمال حزم و احتیاط کا ثبوت دیا تھا۔ ابن زیاد

کے کوفہ آنے کے بعد جناب مسلم بن عوسجہ ہی نے قبائل تمیم وھمدان، کندہ و ربیعہ کو ساتھ لے کر دار الامارہ پر حملہ کیا تھا۔

مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ کی شہادت اور شریک ابن اعور (جو پہلے سے علیل تھے) کی وفات کے بعد مسلم بن عوسجہ تھوڑے عرصہ روپوش رہے۔ پھر بال بچوں سمیت کوفہ سے پوشیدگی کے ساتھ روانہ ہو کر کربلا پہنچے۔

نویں محرم کی شام کو جب امام حسینؑ نے خطبہ میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ صرف میرا خون بہانا چاہتے ہیں اے میرے اصحاب و اعزہ تم اگر جانا چاہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں طوق بیعت تمہاری گردنوں سے ہٹائے لیتا ہوں۔ اس کے جواب میں اعزاء کی طرف سے حضرت عباس اور اصحاب کی جانب سے مسلم بن عوسجہ ہی نے کہا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہم اگر ساری عمر مارے اور جلائیں جائیں، تب بھی آپ ہی کے ساتھ رہیں۔ آپ کی خدمت میں شہادت، سعادت عظمٰی ہے۔

شب عاشور جب خندق کے گرد آگ جلانے پر شمر نے طعنہ زنی کی تو اس کا منہ توڑ جواب مسلم بن عوسجہ ہی نے دیا تھا۔

صبح عاشور جب لشکر ابن سعد نے حملہ گراں کیا تھا تو اس وقت مسلم ابن عوسجہ نے ایسی تلوار کی اور وہ معرکہ کیا کہ کسی نے کبھی ایسا دیکھا نہ سنا تھا ——— آپ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ مسلم بن عبداللہ ضبیانی اور عبداللہ ابن خشکارہ بلخی نے آپ پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ میدان گرد سے پُر تھا، جب گرد بیٹھی تو مسلم ابنؓ عوسجہ خاک و خون میں لوٹتے دیکھے گئے۔ امام حسینؑ نے بڑھ کر مسلم کی دلجوئی کی اور انہیں دعائیں دیں۔ آپ کی شہادت پر لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا، تو شبیث ابن ربعی جو اگرچہ دشمن تھا۔ بولا: افسوس! تم ایسی شخصیت کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہے ہو، جن کے اسلام پر احسانات ہیں۔ انہوں نے جنگ آذربائیجان میں چھ مشرکوں کو ایک ساتھ قتل کر کے دشمنوں کی کمر توڑ دی تھی۔

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند میدان میں آئے اور آپ نے زبردست نبرد آزمائی کی، آپ تیس ۳۰ دشمنوں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گئے۔

ھلال ابن نافع البجلی:۔ آپ بڑے دیندار، شریف اور بہادر تھے آپ کی پرورش حضرت علی علیہ السلام نے کی تھی، آپ تیر اندازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ تیروں پر اپنا نام لکھوا لیا کرتے تھے۔ آپ کو آلِ محمدؐ کی خدمت کا بڑا شوق تھا۔ شب عاشورہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام موقعۂ جنگ دیکھنے کے لئے نکلے تھے تو ہلال نے آپ کی ہمراہی اختیار کی تھی۔ امام حسین علیہ السلام

نے موقعہ جنگ کے سلسلہ میں آپ سے مشورہ بھی لیا تھا۔ آپ کے بارے میں علماء نے لکھا ہے:
"کان حازماً بصیراً بالسیاسۃ" کہ آپ بہت ہی سمجھدار اور سیاستدان تھے،
صبح عاشور جب آپ میدان جنگ میں جانے کے لئے نکلے تو آپ کی زوجہ نے مزاحمت کی آپ
نے کہا: فرزندِ رسولؐ کی خدمت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

میدانِ جنگ میں پہنچنے کے بعد آپ نے ایسے حملے کئے جنہوں نے بڑے بڑے بہادروں کو
فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ آپ کے ترکش میں اسی تیر تھے، جن سے ستر دشمنوں کو قتل کیا۔ تیروں
کے ختم ہو جانے کے بعد آپ نے تلوار نکال لی اور زبردست حملہ کر کے تیرہ دشمنوں کو قتل کر دیا۔
جب شمر نے دیکھا کہ ہلال قابو میں نہیں آتے، تو چاروں طرف سے حملہ کر دیا، یہاں تک
کہ آپ کے بازو شکستہ ہو گئے۔ اور آپ گرفتار کر کے شہید کر دیئے گئے۔

سعید بن عبداللہ الحنفی:۔ آپ کوفہ کے نامی گرامی شیعوں میں سے تھے، عبادت
گذاری میں ممتاز اور بہادروں میں نامور تھے۔
مرگِ معاویہ کے بعد اہل کوفہ نے جو معتمدین کے ہمراہ خطوط ارسال کئے تھے، اُن معتمد لوگوں
میں جنابِ سعید بھی تھے، امام حسین علیہ السّلام نے آخری خط کا جواب جو ارسال فرمایا تھا۔
جس میں جناب مسلم کی روانگی کا حوالہ تھا، وہ انہیں سعید کے ذریعہ سے تھا۔
مسلم بن عقیل کے پہنچنے کے بعد جن لوگوں نے حمایتی خطبے پڑھے اُن میں تیسرا نمبر سعید کا تھا۔
مسلم بن عقیل کی طرف سے امام حسین علیہ السّلام کی خدمت میں یہی سعید خط لے کر گئے تھے۔
اور وہاں پہنچ کر پھر اس خیال سے واپس نہیں آئے، کہ امام حسین علیہ السّلام کے ہمراہ کوفہ
پہنچیں گے۔

صبح عاشور آپ نے جنگ کی، اور ظہر کے وقت کی عظیم جنگ میں آپ نے کارنمایاں کئے
عین جنگ میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ پڑھنے میں آپ نے بڑی دلیری کا ثبوت دیا۔
عالمِ نماز میں جب دشمنوں نے امام حسینؑ پر تیر بارانی شروع کی تو جناب سعید
امام حسینؑ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور تیروں کو اپنے چہرے، اپنی گردن، اپنے سینے اور
اپنے پہلوؤں پر روکنے لگے اور امام حسینؑ تک کوئی تیر پہنچنے نہیں دیا۔ تا اینکہ شہید ہو گئے۔
امام حسینؑ آپ کی شہادت سے بہت متاثر ہوئے۔

نافع ابن ہلال الجملی:۔ آپ کا پورا نام نافع ابن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد
العشیرہ بن مدحج الجملی تھا۔ آپ بزرگ قوم اور شریف النفس
تھے ملت کی سرداری اور ریاست آپ کی خاندانی وراثت تھی۔ آپ بہادر، قاری قرآن، راوی

حدیث اور منشی کابل تھے آپ کو حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں بھی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شرکت کی تھی۔ کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی شہادت سے قبل ہی آپ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے تھے لشکر حر سے ملاقات کے بعد سید الشہداءؑ نے جس خطبہ میں یہ فرمایا تھا، کہ تم لوگ چلے جاؤ۔ یہ لوگ صرف میرا خون بہانا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب اصحاب میں زہیر نے سب سے پہلے دیا تھا۔ اُن کے بعد نافع بن ہلال ہی نے ایک طویل تنقریر میں جان نثاری کا یقین دلایا تھا۔

کربلا میں پانی بند ہونے کے بعد حصولِ آب میں آپ نے بھی کافی جدوجہد کی تھی۔ ایک دوبار حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ بھی سعیِ آب میں گئے تھے۔ آپ نے اپنے تمام تیر زہر میں بجھائے ہوئے تھے، بارہ دشمنوں کو تیر سے مار کر تلوار سے حملہ کرنے لگے۔ اور بیشمار دشمنوں کو زخمی کر دیا۔ بالآخر شمر لعنؑ نے آپ کو شہید کر دیا۔

عمر بن قرظۃ الانصاری:۔ آپ کا پورا نام اور نسب یہ ہے۔ عمر ابن قرظہ بن کعب ابن عمر عائذ زید مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری الکوفی الخزرجی تھا۔

آپ کے والد ماجد جناب قرظہ انصاری صحابی رسولؐ تھے۔ آپ سے آنحضرتؐ کی بہت سی حدیثیں مروی ہیں آنحضرتؐ کے بعد آپ کو حضرت علیؑ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ مدینہ منورہ سے کوفہ آکر مقیم ہوئے اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں آپ نے حضرت علیؑ کی معیت میں جنگ کی۔ آپ کو امیرالمومنینؑ نے فارس کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ کوفہ میں سب سے پہلے حضرت علیؑ کے بعد آپ کا نوحہ پڑھا گیا، قرظہ نے کئی اولادیں چھوڑیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور عمر بن قرظہ تھے۔

جناب عمر بن قرظہ نے راستوں کی بندش سے قبل امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بمقام کربلا اپنے کو پہنچا دیا۔ آپ کربلا میں عمر سعد کے پاس پیغامات پہنچایا کرتے تھے۔

آپ امام حسینؑ سے اجازت لے کر یوم عاشورا میدان جنگ میں آئے اور آپ نے رجز پڑھ کر زبردست حملہ کیا اور کافی زخمی ہوکر امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر جب امام حسینؑ پر دشمنوں نے حملہ کر دیا تو آپ تیروں کو سینے پر لینے لگے،" یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

جون بن حوی غلام الغفاری:- جناب جون، "ابوذر غفاریؓ" کے غلام تھے۔ آپ کو آلِ محمدؐ سے وہی خصوصیت حاصل تھی جو ابوذرؓ کو تھی۔ جون پہلے امام حسنؑ کی خدمت میں رہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام کی خدمت گذاری کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ امام حسینؑ کے ہمراہ مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کربلا آئے۔

عاشورا کے دن آپ نے اذنِ جہاد طلب کیا تو آپ نے فرمایا: جون! مجھے پسند نہیں کہ میں تمہیں قتل ہوتے دیکھوں۔ جون نے قدموں پر سر رکھتے ہوئے عرض کی کہ مولا! آپ کے قدموں میں شہید ہو جانا میری زندگی کا مقصد ہے، مولا! میرا پسینہ بودار۔ حسب خراب اور رنگ کالا سہی۔ لیکن جذبہ شہادت میں خامی نہیں ہے، مولا اجازت دیجئے کہ سرخرو ہو جاؤں۔

امام حسین علیہ السلام نے اجازت دی، اور جون میدان میں آئے، آپ نے زبردست جنگ کی، اور درجۂ شہادت حاصل کر لیا۔ امام حسینؑ نعش جون پر پہنچے اور آپ نے دعا دیتے ہوئے کہا: خدایا! ان کے پسینے کو مشک زا، ان کے رنگ کو سفید اور حسب کو آلِ محمدؐ کے انتساب سے ممتاز کر دے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ شہادت کے بعد آپ کا چہرہ روشن ہو گیا تھا، اور بدن سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔

زہیر ابنِ قین البجلی:- زہیر ابنِ قین بن قیس الانماری البجلی، اپنی قوم کے شریف اور رئیس تھے۔ آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور وہیں رہتے تھے۔ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ اکثر لڑائیوں شریک رہے۔ پہلے عثمانی تھے۔ پھر ۶۰ھ میں حسینی العلوی ہو گئے۔

آپ ۶۰ھ میں حج کے لئے اہل و عیال سمیت گئے تھے۔ وہاں سے واپس کوفہ آ رہے تھے کہ راستہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔

ایک دن ایسی جگہ اُن کے خیام نصب ہوئے، کہ امام حسینؑ کے خیمے بھی سامنے تھے۔ جب زہیر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو امام حسینؑ کا قاصد پہنچ گیا۔ اس نے سلام کے بعد کہا: زہیر تم کو فرزندِ رسولؐ نے یاد کیا ہے۔ یہ سن کر سب کو سکتہ ہو گیا اور ہاتھوں سے نوالے گر پڑے زہیر کی بیوی جس کا نام "دلہم بنت عمر" تھا، زہیر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: زہیر! تردد کیا ہے، خوشا نصیب تمہارے کہ تم کو فرزندِ رسولؐ نے یاد کیا ہے۔ اٹھو اور اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ —— زہیر اُٹھے، اور خدمتِ امام حسین علیہ السلام میں حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جو واپس آئے تو ان کا چہرہ نہایت بشاش تھا، اور خوشی کے آثار اُن کے

بشرے سے ظاہر تھے۔ اُنہوں نے واپس آتے ہی حکم دیا: کہ سب خیمے امام حسینؑ کے خیام کے قریب نصب کر دیئے جائیں، اور بیوی سے کہا: کہ میں تم طلاق دیئے دیتا ہوں تم اپنے قبیلہ میں واپس چلی جاؤ۔ مگر ایک واقعہ مجھ سے سُن لے:۔

"جب لشکر اسلام نے بلنجر پر چڑھائی کی اور فتح یاب ہوا، تو سب خوش تھے۔ اور میں بھی خوش تھا۔ مجھے مسرور دیکھ کر سلمان فارسیؓ نے کہا کہ زہیر! تم اس دن اس سے زیادہ خوش ہوگے، جس دن فرزند رسولؐ کے ساتھ ہو کر جنگ کروگے۔" (ابصار العین)

میں تمہیں خدا حافظ کہتا ہوں اور امام حسینؑ کے لشکر میں شریک ہوتا ہوں۔ اس کے بعد آپ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرتے دم تک ساتھ رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

مؤرخین کا بیان ہے، کہ جناب زہیر امام حسینؑ کے ہمراہ چل رہے تھے کہ مقام "ذوحشم" پر حُر کی آمد کے بعد آپ نے خطبہ میں اصحاب سے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ، انہیں صرف میری جان سے مطلب ہے۔ اس جواب میں زہیر نے ہی کہا تھا کہ ہم ہر حال میں آپ پر قربان ہوں گے۔ نیز جب حُر نے امام حسینؑ سے مزاحمت کی تھی تو جناب زہیر نے امام حسین علیہ السّلام کی بارگاہ میں درخواست کی تھی، کہ ابھی یہ ایک ہی ہزار ہیں۔ حکم دیجئے کہ ان کا خاتمہ کر دیں۔ جس کے جواب میں امام مظلوم نے فرمایا تھا کہ "ہم ابتداءً یہ جنگ نہیں کر سکتے۔"

مؤرخین کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت عباسؑ ایک شب کی مہلت لینے کے لئے شب عاشور نکلے تھے، تو جناب زہیرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے ——— شب عاشور کے خطبہ کے جواب میں بھی جناب زہیرؓ نے کمال دلیری سے عرض کی تھی۔ مولا! اگر ستر مرتبہ بھی ہم آپ کی محبت میں قتل کئے جائیں، تو بھی کوئی پرواہ نہیں ——— مؤرخین کا اتفاق ہے، کہ صبح عاشور جب امام حسینؑ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کی ترتیب دی تو میمنہ جناب زہیر ہی کے سپرد کیا تھا۔

یوم عاشورہ آپ نے جو کارنمایاں کیا ہے وہ تاریخ کربلا کے اوراق میں موجود ہے، نماز ظہر کی جدوجہد میں بھی آپ کا بڑا حصّہ ہے۔ آپ نے پے در پے دشمنوں پر کئی حملے کئے۔ اور ایک سو اُنیس کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ بالآخر عبداللہ ابن شعبی اور مہاجر ابن اوس تمیمی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

حبیب ابنِ مظاہر الاسدی:۔ جناب حبیب، مظاہر ابن اشتر ابن حجوان ابن فقعس بن طرف بن عمر بن قیس بن حرث ابن ثعلبہ ابن ودان ابن اسد" ابوالقاسم الاسدی الفقعسی کے بیٹے تھے۔ علامہ نے خلاصہ میں

مظاہر کے بجائے مُظہر تحریر فرمایا ہے اور یوم عاشورا حبیب نے جو رجز پڑھا ہے۔ اس میں بھی مُظہر ہی ہے، لیکن میرے نزدیک مظاہر درست ہے۔

آپ مدینہ منورہ میں بتاریخ ۱۳۔ ربیع الثانی ۵ھ یوم چہار شنبہ بوقت نماز مغرب پیدا ہوئے۔ (آئینہ تصوف ص۴۴۳ طبع رامپور)۔ آپ حافظ قرآن تھے، اور بے انتہا قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، علامہ شوستری قاضی نور اللہ شہید ثالث تحریر فرماتے ہیں:۔

"قرآن مجید تمام حفظ داشت، ہر شب ختم کلام اللہ کردی و بعد از نماز خفتن تا دمیدن صبح قرآن را تمام کردی۔"

یعنی آپ کو سارا قرآن مجید یاد تھا، آپ ہر شب ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، آپ کا اصول یہ تھا، کہ نماز عشاء کے بعد قرآن مجید کی تلاوت شروع فرماتے تھے، اور صبح ہوتے ہوتے اُسے ختم کر ڈالتے تھے۔" (مجالس المومنین)۔

حبیب ابن مظاہر اور میثم تمّار میں شہادت کی باتیں :۔

فضل بن زہیر کا بیان ہے کہ عہد معاویہ میں جناب میثم تمار (صحابی امیرالمومنینؑ) اپنے گھوڑے پر سوار کسی راہ سے گذر رہے تھے اور (حُسن اتفاق سے) جناب حبیب ابن مظاہر بھی اپنے راہوار پر نکلے، بنی اسد کی بیٹھک کے سامنے دونوں سواروں کے گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔ حبیب نے (ناواقف عوام کو اپنے علمی کمالات سے آگاہ کیا اور دشمنانِ خاندان رسالتؐ کے دستِ تعدّی سے خبر دینے کے لئے) کہا: گویا میں دیکھ رہا ہوں، کہ ایک بزرگ شکم مرد پیر کو جس کے سر کے آگے والا حصّہ پر بال نہیں ہیں اور وہ خربزہ فروخت کرتا ہے (اس بے جرم) کو اہلبیتؑ نبی کی محبت میں سولی دی گئی ہے اور اس کا پیٹ درخت کے تنے پر چاک کرتے ہیں جناب میثم حامل اسرار علوم علیؑ بن ابی طالب تھے۔ سمجھ گئے کہ یہ پیشنگوئی مجھی سے متعلق ہے، آپ نے اسی لب و لہجہ میں قاتل و مقتول کا نام لئے بغیر کہا کہ:۔ میں اس سرخ و سفید شخص کو پہنچانتا ہوں، جس کے سر کی دو زلفیں ہیں اور وہ اپنے رسولؐ زادے کی نصرت کے لئے خروج کرتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے اور اس کا سر بریدہ کوفہ میں پھرایا جاتا ہے۔" یہ کہہ کر میثم تمار نے گھوڑا بڑھایا اور اپنے راستہ پر چلے گئے۔ اور حبیب بن مظاہر نے اپنی راہ لی۔

بے ادب حاضرین نے کہا کہ ہم نے ان دونوں سے زیادہ دروغ گو کسی کو نہیں دیکھا۔ راوی کہتا ہے، کہ ابھی اس گفتگو کے سُننے والے پراگندہ نہ ہونے پائے تھے، کہ جناب رشید ہجری

(صحابی امیرالمومنین) حبیب اور مثیم کی تلاش میں نظر آئے۔ لوگوں نے جواب دیا، وہ آئے تھے
کہ چلے گئے۔ اور ہم نے اُن سے اس طرح کی باتیں سُنی ہیں۔ رشید نے کہا: خدا رحمت نازل کرے
"مثیم تمار پر" وہ یہ کہنا بھول گئے، کہ سر لانے والے کو سو درہم انعام میں ملیں گے؛ یہ کہہ
کر رشید ہجری آگے بڑھے، حاضرین نے آپس میں کہا کہ یہ شخص اُن دونوں سے زیادہ جھوٹا
ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک عرصہ کے بعد ہم نے خود دیکھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے
پر "مثیم" کو سولی دی گئی، اور اس کے بعد حبیب کا سر کاٹ کر کوفہ میں لایا گیا، جو جو کہا تھا
وہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔ (رسالہ حبیب بن مظاہر اسدی ص۱۲ بحوالہ ابصار العین ص۵۶ طبع نجف اشرف)

آپ امام حسینؑ کے بچپنے کے دوست تھے۔ آپ کو رسالتمآبؐ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل
تھا۔ آپ اصحاب امیرالمومنینؑ میں بھی تھے۔ آپ نے ہر اس جنگ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیا جو
آنحضرت صلعم کے بعد رونما ہوئی تھی۔ آپ نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا پورا پورا ساتھ دیا
تھا اور شہادت مسلم کے بعد روپوش ہو کر چند دن کوفہ میں رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی
دوران میں حبیب بن مظاہر کے نام امام حسینؑ کا خط پہنچ گیا، اور آپ غیر معروف راستہ
سے کربلا کو روانہ ہو کر خدمت امام حسینؑ میں جا پہنچے۔ کربلا پہنچ کر آپ نے پوری کوشش کی،
کہ بنی اسد سے کچھ مددگار آئیں، اور اس کے لئے آپ نے کافی جدوجہد کی یہاں تک
کہ ۹۰ آدمیوں کو تیار کر لیا۔ لیکن عمر سعد کی مزاحمت سے امام حسینؑ تک نہ پہنچ سکے۔

شب عاشور ایک شب کی مہلت کے لئے جب حضرت عباس عمر سعد کی طرف گئے تھے تو
حبیب ابن مظاہر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ نماز ظہر عاشورا کے موقع پر حصین ابن نمیر کی بدکلامی
کا جواب آپ ہی نے دیا تھا اور اس کے اس کہنے پر کہ "حسینؑ کی نماز قبول نہیں ہوگی" آپ نے
بڑھ کر گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی تھی۔ اور بروایت ناسخ ایک ضرب سے حصین کی ناک
اُڑا دی تھی —— آپ نے موقع جنگ میں کارنمایاں کئے تھے۔ آپ اذن جہاد لے کر میدان
میں نکلے اور نبرد آزمائی میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ باسٹھ۶۲ دشمنوں کو قتل کر کے شہید
ہو گئے۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ بدیل ابن صریم عفقانی نے آپ پر تلوار لگائی اور بنی تمیم کے ایک
شخص نے نیزہ مارا اور حصین بن نمیر نے سر پر تلوار لگائی اور آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اس
وقت ایک تمیمی نے سر کاٹ لیا۔

حبیب کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے انتہائی درد انگیز لہجہ میں کہا:
"اے حبیب، خدا تم پر رحمت نازل کرے، مَیں تم کو اور اپنے اصحاب کو خدا سے لوں گا——

ناسخ التواریخ ص۲۰۳ میں ہے کہ ابن مظاہر کا قاتل بدیل ابن حریم ہے، یہ ابن زیاد سے ایک سو درہم انعام لے کر جب روانہ ہو رہا تھا تب اس نے ابن زیاد سے حبیب کا سر مانگ لیا اور اسے گھوڑے کی گردن میں لٹکا کر مکہ معظمہ پہنچا۔ جہاں حبیب کے ایک فرزند قاسم سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پتھر مار کر بدیل کو قتل کر دیا، اور اپنے باپ کے سر کو لے کر مقام معلیٰ میں جو آب "راس الحبیب" کے نام سے مشہور ہے، دفن کر دیا۔

ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ الصیدادی:- آپ کا پورا نام عمرو بن عبداللہ بن کعب بن شرجیل بن شراجیل بن عمر بن حثیم بن حاشد ابن جشم بن حیرون بن عوف ابن ہمدان الصائدی الصیدادی تھا — اور کنیت ابو ثمامہ تھی — آپ تابعی تھے۔ آپ کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں تھا، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی تھی۔ آپ بڑے شہسوار اور شیعوں میں بڑی عظمت و شوکت کے مالک تھے۔ امیرالمومنینؑ کے بعد امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں رہے — حضرت مسلم ابن عقیل جب کوفہ تشریف لائے تو آپ نے اُن کی پوری امداد کی۔ اُن کے لئے اسلحہ خریدے۔

آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود کوفہ میں

آلِ محمدؐ کا لٹا ہوا قافلہ گیارہ محرم کو کربلا سے روانہ ہو کر اس حالت میں واردِ کوفہ ہوا، کہ نہ سروں پر برقعے تھے، نہ چادریں۔ بی بیاں اپنے بالوں سے منہ چھپائے تھیں۔ اونٹوں پر نہ عماریاں، نہ پردے تھے، نہ کجاوے اور نہ پالانوں پر کوئی فرش، شہزادیاں رسن بستہ تھیں اور بیمار کربلا لوہے میں جکڑے ہوئے تھے، سب چھوٹے اور بڑے نوحہ و فریاد کر رہے تھے۔

شہر کوفہ میں اس وقت داخلہ کا حکم ہوا جب بازاریں سجی جا چکی تھیں، آئینہ بندی کی جا چکی تھی، بازاروں میں چھڑکاؤ کئے جا چکے تھے، کوفہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا، کہ ایک خارجی نے خلیفہ رسولؐ پر حملہ کیا ہے، انہیں قتل کر کے فتح کی خوشی منائی جا رہی ہے۔ لوگ لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے آپس میں گلے مل رہے تھے، عورتوں اور بچوں کا یہ منظر دیکھنے کے لئے ہجوم عام تھا۔

مسلم جصاص کہتے ہیں کہ مجھے ابن زیاد نے دار الامارا کی مرمت کے لئے حکم دیا تھا، اور میں اس میں مصروف تھا، کہ اتنے میں باجوں اور شور و غل کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا، کہ یہ کیا ماجرہ ہے، شور و غل کیسا ہے؟ تو اس نے جواب دیا، کہ ایک خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا، جسے قتل کر دیا گیا ہے، اور ان کے اہل بیت کو قید کر کے لا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ خارجی کون تھا؟ جواب دیا: کہ حسینؑ ابن علیؑ۔ یہ سُن کر میں نے اس سے جُدا ہو کر مُنہ پر اتنے طمانچے مارے کہ خوف تھا کہ میری آنکھیں نہ پھوٹ جائیں، اور ہاتھ دھو کر مکان کی پشت سے باہر نکل گیا۔ جب بازار پہنچا تو دیکھا کہ ہجوم مردم اسیروں کے آنے کا منتظر ہے، کہ یکایک میں نے دیکھا کہ نیزوں پر سر بلند ہیں۔ اور چالیسؓ ناقوں پر اہل حرم سوار ہیں کہ ناگاہ میری نظر بیمار کربلا امام زین العابدینؑ پر پڑی کہ وہ بغیر فرش کے پالان پر بیٹھے تھے جس کی رسیاں نک خون سے لت پت ہیں، اور وہ رو رو کر یہ فرما رہے ہیں، اے بدترین اُمت تمہاری کھیتیاں سیراب نہ ہوں تم نے ہمارے جد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی احترام نہ کیا، جب قیامت کے دن ہم اپنے نانا کے ساتھ ہوں گے تو ہمارے بارے میں تم کیا جواب دو گے، کہ ہمیں برہنہ اونٹوں پر لئے جا رہے ہو، کیا ہم ہی نے اس دین کو مضبوط نہیں کیا تھا؟ کیوں بنی اُمیہ تم ایذا رسانی پر ایسے جم گئے ہو، کہ ہماری فریاد بھی نہیں سُنتے، بلکہ ہمیں اسیر کر کے خوش ہو ہو کر تالیاں بجاتے ہو۔ تم پر وائے ہو! کیا وہی رسولِ خدا ہمارے جد نہیں ہیں جنہوں

نے گمراہ کرنے والوں سے بچاکر مخلوقِ خدا کی ہدایت فرمائی۔ کربلا کے حادثوں نے مجھے غم کا وارث بنا دیا ہے، خدا گنہگاروں کے پردے فاش کر دے گا۔

مسلم کا بیان ہے، کہ کوفہ کی عورتیں ان قیدیوں کے بچوں کے کمھلائے ہوئے چہروں اور سوکھے ہوئے ہونٹوں کو دیکھ کر ان پر رحم کھا کے روٹی کے ٹکڑے اور خرمے ان کی طرف پھینک رہی ہیں، اور وہ بھوک کی وجہ سے اُٹھا لیتے ہیں، اور حضرت ام کلثوم اُن کے ہاتھ اور منہ سے نکال کر پھینک دیتی ہیں، اور فرماتی ہیں: کہ اے کوفے والو! صدقہ ہم پر حرام ہے۔ کوفے کی عورتیں ان کا یہ حال دیکھ کر زار و قطار رو رہی تھیں، اور حضرت ام کلثوم یہ فرما رہی تھیں، کہ تم ہم پر روتی ہو، اور تمہارے مردوں نے ہمارے وارثوں کو قتل ڈالا۔ اچھا ہمارا اور تمہارا فیصلہ بروزِ قیامت خدا کرے گا۔

ناگاہ گریہ و بکا سے ایک شور سا مچنے لگا اور میں نے دیکھا کہ ان میں آگے آگے امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس ہے، جو چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ سرِ اقدس پر نظر پڑی، تو حضرت زینبؑ نے اپنا سر محمل پر دے مارا اور سر سے خون کے فوارے نکل پڑے، اور رو رو کر چند شعر پڑھنے لگیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

" اے امامت کے چاند ابھی تو تو کمال کو بھی نہیں پہنچا تھا، کہ غروب ہو گیا، میرے بھائی! مجھے کیا خبر تھی، کہ ہماری قسمت میں یہ لکھا ہے۔ اے بھائی! کمسن سکینہ کا دل اس درد سے پگھلا جاتا ہے، کیوں بھائی کُجا وہ محبت کہ ایک دن جدائی ممکن نہ تھی، اور کُجا یہ بے توجہی کے آپ کہیں اور ہم کہیں، اے بھائی! کاش اپنے بیمار فرزند کو دیکھیں جو چل بھی نہیں سکتا۔ اور جب اشقیاء اُسے تازیانے مارتے ہیں، تو وہ رو رو کر آپ کو پکارتا ہے، بھائی! آپ ہی اُسے سینہ سے لگا کر تسکین دیں، ہائے اِس کے دل پر کیا گزرتی ہے، جب وہ آپ کو پکارتا ہے، مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ بعض روایات میں ہے کہ مسلم جصاص نے بیمار کربلا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولا! میں آپ کا غلام ہوں، اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔ امام نے حضرت زینبؑ سے پوچھا، کہ یہ ہمارا موالی ہے۔ جس شئے کی ضرورت ہو، فرمائیں۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا: کہ اس وقت تو ہمیں چادروں کی ضرورت ہے۔ جن سے ہم اپنا سر چھپائیں۔ مسلم جصاص دوڑ کر چادریں لے آیا، مگر افسوس کہ دشمنوں نے وہ جبراً چھین لیں "!

ایک شخص یہ کہہ رہا تھا۔ کہ میں ہلاک ہو گیا، میں نے سخت جرم کیا، میری بخشش مشکل ہے۔ جب لوگوں نے دریافت کیا تو جواب دیا کہ میں اتفاق سے بازار کوفہ سے گذرا تو کوفے کا عجیب منظر دیکھ کر مجھے حیرت ہو گئی کہ ناقوں پر شہزادیاں بلا کجاوہ و عماری سوار ہیں، اور ایک بیمار لوہے میں جکڑا ہوا۔ اونٹ پر لایا جا رہا ہے۔ نوکِ نیزہ پر سر بلند ہیں۔ ہر طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں آ

رنجی ہیں۔ کوفے کے درو دیوار پر خون ہی خون نظر آتا ہے، فضا تاریک ہے۔ شرق و غرب کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ میں کوفے میں تھا، مگر مجھے خبر نہ تھی کہ کربلا میں کیا گزری، ان نیزہ برداروں میں ایک شخص یہ کہہ رہا ہے کہ میں لمبے نیزے والا اور چمکدار تلوار والا ہوں۔ میں دین اصیل کا قاتل ہوں، یہ کہہ کر جب وہ چپ ہوگیا تو اہل حرم میں سے ایک بی بی نے کہا: اے ملعون! تجھ پر وائے ہو، یہ بھی تو کہہ کہ وہ دین اصیل وہ ہے جس کی نشانی گہوارے میں جبرائیلؑ نے دی تھی۔ جس کے خدام میں جبرائیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ و عزرائیلؑ بھی شامل ہیں۔ جس نے سلسائیل کو ترکِ اولیٰ سے نجات بخشی تھی، جس کی شہادت پر عرشِ خدا میں زلزلہ آگیا۔ اور اے ملعون یہ بھی تو کہہ کہ میں رسولؐ خدا کا قاتل ہوں۔ علیؑ مرتضےٰ کا قاتل ہوں، فاطمہ زہراؑ کا قاتل ہوں، حسنؑ مجتبےٰ کا قاتل ہوں، آئمہ ھدا کا قاتل ہوں۔ ملائکۂ آسمان کا قاتل ہوں۔ انبیاء و اوصیاء علیہم السّلام کا قاتل ہوں۔

میں نے ایک پردہ دار سے قریب ہو کر دریافت کیا، کہ یہ سر کیسے اور یہ اسیر کون ہیں انہوں نے اس طرح ڈانٹ کر جواب دیا کہ گویا مجھ پر بجلی گر پڑی۔ کہ تجھے خدا سے شرم نہیں آتی کہ ہم پر نظر کرتا ہے۔ یہ سُن کر میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو قافلہ دُور جا چکا تھا۔ میں منہ پر طمانچے مارتا ہوا کہہ رہا تھا، کہ ربِ کعبہ کی قسم میں ہلاک ہوگیا۔ پھر میں روتا ہوا قریب پہنچا اور سر جھکا کر روتا رہا۔ وہ بھی گریہ و بکا میں مصروف تھیں، کہ اُن کی نظر مجھ پر پڑھ گئی۔ فرمایا: تو کیوں روتا ہے؟ میں نے عرض کی: آپ کے مصائب پر روتا ہوں۔ مگر یہ تو فرمائیں، کہ آپ کس خاندان سے ہیں؟ اور یہ سر کن بزرگوں کے ہیں۔ کیوں کہ آپ لوگ خاندانی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر میرا دل پھٹا جاتا ہے، میں نے آج تک آپ کی طرح کے قیدی نہیں دیکھے۔ اور نہ ان سروں کے ایسے مقتول دیکھے ہیں۔ میرا کلام سُن کر سر جھکا کر فرمایا: میں زینب بنت علیؑ ابن ابی طالب ہوں، اور یہ قیدی اولادِ رسولؐ و علیؑ و فاطمہؑ زہرا ہیں۔ اور یہ سرِ اقدس جو آگے آگے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ علیہما السّلام کا ہے۔ جنہیں اولاد و انصار کے ساتھ کربلا میں شہید کر دیا گیا، اور یہ قیدی جس کے پَیر ناقے کے پیٹ سے باندھے ہیں، علی ابن الحسینؑ زین العابدین علیہم السّلام ہے۔ جو اپنے باپ کے بعد امام زمانہ ہے۔ یہ سُن کر میں نے ایک پتھر اپنے سر پر مارا جس سے سر پھٹ گیا، کپڑے پھاڑ ڈالے، اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ اور یہ عرض کیا کہ: اے میری سردار! جو آنکھ آپ پر نظر کرے خدا اس آنکھ کو نکال لے۔ میں آپ کا موالی اور غلام ہوں۔

جب یہ قافلہ سب سے بڑے بازار میں پہنچا، جہاں بیشمار ہجوم تھا، تو اس وقت حضرت زینبؑ

نے اپنے پدر بزرگوار علی مرتضیٰؑ کے لہجہ میں انہیں آواز دی کہ خاموش ہو گئے، سب خاموش ہوگئے، اس کے بعد آپ نے وہ فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا، اور اہلِ کوفہ کو ان کی بداعمالیوں اور بدکاریوں پر ایسی تنبیہ فرمائی، اور اپنے خاندان کی عظمت اور خصوصیات کا اعلان کرتے ہوئے ایسے پُرزور اور شریفانہ لہجہ میں وعظ فرمایا کہ کوفہ میں ہلچل مچ گئی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار رو رہے ہیں۔

پھر امام زین العابدینؑ علیہ السلام نے نقاہت و ناتوانی کے باوجود انہیں خاموش کرکے وہ دردانگیز تقریر فرمائی جس نے سارے مجمع کے دلوں کو برمادیا، اور ہر طرف سے واحسینا! واہ مصیبتاہ کی آوازیں بلند ہوگئیں ـــ پھر حضرت ام کلثوم نے جو خطبہ پڑھا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ یادگار ہے۔ اور صرف وہ خطبہ ساری عمر رونے کے لئے کافی ہے بعض روایات میں ہے، کہ اس کے بعد حضرت فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام نے بھی ایک ایسا دردانگیز خطبہ پڑھا ہے جسے سُن کر دیر تک گریہ و بکا ہوتا رہا۔ [1]

دربارِ ابن زیاد

اس کے بعد عبیداللہ ابن زیاد نے شہر میں دربار عام کا اعلان کر دیا، دربار سجایا گیا، اموی حکومت کے ہواخواہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے جو کرسیوں پر فروکش تھے۔ ساتھ ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی آگئے، جو حالات سے بے خبر تھے اور جنہیں یہ علم ہی نہ تھا، کہ کربلا میں کون مارا گیا، مگر دلوں میں معرفت کا نور اور ایمان کا چراغ روشن تھا۔ ایک طرف ابن زیاد تختِ حکومت پر متمکن تھا اور سامنے سر برہنہ اور رسن بستہ شہزادیاں دربار میں داخل کی جارہی تھیں۔ جن کے متعلق وہ دریافت کر رہا تھا، تخت کے نیچے طشت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس تھا، اور وہ ملعون مسکرا مسکرا کر اس سرِ اقدس کے ساتھ بے ادبی کر رہا تھا، جسے دیکھ کر ایک صحابی رسولؐ بگڑ کر یہ کہہ رہے تھے کہ اے ابن زیاد! دندان مبارک سے چھڑی اٹھالے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان دانتوں کو شکر کی طرح چوسا کرتے تھے۔ تو اس ملعون نے جواب دیا کہ یہ جنگ بدر کا جواب دیا جارہا ہے۔ خدا تیری آنکھوں کو رلائے تو بہت ضعیف ہے تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے، تو خدا کی قسم بڑھاپا ہے اگر تو بے عقل نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ یہ سُن کر ابو برزہ باہر نکل گئے۔

---

[1] یہ وہ خطبے تھے، جنہوں نے سرزمین کوفہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔

یہ دیکھ کر زید ابن ارقم اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: لوگو! آج سے تم غلام بن گئے ہو۔ تم نے فاطمہ زہراؑ کی اولاد کو ذبح کر دیا اور ابن مرجانہ کو حاکم بنایا ہے جو بہترین ہستیوں کو قتل کرتا اور شیروں کو غلام بناتا ہے۔ آخر وہ ذلت اور رسوائی پر راضی ہو جاتے ہیں۔ سُن اے ابن زیاد! میں اس سے بھی زیادہ اہم حدیث سُناتا ہوں!۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسولؐ خدا، امام حسنؑ کو داہنے زانو پر اور امام حسینؑ کو بائیں بازو پر بٹھا کر اور ان پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے تھے: اے پالنے والے! یہ دونوں شہزادے اور ان کا باپ تیری امانت ہیں، پس اے ابن زیاد تو نے خوب اُن کی امانتداری کی!"

جب اسیرانِ اہل بیتؑ دربار میں داخل ہوئے، تو حضرت زینبؑ کے جسم پر بدترین لباس تھا، وہ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

ابن زیاد نے آواز دی یہ کون ہیں؟ جنہیں عورتیں گھیرے ہیں۔ کسی نے جواب نہ دیا پھر دوبارہ پوچھا، جب سہ بارہ پوچھا تو ایک کنیز نے جواب دیا: کہ یہ زینب بنتِ علی علیہ السلام ہیں۔

ابن زیاد نے اُن کی طرف رُخ کر کے کہا: اس خدا کی تعریف جس نے تم کو ذلیل کیا اور قتل کیا اور تمہیں جھٹلایا حضرت زینبؑ نے جواب دیا: کہ اس خدا کا شکر جس نے ہمیں عزّت دی، اپنے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہمیں ہر رجس اور ہر نقص سے ایسا پاک کیا، جو پاک کرنے کا حق ہے۔ ہمیشہ فاسق ذلیل ہوتے اور کافر جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمارے غیر ہیں۔ اور اس پر خدا کی حمد ہے۔ ابن زیاد بولا: تم نے دیکھا کہ اہل بیت کے ساتھ خدا نے کیا سلوک کیا۔ حضرت زینبؑ نے جواب دیا کہ ان کی قسمت میں شہادت تھی پس وہ اپنی ابدی خوابگاہوں تک آ گئے، اور عنقریب خدا اُنہیں اور تمہیں جمع کرے گا۔ اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔ یہ سُن کر ابن زیاد کو غصہ آ گیا۔ اور دُرّہ منگایا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا: اے امیر! عورتوں سے اس طرح مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ ابن زیاد نے کہا کہ تمہارے نافرمان اہل بیت کی موت سے مجھے شفا مل گئی۔ یہ سُن کر حضرت زینبؑ رونے لگیں۔ اور فرمایا کہ میری جان کی قسم تو نے میرے بزرگ کو قتل کیا اور ان کے اہل بیت کو قید کر کے باہر نکالا اور ہمارے بچوں کو تہہ تیغ کیا اور ہماری جڑوں کو اکھیڑ ڈالا، اگر اسی میں تیری شفا ہے تو بیشک شفا پا گیا۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ یہ تو شاعرہ اور ادیب ہیں، اور میری جان کی قسم! ان کا باپ بھی شاعر اور ادیب تھا۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا: کہ عورت کا سجع سے کیا تعلق ہے؟ البتہ اُدب ہمارا شغل ہے۔

اتنے میں ابن زیاد کی نظر بیمارِ کربلا پر پڑی، تو پوچھا: تم کون ہو! فرمایا: میں علی ابن الحسینؑ۔ اس نے کہا: علی ابن الحسینؑ کو تو خدا نے قتل کر دیا۔ فرمایا: میرے ایک بھائی کا نام علی ابن الحسینؑ تھا، اُسے لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا، کہ نہیں اُسے خدا نے قتل کیا ہے۔ امامؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ اللّٰہ یتوفی الانفس موتہا واللتی لم تمت فی منامہا۔ ابن زیاد نے غضبناک ہو کر کہا تم میرا جواب دیتے ہو! اور جلاد کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دے۔ حضرت زینبؑ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: اے ابن زیاد! اب ہمارے مردوں میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے، اگر اسے قتل کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کر دے۔ اس پر ابن زیاد حیرت سے کہنا لگا، اس محبت پر تعجب ہے، یہ چاہتی ہیں کہ ان کے ساتھ انہیں بھی قتل کر دوں۔ بیمارِ کربلا نے فرمایا: پھوپھی جان! آپ خاموش رہیں، میں جواب دیتا ہوں، اور فرمایا: کہ کیوں ابن زیاد تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ قتل ہو جانا ہماری عادت ہے، اور شہید ہونا ہمارے لئے سعادت ہے۔

اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ قیدیوں کو مسجدِ اعظم کے برابر ٹھہرایا جائے۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ ہم سے ملنے کے لئے کنیزوں کے سوا کوئی آزاد عورت نہ آئے کیوں کہ کنیزیں بھی قید ہو چکی ہیں۔ اور ہم بھی قید ہیں۔

یہ کلام ہو رہے تھے، کہ دار الامارہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نکلنے لگے، اور ابن زیاد دوڑ کر اپنے ایک گھر میں داخل ہو گیا۔ جب آگ بھڑکی اور ابن زیاد بھاگنے لگا تو سرِ حسینؑ سے آواز آئی: او ملعون آگ سے کدھر بھاگتا ہے، اگر دنیا میں بچ گیا تو آخرت میں تجھے اسی میں رہنا ہے۔ جب اہلِ دربار نے یہ منظر دیکھا، تو سجدے کے لئے سر جھکا دیئے۔ جب آگ بجھ گئی تو سرِ اقدس خاموش ہو گیا۔

ابن زیاد نے اہلِ حرم کو قید خانہ میں روانہ کر دیا اور سرِ اقدس امام حسین علیہ السلام خولی کے حوالے کر دیا خولی کی دو بیویاں تھیں، ایک تغلبیہ اور دوسری مُضریہ، جب وہ سرِ اقدس لے کر مُضریہ کے گھر پہنچا، تو اس نے دریافت کیا یہ کس کا سر ہے اُس نے کہا: کہ یہ سر امام حسینؑ کا ہے۔ اس نے غضبناک ہو کر خولی کے سر پر ایک لکڑی ماری اور کہا: آج سے نہ تو میرا شوہر ہے اور نہ میں تیری زوجہ۔ میرے گھر سے نکل جا۔ پھر وہ تغلبیہ کے گھر پہنچا، اُس نے بھی دریافت کیا کہ یہ سر کس کا ہے؟ اس ملعون نے جواب دیا کہ یہ ایک خارجی کا سر ہے، جس نے یزید پر خروج کیا تھا۔ یہ کہہ کر سر طشت کے نیچے رکھ دیا، جب وہ رات کو اٹھی تو اُس نے دیکھا کہ سرِ اقدس تلاوتِ قرآن کر رہا ہے، اس سے نور ساطع ہے، اور اس کے گرد ایک

گرج کی آواز ہے، جیسے فرشتے عبادتِ خدا میں معروف ہوں۔

اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس سر کو کوفے کے بازاروں میں پھرایا جائے۔ جس راہ سے سرِ اقدس گزرتا تھا تلاوتِ قرآن کرتا تھا، یہ وہ مناظر ہیں جنہیں دیکھ کر کوفے میں ہر جگہ مرد و زن کے ٹھٹھ لگے تھے اور ہر طرف سے گریہ و ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ جب سرِ اقدس کو بازارِ کوفہ میں پھرا رہے تھے، تو وہ اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا: ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ ابن وکید کہتا ہے، کہ میں بھی سر اُٹھانے والوں میں تھا، اور وہ باقاعدہ قرأت سے تلاوتِ قرآنِ کریم کیا کرتا تھا۔ مجھے تعجب ہوا تو سر سے آواز آئی، کہ اے ابن وکید! ہم گروہ آئمہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ ہمیں رزق بھی ملتا ہے، ابن وکید کا خیال ہوا، کہ یہ سر چُرا لے۔ پھر آواز آئی، یہ نہیں ہو سکتا۔ جب اس سر کو درخت پر لٹکایا گیا تو اس آیت کی تلاوت فرمائی: "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"۔

اس کے بعد ابن زیاد ملعون نے مسجد کوفہ میں وعظ شروع کیا اور کہا: اس خدا کی تعریف جس نے کذاب ابن کذاب کو قتل کیا۔ یہ سننا تھا کہ عبداللہ ابن عفیف بگڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے او ملعون تو انہیں کذاب کہتا ہے، جنہیں خدا نے پاک کیا ہے تُو اور تیرا باپ کذاب، تیرا بادشاہ یزید اور اس کا باپ کذاب، او خدا کے دشمن اولادِ انبیاء کو قتل کر کے یہ باتیں کرتا ہے وہ بھی مومنین کے منبروں پر۔ یہ سُن کر ابن زیاد غصے سے کانپنے لگا، اور کہا یہ کون بول رہا ہے؟ عبداللہ ابن عفیف نے جواب دیا: میں بول رہا ہوں عبداللہ ابن عفیف او خدا کے دشمن، ذریتِ رسولؐ کو قتل کرتا ہے جنہیں خدا نے پاک کیا ہے، اور تو یہ سمجھتا ہے کہ تُو دینِ خدا پر ہے واغوثاہ کدھر ہے، اولادِ مہاجرین و انصار تاکہ اس طاغی اور ملعون سے انتقام لیں۔

یہ سُن کر ابن زیاد کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ اور گردن کی رگیں پھول گئیں۔ اور کہنے لگا اُسے پکڑ لو۔ خدام آگے بڑھے، کہ ہر طرف سے گھیر لیں، مگر قوم ازد کے اشراف نے انہیں چھڑا کر گھر پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس نابینا کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ عبداللہ ابن عفیف کی حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہمراہ جنگ میں ایک آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری صفین میں ضائع ہو چکی تھیں۔

جب ایک گروہ گرفتار کرنے کے لئے چلا تو قبیلہ ازد نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا اور سخت جنگ ہوئی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے یہاں تک کہ دشمن دروازہ توڑ کر عبداللہ کے گھر میں گھس گئے، جہاں ایک دختر کے سوا کوئی نہ تھا، دختر نے کہا: کاش! آج میں مرد ہوتی تو دشمنوں کا مقابلہ کرتی۔ عبداللہ نے جواب دیا، کہ بس مجھے تلوار اُٹھا دو۔ اور جس طرف سے دشمن آئے بتلاتی

رہو، چنانچہ جب طرف سے دشمن آتا وہ پکار کر کہتی اور عبداللہ اُسے تہ تیغ کر دیتے تھے، دیر تک
اسی طرح مقابلہ کرتے رہے بہت دشمنانِ دین کو واصل جہنم کر دیا۔ یہاں تک کہ دشمنوں نے چاروں
طرف سے گھیر لیا دختر نے خبر دی، عبداللہ چاروں طرف تلوار چلاتے رہے۔ آخر انہیں گھیر کر گرفتار کر
لیا گیا۔ اور ابنِ زیاد کے پاس لے گئے۔ ابنِ زیاد نے کہا: اس خدا کی تعریف جس نے تمہیں رسوا کیا۔
عبداللہ نے جواب دیا: او خدا کے دشمن، اُس نے مجھے کس بات پر ذلیل کیا، خدا کی قسم اگر میری آنکھ
ہوتی، تو یہ وسیع زمین تجھ پر تنگ کر دیتا۔ ابنِ زیاد نے کہا: او دشمن خدا تو عثمان کے بارے
میں کیا کہتا ہے، عبداللہ نے جواب دیا: اے ابنِ مرجانہ! تیرا عثمان سے کیا تعلق، وہ اچھا تھا، یا
بُرا، صلح کی یا فساد ڈالا، خداوند عالم انشاءاللہ ان کا فیصلہ عدل و انصاف سے کرے گا۔ البتہ مجھ
سے پوچھ، اپنا اور اپنے باپ کا حال اور یزید اور اُس کے باپ کا حال، ابنِ زیاد نے کہا: میں
ضرور تجھ سے سوال کروں گا۔ یہاں تک کہ تو موت کا مزہ چکھے۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ الحمدللہ
میں خدا سے دعا کرتا تھا، کہ مجھے شہادت کا درجہ نصیب ہو۔ اور یہ تمنا تھی کہ میری شہادت ملعون
ترین کے ہاتھوں ہو۔ لیکن جب میری آنکھ جاتی رہی تو مایوس ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی ہزار ہزار
حمد ہے کہ اس نے مایوسی کے بعد اس کا موقع بخشا اور میری دعا قبول فرمائی۔ ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ
اس کا سر اُڑا دو۔ لہٰذا آپ کا سر قلم کر دیا گیا۔

عمر ابن سعد نے ابنِ زیاد کے پاس درخواست پیش کی، کہ آپ نے مُلک رَے کا وعدہ
کیا تھا، وہ وعدہ پورا کیا جائے۔ ابن زیاد نے کہا: وہ تحریر لے آ، جس میں وعدہ کیا گیا تھا۔
عمر ابن سعد نے کہا: وہ تو گم ہو گئی، اور اب یاد نہیں کہاں ہے۔ ابن زیاد نے کہا: اگر تو وہ
تحریر آج نہ لے آئے، تو مُلک رَے کبھی نہیں دیا جا سکتا، ابن سعد نے کہا کہ تحریر تو نہیں لا
سکتا، کہا پھر مُلک رے بھی نہیں مل سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو قتل حسینؑ میں ٹال مٹول کرتا رہا
ہے۔ کیا یہ شعر تیرے نہیں ہیں۔

"خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا اور میں ضرور سچ کہہ رہا ہوں کہ میں اپنے معاملہ میں دو امروں
کے درمیان فکر کر رہا ہوں، آیا ملک "رَے" ترک کر دوں۔ حالانکہ وہ میری دلی مراد ہے،
یا امام حسین (علیہ السلام) کو قتل کرکے مجرم اور خطاکار بن جاؤں۔"

یہ کلام عذر کرنے والے ہی کا ہو سکتا ہے۔ ابنِ سعد نے کہا: اے امیر میں تو تجھے نصیحت
کرتا رہا ہوں کہ حسینؑ کے خون سے ہاتھ نہ رنگ۔ اگر میرا باپ سعد بھی اس کام کے لئے حکم دیتا،
تو میں اس کی اطاعت نہ کرتا، میں نے تو تیری سرداری کا حق ادا کیا ہے۔ ابنِ زیاد نے کہا: اے
بیوقوف تو جھوٹ بولتا ہے۔ اُس وقت عثمان ابن زیاد وہاں بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا عمر ابن

سعد سچ تو کہتا ہے، قتل حسینؑ وہ جرم ہے جس نے قیامت تک کے لئے ناک کاٹ دی۔ وہ پھر بھی قتل نہیں ہوئے، بلکہ قیامت تک زندہ ہیں۔ ابن سعد بولا: اے ابن زیاد! مجھ سے زیادہ کوئی نقصان میں نہیں رہا، کہ میں نے اللہ کی نافرمانی کی، عبیداللہ کی اطاعت، حسینؑ ابن علیؑ سے غداری، اور خدا کے دشمنوں کی مدد کی۔ اپنے رحم کو قطع کیا، اور دشمنوں کا ساتھی بن گیا اور اپنے رب کی مخالفت کی۔ پس میرا جرم اس قدر عظیم اور افسوس کس قدر رزیل ہے دنیا و آخرت میں۔ اور یہ کہتا ہوا وہاں سے اٹھا: " ذالك هوالخسران المبين " (اسے کہتے ہیں کھلا ہوا نقصان)

جب اسیرانِ اہل بیتؑ کوفے پہنچے، تو ابن زیاد نے خوش ہو کر ایک طرف یزید کو حالات سے مطلع کیا اور دوسری جانب اُس نے قتل امام حسینؑ کی خبر عمر ابن سعید بن عاص حاکم مدینہ کو روانہ کی۔ عبدالملک بن عمر کو یہ خبر دے کر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ جب اس نے حاکم مدینہ کو یہ پیغام دیا، تو اس نے کہا، کہ تو خود مدینہ جا کر اس کا اعلان کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں نے یہ اعلان کیا، تو مدینہ کے در و دیوار سے شور اور واویلا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر ایسا ماتم کہیں نہیں سُنا گیا جیسا بنی ہاشم کے گھروں میں ہوا۔

جب یہ خبر عبداللہ ابن جعفر کو پہنچی، اور انہیں معلوم ہوا کہ ان کے دونوں فرزند بھی شہید ہو گئے، تو اُن کے غلام ابوالسلاسل نے کہا کہ ہمیں یہ مصیبت امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے پہنچی۔ یہ سُن کر عبداللہ ابن جعفر نے اسے جوتوں سے مارا، اور فرمایا کہ اے ملعون! تو یہ کہتا ہے، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا، تو میں بھی اپنے آپ کو ان پر قربان کر دیتا، میں اس بات پر خوش ہوں کہ وہ امامؑ کے قدموں میں رہے اور ان کی مصیبت اور صبر میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ پھر حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا: اس خدا کی تعریف جس نے مجھے حسینی شہادت کا شرف بخشا۔ اگر میں ان کا ساتھ نہ دے سکا۔ تو میرے بچوں نے یہ حق ادا کر دیا۔

ام لقمان بنت عقیل بن ابی طالب نے جب یہ خبر سُنی، تو پا برہنہ اپنی بہنوں ام ہانی، اسماء، رملہ اور زینب کے ساتھ گھر سے نکل پڑیں اور یہ مرثیہ پڑھ رہی تھیں۔

"کیوں مسلمانو! جب روز محشر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے سوال کریں گے کہ تم نے میرے بعد میری عترت یعنی میرے اہلِ بیت سے کیا سلوک کیا، حالانکہ تم آخری اُمت ہو، تو انہیں کیا جواب دو گے۔ بس یہی کچھ کہ خاک و خون میں غلطاں ہیں اور کچھ قید و بند میں گرفتار ہیں ـــــ کیا میری تبلیغ کی یہی جزاء تھی کہ تم میرے خاندان کو برباد کر دو"

جب دن گذر گیا اور تاریکی شب چھا گئی، تو ایک آواز آئی جس کا کہنے والا نظر نہ آتا

تھا: "اے حسینؑ کو ظلم سے قتل کرنے والو! تمہیں عذاب دوزخ کی بشارت ہو۔ تم پر تمام اہل آسمان نبی و رسول اور اُن کے وصی علیہم السّلام لعنت کرتے ہیں۔ تم پر سلیمان ابن داؤد اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السّلام کی لعنت ہے۔"

جب ام سلمہ نے یہ خبر سُنی تو کہنے لگیں کیا حسینؑ کو قتل کر ڈالا! خدا ان دشمنوں کی قبریں آگ سے بھر دے۔ یہ کہا اور غش کھا کر گر پڑیں۔

ایک شخص کربلا کی لوٹ سے زعفران اور اونٹ لایا تھا، زعفران کو پیسا تو اُس سے آگ نکلتی تھی، اور جس نے اسے ہاتھ پر لیا اُسے برص ہو گئی۔ جب اونٹ کو ذبح کرنے لگے تو اس سے آگ کے شعلے نکلنے لگے، جس جگہ چھری رکھتے وہاں سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ بلکہ جتنے اونٹ کربلا میں لوٹے گئے سب کا یہی حال تھا۔ ایک اونٹ کو ذبح کرکے پکایا تو وہ ایلوا کی طرح تلخ تھا اور نہ کھایا جا سکا۔

کوفہ سے روانگی جانب شام

اس دوران میں ابن زیاد نے واقعات کربلا، شہادت حسین علیہ السّلام اور اسیری اہلبیتؑ کے حالات سے یزید کو مطلع کر دیا اور اس سے دریافت کیا، کہ وہ اس کے پہلے احکام کی تعمیل کر چکا، اب اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ وہاں سے حکم آیا کہ سرہائے شہداء اور اسیران اہل بیت کو اس کے پاس دمشق روانہ کر دیا جائے۔ اگرچہ عراق سے شام جانے کے راستے ایک سے زائد تھے مگر ابن زیاد نے ایسا راستہ منتخب کیا جو زیادہ سے زیادہ دُور ہو اور جس میں بڑے سے بڑے شہر آتے ہوں، تاکہ کوفے کی طرح وہاں بھی انہیں تشہیر کیا جائے۔ اس قسم کا پروگرام بنا کر اس نے تمام حکام اور حکومت کے ذمّہ داروں کو مطلع کر دیا۔ سرہائے شہداء کی ذمّہ داری محضر بن ثعلبہ عائذی کے سپرد کی۔ زجر بن قیس کا نام بھی لیا جاتا ہے اور ابو بردہ اور طارق کوفی ان کے مشیر تھے۔ ان کے علاوہ شمر ذی الجوشن اور خولی اور شبث بن ربعی اور عمرو بن حجاج مع ایک ہزار سواروں کے اس قافلہ کے منتظم اور نگران تھے۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا، کہ وہ جس شہر سے گذریں، اسی طرح اہل بیت کی تشہیر کریں، جیسے کوفے میں کی گئی۔ جب قیدی روانہ کئے گئے، تو امام زین العابدین طوق و سلاسل سے جکڑے ہوئے تھے، اور آل رسولؐ سر برہنہ اونٹوں کے برہنہ پالانوں پر، سروں کو صندوق میں مقفل کر دیا تھا۔

جب کسی مقام پر منزل کرتے تو صندوق سے نکال کر شمار کرتے اور نیزوں پہ بلند کر کے حفاظت کرتے تھے۔ پھر جب روانہ ہوتے تو سروں کو صندوق میں بند کر دیتے۔ جس جگہ

منزل کرتے سردار اور لشکر کسی مقام یا خیمے میں قیام کرتا، اور آلِ رسولؐ کو اسی طرح اونٹوں کے پاس چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور سپاہیوں کا پہرہ ہوتا تھا۔

پہلی منزل :۔ پہلی منزل فرات کے کنارے ایک غیر آباد جگہ پر تھی۔ سروں کو سامنے رکھ دیا گیا، قیدیوں نے بھی خاک پر رات گذاری کہ ناگاہ ایک ہاتھ نمودار ہوا جو لوہے کے قلم سے ایک دیوار پر خون سے یہ تحریر لکھ رہا تھا :۔

" کیا یہ اُمت جس نے امام حسین علیہ السّلام کو قتل کر ڈالا، روز قیامت ان کے نانا کی شفاعت کی اُمید کر سکتی ہے بس خدا کی قسم ان کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا۔ اور قیامت کے دن عذاب ہی عذاب میں ہوں گے"۔ لشکر ابن زیاد یہ دیکھ کر ڈر گیا اور فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔

منزل قادسیہ :۔ جب یہ قافلہ منزل قادسیہ پر پہنچا، تو اسے دیکھ کر حضرت ام کلثوم کا دل بھر آیا، اور بے ساختہ کچھ شعر ان کی زبان سے نکلے، جن کا خلاصہ یہ ہے :۔

" ہمارے مرد مر گئے، زمانہ نے ہمارے سرداروں کو فنا کر دیا، اور میری حسرتوں کو اور بڑھا دیا، یہ جانتے ہوئے کہ ہم ہادی خلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد ہیں۔ ہم پر کمینوں کو مسلط کیا گیا، ہمیں برہنہ پالانوں پر بٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ گویا ہم کنیزیں اور ان کی ملکیت ہیں۔

اے بہترین خلق خدا، رسولؐ اسلام! آپ کے اہلِ بیت کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے، اس سے آپ کو کس قدر تکلیف ہو رہی ہوگی۔ تم پر وائے ہو، تم اس رسولؐ کو بھول گئے جس نے تمہیں خاک سے پاک کیا تھا"

منزل تکریہ :۔ پھر حصاصہ سے ہوتے ہوئے تکریہ کی طرف چلے اور حاکم کو اطلاع دے دی کہ ان کے لئے انتظام کیا جائے، اس نے جب خط پڑھا تو نشان بلند کر دیئے گئے، باجے بجنے لگے شہر کی آرائش ہونے لگی، ہر طرف سے لوگ جمع ہو گئے، حاکم شہر استقبال کے لئے باہر نکل آیا۔ جو شخص دریافت کرتا تھا، اُسے جواب دیتے تھے کہ یہ خارجی کا سر ہے جس نے یزید پر خروج کیا تھا۔ اسے عراق میں ابنِ زیاد نے قتل کیا ہے اور اب اِن کے سروں اور اہل بیت کو یزید کے پاس لے جا رہے ہیں، اتنے میں ایک نصرانی نے آگے بڑھ کر آواز دی، کہ اے قوم! میں نے کوفے میں اس سر کو دیکھا ہے، یہ خارجی کا سر نہیں بلکہ حسینؑ ابن علیؑ ابنِ ابی طالب کا سر ہے جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نواسہ اور

فاطمہ زہراؑ کا فرزند ہے۔ جب نصرانیوں نے یہ سُنا، تو ناقوس بجانے لگے ناقوس کی آواز سُن کر سب راہب جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم اس قوم سے بری ہیں جو اپنے رسولؐ کے نواسے کو قتل کرتی ہے ہم انہیں شہر میں نہ آنے دیں گے۔ یہ سُن کر ابن زیاد کا لشکر ڈر گیا اور شہر سے باہر ہی باہر روانہ ہو کر وادیٔ نخلہ پہنچ گیا۔

منزل وادیٔ نخلہ:۔ وادیٔ نخلہ پہنچ کر رات کو قیام کیا، تو جنّوں کی عورتوں کے نوحوں کی آوازیں آنے لگیں۔ آوازیں سُنی جاتی تھیں مگر نوحہ کرنے والے نظر نہ آتے تھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"چونکہ دختران رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مجروح دلوں کے ساتھ گریہ و ماتم کر رہی ہیں۔ اس لئے ہم جنّوں کی عورتیں بھی ان کے ساتھ ماتم میں شریک ہیں۔ جو فاطمی گھروں میں نوحے پڑھ رہی ہیں؛ اور سیاہ کپڑے پہن کر ان کے غم میں سوگوار ہیں' اور حسین ابن علی علیہما السّلام کی عظیم مصیبت پر اپنے منہ پر طمانچے مار رہی ہیں۔

منزل لیننا:۔ پھر منزل لیننا پہنچے جو بہت آباد تھا، تو وہاں کے لوگ زن و مرد، جوان و ضعیف شہر سے باہر آ کر سرِ حسین پر سلام کرتے اور درود بھیجتے تھے' اور کہتے تھے:۔ "اے اولادِ انبیاء کے قاتلو! ہمارے شہر سے نکل جاؤ"۔ آخر وہاں سے روانہ ہوگئے' اور موصل اطلاع روانہ کردی۔

منزل موصل:۔ موصل میں نشانات بلند کر دیئے گئے۔ شہر کی آرائش کی گئی۔ ہر طرف کے لوگ جمع ہوگئے حاکم شہر نے چھ میل باہر آ کر استقبال کیا۔ جب دریافت کیا، یہ سر کس کا ہے تو انہوں نے کہا: ایک خارجی کا سر ہے' جس نے یزید پر خروج کیا تھا۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔ آپ اُسے قتل کر کے ان کے سر اور ان کے اہلبیت کو شام لے جا رہے ہیں۔ ایک شخص سمجھ گیا اور پکار کر کہا، یہ خارجی کا سر نہیں' یہ امام حسین ابنِ علی علیہما السّلام کا سر ہے، یہ سُننا تھا، کہ بنی اوس اور خزرج کے چالیس ہزار سوار جمع ہوگئے' اور انہوں نے طے کر لیا، کہ ان نگرانوں کو تہ تیغ کر کے سَر ان سے چھین لیں اور یہیں دفن کر دیں۔ تاکہ ان کے لئے قیامت تک باعث شرف ہو' جب ان کو پتہ چلا تو موصل میں داخل نہ ہوئے اور نصیبین کی طرف روانہ ہوگئے۔

منزل نصیبین:۔ نصیبین پہنچ کر سروں کو نیزوں پر بلند کر دیا۔ جب حضرت زینب کی نظر بھائی کے سر پر پڑی، تو بے ساختہ یہ کلام منہ سے نکلا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"تم ان لوگوں میں ہماری تشہیر کر رہے ہو، حالانکہ ہمارا باپ وہ ہے جس پر وحی خدا نازل ہوتی رہی ہے تم مالکِ عرش کے بھی منکر ہو اور اس کے رسولؐ کے بھی، گویا تمہارے پاس رسولؐ آیا ہی نہیں تھا۔ اے بدترین اُمت! خدا تمہیں ہلاک کرے، اور تم دوزخ کی آگ میں جلتے اور فریادیں کرتے رہو"

منزل دعوات:- پھر منزلِ دعوات کی طرف اطلاع روانہ کی گئی، حاکم شہر نے ان کا انتظام کیا، سروں کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔ اور باب اربعین سے داخل شہر ہوئے، اور دوپہر سے غروب آفتاب تک سر وہاں نصب رہے۔ کوئی کہتا تھا، کہ یہ خارجی کا سر ہے جس نے یزید پر خروج کیا تھا، اور کوئی سر اقدس کی زیارت کرکے رونا پیٹتا اور گریہ وزاری کرتا تھا، رات بھر یہ ملعون شراب خواری میں مصروف رہے، یہ درد انگیز منظر دیکھ کر بیمار کربلا کا دل بھر آیا۔ اور چند شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے:-

کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان تاریکیوں میں کوئی عقل والا بھی ہے جو حوادثِ زمانہ سے بچنے کے لئے رات مناجات میں گذارتا ہے میں امام کی اولاد ہوں اور میرا حق کمینوں میں ضائع و برباد ہو رہا ہے۔

منزل قنسرین:- اس کے بعد قنسرین میں وارد ہوئے۔ جب وہاں کے باشندوں کو علم ہوا، تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے، اور ان پر لعنت اور سنگ باری کرتے رہے۔ اور کہتے تھے اے فاجرو! اے اولادِ انبیاء کے قاتلو! تم ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ام کلثوم آبدیدہ ہو کر فرمانے لگیں جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"تم نے ہمیں برہنہ پالانوں پر بٹھایا ہے گویا ہم روم کی کنیزیں ہیں، تم پر لوٹے ہو، کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دادا نہیں، جس نے تمہیں دین اسلام کی راہ دکھلائی ہے۔ اے بدترین اُمت تمہاری کھیتیاں کبھی سیراب نہ ہوں، بلکہ تم پر عذاب کی بارش ہوتی رہے" اتفاق سے اس سرِ اقدس پر ایک راہب کی نظر پڑ گئی، اس نے دیکھا کہ رُخِ انور سے آسمان تک نور ساطع ہے وہ سمجھ گیا اور اس نے دس ہزار درہم دے کر عاریت کے طور پر ان سے سر لے لیا اور بڑے احترام سے اُسے اپنے گرجا میں لے گیا۔ جب داخل ہوا، تو ایک آواز آئی کہ تجھے اور اُسے مبارک ہو جو اس کی حرمت کو پہچان لے۔ راہب نے آسمان کی طرف منہ کر کے دُعا کی: خداوندا! حضرت عیسیٰؑ کی برکت سے اس سر کو حکم دے، کہ مجھ سے کلام کرے۔ دعا ختم ہوتے ہی سر سے آواز آئی: اے راہب کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی یہ

فرمائیں کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ علی مرتضیٰؑ کا فرزند، فاطمہ زہراؑ کا نور کربلا کا مقتول مظلوم اور پیاسا ہوں۔ راہب نے مُنہ پر مُنہ رکھ دیا اور عرض کی کہ میں مُنہ نہ اُٹھاؤں گا، جب تک آپ یہ وعدہ نہ فرمائیں، کہ آپ میری شفاعت کریں گے۔ آواز آئی تو پھر میرے جد کا دین اختیار کرلے۔ عرض کی (اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ و اشھد ان علی ولی اللہ۔)

آپ نے فرمایا: اب میں تیری شفاعت کا ضامن ہوں۔ صبح کو اس نے سر اور درہم ان کے حوالے کردیئے جب ان لوگوں نے راہ میں ان درہموں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ درہم نہیں بلکہ پتھر ہیں۔

منزل معرّۃ النعمان:- اس کے بعد یہ قافلہ معرّۃ النعمان پہنچا، ان لوگوں نے استقبال کیا اور ضیافت کی، اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔

منزل شیزر:- جب شیزر پہنچے، تو ان لوگوں نے پہچان لیا اور کہا کہ یہ فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس ہے۔ ہم دشمنانِ دین کو اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ حالات دیکھ کر یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

منزلِ کفر طاب:- کفر طاب ایک مختصر سا قلعہ تھا۔ اہل قلعہ نے جب ان کو آتا دیکھا تو قلعے کے دروازے بند کردیئے خولی ملعون نے ان سے جا کر کہا، کیا تم ہمارے وفادار نہیں! ہم پیاسے ہیں پانی پلا دو۔ انہوں نے جواب دیا: کہ تم وہی تو ہو جنہوں نے فرزند رسولؐ اور اُن کے عیال و اطفال کو پانی کا ایک قطرہ تک نہیں دیا تھا ہم بھی تم کو پانی کا قطرہ نہیں دیں گے۔

منزلِ سیبور:- اس کے بعد یہ قافلہ منزل سیبور پہنچا، تو وہاں ایک بوڑھا تھا، جو عثمانؓ بن عفان کا دَور دیکھ چکا تھا۔ وہ پہچان گیا اور اس نے کہا۔ یہ حسینؑ ابن علی فرزندِ رسول علیہم السلام کا سر ہے۔ اور یہ ظالم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرکے آرہے ہیں۔ یہ سُن کر قوم ان سے جنگ پر تیار ہو گئی۔ جو ضعیف العمر تھے، اُنہوں نے کہا انہیں جانے دو، مگر جوانوں نے پل توڑ ڈالا اور ہتھیار سج کر میدان میں آگئے۔ شدید جنگ ہوئی، جس میں چھ سو اعدائے دین واصل جہنم ہوئے اور پانچ مجاہد شہید ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ام کلثوم نے دریافت کیا: اس شہر کا کیا نام ہے۔ کسی نے کہا سیبور! آپ نے دعا کی: خداوندا! ان کے پانی کو شیریں، اور نرخ کو ارزاں کردے، اور

ظالموں کے ظلم سے انہیں محفوظ رکھ ـــــ ابو مخنف کہتے ہیں کہ دنیا ظلم سے بھر جانے پر بھی سیبور کے باشندے ظلم سے محفوظ رہیں گے۔

منزل حماء :- جب قافلہ منزل حماء پہنچا، تو اہلِ شہر نے دروازے بند کر دیئے۔ اور کہا کہ یہ ظالم ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر یہ لوگ حمص روانہ ہوگئے۔

منزل حمص :- جب حمص کے حاکم کو اس قافلے کی اطلاع ملی، تو ان کی آمد کا اعلان کر دیا، شہر کو آراستہ کرایا اور تین میل شہر سے باکر استقبال کیا۔ مگر جب یہ لوگ شہر پہنچے تو اہلِ شہر نے دروازے بند کر دیئے اور پتھر برسانے لگے، جس سے چھبیس ۲۶ دشمنان دین واصل جہنم ہوئے۔ اور پکار کر کہا: کہ اے ظالمو! ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی خرید کر آئے۔ آخر یہ لوگ وہاں سے دور کنسیہ قصیص کے پاس جا کر ٹھہرے جہاں خالد بن قشیط حاکم حمص کا مکان تھا۔ ان لوگوں نے حلف اُٹھایا، کہ ہم خولی کو قتل کر کے دم لیں گے، اور سر اقدس اس سے لے لیں گے۔ یہ خبر سُن کر وہاں سے بھاگ نکلے۔

منزل بعلبک :- جب بعلبک اطلاع پہنچی تو اہلِ شہر جمع ہوگئے شہر کو آراستہ کیا گیا، نشان بلند کئے گئے۔ عیش و آرام کے سامان خریدے گئے۔ شراب سے مخمور ہو کر رات گذاری۔ حضرت ام کلثوم نے دریافت کیا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ کسی نے کہا: بعلبک ہے! آپ نے دعا کی: خداوندا! ان کی سبزیاں برباد اور پانی تلخ ہو اور یہ ہمیشہ ظالموں کے ظلم سہیں۔ ابو مخنف کہتے ہیں، کہ اگر ساری دنیا میں امن و امان رہے تو یہاں ہمیشہ ظلم کا مینہ برستا رہے گا، یہ لوگ ایک رات یہاں رہ کر روانہ ہوگئے۔

منزل صومعۂ راہب :- ان لوگوں نے صومعۂ راہب میں رات گزاری، اتفاق سے ایک راہب نے دیکھا، کہ نیزہ پر ایک سر بلند ہے اور وہ تلاوتِ قرآن حکیم اور خُدا کی تسبیح میں مصروف ہے، سر اقدس سے آسمان تک نور ساطع ہے۔ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور ملائکہ گروہ در گروہ آتے اور کہتے ہیں السلام علیک یا ابو عبداللہ! یہ حالات دیکھ کر وہ رو پڑا، جب صبح کو یہ لوگ سفر کرنے لگے، تو راہب نے ان سے دریافت کیا، کہ تمہارے ساتھ کیا ہے؟ کہا ایک خارجی کا سر ہے۔ کہا نام کیا ہے؟ کہا: امام حسینؑ ابن علیؑ۔ محمد مصطفےٰؐ کا نواسہ اور علی و فاطمہ کا فرزند! راہب نے کہا خدا تمہیں ہلاک کرے۔ اخبار نے سچ کہا ہے کہ جب حسینؑ ابن علیؑ شہید ہوں گے تو آسمان سے خون برسے گا۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تک نبیؐ یا وصی قتل کیا جائے۔ اس کے بعد راہب نے کہا: یہ سر کچھ دیر کے لئے میرے حوالے کر دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا، کہ

یہ تو صرف یزید کے سامنے پیش کرنا ہے، اور اس سے انعام لینا ہے۔ راہب نے کہا: کس قدر؟ خولی نے جواب دیا، کہ ایک بدرہ جس میں دس ہزار مثقال درہم ہوں۔ راہب نے قبول کیا اور بدرہ پیش کر دیا۔ اور سرِ اقدس کو چومتا ہوا صومعہ میں لے گیا، اور رو رو کر کہتا تھا: اے ابو عبداللہ! مجھے یہ درد ہے کہ آپ کی مدد نہ کر سکا، لیکن جب اپنے جد سے ملاقات کریں، تو میری سفارش کریں، کہ میں نے اسلام قبول کر لیا: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ و اشھد ان علیؑ ولی اللہ۔ پھر راہب نے سرِ اقدس ان کے حوالے کر دیا۔ اور وہ لوگ درہم باہم تقسیم کرنے لگے، اب جو دیکھا تو وہ خذف ہیں۔ اور اُن پر لکھا ہوا ہے: وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ خولی نے آواز دی، کہ یہ خبر چھپا ڈالو! اس وقت ہاتف کی یہ آواز آئی، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"کیا وہ اُمت جس نے حسینؑ کو شہید کر ڈالا، روزِ قیامت ان کے نانا سے شفاعت کی اُمید رکھتی ہے، حالانکہ انہوں نے خدا کو غضبناک بھی کیا اور مخالفت بھی کی اور روزِ قیامت سے ذرا بھی تو نہیں ڈرے اولادِ زیاد پر خدا کی لعنت ہو اور وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں۔"
اس کے بعد ہاتف کی آواز آئی، اُس نے کچھ شعر پڑھے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"خدا کی قسم میں نہیں آیا جب تک میں نے یہ دیکھ نہیں لیا، کہ وہ کربلا میں ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں اور ان کے رخسار خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ ان کے گرد گردنیں کٹائے ہوئے وہ جوان پڑے ہیں، جن کے چہرے چراغ کی طرح روشن ہیں اور جن کا نور تاریکیوں کو چھپائے ہوئے ہے۔ حسینؑ وہ چراغ تھے جن کے نور سے فیض حاصل کئے جاتے تھے، خدا بہتر جانتا ہے کہ میں سچ کہتا ہوں۔" یہ آواز سُن کر حضرت ام کلثوم نے دریافت کیا، کہ تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں جنوں کا بادشاہ ہوں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے کربلا پہنچا تھا، مگر اس وقت پہنچا، جب وہ شہید ہو چکے تھے۔" یہ سُن کر وہ لوگ ڈر گئے اور وہاں سے جلد روانہ ہو گئے۔

منزل دیرِ نصاریٰ:- جب یہ سرہائے اقدس اور اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ دیرِ نصاریٰ کے قریب پہنچا، تو خبر ملی کہ ایک لشکر جمع ہے اور وہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ خبر سُن کر شمر راہب کے دیر پر گیا اور آواز دی۔ ایک بزرگ راہب نے دریافت کیا، کیا بات ہے؟ کہا یہ عبداللہ بن زیاد کا لشکر ہے، ایک خارجی نے ہم پر خروج کیا تھا، اُسے قتل کر کے اور اس کے اہلِ حرم کو اسیر کر کے دمشق لے جا رہے ہیں۔ ہم نے سُنا ہے کہ نصر خزاعی ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہم دیر میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ اس کی نظر جو سرِ اقدس

کے صندوق پر پڑی تو دیکھا کہ صندوق سے آسمان تک نور ہی نور ہے۔ اس پر ہیبت طاری ہوگئی اور کہنے لگا کہ تم یہ سر اور اسیر دیر میں داخل کر دو۔ اور خود اس سے باہر رہو۔ اگر دشمن حملہ کرے، تو مقابلہ کرو، سر اور اسیر محفوظ رہیں گے۔ مجبوراً اس رائے کو پسند کیا۔ اس نے اہلِ بیت کو اچھے مکان میں جگہ دی اور سرِ اقدس کو ایک حجرہ میں محفوظ رکھا۔ مگر اسے یہ شوق تھا، کہ اس سر کی زیارت کروں۔ اتفاق سے اس حجرہ میں سوراخ تھا جس سے اس نے دیکھا کہ صندوق سے چھت تک نور ہی نور ہے۔ چھت شگافتہ ہوگئی ہے، ایک تخت اُترا ہے۔ جس پر پردہ دار ہیں، اور ایک شخص کہہ رہا ہے: خبردار! اِدھر نہ دیکھو۔ پھر اس تخت سے حوّا، مریم، آسیہ، صفیہ، ام موسیٰؑ، احرام اسمٰعیل و راحیل، ام یوسف اور ازواج نبیؐ اتریں، انہوں نے صندوق سے سر نکالا، اور ایک ایک بی بی سر کو بوسہ دیتی تھی اور کہتی تھی: السلام علیک یا اباعبداللہ! جب خاتونِ جنت پہنچیں تو راہب غش کھا کر گر پڑا، اور جب ہوش میں آیا تو سُنا آپ فرما رہی ہیں کہ تم پر سلام ہو اے ماں کے مقتول تم پر سلام اے ماں کے مظلوم! تم پر سلام اے ماں کے شہید۔ تمہیں کوئی غم و الم نہ پہنچے، اور عنقریب یہ مصیبت مجھ سے اور تم سے دُور ہو جائے گی۔ اے بیٹے! کس نے تمہارا سر بدن سے جُدا کیا۔ کس نے قتل کر دیا، کس نے تم پر ظلم کیا۔ کس نے تمہارے اہل حرم کو قید کیا۔ کس نے تمہارے بچوں کو یتیم کیا۔" پھر اس قدر روئیں جس کی حد نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہاں تک کہ دیرانی غش کھا کر گر پڑا، جب افاقہ ہوا تو اس حجرہ میں داخل ہوا، صندوق کو توڑ ڈالا، اور سرِ اقدس کو گلاب سے دھویا اور اس پر کافور، مشک و زعفران چھڑکی، اور سامنے رکھا اور رو رو کر یہ کہا: "اے سر خم بر آپ بزرگ ترین اولادِ آدمؑ ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ کی مدح ضرور توراۃ و انجیل میں ہے۔ اس لئے کہ مکرم و محترم خواتین آپ پر نالہ کر رہی ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کو پہچان لوں۔" پس سر سے آواز آئی کہ: میں مظلوم مہموم مغموم ہوں۔ میں عداوت و ظلم کی تلوار سے مارا گیا۔ اہل بغاوت نے مجھ پر ظلم کیا، بے جرم و خطا مجھے لوٹا گیا۔ پانی مجھ پر بند کیا گیا، وطن اور اہل وطن سے دُور کیا گیا۔ صاحب دیر نے عرض کیا: اور واضح بیان فرمائیں۔ فرمایا: اگر میرا حسب و نسب معلوم کرنا چاہتا ہے تو سُن میں محمد مصطفےٰؐ کا نور، علی مرتضیٰؑ کا فرزند، فاطمہ زہراؑ کا لختِ جگر، خدیجۃ الکبریٰ کا نواسہ عروۃ الوثقیٰ کا بیٹا کربلا کا شہید، کربلا کا قتیل کربلا کا پیاسا، کربلا کا مسافر، کربلا کا اکیلا، کربلا کا لٹا ہوا ہوں۔ میں وہی ہوں جسے کربلا میں اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ جب صاحب دیر نے یہ سُنا تو اپنے شاگردوں کو جو شہر کے قریب تھے جمع کیا اور انہیں سارا واقعہ سُنایا۔ وہ سب رونے پیٹنے لگے عمامے اُتار کر پھینک دیئے۔ گریباں چاک کر

دیئے، اور امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر زنار اور ناقوس توڑ دیئے۔ اور اسلام قبول کر لیا، اور عرض کرنے لگے اگر اجازت دیں تو ان پر حملہ کرکے انتقام لیں۔ فرمایا: نہیں انتقام کا وقت عنقریب آنے والا ہے۔ ان سے خوب انتقام لیا جائے گا۔

منزل قصر بنی مقاتل:۔ جب یہ قافلہ قصر بنی مقاتل پہنچا تو دن بہت گرم تھا۔ پیاس سے زبانیں نکلی پڑتی تھیں۔ مشکیزے خالی ہو کر خشک ہو چکے تھے۔ چالیس ہاتھ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ جس میں روسائے لشکر جا کر بیٹھے۔ مگر اسیرانِ اہلبیت اسی طرح دھوپ میں بیٹھے رہے، ان کے چہروں کے رنگ تمازتِ آفتاب سے بدل گئے تھے، امام زین العابدین علیہ السلام کی حالت مرض اور تکلیف کی وجہ سے متغیر تھی۔ حضرت زینب نے بھتیجے کو اونٹ کے سایہ میں بٹھا دیا تھا۔ اور کہہ رہی تھیں بیٹا! تیری حالت دیکھ کر دل تڑپ رہا ہے، مگر پھوپھی مجبور ہے۔ سکینہ بنت الحسینؑ ایک چھوٹے سے درخت کے سایہ میں لیٹیں تو نیند آ گئی۔ کچھ ہی دیر کے بعد حکم ہوا، کہ قافلہ روانہ کیا جائے۔ سکینہ اپنی بہن فاطمہ بنت الحسینؑ کے ساتھ ایک ہی سواری پر بیٹھتی تھیں۔ جب فاطمہ بنت الحسینؑ نے سکینہ کو نہ دیکھا تو ظالموں سے کہا: میری بہن سکینہ کو تلاش کرو۔ کسی نے آواز بھی دی، مگر سکینہ گہری نیند میں نہ سن سکیں۔ اور قافلہ چل پڑا۔ فاطمہ بنت الحسینؑ فریاد کرتی رہیں مگر ظالموں نے پروا نہ کی۔ کہ اتنے میں سکینہ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ قافلہ روانہ ہے دیکھ کر دوڑیں، وہ دوڑتی رہیں اور ظالم اونٹوں کو ہنکاتے رہے۔ آخر فاطمہ نے آواز دی کہ میری بہن کو لا کر بٹھا دو، ورنہ میں اپنے آپ کو اونٹ سے گرا دوں گی۔ حدی خوان نے کہا کہ یہ کون لڑکی ہے، فرمایا: یہ وہی دختر حسینؑ ہے جس کے لئے میرے باپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ گھر پسند ہے جس میں سکینہ اور ان کی ماں رباب ہوں۔ آخر حدی خوان نے سکینہ کو سوار کر دیا۔

منزل عسقلان:۔ یہ قافلہ جب عسقلان پہنچا تو حاکم شہر نے شہر کو آراستہ کرایا۔ گانے بجانے والے جمع کئے۔ ساری رات شراب خواری اور لہو و لعب اور گانے بجانے میں مصروف رہے۔

اتفاق سے اس شہر میں وزیر نامی ایک تاجر آیا ہوا تھا۔ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ آج کون سی عید ہے اور یہ کیسی خوشی ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا، کہ شاید تو مسافر ہے۔ عراق میں ایک جماعت بیعت یزید کی منکر تھی، انہیں قتل کرکے ان کے سر اور ان کے اہل حرم کو اسیر کرکے شام لے جا رہے ہیں۔ وزیر نے دریافت کیا، کیا وہ کافر تھے۔ کہا نہیں بلکہ وہ سادات تھے۔ وزیر نے کہا کہ پھر انہوں نے کیوں مقابلہ کیا۔ جواب دیا کہ وہ کہتے تھے، کہ ہم رسولؐ کی

اولاد اور حقدار خلافت ہیں۔ وزیر نے کہا کہ اُن کا اور اُن کے باپ کا نام کیا ہے؟ کہا اس کا نام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب اور بھائی کا نام حسنؑ بن علی (علیہم السلام) ہے اور ماں فاطمہ زہراؑ اور نانا محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ یہ جواب سُن کر وزیر کی آنکھوں میں دُنیا تاریک اور زمین تنگ ہوگئی اور اسیروں کی طرف دوڑا تو امام زین العابدین علیہ السلام پر نظر پڑھ گئی۔ انہیں دیکھ کر بہت رویا۔ اُسے روتا دیکھ کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ سب لوگ تو خوش ہو رہے ہیں تو کیوں روتا ہے؟ وزیر نے عرض کیا: مولا! میں مسافر ہوں، اتفاق سے اس شہر میں آنا ہوا۔ میں ایک تاجر ہوں، یہ ماجرا دیکھ کر اہلِ شہر سے ان کی خوشی کا سبب دریافت کیا، تو معلوم ہوا، کہ میرا مولا حسین علیہ السلام شہید ہو گیا۔ ان کے سر اور اہل حرم کو شام لے جا رہے ہیں۔ فرمایا: تجھ میں معرفت اور محبت معلوم ہوتی ہے۔ خداوند عالم تجھے جزائے خیر دے! وزیر نے عرض کیا کسی خدمت کا حکم فرمائیں۔ کہ یہ شخص جو سر حسینؑ نیزے پر لئے جا رہا ہے، اسے کہہ دو کہ آگے آگے چلے تاکہ اہل حرم کا پردہ محفوظ رہے۔ وزیر نے پچاس مثقال سونا دے کر سر اُٹھانے والوں کو آگے کر دیا۔ لوگ سروں کی طرف متوجہ ہو گئے اور پردہ محفوظ ہو گیا۔ پھر وزیر نے عرض کیا، اگر اور کوئی ضرورت ہو تو ارشاد کیجئے۔ فرمایا: اگر کچھ چادریں ممکن ہوں، تو لے آؤ۔ وزیر ہر پردہ دار کے لئے ایک ایک چادر اور امام کے لئے عمامہ لے آیا۔ اتنے میں شور سا مچا اور شمر آگیا اسے دیکھ کر وزیر کو جوش آگیا۔ اور اس نے غصہ میں شمر کو بُرا بھلا کہا اور اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہنے لگا کہ جن شہزادوں اور شہزادیوں کو تو نے برہنہ پالانوں پر سوار کیا ہے جانتا بھی ہے، کہ وہ کون اور کس خاندان سے ہیں۔ خدا تیرے ہاتھ پیر کاٹے اور تیرے دل اور آنکھوں کو اندھا کر دے۔ شمر نے معسکر کو آواز دی اسے مارو۔ اس نے مارنا شروع کر دیا۔ آخر زخموں سے چُور چُور ہو کر غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ قافلہ چلا گیا۔ جب غش سے افاقہ ہوا، تو کسی طرح چل کر مسجد سلیمان میں پہنچا، تو دیکھا، کہ وہاں کچھ لوگ گریہ و بکا کر رہے ہیں۔ دیکھ کر حیرت ہوگئی۔ دریافت کیا کہ سارا شہر خوشی منا رہا ہے تم کیسے کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں جو دشمنانِ اہل بیت ہیں۔ وہ خوش ہیں، کیا تو بھی انہیں میں سے ہے وزیر نے سارا قصہ سُنا دیا۔ پھر سب مل کر دیر تک مظلوم کربلا پہ ماتم کرتے رہے۔

سفر شام کا ایک واقعہ:۔ ابن ہیفہ نامی ایک شخص کو لوگوں نے دیکھا، کہ وہ حجاب کعبہ سے لپٹ کر دعا کر رہا ہے کہ خداوندا مجھے بخش دے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ لوگوں نے کہا یہ کیا کہتا ہے وہ کون سا جرم ہے

جو نہ بخشا جا سکے، خدا غفور و رحیم ہے۔ خدا سے ڈر اور ایسی بات منہ سے نہ نکال۔ اس نے ایک شخص کو علیحدہ لے جا کر اپنا قصہ سنایا۔ کہ سفر شام میں ہم پچاس آدمی سرہائے شہداء کے نگران مقرر تھے۔ ایک مقام پر سب شراب پی کر سرہائے شہداء کے گرد مخمور رہے اور لہو و لعب کرتے رہے۔ مگر میں نے شراب نہیں پی، کہ یکایک گرج اور چمک ہوئی اور آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اور یکایک میں نے دیکھا کہ حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ اور ہمارے نبی کریمؐ تشریف لے آئے، اور ان کے ساتھ جبرئیلؑ اور فرشتوں کا ایک گروہ تھا۔ رسول اسلامؐ نے وہ سر اقدس صندوق سے نکال کر بوسہ دیا۔ پھر سب نبیؑ یکے بعد دیگرے بوسے دیتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ فرماتے اور سب پیغمبرؑ تعزیت پیش کرتے تھے، اور سر حسینؑ کو سینہ سے لگاتے تھے، اور چوم کر گریہ و بکاء کرتے تھے۔ اور رسول کریمؐ ایک ایک نبیؑ سے خطاب کر کے فرماتے تھے، کہ ان ظالموں نے میرے بچہ کو شہید کر دیا۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میں بحکم خدا آپ کا تابعدار ہوں۔ اگر حکم دیں، تو زمین کو زلزلہ آ جائے اور اس طبقہ کو اس طرح اُلٹ دوں، جیسے قوم لوطؑ کا طبقہ اُلٹا تھا، کہ یہ سب ہلاک ہو جائیں۔ فرمایا کہ نہیں جبرئیلؑ ابھی نہیں! اس کا دن بھی آنے والا ہے۔ پھر فرشتوں کے ایک گروہ نے حاضر ہو کر عرض کیا، یہ کہ اجازت دیدیں کہ ان کو تنبیہ کر دیں۔ آپ نے اجازت دی۔ انہوں نے سب کو آتشی حربوں سے مارنا شروع کیا۔ جب میرا رخ کیا تو میں نے کہا: الامان الامان یا رسولؐ اللہ! فرمایا: کہ جا خدا تجھے نہ بخشے۔ جب صبح ہوئی تو میرے سب ساتھی راکھ کا ڈھیر تھے۔

دمشق کا بازار اور بنات رسولؐ:۔ یہ قافلہ شہر دمشق کے قریب پہنچا۔ تو حضرت ام کلثوم نے شمر سے فرمایا۔ کہ ہمارے اونٹ ایسے مقام پر رکھو۔ جہاں ہم پر نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔ اس ملعون نے حکم دیا کہ سروں کو محملوں کے درمیان لے جایا جائے۔ اور اس حالت میں انہیں بازار دمشق میں داخل کیا گیا۔

سہل بن سعید شہر زوری کہتے ہیں۔ کہ میں گھر سے روانہ ہو کر بیت المقدس جا رہا تھا۔ اتفاق سے دمشق سے گزرا۔ تو میں نے شہر کے حالات دگرگوں دیکھے۔ بازاریں سجی ہوئی ہر طرف کی دکانیں مقفل سب سے بڑے بازار میں ہجوم عام لوگ فاخرہ لباس پہنے خوشی منا رہے ہیں۔ طبل و دف کی آوازیں آ رہی ہیں۔ گھوڑے سوار اِدھر سے اُدھر جا رہے ہیں۔ فوجوں کا

پہرہ ہے میں یہ دیکھ کر حیران تھا۔ کہ آج کیسی خوشی ہے جب میں نے ایک شخص سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ تم مسافر اور نووارد معلوم ہوتے ہو۔ میں نے کہا ہاں! میں نووارد ہوں۔ مگر معاملہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین یزید پر عراق میں ایک خارجی نے خروج کیا تھا۔ اس پر فتح حاصل ہوئی ہے، ان کے سر اور اہل حرم اسیر کر کے لائے جا رہے ہیں۔ یہ خدا کا احسان ہے۔ میں نے کہا وہ کون تھے؟ جواب دیا۔ کہ حسین بن علی بن ابی طالب۔ فاطمہ زہراؑ کا فرزند اور رسولؐ اسلام کا نواسہ۔ میں نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون یہ نبی کی اولاد کے قتل پر خوشی منائی جا رہی ہے، اور قتل کر دینا کافی نہ تھا، کہ اب ان کا لقب خارجی رکھ دیا۔ اس نے جواب دیا کہ آئندہ ایسی بات نہ کر اور اپنی جان بچا۔ اس لئے کہ اس جگہ جو شخص حسینؑ کا ذکر خیر سے کرے۔ اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ میں خاموش ہو کر روتا رہا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ شہر کے بڑے دروازے سے نشانات داخل ہو رہے ہیں۔ اور طبل بج رہے ہیں۔ لوگ کہنے لگے کہ اس دروازے سے سر آ رہے ہیں جس قدر سر نزدیک ہوتے تھے ان کی خوشی زیادہ ہوتی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ برہنہ پالانوں پر بی بیاں سوار ہیں۔ جن پر کوئی کجاوہ یا عماری یا پردہ نہیں ہے۔ اور وہ وامحمداہ وعلیاہ واحسناہ واحسیناہ واعباساہ کی صدائیں بلند کر رہی ہیں اور بندگان دین کو پکار رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ اے رسول آپ کی اولاد آج یہود و نصاریٰ کی طرح اسیر کر کے لائی جا رہی ہیں۔ میں نے محملوں کے قریب جا کر باآواز بلند کہا۔ السلام علیکم یا اھل بیت محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میری آواز سن کر حضرت ام کلثوم نے فرمایا "تم کون ہو اس لئے کہ جب سے بھائی حسینؑ شہید ہوئے ہیں ہم پر کسی نے سلام نہیں کیا سوائے تمہارے ـــــ میں نے عرض کیا۔ کہ میں شہر وز کا رہنے والا ہوں۔ سہل ہوں۔ آپ کے جد کی زیارت کی ہے۔ اور آپ کے خاندان کا محب ہوں"

فرمایا ـــــ اے سہل! ہمارے بھائی مارے گئے۔ اور غلاموں اور کنیزوں کی طرح اسیر ہو کر برہنہ کجاووں پر لائے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ تم سے ہو سکے تو کوشش کرو کہ یہ سر آگے کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہمارے پردے محفوظ رہیں۔

میں نے بہت کوشش کی مگر کسی نے نہ سنا۔ اس سفر میں میرے ہمراہ ایک نصرانی بھی رفیق سفر تھا جو میرے ساتھ بیت المقدس جا رہا تھا۔ اور کپڑوں کے اندر تلوار لئے تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ سر حسینؑ تلاوت کر رہا ہے۔

تو اس نے کہا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ
پھر تلوار نکال کر حملہ کر دیا۔ اور دشمنانِ دین کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک گروہ
کو قتل کر ڈالا۔ وہ روتا تھا۔ اور دشمنانِ دین کو قتل بھی کرتا تھا آخر سب اس پر ٹوٹ پڑے۔
اور اُسے قتل کر دیا۔ جب شور و شغب کی آواز بلند ہوئی۔ تو مجھ سے حضرت ام کلثوم نے دریافت
کیا۔ کیا واقعہ ہے جب میں نے یہ واقعہ سُنایا۔ تو فرمانے لگیں۔ کہ کس قدر تعجب ہے کہ نصرانیوں
کے دلوں میں دین اسلام کی اتنی عزت ہے۔ اور جو اپنے آپ کو دین محمدؐ پر کہتے ہیں وہ انہیں
قتل کرتے اور اسیر کر کے شہر بہ شہر پھرا رہے ہیں۔ مگر انجام کار انھیں کے حق میں ہے۔
سہل کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا۔ کہ کچھ عورتیں ایک مکان کے چھجہ پر بیٹھی ہیں ان میں ایک
بڑھیا۔۔۔۔۔ بھی ہے جب سر حسینؑ اس کے قریب آیا۔ تو اس نے خادمہ سے کہا کہ مجھے ایک پتھر
اُٹھا دو۔ اس کے باپ نے میرے باپ اور شوہر کو مارا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے وہ پتھر سر حسینؑ پر
دے مارا۔ سر سے خون تازہ جاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ام کلثوم تڑپ گئیں۔ اور منہ پر طمانچے مارنے
لگیں۔ اور گریبان چاک کر دیا۔ اور واہ محمداہ واعلیاہ کی آوازیں بلند کرنے لگیں۔ یہاں
تک کہ غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو فرمانے لگیں۔ خداوندا اس گھر کو ان پر گرا دے۔ اور
انہیں آگ میں جلا دے۔ اسی وقت چھجّہ گرا اور آگ لگ گئی۔ اور وہ دب کر اور جل کر راکھ
ہو گئے۔
اس قافلہ کو دیکھ کر ایک کبیر السن نے کہا۔ اس خدا کی تعریف جس نے تمہیں قتل کیا۔
اور امیر المومنین کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ سُن کر امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا۔۔۔ کیا
تم نے قرآن پڑھا ہے کہا ہاں پڑھا ہے۔ فرمایا یہ آیت پڑھی ہے۔
قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ کہا ہاں پڑھی ہے۔ اور فرمایا یہ
آیت بھی پڑھی ہے۔ فان للہ خمسه وللرسول ذوی القربیٰ کہا ہاں پڑھی ہے۔
فرمایا۔ اور یہ آیت بھی پڑھی ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیراً کہا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا۔ رسول کے وہ قرابت دار ہم ہی ہیں۔
جن کی محبّت واجب کی گئی ہے۔ وہ قرابت دار ہم ہی ہیں جو خمس کے حقدار ہیں۔ وہ اہل بیت
ہم ہی ہیں۔ جن کو خدا نے پاک کیا ہے۔
یہ سُن کر وہ شرمندہ ہو گیا۔ عمامہ سر سے اُتار کر پھینک دیا۔ اور ہاتھ اُٹھا کر عرض کرنے
لگا۔ خداوندا! میں آل محمدؐ کے دشمنوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میں قرآن پڑھتا ہوں۔
مگر کبھی ان آیات پر غور نہیں کیا۔

اس قافلہ کے آگے آگے ایک منادی ندا کر رہا تھا۔ یا اھل الکوفۃ والشام ھذہ سبایا من بنات رسول اللہ اے کوفہ و شام کے رہنے والو! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں جو قید ہو کر جا رہی ہیں۔

یہ قافلہ تین گھنٹے تک باب الساعات پہ کھڑا رہا۔ جب دربار سج گیا۔

دربار یزید:۔ تو داخلہ کی اجازت ملی۔ جب داخل دربار ہوئے۔ تو دربار سجا ہوا تھا۔ کرسی نشینوں سے کرسیاں پُر تھیں۔ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کوفہ سے آنے والے قاتلان حسین انعام کی طمع میں اپنے اپنے مظالم کارنامہ سمجھ کر بیان کر رہے تھے۔ سر حسینؑ کو طشت طلا میں رکھ کر اس پر ایک ریشمی رومال ڈال کر طشت کے نیچے رکھا تھا۔

اہل حرم اس حال میں داخل دربار کئے گئے۔ کہ ان کے گلوں میں اس قدر قریب رسیاں بندھی تھیں۔ کہ بزرگ بچوں کے خیال سے سیدھے ہو کر چل نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں ــــ "ہمیں بھیڑوں کی طرح باندھا تھا"۔

اس حالت میں یزید ایک ایک بی بی سے سوال کر رہا تھا۔ جب یزید نے ایک کم سن بچی سے سوال کیا۔ تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ اور رونے لگی۔

یزید نے پوچھا۔ نام کیا ہے؟ کہا سکینہ بنت الحسینؑ۔

یزید نے کہا ــــ کیوں روتی ہو۔

سکینہ نے کہا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ کہ میرے پاس چادر نہیں جس سے اپنا منہ چھپاؤں۔

یزید نے سکینہ سے کہا ــــ تمہارے باپ نے میرے حق سے انکار کر کے قطع رحم کیا اور مجھ سے اختلاف کیا۔

سکینہ نے رد کر جواب دیا۔ اے یزید! میرے باپ کے قتل پہ خوش نہ ہو۔ وہ خدا اور رسولؐ کے تابعدار تھے۔ اس نے بلا یا وہ چلے گئے۔ اور سعادت حاصل کی۔ اور تجھے اے یزید خدا کے سامنے حاضر ہونا اور جواب دینا ہے۔ پس جواب کے لئے تیار رہ اور تو کیا جواب دے سکتا ہے۔

پھر حضرت ام کلثوم سے خطاب کر کے کہنے لگا ــــ تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

ام کلثوم نے فرمایا ــــ اے ابن طلقاء یہ پردہ کے اس طرف تیرے گھر والے اور کنیزیں پردہ میں بیٹھی ہیں۔ اور رسولؐ کی بیٹیاں برہنہ پلانوں پر بلا پردہ جنہیں نیک و بد یہود و نصاریٰ

دیکھتے رہے پھرائے جاتے رہے ۔"
یزید غصّہ کی نظر سے دیکھ کر چپ ہو گیا ۔
سرِ حسینؑ یزید کے سامنے تھا ۔ اور سکینہ اور ام کلثوم سرِ حسینؑ کی زیارت کرنا چاہتے تھے ۔
اور یزید اُسے چھپا رہا تھا ، کہ یکایک ان کی نظر پڑ گئی ۔ اور بہ بلند آواز رونے لگیں ۔ ان کی فریاد سُن کر یزید کے پردہ نشین بھی رونے لگے ۔

جب سب عورتیں داخل دربار ہو کر ایستادہ ہو گئیں ۔ تو بیمار کربلا نے یزید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ـــــ "کیوں یزید ! اگر حضرت رسالت مآبؐ ہمیں اس حالت میں دیکھیں ۔ تو ان پر کیا گزرے گی ۔"

یہ سُن کر سب اہل دربار اور پردہ نشین تک رونے لگے ۔
یزید نے کہا ـــــ اس خدا کی تعریف جس نے تیرے باپ کو قتل کیا ۔
بیمار نے جواب دیا ـــــ "اس پر لعنت ۔ جس نے میرے باپ کو قتل کیا ۔"
یہ سُن کر یزید کو غصّہ آ گیا ۔ اور اس نے حکم دیا کہ انہیں قتل کیا جائے ۔
بیمار نے جواب دیا کہ ـــــ اگر تو مجھے قتل کرنا ہے تو اولادِ رسول کو کون واپس گھر لے جائے گا ۔ اس لئے کہ ان کا میرے سوا کوئی محرم نہیں ۔"
آخر اس نے کہا کہ ـــــ آپ ہی واپس لے جائیں گے ۔

جب ہند زوجہ یزید کو خبر ملی ۔ کہ سر ہائے شہداء اور اسیران اہل بیت بھرے دربار میں ہیں تو اس نے مردوں کو ہٹا کر اس سے کہا ـــــ اے یزید ! تو نے وہ ظلم عظیم کیا ہے کہ دوزخ کا حقدار بن گیا ہے ۔ آج سے نہ تو میرا شوہر اور نہ میں تیری زوجہ رہی اگر رسولؐ خدا اور فاطمہ زہراؑ یہ حالت دیکھ لیں تو کیا کہیں گے ۔

اس ملعون نے کہا کہ " فاطمہؑ سے کیا تعلق ؟"
ہند نے کہا ـــــ وہی تو ہیں ۔ جنہوں نے مجھے ہدایت کی اور خاک سے پاک کیا ۔ اب ہم کس منہ سے خدا و رسول اللہ اور بی بی فاطمہ زہراؑ سے ملیں گے ۔

یزید نے جب سرِ حسینؑ کو دیکھا تو بھرے مجمع میں خوش ہو کر شعر پڑھنا شروع کئے ۔ جن میں بعض کا خلاصہ یہ ہے ۔ کہ :۔

" میں نے حسینؑ کا خون بہا کر اپنے مرض کا علاج کیا ہے "۔ " میں نے پچھلے خون کا بدلہ لے کر قرضہ وصول کر لیا ہے ۔" کاش آج جنگ حنین دیکھنے والا کوئی موجود ہوتا ۔" اور دیکھتا کہ آج حسینؑ پر کیا گذری ۔"

پھر وہ ملعون جھوم جھوم کر دندان مبارک کو چھڑی سے اذیت پہنچاتا اور شعر پڑھتا تھا جن میں بعض کا خلاصہ یہ ہے ۔
ہم نے ان بزرگوں کے سر شک کئے ہیں جو ہم سے زیادہ تھے ۔ خدا کے نزدیک ان کے درجے زیادہ بلند اور ہر صفت میں ہم سے بہتر تھے ۔ ہم نے ان سے عداوت رکھی حالانکہ عداوت گمراہی ہے اور جو حق سے عداوت رکھے ۔ نقصان میں رہتا ہے رہا عدل خداوندی تو خدا نے اسے قیامت پر رکھا ہے ۔ محشر میں انصاف ہوگا ۔ ہم نے دنیا کا نقد ملک لے لیا ہے چاہے آخرت میں دوزخ ہی میں جانا پڑے ۔
کبھی شراب پیتا اور کبھی طشت میں ڈالتا تھا ۔ جس میں مظلوم کا سر اقدس رکھا تھا ۔ اس کی اس شنیع حرکت کو دیکھ کر دربار میں ہل چل مچ گئی ۔ آخر ایک صحابی نے بے تاب ہو کر غصہ میں کہا ۔
" او یزید اس سر سے چھڑی کو اٹھا لے ۔ واللہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔ کہ رسول اسلام ان دانتوں کو شکر کی طرح چوسا کرتے تھے ۔
یزید یہ ظلم کر رہا تھا ۔ اور پردہ کے ادھر ایک عورت رو رو کر فریاد کر رہی تھی اور کہتی تھی ۔
یاحبیباہ یاسید نبیاہ یادین محمداہ یا ربیع الا امل والیتامیٰ یا قتیل اولاد الادعیاء
(اے میرے پیارے ۔ اے نبی کے مقرر کئے ہوئے سردار ۔ اے محمدؐ کی زینت سانے بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرنے والے اولاد زنا کے مقتول)
اتنے میں ایک کنیز پردہ سے باہر نکلی اور یزید سے کہنے لگی ـــــ خدا تیرا سر اور ہاتھ پیر قطع کرے ۔ تو ان دانتوں کو اذیت پہنچاتا ہے جنہیں رسولؐ خدا چوما کرتے تھے ؟ ـــــ اس کے بعد کہنے لگی ۔ کہ میں رات نیم خوابی میں تھی ۔ کہ میں نے دیکھا ۔ کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ۔ اور آسمان سے زمین تک نور کی سیڑھی لگ گئی ۔ زمین پر زبرجد کا فرش ہے اور اس سیڑھی سے دو حسین شہزادے اتر رہے ہیں ۔ ایک بلند قامت بزرگ فرش پر بیٹھے ہیں ۔ فرش کے نور سے ساری فضا جگمگا رہی ہے ۔ ان بزرگ نے آواز دی اے میرے باپ آدمؑ اتر آئیں پس ایک چمکدار چہرے والا بزرگ سیڑھی سے اترا ۔ اور پھر آواز دی اے میرے باپ سامؑ اتر آئیں ، وہ بھی اتر آئے ۔ پھر فرمایا اے باپ اسمٰعیلؑ اتر آئیں ۔ وہ بھی اتر آئے ۔ پھر فرمایا اے میرے بھائی موسیٰؑ اتر آئیں ۔ وہ بھی اتر آئے پھر فرمایا اے میرے بھائی عیسیٰؑ اتر آئیں ۔ وہ بھی اتر آئے ۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش بی بی آگئیں اور انہوں نے آواز دی ۔ اے میری ماں حوّا اتر آئیں ۔ وہ بھی تشریف لے آئیں ۔ پھر فرمایا ۔ میری ماں ہاجرہ اتر آئیں وہ بھی اتر آئیں ۔ پھر کہا میری بہن

سائرہ اُتر آئیں۔ وہ بھی اُتر آئیں پھر فرمایا اے میری بہن مریم اُتر آئیں۔ وہ بھی اُتر آئیں۔ پھر ایک ہاتف کی آواز آئی۔ کہ یہ فاطمہ زہراؑ ہیں جو رسولِ خدا کی بیٹی علی مرتضیٰؑ کی زوجہ امام حسینؑ شہید کی مادرِ گرامی ہیں۔ پھر بی بی نے آواز دی اے میرے بابا آپ دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کی اُمت نے میرے بیٹے سے کیا سلوک کیا۔ یہ سُن کر رسولِ خدا بہت روئے اور سب بزرگ اور بیبیاں رونے لگیں۔ یہاں تک کہ فرشتے بھی رونے لگے۔ پھر میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ سرِ حسینؑ کا طواف کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس گھر والے کو پکڑ کر آگ میں جلا دو۔ پس اے یزید! تو یہ کیا کہتا ہوا گھر سے بھاگا۔ کہ آگ آگ کدھر جاؤں۔ آگ سے کیوں کر بچوں "

یزید نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ دو۔ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

پھر امام زین العابدین علیہ السّلام کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

" تم وہی تو ہو جس کا باپ خلافت کا طلب گار تھا "۔

امام نے فرمایا کہ ــــ اے میرے باپ سے زیادہ خلافت کا حقدار کون تھا۔ مگر ان پر جو کچھ گذری یہ قسمت میں لکھا تھا۔ مگر خدا کسی فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا "

یہ سُن کر یزید کو غصّہ آ گیا اور حکم دیا کہ انھیں قتل کر دو۔ یہ سُن کر امام نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور نظم پڑھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے ــــ اے میرے نانا! اے رسولوں کے سردار! آپ کا پیارا قتل ہو رہا ہے۔ اور آپ کی نسل ضائع ہو رہی ہے۔ مجھے دمشق میں ذلیل کر کے اسی طرح کھینچتے رہے ہیں۔ جیسے کوئی حبشی غلام ہو جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔ ہم لوگ ایک جگہ جمع تھے۔ کمینوں نے ہم کو جُدا جُدا کر دیا۔ یہ سُن کر حضرت اُم کلثوم نے فرمایا۔

" کیوں یزید! کیا تو نسلِ رسول کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس جوان کے سوا اب آلِ رسولؐ میں کوئی باقی نہیں ہے۔ حالانکہ تو سادات کے خون سے زمین کو سیراب کر چکا ہے "

حاضرینِ دربار نے آواز دی کہ ــــ یزید اس جوان کا قتل کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اسے چھوڑ دے "

یزید نے حکم دیا کہ ــــ چھوڑ دو۔

امام نے یزید کی طرف رُخ کر کے فرمایا ــــ " اے یزید! اگر میرا قتل ہی ضروری ہے۔ تو پھر ان پردہ داروں کو کسی کے ساتھ روانہ کرنے کا انتظام کر جو انہیں روضہ رسول تک پہنچا دے "

یہ سن کر لوگ رونے لگے۔ اور دربار میں خلفشار نمایاں ہو گیا۔ یزید نے فتنہ سے ڈر کر کہا کہ ــــ آپ مطمئن رہیں۔ آپ ہی انہیں پہنچائیں گے آپ کے سوا کوئی نہیں پہنچا سکتا "

پھر یزید نے ایک سنگدل کو جو چرب زبان تھا۔ حکم دیا۔ کہ منبر پر جا کر علی مرتضیٰؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر سَب کر۔ اس ملعون نے ایسا ہی کیا۔ یہ سُن کر سکینہ بنت الحسینؑ نے آواز دی :-

" اے یزید! تجھ پر وائے ہو۔ میرے باپ دادا میں کون سا عیب ہے۔ جو تو ان پر سَب کراتا ہے۔"

یزید نے کہا ـــــ چپ رہو اے خارجی کی بیٹی۔

سکینہ نے جواب دیا ـــــ " او یزید! تو کس قدر بے حیا ہے خلافت کا حق دار تو ہے یا میرا باپ حالانکہ ان کے باپ علی مرتضیٰؑ بن ابی طالب اور ماں فاطمہ زہراؑ اور نانا رسولؐ خدا ہیں۔"

یزید نے کہا ـــــ یہ میرا حق ہے مجھے باپ سے میراث میں ملا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا ـــــ اے معاویہ و ہندہ اور صخر کے بیٹے میری پیدائش سے بھی پہلے ہمیشہ نبوت اور امر میرے باپ دادا میں رہا ہے۔ بدر و احد و خندق و خیبر میں میرے دادا علی ابن ابی طالب کے ہاتھ میں اسلام کا عَلم رہا ہے۔ اور تیرے باپ دادا کے ہاتھ میں کفر کا عَلم رہا ہے۔

پھر امام نے چند تنبیہ آمیز اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے ـــــ اے یزید اگر تیری سمجھ میں آجاتا کہ تُو نے کیا جرم عظیم کیا ہے۔ اور میرے باپ بھائی اور خاندان سے کیا سلوک کیا ہے۔ تو پہاڑوں میں نکل جاتا۔ راکھ پر سوتا۔ اور واویلا کر کے فریادیں کرتا۔ حد ہے کہ میرے باپ کا سر تیرے شہر کے دروازے پر نصب ہو۔ حالانکہ وہ تم میں رسولؐ اسلام کی ایک امانت ہے۔ اچھا تو اب کل قیامت کے دن ذلت اور پشیمانی کی بشارت ہو۔ جب ہم سب جمع ہوں گے۔

اسی واقعہ سے متعلق یزید کو ابن شبان نے مخاطب ہو کر شعر کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے:-

اے بنی اُمیّہ آج منبروں پر چڑھ کر جس علی پر سب کرتے ہو۔ اسی کی تلوار سے خلافت کا ڈھانچا تیار ہوا۔

یہ حال دیکھ کر ایک سرخ رنگ شامی نے کھڑے ہو کر یزید سے کہا اور فاطمہ بنت الحسینؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا " اس دختر کو مجھے دیدو" ـــــ یہ سُن کر فاطمہ دوڑ کر اپنی پھوپھی حضرت زینب سے لپٹ کر کہنے لگیں ـــــ پھوپھی جان! ایک تو میں یتیم ہو گئی تو کیا اب کنیز بھی بنائی جاؤں گی۔" حضرت زینب نے فرمایا ـــــ "کسی کی کیا مجال کہ تمہیں کنیز بنائے۔"

یہ سُن کر یزید نے غصہ میں کہا ـــــ اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ ـــــ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ تو ہمارے مذہب

خارج ہو جائے اور دوسرا دین اختیار کرلے۔"

یزید جھوم کر کہنے لگا ــــ "تم مجھے کہتی ہو کہ دین سے خارج دین سے تو تمہارے باپ بھائی خارج ہو گئے تھے۔"

حضرت زینب نے فرمایا ــــ خدا اور رسول اور میرے باپ بھائی کے دین پر تو تو مسلمان بنا تھا۔ اور تیرے باپ دادا مسلمان ہوئے تھے۔ اگر تو واقعاً مسلمان ہے۔

یزید نے کہا ــــ تم نے جھوٹ کہا ہے خدا کی دشمن۔

حضرت زینب نے جواب دیا ــــ "حکومت کے نشہ میں تو ہمیں گالیاں دیتا ہے ــــ" یہ سُن کر یزید چپ ہو گیا۔ شامی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ یہ سُن کر یزید نے کہا ــــ "چپ ہو جا او خدا کے دشمن خدا تجھے ہلاک کرے۔" یہ سُن کر شامی نے دریافت کیا ــــ یہ لڑکی کون ہے ؟ــــ یزید نے کہا۔ یہ فاطمہ بنت الحسین ہے۔ اور یہ زینب بنت علی ابن ابی طالب ہیں۔

شامی نے کہا ــــ کیا وہی حسینؑ جو فاطمہ کے فرزند ہیں ــــ یزید نے کہا ــــ ہاں ــــ اس نے کہا۔ خدا تجھ پر لعنت کرے اے یزید اپنے نبی کی اولاد کو قتل اور قید کرتا ہے خدا کی قسم مجھے یہ وہم بھی نہ تھا۔ میں تو انہیں روم کے قیدی سمجھتا تھا ورنہ میں ہرگز ایسی جرأت نہ کرتا۔ یزید نے کہا ــــ میں تجھے ابھی ان کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر حکم دیا۔ کہ اُسے قتل کر دو۔ وہ قتل کر دیا گیا ــــ پھر یزید نے سر اقدس سے بے ادبی کرنے کے لئے چھڑی اٹھائی۔ یہ دیکھ کر جناب زینبؑ کو جوش آ گیا اور آپ نے وہ بلیغ اور حقیقت افروز خطبہ پڑھا جس سے دربار میں ہلچل پڑ گئی لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ یزید اس قدر مرعوب ہو گیا۔ کہ اس کی جرأت نہ ہو سکی۔ کہ ان کا کلام بند کرے۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جو آپ کے خطبہ سے اہل دربار پر آشکار نہ ہو گئی ہو اور کوئی ایسا راز نہیں جو کھل نہ گیا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سرِ حسینؑ داخل دربار ہوا۔ تو یزید ملعون شراب پیتا اور طشت میں ڈالتا تھا۔ جس میں سرِ حسینؑ تھا اس وقت سفیر روم موجود تھا۔ اس نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں۔ یزید نے کہا یہ سرِ حسین بن علی کا ہے۔ اس نے کہا۔ وہی حسین جو فاطمہ زہراؑ کا فرزند اور محمد مصطفٰےؐ کا نواسہ ہے۔ کہا۔ ہاں سفیر روم نے کہا پھر اس سے تو ہمارا دین بہتر ہے۔ میرا باپ حضرت داؤد کے لشکر کے ایک سپاہی کی اولاد سے ہے۔ حالاں کہ اب کافی پشتیں گزر چکی ہیں۔ پھر بھی لوگ ہماری عزت کرتے ہیں اور اس کے قدم کی خاک اٹھا کر چومتے ہیں۔ اور تم اپنے نبی کے نواسے کو قتل کرتے ہو۔ حالانکہ صرف ایک تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ خدا تمہارے دین کو ذلیل اور رسوا کرے پھر اس نے کہا۔ کیا تو نے کینہ حافر کا واقعہ نہیں سُنا سمندروں کے بیچ میں ایک

جزیرہ ہے اس میں ایک شہر ہے۔ جہاں نصاریٰ کی حکومت ہے۔ اس میں بہت سے گرجا ہیں مگر سب میں بڑا کنیشہ حافر ہے۔ اس ملک میں کافور اور یاقوت پیدا ہوتا ہے۔ اور عود و عنبر نکلتا ہے کنیشہ حافر میں سونے کی قندیلیں آویزاں ہیں۔ اس میں حضرت عیسیٰ کے خر کے ناخون رکھے ہیں۔ اس کے گرد طلا اور دیباج کے پردے پڑے ہیں۔ نصاریٰ کے عالم وہاں ہر سال جاتے اور طواف کرتے ہیں۔ اور اس کی دیواروں کو بوسے دیتے ہیں۔ اور وہاں خدا سے طلب حاجات کرتے ہیں۔ وہ تو خر عیسیٰ کے . . . . ناخون کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ اور تم اپنے رسولؐ کی ذریت کو قتل کرتے ہو۔ تم پر وائے ہو۔ یزید نے حکم دیا کہ اسے قتل کردو۔ یہ سُن کر سفیر روم نے کہا اب مجھے پتہ لگا ہے۔ آج رات ہی تمہارے نبی کو خواب میں دیکھا تھا وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ تو اہل جنت سے ہے۔ میں حیران تھا کہ مسلمانوں کا نبی مجھے کیوں کر جنت کی بشارت دیتا ہے حالانکہ میں نصرانی ہوں۔ آج پتہ چلا کہ دین حق کیا ہے (اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ واشہد ان علیا ولی اللہ) اس کے بعد دوڑ کر طشت سے سر حسینؑ اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ پھر منہ پر منہ رکھ کر بوسے دئے۔ اور رو رو کر کہنے لگا۔ مولا گواہ رہیے گا۔ کہ میں مسلمان ہوں اور آپ کی محبت میں قتل ہو رہا ہوں۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ جب ایک نصرانی نے یزید کو سر حسینؑ سے بے ادبی کرتے دیکھا تو کہنے لگا کہ اے یزید میں روم کا باشندہ اور اس ملک کا وزیر اعظم ہوں۔ ایک زمانہ میں میں تجارت کرتا تھا۔ جب مدینہ پہنچا تو میں نے سُنا کہ مسلمانوں کے رسول کو خوشبو پسند ہے۔ میں کچھ عنبر لے کر ان کے دولت سرا پر پہنچا۔ اس وقت وہ ام سلمہ کے گھر میں تھے مجھ سے نام دریافت کیا میں نے عرض کیا۔ عبدالشمس ہے فرمایا۔ نہیں۔ عبدالسلام نام رکھ لے۔ میں نے ان میں وہی آثار نبوت پائے۔ جو توراۃ و انجیل میں درج ہیں۔ میں دل سے مسلمان ہو گیا۔ مگر اپنے ملک میں جا کر یہ راز ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور آج وزیر اعظم کے منصب پر ہوں۔ میں رسول اللہ کے پاس بیٹھا تھا کہ میں نے دیکھا کہ یہی حسینؑ دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے گود میں بٹھا لیا اور فرمایا۔ مرحباً بک یا   - پھر سینے سے لگا کر چومتے اور دانت چوس چوس کر فرمانے لگے "اے حسینؑ! جو تجھے قتل کرے گا۔ وہ رحمت خدا سے دُور ہے جو تمہیں قتل کرے گا۔ وہ ملعون ہے۔ بلکہ جو اس کی مدد کرے گا وہ ملعون ہے یہ فرماتے اور رُونے تھے۔ جب میں دوسرے دن حاضر خدمت ہوا۔ تو دونوں شہزادوں نے نانا سے عرض کیا۔ ہم دونوں کشتی لڑتے ہیں آپ فیصلہ کیجئے کہ غالب کون رہا۔ فرمایا۔ بچو کشتی مناسب نہیں البتہ تختیاں لکھ کر لے آؤ۔ جب لکھ کر لائے تو انہوں نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ کسی کا دل رنجیدہ ہو۔ انہیں علی مرتضیٰ کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ فیصلہ

کریں گے۔ جب ان کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ فیصلہ کریں گے۔ سلمان نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ خاتون جنت کو بھی یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ کسی کا دل رنجیدہ نہ ہو۔ اپنے گلے سے ایک ہار اُتارا۔ جس میں سات موتی تھے۔ اور توڑ کر بکھیر دیئے اور فرمایا۔ کہ یہ دانے چن لاؤ۔ جو زیادہ چن لے اس کا خط اچھا ہے قدرت نے اسی وقت جبریلؑ کو نازل کیا۔ کہ پھاڑ کر ایک دانہ کے دو ٹکڑے کر دے شہزادے تین تین دانے اٹھا چکے تھے۔ آخری دانہ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تو دونوں نصف نصف دانہ اٹھا لائے۔ خدا اور رسول اور علی و فاطمہ کو اتنا غم بھی گوارا نہ تھا۔ اور تو انہیں قتل کر کے ان کے اہل حرم کو اسیر کرتا ہے۔ تجھ پر دائے ہو اے یزید۔ یہ کہہ کر آسمان کی طرف سر اُٹھایا۔ اور کہنے لگا۔ قیامت کے روز میری شفاعت کرنا۔ خدا اور رسول اور اپنے والد اور والدہ کے سامنے۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ یہودیوں کا ایک عالم دربار یزید میں آیا جب اُس نے یہ منظر دیکھا۔ تو پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ یزید نے کہا حسین بن علی بن ابی طالب کا ۔۔۔ اس نے کہا کیا وہی حسینؑ جو فاطمہ زہراؑ کا فرزند اور تمہارے نبی کا نواسہ ہے۔ کہا ہاں۔ اس نے کہا۔ تم پر دائے ہو۔ تم اپنے نبی کی اولاد کو قتل کر کے فخر کرتے ہو۔ اور ان کے حرم کو اسیر کرتے ہو۔ اگر ہمارے پاس ہمارے نبی موسیٰؑ کی اولاد موجود ہوتی تو ہم خدا کے بعد ان کی پرستش کرتے۔ یزید نے حکم دیا اسے مارو۔ لوگوں نے اسے گھونسے مارے۔ اس نے کہا چاہے مجھے مارو یا قتل کرو۔ میں یہ ضرور کہوں گا۔ کہ توراۃ میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص اپنے نبی کی ذریت کو قتل کر دے۔ وہ ملعون ہے اور اب جب مرے گا اور آگ میں جلتا رہے گا

قید خانۂ شام:۔ یزید نے حکم دیا۔ کہ انہیں قید خانہ میں داخل کیا جائے۔ تو انہیں ایسے بوسیدہ مکان میں رکھا گیا۔ جس کی دیواریں خطرناک تھیں۔ اور اس میں چھت نہ تھی، جس کے سایہ میں بیٹھ سکتے یا رات کو شبنم سے حفاظت ہوتی۔ یہاں تک کہ ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔ اور وہ بچوں کو دیواروں کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ کہ ان پر گر نہ پڑیں۔ نہ کبھی اتنا کھانا آیا کہ سیر ہو کر کھا سکیں۔ نہ کبھی اتنا پانی آیا کہ سیراب ہو کر پی سکیں حضرت زینب اور ام کلثوم اپنا کھانا اور پانی بچوں کو دے دیتیں تھیں۔ اور خود کئی کئی روز بھوکی پیاسی رہتی تھیں۔

سہل کہتے ہیں کہ میں ایک دن راہ سے گذرا۔ تو دیکھا کہ امام زین العابدینؑ اس حالت میں لکڑی ٹیکتے ہوئے آرہے ہیں کہ کمر میں خم اور پنڈلیاں خشک ہیں۔ جن سے خون جاری ہے چہرہ زرد ہے یہ حال دیکھ کر مجھے عبرت ہوئی۔ اور میں نے عرض کیا۔ مولا کیا حال ہے۔ فرمایا اس

کا حال کیا پوچھتے ہو۔ جو یزید بن معاویہ کا قیدی ہو ہماری عورتوں نے اب تک سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اور نہ سیر ہو کر پانی پیا ہے۔ اور نہ سروں پر چادریں اوڑھی ہیں دن اور رات گریہ زاری میں گذرتی ہے ہم تو بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ جن کے لڑکوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو اسیر کرتے تھے۔ عرب عجم پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور قریش عرب پر اس لئے کہ محمدؐ ان میں سے ہے۔ اور ہم جو ان کی اولاد ہیں ایسے پریشان حال ہیں۔ کہ جب یزید ہم کو بلاتا ہے تو بیبیوں کو یہ امید نہ ہوتی کہ پھر واپس زندہ ان کو ملوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا ہم ایسے گھر میں ہیں۔ یہاں چھت کا سایہ نہیں ہے۔ ایک لمحہ سکون نہیں ملتا۔ لبوں پر ضعف کا غلبہ ہے۔ اور عورتوں کی تنہائی کے خوف سے جلد واپس آتا ہوں۔ ابھی یہ کلام ہو رہا تھا۔ کہ ایک عورت نے آپ کو آواز دی اور آپ واپس ہو گئے۔ جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت زینبؑ کہہ رہی تھیں۔ کہ بیٹا کہاں جاتے ہو۔ میں یہی ذکر کرتا اور روتا رہا۔

دربار یزید اور سکینہ کا خواب:۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت کو بار بار دربار یزید میں بلایا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی امام زین العابدین علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا جاتا رہا ہے۔

ایک مرتبہ یزید نے اسیران اہل بیتؑ کو دربار میں طلب کیا جب حضرت سکینہ سے کلام کرنا چاہا۔ تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ یزید نے دریافت کیا کیوں رو رہی ہو۔ فرمایا مجھے باپ کے مرنے کے بعد کبھی رات کو نیند نہیں آئی۔ آج رات نیند آ گئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں ایک نورانی گھر میں ہوں جس کی دیواریں یاقوت کی اور فرش زبرجد کا ہے اور دروازے عود کے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ گھر میرے باپ حسین بن علی کا ہے۔ جب میں ایک حجرہ میں داخل ہوئی تو دیکھا وہاں پانچ بزرگوار ہیں۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسےؑ۔ عیسےؑ ان کے بیچ میں ایک بلند قامت بزرگ بیقراری سے رو رہے تھے۔ کبھی اٹھتے کبھی بیٹھ جاتے تھے۔ مجھے دیکھ کر سینے سے لگا لیا اور خوب روئے۔ پھر جب دوسرے حجرہ میں گئی تو وہاں کچھ بیبیاں دیکھیں۔ حضرت حواؑ۔ آسیہ بنت مزاحم۔ مادر موسےؑ۔ مریمؑ۔ خدیجہؑ یہ کھڑی ہیں اور ان کے بیچ میں ایک سیاہ برقعہ پوش جن کے سر کے بال کھلے ہیں۔ ہاتھ میں ایک کرتہ لئے ہیں جس پر خون ہی خون ہے۔ وہ بے تحاشا رو رہی ہیں اور روتے روتے کبھی گر پڑتی ہیں کبھی کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے سینہ سے لگا لیا۔ اور خوب روئیں پھر کہا بیٹا صبر کرو۔ صبر کرو۔ یہ تمہارے باپ کا کرتہ میرے ہاتھ میں ہے۔

یزید کی نظر جب عمرو بن حسن پر پڑی تو کہنے لگا اے عمرو میرے بیٹے خالد سے کشتی لڑو۔ دیکھیں

کون غالب رہتا ہے۔ عمرو نے جواب دیا کہ اگر یہی دیکھنا چاہتا ہے۔ تو دو چھریاں منگا دے۔ ایک مجھے دے دے اور ایک خالد کو خود دیکھ لے گا۔ کہ غالب کون ہے یزید نے کہا تمہارے دل میں اب بھی وہی غرور ہے۔ جو تمہارے باپ دادا کو تھا۔

بیمار کربلا کا خطبہ دربار یزید میں:- یزید نے ایک خبیث کو حکم دیا۔ کہ ممبر پر جا کر علی اور اولاد علی پر سب کر۔ اس ملعون نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ منبر سے اُتر آیا تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔ یزید مجھے اجازت دے۔ کہ میں بھی منبر پر جا کر کچھ کہوں۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ یزید نے خود ان سے کہا کہ آپ بھی منبر پر جا کر اپنے بزرگوں کے عیب اور غلطیاں بیان کریں امام نے بالائے منبر جا کر جو کچھ فرمایا۔ اس کے چند جملوں کا خلاصہ یہ ہے۔

حمد خدا و ثناء رسول کے بعد فرماتے ہیں۔ جو مجھے پہنچانتا ہے وہ پہنچانتا ہے اور جو نہیں جانتا اسے پہنچوائے دیتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں۔ میں صفا و زمزم کا فرزند ہوں۔ میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں مَیں اس کا بیٹا ہوں جسے سب جانتے ہیں چھپ نہیں سکتا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بلند ہو کر سدرۃ منتہیٰ تک پہنچا اور قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچا میں اس کا فرزند ہوں جو ملائکہ مقربین کے ساتھ گیا میں اس کا فرزند ہوں۔ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ گیا میں علی مرتضیٰؑ کا فرزند ہوں مَیں فاطمہ زہراؑ کا دلبند ہوں میں خدیجہ الکبریٰ کا لخت جگر ہوں میں اس کا فرزند ہوں۔ جو ظلم سے شہید کیا گیا میں اس کا فرزند ہوں جس کی گردن پشت سے جدا کی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں۔ جو پیاسا مارا گیا میں اس کا فرزند ہوں جس کی لاش ریگ کربلا پر خاک و خون میں غلطاں پڑی رہی۔ میں اس کا فرزند ہوں۔ جس کا عمامہ اور ردا اُتاری گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں۔ جس پر فرشتوں نے ماتم کیا میں اس کا فرزند ہوں۔ جس پر جنوں اور پرندوں نے نوحہ پڑھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کر کے پھرایا گیا میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم عراق سے شام تک اسیر کر کے پھرائے گئے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو بے جرم و خطا ستایا گیا۔ اے لوگو! خدا کی تعریف کہ ہمارا بہترین امتحان لیا ہے۔ اس نے ہدایت و انصاف اور پرہیزگاری ہم میں رکھی ہے۔ اور گمراہی ہمارے غیر میں۔ ہمیں علم، حلم، شجاعت و سخاوت اور محبت دو درجہ میں سب پر فضیلت دی۔ اور ہمیں وہ کچھ دیا جو عالمین میں سے کسی اور کو نہیں دیا۔ ہم میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور وحی خدا اترتی ہے۔

یہاں تک فرمایا تھا۔ کہ دربار میں کہرام مچ گیا۔ یزید کو اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس نے فوراً موذن کو حکم دیا کہ اذان دے جب اس نے اذان شروع کی۔ تو امام منبر پر خاموش بیٹھ گئے۔ موذن

نے کہا اللہ اکبر آپ نے بھی فرمایا اس نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ آپ نے بھی دہرایا۔ جب موذن نے کہا اشھد ان محمد رسول اللہ تو آپ نے یزید کی طرف رُخ کرکے فرمایا کیوں یزید یہ محمدؐ جن کا نام لیا جا رہا ہے یہ تیرے جد ہیں یا میرے جد ہیں۔ یزید نے سر جھکا کر کہا بے شک آپ کے جد ہیں۔ فرمایا جس محمدؐ کا نام لیتا ہے اس کی ذریت کو اس طرح اسیر کرتا ہے مجمع میں ہر طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔

بیمار کربلا کے قتل کا حکم:۔ ایک مرتبہ یزید نے حکم دیا کہ امام کو باغ میں لے جا کر قتل کردو۔ اپنے بیٹے خالد کو نگرانی کے لئے روانہ کر دیا جلاد نے قبر کھودنا شروع کی۔ اور امام نماز پڑھتے رہے جب قبر تیار ہو گئی تو جلاد کے منہ پر ایسا طمانچہ لگا۔ کہ اس کا نصف رخسار اُڑ گیا اور ہلاک ہو گیا۔ خالد نے آکر یزید سے واقعہ بیان کیا اس نے حکم دیا کہ اس قبر میں جلاد کو دفن کر دیا جائے۔

سرِ حسینؑ یزید کے دروازہ پر:۔ ایک مرتبہ یزید نے حکم دیا۔ کہ سر حسینؑ اس کے مکان کے دروازہ پر آویزاں کر دیا جائے۔ جب اس کی زوجہ ہندہ کو اطلاع ملی۔ سر برہنہ دربار میں آکر فریاد کرنے لگی۔ کہ تو نے سر حسین میرے مکان کے دروازے پر لٹکایا ہے۔ یزید گھبرا کر کھڑا ہو گیا اپنی ردا اُتار کر اس کے سر پر ڈالی۔ اور کہنے لگا تو بغیر پردہ کے باہر کیوں نکل آئی اس نے جواب دیا کہ میرے پردہ کا اتنا خیال ہے اور دختر رسول سر برہنہ دربار میں کھڑی ہیں۔

سکینہ کی وفات قید خانہ شام میں:۔ ایک دن قید خانہ میں رات کے وقت کہرام بپا ہو گیا۔ دریافت سے معلوم ہوا۔ کہ سکینہ نے باپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ پاس بیٹھے ہیں۔ جب بیدار ہو کر باپ کو نہ پایا۔ تو فریاد کر رہی ہیں کہ میرے بابا کہاں ہیں۔ اس لئے سب رو رہے ہیں۔ جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے سر حسین قید خانہ میں بھجوا دیا۔ سر پر جو نظر پڑی۔ تو سکینہ نے گود میں لے لیا اور منہ پر منہ رکھ کر روتی رہیں۔ روتے روتے زمین پر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ جب انہیں ہوشیار کرنا چاہا تو کوئی جواب نہ ملا۔ نبضوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سکینہ اس جہان سے رخصت ہو گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس تازہ ماتم نے اہل بیت کو اور سوگوار بنا دیا۔ اور ایسا ماتم ہوتا رہا۔ جسے سن کر سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے جب یزید کو یہ خبر پہنچی تو پیغام بھیجا کہ میں دفن کفن کا انتظام کرتا ہوں۔ امام نے جواب دیا کہ مجھے تیری مدد کی ضرورت نہیں خود غسل کا انتظام فرمایا پھٹے ہوئے اس کرتہ کا انہیں کفن پہنایا۔ جو ان کے

بدن پر تھا۔ اور تنہا اپنے ہاتھ پر جنازہ اُٹھایا اور دفن کر دیا۔

ہندہ کا خواب اور اہل بیت کی رہائی :- ایک رات ہندہ زوجہ یزید نے خواب میں دیکھا۔ کہ فرشتے آسمان سے اُترتے اور سر حسینؑ کے سامنے آ کر کہتے ہیں۔ السلام علیک یا اباعبد اللہ اس کے بعد ایک ملکہ ابر آیا اور اس سے کچھ بزرگوار اترنے لگے۔ کسی نے کہا یہ حضرت محمد مصطفےؐ ہیں۔ یہ علی مرتضےؑ ہیں یہ فاطمہ زہراؑ ہیں۔ یہ حسن مجتبیٰؑ ہیں۔ یہ جعفر طیار اور عقیل ہیں یہ حمزہ و عباس ہیں میں نے دیکھا کہ یہ سب حسینؑ پر ماتم کر رہے ہیں یہ دیکھتے دیکھتے بیدار ہو گئی۔ دیکھا کہ یزید اپنے فرش پر نہ تھا۔ بلکہ ایک تاریک حجرہ میں دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ مالی وللحسین افسوس میں نے یہ کیا کیا۔ کیوں حسین کو قتل کر دیا۔ یہ سُن کر ہندہ نے کہا اور ملعون اس وقت خیال نہ آیا۔ جب فرزند رسول کو قتل اور ان کے اہل بیت کو اسیر کیا تھا۔ صبح کو یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ آپ کو رہا کیا جاتا ہے۔ اب آپ شام میں رہیں گے یا مدینہ جائیں گے۔ فرمایا اس کا اختیار میری پھوپھی کو ہے۔ قید خانہ واپس آ کر یہ خبر سُنائی۔ اور پھوپھی سے دریافت کیا فرمایا ہم مدینہ جائیں گے۔ مگر ابھی تک ہم اپنے بھائی کا ماتم نہیں کر سکے۔ ہمارے لئے ماتم کا انتظام کیا جائے۔

دمشق میں فرزند رسول کا ماتم :- دو مکان خالی کرائے گئے۔ اس پر سیاہ عَلم نصب کئے گئے سیاہ پردے ڈالے گئے۔ سب نے سیاہ لباس پہنے شہر میں اعلان کر دیا گیا۔ کہ جو چاہے حسین کا پرسہ دے سکتا ہے۔ ایک ہفتہ تک اس گھر میں اہل بیت کا قیام رہا۔ ہر طرف سے اس قدر مرد اور عورتیں پرسہ دینے کے لئے آتی رہیں۔ جن کا کوئی حد و حساب نہیں ہو سکتا۔ در و دیوار سے گریہ و بکا کی آوازیں آتی تھیں۔ مرد امام زین العابدین کو اور عورتیں حضرت زینبؑ اور ام کلثوم کو پرسا دیتی تھیں۔

اہل بیت کی دمشق سے روانگی :- یزید نے کیسہ زر امام کے سامنے پیش کر کے کہا۔ یہ آپ کے باپ کا خون بہا ہے۔ امام رو پڑے اور فرمایا۔ اے یزید یہ خون بہا بروز قیامت رسالت مآبؐ کے سامنے پیش کرنا۔ ہمیں ضرورت نہیں۔ البتہ ہمارا جو مال لوٹا گیا ہے وہ واپس کیا جائے۔ خصوصاً اس میں میری دادی فاطمہ زہراؑ کی چکی اور چرخہ اور پیوند دار چادر ہے یہ ہمارے تبرکات میں سے ہیں۔

بہرحال جس قدر سامان مہیا ہو سکا۔ وہ ان کے حوالے کیا گیا۔ اس کے بعد اہل بیت براہ کربلا روانہ ہو گئے۔ تاکہ امام کی زیارت کر کے مدینہ جائیں۔ واللہ اعلم

تاریخ کربلائے مُعلّٰی

کربلا کا محل وقوع اور اس کے نام:- کربلا۔ سید شبان جنت کی خواب گاہ۔ باغوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ کہ جو نہر فرات سے تھوڑا ہٹ کر ۳۲ درجہ، ۵۵ دقیقہ طول اور ۳۴ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اس سے پیشتر چونکہ دریائے فرات کربلا سے مل کر بہتا تھا اس لئے اس کا نام طف (کنارۂ نہر) پڑا۔ اس نام کے علاوہ کربلا کے اور بھی بہت سے نام ہیں کہ جن کی کثرت اس جگہ کی عظمت و اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ کربلا کو طف کے سوا حائر۔ حیر۔ نینوی۔ غاضریات۔ مشہد الحسین۔ شاطی الفرات۔ عمورا۔ ماریہ۔ نوادیس بھی کہتے ہیں "کربلا کی وجہ تسمیہ" جو اظہر من الشمس ہے۔ وہ تو شاید ہی کوئی اس نام سے دلچسپی رکھنے والا نہ جانتا ہو۔ یہ زمین ہمیشہ سے اپنی کرب و بلا میں شہرہ آفاق رہی ہے۔ اس توجیہ کے مقابلہ میں ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ کربلا" کرب سے" مشتق ہے۔ کرب زمین کے نرم کرنے کو کہتے ہیں۔ کربلا کی زمین چونکہ نرم اور نشیبی واقع ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا نام کربلا پڑا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کربلا کی اصل کور بابل ہے۔ کور کے معنی طبیعت کے ہیں۔ یعنی بابل کی طبیعت رکھنے والی زمین۔ ان تینوں توجیہوں میں پہلی ہی توجیہ انسب ہے۔ کربلا کے بعد اس زمین کا دوسرا مشہور و زبان زد نام "حائر" ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ اہل تاریخ کا کہنا ہے کہ "حائر" چونکہ اسم فاعل ہے حیر کا اور "حیر" خود کربلا کا نام بھی ہے۔ اور حیر لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی آکر جمع ہو جائے اور پھر نکل نہ سکے۔ کربلا ایک نشیبی جگہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں پانی جمع رہتا تھا۔ اس لئے اس کا نام حائر حیر پڑا۔ روایات آئمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متوکل عباسی نے متعدد بار اس کو ڈبونا چاہا مگر ہر دفعہ پانی قبر حسین کا طواف کر کے متحیراً کھڑا رہ گیا۔ اس لئے اس کو حائر کہتے ہیں۔ سید عبد الجواد کلیدار نے تاریخی مذاق میں کربلا کی جو تاریخ لکھی ہے۔ اس میں حائر کی اس وجہ تسمیہ کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ موصوف کا خیال ہے کہ واقعہ متوکل و رشید سے قبل بھی کربلا کا نام حائر تھا۔ مگر ان کی اس تعلیل سے بھی توجیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ عالم تسمیہ میں بہت سے ایسے نام ملیں گے کہ جن کے نام کا راز آنے والے واقعات سے آشکارا ہوا ہے۔ جیسے سرور کائنات کا اسم گرامی (محمدؐ) حضرت علیؑ کا نام (حیدرؑ)۔ محمد

اس ذات کو کہتے ہیں جس کی سب تعریف کریں۔ اور حیدر شیر کا دوسرا نام ہے ان دونوں سرداروں کی پیدائشوں کے وقت کون جانتا تھا کہ امیرِ عرب "ہاشم" کے یہ دونوں پوتے اپنے کردار سے اپنے نام کی تصدیق کریں گے۔

حائر کی تحدید: حائر کی وجہ تسمیہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کی تحدید کا مرحلہ ہے۔ اور اس پر چوں کہ اثر شرعی مرتب ہے اس لئے اس کو پہلے مسئلہ سے اہمیت حاصل ہے اور وہ اثر شرعی یہ ہے کہ حائر ان چار مقامات میں سے ہے کہ جہاں مسافر کو قصر و اتمام دونوں کی اجازت ہے۔ مسجد الحرام۔ مسجد نبوی۔ مسجد کوفہ و حائر حسینؑ۔ یہ وہ چار مقامات ہیں کہ جہاں مسافر پر قصر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔

حائر کی تحدید میں فقہا کی کتابوں میں بڑا اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیرت آب کے بعد جو پہلی عمارت بنی تھی اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ حائر کا نشان باقی رہے۔ لیکن بعد میں جس جس نے اضافہ کیا اس کو حائر کی نشان بندی کرنے والی دیوار کو پیچھے ہٹانا پڑا۔ اور اس طرح یہ نشان مٹ گیا۔ جو روائتیں حائر کی حد بندی میں آئمہ معصومینؑ سے مروی ہیں ان میں بھی اختلاف ہے۔ جس کی وجہ چاہے راویوں کا عدم ضبط ہو۔ یا خود امامؑ نے بہ مصلحت اختلاف ڈالا ہو۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو۔ حائر کی تحدید شب قدر کی طرح اب بہت مشکل ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جاننا چاہیئے کہ حائر کی تحدید میں اقوالِ اصحاب میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حائر سے مراد صحن اقدس کی چار دیواری ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ حائر قبہ اور اس کی ملحقہ عمارتیں مثل مسجد و مقتل و خزانہ وغیرہ ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ "حائر" سے مراد صرف قبہ منورہ ہے۔ اور میرے نزدیک اوّل اظہر ہے۔"

لہذا اس اختلاف کی بنا پر اب احتیاط یہ ہے کہ اختیار قصر و اتمام میں صرف تحتِ قبہ ہی اکتفاء کیا جائے۔ اور قبہ سے خارج مسافر کے لئے نماز قصر ہی پڑھنے میں احتیاط ہے۔

حرم: روایات کی بناء پر حرم و حائر میں فرق ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ حرم قبر الحسینؑ علیہ السلام فرسخ فی فرسخ من اربعة جوانبه یعنی ایک فرسخ مربع حرم ہے۔ دوسری روایت ہے چار فرسخ مربع۔ تیسرا قول ہے پانچ فرسخ۔ بہر حال یہ مقام حائر سے وسیع تر ہے (حرم اس چیز کو کہتے ہیں جس چیز کا احترام واجب ہو)

کربلا۔ قبل واقعہ عاشورہ تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ کی آماجگاہ:۔

حضرت آدم علیہ السلام جس وقت زمین پر اتارے گئے۔ تو تلاشِ آب و غذا میں چاروں طرف سرگرداں تھے یہاں تک کہ جب ارض کربلا پر پہنچے تو سینہ میں دل بیٹھنے لگا۔ اور شدید غم طاری ہوا وہ نشیب کہ جس میں حسین علیہ السلام ذبح ہونے والے تھے۔ جب آدم علیہ السلام وہاں پر پہنچے تو پاؤں میں ایسی ٹھوکر لگی کہ خون جاری ہو گیا۔ آدم علیہ السلام نے آسمان کی طرف رُخ کیا۔ اور عرض کی معبودا! کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے کہ جس کی یہ پاداش ملی؟ جواب ملا نہیں۔ بلکہ اس سر زمین پر تمہارا فرزند حسینؑ بے جُرم و خطا قتل ہو گا۔ اس کی محبت میں تمہارا خون نکالا ہے۔

"کیا حسینؑ کوئی نبی ہیں؟" آدم علیہ السلام نے سوال کیا۔

"نبی تو نہیں۔ البتہ سبطِ نبی ہیں" جبریلؑ امین نے خدا کی طرف سے جواب دیا۔

"کون قتل کرے گا حسینؑ کو؟" آدم علیہ السلام نے پھر پوچھا۔

"حسینؑ کا قاتل یزید ہے۔ جو آسمان و زمین کا لعنت شدہ ہے" جبریلؑ نے کہا۔

"تو میں حسینؑ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں" آدم علیہ السلام نے دریافت کیا۔

جبریلؑ نے جواب دیا۔

"اُن کے قاتل پر لعن بھیجئے" یہ سُن کر حضرت آدمؑ علیہ السلام نے یزید پر چار مرتبہ لعنت بھیجی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ جب تمام دنیا میں گھوم کر اس سر زمین پر وارد ہوا۔ تو اس کا نچلا حصہ زمین کربلا سے ٹکرایا اور ایک ایسا ہچکولہ لگا کہ کشتی اُلٹتے اُلٹتے رہ گئی۔ اور نوحؑ جیسا پُر حوصلہ نبی ڈر گیا۔

بوڑھے نبی نے اپنا نورانی چہرہ آسمان کی طرف کر کے بارگاہ صمدیت میں عرض کی کہ پالنے والے! تمام دنیا میں پھرا۔ مگر جو خوف و ہراس اس جگہ پر طاری ہوا۔ وہ کہیں نہیں ہوا۔ جواب ملا کہ

"اے نوحؑ! یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں خاتمُ الانبیاء کا نواسہ اور خاتم الاوصیا کا بیٹا۔ حسینؑ مارا جائے گا"

ابراہیم علیہ السلام جب ارض کربلا سے گزرے تو ایک مرتبہ اُن کے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ خلیل خدا گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور آپ کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ خدا کے خلیل نے استغفار کرنے کے بعد عرض کی۔ پالنے والے! مجھ سے کون سی خطا

سرزد ہوئی - جواب ملا - کوئی خطا نہیں کی - البتہ یہ زمین وہ ہے جس پر فرزند خاتم النبینؐ کا خون بہے گا - لہٰذا ان کی تاسی میں تمہارا بھی خون بہا ہے -

"حسینؑ کو کون قتل کرے گا" ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا -

جواب ملا :-

"یزیدؑ - کہ جو تمام زمین اور آسمان کا لعین ہے"

یہ سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور بڑی دیر تک لعنت کرتے رہے -

اس طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چرواہے نے ایک روز یہ خبر دی کہ اے نبی اللہ آپ کی بھیڑوں نے چند روز سے فرات کا پانی پینا بند کر دیا ہے - حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے درگاہِ احدیت سے اس کا سبب پوچھا - جواب ملا کہ تم خود ان جانوروں سے دریافت کرو - یہ جواب دیں گے - جناب اسمٰعیل علیہ السلام نے بھیڑوں سے پوچھا کہ تم سب نے اس گھاٹ سے پانی پینا کیوں چھوڑ دیا - بھیڑوں نے بہ لسان فصیح جواب دیا کہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ اس جگہ آپ کا ہونے والا فرزند حسینؑ پیاسا ذبح کیا جائے گا - لہٰذا اسی غم میں ہم نے پانی پینا چھوڑ دیا ہے -

"حسینؑ کو کون قتل کرے گا" اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا -

بھیڑوں نے جواب دیا - "یزیدؑ" یہ سُن کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی یزیدؑ پر لعنت بھیجی -

ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وصی یوشع بن نون کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ ان کا گذر کربلا کی زمین سے ہوا - اس زمین پر قدم رکھتے ہی بند نعل ٹوٹا ٹھوکر لگی اور پیر سے خون جاری ہو گیا -

موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی - "کیا کوئی خطا سرزد ہوئی ہے"

جواب ملا نہیں -

"یہ جگہ وہ ہے کہ جہاں حسینؑ کا خون ناحق بہایا جائے گا - تمہارا خون ان کی تاسی میں بہا ہے"

"حسینؑ کون ہیں ؟" موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا -

جواب ملا :-

"سبط محمدؐ مصطفٰےؐ و فرزند علی المرتضیٰؑ"

عرض کی یہ "قاتل کون ہے؟"

ارشاد ہوا۔ "یزیدؑ! کہ جس پر سمندروں میں رہنے والی مچھلیوں جنگلوں میں بسنے والے درندوں اور ہوا میں اڑنے والے طائروں کی لعنت ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السّلام نے بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر یزید پر لعنت کی اور یوشع نے امین کہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اپنے حوارئین کے ساتھ جس وقت زمین کربلا سے گزرے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیر نر راستہ روکے کھڑا ہے۔ عیسیٰ علیہ السّلام اپنے حوارئین کو ٹھہرا کر آگے بڑھے اور شیر سے دریافت کیا کہ تو نے ہمارا راستہ کیوں روکا ہے یہ سن کر شیر نے آدمی کے لہجہ میں جواب دیا کہ میں راستہ نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک کہ یزیدؑ قاتل حسینؑ پر لعنت نہ بھیجے گا۔"

"کون حسینؑ" حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے پوچھا۔ شیر نے جواب دیا۔ پیغمبرؐ آخرالزمان کا فرزند عیسیٰؑ نے پوچھا قاتل کون ہے۔

شیر نے جواب دیا۔ "حسینؑ کا قاتل وہ یزیدؑ ہے کہ جس پر تمام دنیا کے بھیڑیے اور درندے تک لعنت کرتے ہیں۔"

یہ کلام سن کر جناب عیسیٰ علیہ السّلام نے یزیدؑ پر لعنت بھیجی اور حوارئین نے آمین کہا۔

ارض کربلا پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد:

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا ایک رات کو کہیں باہر تشریف لائے اور بڑی دیر تک غائب رہے۔ اس کے بعد جب واپس تشریف لائے تو یہ حالت تھی کہ گیسوئے مبارک پریشان۔ سر پر خاک پڑی ہوئی اور ایک ہاتھ کی مٹھی میں کچھ لئے ہوئے۔ میں نے عرض کی۔

"حضور بال پریشاں و خاک بسر کیوں ہیں؟"

فرمایا۔ "مجھ کو ابھی کربلا کی زمین پر لے جایا گیا تھا۔ اور مجھ کو وہ جگہ دکھائی گئی کہ جہاں حسینؑ —— میرا بچہ مع میرے دوسرے جگر گوشوں کے ذبح کیا جائے گا۔"

اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

"میں نے ان تمام مقامات سے تھوڑی سی اکٹھی کی ہے۔ جہاں جہاں ان کا خون ناحق کرے گا۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی مٹھی کھول دی اور فرمایا کہ "لو اس خاک کو خوب حفاظت سے رکھنا۔"

ام سلمہؓ فرماتی ہیں:۔

"میں نے دیکھا کہ یہ ایک سرخ رنگ کی مٹی تھی کہ جس کو بڑی حفاظت سے میں نے ایک شیشہ میں رکھ دیا۔ اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد جب حسینؑ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو میں ہر صبح و شام

اس مٹی کو نکال کر دیکھتی تھی اور حسینؑ کے مصائب کو یاد کرکے رویا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ جب محرم کی دسویں تاریخ آئی۔ میں نے اس مٹی کو اوّل نہار نکالا۔ دیکھا کہ مٹی اپنی اصلی حالت پر ہے۔ پھر اس کو جب میں نے آخر روز نکالا تو کیا دیکھتی ہوں کہ مٹی کے بدلے شیشے میں خون تازہ اُبل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا۔

کربلا میں حضرت علی علیہ السّلام کا وُرود :۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں واقعہ صفین کے وقت حضرت امیرالمومنینؑ کا ہمرکاب تھا۔ جب آپ کنارِ نہر فرات زمین نینوا پر وارد ہوئے تو ایک دفعہ آپ نے بہ آواز بلند پکار کر فرمایا " ابن عباسؓ! اس جگہ کو پہچانتے ہو ؟

میں نے جواب دیا۔" یا امیرالمومنینؑ۔ میں نہیں پہچانتا"

فرمایا" اے ابن عباسؓ! اگر تم کو اس زمین کے متعلق وہ علم ہوتا جو مجھ کو ہے تو تم یہاں سے بغیر روئے ہوئے نہ گزرتے"

یہ کہہ کر آپ نے اتنا گریہ کیا کہ آنسوؤں کی لڑی سینہ پر جاری ہوگئی اور ریش مبارک تر ہو گئی۔ ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ دیر تک روتے رہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے سُنا حضرت فرما رہے تھے :۔

" آہ آہ میں نے آلِ ابی سفیان کا کیا بگاڑا۔ ...... اے ابو عبداللہ صبر کرنا ...... میں نے بھی ان لوگوں سے بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں"

اس کے بعد آپ نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور وضو کرکے بڑی دیر تک نماز اور دعا میں مصروف رہے۔ نماز کے بعد پھر کلمات مذکورہ کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر کے لئے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ پھر آنکھ کھول کر آپ نے مجھ کو صدا دی ۔" ابن عباس !"

" حضور میں حاضر ہوں" میں نے جواب دیا۔

حضرت نے فرمایا" ابھی جو خواب میں نے دیکھا ہے اس کو بیان کروں"

" جو دیکھا ہے انشاء اللہ خیر ہے۔ یا امیرالمومنینؑ" میں نے عرض کی۔

فرمایا" ابھی جو میری آنکھ لگی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے بہت سے لوگ اُترے ہیں جن کے ہاتھوں میں سفید عَلَم ہیں۔ اور چمکتی ہوئی تلواریں حمائل کئے ہیں۔ اترنے کے بعد ان لوگوں نے اس زمین کے گرد ایک گھیرا ڈال دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے خرمے نے اپنی ٹہنیوں کو زمین پر مارنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان خون سے بھر گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرا فرزند حسینؑ ...... میرا بچہ ...... میرا لال ...... میرا قلب و جگر اس خون کے دریا میں

غرق ہے۔ وہ مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ مگر کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس کے بعد کچھ سفید پوش اصحاب اور آسمان سے نازل ہوئے ہیں۔ اور پکار کر کہہ رہے ہیں۔" اے آلِ رسول صبر کرو۔ تم اشرالناس کے ہاتھوں قتل کئے جاؤ گے۔ اے ابا عبداللہ! یہ جنت آپ کی مشتاق ہے۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔" اے ابوالحسنؑ! آپ کو بشارت ہو۔ کیوں کہ اس واقعہ کے عوض خداوند عالم آپ کی آنکھ اس وقت ٹھنڈی کرے گا۔ جب لوگ خدا کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے۔

زمین کربلا کی خرید :۔ روایات کثیرہ سے مستفاد ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ نے اپنا مستقل مدفن و اطراف کی زمین کربلا پہنچتے ہی خرید لی تھی۔ کہ جس کی مساحت چار میل شرعی مربع تھی۔ اس زمین کو آپ نے اہلِ غاضریہ پر کہ جن سے خرید کیا تھا اس شرط پر تصدق کر دیا کہ وہ آپ کی شہادت کے بعد زائرین کی رہبری کریں۔ اور ان کو تین روز مہمان رکھیں۔

کربلا کی زمین حسینی سادات کا حق ہے :۔ علامہ شیخ بہائی نے کشکول میں اور دوسرے اکابر نے اپنے مولفات میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"حسین علیہ السلام نے اہل نینوا و غاضریہ سے اپنی قبر مبارک اور اس کے اطراف کی زمین ساٹھ ہزار درہم میں خرید فرمائی اور پھر اس کو انہیں پر بایں شرائط تصدق کر دیا۔ کہ وہ زائرین کی رہبری کریں اور ان کو تین دن اپنا مہمان رکھیں۔ پھر وہ اس زمین کی مساحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ زمین چار مربع میل ہے۔ اور امام کی اولاد اور دوستوں کے لئے مباح ہے۔ اس زمین کے اولاد حسینؑ پر حلال ہونے کی وجہ میں علامہ ابن طاؤس تحریر کرتے ہیں۔ کہ" یہ زمین صدقہ کے بعد اس لئے حلال ہو گئی کہ اہلِ غاضریہ نے شرط کو پورا نہیں کیا"

یہاں پر ایک بات البتہ قابل غور ہے کہ اگر یہ زمین حضرت کی ملک خاص ہے تو صرف آپ کی اقرب اولاد کا حق ہو گی۔ لہٰذا اولاد کے ساتھ دوستوں کو بھی ملا دینا بلا وجہ ہے۔ کیوں کہ ماکان لنا فھو لشیعتنا سے مراد وہ حقوق ہیں کہ جن کے مالک امام علیہ السلام من حیث الامام ہیں۔ مثل انفال و فے وغیرہ کے نہ کہ ملک خاص۔

دفنِ اجسام :۔ تاریخی حیثیت سے یہ بات حد تواتر تک ثابت ہے کہ شہدائے کربلا کے اجسام مطہرہ کو بنی اسد نے دفن کیا چنانچہ آج تک محرم کی بارہویں کو بنی اسد غاضریہ سے آتے اور دفن جسم سید الشہداءؑ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ البتہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ دفن کرنے والے تھے۔ اور جمع یوں کی جا سکتی ہے کہ مقدمات دفن مثلاً قبریں کھودنا۔ نعش اُٹھانا ان کے سپرد رہا ہو۔ اور نماز پڑھ کر امام نے دفن کیا ہو۔ ورنہ بنی اسد کا تنہا دفن کرنا اس لئے بھی قرین قیاس نہیں کہ سر بریدہ نعشوں کا پہنچانا اُن کے لئے محال تھا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ امام سجادؑ اُن کی ہدایت کے لئے ضرور موجود ہوں گے۔

اس سلسلہ میں علی بن حمزہؒ کی روایات امام رضا علیہ السّلام سے جو مروی ہے وہ یہ ہے:۔

امام رضا علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ ہم نے آپ کے آبائے طاہرین سے سُنا ہے کہ امام کی وفات کے بعد مرنے کے تمام امور امام ہی انجام دیتا ہے دوسرا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا امام حسینؑ کے متعلق ارشاد ہو کہ وہ امام تھے یا نہیں۔ امام نے فرمایا۔ بیشک میرے جد حسینؑ امام تھے۔ علی بن حمزہؒ نے عرض کی تو پھر ان کے امور بعد وفات کس نے انجام دیئے؟ فرمایا "علی بن الحسین وہاں کہاں تھے وہ تو ابن زیاد کی قید میں تھے۔ امام نے فرمایا۔ کہ ظالموں کی لاعلمی میں وہ قید سے نکلے اور یہ کام انجام دے کر دوبارہ ابن زیاد کے پاس واپس چلے گئے۔

یہ امام زین العابدینؑ علیہ السّلام کا وہ معجزہ ہے کہ جس سے قرآنی حقائق پر ایمان رکھنے والا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآن نے "کتاب" کے ایک ادنیٰ طالب علم (آصف بن برخیا) کی یہ قدرت دکھلائی کہ وہ چشم زدن میں تخت بلقیس لے آئے۔ امام سجادؑ تو اس معدن وحی اور تنزیل سے تعلق رکھتے ہیں کہ جن پر کتاب کا نزول ہوا۔ من عندہٗ علم الکتاب کے فرزند ہیں اور خود بھی علم کتاب کے عالم ہی نہیں بلکہ استاد ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے چشم زدن میں کوفہ سے کربلا چلا آنا کون سی بڑی بات ہے۔

سب سے پہلا زائر:۔ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ دفن اجساد کے بعد جس نے سب سے پہلے زیارت کی۔ وہ عبید اللہ بن الحر الجعفی تھے۔ یہ اُن لوگوں میں سے تھے کہ جن کے پاس حسین علیہ السّلام نے اپنے رسول بھیجے تھے۔ اور یہ اُن کے دعوت کے باوجود موفق بہ شہادت نہ ہوئے۔ جس کا ان کو تمام عمر افسوس رہ گیا۔ جب اُن کو قتل حسینؑ کی خبر ملی تو دنیا ان کی نگاہ میں اندھیر ہو گئی۔ اور اب اُن کو اس سعادت کے فوت ہونے کا احساس ہوا کہ جس کو امام عالی مقام نے ازراہ کرم پیش فرمایا تھا۔ انہوں نے بعد واقعہ کربلا پہلی فرصت میں خود کو کربلا پہنچایا۔ اور تشنگان فرات کی قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر ان شیران ذغا اور کشتگان جفا کی قبروں پر چیخیں مار کر گریہ کیا۔

قبر حسینؑ پر زینبؑ کی آمد اور حسینؑ کا سب سے پہلا چہلم

عبیداللہ بن الحر کے بعد قبر امامؑ پر حاضر ہونے والوں میں حسینؑ کی ستم رسیدہ بہن مظلوم فرزند اور جابر بن عبداللہ انصاری ہیں۔ یہ لوگ ۲۰ صفر ۶۲ھ کو عرصۂ کربلا پر وارد ہوئے۔ چنانچہ عطا سے روایت ہے کہ میں ۲۰ صفر کو جابر بن عبداللہ انصاری کے ہمراہ تھا۔ پس جب ہم لوگ غاضریہ پہنچے تو جابر نے دریا کے کنارے غسل کیا اور ایک طاہر قمیص پہنی کہ جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تمہارے پاس تھوڑی خوشبو ہے عطا؟ میں نے کہا کہ میرے پاس "سعد" ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس خوشبو کو اپنے سر اور بدن پر لگایا۔ اس کے بعد پابرہنہ ہوئے۔ یہاں تک کہ قبر مبارک کے پاس پہنچ کر بالائے سر کھڑے ہوئے اور تین دفعہ اللہ اکبر کہا اور غش کھا کر گر پڑے۔ اور ایک دوسری روایت میں عطا سے مروی ہے کہ میں نے آپ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا۔ آپ نے تین دفعہ یا حسین علیہ السلام کہا۔

ابھی جابر قبر سے لپٹے بین کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ شام کی جانب سے گرد اٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد جب گرد کا دامن چاک ہوا۔ تو سیاہ علم نظر آنے لگے۔ یہ لٹے ہوئے اہل حرم کا قافلہ تھا۔ جو سید سجادؑ کی سرکردگی میں مدینہ جا رہا تھا۔ اور حضرت زینبؑ کی خواہش پر کربلا سے گزر ہوا تھا۔ جس مجلس میں زینبؑ سی بہن نوحہ کرنے والی ہو اور پھر دشمن کی طرف سے کوئی امر مانع بھی نہ ہو۔ اس مجلس ماتم کے شور وشین کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب تو زینبؑ سید سجادؑ اور دوسرے بنی ہاشم و اصحاب کے ناموں سے زمین کربلا پر تلاطم تھا۔ حسینؑ غریب کا یہ پہلا چہلم تھا کہ جس میں جابر کے ساتھ امام عالی مقام زین العابدینؑ اور دکھ رسیدہ بہن نے شرکت کی۔

توابین:

یزید لعین نے قتل حسینؑ سے اپنے رعب کا سکہ جمانا چاہا تھا۔ مگر حسینؑ کے شہید ہوتے ہی بنی امیہ کی سیاست کے تار و پود بری طرح بکھر گئے۔ کیونکہ مسلمانوں نے جیسے ہی قتل حسینؑ کی خبر سنی۔ ان کے دل بنی امیہ سے متنفر ہو گئے۔ خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کے وہ اصحاب کہ جو واقعۂ کربلا میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے۔ اپنی اس کوتاہی پر اس قدر نادم ہوئے کہ ایک روز یہ لوگ سر سے کفن باندھ کر خون حسینی کا بدلہ لینے نہیں۔ بلکہ اپنی اس غفلت کے جرم کو اپنے خون سے دھونے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

پہلی ربیع الثانی ۶۵ھ کی صبح کو بھی کربلا کا منظر دیدنی تھا۔ جب کہ چار ہزار اشراف کوفہ و فرسان عرب کا لشکر سلیمان بن صرد کی سرداری میں قبر امامؑ سے کچھ دور پا پیادہ ہوا۔ اور بیک وقت چار ہزار نالے بلند ہوئے۔ ان جان سے گزرے ہوئے عاشقوں کے گریہ سے کربلا کا بن ہل رہا تھا۔ تاریخ میں ہے کہ :-

پھر اُن میں سے ایک نے قبر حسینؑ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ اے پالنے والے! حسینؑ شہید۔ مہدی ابن مہدی ـــــ صدیق ابن صدیق پر اپنی رحمت نازل فرما۔ معبود ہم تجھ کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم انہیں کے دین پر ہیں۔ انہی کے راستہ پر ہیں۔ ان کے قاتلوں کے دشمن ہیں۔ ان کے دوستوں کے دوست ہیں۔

معبود! ہم نے تیرے نبی کے نواسہ کی نصرت نہیں کی۔ ہمارے اس جرم سے درگذر فرما۔ اور ہماری توبہ قبول کر۔ اگر تو ہماری توبہ قبول نہ کرے گا تو ہم بڑا خسارہ اُٹھائیں گے۔

یہ کہہ کر جانباز قبر کا بوسہ لینے اور تعویز قبر پر رخسارہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے پر یوں گرے جیسے شمع پر پروانے یا کعبہ پر حجاج۔

سب سے آخر میں سلیمان نے خاک قبر پر منہ رکھ کر بہ اشک گریاں خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کی۔ "میں تعریف کرتا ہوں اس خدا کی کہ جو اگر چاہتا تو ہم کو بھی حسینؑ کے ساتھ خلعت شہادت سے سرفراز فرماتا۔ الٰہی اگر تو نے ہم کو حسین کے ساتھ شہید ہونے کے لائق نہیں سمجھا تو پروردگارا ثواب اس مرتبہ سے ہم کو محروم نہ کرنا"

اس کے بعد قبر حسینؑ پر پھر سناٹا چھا گیا ـــــ کیوں کہ حوریں ان سرباز جوانوں کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں۔

قبر حسینی پر پہلی عمارت کی بناء :- بعض اہلِ تاریخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کی قبر اطہر پر جس نے سب سے پہلے تعمیر کی۔ وہ مختار بن ابی عبیدہ کی ذات گرامی تھی۔ چنانچہ ۶۵ھ کے آواخر میں مختار کے حسب امر محمد بن ابراہیم اشتر کربلائے معلیٰ آئے اور انہوں نے جص و آجر سے قبر کے اوپر ایک سقف۔ چاردیواری اور ایک مسجد کی بنا ڈالی۔ اور یہی آئندہ ہونے والے شہر کربلا کی پہلی خشت بنیادی تھی۔

اس عمارت کے بننے کے بعد ہی دُور دُور سے مشتاقانِ زیارت آنے لگے اور ابھی واقعہ عاشورہ تازہ تھا اموی سلاطین حکومت کر رہے تھے۔ قاتلین میں سے بعض حیات تھے۔ کہ امامؑ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام بن گئی تھی۔ حتیٰ کہ تجارتی منڈیاں قائم ہو گئی تھیں اور اطراف

و اکناف سے قافلے آنے لگے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سبطِ ابن جوزی ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ جس سے شہر کربلا کی قدامت پر روشنی پڑتی ہے۔ ابن جوزی سدی سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب کربلا پہنچا تو میرے پاس تھوڑا غلّہ تجارت کے لئے تھا۔ شام کو میں ایک شخص کا مہمان ہوا۔ جب دستر خوان بچھا تو ہم نے آپس میں قتل حسینؑ کا تذکرہ کیا۔ اور کہا جس نے بھی خونِ حسینؑ میں اپنے ہاتھ رنگے وہ بہت بُری موت مرا۔ یہ کلام سُن کر میرے میزبان نے کہا کہ تم لوگ کتنا جھوٹ بولتے ہو۔ دیکھو ایک میں ہی ہوں کہ قتل حسینؑ میں شریک تھا اور مجھ کو کچھ نہیں ہوا۔ سدی کہتے ہیں کہ کھانا کھا کر ہم سو گئے۔ آخر شب گھر والوں کی چیخ پکار سے میری آنکھ کھل گئی۔ پوچھا کیا خبر ہے۔ معلوم ہوا کہ وہی شخص چراغ ٹھیک کرنے کے لئے اُٹھا تھا کہ چراغ کا شعلہ بھڑکا اور آگ انگلی کے ذریعہ پورے جسم میں سرایت کر گئی۔

سفاح کی حکومت اور قبر امامؑ پر پہلا قبہ:۔ بنی عباس کی حکومت کا حجر اساسی بنی اُمیہ کے مظالم اور اہلبیتِ رسولؐ کی مظلومیت پر رکھا گیا۔ چنانچہ جب سفاح کی حکومت ہوئی تو اس نے اقامۂ عزا کی۔ سیاہ کپڑے خود پہنے اور لوگوں کو بھی پہنائے۔ ہر طرف حسینؑ پر مرثیئے پڑھے جانے لگے اس زمانہ میں خوفِ بنی اُمیہ سے دبے ہوئے شیعہ ظاہر ہونے لگے۔ قبر امام مظلوم پر بھی شان وشوکت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ اس سفاح عباسی کے زمانہ میں قبر اطہر پر سب سے پہلا قبہ بنایا گیا اور زائرین کے لئے ایک چھت بھی تعمیر کی گئی۔

مزار حسینؑ کا پہلا ہدم:۔ سفاح کی حکومت کے بعد جب منصور تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے عنانِ حکومت اُدھر موڑی کہ جدھر بنی اُمیہ کی عنانِ حکومت تھی۔ چنانچہ اپنی سلطنت قائم ہوتے کے ساتھ ہی جو پہلا کام اس نے انجام دیا۔ وہ امام مظلوم کے قبہ کو گرانا تھا۔

تعمیر:۔ اب یہاں سے قدرت اور انسان کی وہ جنگ نظر آتی ہے کہ جس میں ایک طرف انسان کا عزم پیہم کہ نشان قبر حسینی مٹا کر رہیں گے اور اس کے مقابلہ میں قدرت کا ارادہ کہ تم مٹاتے جاؤ ہم بناتے رہیں گے۔ چنانچہ قبر منورہ کو کھدے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ منصور اپنے اعمال کا جواب دینے خدا کی بارگاہ میں پہنچا۔ اور اُدھر مہدی نے قبر کے اوپر دوسری شاندار عمارت کھڑی کر دی۔

قبر امام اور ہارون:۔ مہدی کی تعمیر کے بعد جب ہارون رشید تخت خلافت پر قابض ہوا۔ تو اس نے نہ صرف قبہ کے گرانے میں اکتفا کی بلکہ تمام زمین

پر زراعت کروادی۔ حتیٰ کہ اس سدر کے درخت کو بھی کاٹ دیا کہ جو قبر مظلوم کی نشان دہی کرتا تھا۔
سنہ ۱۰۶ھ

قطع شجرہ کے متعلق رسولؐ اللہ کی ایک حدیث:- یحییٰ بن مغیرہ الرازی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ جریر بن عبدالحمید کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پاس اہل عراق میں سے ایک شخص آیا جریر نے اس سے وہاں کی خبر دریافت کی۔ اس نے کہا کہ میں نے رشید کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اس نے روضۂ حسینؑ کو کھدوایا ہے اور قبر مبارک پر جو بیری کا درخت تھا اس کو بھی کاٹ ڈالنے کا حکم دیدیا ہے۔ یہ کلام سن کر جریر نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد کہا کہ اس واقعہ کے متعلق رسولؐ اللہ کی ایک حدیث تھی کہ حضرت فرمایا کرتے تھے۔
"لعن اللہ قاطع السدرۃ" آج اس حدیث کے معنی سمجھ میں آئے۔

تعمیر:- خلیفہ ہارون جب دنیا سے رخصت ہوا۔ تو خلافت کی باگ ڈور امین و مامون کے ہاتھ آئی۔ اور سیاست عباسیہ نے پھر پلٹا کھایا۔ شیعوں پر مظالم کم ہوئے۔ ان پر انعام و اکرام کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ امام رضا علیہ السلام ولی عہد بنے۔ لہٰذا اس دور میں قبر امام حسین علیہ السلام کو پھر عروج ہوا۔ دوبارہ عمارت و قبہ کی بنا ہوئی اور ایک مرتبہ پھر حرم حسینی السلام علیک یا اباعبداللہ کی آوازوں سے گونجنے لگا۔

قبر حسینی اور یزدن عرب متوکل:- امین و مامونؑ کے ہاتھوں تعمیر شدہ روضۂ حسینی اور اس کے اطراف کی آبادی روز بروز ترقی کرتی گئی۔ مسلمان گروہ درگروہ زیارت کے لئے آتے تھے۔ اور ان کے لئے کوئی خوف و خدشہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں عباسی سلطنت کا ظالم بادشاہ متوکل تخت سلطنت پر بیٹھا۔ کہ جس کو اس کے مظالم کی وجہ سے اہل تاریخ نے "یزدن عرب" کے لقب سے پکارا ہے یہ متوکل وہ ہے کہ جس نے آلِ رسولؐ کی قلع قمع اور علی دشمنی میں معاویہ۔ منصور۔ ہارون رشید اور دوسرے اموی و عباسی سلاطین کو بھی مات کر دیا۔ حتیٰ کہ پندرہ برس کے عرصہ میں چار مرتبہ روضہ سید الشہداؑ کو اس نے مسمار کیا۔ اور اگر آخری مرتبہ ہدم کے بعد زندگی ملتی تو مزید ظلم کرنے سے باز نہ آتا۔ اس انہدام کی تاریخی تفصیل یہ ہے۔

پہلا ہدم شعبان ۲۳۳ھ۔ دوسرا ہدم ۲۳۶ھ۔ تیسرا ہدم ۲۳۷ھ۔ چوتھا ہدم ۲۴۷ھ
اس متواتر تخریب سے عاشقان حسینؑ کے اس جوش زن جذبہ کا بھی حال معلوم ہوا کہ جس نے شاہی ارادہ کا بڑے استقلال سے مقابلہ کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف متوکل قبر فرزند رسولؐ

مٹانے پر تُلا ہوا تھا۔ اور ادھر سر دھڑ کی بازی لگانے والے جانباز اس کو فوراً بنا دیتے تھے۔ وہ متوکل کی کھنچی ہوئی شمشیر کے باوجود قبر حسینی کے گرد پروانہ وار پھرا کرتے تھے حتیٰ کہ دوسرے اور تیسرے انہدام کے مابین صرف ایک برس کی مدت ہے۔ مگر جانثاران حسینؑ نے اس مختصر سی مدت میں بھی شاید کوئی عمارت بنادی تھی کہ جس کو متوکل نے خبر پاتے ہی منہدم کروا دیا۔

ہدم روضہ کی وجہ :- متوکل کو اہلبیتؑ مصطفےٰؐ سے جو عناد تھا۔ وہ تو اظہر من الشمس ہے۔ اس لئے وہ اپنی حکومت میں شہنشاہ کربلا حسینؑ کی حکومت کیسے دیکھ سکتا تھا۔ مزید برآں ایک روز اس پر یہ منکشف ہوا کہ اب اس کے گھر کی کنیزیں اور متعلقہ افراد بھی زیارت کو جانے لگے ہیں۔ مگر زیارت کو حج بیت اللہ کے ہم مرتبہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو الفرج اصفہانی اس واقعہ کی تفصیل میں لکھتا ہے کہ :-

ایک مغنیہ متوکل کے جلسہ ہائے رنگ و نوش میں گانے کے لئے اپنی کنیزیں بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ متوکل نے اس مغنیہ کے پاس اپنا آدمی بھیجا تو وہ گھر پر نہ ملی۔ کیوں کہ وہ زیارت قبر حسینؑ کو گئی ہوئی تھی۔ جب اس کو خبر ملی تو وہ بسرعت تمام واپس ہوئی۔ اور اس نے اپنی ایک کنیز کو بادشاہ کے پاس بھیجا کہ جس کو وہ بہت دوست رکھتا تھا۔ متوکل نے اس کنیز سے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں غائب تھے ؟ کنیز نے جواب دیا " میری مالکہ حج کو گئی ہوئی تھی۔ اور ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ مہینہ شعبان کا تھا۔ چنانچہ متوکل نے پوچھا۔ کہ شعبان میں حج کیسی ؟ کنیز نے جواب دیا کہ زیارت سید الشہداءؑ کو ہم لوگ گئے تھے۔ یہ سنتے ہی متوکل کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اپنے ایک فوجی افسر کو کہ جس کا نام " دیزج " تھا۔ حکم دیا۔ کہ وہ کربلا جائے اور روضۂ حسینؑ کو گرا دے بلکہ قبر اطہر پر پانی جاری کر کے اس کا نام و نشان تک مٹا دے۔ اللہ اللہ ! یحییٰ بن ذکریا کا سر ایک فاحشہ محبت میں جدا کیا گیا۔ اور روضۂ حسینؑ ایک گانے والی سے خفا ہو کر کھدوا دیا گیا۔

مرقد حسینؑ کھودنے والے یہودی تھے :- سید شباب اہل الجنۃ حسین علیہ السلام کی عظمت لوگوں کے قلوب میں تھی۔ متوکل کو اس کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے جس شخص کو اس رسوائے زمانہ کام کے لئے مقرر کیا تھا وہ تھا " دیزج " کہ جو ایک دشمن اسلام یہودی تھا۔ متوکل نے اس شخص کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ماہ شعبان میں روانہ کیا۔ جب کہ کربلا میں زائرین کا ہجوم تھا۔ لشکر کے پہنچتے ہی لوگ پراگندہ ہو گئے۔ اور اس شخص نے روضۂ اقدس کو ڈھا کر قلب جناب سیدہؑ کو زخمی کیا۔ کربلا کے تمام مکانوں کو گرا دو سو جریب کے حلقہ میں چاروں طرف ہل

چلا دیا۔ اس کے بعد قبر امام حسین علیہ السلام کو کھود دینے کا حکم دیا۔ مگر لشکر والوں میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر اس نے اپنے ہم قوم یہودیوں کو طلب کیا اور ان کی مدد سے نشان قبر کو مٹایا۔ پھر نہر فرات کا پانی کاٹ کر پورے کربلا کے طبقہ کو غرقاب کر دیا۔ مگر حائر حسین باوجود انتہائی نشیب میں واقع ہونے کے ایک قطرہ آب پہنچنے سے محفوظ رہا۔ یہ ماجرا دیکھ کر "دیزج" یہودی نے قبر کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ مگر تمام راستوں پر اس نے ایک ایک فرسخ کے فاصلہ پر مسلح پہرے لگا دیئے اور حکم دیا کہ جو بھی زیارت کے لئے آتا ہوا ملے اس کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ لیجئے گنبد کھد گیا۔ نشانِ لحد مٹ گیا۔ قبر کے چاروں طرف برہنہ شمشیروں کے پہرے بھی بٹھا دیئے گئے۔ مگر اس کے بعد بھی شمع حسینیت کے پروانوں نے آنا نہ چھوڑا کہ جس کی پاداش میں وہ یا تو "مطبق" (بنی عباس کے تیرو تار قید خانہ) میں بھیج دیئے جاتے یا شہدائے کربلا کے ہم پہلو سُلا دیئے جاتے۔ فطوبیٰ لھم وحسن ماٰب۔

یزید کی طرح متوکل نے بھی یہی خیال کیا تھا کہ جبر و استبداد سے کام لے کر حسینؑ و حسینیت کو خوب اچھی طرح کچل دیا جا سکے گا۔ مگر اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ بلکہ نشانِ مزار امام کو مٹانے کی جتنی کوشش کی لوگوں میں اس کے خلاف اتنی ہی جذبۂ نفرت بڑھنے لگا۔ اور بالآخر مسجد جامع کی دیواروں اور کوفہ و بغداد کے بازاروں میں اس کو یہ اشعار لکھے ہوئے نظر آئے۔

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت قتل ابن بنت نبیھم مظلوما

فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

اس قسم کے اشعار کا تھری یہ اثر ہوا۔ کہ متوکل ڈر گیا۔ اور اس نے سختی میں کمی کر دی۔ مگر جب بھی اس کو روضۂ حسینؑ پر اژدھام اور زیارت کی کثرت کی خبر ملتی آتش حسد بھڑک اٹھتی اور اپنے کینہ سے مجبور ہو کر دوبارہ روضۂ مظلوم کو منہدم کر دیتا۔ یہاں تک کہ آخری مرتبہ ہدم کے بعد قدرت نے اس کو مزید گل کھلانے کی مہلت نہ دی اور اپنے بیٹے مستنصر کے ہاتھوں اپنی سزا کو پہنچا۔

دو عاشق جانباز:۔ متوکل کے دور میں جن جانبازوں نے سر کی بازی لگا کر حسینی قبہ پر علم کو نصب کیا۔ ان میں زید و بہلول کے ناموں کو ہمیشہ سونے کے حروف سے تحریر کیا جائے گا۔ زید بھی بہلول کی طرح اگرچہ سطح بین افراد کی زبان پر "مجنوں" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر یہ دونوں تھے ایسے کہ اپنی اپنی دیوانگی میں وہ تاریخی کام کر گئے۔ جو ہزار دانا سے نہ ہو سکے۔

متوکل نے جس زمانہ میں فرزند رسولؐ کی قبر پر مظالم ڈھانا شروع کئے۔ زید اس زمانہ میں مصر میں رہتے تھے۔ اُن کو جب ان مظالم کی خبر ملی تو وہ مصر سے پیادہ چل کھڑے ہوئے۔ اور کوفہ میں آکر بہلول سے ملے۔ بہلول نے پوچھا کہ اے زید تم کو اتنے بڑے پیادہ سفر پر کس نے مجبور کیا۔ زید نے جواب دیا "تم کو نہیں معلوم! حسینؑ مظلوم کا روضۂ منہدم کر دیا گیا ہے۔ اس خبر نے میرے سکون و قرار کو چھین لیا۔ پھر یہ دونوں فدائی باہم کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں آکر قدرتِ الٰہی کا عجب تماشا دیکھا۔ دیکھا کہ متوکل کی پیہم کوششوں کے باوجود قبر اب تک محفوظ ہے۔ جو پانی قبر اطہر کو ڈبونے کی خاطر نہر کاٹ کر لایا گیا ہے اس نے قبر کے چاروں طرف حلقہ باندھ لیا ہے۔ اور پیاسے کی قبر بالکل سوکھی پڑی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر زید نے بہلول سے کہا۔ بہلول دیکھو! یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ پھر زید نے بہلول کو مخاطب کر کے ایسی تقریر کی کہ جس کو سُن کر وہ فلاح کہ جو پندرہ برس سے اس کام پر مامور تھا چونکہ اور ایک مرتبہ اس کا دل بھی نور ایمان سے منور ہو گیا فلاح ہل کو زمین پر پھینک کر جانب سامرا (مقر متوکل) روانہ ہوا۔ اور اس نے بادشاہ کے سامنے پہنچ کر بچشم گریاں و قلب تپاں حسینؑ کی قبر انور پر ہل چلانے سے معذوری ظاہر کی۔ پھر جو معجزے اس نے دیکھے تھے ان سب کو متوکل سے بیان کیا۔ متوکل پر بجائے موافق اثر ہونے کے وہی اثر ہوا۔ کہ جس کی اُمید تھی یعنی ہزاروں بے گناہوں کی طرح اس بے چارے فلاح کو بھی ظالم جلاد کی تلوار نے عروس شہادت کی آغوش میں سلا دیا۔ زید کہ جو اس کسان کے انجام سے غافل نہ تھے اور کربلا سے سامرہ تک اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ وہی اُس "حُرِ ثانی" کی تدفین و تکفین کے متکفل ہوئے۔ اور متوکل کے ظلم و جور کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کنارِ دجلہ اس کی لحد بنا کر آہ و زاری میں مصروف ہوئے۔ متوکل کو جب ان کی خبر ملی تو اس نے ان کو بھی قید خانہ میں بند کر دیا کہ جہاں ایک مدت تک بسر کی اور بالآخر اپنی جرأت و اقدام کی بدولت قبر امام کی تعمیر اور اذنِ زیارت کا پروانہ لے کر ہی زندان سے نکلے۔ زید کو جس وقت پروانہ زیارت ملا اُس وقت آلِ رسولؐ کے دیوانہ کی حالت دیدنی تھی۔ زید سامرے سے نکل کر دیار بدیار و شہر بہ شہر پکارتے پھرتے تھے کہ زائرین حسینؑ اٹھو اور حسینؑ مظلوم کی زیارت دل کھول کر کرو۔ میں تمہارے لئے اس کی خوشخبری لایا ہوں۔

متوکل کا انجام:۔ خداوند حکیم و دانا کی اکثر حکمت یہ رہی ہے کہ "یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی" وہی خدا

کہ جس نے نوح کی صلب سے ایک کافر خلق فرمایا۔ اُسی نے بہت سے فرعونوں کی آغوشوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو پیدا کرکے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کی ذات شرافت و رزالت میں اس کے حسب و نسب کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ ذاتی بزرگی کا مدار انسان کے کردار پر ہے اس لئے باپ سے اظہار نفرت و بیزاری کرنے کے باوجود ... سے بیٹوں ... ہم کو محبت کرنی پڑتی ہے۔ اور ان کے ولادت نسب سے ان ... کچھ نہیں بگڑتا۔

مستنصر بن متوکل انہی ہونہار جوانوں میں سے تھا۔ کہ جس نے فرعون وقت (متوکل) کی آغوش میں اپنی آنکھ کھولی۔ اسی کے گوشت پوست سے درست ہوا۔ مگر اس زہریلے خمیر و زہریلی آب و ہوا کے باوجود اس کا قلب مسموم نہ ہوا۔ بلکہ حب آل اطہار کی آماجگاہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے باپ کی حرکات سے سخت نالاں تھا۔

مستنصر نے پہلے تو اپنے باپ کی اصلاح کی بڑی کوشش کی۔ مگر جب یہ کوشش بارآور نہ ہو سکی بلکہ اس کی عداوت اہل بیتؑ بڑھتے ہی گئی تب اس علماء نے اس کے قتل کے متعلق استفتاء کیا۔ علماء نے متوکل کو ناصبی ہونے کی وجہ سے واجب القتل تو کہا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ باپ کے خون میں کسی فرزند نے اپنے ہاتھ نہیں رنگے۔ الا یہ کہ اس کی عمر کم ہو گئی۔ مستنصر نے یہ جواب دیا کہ ایک دشمن اہل بیتؑ کے قتل کرنے میں اگر میری عمر گھٹ بھی جائے تو مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ۲۴۷ھ میں مستنصر عباسی نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا۔ جس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بھی راہی ملک عدم ہوا۔

تعمیر:- متوکل کے ہلاک ہونے کے بعد تاج شاہی مستنصر کے ہاتھ آیا۔ اس نے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی منادی کرادی کہ زائرین امام حسینؑ زیارت کے لئے آئیں۔ اب ان کے لئے کوئی خوف مانع نہیں ہے۔ مزید برآں اس نے قبر کے پاس ایک اونچا مینار تعمیر کیا جس کو دیکھ کر لوگ دُور دُور سے آتے تھے۔ اس نے قبر اطہر پر ایک خوشنما ضریح بھی نصب کی۔ اُس کے زمانہ میں زائرین کی راحت کے لئے ایک بڑی چھت بنائی گئی کہ جس کے سایہ میں زائرین آرام لیتے تھے۔

انہدام سقف:- ۲۴۷ھ سے لے کر ۲۷۳ھ ۲۶ سال تک کربلا کا آسمان بلاؤں کے بادلوں سے صاف رہا مگر ۲۷۳ھ وہ سال تھا کہ جس میں یہ عظیم الشان سقف زائرین کے اوپر پھٹ پڑی۔ اگرچہ تاریخ میں چھت گرنے کا باعث تحریر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس میں بھی سیاست وقت کا ہاتھ تھا۔ کیوں کہ یہ وہ دور تھا جبکہ شیعوں پر علانیہ ظلم و ستم سیاسی نقطۂ نظر سے مناسب نہ تھا۔ ورنہ ایک مضبوط ساخت کی چھت

جس کو بنے ہوئے ابھی بیس پچیس برس ہوئے تھے بلاوجہ نہیں گر سکتی۔ پھر یہ کہ جس روز یہ چھت گری ہے وہ عرفہ کا روز تھا۔ جو کربلا کی مخصوص کا روز ہے۔ اور اس تاریخ کو زائرین کا ازدحام ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چھت کا گرنا اتفاقی امر نہ تھا۔ بلکہ یہ حکومت وقت کی سوچی سمجھی تدبیر تھی۔

داعی صغیر زیدی کی کربلا میں آمد: چھت گرنے کے سات برس بعد زیدی فرقہ کے پیشوا داعی محمد بن زید نے عباسی خلیفہ معتضد باللہ سے روضہ کی تعمیر کے لئے اجازت طلب کی کہ جو اس نے دے دی۔ داعی نے نجف کی زیارت کی۔ اس کے بعد کربلا آیا اور اُس نے ایران کے خزانے عراق میں انڈیل دیئے۔ جن سے ایک عظیم الشان قبہ بنایا۔ اس قبہ میں داخلہ کے لئے دو در بنائے گئے۔ زائرین کے لئے دو بڑی چھتیں تعمیر کیں۔ شہر پناہ کی دیوار بنائی۔ لوگوں کے رہنے کے لئے گھر تعمیر کئے۔ اہل کربلا کو جائزے تقسیم کئے اور کربلا کی ترقی میں اس نے بہت کچھ کیا۔

کربلا اور آلِ بویہ: زیدیوں کی تعمیر کے بعد چوتھی صدی ہجری میں بویہی بادشاہوں نے کربلا اور دیگر عتبات مقدسہ کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔ یہاں تک کہ جب عضد الدولہ کا زمانہ آیا تو اس نے از سر نو ایک خوبصورت قبہ کی تعمیر کی۔ ضریح پر دیباج چڑھایا۔ در و دیوار کی عاج سے تزئین کی۔ قبہ در واق کو خوب آراستہ کیا۔ گھروں اور بازاروں کو آباد کیا۔ شہر پناہ کی دیوار کی تجدید کی۔ ساکنین کربلا کے لئے پانی کا انتظام کیا۔ روشنی کے لئے اوقاف مقرر کئے۔ سادات پر مال تقسیم کیا۔ اس کے زمانہ میں عمران بن شاہین نے بھی تعمیر میں دخل دیا خصوصاً رواق میں بڑی آراستگی کی۔ رواق کو از جانب قبلہ حرم سے متصل کر دیا۔ حاصل یہ کہ چوتھی صدی کے ختم سے پہلے متوکل کے ہاتھوں پے در پے برباد شدہ کربلا پوری طرح شاداب و آباد ہو گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی کثرت آبادی کا یہ حال تھا کہ اس میں علاوہ غیر سادات کے ۲۲۰۰ صرف علوی سادات بستے تھے۔

کربلا پر ضبّہ کی تاخت: آل بویہ کے زمانہ میں کربلا کو اطمینان کی سانس لئے ابھی زائد عرصہ نہ گذرا تھا کہ ضبّہ بن محمد الاسدی نے اس پر تاخت شروع کر دی۔ یہ ایک خود مختار امیر تھا کہ جس نے لوٹ و مار کے ذریعے اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ اور عین التمر کو اپنا پایہ تخت قرار دیا تھا۔ یہ وہی ضبّہ ہے کہ جس کے متعلق ابوالطیب تبنی نے اپنے مشہور قصیدہ میں ہجو کی ہے جس کا مطلع ہے۔

ما انصف القوم ضبّہ   ولا فی ام الطرطبہ

اس ہجو کی وجہ سے متبنی کو معہ اس کے بیٹے کے قتل کر دیا۔ ۳۶۹ھ میں ضبہ نے کربلا پر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا۔ شہر میں داخل ہو کر خوب لوٹ مچائی۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کیا۔ حرم کی حرمت کو ضائع کیا۔ خزانہ کو خالی کر دیا۔ اور بقیۃ السیف کو کنیز و غلام بنا کر اپنے قلعہ "عین التمر" لے گیا۔

ابو شجاع عضد الدولہ فناخسرو کو جب ضبہ کی تباہ کاریوں کی خبر ملی تو وہ دس ہزار کا لشکر لے کر ضبہ کی سرکوبی کے لئے آیا۔ اور "عین التمر" میں اس کو معہ اس کے لشکر کے گھیر لیا۔ اس موقع پر ضبہ کو شکست ہوئی۔ اس کا پورا لاؤ لشکر، مال و متاع فناخسرو کے ہاتھ لگا۔ اور وہ خود اپنی جان بچا کر بادیہ میں بھاگ نکلا۔ فناخسرو نے "عین التمر" کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حرم حسینؑ سے لوٹا ہوا مال دوبارہ حرم میں واپس کیا۔ ضبہ کے قلعہ سے جتنے آدمی ہاتھ لگے۔ ان کو حرم کی خدمت پر مامور کیا۔

حائر حسینی میں آگ کے شعلے:۔ واقعہ ضبہ کے بعد ۴۰۷ھ میں جو بڑا سانحہ حرم حسینی میں وقوع پذیر ہوا وہ آتش زنی کا واقعہ ہے۔ اسلام کی تاریخوں میں اس آتشزدگی کی تفصیل تو سرسری طور پر بس اتنی ملتی ہے کہ:۔

فی سنہ ۴۰۷ احترق مشھد الحسینؑ، وکان السبب ان القوم اشعلو شمعتین کبیرتین فسقطتا جوف اللیل علی التازیر فاحرقتاہ وتعدت النار۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عظیم آتشزدگی کہ جس نے حرم اقدس کو خاکستر کر دیا تھا۔ شمع کے گر پڑنے کا معمولی اثر تھا۔ لیکن انہی ایام میں ہونے والے دوسرے سانحے اس رازداروں کو طشت از بام کرتے ہیں۔ اور وہ سانحے یہ ہیں۔

۱۔ آتشزدگی کے پورے دس روز بعد افریقہ کے شیعوں پر مظالم توڑے جاتے ہیں۔
۲۔ اس آتشزدگی کے دس روز بعد ہی بغداد کے شیعہ محلوں میں لوٹ مار کی جاتی ہے۔ اور اس فساد کے نتیجہ سے حرم کاظمین بھی محفوظ نہیں رہتا۔
۳۔ انہی ایام میں واسطہ میں بھی شیعہ سنی جھگڑا ہویدا ہوتا ہے۔
۴۔ اسی زمانہ میں کعبہ کا رکن یمانی منہدم ہوتا ہے۔
۵۔ اسی روز مسجد نبوی کی دیوار گر پڑتی ہے۔
۶۔ اسی دن بیت المقدس کا قبہ بھی گر جاتا ہے۔

اب اسلام کے اہل تاریخ حرم حسینی کی آتشزدگی کے واقعہ پر لاکھ پردہ ڈالنے کی کوشش

کریں۔ مگران متواتر واقعات کی روشنی میں یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اس عصر کے خلافت مآب (قادر باللہ عباسی) نے ایک ایسا وسیع جال پھیلا یا تھا کہ جس کی بدولت پورے اسلام کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کی تھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تعمیر:۔ آتش زدگی کے واقعہ کے بعد سلطنت بویہیہ کے وزیر حسن بن فضل نے حرم کو دوبارہ استوار کر کے شہر کو کافی ترقی دی۔

منارۂ مرجان:۔ بویہ شاہی تعمیرات کے بعد ادریس بن حسن جلائری اور اس کے غلام مرجان کا نام آتا ہے۔ اس غلام نے اپنے آقا ادریس سے بغاوت کر کے بغداد میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہی تھی۔ ادریس کو جب اس کی خبر ملی تو وہ ایک لشکر جرار لے کر مرجان کو قتل کرنے کے لئے بغداد آیا۔ مرجان بھاگ کر کربلا آیا۔ اور حائر حسینی میں پناہ گزین ہوا۔ عقیدت مند بادشاہ کو جب اس کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے اپنے غلام کے اس سنگین جرم سے درگزر کی اور اس کو دوبارہ اپنے مراحم خسروانہ سے نوازا اور بغداد کا حاکم بنا دیا۔ غلام نے اس خوشی میں اپنا سارا مال سرکار حسینی میں لٹا دیا اور حرم اقدس سے متصل ایک مسجد اور ایک خوشنما و بلند گلدستہ تعمیر کیا کہ جو کاتب الحروف کے زمانہ تک موجود تھا اور منارۃ المعبد کے نام سے مشہور تھا۔

ادریس کے بعد اس کا بیٹا احمد تخت نشین ہوا۔ اور اس نے بھی اپنے باپ سے بڑھ چڑھ کر حرم کی تزئین و آرائش میں حصہ لیا۔ ابھی تک روضہ پر صرف ایک گنبد اور ایک منارہ تھا۔ اس نے گنبد کے دونوں طرف دو منارہ تعمیر کئے۔ اور ان پر سونا چڑھایا جس کا مادہ تاریخ ہے۔ (دو ستون زریں) ۷۸۶ھ

۹۸۲ھ میں منارۃ العبد کچھ خراب ہوا تو شاہ طہماسپ نے اس کی مرمت کی۔ لوگوں نے اس کی تاریخ فارسی میں کہی (انگشت یار)۔ جس کا ترجمہ عربی مع مادہ تاریخ کے ہے۔ (خنصر الاحب)

روضۂ اقدس اور شاہ عباس:۔ ۱۰۳۲ھ میں شاہ عباس نے ضریح کے اندر صندوق بنوایا اور قبہ منورہ کی کاشی سے تزئین کی۔ ایوان و رواق وصحن کی زینت و مرمت میں کافی مال صرف کیا۔ ایران سے بیش بہا قالین لا کر حرم میں فرش کئے۔ متولی روضہ اور مجاورین پر بہت انعام و اکرام کیا۔ مادہ تاریخ ہے (بالحسن صفا

حرم حسینی اور نادر شاہ درّانی:۔ ۱۱۵۰ھ میں نادر شاہ درانی کربلا وارد ہوا۔ اور اس نے بڑی نادر و قیمتی تحف و ہدایا سے حرم کی زینت

کی ۔ ۱۱۵۵ھ میں نادر شاہ کے وزیر شہم نے روضہ کی تحکیم کی اور صندوق و رواق کو پھر سے
بنایا قیمتی پردے اور نفیس جھاڑ آویزاں کئے ۔ جن میں ایک نہایت ہی طرفہ جھاڑ تھا ۔ جس
میں بارہ روشنیاں تھیں ۔ جن کی شکل اژدھوں کے سر کی سی تھی ۔ جن پر شاہین بیٹھے ہوئے
تھے ۔ بعد ازاں ہر موالی اور شیدائی یکے بعد دیگرے حرمین کی تزئین میں اور آراستگی میں ایک
دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا ۔ اور حرم اقدس میں روز بروز چار چاند لگتے
گئے ۔ اور جس جس نے سید الشہداؑ کے روضہ کو سنوارا اُس نے حضرت ابو الفضل عباسؑ کی
بارگاہ کی بھی تعمیر میں حصہ لیا ۔ یہاں تک کہ ۱۲۱۶ھ وہ سال آیا کہ جس میں زمین کربلا ایک
مرتبہ پھر بے گناہوں کے خون سے نہا گئی ۔ اور یہ تمام رونق ظلم کے ہاتھوں نے لوٹ لی ۔

کربلا پر وہابیوں کی یلغار :۔ فاطمہؑ کے لال اور رسولؐ کے جگر بند ۔۔۔ حسینؑ کی خواب گاہ کو تاراج کرنے اور مظلوم و بے کس
شہریوں کے خون ناحق میں اپنے ہاتھ رنگنے میں یوں تو بقدر حوصلہ ہر قسم کے ظالموں نے حصہ
لیا ۔ لیکن ان میں وہابی فرقہ کو خاص امتیاز حاصل ہے ۔ وہابیوں نے وقتاً فوقتاً کربلا اور
نجف پر کئی حملے کئے ۔ اور دونوں بارگاہوں کا قیمتی مال لوگوں کا خون بہا کر لے گئے ۔ ان کے
مظالم کا نشانہ زیادہ تر معصوم بچے اور لاوارث عورتیں ہوتی تھیں ۔ یہ لوگ موقع دیکھ کر
ایسے وقت حملہ آور ہوتے تھے جب کہ کربلا کے مرد کسی دوسرے مقام پر زیارت وغیرہ کے لئے
گئے ہوتے تھے ۔

۱۸ ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ وہ صبح تھی کہ جو اہل کربلا کے لئے صبح عاشور بن کر آئی ۔ شہر میں
عورتوں ۔ بچوں یا لاوارث بڈھوں اور بیماروں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا ۔ کیوں کہ اکثر
لوگ زیارت غدیریہ کے لئے نجف اشرف گئے ہوئے تھے جاف احقر رئیس فرقہ وہابیہ نے اس
موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیس ہزار کے لشکر سے کربلا کو گھیر لیا ۔ لوگوں کو تھوڑا سا اطمینان
تھا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہے کہ ایک مرتبہ عید غدیر کی صبح کو جب کربلائے معلیٰ کے مقابلہ
کرنے والے مرد نجف میں زیارت پڑھ رہے تھے ۔ جاف احقر کے بیس پچیس سپاہی کسی
طرح عقبی دیوار میں شگاف ڈال کر اندر گھس آنے میں کامیاب ہو گئے ۔ لوگوں میں سراسیمگی
پیدا ہو گئی ۔ یہ لوگ تلواریں ہلاتے ۔ لوگوں کو مارتے دروازہ شہر تک پہنچے اور دروازہ کھول
دیا ۔ اب کیا تھا بیس ہزار کا پورا لشکر شہر کے اندر ٹوٹ پڑا ۔ سب سے پہلے حرم اقدس پر دھاوا
بولا گیا ۔ حرم کے اندر قتل و غارت لوٹ مار مچائی گئی ۔ کوئی بیش بہا قالین اٹھا رہا ہے ۔ تو کوئی
چاندی سونے کے دروازے اکھاڑ رہا ہے ۔ دیکھتے دیکھتے حرم میں خاک اڑنے لگی ۔ اور وہ

حسینی دربار کہ جس کی آرائش میں سینکڑوں سال صرف ہوئے تھے جس میں زیدیوں۔ آل بویہ نادر شاہ اور دوسرے صدہا امراء کے بے شمار تحف و ہدایا تھے۔ جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ وہ چند گھنٹوں میں نجدیوں کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ ضریح ٹھنڈی کی گئی۔ رواق منہدم کر دیا گیا۔ حرم میں جتنے قرآن ملے ان کو پھاڑ ڈالا گیا۔ حرم کی لوٹ کے بعد یہ انسان نما درندے سہمے ہوئے بچوں اور ڈری ہوئی عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جہاں تک ہو سکا ان کو نیزہ و شمشیر کا نشانہ بنایا۔ خوب دل کھول کر خون کی ہولی کھیلی کوئی ایسی گلی نہ تھی کہ جوان لاوارثوں کے خون سے رنگین نہ ہو۔ کوئی گھر نہ تھا کہ جس سے نالہ وشیون کی آواز بلند نہ ہو۔ مظلوم فریاد کر رہے تھے۔ مگر کوئی بھی اُن کی فریاد کو نہ سنتا تھا۔ ہاں! اگر کوئی سُن رہا تھا وہ منتقم حقیقی کہ جس کا کڑا انتقام اپنے وقت سے ہوتا ہے!! (الغدیر)

زیارت غدیر کے بعد ستم رسیدہ شہری جب کربلا واپس آئے تو سڑکوں پر لاشوں اور گھروں میں بقیۃ السیف زن و مرد کے نالوں کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اس واقعہ حائلہ کا مادہ تاریخ ہے۔

تعمیر:۔ سنت فرعون و یزید پر عمل کرنے والے ادھر داد ظلم دے کر ہدایت کے علم کو سرنگوں کر کے ہٹے ہی تھے کہ باغی انسان کی سرکشی کا تماشہ دیکھنے والی اور پھر اپنے وقت پر ان کو سزا دینے والی قدرت کی مشیزی حرکت میں آئی اور شاہ فتح علی روضہ سید الشہداء کو دوبارہ آباد کرنے کو کھڑا ہوا۔ اس نے روضہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ سونا پانی کی طرح بہایا۔ بہترین قسم کے ساج سے قبر اطہر پر ایک صندوق نصب کیا۔ اس کے اوپر چاندی کی ضریح نصب کی قبہ پر کاشی کے بجائے سونا چڑھایا۔ ایوان پر چھت بنائی۔ روضہ حضرت عباس کی بھی دوبارہ مرمت کر کے اس کے قبہ پر کاشانی گلکاری کی۔ دونوں دربارں سے جو کچھ لوٹا گیا تھا اس کی تجدید کی۔ اور قیمتی و نادر جواہرات سے دوبارہ خزانہ کو پُر کر دیا۔

اسی زمانہ میں ملت جعفریہ کے نامور عالم شیخ جعفر کاشف الغطاء نے بھی کمر ہمت باندھی چنانچہ علامہ مذکور نے روضہ کی تجدید کے لئے ایران کا سفر کیا۔ شیخ بھی اپنے اس سفر میں کامیاب پلٹے۔ اور ان دین و دنیا کے دو بادشاہوں کی سعی پیہم سے روضہ حسینی ۱۲۳۲ھ تک پہلے سے بھی بڑھ کر شاندار ہو گیا۔ طلائی گنبد پر نصب شدہ سُرخ علم ایک مرتبہ پھر ضلالت پسند انسان کے ظلم و جور کے انتظار میں بڑے استقلال کے ساتھ لہرا رہا تھا۔

پے در پے مصائب:۔ ان واقعات کے علاوہ سرزمین کربلا پر وہ مصائب

آئے کہ جن کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک بڑے دفتر کی ضرورت ہے۔ پہلا واقعہ ۱۲۴۱ھ میں پیش آیا۔ جب کہ سلیمان مناخور تائب لشکر عثمانی نے کربلا پر حملہ کیا۔ دوسرا سانحہ اس کے بعد نجیب پاشا کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ کہ جس نے کربلا میں حکومت کے چند باغیوں سے غصہ میں آکر پورے کربلا میں خون کی ندیاں بہا دیں۔

بارگاہِ سیّد الشہداؑء میں اہل لکھنؤ کے جذبات:۔ ہندوستان کے مہذب ترین شہر (لکھنؤ) کو برصغیر ہند میں وہی مرکزیت حاصل ہے۔ جو ایران میں قم اور عراق میں نجف اشرف کو حاصل ہے۔ اس لئے اگر لکھنؤ کو ہندوستان کا نجف کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا لکھنؤ ہی کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے علم و تمدن کے سمندر سے نہریں کاٹ کاٹ کر ہندوستان کے تمام علاقوں کو سیراب کیا گیا۔ اور جہاں یہ نہریں نہ پہنچیں وہاں لکھنؤ کے علماء اور واعظین ابر کرم بن کر اُٹھے۔ اور انہوں نے اقصائے ہند کے ریگستانوں سے لے کر افریقہ کے بیابانوں تک اپنے علم و عرفان کی بارش سے گلستان بنا دیئے۔

یہ ضرور ہے ـــــ کہ لکھنؤ۔ اب اپنے پہلے رعب و شباب پر باقی نہیں ہے خصوصاً جب سے تقسیم ہند کے نتیجہ میں ایمان کی بھی عملی تقسیم ہو گئی ہے۔ یقین جانیئے کہ اس صدمہ سے سن رسیدہ لکھنؤ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ مگر لکھنؤ کی اس پیری کے باوجود اس کا مقام اب بھی محفوظ ہے۔ اور اس کا احترام اس کی اولاد پر واجب ہوتا ہے!

بہرحال یہی لکھنؤ ـــــ جس وقت ایک ہرا بھرا باغ تھا۔ جب اس کی زمین عنبر بیز اور آسمان گوہر بار تھا اُس وقت اسی گلشن علم و ایمان کے گلہائے رنگین۔ اخلاص کے طبق میں سنوار کے کبھی "عماد الاسلام" کی شکل میں تو کبھی "شریعتہ غرّا" و "روائح القرآن" کی صورت میں اور کبھی "عبقات الانوار" کے بھیس میں ہند سے عراق اور عراق سے ایران لے جائے جاتے تھے۔ اور وہاں کے علماء کے مشام جان کو اپنی خوشبوؤں سے معطر کرتے تھے۔ اُسی زمانہ میں لکھنؤ کے تاجدار بھی سلطانِ کربلا و شاہ نجف کی بارگاہوں میں اپنا خراج عقیدت پیش کرتے تھے۔ وہ اپنی دوری اور فقدانِ اسباب نقل و حرکت کے باوجود حسینی آستانہ پر زر کثیر لٹا کر سیّدہ عالم کی بارگاہ میں سرفراز ہونے میں اپنا فخر سمجھتے تھے۔ واجد علی شاہ دنیا سے گزر گئے مگر کربلا میں ان کے عظیم الشان زوار خانہ کا نشان اب تک باقی ہے۔ آج شاہانِ لکھنؤ کو گزرے اور لکھنؤ کے تخت و تاج کو اُجڑے ایک عرصہ ہو گیا۔ مگر ان کا قائم کردہ خیریہ آج تک جاری ہے۔ اور لوگ اس سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ روضہ سید الشہداؑء کے نقرئی دروازے

اب بھی شاہانِ اودھ کے نام کو اپنے سینہ پر کندہ کئے ہیں۔ حضرت عباس علیہ السّلام کے روضہ کا موجودہ شاندار ایوان طلا لکھنؤ ہی کے زرِ کثیر سے بنایا گیا ہے۔

کربلا اور مُلّا طاہر سیف الدین :- ناانصافی ہوگی اگر کربلا کی تعمیرات میں حصہ لینے والوں کی سنہری فہرست میں ہز ہائی نس مُلّا طاہر سیف الدین کے مساعی جمیلہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ بوہروں کا گروہ اگرچہ ہے تو ایک چھوٹی سی جماعت مگر اس کی فراخ حالی اور اس کے نظم و اتحاد کی بڑی دلیل ہے۔ اس نظم و اتحاد کی بدولت کمیٹی کی اس مٹھی بھر جماعت نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی نقرئی ضریح۔ حضرت امیر المومنینؑ کی گنگا جمنی ضریح۔ حضرت سیّد الشہداءؑ کا گنبد طلا۔ اور اب حال میں وہ سونے کے مینار بنوا کر جلالتریوں اور ربوبیوں کی سلطنتوں سے ٹکر لینے کی کوشش کی ہے۔

اللہ اللہ! جس زمین پر ملائک سجدہ کریں۔ رسول آنکھیں ملیں۔ اس پر ہل چلائے گئے۔ دریا بہائے گئے ——— خون برسایا گیا۔ مگر ———

اے چشمِ عبرت دیکھ ——— اور اے گوشِ ہوش سُن! ——— کہ بارگاہ حسینی کے طلائی گنبد کی بلندی پر شہیدانِ وفا کے لہو سے رنگا ہوا "سرخ علم" اب بھی اپنے پورے ہیبت و جلال کے ساتھ۔ بالکل اسی طرح سایہ فگن ہے۔ جس طرح اب سے تیرہ سو سال پہلے !!

میری نگاہ جب اس علم ہدایت کے نورانی پھریرے پر پڑتی ہے تو دل کی آنکھوں سے اس پر یہ الفاظ نقش نظر آتے ہیں ———

"سیّد الشہداءؑ کی قبر پر ایک ایسا علم
نصب کیا جائے گا ——— کہ جو کروڑہا
لیالی و ایام کے گزرنے کے بعد بھی
سرنگوں نہ کیا جا سکے گا ———
اگرچہ آئمہ کفر و ضلالت اس علم و
نشان کے مٹانے کی ان تھک کوشش
کریں گے مگر ——— ان کی کوشش
کے برخلاف یہ "حسینی پرچم"
ہمیشہ سربلند ہی ہوتا جائے گا !!

حصّہ دوم

کے

لکھنے والے

سیدالعلماء الحاج علامہ سیّد علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر

ادیب اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ

علامّہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ

ثقۃ الاسلام الحاج علاّمہ محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری

علامّہ مفتی سیّد طیب آغا صاحب قبلہ جزائری

علامّہ مرزا احمد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ

صدر ملت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ مجتہد نوگانوی

جناب مولانا سیّد گلاب شاہ صاحب قبلہ ملتان

جناب مولانا محمد لطیف صاحب انصاری مبلّغ مشرقی افریقہ

جناب مولانا سیّد شمس الحق صاحب قبلہ رضوی

جناب مولانا سیّد نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی

تقریظ

سید احسن عمرانی

(مدیر اعزازی ماہنامہ معارف اسلام لاہور)

کتاب مستطاب "چودہ ستارے" کوئی ایسی غیر معروف کتاب نہیں ہے کہ جس کا تعارف کرایا جائے مجھے اسوقت صرف اسکے اضافی حصہ دوم کیمتعلق اتنا ہی عرض کرنا ہے۔ کہ اس اضافہ نے اس کتاب کی انفرادیت، افادیت اور اہمیت کو مزید چار چاند لگادیئے ہیں اس اضافے کی وجہ محترم ملک صاحب نے "عرض حال" میں عرض کردی ہے۔ حصہ دوم کتب تاریخ و سیر میں کامیاب اضافہ ہے۔ اس حصے کا انتخاب ملک عرفانی صاحب نے نہایت عمدگی سے کیا ہے اور یہ ان کی بالغ نظری کا بین ثبوت ہے اس اضافی حصے میں جن جن علماء کرام کی نگارشات شامل ہیں اُن کے علم و فضل اور تحقیق میں کسے کلام ہے۔ اب اس کتاب کے ہوتے ہوئے دوسری کسی تاریخی کتاب کی ضرورت محسوس نہ ہوگی اِس میں تاریخ نجف اشرف اور تاریخ کربلائے معلیٰ ایسے CHAPTERS ہیں جو سینکڑوں کتب کی چھان بین کے بعد لکھے گئے ہیں زبان نہایت سادہ، سلیس صاف اور شستہ استعمال کی گئی ہے جسے ایک معمولی پڑھا لکھا قاری بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ میں نے حصہ دوم کو امعانِ نظر سے دیکھا، اسمیں کتابت کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ہر مومن کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ یہ چہاردہ معصومین کے حالات زندگی پر مکمل کتاب ہے۔

(احسن عمرانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا — چودہ پلانے والے ہیں پرواہ ہے مجھ کو کیا

بتلائے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتہ — بطحا و کاظمین و خراسان و سامرا

خورشید مدعا مرا، برج شرف میں ہے

اک کربلا میں اک مرا ساقی نجف میں ہے

چودہ ستارے

یعنی

حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

تاج المتکلمین نجم الواعظین مؤرخ یگانہ، فخر العلما حضرت مولٰینا مولوی سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی واعظ

ناظم اعلٰے پاکستان شیعہ مجلس علما، خطیب شیعہ پشاور (پاکستان)

حسبِ فرمائش

منیجر شیعہ جنرل بک ایجنسی، انصاف پریس ریلوے روڈ۔ لاہور